فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (القرآن)
فانما شفاء العی السؤال (الحدیث)

نجم الفتاویٰ

جلد ثانی

کتاب الطہارۃ والصلوٰۃ

طہارت اور نماز سے متعلق تقریباً ساڑھے سات سو
اہم فتاوی جات کا مدلل و مفصل مجموعہ

تالیف:
حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب و تبویب: مفتی فرحان حسن عفی عنہ
نگران شعبۂ تصنیف و استاذ دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

ناشر
شعبۂ نشر و اشاعت دارالعلوم یاسین القرآن

Marfat.com

فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (القرآن) فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الحدیث)

نجم الفتاویٰ

مجموعہ

جلد ثانی

کتاب الطہارۃ والصلوٰۃ

طہارت اور نماز سے متعلق تقریباً ساڑھے سات سو
اہم فتاوی جات کا مدلل و مفصل مجموعہ

تألیف: حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب وتبویب: مفتی فرحان حسن
نگران شعبۂ تصنیف و استاذ دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

ناشر
شعبۂ نشرواشاعت دارالعلوم یاسین القرآن

DATA ENTERED

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

کتاب کا نام : نجم الفتاویٰ

مؤلف : حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب وتبویب : مفتی فرحان حسن (استاذ دارالعلوم یاسین القرآن)

کمپوزنگ : بھائی شکیل احمد صدیقی صاحب

سن اشاعت : 1437ھ بمطابق 2016ء

مطبع : ادارۂ طباعت 0333-2136180

ناشر : شعبۂ نشرواشاعت دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)
0301-2113944, 0334-3957443

297.35
(ن) 34 (ن)
159301 جلد ۲

ملنے کے پتے:

ملک کے مشہور اسلامی کتب خانوں سے طلب فرمائیں!

اسٹاکسٹ : ادارۃ النور
شاپ نمبر 2، پلاٹ نمبر 4/ G.R.E.672 انور مینشن، بنوری ٹاؤن، کراچی
Ph: +92-21-34914569
Email: idaratunnoor@gmail.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرست (نجم الفتاوی جلد ثانی)

کتاب الطهارة

فصل فی الوضوء ۳۹

فصل فی الغسل ۱۰۱

فصل فی التیمم ۱۱۷

فصل فی النجاسات واحکام التطهیر ۱۳۷

فصل فی احکام المیاہ ۱۷۶

فصل فی احکام الجنب والمعذور ۱۹۰

فصل فی الحیض والنفاس ۲۰۲

فصل فی المسح علی الخفین والجبیرة ۲۲۰

فصل فی المسائل الجدیدة والمتفرقة ۲۲۸

کتاب الصلوة

کتاب الصلوة ۲۴۳

فصل فی المواقیت ۲۴۴

Marfat.com

فصل فی الأذان والاقامة ۲۵۸
فصل فی شروط الصلاۃ وارکانها وواجباتها ۲۸۶
فصل فی الامامة والجماعة ۳۴۱
فصل فی المسبوق واللاحق ۴۰۰
فصل فی القراءۃ ۴۱۲
فصل فیما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها ۴۳۴
فصل فی السنن والنوافل ۴۸۷
فصل فی التراویح ۵۲۰
فصل فی الوتر ۵۳۱
فصل فی سجود السهو والتلاوۃ ۵۴۷
فصل فی صلوۃ المریض والمسافر ۵۶۳
فصل فی الجمعة والعیدین ۵۸۶
باب فی تقدیر الاوزان الشرعیة بالمساحة الجدیدۃ ۶۴۰
فصل فی المسائل المتفرقة المتعلقة بالصلاۃ ۶۴۸
باب احکام المساجد ۶۶۵
کتاب الجنائز والشهید ۶۷۹

Marfat.com

آئینہ عناوین

نجم الفتاوی جلد ۲

کتاب الطہارۃ

	فصل فی الوضوء (وضو کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، آداب ومکروہات کا بیان)	۳۹
(۱)	مسواک کی مقدار اور برش کے استعمال کا حکم	۳۹
(۲)	ٹوتھ برش سے مسواک کی سنت کا حکم	۴۰
(۳)	ٹوتھ برش یا انگلی کا مسواک کے قائم مقام ہونے کا حکم	۴۰
(۴)	مسواک سنتِ صلوٰۃ ہے یا سنتِ وضو؟	۴۱
(۵)	مسنون مسواک کون سی ہے؟ نیز مسواک کی لمبائی اور چوڑائی	۴۳
(۶)	مسوڑھوں پر مسواک پھیرنے کا حکم	۴۳
(۷)	مسواک کو پکڑنے کا طریقہ	۴۴
(۸)	دورانِ وضو اذکار کا ثبوت	۴۴
(۹)	وضو اور غسل کیلئے پانی کی شرعی مقدار	۴۵
(۱۰)	ہاتھ کی انگلیوں کا خلال ہاتھ دھونے سے پہلے ہوگا یا بعد میں؟	۴۶
(۱۱)	بیت الخلاء میں وضو کرنے کا حکم	۴۷
(۱۲)	آبِ زم زم سے وضو کا حکم	۴۷
(۱۳)	آب زم زم سے وضو یا غسل کرنا	۴۸

Marfat.com

(۱۴)	سبیل وغیرہ کے پانی سے وضو کرنا	۴۸
(۱۵)	بارش کے قطرات سے وضو کا حکم	۴۹
(۱۶)	بارش میں بھیگنے یا برف کو اعضاء پر ملنے سے وضو کا حکم	۴۹
(۱۷)	برفانی علاقوں میں برف سے وضو کرنے کا حکم	۵۰
(۱۸)	گرم پانی سے اور دھوپ کی شدت سے گرم ہونے والے پانی سے وضو وغسل کا حکم	۵۰
(۱۹)	بلّی کے جھوٹے پانی سے وضو کا حکم	۵۱
(۲۰)	پرنالے کے پانی سے وضو کا حکم	۵۱
(۲۱)	حقے کے پانی سے وضو اور غسل کرنا	۵۲
(۲۲)	گنے کے رَس سے وضو کا حکم	۵۲
(۲۳)	گندگی والے جوہڑ اور ڈیم سے وضو کا حکم	۵۳
(۲۴)	ناپاک ٹینک سے کئے گئے وضو اور طہارت کا حکم	۵۳
(۲۵)	سیاہ خضاب لگائے ہوئے شخص کے وضو وغسل کا حکم	۵۴
(۲۶)	ناخن میں خشک آٹے کے ہوتے ہوئے وضو کا حکم	۵۵
(۲۷)	وضوء کے لیے پانی کا عضو پر بہنا شرط ہے یا نہیں؟	۵۵
(۲۸)	ناخنوں کے اندر میل وضو اور غسل میں حائل نہیں ہوتا	۵۶
(۲۹)	ناخن پالش اور مہندی لگا کر وضو اور غسل کا حکم	۵۷
(۳۰)	ہاتھوں پر رنگ لگ جانے کی صورت میں وضو اور غسل کا حکم	۵۸
(۳۱)	پاؤں کی پھٹن پر دوا لگانے کے بعد وضو کا حکم	۵۹
(۳۲)	ہونٹ بند ہونے کے بعد جو حصہ دکھائی دے، وضو میں اس کے دھونے کا حکم	۵۹
(۳۳)	دانت پر سونے یا چاندی کا خول چڑھانے یا دوا بھروانے کے بعد وضو وغسل کا حکم	۶۰
(۳۴)	وضو میں زائد انگلیوں کے دھونے کا حکم	۶۱
(۳۵)	مہندی لگے بالوں کے ساتھ وضو اور غسل کا حکم	۶۱
(۳۶)	وضو اور غسل میں مصنوعی ٹانگ کے دھونے کا حکم	۶۳
(۳۷)	ناخنوں پر مہندی لگی ہو تو وضو وغسل کا حکم	۶۴

Marfat.com

(۳۸)	ریل کے دوسرے درجے کے مسافر کیلئے پہلے درجے میں جاکر وضو وغسل کرنے کا حکم	۶۴
(۳۹)	غسل سے پہلے یا غسل کے بعد وضو کرنا	۶۵
(۴۰)	اعضاء وضو کٹے ہوئے ہوں تو وضو کا حکم	۶۶
(۴۱)	وضو میں اکثر شک ہو تو نیا وضو کرے یا نہ کرے؟	۶۷
(۴۲)	وضو کے بعد اگر وضو میں شک پڑ گیا تو......	۶۷
(۴۳)	گرمی دانوں کے پانی سے وضو ٹوٹنے کا حکم	۶۸
(۴۴)	کلی کرتے وقت دانتوں سے خون آنے کی صورت میں وضو کا حکم	۶۸
(۴۵)	دوران وضو کوئی ناقض وضو پایا جائے	۶۹
(۴۶)	اگر دانتوں سے خون آجائے تو وضو کا حکم	۶۹
(۴۷)	کیا تھوڑا سا خون نکلنا بھی ناقض وضو ہے؟	۷۰
(۴۸)	دودھ پلانے سے وضو کا نہ ٹوٹنا	۷۰
(۴۹)	متفرق طور پر تھوڑی تھوڑی قے آنے سے وضو کا حکم	۷۱
(۵۰)	بیٹھے بیٹھے سو جانے سے وضو ٹوٹنے کا حکم	۷۲
(۵۱)	حالت نماز میں نیند آجانے سے وضو ٹوٹنے کا حکم	۷۲
(۵۲)	انجکشن کے ذریعے خون نکالنے سے وضو ٹوٹنے کا حکم	۷۳
(۵۳)	انجکشن کے ذریعہ مریض کے پیٹ سے پیشاب نکالنے پر وضو ٹوٹنے کا حکم	۷۳
(۵۴)	کھانسی میں بلغم کے ساتھ خون آئے تو وضو ٹوٹنے کا حکم	۷۴
(۵۵)	آنکھوں سے بہنے والے پانی سے وضو ٹوٹنے کا حکم	۷۵
(۵۶)	سوزشی آنکھوں سے مسلسل پانی بہہ رہا ہو تو وضو ونماز کا حکم	۷۵
(۵۷)	شرمگاہ سے رطوبت خارج ہونے سے وضو وغسل کا حکم	۷۶
(۵۸)	خون دینے سے وضو کا حکم	۷۷
(۵۹)	ناخن کاٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا	۷۸
(۶۰)	ناخن یا بال کاٹنے سے وضو کا حکم	۷۸
(۶۱)	اگر ستر کھل جائے یا ناخن کاٹ لے تو دوبارہ وضو کا حکم	۷۸

Marfat.com

(۶۲)	مچھر اگر زیادہ مقدار میں خون چوس لے تو وضو کا حکم	۷۹
(۶۳)	کھانے پینے سے وضو ٹوٹنے کا حکم	۷۹
(۶۴)	معصیت اور گناہ سے وضو یا تیمم ٹوٹنے کا حکم	۸۰
(۶۵)	تیمم کے بعد ارتداد سے تیمم کا حکم	۸۰
(۶۶)	غیر تحریف شدہ آسمانی کتابوں کو بے وضو چھونے کا حکم	۸۱
(۶۷)	بغیر طہارت اخبارات میں لکھی آیات کو ہاتھ لگانے کا حکم	۸۱
(۶۸)	اخبار کے قرآنی آیت والے صفحے کو بے وضو چھونے کا حکم	۸۲
(۶۹)	ائمہ اربعہ کے نزدیک قرآن کریم کو بغیر وضو چھونے کا حکم	۸۳
(۷۰)	تین انگلیوں سے سر کا مسح کرنے کا حکم	۸۳
(۷۱)	سر کے مسح کی ایک صورت	۸۴
(۷۲)	مسح کیلئے نیا پانی لینے کا حکم	۸۴
	رسالۃ: حفر البئر فی وصل الشعر	۸۶
(۷۳)	مصنوعی بالوں پر مسح اور غسل کا حکم	
(۷۴)	مذکورہ فتوے پر ایک استدراک اور اس کا جواب	۸۷
(۷۵)	دوپٹہ پر مسح کرنے کا حکم	۹۱
(۷۶)	کان کے نیچے لمبے بالوں پر مسح کرنے سے مسح کی ادائیگی کا حکم	۹۱
(۷۷)	کنپٹی پر لگے پلاسٹر پر مسح کا حکم	۹۲
(۷۸)	گردن کے مسح کی شرعی حیثیت	۹۲
	رسالۃ: بروز السَّدَفَۃ بتحقیق مسئلۃ مسح الرَّقَبَۃ	۹۴
(۷۹)	گردن کے مسح میں گردن کی حدود کی تعیین	
(۸۰)	داڑھی کے خلال اور گردن کے مسح کی شرعی حیثیت	۹۷
(۸۱)	اعضاء وضو کو تولیہ یا رومال وغیرہ سے خشک کرنے کا حکم	۹۸
(۸۲)	وضو کے استعمال شدہ پانی کو کھانے پینے وغیرہ کے استعمال میں لینے کا حکم	۹۸
(۸۳)	اٹیچ باتھ روم میں ادعیۂ وضو پڑھنے کا حکم	۹۹
(۸۴)	عورتوں کا ننگے سر وضو کرنے کا حکم	۹۹

Marfat.com

(۸۵)	وضو کے بعد شہادتین پڑھنا	۱۰۰
	فصل فی الغسل (غسل کے مسائل کا بیان)	۱۰۱
(۸۶)	کن کن صورتوں میں غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے؟	۱۰۱
(۸۷)	جن (ناری مخلوق) کے جماع سے غسل کا حکم	۱۰۱
(۸۸)	جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے سے غسل کا حکم	۱۰۲
(۸۹)	احتلام میں غسل کب واجب ہوگا؟	۱۰۲
(۹۰)	احتلام کے بعد خواب یاد نہ ہو تو غسل کا حکم	۱۰۲
(۹۱)	بدفعلی کی وجہ سے غسل کتنی بار کیا جائے؟	۱۰۳
(۹۲)	بدفعلی سے فاعل ومفعول پر غسل کا حکم نیز جس جانور کے ساتھ بدفعلی ہوئی ہو اسکا حکم	۱۰۴
(۹۳)	غسل کے دوران ناف میں پانی پہنچانے کا حکم	۱۰۵
(۹۴)	غسل میں غرغرہ کا حکم	۱۰۵
(۹۵)	فِلنگ شدہ (بھرائی کئے ہوئے) دانت کے ساتھ وضو اور غسل کا حکم	۱۰۶
(۹۶)	رنگے ہوئے بالوں کے ساتھ غسل وغیرہ کا حکم	۱۰۷
(۹۷)	نابالغ پر جماع کے سبب غسل کا حکم	۱۰۷
(۹۸)	عورت کیلئے غسل جنابت میں فرج میں انگلی داخل کرنے کا حکم	۱۰۸
(۹۹)	دورانِ غسل عورت کا سر کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانے کا حکم	۱۰۸
(۱۰۰)	غسل جنابت میں اگر کلی بھول جائیں تو پانی پینے سے ادائیگی فرض کا حکم	۱۰۹
(۱۰۱)	غسل جنابت سے پہلے پانی میں ہاتھ ڈالنا	۱۰۹
(۱۰۲)	غسل کرتے ہوئے جسم کا کچھ حصہ خشک رہ جائے تو غسل کا حکم	۱۱۰
(۱۰۳)	غسل کے بعد منی نکلنے سے غسل کا حکم	۱۱۰
(۱۰۴)	غسل کے بعد اگر منی کے قطرے آجائیں تو غسل کا حکم	۱۱۱
(۱۰۵)	انجکشن کے ذریعے سے مادۂ منویہ رحم میں پہنچانے سے غسل کا حکم	۱۱۱
(۱۰۶)	’’غیر معتاد راستے سے خروج منی‘‘ کے متعلق ایک فتویٰ پر استدراک	۱۱۲

Marfat.com

(۱۰۷)	ضرورت کی وجہ سے غسلِ جنابت کو مؤخر کرنے کا حکم	۱۱۴
(۱۰۸)	مرتد کا دوبارہ اسلام قبول کرنے کیلئے غسل کرنا	۱۱۵
(۱۰۹)	غسل خانے میں باتیں کرنے کا حکم	۱۱۶
(۱۱۰)	غسل مسنون کی اقسام اور جمعہ کے غسل کا حکم	۱۱۶
	فصل فی التیمم (تیمم کے مسائل کا بیان)	۱۱۷
(۱۱۱)	تیمم کی حکمت و مصلحت	۱۱۷
(۱۱۲)	کیا ہر وہ چیز جو جلانے سے خاک نہ ہو اس سے تیمم درست ہے؟	۱۱۸
(۱۱۳)	تیمم کن کن چیزوں سے جائز ہے؟	۱۱۹
(۱۱۴)	مسجد کے فرش و دیواروں سے تیمم کرنا	۱۱۹
	رسالۃ: أریج الترنم فی الجمع بین الوضوء والتیمم	۱۲۱
(۱۱۵)	تیمم اور وضو کو ایک ساتھ جمع نہیں کیا جا سکتا	
(۱۱۶)	مذکورہ فتوے پر استدراک اور رجوع	۱۲۲
(۱۱۷)	وضو کی اجازت نہ ہونے پر تیمم جائز ہے؟	۱۲۶
(۱۱۸)	معذوری میں تیمم کی مشروعیت	۱۲۷
(۱۱۹)	نزلے کے مریض کیلئے حالت جنابت میں تیمم کا حکم نیز ٹریننگ کے دوران تیمم کرنے کا حکم	۱۲۷
(۱۲۰)	ٹرین میں پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم نیز کپڑوں پر تیمم کرنا کیسا ہے؟	۱۲۸
(۱۲۱)	سردی کی وجہ سے تیمم کرنے کا حکم	۱۲۹
(۱۲۲)	سخت سردی کی حالت میں تیمم کا شرعی حکم	۱۳۰
(۱۲۳)	نمازِ جنازہ کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم کرنے کا حکم	۱۳۱
(۱۲۴)	نماز جنازہ کیلئے تیمم کرنا	۱۳۱
(۱۲۵)	عید کی نماز کیلئے تیمم کی ایک صورت	۱۳۲
(۱۲۶)	پانی کی موجودگی میں تلاوت کیلئے تیمم کرنے کا حکم	۱۳۳
(۱۲۷)	پانی نہ ہونے کی صورت میں مشروبات سے وضو کرے یا تیمم؟	۱۳۳

Marfat.com

(۱۲۸)	چلتی ہوئی ریل سے چشمے تالاب وغیرہ دکھائی دینے سے تیمم نہیں ٹوٹتا	۱۳۴
(۱۲۹)	مقتدیوں کا امام سے بغیر کسی عذر شرعی کے ناراض ہونے کا حکم	۱۳۴
(۱۳۰)	غسل خانے کی عدم موجودگی میں تیمم کا حکم	۱۳۵
	فصل فی النجاسات واحکام التطہیر (نجاسات کے احکام اور پاکی کا طریقہ)	۱۳۷
(۱۳۱)	چوتھائی کپڑے کے بقدر نجاست کا حکم اور چوتھائی سے مراد کیا ہے؟	۱۳۷
(۱۳۲)	نجاست کتنی مقدار میں معاف ہے؟	۱۳۸
(۱۳۳)	سوئے ہوئے آدمی کے لعاب کا حکم	۱۳۹
(۱۳۴)	پرندوں کی بیٹ، مکھی اور مچھر کے خون کا حکم	۱۳۹
(۱۳۵)	چمگادڑ کے بول وبراز کا حکم	۱۴۰
(۱۳۶)	پرندوں کی بیٹ کا حکم	۱۴۰
(۱۳۷)	مکھی نجاست پر بیٹھ کر کپڑوں پر بیٹھے تو کپڑے ناپاک ہوں گے؟	۱۴۱
(۱۳۸)	ناپاک صابن کے استعمال کا حکم	۱۴۱
(۱۳۹)	ٹینکی میں مینڈک گرنے سے ٹینکی ناپاک نہیں ہوگی	۱۴۲
(۱۴۰)	قربانی کی کھالوں پر لگے خون کا حکم	۱۴۲
(۱۴۱)	کھانے پینے کی چیز میں ناک کا پانی گر جائے تو اس کے استعمال کا حکم	۱۴۳
(۱۴۲)	بلی کا کسی برتن وغیرہ میں پاؤں ڈالنے کا حکم	۱۴۴
(۱۴۳)	وضو کے پانی میں چیونٹی کا مرجانا	۱۴۴
(۱۴۴)	گھی میں بینگنیاں گر جانے سے گھی کی ناپاکی کا حکم	۱۴۵
(۱۴۵)	خنزیر کی چربی سے بنے ہوئے صابن کا حکم	۱۴۶
(۱۴۶)	نجاست کے اوپر پڑی گرد وغبار اگر کپڑوں پر لگ جائے	۱۴۷
(۱۴۷)	بھنگی کے ساتھ کھانے پینے کا حکم	۱۴۷
(۱۴۸)	کتے اور گدھے کا گوشت کپڑے پر لگ جانے اور اس کی خرید وفروخت کا حکم	۱۴۸
(۱۴۹)	غلہ گاہتے وقت بیلوں کے پیشاب کا حکم	۱۵۰

Marfat.com

(۱۵۰)	ناپاک چیز پانی میں گرنے کے بعد اس پانی کی چھینٹوں کا حکم	۱۵۱
(۱۵۱)	راستوں کی کیچڑ اور ناپاک پانی کی چھینٹوں کا حکم	۱۵۱
(۱۵۲)	شیر خوار بچے کی قے کا حکم	۱۵۲
(۱۵۳)	نجس گوشت کو پاک کرنے کا طریقہ	۱۵۳
(۱۵۴)	بچوں کے پیشاب کا حکم	۱۵۴
(۱۵۵)	ٹینکی میں چھپکلی گر جائے تو پانی کا کیا حکم ہوگا؟	۱۵۴
(۱۵۶)	اچار میں چوہیا مر جانے کا حکم	۱۵۵
(۱۵۷)	گھی میں چوہا گر جائے تو گھی کی ناپاکی کا حکم	۱۵۵
(۱۵۸)	حلال جانوروں کے پیشاب کی کتنی مقدار معفو عنہ ہے	۱۵۶
(۱۵۹)	دوران غسل پانی کی چھینٹیں بالٹی میں گر جائیں تو پانی کا کیا حکم ہوگا؟	۱۵۶
(۱۶۰)	چائے یا پانی وغیرہ میں مکھی گرنے کا حکم	۱۵۷
(۱۶۱)	پکے، ناپاک فرش کو پاک کرنے کا طریقہ	۱۵۸
(۱۶۲)	کھیتوں میں قضاء حاجت کرنے کا حکم	۱۵۹
(۱۶۳)	استعمال شدہ کمبل، کپڑے وغیرہ کو بغیر دھوئے استعمال کرنے کا حکم	۱۵۹
(۱۶۴)	نجاست سے کپڑے کو پاک کرنے کے بعد اگر داغ رہ جائے تو کپڑے کا حکم	۱۶۰
(۱۶۵)	ناپاک کپڑوں کو بالٹی وغیرہ میں ڈال کر ٹونٹی سے پانی جاری کر دینے کا حکم	۱۶۱
(۱۶۶)	نجس کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ نیز نجس کپڑے کو دھوپ سے خشک کرنے کے بعد پاکی کا حکم	۱۶۲
(۱۶۷)	ناپاک جوتا پاک کرنے کا طریقہ	۱۶۳
(۱۶۸)	اسٹیل یا پلاسٹک کے نجس برتن پاک کرنے کا طریقہ	۱۶۳
(۱۶۹)	کتاب کو پاک کرنے کا طریقہ	۱۶۴
(۱۷۰)	ناپاک روئی کو پاک کرنے کا طریقہ	۱۶۵
(۱۷۱)	روئی کے دھنوانے سے پاک ہونے کی علت	۱۶۵
(۱۷۲)	ڈبلیوسی کے اندر گھڑی گرنے کی صورت میں پاک کرنے کا طریقہ	۱۶۶
(۱۷۳)	روئی اور فوم کے ناپاک گدے پاک کرنے کا طریقہ	۱۶۷

Marfat.com

(۱۷۴)	ناپاک قالین کو پاک کرنے کا طریقہ	۱۶۸
(۱۷۵)	دریائی مینڈک کے کنویں میں گرنے سے کنویں کی طہارت کا حکم	۱۶۹
(۱۷۶)	دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑوں کی پاکی کا حکم	۱۶۹
(۱۷۷)	ٹوائلٹ پیپر کے استعمال کا حکم	۱۷۰
(۱۷۸)	مردہ جانور کی کھال کے استعمال کا حکم	۱۷۱
(۱۷۹)	اُکھڑے ہوئے بالوں کی طہارت کا حکم	۱۷۱
(۱۸۰)	بالوں کے ساتھ نکلنے والی دسومت کے ناپاک ہونے کی علت اور مقدار ظفر کی تعیین	۱۷۲
(۱۸۱)	برساتی پانی کی چھینٹوں کا حکم	۱۷۳
(۱۸۲)	خروج ریح سے کپڑے ناپاک نہ ہونے کی وجہ	۱۷۴
	فصل فی احکام المیاہ (پانی اور کنویں وغیرہ سے متعلق احکام کا بیان)	۱۷۶
(۱۸۳)	مروجہ ٹینکیوں کا پانی ماء جاری شمار ہوگا؟	۱۷۶
(۱۸۴)	مخصوص وقت میں ٹینک میں پانی ایک جانب سے آکر دوسری طرف جاتا ہو تو اس کے ماء جاری ہونے کا حکم	۱۷۸
(۱۸۵)	چھوٹی ٹینکی میں چڑیا کے گرنے سے پانی نجس ہو جاتا ہے	۱۷۹
(۱۸۶)	کیا ٹینک میں جوتا گرنے سے پانی نجس ہو جاتا ہے؟	۱۸۰
(۱۸۷)	کنویں میں اگر گمراہ عقائد رکھنے والا شخص اتر جائے تو پانی کا کیا حکم ہے؟	۱۸۱
(۱۸۸)	کبوتر وغیرہ کے کنویں میں گرنے کے بعد نہ ملنے پر کنویں کی پاکی کا حکم	۱۸۲
(۱۸۹)	جوتے کنویں میں گرنے سے کنویں کی ناپاکی کا حکم	۱۸۳
(۱۹۰)	کنویں میں نجاست گرنے کا حکم	۱۸۳
(۱۹۱)	پاکی حاصل کرنے سے جھیل ناپاک نہیں ہوتی	۱۸۵
(۱۹۲)	تالاب کا گندا پانی صاف کرنے کے بعد بھی ناپاک رہے گا	۱۸۵
(۱۹۳)	نالے کے ذریعے نہر سے آنے والے صاف پانی کا حکم	۱۸۷
(۱۹۴)	ایسے تالاب سے وضو کرنا جس میں گندگی کے اثرات ظاہر ہوں	۱۸۸
(۱۹۵)	اگر لائن کے پانی میں سخت بدبو آرہی ہو، تو کیا حکم ہے؟	۱۸۸

Marfat.com

	فصل فی احکام الجنب والمعذور (جنبی اور معذور سے متعلق مسائل کا بیان)	۱۹۰
(۱۹۶)	حالت جنابت میں کھانے پینے کا حکم	۱۹۰
(۱۹۷)	حالت ہمبستری میں بچے کو دودھ پلانا	۱۹۰
(۱۹۸)	جنبی کیلئے بال اور ناخن کاٹنے کا حکم	۱۹۱
(۱۹۹)	مذکورہ فتوے پر ایک استدراک اور اس کا جواب	۱۹۱
(۲۰۰)	ناپاکی کی حالت میں دعا وتسبیح کرنا	۱۹۴
(۲۰۱)	ناپاکی کی حالت میں قرآن مجید کو چھونا	۱۹۴
(۲۰۲)	جنبی میت کو غسل کتنی بار دیا جائے؟	۱۹۵
(۲۰۳)	طہارت وغیرہ سے معذور شخص کے وضو اور نماز کا حکم	۱۹۶
(۲۰۴)	آپریشن کے بعد پیشاب کے قطرات کا آنا	۱۹۷
(۲۰۵)	سجدہ کرنے سے اگر خون نکلے تو کیا ایسا شخص معذور ہے؟	۱۹۸
(۲۰۶)	سلس البول (پیشاب کے قطرے) والے مریض کیلئے طہارت کا حکم	۱۹۸
(۲۰۷)	پیشاب کرنے کے آدھے گھنٹے بعد تک قطرے آنے والے مریض کا حکم	۱۹۹
(۲۰۸)	پیشاب کے بعد کچھ دیر تک قطرے آنے سے معذور شمار نہیں ہوتا	۲۰۱
	فصل فی الحیض والنفاس (حیض ونفاس سے متعلق مسائل کا بیان)	۲۰۲
(۲۰۹)	عادت سے پہلے ماہواری آنے کا حکم	۲۰۲
(۲۱۰)	''بلوغت کے بعد صرف ڈیڑھ دن خون آیا'' ایسی خاتون کی ماہواری کا حکم	۲۰۳
(۲۱۱)	تین دن سے کم خون آنا حیض شمار نہیں ہوگا بلکہ وہ استحاضہ ہے	۲۰۳
(۲۱۲)	ماہواری کے دنوں میں خون رکنے کا حکم اور اس وقت میں اعمال کرنا	۲۰۴
(۲۱۳)	تین دن ماہواری آکر دس دن کے بعد پھر آنے والے خون کا حکم	۲۰۴
(۲۱۴)	ماہواری کے بعد سفیدی کا حکم	۲۰۵
(۲۱۵)	کافی عرصہ کے بعد خون کا قطرہ دیکھنے پر ماہواری کا حکم	۲۰۶

Marfat.com

(۲۱۶)	طہر متخلل کا مسئلہ	۲۰۷
(۲۱۷)	دورانِ حمل آنے والے خون کا حکم	۲۰۷
(۲۱۸)	دوران حمل آنے والے خون اور اس حالت میں پڑھی جانے والی نمازوں کا حکم	۲۰۹
(۲۱۹)	تین ماہ کا حمل ضائع ہونے کے بعد آنے والے خون کا حکم	۲۰۹
(۲۲۰)	ماہواری میں تعلیم قرآن کا حکم	۲۱۰
(۲۲۱)	ماہواری میں خواتین کیلئے تلاوت قرآن کا حکم	۲۱۱
(۲۲۲)	حالت حیض میں وطی کرنے سے صرف توبہ واستغفار لازم ہے کوئی کفارہ واجب نہیں	۲۱۲
(۲۲۳)	ماہواری کے دوران فضائل اعمال پڑھنا	۲۱۳
(۲۲۴)	گولیاں کھا کر ماہواری کا خون بند کرنے کا حکم	۲۱۳
(۲۲۵)	اسقاط حمل کے بعد آنے والے خون کا حکم	۲۱۴
(۲۲۶)	بذریعہ آپریشن ولادت ہو تو بعد میں آنے والے خون کا حکم	۲۱۴
(۲۲۷)	معتادہ کا خون نفاس میں عادت سے تجاوز کر جائے تو کیا حکم ہے؟	۲۱۵
(۲۲۸)	جس عورت کے چھ مہینے سے کم مدت میں دو بچے پیدا ہوئے اس کے نفاس کا حکم	۲۱۶
(۲۲۹)	نفاس کے بعد کب تک نماز معاف ہے؟	۲۱۶
(۲۳۰)	حیض ونفاس سے پاکی کب شمار ہوتی ہے؟ نیز ان ایام کے نماز اور روزوں کی قضاء	۲۱۷
(۲۳۱)	مستحاضہ کے کپڑوں اور بدن کی پاکی کا حکم	۲۱۸
	فصل فی المسح علی الخفین والجبیرة (موزوں اور پٹی وغیرہ پر مسح سے متعلق مسائل کا بیان)	۲۲۰
(۲۳۲)	موزے پہننے کی حالت میں دونوں پیروں میں سے ہر ایک پر کم از کم مسح کی مقدار کا حکم	۲۲۰
(۲۳۳)	عذر شرعی کی صورت میں موزوں پر مسح کا حکم	۲۲۰
(۲۳۴)	جوتوں اور نائیلون کے موزوں پر مسح کا حکم	۲۲۱
(۲۳۵)	کون سی جراب پر مسح کرنا جائز ہے؟	۲۲۲
(۲۳۶)	گرم موسم میں موزوں پر مسح کرنے کا حکم	۲۲۲
(۲۳۷)	تیمم کی حالت میں پہنے گئے موزوں پر مسح کا حکم	۲۲۳

Marfat.com

(۲۳۸)	پھٹے ہوئے موزوں اور موٹی جرابوں پر مسح کرنے کا حکم	۲۲۳
(۲۳۹)	موزوں میں پانی چلے جانے سے مسح ٹوٹنے اور تھوڑی پھٹن سے مسح نہ ٹوٹنے میں فرق	۲۲۴
(۲۴۰)	کیا عورتوں کیلئے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے؟	۲۲۶
(۲۴۱)	موزوں پر برائے تعلیم مسح کرنے سے مسح کا حکم	۲۲۶
(۲۴۲)	زخم کی پٹی پر مسح کرنے کا حکم	۲۲۷
(۲۴۳)	کیا وضوء میں ٹوٹے ہوئے ہاتھ سے پٹی کھولنا ضروری ہے؟	۲۲۷
	فصل فی المسائل الجدیدۃ والمتفرقۃ المتعلقۃ بالطھارۃ (طہارت سے متعلق جدید اور متفرق مسائل کا بیان)	۲۲۸
(۲۴۴)	بیت الخلاء میں ایسی چیز لے جانا جس پر اللہ پاک کا اسم مبارک یا قرآن مجید لکھا ہو	۲۲۸
(۲۴۵)	قضائے حاجت کے وقت دعاء (تعوذ) کا محل	۲۲۸
(۲۴۶)	وضو کے بعد انگلی اٹھا کر شہادت پڑھنے کا حکم	۲۲۹
(۲۴۷)	استنجاء کے پانی کا حکم	۲۲۹
(۲۴۸)	استنجاء کے وقت ضرورت سے زائد ستر کھولنے کا حکم	۲۳۰
(۲۴۹)	کشف عورۃ کا خطرہ ہو تو استنجاء بالماء افضل ہے یا استنجاء بالاحجار	۲۳۰
(۲۵۰)	رکعت چھوٹنے کا امکان ہو تو وضو میں مسواک کا حکم	۲۳۱
(۲۵۱)	وضو میں واجبات کے نہ ہونے کی وجہ	۲۳۲
(۲۵۲)	الفَرَق کی موجودہ پیمانوں کے اعتبار سے تحقیق	۲۳۲
(۲۵۳)	جس ''فرق'' سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرمایا کرتے تھے اس کی تعیین	۲۳۳
(۲۵۴)	''مکوک'' کی تحقیق	۲۳۵
(۲۵۵)	''الباع'' کی تحقیق	۲۳۶
(۲۵۶)	گرام اور تولے کے اعتبار سے مُد کا وزن	۲۳۷
(۲۵۷)	''مرکن'' جو کہ غسل کا برتن ہے یہ کیسا اور کتنا بڑا تھا؟	۲۳۸

Marfat.com

کتاب الصلوۃ

	فصل فی المواقیت (اوقاتِ نماز سے متعلق مسائل کا بیان)	۲۴۴
(۱)	تہجد اور ظہر کا وقت	۲۴۴
(۲)	قرآن پاک سے پانچ وقت کی نمازوں کا ثبوت	۲۴۴
(۳)	صبح کاذب کیا ہے؟	۲۴۶
(۴)	طلوع آفتاب کے بعد اشراق کا صحیح وقت	۲۴۷
(۵)	وہ اوقات جن میں نفل پڑھنا مکروہ ہے	۲۴۸
(۶)	اوقاتِ مکروہہ میں تحیۃ المسجد ادا کرنا	۲۴۹
(۷)	مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان کتنی دیر کا وقفہ ضروری ہے؟	۲۵۰
(۸)	مغرب اور عشاء کا درمیانی وقفہ	۲۵۱
(۹)	چھ ماہ دن، چھ ماہ رات رہنے والے ممالک میں ادائیگی نماز کا حکم	۲۵۲
(۱۰)	ضرورت کے وقت نمازِ عصر کو وقت سے پہلے پڑھنے کا حکم	۲۵۳
(۱۱)	نمازِ مغرب کو وقتِ عشاء سے پندرہ منٹ قبل ادا کرنے کا حکم	۲۵۴
(۱۲)	سفر کی نمازوں کو پیشگی قصر کرنے کا حکم نیز کسی عذر کی وجہ سے دو وقتوں کی نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا	۲۵۵
(۱۳)	رمضان میں افطاری کی خاطر نماز مغرب کو کچھ تاخیر سے پڑھنے کا حکم	۲۵۶
(۱۴)	عذر کی بنا پر نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا	۲۵۷
	فصل فی الاذان والاقامۃ (اذان واقامت سے متعلق مسائل کا بیان)	۲۵۸
(۱۵)	اذان واقامت کے شرائط وآداب	۲۵۸
(۱۶)	حدود مسجد میں اذان نہ دینے کی وجہ کا بیان	۲۵۹
(۱۷)	ایک مسجد کی اذان دوسری مسجد کیلئے کافی نہیں	۲۶۰
(۱۸)	مختلف جگہوں پر اذان پوری کرنے کا حکم	۲۶۱

Marfat.com

(۱۹)	لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اذان دینے کا حکم	۲۶۱
(۲۰)	اَذان میں اللہ اکبر اللہ اکبر پڑھنے کے طریقے	۲۶۲
(۲۱)	اذانِ فجر میں الصلوٰۃ خیرٌ من النوم کا اضافہ	۲۶۳
(۲۲)	فجر کی اذان میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' رہ جائے تو کیا حکم ہوگا؟	۲۶۴
(۲۳)	بلا عذر بیٹھ کر اذان دینے کا حکم	۲۶۴
(۲۴)	کیا مؤذن گواہ کے حکم میں ہے؟	۲۶۵
(۲۵)	بچے کی اذان کا حکم	۲۶۵
(۲۶)	کئی سالوں کی قضاء نمازں کیلئے اذان واقامت	۲۶۵
(۲۷)	قضاء نماز پڑھتے وقت اذان واقامت کا حکم	۲۶۶
(۲۸)	میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کا حکم	۲۶۶
(۲۹)	شیعوں کا اذان میں ''علی ولی اللہ'' کا اضافہ کرنا	۲۶۷
(۳۰)	تہجد کی اذان کا حکم	۲۶۸
(۳۱)	نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اَذان دینے کا ثبوت	۲۶۹
(۳۲)	''اذان کا جواب'' دینے کا حکم	۲۷۰
(۳۳)	جمعہ کی اذان ثانی کا جواب	۲۷۰
(۳۴)	چلتے ہوئے رک کر اَذان کا جواب دینا بہتر ہے	۲۷۱
(۳۵)	دورانِ وعظ یا تقریر اذان کا جواب دینے کا حکم	۲۷۱
(۳۶)	اذان کے پورا ہوجانے کے بعد جواب دینا کیسا ہے؟	۲۷۱
(۳۷)	ریڈیو اور ٹی وی کی اذان کا جواب دینا ضروری نہیں	۲۷۲
(۳۸)	مرغ کی اذان پر نماز فجر پڑھنا صحیح نہیں	۲۷۳
(۳۹)	دینی کتب کا مطالعہ کرتے وقت اذان کا جواب دینے کا حکم	۲۷۳
(۴۰)	اَذان میں اللہ اکبر کے جواب میں صرف جل جلالہ کہنے کا حکم	۲۷۴
(۴۱)	اقامت میں ''اشہد ان محمدا رسول اللہ'' کے جواب میں ''ا'' کہنا	۲۷۴
(۴۲)	اذان مغرب کے بعد مروجہ وقفے کی شرعی حیثیت اور اس دوران نفل پڑھنے کا حکم	۲۷۵

Marfat.com

(۴۳)	اذان کے بعد دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کا حکم	۲۷۷
(۴۴)	اذان کے بعد کی دعا کا لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنا	۲۷۷
(۴۵)	دعاءِ وسیلہ میں "والدرجة الرفیعة" پڑھنے کا حکم	۲۷۹
(۴۶)	اذان کے کچھ کلمات ہوجانے کے بعد اذان کا جواب کہاں سے دے؟	۲۸۰
(۴۷)	شہادتین کے وقت انگوٹھے چومنے کا حکم	۲۸۱
(۴۸)	اذان نہ دینے سے چوہے زیادہ ہوجانا، بے اصل بات ہے	۲۸۱
(۴۹)	اذان واقامت میں فصل کا حکم	۲۸۲
(۵۰)	مؤذن کی بغیر اجازت کسی اور کا اقامت کہنا	۲۸۳
(۵۱)	امام سے دور کھڑے ہوکر اقامت کہنے کا حکم	۲۸۳
(۵۲)	میاں بیوی کی جماعت میں اذان واقامت کا حکم	۲۸۴
(۵۳)	امام کا خود ہی اقامت کہنے کا حکم	۲۸۴
(۵۴)	امام اقامت کے وقت اپنا رخ کس طرف رکھے؟	۲۸۵
	فصل فی شروط الصلاۃ وارکانہا وواجباتہا وسننہا وآدابہا (نماز کی شرائط، فرائض، ارکان، واجبات، سنن اور آداب کا بیان)	۲۸۶
(۵۵)	نجاست غلیظہ والے کپڑوں کے ساتھ نماز کا حکم	۲۸۶
(۵۶)	جن کپڑوں کو کیچڑ لگ جائے ان میں نماز پڑھنے کا حکم	۲۸۷
(۵۷)	ناپاک گھاس پر نماز پڑھنے کا حکم	۲۸۷
(۵۸)	بھینسوں کے باڑے کے اوپر نماز کا حکم	۲۸۸
(۵۹)	باریک دوپٹہ میں نماز کی ادائیگی کا حکم	۲۸۸
(۶۰)	سگریٹ اور نسوار کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم	۲۸۹
(۶۱)	وقت کے اندر تاخیر سے پڑھنے سے نماز کا حکم	۲۹۰
(۶۲)	حطیم کے اندر نماز پڑھنے والا کس طرف رخ کرے؟	۲۹۰
(۶۳)	چاند پر بھی نماز کے وقت جہت قبلہ کی تعیین کا حکم	۲۹۱
(۶۴)	ہوائی جہاز میں بوقت نماز سمت قبلہ کی تعیین کا حکم	۲۹۲

Marfat.com

(۶۵)	بیت اللہ سے کس قدر انحراف جائز ہے؟	۲۹۲
(۶۶)	مسجد سے متصل مکان کی چھت پر نماز میں امام کی اقتداء کرنا	۲۹۳
(۶۷)	ایسے شخص کی نماز کا حکم جو بعض حروف کی ادائیگی پر قادر نہ ہو	۲۹۳
(۶۸)	رکوع اور سجدہ پر قدرت کے باوجود اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرنے کا حکم	۲۹۴
(۶۹)	دورانِ سفر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم	۲۹۵
(۷۰)	بحری جہاز میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم	۲۹۵
(۷۱)	چارپائی اور گدے پر نماز پڑھنے کا حکم	۲۹۶
(۷۲)	سر کے بال بوقت سجدہ پیشانی کے نیچے آجائیں تو نماز کا حکم	۲۹۶
(۷۳)	مقتدی کا امام سے پہلے رکوع میں جا کر واپس اٹھنا اور پھر امام کے ساتھ دوبارہ رکوع میں شامل ہونا	۲۹۷
(۷۴)	رسالة: مذهب النعمان فی رفض الارکان ارکان بھول جانے پر رفض اور اعادہ کے حکم پر مفصل فتویٰ	۲۹۹
(۷۵)	تعدادِ رکعات میں نیت کی غلطی	۳۰۶
(۷۶)	واجباتِ نماز کی تعداد، اور قومہ اور جلسہ کا حکم	۳۰۷
(۷۷)	نماز میں دونوں پیروں کے درمیان فاصلہ	۳۰۸
(۷۸)	حالت نماز میں نگاہ کہاں رکھی جائے	۳۰۹
(۷۹)	نمازی کے سامنے سے گزرنے کا حکم	۳۱۰
(۸۰)	نمازی کے ایک جانب سلام پھیرنے کے بعد سامنے سے گزرنے کا حکم	۳۱۱
(۸۱)	نماز میں تکبیرات کی حیثیت	۳۱۱
(۸۲)	تکبیر تحریمہ کے وقت "اللہ اکبر" کہنے کا حکم	۳۱۲
(۸۳)	قومہ و جلسہ اور اس میں طمانیت کا حکم	۳۱۲
(۸۴)	دورانِ برف باری جوتوں میں ادائیگی نماز کا حکم	۳۱۴
(۸۵)	اگر ایک سلام پھیر لینے کے بعد کوئی شخص امام کی اقتداء کرے تو کیسا ہے؟	۳۱۴
(۸۶)	نماز کی سنتیں اور احادیث طیبہ سے ان کا ثبوت	۳۱۵
(۸۷)	آستین چڑھا کر یا صرف ناف سے گھٹنوں تک بدن چھپا کر نماز پڑھنے کا حکم	۳۲۲

Marfat.com

(۸۸)	تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا طریقہ	۳۲۲
(۸۹)	تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کی انگلیوں کی حالت	۳۲۲
(۹۰)	تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھنے کا طریقہ	۳۲۳
(۹۱)	تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھے بغیر فوراً رکوع میں چلے جانے کا حکم	۳۲۴
(۹۲)	تکبیر اولیٰ کی فضیلت کب تک حاصل ہوسکتی ہے؟	۳۲۴
	رسالة: محاذاة الخدين في مسئلة رفع اليدين	۳۲۶
(۹۳)	نماز میں رفع یدین کا حکم	
(۹۴)	ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے اور عدم رفع یدین کے ثبوت پر ایک تفصیلی فتویٰ	۳۳۲
	رسالة: کشف القناع عن مسئلة اتیان المسبوق بالثناء	۳۳۵
(۹۵)	امام کے قرأت شروع کرنے کے بعد شریک ہونے والے کا ثناء پڑھنا	
(۹۶)	ظہر اور عصر میں مسبوق ثنا کب پڑھے گا؟	۳۳۶
(۹۷)	گزشتہ دو فتاوی پر ایک فاضل کے اشکال کا مفصل جواب	۳۳۶
(۹۸)	رکوع وغیرہ میں ترک رفع یدین افضل ہے	۳۴۹
(۹۹)	حالت رکوع میں ''الصاق کعبین'' کا حکم	۳۴۹
(۱۰۰)	اگر امام جہراً تکبیر کہنا بھول جائے تو پھر کیا کرے؟	۳۵۱
(۱۰۱)	''سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد'' کے ساتھ کچھ کلمات بڑھا کر پڑھنے کا حکم	۳۵۱
(۱۰۲)	رکوع سجدہ میں تسبیح پڑھنے کی مسنون مقدار نیز نماز میں درود ابراہیمی کی جگہ کوئی دوسرا مختصر درود پڑھنے کا حکم	۳۵۲
(۱۰۳)	سجدہ میں زمین پر پاؤں رکھنے کا حکم	۳۵۴
(۱۰۴)	مقتدی نے ابھی رکوع یا سجدہ کی تسبیحات ختم نہیں کیں کہ امام نے سر اٹھالیا	۳۵۵
(۱۰۵)	فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورت ملانے کا حکم	۳۵۵
(۱۰۶)	قعدہ اولیٰ کا حکم	۳۵۶
(۱۰۷)	تشہد میں اشارہ بالسبابہ کا حکم	۳۵۶
(۱۰۸)	''اشارہ بالسبابة في الصلوٰة'' عندالاحناف مکروہ ہے یا سنت؟	۳۵۷
(۱۰۹)	تشہد میں انگلی اٹھانے کا مسنون طریقہ	۳۵۸
(۱۱۰)	تشہد میں انگلیوں کا حلقہ کب تک بنائے رکھا جائے؟	۳۵۹

Marfat.com

(۱۱۱)	شہادت کی انگلی نہ ہونے کی صورت میں دوسری انگلی سے اشارہ کرنے کا حکم	۳۶۰
(۱۱۲)	امام مقتدی کے درود شریف پڑھنے سے قبل سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟	۳۶۰
(۱۱۳)	مقتدی کا التحیات کے شروع میں اور ہر رکن میں بسم اللہ پڑھنا	۳۶۰
(۱۱۴)	نماز کے درود میں لفظِ سیدنا کا اضافہ اور مختلف ارکان میں دعائیں پڑھنے کا حکم	۳۶۱
(۱۱۵)	نماز میں سلام پھیرنے کی کیفیت	۳۶۲
(۱۱۶)	دعا کرتے وقت ہاتھ کیسے اور کہاں تک اٹھانے چاہئیں؟	۳۶۳
(۱۱۷)	مردوں اور عورتوں کی نمازوں میں فرق	۳۶۴
(۱۱۸)	عورتوں کی نماز کے طریقے کا احادیث سے ثبوت	۳۶۵
(۱۱۹)	ٹوپی کیسی ہو؟ آپ ﷺ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت اور بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا حکم	۳۶۷
(۱۲۰)	مسجد میں رکھی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا حکم	۳۶۸
(۱۲۱)	ننگے سر نماز پڑھنے سے متعلق مکروہ تنزیہی اور تحریمی کی تحقیق	۳۶۸
(۱۲۲)	سلام کا کتنا لفظ کہنے سے نماز سے خارج ہو جائے گا؟	۳۷۰
	فصل فی الامامة والجماعة (امامت اور جماعت کے مسائل کا بیان)	۳۷۱
(۱۲۳)	نابالغ کی امامت کا حکم	۳۷۱
(۱۲۴)	نابالغ بچہ کا نابالغ بچوں کی امامت کرنا	۳۷۱
(۱۲۵)	۱۶ سالہ لڑکے کی امامت کا حکم	۳۷۲
(۱۲۶)	غیر شادی شدہ شخص کی امامت کا حکم	۳۷۲
(۱۲۷)	جس امام کی قرأت صحیح نہ ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم	۳۷۳
(۱۲۸)	تعویذ گنڈہ اور جھاڑ پھونک کرنے والے کی امامت کا حکم	۳۷۵
(۱۲۹)	بریلویوں کی اقتداء میں نماز کا حکم	۳۷۵
(۱۳۰)	غیر مقلد کی امامت کا شرعی حکم	۳۷۶
(۱۳۱)	جو شخص مرغ لڑاتا، نسوار اور سگریٹ استعمال کرتا ہو، اس کی امامت کا حکم	۳۷۷
(۱۳۲)	داڑھی پر سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت کا حکم	۳۷۸

Marfat.com

(۱۳۳)	مسجد کا مقرر شدہ امام امامت کیلئے حقدار ہے یا دوسرا شخص؟	۳۷۸
(۱۳۴)	امامت میں وراثت کا حکم	۳۷۹
(۱۳۵)	حضور ﷺ سے وتر کی امامت کا ثبوت اور مسبوق کا اپنی چھوٹی ہوئی رکعت کو پورا کرنے کا ثبوت	۳۸۰
(۱۳۶)	فجر اور ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر امامت کا حکم	۳۸۱
(۱۳۷)	فجر کی سنت ادا کئے بغیر امامت کرانے کا حکم	۳۸۱
(۱۳۸)	اقامت کے وقت امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں؟ اور امام کب تکبیر تحریمہ کہے؟	۳۸۲
(۱۳۹)	امام کا محراب میں کھڑے ہونے کا حکم	۳۸۴
(۱۴۰)	امام اور مقتدیوں میں تعداد رکعات میں اختلاف کی صورت	۳۸۵
(۱۴۱)	گرمی کی وجہ سے مسجد کے ہال کو چھوڑ کر مسجد کی چھت پر جماعت کرنے کا حکم	۳۸۶
(۱۴۲)	بیمار کی تیمارداری کیلئے جماعت کی نماز چھوڑنے کا حکم	۳۸۷
(۱۴۳)	فرض نماز کا ''جماعت سے'' اور ''مسجد میں جاکر'' پڑھنا الگ الگ واجب ہے	۳۸۷
(۱۴۴)	جماعت ثانیہ میں تعدد کی صورت میں شرکت کا حکم	۳۸۹
(۱۴۵)	بار بار وضو ٹوٹنے، ٹانگوں میں درد جیسے عذر کی بنا پر مسجد میں آکر نماز پڑھنے کا حکم	۳۹۰
(۱۴۶)	راستوں وغیرہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ کا حکم	۳۹۱
(۱۴۷)	بدعتیوں کی جماعت کے بعد جماعت ثانی کا حکم	۳۹۲
(۱۴۸)	اہل حق کی مسجد نہ ہونے کی صورت میں بدعتیوں کے پیچھے نماز کا حکم	۳۹۴
(۱۴۹)	تبلیغی جماعتوں کا بریلوی ائمہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم	۳۹۴
(۱۵۰)	بدعتی اور فاسق کے پیچھے پڑھی گئی نماز کے بارے میں فقہاء کرام کے اقوال (مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی) میں تطبیق	۳۹۶
	فصل فی المسبوق واللاحق مسبوق اور لاحق کے مسائل کا بیان	۴۰۰
(۱۵۱)	امام کے رکوع سے سر اُٹھا لینے کے بعد جماعت میں شامل ہونے کا حکم	۴۰۰
(۱۵۲)	امام کو آخری رکعت میں پالینے والے شخص کیلئے بقیہ نماز پڑھنے کا طریقہ	۴۰۰
(۱۵۳)	مسبوق کا امام کے سجدہ سہو کرنے کے بعد نماز میں شریک ہونا	۴۰۱
(۱۵۴)	مسبوق کیلئے امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں درود شریف پڑھنے کا حکم	۴۰۲

Marfat.com

(۱۵۵)	تشہد میں مسبوق کا درود شریف پڑھنا	۴۰۳
(۱۵۶)	مسبوق کا غلطی سے سلام پھیر دینا اور گھر سے نماز کی نیت کا حکم	۴۰۳
(۱۵۷)	ایک یا دو رکعات نکل جانے کی صورت میں تلاوت والی رکعت کس طرح ادا کی جائے؟	۴۰۵
(۱۵۸)	مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی رکعات میں قراءت کیوں کرتا ہے؟	۴۰۶
(۱۵۹)	مسبوق کو بھی سجدہ سہو میں امام کے ساتھ شریک ہونا ضروری ہے	۴۰۷
(۱۶۰)	مسبوق اپنی بقیہ رکعات کیلئے کب کھڑا ہو؟	۴۰۷
(۱۶۱)	مسبوق پر امام کی سورتوں کی ترتیب کا حکم	۴۰۸
(۱۶۲)	مسبوق اگر اپنی پہلی رکعت میں سورت نہ ملائے تو اس کا حکم	۴۰۸
(۱۶۳)	مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے گا یا نہیں؟	۴۰۹
(۱۶۴)	مسبوق کا اپنی بقیہ رکعات میں قرأت بھول جانے پر سجدۂ سہو نہ کرنے کا حکم	۴۱۰
(۱۶۵)	سجدہ میں سو جانے اور نیند یا کسی اور وجہ سے مقتدی کے لاحق ہو جانے کا حکم	۴۱۱
	فصل فی القراءة (نماز میں قرأت اور پڑھنے والے کی غلطیوں سے متعلق مسائل کا بیان)	۴۱۲
(۱۶۶)	نماز میں منہ ہی منہ میں قراءت کا حکم	۴۱۲
(۱۶۷)	نماز میں دل ہی دل میں تلاوت کا حکم	۴۱۲
(۱۶۸)	سری نمازوں میں قرأت میں تصحیح حروف ضروری ہے یا پھر آواز کا سنائی دینا بھی؟	۴۱۳
(۱۶۹)	"ض" کی ادائیگی کا طریقہ اور اس میں تعامل عرب	۴۱۴
(۱۷۰)	ظہر وعصر کی نمازوں میں آہستہ قرأت کرنے کی وجہ	۴۱۵
(۱۷۱)	قرأتِ شاذہ سے تلاوت	۴۱۶
(۱۷۲)	قراءة سبعہ أو عشرة کی نماز میں تلاوت اور مخفف کو مشدد یا برعکس پڑھنے کا حکم	۴۱۷
(۱۷۳)	نماز میں قرأت کے چند متفرق مسائل	۴۱۸
(۱۷۴)	مسئلہ زلۃ القاری	۴۲۰
(۱۷۵)	قرأت میں حرکات واعراب کی تبدیلی سے نماز کا حکم	۴۲۲
(۱۷۶)	آیت کا کچھ حصہ چھوٹنے پر نماز کا حکم	۴۲۳

۱۵۹۲۰۱

Marfat.com

(۱۷۷)	آیات کے کلمات میں تقدیم وتاخیر کردینے کا حکم	۴۲۳
(۱۷۸)	اس آدمی کی نماز کا حکم جو قرأت پر قدرت نہ رکھتا ہو	۴۲۵
(۱۷۹)	سورۂ "الم السجدة" اور "هل اتی علی الانسان" جمعہ کو فجر کی نماز میں پڑھنے کا حکم	۴۲۶
(۱۸۰)	آیت سجدہ کو بطور مذاق پڑھنے کا حکم	۴۲۷
(۱۸۱)	نماز میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے غلطی کرنا	۴۲۹
(۱۸۲)	دورانِ نماز سورتوں کے درمیان قصداً ترتیب نہ رکھنے کا حکم	۴۳۰
(۱۸۳)	دورانِ تلاوت سورتوں کے درمیان ترتیب قائم رکھنا کیوں واجب ہے؟	۴۳۱
(۱۸۴)	ایک رکعت میں دو سورتیں ملا کر پڑھنے کا حکم	۴۳۳
	فصل فیما یفسد الصلاة وما یکرہ فیها (نماز کے مفسدات اور مکروہات کا بیان)	۴۳۴
(۱۸۵)	دورانِ نماز ستر کھل جانے کا حکم	۴۳۴
	رسالة: الافاضة فی قاعدة الفقهاء "كل صلوة اديت مع الكراهة تجب الاعادة"	۴۳۶
(۱۸۶)	عورت کا سر پر کوہان نما جوڑے میں پڑھی نماز کے اعادے کا حکم	
(۱۸۷)	مذکورہ فتوے پر ایک استدراک	۴۳۹
	رسالة: الكلمات الهندية فی الاجابة عن الدعاء بغير العربية	۴۴۲
(۱۸۸)	غیر عربی میں دعا کا حکم	
(۱۸۹)	نماز میں قرآن یا کوئی لکھی ہوئی تحریر دیکھ کر پڑھنے کا حکم	۴۵۵
(۱۹۰)	نماز کے اندر سونے کی حالت میں ہنسنا	۴۵۵
(۱۹۱)	عورت اگر مرد کے محاذاۃ میں کھڑی ہو اور دونوں نماز میں مشترک ہوں تو اس کا حکم	۴۵۶
(۱۹۲)	مرد کا عورت کے پیچھے کھڑے ہو کر اپنی نماز پڑھنے کا حکم	۴۵۷
(۱۹۳)	تعدادِ رکعات میں شک کا حکم	۴۵۷
(۱۹۴)	نماز میں قطرہ کا وہم اور تعداد رکعات میں شک کا حکم	۴۵۸
(۱۹۵)	رکوع وسجود اور سلام میں امام کی متابعت	۴۵۹
(۱۹۶)	سجدہ کی حالت میں پیر کی انگلیوں کا حکم	۴۶۰

Marfat.com

(۱۹۷)	دوسرے شخص کا نمازی کو نماز میں یاد دلانا	۴۶۱
(۱۹۸)	فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانے کا حکم	۴۶۱
(۱۹۹)	نمازی کا کسی دوسرے کو سبحان اللہ کہہ کر تنبیہ کرنے کا حکم	۴۶۲
(۲۰۰)	امام کے پیچھے نیت میں غلطی کا حکم	۴۶۳
(۲۰۱)	عمداً واجب کو ترک کرنے سے نماز کا لوٹانا واجب ہے	۴۶۳
(۲۰۲)	امام نے پانچ رکعت پڑھیں اعادۂ نماز کے وقت دیگر لوگ شامل ہو گئے انکی نماز کا حکم	۴۶۴
(۲۰۳)	سنت کے فساد پر اعادہ کا حکم	۴۶۵
(۲۰۴)	نماز کے فساد کا اعلان امام پر لازم ہے	۴۶۵
(۲۰۵)	پہلے سے نماز میں شامل فرد کا امام کے رکوع کے بعد رکوع کرنے کا حکم	۴۶۵
(۲۰۶)	نماز پڑھتے ہوئے کسی کی آمد پر دروازہ کھولنے کا حکم	۴۶۶
(۲۰۷)	ایک نیت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ کتنی رکعات پڑھی جاسکتی ہیں؟	۴۶۷
(۲۰۸)	پیشاب کی تھیلی جسم پر بندھے ہونے کی حالت میں مریض کا نماز پڑھنا	۴۶۸
(۲۰۹)	گندگی اور نجاست کا جیب میں موجود ہونا اور اسی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم	۴۶۹
(۲۱۰)	امام کے بھول جانے پر لقمہ دینے کا حکم	۴۷۰
(۲۱۱)	مقتدی اگر نماز میں اللہ اکبر کہہ دے تو اس کی نماز کا حکم	۴۷۱
(۲۱۲)	پہلے بائیں طرف سلام پھیرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی	۴۷۱
(۲۱۳)	امام کے سلام سے پہلے سلام پھیرنے والے کا حکم	۴۷۲
(۲۱۴)	مکہ مکرمہ میں زوال کے وقت نماز پڑھنے کا حکم	۴۷۳
(۲۱۵)	دو سورتوں کے درمیان سورت چھوڑنے کا حکم	۴۷۴
(۲۱۶)	دورانِ نماز انگڑائی یا جمائی لینے سے نماز کا حکم	۴۷۵
(۲۱۷)	پینٹ شرٹ میں نماز پڑھنے کا حکم	۴۷۵
(۲۱۸)	دورانِ نماز شلوار یا پینٹ وغیرہ ٹخنوں سے نیچے رکھنے کا حکم	۴۷۶
(۲۱۹)	محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کا حکم	۴۷۶
(۲۲۰)	آستینیں چڑھا کر نماز پڑھنے کا حکم	۴۷۸

Marfat.com

(۲۲۱)	نماز میں کہنیوں کو کھلا رکھنے اور مچھروں کی وجہ سے ٹخنے ڈھانپنے کا حکم	۴۷۸
(۲۲۲)	نجاست غلیظہ میں خشک اور تر میں فرق کا بیان	۴۸۰
(۲۲۳)	سود کے پیسوں سے بنائے ہوئے مکان میں نماز پڑھنے کا حکم	۴۸۲
(۲۲۴)	ٹی وی اور آلات موسیقی والے کمرے میں نماز کا حکم	۴۸۲
(۲۲۵)	آئینہ کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم	۴۸۳
(۲۲۶)	آئینے کے سامنے نماز پڑھنا تصویر کے حکم میں نہیں	۴۸۳
(۲۲۷)	اندھیرے میں نماز پڑھنے کا حکم	۴۸۴
(۲۲۸)	سامنے موم بتی یا لالٹین وغیرہ رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم	۴۸۵
(۲۲۹)	چشمہ لگا کر نماز پڑھنے کا حکم	۴۸۵
(۲۳۰)	بغیر عمامہ نماز پڑھنے کا حکم	۴۸۶
	فصل فی السنن والنوافل (سنن اور نفل نمازوں کا بیان)	۴۸۷
(۲۳۱)	سنتوں کو اذان سے پہلے پڑھ لینے کا حکم	۴۸۷
(۲۳۲)	صبح صادق کے بعد ''نفل'' سنت فجر شمار ہوگی	۴۸۷
(۲۳۳)	اگر جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو سنت فجر کب پڑھی جائے؟	۴۸۸
(۲۳۴)	فجر کی سنت کس وقت چھوڑ سکتا ہے	۴۸۸
(۲۳۵)	سنتِ فجر کی انفرادا قضاء کا حکم	۴۸۹
(۲۳۶)	ظہر اور جمعہ سے پہلے کی سنتوں کی قضاء کا حکم	۴۹۰
(۲۳۷)	تحیۃ المسجد سنتوں کے قائم مقام نہیں ہوسکتی، سنت ظہر کی قضاء کا حکم	۴۹۲
(۲۳۸)	فجر، ظہر اور عصر کی سنتوں کا فرض کے بعد پڑھنے کا حکم	۴۹۲
(۲۳۹)	فجر کی سنتوں کی قضا کا حکم	۴۹۳
(۲۴۰)	سنتوں کی تیسری رکعت میں خطبہ شروع ہو جائے تو کیا کرے	۴۹۵
(۲۴۱)	شرعی سفر میں سنت و نوافل کا حکم	۴۹۶
(۲۴۲)	سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت	۴۹۷

Marfat.com

(۲۴۳)	دن اور رات میں نفل نمازیں، ان کی تعداد رکعات اور ان کے اوقات کا بیان	۴۹۸
(۲۴۴)	میت کیلئے بطور ایصالِ ثواب نوافل پڑھنے کا حکم	۵۰۰
(۲۴۵)	نفل کی نیت سے فرض نماز پڑھنا	۵۰۱
(۲۴۶)	سنت نماز یا دوگانہ نماز کے تحیۃ المسجد و تحیۃ الوضو کے قائم مقام ہونے کا حکم	۵۰۱
(۲۴۷)	سنت اور نفل نماز گھر میں پڑھنا لازمی نہیں، بلکہ افضل ہے	۵۰۲
(۲۴۸)	نفل نماز میں قراءۃ سبعہ پڑھنے کا حکم	۵۰۳
(۲۴۹)	بغیر عذر کے نوافل نہ پڑھنے کا حکم	۵۰۴
(۲۵۰)	اشراق اور چاشت ایک وقت میں پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟	۵۰۵
(۲۵۱)	کیا عورت اپنے گھر میں تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھ سکتی ہے؟	۵۰۶
(۲۵۲)	بیٹھ کر نوافل پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہوکر؟	۵۰۷
(۲۵۳)	بیٹھ کر نماز پڑھنے میں آدھے ثواب کا حکم فرائض یا نوافل سب میں ہے یا صرف نوافل میں؟	۵۰۸
(۲۵۴)	سنت فجر گھر میں پڑھ کر آنے والے کیلئے تحیۃ المسجد کا حکم	۵۰۹
(۲۵۵)	تہجد کی کم سے کم مقدار کیا ہے؟	۵۱۰
(۲۵۶)	صلاۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ	۵۱۰
(۲۵۷)	صلوٰۃ التسبیح میں چھوٹ جانے والی تسبیح کو دوسرے رکن میں پڑھنے کا حکم	۵۱۲
(۲۵۸)	مغرب کی دو سنتوں کے بعد نوافل کا حکم	۵۱۳
(۲۵۹)	دو رکعت نماز نفل میں متعدد نوافل کی نیت کرنے کا حکم	۵۱۴
(۲۶۰)	موٹر سائیکل پر نفل پڑھنے کا حکم	۵۱۵
(۲۶۱)	وتروں کے بعد دو رکعت کا مخصوص سورتوں کے ساتھ ثبوت	۵۱۵
(۲۶۲)	فوت شدہ نماز کے بارے میں یاد نہیں کہ کونسی تھی تو اس کی قضا کرنے کا حکم	۵۱۶
(۲۶۳)	چھوڑی ہوئی نمازوں اور روزوں کی قضاء کا حکم	۵۱۶
(۲۶۴)	وقتی اور فوت شدہ نمازوں میں ترتیب کا حکم	۵۱۷
(۲۶۵)	امدادی کاروائیوں کی وجہ سے نماز قضاء کرنے کا حکم	۵۱۸
(۲۶۶)	دورانِ نماز دورہ پڑ جائے تو اس نماز کی قضاء کا حکم	۵۱۹

Marfat.com

	فصل فی التراویح (تراویح سے متعلق مسائل کا بیان)	۵۲۰
(۲۶۷)	تعداد رکعاتِ تراویح کی بحث	۵۲۰
(۲۶۸)	بغیر روزہ رکھے تراویح کی نماز پڑھنے کا حکم	۵۲۱
(۲۶۹)	تراویح میں امام کو کھانسی وغیرہ کے ذریعے غلطی پر متنبہ کرنا	۵۲۲
(۲۷۰)	نمازِ تراویح کی بیس رکعات کا دو اماموں کا پڑھانا	۵۲۳
(۲۷۱)	تراویح میں ایک امام کا بارہ رکعات، دوسرے کا آٹھ رکعات پڑھانا	۵۲۳
(۲۷۲)	فلیٹ میں نماز پنجگانہ اور تراویح پڑھنے کا حکم	۵۲۴
(۲۷۳)	نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد قہوہ پینا	۵۲۵
(۲۷۴)	نماز تراویح کے بعد اجتماعی دعا مانگنے کا حکم	۵۲۵
(۲۷۵)	تراویح کی جماعت ثانی کا حکم	۵۲۶
(۲۷۶)	عذر کی وجہ سے تراویح کی جماعت چھوڑنے کا حکم	۵۲۷
(۲۷۷)	بیس رکعات تراویح کا دورانیہ کتنا ہو؟	۵۲۸
(۲۷۸)	نمازِ تراویح کے بعد قرآن مجید کا خلاصہ بیان کرنا	۵۲۹
(۲۷۹)	تراویح میں دوسرے ختم کا حکم	۵۳۰
	فصل فی الوتر (وتر سے متعلق مسائل کا بیان)	۵۳۱
(۲۸۰)	دعائے قنوت کے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھانا، اور قنوت نازلہ پڑھنے کا وقت	۵۳۱
(۲۸۱)	دعائے قنوت سے پہلے رفع یدین کا حدیث سے ثبوت	۵۳۲
(۲۸۲)	دعائے قنوت کیلئے ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھنے کا ثبوت	۵۳۲
(۲۸۳)	قنوت میں ہاتھ باندھنے اور قومہ میں نا باندھنے کا ثبوت	۵۳۵
(۲۸۴)	دعائے قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم	۵۳۷
(۲۸۵)	وتر کی تیسری رکعت کے رکوع سے قنوت کیلئے لوٹنے کا حکم	۵۳۸
(۲۸۶)	رمضان میں عشاء کی نماز باجماعت نہ پڑھنے والے کا وتر باجماعت پڑھنا	۵۳۹

Marfat.com

(۲۸۷)	صرف رمضان میں وتر جماعت سے ادا کرنے کی شرعی حیثیت	۵۳۹
(۲۸۸)	وتر میں نو سورتیں پڑھی جانے والی حدیث پر عمل کا حکم	۵۴۰
(۲۸۹)	وتر کی نماز دو سلاموں سے پڑھنے کا حکم	۵۴۲
(۲۹۰)	وتر میں حنفی کا شافعی کی اقتداء کرنا	۵۴۲
(۲۹۱)	حنفی کا شافعی امام کے پیچھے وتر میں لفظ واجب ملانے کا حکم	۵۴۳
(۲۹۲)	وتر کے بعد دو رکعت کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے	۵۴۵
	فصل فی سجود السهو والتلاوة (سجدۂ سہو اور سجدۂ تلاوت کے مسائل کا بیان)	۵۴۷
(۲۹۳)	سجدۂ سہو کے واجب ہونے کی صورتیں	۵۴۷
(۲۹۴)	امام کا قرأت کے دوران بھول کر خاموش رہنا پھر سجدہ سہو کرنا کیسا ہے؟	۵۴۸
(۲۹۵)	قیام میں پہلے التحیات پڑھے پھر فاتحہ یا قعدہ میں فاتحہ پڑھے تو کیا حکم ہے	۵۴۹
(۲۹۶)	سبحان ربی العظیم کی جگہ سبحان ربی الاعلی پڑھ لیا تو سجدہ سہو کا حکم	۵۵۰
(۲۹۷)	قعدہ اولی نہ کرنے کا حکم	۵۵۰
(۲۹۸)	غلطی سے قاعدہ اولی میں سلام پھیرنے کا حکم	۵۵۱
(۲۹۹)	قعدۂ اولی سہواً چھوٹ جانے کے بعد قیام سے دوبارہ واپس آنے کا حکم	۵۵۱
(۳۰۰)	دونوں طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنے کا حکم	۵۵۲
(۳۰۱)	سجدہ سہو کرنا بھول کر دونوں طرف سلام پھیر دینے کا حکم	۵۵۲
(۳۰۲)	سجدۂ سہو بھول کر سلام پھیرنے کا حکم	۵۵۳
(۳۰۳)	سورۂ فاتحہ کے بعد سورت کی جگہ دوبارہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم	۵۵۴
(۳۰۴)	سجدہ سہو ادا کرنے کے بعد قیام کی طرف لوٹنا	۵۵۵
(۳۰۵)	امام کا بھول کر سری نماز میں جہراً تلاوت کرنے کا حکم	۵۵۵
(۳۰۶)	فرض کے چھوٹ جانے کی کمی کو سجدۂ سہو سے پورا کرنے کا حکم	۵۵۷
(۳۰۷)	مقتدی سے سہو کی صورت میں سجدۂ سہو کا حکم	۵۵۸
(۳۰۸)	سجدۂ سہو میں تکرار نہیں	۵۵۸

Marfat.com

(۳۰۹)	سجدہ تلاوت کے وجوب سے لاعلمی کی بناء پر سجدہ تلاوت نہ کرنے کا حکم	۵۵۹
(۳۱۰)	آیت سجدہ سننے والوں کو اگر علم ہو کہ آیت سجدہ تلاوت کی گئی ہے تو سجدہ کا حکم	۵۶۰
(۳۱۱)	سجدۂ شکر کا حکم	۵۶۱
	فصل فی صلوۃ المریض والمسافر (مریض اور مسافر کی نماز کا بیان)	۵۶۳
(۳۱۲)	زخم سے مسلسل خون نکلنے کی صورت میں نماز کی صورت	۵۶۳
(۳۱۳)	زخمی کیلئے لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم	۵۶۴
(۳۱۴)	مسلسل قطرے آنے کی صورت میں نماز کیسے پڑھیں؟	۵۶۴
(۳۱۵)	اگر اٹھنے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص پر نماز فرض ہے یا نہیں؟	۵۶۵
(۳۱۶)	معذور آدمی کا گھر پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم	۵۶۶
(۳۱۷)	دوران نماز اگر قیام سے عاجز ہو جائے تو باقی نماز بیٹھ کر ادا کرنے کا حکم	۵۶۷
(۳۱۸)	بیمار آدمی کیلئے قبلہ رُخ کئے بغیر نماز ادا کرنے کا حکم	۵۶۷
(۳۱۹)	قیام، رکوع وسجدہ سے عاجز کا بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنے کا حکم	۵۶۸
(۳۲۰)	تختہ لگی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم	۵۶۸
(۳۲۱)	زمین یا کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم	۵۶۹
(۳۲۲)	نمازیوں کی مروجہ کرسیوں میں ۹/انچ اونچائی رکھنے کی علت	۵۷۰
(۳۲۳)	بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے رکوع کا طریقہ	۵۷۲
(۳۲۴)	کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا سجدہ کی حالت میں کہاں تک سر جھکائے؟	۵۷۲
(۳۲۵)	خروج ریح کی صورت میں اشارہ سے رکوع وسجدہ کرنے کا حکم	۵۷۳
(۳۲۶)	کبڑے شخص کے رکوع کا حکم	۵۷۴
(۳۲۷)	دو راستوں میں کم وزیادہ مسافت کے وقت سفر شرعی کیلئے ۴۸ میل کا اعتبار ہوگا	۵۷۴
(۳۲۸)	مسافر شرعی کی تعریف	۵۷۶
(۳۲۹)	مسافت شرعی کی ابتداء وانتہا کا حکم	۵۷۷
(۳۳۰)	مسافت سفر کی ابتداء وانتہاء کہاں سے ہوگی؟	۵۷۷

Marfat.com

(۳۳۱)	جب کسی شخص کا سفر شرعی پر جانے کا ارادہ ہوتو وہ کب قصر کرے گا؟	۵۷۸
(۳۳۲)	مسجد حرام اور مسجد نبوی میں قصر نماز کا حکم	۵۷۸
(۳۳۳)	۹۵ کلومیٹر مسافت پر پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں قصر کا حکم	۵۷۹
(۳۳۴)	کوئٹہ سے قلات اگر پندرہ دن سے کم کیلئے جانا ہوتو قصر کا حکم	۵۸۰
(۳۳۵)	دوشہروں میں رہائش ہوتو وطن اصلی کونسا ہوگا؟	۵۸۱
(۳۳۶)	کسی دوسرے شہر کو وطن بنالیا تو کیا اب وطن اصلی میں پندرہ دن سے کم قیام پر قصر کریگا؟	۵۸۱
(۳۳۷)	قریب بستیوں میں تشکیل کی صورت میں قصر نماز کا حکم	۵۸۲
(۳۳۸)	رہائش کراچی میں ہو، اور سسرال سجاول میں، تو سسرال میں نمازوں کا حکم	۵۸۳
(۳۳۹)	عورت کا شادی کے بعد وطن اصلی کون سا ہوگا؟	۵۸۴
(۳۴۰)	۳۰ میل سفر کی نیت کے بعد ۲۵ میل آگے اور جانا پڑ جائے تو نماز کا حکم	۵۸۵
	فصل فی الجمعة والعیدین (جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے بیان میں)	۵۸۶
(۳۴۱)	جمعہ کی نماز کی نیت	۵۸۶
(۳۴۲)	نماز جمعہ کا مستحب وقت	۵۸۶
(۳۴۳)	سعی الی الجمعہ کونسی اذان پر واجب ہے؟	۵۸۷
(۳۴۴)	عیدگاہ سے واپسی پر تکبیر پڑھنا کیسا ہے؟	۵۸۷
(۳۴۵)	خطبۂ عید میں خطیب کے ساتھ تکبیرات پڑھنے کا حکم	۵۸۹
(۳۴۶)	عید کے خطبوں میں تکبیرات کتنی مرتبہ اور کب کہی جائیں گی؟	۵۸۹
	رسالة: نافلة النجیب فی الخطبة الأردویة امام الخطیب	۵۹۱
(۳۴۷)	جمعہ کی اردو تقریر کے دوران نفل نماز پڑھنے کا حکم	
(۳۴۸)	خطبہ اور جماعت کے درمیان خطیب صاحب کا مخصوص اعلان کرنے کا حکم	۶۱۳
(۳۴۹)	خطبہ اور جمعہ میں فصل کی شرعی حیثیت	۶۱۴
(۳۵۰)	عربی میں خطبہ پڑھنے کی شرعی حیثیت	۶۱۵
(۳۵۱)	خطبہ میں طہارت شرط نہیں	۶۱۹

Marfat.com

(۳۵۲)	خطبہ میں ''السلطان المسلم الخ'' کے الفاظ پڑھنے کی ابتداء اور شرعی حیثیت	۶۱۹
(۳۵۳)	دورانِ خطبہ چندے کا حکم	۶۲۰
(۳۵۴)	خطبہ جمعہ کے علاوہ اس سے پہلے کی جانے والی تقریر کی شرعی حیثیت	۶۲۱
(۳۵۵)	جمعہ کی تقریر اگر جمعہ کی سنتوں میں مخل ہو تو سنتوں کو کب ادا کیا جائیگا؟	۶۲۲
(۳۵۶)	آبادی اور سہولیات کے اعتبار سے دورِ حاضر میں جمعہ کی شرائط	۶۲۲
(۳۵۷)	جمعہ کی نماز کی صحت کیلئے شہر ہونا ضروری ہے	۶۲۴
(۳۵۸)	گاؤں میں ۴۰،۳۰، ۵۰ سال سے جاری جمعہ موقوف کرنے پر فتنہ کا اندیشہ ہو تو کیا کرے؟	۶۲۶
(۳۵۹)	چھوٹی بستی میں قائم نماز جمعہ کا حکم	۶۲۷
(۳۶۰)	گاؤں میں نمازِ جمعہ درست نہیں	۶۲۹
(۳۶۱)	جس عذر کی وجہ سے نمازِ جمعہ ترک کرنا جائز نہیں	۶۳۲
(۳۶۲)	عذر کی وجہ سے ایک مسجد میں دو مرتبہ نمازِ جمعہ قائم کرنے کا حکم	۶۳۳
(۳۶۳)	عیدین میں سجدہ سہو کا حکم	۶۳۵
(۳۶۴)	شافعی امام کے پیچھے نماز عید کا حکم	۶۳۵
(۳۶۵)	خواتین کیلئے جمعہ کی نماز پڑھنے کا حکم	۶۳۶
(۳۶۶)	عورتوں کیلئے عید گاہ جانے کا حکم	۶۳۶
(۳۶۷)	تکبیراتِ تشریق مرد اور عورت دونوں پر واجب ہیں	۶۳۸
	باب فی تقدیر الاوزان الشرعیة بالمساحة الجدیدة (شرعی اوزان کی مقدار کا از سر نو تحقیق کے ساتھ بیان)	۶۴۰
(۳۶۸)	الاصبع کی تحقیق	۶۴۰
(۳۶۹)	الشبر کی تحقیق	۶۴۱
(۳۷۰)	فرسخ کی تحقیق	۶۴۱
(۳۷۱)	میل کی تحقیق	۶۴۲
(۳۷۲)	برید کی تحقیق	۶۴۴
(۳۷۳)	مرحلہ کی تحقیق	۶۴۵

Marfat.com

	فصل فی المسائل المتفرقة المتعلقة بالصلاة (نماز کے متفرق مسائل کا بیان)	۶۴۸
(۳۷۴)	فریضۂ صلوۃ قرض ہے یا فرض؟	۶۴۸
(۳۷۵)	فقہاء نے ''نماز کے ارکان وشرائط'' کے اعتبار سے جو تقسیم فرمائی ہے اس کا مقصد	۶۴۸
(۳۷۶)	فرض نماز پڑھتے ہوئے یاد آئے کہ میں پہلے یہ نماز پڑھ چکا ہوں	۶۴۹
(۳۷۷)	حرم سے باہر سمتِ قبلہ کا تعین	۶۵۰
(۳۷۸)	مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے	۶۵۱
(۳۷۹)	نماز کا پڑھنا ہی اخلاق کی درستگی کا سبب ہے	۶۵۱
(۳۸۰)	موبائل میں گانے والی ٹونز لگوانے اور دوران نماز موبائل کی گھنٹی بند کرنے کا حکم	۶۵۲
(۳۸۱)	فرض نمازوں کی رکعات کا احادیث مبارکہ سے ثبوت	۶۵۳
(۳۸۲)	کسی مسجد کو مسجد ضرار کہنا درست نہیں	۶۵۴
(۳۸۳)	ایک طرف سے آکر نمازی کے آگے بیٹھ جانے کے بعد پھر اٹھ کر دوسری طرف جانے کا حکم	۶۵۵
(۳۸۴)	سترہ کی مقدار اور اس کا حکم	۶۵۶
(۳۸۵)	حضورا کیسے درود پڑھتے تھے؟ کیا آپ پر درود پڑھنا واجب تھا؟	۶۵۶
(۳۸۶)	''ہر وہ نماز جو کراہت تحریمیہ کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کا اعادہ واجب ہے'' کیا یہ قاعدہ کلی ہے؟	۶۵۷
(۳۸۷)	دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کر کے ادا کرنے کا حکم اور اس کی شرائط	۶۵۹
(۳۸۸)	داڑھی منڈوانے والے شخص کو صف اول سے پیچھے کر دینے کا حکم	۶۶۱
(۳۸۹)	فرض نماز اور تراویح کے بعد اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت	۶۶۲
	باب احکام المساجد (مساجد کے احکام کا بیان)	۶۶۵
(۳۹۰)	مسجد میں کسی جگہ رومال وغیرہ رکھ کر جگہ گھیرنے کا حکم	۶۶۵
(۳۹۱)	سرکاری زمین میں حکومت کی اجازت کے بغیر مسجد کی توسیع اور اس میں نماز پڑھنا	۶۶۵
(۳۹۲)	رسالة: بیان الغرائب فی الأراضی المتصلة بالمساجد مسجد سے متصل جنازہ گاہ کے S.T. پلاٹ کا حقدار کون ہے؟	۶۶۷

Marfat.com

(۳۹۳)	مساجد میں ایکو ساؤنڈ کے استعمال کا حکم	۶۷۵
(۳۹۴)	مسجد میں نمازیوں کے سامنے کی طرف ہیٹر لگانے کا حکم	۶۷۶
(۳۹۵)	مسجد کے پودوں کے مالی کو مسجد کی آمدنی سے تنخواہ دینے کا حکم	۶۷۶
(۳۹۶)	جوتے پہن کر مسجد میں آنا اور انہی میں نماز پڑھنے کا حکم	۶۷۷
	کتاب الجنائز والشهيد (نمازِ جنازہ، تجہیز و تکفین اور شہید سے متعلق مسائل کا بیان)	۶۷۹
(۳۹۷)	میت کو غسل دیتے وقت کان و ناک کے سوراخوں میں روئی رکھنے کا حکم	۶۷۹
(۳۹۸)	میت کو غسل دیتے وقت سر کے مسح کا حکم	۶۷۹
(۳۹۹)	میت کو غسل دینے کے بعد اگر نجاست خارج ہو جائے تو غسل کا حکم	۶۸۰
(۴۰۰)	کوئی شخص کسی حادثہ میں مر جائے اور اعضاء متفرق ہو جائیں تو غسل کا حکم	۶۸۰
(۴۰۱)	عورت کی میت کو نہلاتے وقت اس کے ستر کا حکم	۶۸۱
(۴۰۲)	عورت کو کفن دیتے وقت بالوں کو کس طرح رکھا جائے؟	۶۸۱
(۴۰۳)	آبِ زمزم سے احرام کی چادریں دھو کر کفن کے لئے رکھنے کا حکم	۶۸۲
(۴۰۴)	نمازِ جنازہ کی ترتیب اور تکبیرات کا حدیث سے ثبوت	۶۸۳
(۴۰۵)	نمازِ جنازہ کی ثناء میں اور درود شریف میں زیادتی کا حدیث سے ثبوت	۶۸۳
(۴۰۶)	نمازِ جنازہ مکروہ اوقات میں پڑھنے کا حکم	۶۸۴
(۴۰۷)	رسالۃ: تعجيل الفرائض في انتقال الميت والاسراع بالجنائز جنازہ میں جلدی اور انتقالِ میت سے متعلق تحقیقی فتویٰ	۶۸۵
(۴۰۸)	نمازِ جنازہ میں تکبیرات چھوٹنے کا حکم	۶۹۶
(۴۰۹)	نمازِ جنازہ میں امامت کا زیادہ مستحق کون ہے؟ اور عصبہ کا شرعی معنی	۶۹۶
(۴۱۰)	نومولود جو رویا نہیں اور تین گھنٹے بعد مر گیا اس کی نماز جنازہ کا حکم	۶۹۸
(۴۱۱)	رسالۃ: الأوابد في اداء صلوة الجنازة داخل المساجد مسجد کے اندر نماز جنازہ کی مختلف صورتوں کا حکم	۶۹۹
(۴۱۲)	مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا اور اس کی جائز صورتیں کون کون سی ہیں؟	۷۰۲

Marfat.com

(۴۱۳)	جو شخص جل گیا صرف ہڈیاں رہ گئیں تو اس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم	۷۰۲
(۴۱۴)	خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم	۷۰۳
(۴۱۵)	نومولود بغیر جنازے کے مدفون بچی کے جنازے کا حکم	۷۰۴
(۴۱۶)	بچے کے کفن اور احرام کا حکم	۷۰۴
(۴۱۷)	نمازِ جنازہ جوتوں کے ساتھ پڑھنا نیز سلام پھیرتے وقت امام کس کی نیت کریگا	۷۰۵
(۴۱۸)	نمازِ جنازہ میں سلام سے پہلے ہاتھ چھوڑنا	۷۰۶
(۴۱۹)	نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر پر ہاتھ چھوڑ دینے چاہیئے	۷۰۶
(۴۲۰)	امام کا محراب میں کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھانا	۷۰۷
(۴۲۱)	دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم	۷۰۷
(۴۲۲)	قبر کے اندر صحیح سلامت نعش نکل آئے تو اس پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے کا حکم	۷۰۸
(۴۲۳)	نمازِ جنازہ کے بعد دس دس قدم چلنے کا طریقہ	۷۰۸
(۴۲۴)	عورت کیلئے جنازہ میں شرکت کرنے کا حکم	۷۰۹
(۴۲۵)	عورتیں جنازے کی نماز پڑھا سکتی ہیں؟	۷۱۰
(۴۲۶)	متوفیہ عورت کے کفن و دفن کا خرچ کس کے ذمہ ہے باپ یا خاوند؟	۷۱۲
(۴۲۷)	میت کو اپنے آبائی گاؤں میں منتقل کرنے کا حکم	۷۱۲
(۴۲۸)	قبر کتنی گہری کھودی جائے	۷۱۳
(۴۲۹)	قبر کی گہرائی کتنی ہو؟ میت کو گھر میں رکھا جائے یا مسجد میں؟	۷۱۳
(۴۳۰)	قبر کھودنے کی گہرائی میں مرد و عورت کی قبر میں فرق ہے یا نہیں؟	۷۱۵
(۴۳۱)	میت کو بوقت ضرورت صندوق میں بند کرنے کا حکم	۷۱۵
(۴۳۲)	بلا ضرورت میت کو تابوت میں دفن کرنے کا حکم	۷۱۵
(۴۳۳)	میت کیلئے قبر میں چٹائی بچھانے کا حکم اور نبی اکیلئے چٹائی بچھانے کی وجہ	۷۱۶
(۴۳۴)	عورت کو قبر میں اتارتے وقت پردہ ڈالنے کا حکم	۷۱۷
(۴۳۵)	قبروں کے اردگرد چار دیواری بنانے کا حکم	۷۱۸
(۴۳۶)	حفاظت کی غرض سے قبر پر بغیر چھت کے چار دیواری بنانے کا حکم	۷۱۸

Marfat.com

(۴۳۷)	قبر کے اوپر میت کے نام کا کتبہ لگانے کا حکم	۷۱۹
(۴۳۸)	قبروں پر نام، تاریخ وغیرہ لکھنے کا حکم	۷۲۰
(۴۳۹)	پکی اور خوبصورت قبر بنانے کا حکم	۷۲۰
(۴۴۰)	پرانی یا نئی قبر گر جائے اس کو دوبارہ بنانے کا حکم	۷۲۰
(۴۴۱)	قبر پر سبز پتی پھول اور خوشبو رکھنے کی شرعی حیثیت	۷۲۱
(۴۴۲)	پوسٹ مارٹم وغیرہ کی غرض سے میت کو قبر سے نکالنے کا حکم	۷۲۲
(۴۴۳)	میت گھر میں موجود ہو تو اس جگہ تلاوت کلام پاک کرنے کا حکم	۷۲۲
(۴۴۴)	نمازِ ظہر، نمازِ جنازہ اور کسوف میں کون سی نماز مقدم ہوگی؟	۷۲۲
(۴۴۵)	نمازِ جنازہ سے پہلے قرآن لے جانا	۷۲۳
(۴۴۶)	نماز جنازہ میں تین سے زائد صفوں میں طاق عدد کی رعایت نیز جنازہ کی آخری صف کا اجر	۷۲۶
(۴۴۷)	نمازِ جنازہ کی آخری صف میں کھڑے ہونے کی فضیلت کی کیا وجہ ہے؟	۷۲۷
(۴۴۸)	کیا حاضرینِ جنازہ کیلئے نماز جنازہ فرض عین ہے؟	۷۲۸
(۴۴۹)	امام پر نمازِ جنازہ کے بعد تدفین تک شریک رہنے اور تقریر کرنے کی شرط لگانا کیسا ہے؟	۷۲۹
(۴۵۰)	جنازہ کے بعد صفیں بکھر جانے پر دعا و وعظ وغیرہ کا حکم	۷۲۹
(۴۵۱)	نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا حکم	۷۳۱
(۴۵۲)	میت کو دفن کرنے کے بعد کی دعا	۷۳۲
(۴۵۳)	تلقین جہراً کرنا چاہیئے یا سراً؟	۷۳۲
(۴۵۴)	جنازہ میں شرکت سے تعزیت کی ادائیگی کا حکم	۷۳۳
(۴۵۵)	میت کی تعزیت کیلئے مسجد میں بیٹھنے کے مروجہ طریقے کا حکم	۷۳۳
(۴۵۶)	معمر عورت کا اپنے اقارب کی قبر پر جانے کا حکم	۷۳۴
(۴۵۷)	میت کے ایصال ثواب کیلئے دن مقرر کرنے کا حکم	۷۳۴
(۴۵۸)	اگر کسی کی زمین میں بنی قبر کے اوپر بدعات اور رسومات ہونے لگیں تو کیا کریں؟	۷۳۶
(۴۵۹)	مجالس تعزیت، اور ان میں رُلا دینے والے مضامین کا پڑھنا، نیز شخصیات کی تاریخ وفات پر اجتماع کا حکم	۷۳۷
(۴۶۰)	خودکشی کرنے والے کی قیامت میں سزا	۷۳۸

Marfat.com

(۴۶۱)	جانتے بوجھتے مرزائی کا جنازہ پڑھانے والے کا حکم	۴۳۹
(۴۶۲)	قبرستان پر چھت اور عمارت بنانے کا حکم	۴۳۹
(۴۶۳)	جنازہ گاہ میں وقتیہ نماز پڑھنے کا حکم	۴۴۰
(۴۶۴)	نمازِ جنازہ کی فرضیت کب ہوئی؟ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی تھی یا نہیں؟	۴۴۰
(۴۶۵)	خلفاء راشدین کی نمازِ جنازہ کن کن حضرات نے پڑھائی؟	۴۴۱
(۴۶۶)	ڈاکوؤں وغیرہ کے ہاتھوں مارے جانے والے کا حکم	۴۴۲
(۴۶۷)	سیاسی قائدین وکارکنان اور رافضی، بدعتی وغیرہ کا مارا جانا شہادت ہوگا؟	۴۴۳
(۴۶۸)	دہشتگردوں کی فائرنگ سے چوکی پر موجود پولیس ملازم قتل ہوگیا، کیا وہ شہید ہے؟	۴۴۵
(۴۶۹)	ہندوؤں کے میلوں وغیرہ میں کسی حادثہ کا شکار ہونے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم	۴۴۵
(۴۷۰)	جہاد میں اگر کوئی اپنے فعل کی وجہ سے قتل ہوجائے تو اس کے غسل کا حکم	۴۴۶
(۴۷۱)	میت کے سینے پر انگلی سے کلمہ وغیرہ لکھنے اور قبر میں آیات قرآنیہ رکھنے کا حکم	۴۴۷
(۴۷۲)	میت کو غسل دیتے وقت ذکر ودعا کرنے کا حکم	۴۴۸
(۴۷۳)	مسنون کفن اور عورت کے کفن میں تہبند کو شلوار کی طرح سینے کا حکم	۴۴۹
(۴۷۴)	حرم میں جنازہ اندر ہونے کی وجہ اور حرم میں خواتین کا نماز پڑھنا	۴۵۱
(۴۷۵)	سیلاب، زلزلہ وغیرہ میں مرنے والوں کی شہادت کا حکم	۴۵۳
(۴۷۶)	گرمی کی شدت سے مرجانے والے کی شہادت کا حکم	۴۵۴
(۴۷۷)	ایکسیڈنٹ میں مرنے والے کی شہادت کا حکم	۴۵۶
(۴۷۸)	جو شخص اپنی یا مسلمانوں کی جان ومال کا دفاع کرتے ہوئے مرجائے وہ شہید ہے	۴۵۷
(۴۷۹)	عدالت کی طرف سے کسی کو ظلماً قتل کرنا	۴۵۷
(۴۸۰)	میت کو ایصال ثواب کا مسنون طریقہ	۴۵۸
(۴۸۱)	مظاہروں اور ہڑتالوں وغیرہ کے موقع پر مرنے والے پولیس اہلکاروں کا حکم	۴۶۰
(۴۸۲)	شہید دنیوی میں عدم ارتثاث کی قید کا حدیث سے ثبوت	۴۶۲
(۴۸۳)	بیٹھی ہوئی قبر کی مرمت کا حکم	۴۶۳

Marfat.com

كتاب الطهارة

Marfat.com

Marfat.com

فصل فی الوضوء

(وضو کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، آداب ومکروہات کا بیان)

(۱) مسواک کی مقدار اور برش کے استعمال کا حکم

سوال...... مسواک کرنا مسنون ہے، لیکن کیا ہر چھوٹی بڑی شاخ کے استعمال سے مسواک کی سنت ادا ہو جائے گی؟ یا اس کی لمبائی وموٹائی متعین ہے؟ اگر اس میں اس طرح کی تعیین ہو تو تفصیل سے بتلادیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... مسواک کی مقدار متعین ہے یعنی ایک بالشت لمبی اور ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی موٹائی کے بقدر موٹی ہونی چاہیے، اسی طرح سب سے افضل مسواک پیلو کے درخت کی ہے اس کے بعد زیتون کے درخت کی۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر درخت کی شاخ کے علاوہ کوئی اور چیز استعمال کی جائے جیسے برش، کپڑا یا انگلی وغیرہ تو اس سے صفائی کی سنت تو ادا ہو جائے گی لیکن مسواک کی سنت ادا نہ ہوگی۔

لمافی الکبیری (ص۳۱-۳۲): ثم المستحب ان یکون السواك من شجرة مرّة لزيادة ازالة تغير الفم قالوا: ويستاك بكل عود الا الرمان والقصب وافضله الاراك ثم الزيتون وان يكون طول شبر في غلظ الخنصر...

وفي الهندية (۱/۷): ومنها السواك وينبغي ان يكون السواك من اشجار مرة لانه يطيب نكهة الفم ويشد الاسنان ويقوى المعدة وليكن رطبا في غلظ الخنصر وطول الشبر ولا يقوم الاصبع مقام الخشبة فان لم توجد الخشبة فحينئذ يقوم الاصبع من يمينه مقام الخشبة۔

وفي الدر المختار (۱/۱۱۴-۱۱۵): (و)ندب امساكه (بيمناه) وكونه لينا مستويا بلاعقد في غلظ الخنصر وطول شبر ... وعند فقده او فقد اسنانه تقوم الخرقة الخشنة اوالاصبع مقامه كما يقوم العلك مقامه للمرأة مع القدرة عليه۔

Marfat.com

(۲) ٹوتھ برش سے مسواک کی سنت کا حکم

سوال...... اگر کسی کے پاس مسواک نہ ہو اور اس کے پاس ٹوتھ برش ہو تو کیا وہ مسواک کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور اس سے مسواک کی سنت ادا ہو جاتی ہے از راہِ کرم تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... مسواک کا استعمال سنت موکدہ ہے شرعی نقطہ نظر سے مسواک کا اطلاق اس لکڑی پر ہوتا ہے جس کو دانتوں کی صفائی کیلئے استعمال کیا جائے اور مستحب یہ ہے کہ مسواک کسی کڑوے درخت مثلاً زیتون، پیلو وغیرہ کی ہو، البتہ اگر مسواک دستیاب نہ ہو تو انگلی سے بھی یہ سنت ادا ہو سکتی ہے اور یہی حکم ٹوتھ پیسٹ کا بھی ہے البتہ مسواک شرعی میں دو مستقل سنتیں ہیں (۱) لکڑی کا استعمال (۲) انقاء (منہ کی صفائی) تو ٹوتھ برش کے استعمال سے صرف انقاء کی سنت ادا ہو جائے گی البتہ لکڑی کی سنت اس سے ادا نہیں ہوگی۔

لما فی الهندية(۱/۷): (منها السواك) وينبغى ان يكون السواك من اشجار مرة لانه يطيب نكهة الفم ويشد الاسنان ويقوى المعدة وليكن رطبا فى غلظ الخنصر وطول الشبر ولا يقوم الاصبع مقام الخشبة فان لم توجد الخشبة فحينئذ يقوم الاصبع من يمينه مقام الخشبة۔

وفى المغنى(۱/۷۹): ويستحب ان يكون السواك عودا لينا ينقى الفم ولا يجرحه ولا يضره ولا يتفتت فيه كالاراك والعرجون ولا يستاك بعود الرمان ولا الآس ولا الاعواد الذكية...

وان استاك باصبعه او خرقة فقد قيل لا يصيب السنة لان الشرع لم يرد به ولا يحصل الانقاء به حصوله بالعود والصحيح انه يصيب بقدر ما يحصل من الانقاء ولا يترك القليل من السنة للعجز عن كثيرها۔

(۳) ٹوتھ برش یا انگلی کا مسواک کے قائم مقام ہونے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے علماء سے سنا ہے کہ ٹوتھ برش سے مسواک کی سنت ادا نہیں ہوتی لیکن میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ اگر کسی کے پاس مسواک نہ ہو تو وہ انگلی کو ہی دانتوں پر مل لے یہ مسواک کے قائم مقام ہو جائے گی۔ آیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو پھر ٹوتھ برش کو مسواک کے قائم مقام کیوں نہیں بنایا جاسکتا؟ حالانکہ اس سے دانتوں کی صفائی وغیرہ انگلی کے مقابلے میں بہر حال زیادہ اچھی ہوتی ہے؟ براہ کرم جواب آسان الفاظ میں لکھ کر عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... مسواک کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے جو صورت ثابت ہے وہ یہی ہے کہ لکڑی سے مسواک کی جائے اور لکڑیوں میں بھی پیلو کے درخت کی لکڑی زیادہ پسندیدہ ہے لیکن اگر لکڑی کی مسواک اتفاقاً موجود نہ ہو، تو انگلی وغیرہ سے دانت صاف کر لینا مسواک کے قائم مقام ہو سکتا ہے اور برش کا اصل حکم بھی یہی ہے کہ اگر اتفاقاً مسواک موجود نہ ہو تو اس کا استعمال

Marfat.com

قائم مقام مسواک کے ہوجائے گا۔اورلکڑی کی مسواک کی موجودگی میں انگلی اور برش وغیرہ مسواک کے قائم مقام نہیں بنیں گے۔

لمافی سنن النسائی(۳/۱): سمعت عائشة رضی الله عنها عن النبی ﷺ قال:'' السواك مطهرة للفم مرضاة للرب''۔

وفی کنز العمال(۳۱۱/۹): الاصابع تجری مجری السواك اذا لم يكن مسواك (ابو نعيم فی كتاب السواك عن عمرو بن عوف المزنی)۔

وفی اعلاء السنن(۷۳/۱): ثم اعلم ان الاصابع تقوم مقام السواك عند فقدانه... الخ۔

وفی الفقه علی المذاهب الاربعة(۶۸/۱): ومن السنن المؤكدة السواك ولا يشترط ان يكون من شجر الاراك المعروف بل الافضل ان يكون من اشجار مرة لانه يساعد علی تطييب الفم وله فوائد معروفة فهويقوی اللثة... فاذا لم يجد سواكاً فان الفرشة تقوم مقامه واذا لم يجدها استاك باصبعه ويقوم مقام السواك العلك اللبان... واذا كان لا يطيقه فانه يتركه للضرورة...

وفی المفصل فی احكام المرأة والبيت المسلم(۵۴/۱): يستحب أن يستاك المسلم او المسلمة بعود من اراك فان لم يوجد او وجده واستعمل شيئاً آخر غيره جاز ذالك بشرط ان يكون هذا الشئ تحصل به تنقية فمه وتنظيف أسنانه كالخرقة الخشنة والاشنان وقياساً علی هذا القول يجوز استعمال فرشة تنظيف الاسنان مع المعجون الخاص للتنظيف... واذا لم يجد مايستاك به من عود السواك وغيره استعمل اصابعه فی استياكه للحديث الذی رواه البيهقی عن رسول الله ﷺ تجزی فی السواك الأصابع۔

وفی الشامية(۱۶۸/۲): (واستياكه) لانه مندوب اليه فی سائر الصلوات اختيار، ومفاده ان المراد به الاستياك عند القيام الی الصلوة فانه مستحب كما قدمناه فی سنن الوضوء وكذا عند الاجتماع بالناس وعليه فيستحب قبل التوجه اليها ايضاً واما السواك فی الوضوء فانه سنة موكدة ولا خصوصية للعيد فيه۔

(۴)مسواک سنتِ صلوٰۃ ہے یا سنتِ وضو؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے علماء سے سنا ہے کہ ہر وضو کے وقت مسواک کرنا چاہیے اور بعض کہتے ہیں کہ نماز کے وقت مسواک کرنا مسنون ہے ان میں سے صحیح اور افضل بات کون سی ہے؟ نیز آپ ﷺ کا معمول

Marfat.com

کیا تھا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... وضو کے ساتھ مسواک کرنا مسنون ہے۔ اور جن احادیث میں یہ آتا ہے کہ آپ ﷺ نماز کے وقت مسواک فرماتے تھے تو ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے وقت جب وضو فرماتے تھے اس میں مسواک فرمایا کرتے تھے۔ تاہم اگر کوئی شخص اتباع کی نیت سے نماز کے وقت بھی مسواک کرلے تو درست ہے۔ بشرطیکہ اس کے مسوڑھے مضبوط ہوں اور بوقتِ نماز مسواک کی وجہ سے خون وغیرہ نہ نکلے۔

لمافی فتح الملھم (۲/۶۸۸): وقد صرح کثیر من الشافعیة والحنفیة باستحباب السواك عند الوضوء وعند القیام الی الصلوۃ کلیھما۔ فمن نقل الخلاف فی انه من سنن الوضوء او من سنن الصلوۃ فلعل مراده ان الکلام فی تعیین الموضع الذی کان قصد النبی ﷺ ایجاب السواك فیه لولا ان یشق علی امته فان ذلك الموضع ینبغی ان یکون محلا لمزید تاکد الاستیاك بالنسبة الی سائر المواضع وھذا البحث انما یدور علی الفاظ حدیث الباب۔ . . .

...... وقدصرح العلامة الرضی فی شرح الکافیة ان معنی ''عند'' القرب حسا او معنی وأما لفظة (مع) فیقال جئنا معاً ای فی زمان واحد وکنامعاً، ای فی مکان واحد علی الظرفیة. . .

فعلی ھذا ''عند'' اعم من ''مع'' فالمعیة تستلزم العندیة ولا عکس۔ فالذی یظھر من مجموع الروایات المعروفة انه کان قصد النبی ﷺ ایجاب السواك عند کل صلوۃ ای قریبا منھا مشروعا لاجلھا کالوضوء مع کل وضوء متصلا وملتصقا بھا واقعا فی زمان یقع فیه الوضوء۔ واصرح شئ فی ھذا المعنی ماروی ابن حبان فی صحیحه من حدیث عائشة أن رسول الله ﷺ قال ''لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواك مع الوضوء عند کل صلوۃ''

وفی البحر الرائق(۱/۴۳): واما ماورد من افضلیة الصلوۃ التی بسواك علی غیرھا فیدل علی الاستحباب وھو الحق . . . لکن قولھم یستحب عند القیام الی الصلوۃ ینافی مانقلوه من انه عندنا للوضوء لا للصلاۃ خلافا للشافعی۔

وفی الشامیة(۱/۱۱۳): . . . یظھر لی التوفیق بان معنی قولھم ھو للوضوء عندنا بیان ماتحصل به الفضیلة الواردة فیما رواه احمد من قوله ﷺ صلاۃ بسواك افضل من سبعین صلاۃ بغیر سواك ای انما تحصل بالاتیان به عند الوضوء وعند الشافعی لاتحصل الابا لاتیان به عند الصلوۃ فعندنا کل صلوۃ صلاھا بذلك الوضوء لھا ھذه الفضیلة خلافا له ولا یلزم من ھذا نفی استحبابه عندنا لکل صلوۃ۔

Marfat.com

(۵) مسنون مسواک کون سی ہے؟ نیز مسواک کی لمبائی اور چوڑائی

سوال...... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کس درخت کی مسواک مسنون ہے؟ نیز مسواک کی لمبائی اور چوڑائی کیا ہونی چاہیے؟ اگر اس بارے میں کوئی حدیث ہو تو حوالہ ضرور دیجئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... ہر نرم لکڑی سے مسواک کرنا سنت ہے۔۔ نیز مسواک کی لمبائی ایک بالشت اور چوڑائی چھوٹی انگلی کی موٹائی کے برابر ہو۔ جیسا کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زید بن خالد جب مسجد میں تشریف لاتے تو مسواک ان کے کان پر ایسے ہوتی جیسے قلم کاتب کے کان پر ہوتا ہے اور قلم کی لمبائی تقریباً ایک بالشت اور چوڑائی چھوٹی انگلی کی موٹائی کے برابر ہوتی ہے۔

لمافی جامع الترمذی (۱۲/۱): عن زید بن خالد الجهنی رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواك عند كل صلوة ولأخرت صلوة العشاء الى ثلث الليل قال: فكان زيد بن خالد يشهد الصلوات فی المسجد وسواكه علی اذنه موضع القلم من أذن الكاتب لا يقوم الی الصلوة الا استن ثم رده الی موضعه۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته(۱/۵۹-۴۵۷): والافضل ان یکون من اراك ثم من النخل ثم ذوالريح الطيب ثم اليابس المندی بالماء۔۔۔۔ويكره ان يزيد طول السواك علی شبر. فی البيهقی عن جابر رضی الله عنه قال''كان موضع سواك رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم موضع القلم من اذن الكاتب''...

(۶) مسوڑھوں پر مسواک پھیرنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کے دانت نہ ہوں تو مسوڑھوں پر مسواک کرنا سنت ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر کسی کے دانت نہ ہوں، تو اس کو چاہیئے کہ مسواک کے بجائے انگلی یا کسی اور نرم چیز کو سنت کی نیت سے اپنے مسوڑھوں پر پھیر لے تا کہ ثواب سے محروم نہ ہو۔

لمافی البحر الرائق (۱/۴۳): وتقوم الاصبع او الخرقة الخشنة مقامه عند فقده اوعدم اسنانه فی تحصيل الثواب الخ۔

وفی الدر المختار(۱/۱۱۵): وعند فقده او فقد اسنانه تقوم الخرقة الخشنة او الاصبع مقامه كما يقوم العلك مقامه للمرأة مع القدرة عليه۔

Marfat.com

(۷) مسواک کو پکڑنے کا طریقہ

سوال...... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے سنا ہے کہ مسواک کو پکڑنے کا ایک مخصوص طریقہ ہے اسی طریقہ سے مسواک پکڑ کر استعمال کرنا چاہیئے اگر کوئی مخصوص طریقہ ہے تو اس کو مدلل بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... مسواک کو دائیں ہاتھ میں پکڑنا مستحب ہے اور پکڑنے کا طریقہ فقہاء کرام نے یہ بتایا ہے کہ مسواک کو ہاتھ کی انگلیوں اور انگوٹھے کے پوروں سے اس طرح پکڑا جائے کہ چھوٹی انگلی (چھنگلی) اور انگوٹھا نیچے کی جانب رہے اور بقیہ انگلیاں اُوپر کی طرف ہوں، اور انگوٹھے کو مسواک کے برش والے حصے کی جانب رکھے اور چھنگلی کی پشت کو دوسری جانب کے آخر میں اور دوسری انگلیاں ان کے درمیان میں اُوپر کی جانب رہیں۔

لمافی الھندیة (۷/۱): ویندب امساکه بیمینه بأن یجعل الخنصر أسفله والإبھام أسفل رأسه وباقی الأصابع فوقه۔

وفی الشامیة(۱/۱۱۴): والسنة فی کیفیة أخذه أن یجعل الخنصر أسفله والإبھام أسفل رأسه وباقی الأصابع فوقه۔

(۸) دورانِ وضو اذکار کا ثبوت

سوال...... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران وضو جو مختلف دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت ہیں، بحوالہ نقل کریں، میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ یہ دعائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ بعد کے فقہاء نے یہ تجویز کیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ فقہاء کی عبارتوں میں تو ان کا ذکر ملتا ہے، احادیث میں نہیں ملتا، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... وضو میں دو طرح کی دعائیں پڑھی جاتی ہیں، اول جو دعائیں دوران وضو پڑھی جاتی ہیں، دوم جو وضو کے بعد پڑھی جاتی ہیں، وضو کے بعد پڑھی جانے والی دعائیں شہادتین وغیرہ تو احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہیں، البتہ جو دعائیں یا اذکار دوران وضو پڑھے جاتے ہیں، یہ روایات سے ثابت تو ہیں لیکن ضعیف ہیں اسی ضعف کی وجہ سے بعض حضرات جیسے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ان کا سرے سے انکار کرتے ہیں کہ ان اذکار کا کوئی ثبوت نہیں ہے، جبکہ شوافع ہی کے دوسرے فقہاء جیسے علامہ رملی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اور خاص طور پر فقہاء احناف نے ان کا استحباب نقل کیا ہے، لہٰذا ان اذکار کا پڑھ لینا بہتر ہے۔

لمافی الھندیة (۹/۱): وتسمية الله تعالى عند غسل كل عضو ولیقل عند المضمضة اللھم اعنی علی تلاوة القرآن وذکرك وشکرك وحسن عبادتك وعند الاستنشاق اللھم ارحنی رائحة الجنة ولا ترحنی رائحة النار وعند غسل الوجه اللھم بیض وجھی یوم تبیض وجوه وتسود وجوه وعند

Marfat.com

غسل يده اليمنٰى اللهم اعطني كتابي بيميني وحاسبني حسابا يسيرا وعند غسل اليسرى اللهم لا تعطني كتابي بشمالي ولا من وراء ظهري وعند مسح رأسه اللهم اظلني تحت ظل عرشك يوم لا ظل الا ظل عرشك وعند مسح اذنيه اللهم اجعلني من الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه وعند مسح عنقه اللهم اعتق رقبتي من النار وعند غسل رجله اليمنى اللهم ثبت قدمي على الصراط يوم تزل الاقدام وعند غسل رجله اليسرى اللهم اجعل ذنبي مغفورا وسعي مشكورا وتجارتي لن تبور ويصلي على النبي ﷺ بعد غسل كل عضو۔

وفي تنوير الأبصار مع الدر المختار (١٢٤/١): (ومن آدابه استقبال القبلة) . . . وفي (صـ١٢٧) (والدعاء بالوارد عنده) اي عند كل عضو وقد رواه ابن حبان وغيره عنه عليه الصلاة والسلام من طرق قال محقق الشافعية الرملي فيعمل به في فضائل الاعمال وان انكره النووي

وفي (صـ١٢٨) (فائدة) شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه وان يدخل تحت أصل عام وان لا يعتقد سنية ذلك الحديث۔

(۹) وضو اور غسل کیلئے پانی کی شرعی مقدار

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وضو اور غسل میں کتنا پانی استعمال کرنا چاہیئے نیز صاع اور مد کی موجودہ مقدار کتنی بنتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......لوگوں کے احوال اور طبیعتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے وضو اور غسل کیلئے پانی کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں کہ جسے معیار بنایا جائے، البتہ وضو اور غسل میں پانی کا استعمال اس قدر ہو کہ نہ تو اتنی کمی کی جائے کہ اعضاءِ وضو سے پانی کا تقاطر ہی نہ ہو، اور نہ ہی اتنی زیادتی کی جائے کہ اسراف لازم آئے جو کہ حرام ہے۔لہٰذا راہِ اعتدال کو اپنانا چاہیئے جو کہ شرعاً محمود ومطلوب ہے۔

البتہ روایات میں جناب نبی کریم ﷺ کا معمول یہ منقول ہے کہ آپ وضو ایک مد اور غسل ایک صاع پانی سے فرماتے تھے۔ایک مد کا وزن آدھ سیر ساڑھے پانچ چھٹانک ہے جو کہ عام طور پر ایک لوٹا پانی کے برابر ہوتا ہے، اور ایک صاع کا وزن تین سیر چھ چھٹانک جو کہ عام طور پر ایک درمیانی بالٹی کے پانی کے برابر ہوتا ہے جو معتدل طبیعت وجسم والے شخص کے وضو اور غسل کیلئے بآسانی کافی ہوجاتا ہے، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کی ایک ایک سنت اعتدال پر مبنی ہے۔بصورت دیگر زائد پانی بھی استعمال کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اسراف کی حد تک نہ پہنچے، البتہ پانی کی مذکورہ مقدار سے کمی نہ کرنا اولیٰ ہے۔

لما في الهندية (٩/١): ولا ينقص ماء وضوئه عن مد، كذا في التبيين۔

Marfat.com

وفيه ايضاً(۱/۱۶): ذكر فی ظاهر الرواية وادنی مايكفی من الماء للاغتسال صاع وللتوضؤ مد قال بعض مشايخنا رحمهم الله كفاه صاع اذا ترك الوضوء واما اذا جمع بين الوضوء والغسل فانه يتوضأ بالمد من غير الصاع ويغتسل بالصاع وقال عامة مشايخنا رحمهم الله الصاع كاف للغسل والوضوء جميعا وهو الاصح. قال مشايخنا هذا بيان مقدار ادنی الكفاية وليس بتقدير لازم بل ان كفاه اقل من ذلك نقص منه وان لم يكفه زاد عليه بقدر مالا اسراف ولا تقتير كذا فی محيط السرخسی وكذلك لوتوضأ بدون المد واسبغ وضوء ه جاز هكذا فی شرح الطحاوی...
وكل هذا غير لازم لاختلاف طباع الناس كذا فی شرح المبسوط۔

وفی رد المحتار (۱/۱۵۸): (قوله وقيل المقصود) الاصوب حذف قيل لما فی الحلية انه نقل غير واحد اجماع المسلمين علی ان ما يجزئ فی الوضوء والغسل غير مقدر بمقدار وما فی ظاهر الرواية من أن أدنی مايكفی فی الغسل صاع وفی الوضوء مد للحديث المتفق عليه. كان ﷺ يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع الی خمسة امداد ليس بتقدير لازم بل هو بيان أدنی القدر المسنون اھ قال فی البحر حتی أن من أسبغ بدون ذلك اجزأه وان لم يكفه زاد عليه لان طباع الناس وأحوالهم مختلفة كذا فی البدائع اھ وبه جزم فی الامداد وغيره۔

وفی الفقه الاسلامی(۱/۱۴۳): وعند ابی حنيفة وفقهاء العراق ثمانية ارطال باعتبار ان المد رطلان، فيكون (۳۸۰۰ غم) وفی تقرير آخر وهو الشائع ان الصاع (۲۷۵۱ غم)

(۱۰) ہاتھ کی انگلیوں کا خلال ہاتھ دھونے سے پہلے ہوگا یا بعد میں؟

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وضو میں ہاتھ کی انگلیوں کا خلال سنت ہے یہ کس وقت ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ہاتھ کی انگلیوں کا خلال وضو کے اندر ہاتھوں کو دھونے کے بعد ہوگا اس لئے کہ ہاتھوں کا دھونا فرض ہے اور تخلیلِ یدین سنت ہے اور سنت تکمیل فرض کے لئے ہوتی ہے اس لئے انگلیوں کا خلال فرض کے بعد ہوگا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ بہشتی زیور میں تحریر فرماتے ہیں: پھر تین بار داہنا ہاتھ کہنی سمیت دھوئے پھر بایاں ہاتھ کہنی سمیت تین دفعہ دھوئے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کرے اور انگوٹھے چھلا چوڑی جو کچھ ہاتھ میں پہنے ہوئے ہلا لیوے کہ کہیں سوکھا نہ رہ جاوے۔ پھر ایک مرتبہ سارے سر کا مسح کرے پھر کان کا مسح کرے۔

لمافی البناية(۱/۱۱۲۔۱۱۳): (ولأنه) ای ولأن تخليل الأصابع (اكمال الفرض فی محله) ای فی محل

Marfat.com

الفرض... وهذا ایضاً فیه نظر لأن فی حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ رواه البزار فی مسنده قال شهدت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واتی بماءٍ فاکفأ علی یمینه ثلاثا... الحدیث، وفیه ثم غسل بیده الیمنیٰ قدمه الیمنی وفصل بین اصابعه أوقال خلل بین اصابعه اهـ

وفی الشامیة(۱/۱۱۷): اقول قدعلمت من الحدیث المار التقیید فی تخلیل اللحیة بأخذ کف من ماء وفی البحر ویقوم مقامه أی تخلیل الأصابع الادخال فی الماء ولو لم یکن جاریا، وفیه عن الظهیریة ان التخلیل انما یکون بعد التثلیث لانه سنة التثلیث۔

(۱۱) بیت الخلاء میں وضو کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے مدرسے میں غسل خانے موجود ہیں لیکن نہ ہونے کے برابر کہ لیٹرین اور غسل خانہ ساتھ ہیں ہمارے طلباء اسی میں فراغت حاصل کرتے ہیں اور غسل بھی کرتے ہیں اب بعض طلباء اسی کے اندر جا کر وضو کرتے ہیں تو کیا ان کا وضو صحیح ہو جائے گا یا دوبارہ باہر وضو کرنا پڑے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں وضو درست ہے دوبارہ وضوء کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ چونکہ عام طور پر ایسی جگہوں پر صفائی کا اہتمام نہیں ہوتا لہٰذا وضو کی دعائیں جہراً نہ پڑھی جائیں۔

لما فی بذل المجهود(۱/۳): (اذا دخل الخلاء) أی اذا اراد دخول مکان الخلوة عند قضاء الحاجة الخ إلی ان قال وهذا مذهب الجمهور وقالوا: من نسی یستعیذ بقلبه لا بلسانه الخ۔

وفی الهندیة(۱/۶): ویسمی قبل استنجاء... ولا یسمی فی حال الانکشاف ولا فی محل النجاسة هکذا فی فتح القدیر۔

وفی الشامیة(۱/۱۰۹): الظاهر أن المراد أنه یسمی قبل رفع ثیابه إن کان فی غیر المکان المعد لقضاء الحاجة وإلا فقبل دخوله فلو نسی فیهما سمی بقلبه ولا یحرك لسانه تعظیماً لاسم الله تعالیٰ۔

وفی الدر المختار(۱/۱۳۲): ومن منهیاته التوضوء... فی موضع نجس، لان لماءِ الوضوء حرمة۔

(۱۲) آبِ زم زم سے وضو کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص ایسے مقام پر ہو جہاں پانی نہ ہو اور اس کے پاس آبِ زم زم موجود ہو، اور نماز کا وقت ہو جائے تو کیا یہ شخص آبِ زم زم سے وضو کر سکتا ہے یا تیمم کر کے نماز پڑھے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......آبِ زمزم کا پانی وضو کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں اس شخص کیلئے آبِ زم زم سے ہی وضو کرنا ضروری ہے، تیمم کرنا جائز نہیں البتہ اگر آبِ زم زم کم ہے اور پانی پینے کی بھی شدید ضرورت ہو، تو اس کو پینے کیلئے رکھ لے اور نماز کیلئے تیمم کر لے۔

لمافی الخانیة(۲۷/۱): ولو کان فی رحله ماء زمزم و قد رصّص رأس القمقمة یحمله للهدیة أوما أشبه ذلك وهو لایخاف علی نفسه العطش لایجوز له التیمم۔

وفی الدّر المختار (۱۷۹/۱): (یرفع الحدث)مطلقا(بماء مطلق)...(وماء زمزم) بلاکراهة۔

(۱۳) آبِ زم زم سے وضو یا غسل کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آبِ زم زم کو اگر استنجاء، وضو یا غسل کیلئے استعمال کیا جائے تو کیا یہ جائز ہے؟ کیونکہ ہمارے ہاں ایک صاحب حج کر کے آئے اور اپنے ساتھ آبِ زم زم بھی لائے، اب جو آبِ زم زم لائے تھے اس کو کنویں میں ڈال دیا تاکہ یہ پانی ہمیشہ کے لئے آبِ زم زم بن جائے، اب استعمال کیلئے یہی کنواں ہے تو کیا اس پانی سے استنجاء کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں زم زم کے پانی سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے، البتہ زم زم کے پانی سے استنجاء کرنا مکروہ ہے۔ نیز کنویں میں آبِ زم زم ڈالنے سے کنویں کا پانی آبِ زم زم کے حکم میں نہیں ہوگا بلکہ ماء مطلق کے حکم میں رہیگا۔ ان صاحب کی سوچ غلط ہے لہذا اس کنویں کے پانی سے بلاکراہت استنجاء وغیرہ کیا جاسکتا ہے۔

لمافی الهندیة (۳۱/۱): رجل فی البادیة معه ماء زمزم فی القمقمة وقد رصّص رأسها لا یجوز التیمم کذا فی الخلاصة۔

وفی الدرالمختار (۱۷۹/۱۔۱۸۰): (یرفع الحدث) مطلقا (بماء مطلق...وماء زمزم) بلاکراهة۔

وفی الشامیة (۶۲۵/۲): (قوله یکره الاستنجاء بماء زمزم) وکذا ازالة النجاسة الحقیقیة من ثوبه أو بدنه، حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذلك۔

(۱۴) سبیل وغیرہ کے پانی سے وضو کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض جگہوں پر لوگوں کے پینے کیلئے جو پانی رکھا ہوتا ہے، جیسے سبیل وغیرہ، کیا اس سے وضو اور غسل کرنا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر سبیل وغیرہ میں رکھا ہوا پانی کم ہو تو وضو کرنا درست نہیں ہے، وہ پانی صرف پینے کیلئے ہوتا

Marfat.com

ہے۔ہاں اگر پانی زیادہ ہوتو اس سے وضو کرنا بھی درست ہے، البتہ ایسے پانی سے غسل کرنا درست نہیں ہے۔

لمافی رد المحتار (۲۵۳/۱) (قوله المسبل) ای الموضوع فی الحباب لأبناء السبیل۔ (قوله لایمنع التیمم۔) لانه لم یوضع للوضوء بل للشرب فلا یجوز الوضوء به وان صح۔ (قوله مالم یکن کثیرا۔) قال فی شرح المنیة۔ الاولیٰ الاعتبار بالعرف لا بالکثرة، الا اذا اشتبه.

(۱۵) بارش کے قطرات سے وضو کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص راستے میں جا رہا ہو اور وہاں بارش ہونے لگ جائے اور بارش کے پانی سے اس کے اعضاء وضو بھیگ جائیں تو کیا اس سے وضو ہو جائے گا یا نماز کیلئے دوبارہ وضو کرنا پڑے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... بارش کے قطرات سے اگر اعضاء وضو مکمل بھیگ جائیں تو اس سے وضو ہو جائے گا نماز کیلئے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

لما فی الدر المختار (۱۵۶/۱): لو مکث فی ماء جار او حوض کبیر او مطر قدر الوضوء والغسل فقد اکمل السنة۔

وفی الشامیة تحته: (قوله قدر الوضوء والغسل) انظر هل المراد قدر زمنهما لو کان یصیب الماء علیه بنفسه او مقدار مایتحقق فیه جریان الماء علی الاعضاء بلحظات یسیرة۔ یتحقق فیها غسل اعضاء الوضوء مرتبة ثلاثا مع غسل باقی الجسد کذالك؟ لم اره لائمتنا۔

(۱۶) بارش میں بھیگنے یا برف کو اعضاء پر ملنے سے وضو کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک عالم سے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص بارش میں بھیگ جائے تو وضو ہو جاتا ہے۔کیا یہ بات صحیح ہے؟ نیز میرے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ بعض دفعہ گرمی کی شدت میں برف جسم کے مختلف اعضاء پر ملی جاتی ہے تو اگر وضو کے اعضاء پر برف مل لی جائے تو وضو ہو جانا چاہیے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی شخص بارش میں اس طرح بھیگ جائے کہ اعضاء وضو میں کوئی جگہ خشک نہ رہے تو وضو ہو جائے گا۔اسی طرح اگر برف اعضاء وضو پر اس طرح مل لی جائے کہ اعضاء سے پانی کے قطرے ٹپکنے لگیں اور کوئی بھی جگہ خشک نہ رہے تو وضو ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔

لمافی الدر المختار (۱۵۶/۱): وقالوا لو مکث فی ماءٍ جار أوحوض کبیر او مطر قدر الوضوء والغسل فقد أکمل السنة۔

Marfat.com

وفی الھندیة (۳/۱): ففی مسئلة الثلج اذا توضأ به ان قطر قطرتان فصاعداً یجوز اجماعا وان کان بخلافه فھو علی قول ابی حنیفة ومحمد رحمھما الله لایجوز وعلی قول ابی یوسف رحمه الله یجوز کذا فی الذخیرة والصحیح قولھما کذا فی المضمرات۔

(۱۷) برفانی علاقوں میں برف سے وضو کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کبھی کبھی سفر کے دوران بعض ایسے علاقوں میں جانا ہوتا ہے کہ وہاں برف ہی برف ہوتی ہے۔ پانی بالکل نہیں ملتا تو ایسی صورت حال میں وضو کا کیا حکم ہے؟ آیا تیمم کرے یا برف سے وضو کرے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اس صورت میں اگر برف پگھلانے کا آلہ موجود ہو (مثلاً چولہا، برتن وغیرہ) تو اس سے برف کو پگھلا کر وضو کرے اگر یہ سہولت میسر ہو تو تیمم کرنا جائز نہیں، بلکہ اس پانی سے وضو کرنا واجب ہے۔ اور اگر میسر نہ ہو تو تیمم کرنا جائز ہے۔ اور اگر مٹی وغیرہ بھی دستیاب نہ ہو تو پھر تشبہ بالمصلین کرے۔

لمافی الھندیة (۲۸/۱): وفی جمد أو ثلج ومعه آلة الذوب لایتیمم وقیل یتیمم والظاھر الاوّل منھما کما لایخفی۔

وفی الدر المختار (۲۵۲/۱): (والمحصور فاقد) الماء والتراب (الطھورین) بأن حبس فی مکان نجس لایمکنه اخراج تراب مطھر وکذا العاجز عنھما لمرض (یؤخرھا عنده وقالا یتشبّه بالمصلین وجوبا۔

(۱۸) گرم پانی سے اور دھوپ کی شدت سے گرم ہونے والے پانی سے وضو وغسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر پانی دھوپ کی شدت کی وجہ سے گرم ہو جائے تو اس سے وضو اور غسل کرنا کیسا ہے؟ نیز آگ سے گرم کئے ہوئے پانی سے غسل اور وضو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر پانی دھوپ کی شدت کی وجہ سے گرم ہو جائے تو اس سے وضو وغسل کرنا کراہت تنزیہی کے ساتھ جائز ہے، البتہ آگ سے گرم کئے ہوئے پانی سے وضو اور غسل بلا کراہت جائز ہے۔

لمافی الشامیة (۱۷۹/۱): (قوله مطلقا) ای سواء کان اکبر او اصغر (قوله ھو ما یتبادر عند الاطلاق) ای ما یسبق الی الفھم بمطلق قولنا ماء، ولم یقم به خبث ولامعنی یمنع جواز الصلاة فخرج الماء المقید والماء المتنجس والماء المستعمل ------- ولذا قید بعض العلماء التبادر بقوله بالنسبة للعالم بحاله۔ وفیه ایضا (۱۸۰/۱) منھا ان لایکون بماء مشمس وبه صرح فی

Marfat.com

الحلية مستدلا بما صح عن عمر رضی الله عنه من النهی عنه ولذا صرّح فی الفتح بکراهته ،ومثله فی البحر،وقال فی معراج الدراية وفی القنية ، وتکره الطهارة بالمشمس لقوله ﷺ لعائشة رضی الله عنها حين سخنت الماء بالشمس ((لاتفعلی يا حميراء ، فانه يورث البرص)) وعن عمر مثله... فقد علمت ان المعتمد الكراهة عندنا لصحة الاثر وأن عدمها رواية، والظاهر انها تنزيهية عندنا أيضا۔

(۱۹) بلّی کے جھوٹے پانی سے وضو کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص وضو کیلئے پانی کا لوٹا بھر کر رکھ دے اور بلی آ کر اس سے پی لے تو کیا باقی پانی سے وضو کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر اس پانی کے علاوہ پاک پانی موجود ہو تو پاک پانی سے وضو کرنا بہتر ہے اور اگر اس پانی کے علاوہ دوسرا پانی موجود نہیں تو پھر اس پانی سے وضو کرنا بلا کراہت درست ہے۔

لمافی الهندية(۱/۲۴): فان اكلت فارة وشربت الماء فی فورها يتنجس وان مكثت ساعة اوساعتين ثم شربت لايتنجس هو الصحيح كذا فی الظهيرية۔

وفی الشامية (۱/۲۲۴): (قوله طاهر للضرورة) بيان ذلك ان القياس فی الهرة نجاسة سؤرها لانه مختلط بلعابها المتولد من لحمها النجس لكن سقط حكم النجاسة اتفاقاً بعلة الطواف المنصوصة بقوله ﷺ انها ليست بنجسة انها من الطوافين عليكم والطوافات اخرجه اصحاب السنن الاربعة وغيرهم۔

(۲۰) پرنالے کے پانی سے وضو کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن سخت بارش ہو رہی تھی اور ہمارے گھر کا پانی ختم ہو چکا تھا تو نماز کے وقت میں نے پرنالے والے پانی سے وضو کر لیا اب آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ پرنالے والے پانی سے وضو یا غسل کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر پرنالے سے آنے والے پانی کا رنگ، بو، مزہ کسی نجاست وغیرہ سے بدلا نہ ہو تو اس سے وضو و غسل درست ہے۔

وفی الهندية(۱/۱۷): وفی بعض الفتاوىٰ قال مشائخنا: المطر مادام يمطر فله حكم الجريان حتى

Marfat.com

لو أصاب العذرات علی السطح ثم أصاب ثوبا لایتنجس الا أن یتغیر۔

وفی الشامیة (۱/۱۸۸۔۱۸۹): وعلی هذا ماء المطر اذا جری فی المیزاب وعلی السطح عذرات فالماء طاهر وان کانت العذرة عند المیزاب أو کان الماء کله أو نصفه أکثره یلاقی العذرة فهو نجس والا فطاهر وعلی مارجحه الکمال قال فی الحلیة ینبغی أن لایعتبر فی مسألة السطح سوی تغیر أحد الاوصاف اهـ۔

(۲۱) حقے کے پانی سے وضو اور غسل کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک دن میں وضو کررہا تھا کہ پانی ختم ہوگیا اور کوئی پانی نہیں تھا صرف حقے میں پانی موجود تھا تو باقی وضو میں نے اس پانی سے کرلیا تو کیا حقے والے پانی سے وضو یا غسل کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... حقے کے پانی سے وضو اور غسل جائز ہے۔ کیونکہ حقے کا پانی ماء مطلق کی طبعیت پر برقرار رہتا ہے۔ اگرچہ حقے کے پانی کے اوصاف دھوئیں کی وجہ سے تبدیل ہوجاتے ہیں، چونکہ دھواں پاک ہے اور پاک چیز کی آمیزش پانی کی طہارت پر اس وقت تک اثر انداز نہیں ہوتی جب تک پانی اپنی طبیعت (رقت اور سیلان) پر باقی ہو۔

لمافی مراقی الفلاح(ص۱۹): (ولا یجوز الوضوء (بما زال طبعه) وهو الرقة والسیلان والارواء والانبات (بالطبخ ...أو بغلبة غیره)... (علیه... والغلبة... فی مخالطة) الماء لشئ من (الجامدات) الطاهرات (باخراج الماء عن رقته) فلا ینعصر عن الثوب (و) إخراجه عن (سیلانه فلا یسیل علی الأعضاء سیلان الماء (و) أما اذا بقی علی رقته وسیلانه فانه (لایضر)------ تغیر أوصافه کلها بجامد) خالطه بدون طبخ (کزعفران وفاکهة وورق شجرة)۔

وفی الفقه الاسلامی(۱/۲۶۷): والخلاصة ان خالط الماء شئی طاهر ولم یغیر لونه أوطعمه أو ریحه فهو ماء مطلق طهور وان غیر احد هذه الاوصاف الثلاثه ...عند الحنفیة طاهر مطهر، مالم یطبخ أویغلب علی أجزائه۔

(۲۲) گنے کے رس سے وضو کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص ایسے مقام پر ہو جہاں پانی کا نام ونشان نہ ہو، اور اسکے پاس گنے کا رس موجود ہو تو نماز کا وقت ہونے پر یہ شخص اس رس سے وضو کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... گنے کے رس سے وضو کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ وضو کیلئے ماء مطلق ہونا شرط ہے اور یہ ماء مطلق

Marfat.com

نہیں ہے۔لہٰذا یہ شخص تیمم کر کے نماز ادا کرے۔

لمافی الهندية(۲۱/۱): لايجوز التوضؤ بماء البطيخ والقثاء والقتد ولا بماء الورد ولابشئ من الاشربة ولا بغيرها من المائعات نحو الخل۔

وفی الدرالمختار(۱۸۰/۱): (و) لا (بعصير نبات) أی معتصر من شجر اوثمر لانه مقيد۔

(۲۳) گندگی والے جوہڑ اور ڈیم سے وضو کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض دیہاتوں میں بارش کے موسم میں بڑے بڑے ڈیموں یا جوہڑوں میں بارش کا پانی جمع ہوجاتا ہےاوراس کے ساتھ ساتھ کچرا اور گندی چیزیں بھی جمع ہوجاتی ہیں تو کیا اس پانی سے وضو کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر جوہڑا تنے بڑے ہوں جو شرعاً ''غدیر عظیم'' کے حکم میں آتے ہوں یعنی دہ در دہ ہوں اور ان میں بارش کا پانی جمع ہوجاتا ہوتو چونکہ یہ پانی ماء جاری کے حکم میں ہے اس لئے ان جوہڑوں اور ڈیموں کے ان اطراف سے وضو کرنا جائز ہے جہاں نجاست اور گندی چیزیں نہیں ہیں بشرطیکہ پانی میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہوا ہو۔

لمافی الهندية (۱۸/۱): الماء الراكد اذا كان كثيرا فهو بمنزلة الجارى لايتنجس جميعه بوقوع النجاسة فی طرف منه الا ان يتغير لونه أو طعمه أو ريحه وعلى هذا اتفق العلماء وبه اخذ عامة المشايخ رحمهم الله كذا فی المحيط۔

وفی الدرالمختار(۱۹۰/۱): (وكذا) يجوز (براكد) كثير (كذلك) أی وقع فيه نجس لم ير أثره ولو فی موضع وقوع المرئية ، به يفتى بحر۔

وفی الشامية (۱۹۱/۱): (قوله به يفتى) أی بعدم الفرق بين المرئية وغيرها۔

(۲۴) ناپاک ٹینک سے کئے گئے وضو اور طہارت کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فائزہ ہائیٹس میں ایک پانی کا بہت بڑا ٹینک ہے جو دہ در دہ سے بڑا ہے۔حالیہ بارشوں میں گٹر اور سڑک کا پانی ٹینک میں چلا گیا جس کے بعد پانی میں بدبو آ گئی اور رنگ بھی بدل گیا پھر تقریباً تین دن تک اسی پانی کی سپلائی کی گئی اور پانی میں حسب معمول بدبو تھی۔پھر تین دن کے بعد بدبو تو ختم ہوگئی لیکن پانی پھر بھی گدلا ہی آ رہا تھا اور اب کیفیت یہ ہے کہ پانی آہستہ آہستہ صاف ہوتا جارہا ہے مگر بالکل صاف بھی نہیں اور ٹینک کو اب تک صاف نہیں کیا گیا ہے بعض لوگ اسی پانی کو استعمال کررہے ہیں اور بعض نہیں استعمال کررہے ہیں تو جن لوگوں نے اس پانی سے وضو کیا اور کپڑے وغیرہ دھوئے ان کا کیا

Marfat.com

حکم ہے؟اور ٹینک کا پانی پاک ہوگیا یا ٹینک کی صفائی کرنی پڑے گی؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جب پانی کے اوصاف ثلثہ (رنگ، بو، ذائقہ) میں سے کوئی ایک کسی نجاست وغیرہ کے گرنے سے متغیر ہوجائے تو یہ پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔خواہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔صورت مسئولہ میں جب گٹر یا سڑک وغیرہ کا پانی ٹینک میں داخل ہوگیا اور پانی میں بدبو وغیرہ پیدا ہوگئی اور اس کا رنگ بھی بدل گیا تو یہ پانی ناپاک ہوگیا ہے۔اس سے جن حضرات نے وضوو غیرہ کر کے نماز ادا کی وہ اپنی نمازوں کا اعادہ کریں گے یا اسی طرح اگر کپڑے وغیرہ دھوئے ہوں تو وہ انہیں دوبارہ دھوئیں گے اور جب تک ٹینک کے پانی سے بدبو ختم نہ ہوجائے اور اس کا رنگ صاف نہ ہو،اس وقت تک یہ پانی طہارت کیلئے استعمال کرنا درست نہیں۔ البتہ اگر ٹینک سے پانی نکال کر اسے دھولیا گیا اور خوب صاف کرنے کے باوجود کچھ بدبو وغیرہ باقی ہے یا رنگت متغیر ہے تو وہ طہارت کیلئے مضر نہ ہوگا۔

لما فی الھندیة(۱/۱۸): الماء الجاری بعد ما تغیر أحد أو صافه وحکم بنجاسته لایحکم بطهارته مالم یزل ذلك التغیر بأن یرد علیه ماء طاهر حتی یزیل ذلك التغیر۔

وفی الدرالمختار(۱/۱۸۵): (وبتغیر احد اوصافه) من لون اوطعم او ریح (ینجس) الکثیر ولو جاریاً اجماعاً۔

وفی الفقه الاسلامی(۱/۲۸۸): واتفق الحنفیة مع الجمهور علی أن الماء الکثیر (وهو عشر فی عشر) لا ینجس الابظهور اثر النجاسة فیه۔

(۲۵) سیاہ خضاب لگائے ہوئے شخص کے وضو وغسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سفید بالوں میں سیاہ خضاب لگانا کیسا ہے؟اور اگر لگایا ہو تو وضو اور غسل جنابت صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سفید بالوں میں سیاہ خضاب لگانا مطلقاً ناجائز ہے۔اور ہر وہ خضاب جس سے سر کے بالوں کو یا داڑھی کو رنگوایا گیا ہو اگر وہ ذی جسم ہو اور ذی جسم ہونے کی وجہ سے پانی بالوں تک اور بالوں کی جڑوں تک نہ پہنچتا ہو تو وضو اور غسل جنابت صحیح نہیں ہوگا۔اور اگر وہ ذی جسم نہ ہو یا ذی جسم تو ہو لیکن پانی بالوں تک اور ان کی جڑوں تک پہنچتا ہو تو وضو اور غسل جنابت دونوں صحیح ہوں گے۔

لمافی الھندیة(۵/۳۵۹): واتفق المشایخ ان الخضاب فی حق الرجال بالحمرة سنّة وانه من سیماء المسلمین وعلاماتهم وأما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلك من الغزاة لیکون أهیب فی عین العدوّ فهو محمود منه اتفق علیه المشایخ ومن فعل ذلك لیزین نفسه للنسآء ولیحبب نفسه الیهن

Marfat.com

فذلك مكروه وعليه عامة المشايخ۔

وفی الدر المختار(۶/۷۵۶): (اختضب لاجل التزين للنساء والجوارى جاز) فی الأصح ويكره بالسواد۔

وفی الهندية (۱/۴): والخضاب اذا تجسد ويبس يمنع تمام الوضوء والغسل كذا فی السراج الوهاج۔

(۲۶) ناخن میں خشک آٹے کے ہوتے ہوئے وضو کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کے ناخن میں آٹا لگ کر سوکھ گیا ہو، اور دورانِ وضو آٹے کی نیچے والی جگہ پر پانی نہ پہنچا ہو لیکن اس نے دس پندرہ منٹ کے بعد دیکھا کہ آٹا لگا ہوا ہے جو کہ خشک ہے تو کیا اس صورت میں دوبارہ پورا وضو کرے یا صرف آٹا کھرچ کر اس جگہ تک پانی پہنچائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......وضو کے اندر موالاۃ یعنی (اعضاء کو پے در پے دھونا) اور ترتیب کی رعایت رکھنا سنت ہے اور صورت مسئولہ میں صرف موالاۃ اور ترتیب کی رعایت باقی نہیں رہی لہٰذا آٹا کھرچ کر صرف اس جگہ میں پانی پہنچادینا کافی ہے۔

لما فی الخانية(۱/۱۷): ولوكان على يديه خبز ممضوغ قد جف و يبس واغتسل لايخرج من الجنابة حتى يدلك ذالك الموضع ويجرى الماء تحته لانه لاحرج فيه۔

وفی الطحطاوی على الدر المختار(۱/۸۷): (قوله حتى ماتحت الدرن) قال فی البحر والدرن اليابس فی الانف كالخبز الممضوغ والعجين يمنع تمام الاغتسال۔

(۲۷) وضوء کے لیے پانی کا عضو پر بہنا شرط ہے یا نہیں؟

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہاتھ پر اگر میل لگ جائے تو وضو کے دوران وہاں پر پانی بہنے کی تعریف جو کہ الاسالہ مع التقاطر (یعنی پانی کا قطروں کی صورت میں بہنا) ہے بظاہر صادق نہیں آتی کیونکہ جس جگہ میل لگا ہے وہاں پر اصابہ (پانی کا پہنچ جانا) ہوا ہے اسالہ (بہنا) نہیں ہوا کیونکہ وہاں صرف پانی کی نمی پہنچی ہے تقاطر نہیں ہوا، لہٰذا برائے کرم اس مسئلے کی وضاحت فرمائیں کہ آیا اس جگہ کا غسل ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً......واضح رہے کہ وضو کی تعریف (جو کہ الاسالة مع التقاطر ہے) اس سے یہ مراد نہیں کہ پورے عضو سے ہر ہر جگہ سے تقاطر ہو بلکہ اگر ایک یا دو قطرہ کی بقدر تقاطر ہو جائے تو اس سے بھی تعریف صادق آجائے گی۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جس جگہ میل لگا ہوا ہے اگر وہاں پانی پہنچا ہے اگرچہ تقاطر نہ ہوا ہو تو بھی وضو پر فرق نہیں پڑے گا۔ جبکہ اس عضو میں سے دوسری کسی جگہ سے ایک یا دو قطرہ کی بقدر تقاطر ہو چکا ہو۔

Marfat.com

لمافى الهندية(۱/۳) كتاب الطهارة: الفصل الأول في فرائض الوضوء قال الله تبارك وتعالى يا أيها الذين آمنوا إذا قمتم إلى الصلاة فاغسلوا وجوهكم وأيديكم إلى المرافق وامسحوا برءوسكم وأرجلكم إلى الكعبين وهي أربع الأول غسل الوجه الغسل هو الاسالة والمسح هو الإصابة كذا في الهداية وفي شرح الطحاوي أن تسييل الماء شرط في الوضوء في ظاهر الرواية فلا يجوز الوضوء ما لم يتقاطر الماء وعن أبي يوسف رحمه الله أن التقاطر ليس بشرط ففي مسألة الثلج إذا توضأ به ان قطر قطرتان فصاعدا يجوز اجماعا وان كان بخلافه فهو على قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى لا يجوز وعلى قول أبي يوسف رحمه الله تعالى يجوز كذا في الذخيرة والصحيح قولهما كذا في المضمرات۔

وفى الشامية (۱/۹۵) كتاب الطهارة: قوله (أي إسالة الماء الخ) قال في البحر واختلف في معناه الشرعي فقال أبو حنيفة ومحمد هو الإسالة مع التقاطر ولو قطرة حتى لو لم يسل الماء بأن استعمله استعمال الدهن لم يجز في ظاهر الرواية وكذا لو توضأ بالثلج ولم يقطر منه شيء لم يجز

وعن أبي يوسف هو مجرد بل المحل بالماء سال أو لم يسل اھ۔

(۲۸) ناخنوں کے اندر میل وضواور غسل میں حائل نہیں ہوتا

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کے ناخن بڑے بڑے ہوتے ہیں اوران کے اندر میل خوب ہوتا ہے بظاہر اس میل کے اندر پانی کا جانا بھی مشکل ہے جب یہ لوگ وضو یا غسل کریں گے تو ان کے وضواور غسل کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ناخنوں کے اندر صرف میل کا ہونا وضواور غسل میں حائل نہیں ہوتا۔لہٰذا ایسے لوگوں کا وضو وغسل درست ہوجائے گا۔ناخنوں کو چالیس دن سے زیادہ نہ کاٹنا مکروہ ہے اس لئے چالیس دن گزرنے سے قبل ہی ناخن کاٹ لینے چاہیئے۔

وفى خلاصة الفتاوىٰ(۱/۲۲): وما تحت الاظافير من اعضاء الوضوء حتى لو كان فيه عجين يجب ايصال الماء الى ما تحته وفى الوسخ لا، وكذا الطين القروى و المصرىّ سواء۔

وفى التاتارخانية(۱/۱۵۱): وفى الخانية وما يكون على البدن يقال بالفارسية فلماخ (كذا) لا يمنع عن تمام الغسل لانه يتولد من البدن بمنزلة الدرن۔

Marfat.com

وفی الهندیة(۴/۱): وفی الجامع الصغیر سئل ابو القاسم عن وافر الظفر الذی یبقی فی اظفاره الدرن او الذی یعمل عمل الطین اوالمرأة التی صبغت اصبعها بالحناء او الصرام او الصباغ قال کل ذلك سواء یجزیهم وضوء هم اذلا یستطاع الامتناع عنه الابحرج والفتوی علی الجواز من غیر فصل بین المدنی والقروی۔

وفی الشامیة(۱۵۴/۱): (ولا یمنع) الطهارة (ونیم) ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته (وحناء) ولو جرمه به یفتی (ودرن ووسخ) عطف تفسیر، وکذا دهن و دسومة (وتراب) وطین ولوفی ظفر مطلقاً) ای قرویاً او مدنیاً فی الاصح بخلاف نحو عجین۔

وفی الهندیة (۳۵۷/۵): وقلم الاظفار سنة الا فی دارالحرب فان ترکها مندوب الیه کذا فی محیط السرخسی۔

(۲۹)ناخن پالش اور مہندی لگا کر وضواور غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ناخنوں پر مہندی یا ناخن پالش لگی ہوئی ہوتو وضواور غسل کا کیا حکم ہوگا؟ نیز اگر کسی کے سر پر مہندی لگی ہوتو غسل میں اس کو اتارنا ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......مذکورہ بالاصورت میں اگر ناخنوں پر ناخن پالش لگی ہوئی ہو، یا ان اعضاء پر جن کا دھونا وضو میں فرض ہے کوئی ایسی چیز لگی ہوئی ہو جس کی وجہ سے بدن تک پانی نہیں پہنچتا ہوتو وضو صحیح نہیں ہوگا یا بدن کے کسی حصے پر بھی ایسی چیز لگی ہو تو غسل صحیح نہیں ہوگا۔اور اگر ہاتھ یا سر پر مہندی لگی ہو اور وہ پانی کو بدن تک پہنچنے سے نہیں روکتی تو وضو اور غسل دونوں صحیح ہوں گے۔

لمافی الطحطاوی علی الدر(۸۸/۱): (قوله ولوجرمه) الحناء لکن لابد ان یصل الماء تحته واما اذا لم یصل لاتصح الطهارة و لذا قال فی البحر ولو الزقت المرأة راسها بالطیب بحیث لایصل الماء الی اصول الشعر وجب علیها ازالته...(قوله بخلاف نحوعجین) من خبز ممضوغ ودرن یابس فی الأنف وجلد سمك کما فی البحر(قوله ولا یمنع ماعلی ظفر صباغ) للضرورة قال فی المضمرات وعلیه الفتویٰ والقول الثانی انه یمنع وبه صدر فی البحر والظاهر ان هذا الخلاف یجری فی الحناء۔

وفی الدر المختار(۱۵۴/۱): (ولا یمنع) الطهارة (ونیم) أی خرء ذباب وبر غوث لم یصل الماء تحته (وحناء) ولوجرمه به یفتی (ودرن ووسخ)...وکذا دهن ودسومة (وتراب) وطین ولو(فی الظفر مطلقا)... فی الاصح بخلاف نحو عجین (و)لا یمنع (ماعلی ظفر صباغ)۔

Marfat.com

وفی ردالمحتار(۱/۱۵۴): (قوله لم يصل الماء تحته) لان الاحتراز عنه غير ممكن حلية،(قوله به يفتی)صرح به فی المنية عن الذخيرة فی مسالة الحناء والطين والدرن معللاً بالضرورة قال فی شرحها ولان الماء ينفذه لتخلله وعدم لزوجته وصلابته والمعتبر فی جميع ذالك نفوذ الماء و وصوله الی البدن ...... (قوله وكذادهن) أی كزيت وشيرج بخلاف نحوشحم وسمن جامد... (قوله بخلاف نحوعجين) ای كعلك وشمع وقشرسمك وخبز ممضوغ متلبد ...(قوله ان صلباً)... ای ان كان ممضوغاً مضغاً متأكدا بحيث تداخلت اجزاء ه وصارله لزوجة وعلاكة كالعجين الخ۔

(۳۰)ہاتھوں پر رنگ لگ جانے کی صورت میں وضواور غسل کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں رنگ سازی کا کام کرتا ہوں تو میرے ہاتھوں پر رنگ لگ جاتا ہے جب نماز کا وقت آجاتا ہے تو میں وضوکر کے نماز پڑھ لیتا ہوں تو کیا رنگ کے لگ جانے کی صورت میں وضواور غسل ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر رنگ ایسا ہے کہ اعضاءِ وضوء یا جسم پر اس کی تہہ جم جاتی ہے۔ جیسے گوندھے ہوئے آٹے کی تہہ اوراس کی وجہ سے پانی جلد تک نہیں پہنچ پاتا تو وضواور غسل کی صحت کیلئے ایسے رنگ کا ہر حال میں جسم سے صاف کرنا ضروری ہوگا اور اگر رنگ پانی کے ساتھ مل جاتا ہے اوروہ پانی کو جسم تک پہنچنے میں رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تو ایسے رنگ کو اگر صاف نہ بھی کیا جائے تو بھی وضواور غسل درست ہوجائے گا۔اوراگر رنگ ناخن میں سرایت کر چکا ہے اوراس کو صاف کرنا اذیت سے خالی نہیں اوراچھی طرح صفائی کے باوجود بھی رنگ ناخنوں میں برقرار ہے،توحرج واذیت کی وجہ سے وضواور غسل درست ہوجائیں گےاوراگر ناخن طویل ہیں توان کو لازمی طور پر کاٹ لیا جائے۔

لمافی الهندية(۱/۴): وما تحت الاظافير من اعضاء الوضوء حتی لوكان فيه عجين يجب ايصال الماء الی ماتحته كذا فی الخلاصة واكثر المعتبرات۔۔۔۔۔ سئل ابوالقاسم عن وافرالظفر الذی يبقی فی اظفاره الدرن او الذی يعمل عمل الطين والمرأة التی صبغت اصبعها بالحناء أوالصرام أوالصباغ قال كل ذالك سواء يجزيهم وضوء هم اذ لايستطاع الامتناع عنه الابحرج والفتوی علی الجواز من غير فصل بين المدنی والقروی كذا فی الذخيره۔

وفی الدرالمختار(۱/۱۵۴): (ولايمنع) الطهارة... (وتراب) وطين ولو(فی ظفر مطلقاً) ای قروياً او مدنيا فی الاصح بخلاف نحوعجين

Marfat.com

(وفی الشامیة تحته) : (قوله بخلاف نحو عجین) أی کعلك وشمع وقشر وسمك وخبز ممضوغ متلبد جوهرة ...... نعم ذکر الخلاف فی شرح المنیة فی العجین واستظهر المنع لان فیه لزوجة وصلابة تمنع نفوذ الماء۔

(۳۱) پاؤں کی پھٹن پر دوا لگانے کے بعد وضو کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سردیوں میں عام طور پر پاؤں پھٹ جاتے ہیں اگر ان پر کوئی کریم یا کوئی اور ایسی چیز لگا دی جائے کہ اسکی تہہ جم جائے جسکی وجہ سے پانی بظاہر نیچے نہیں پہنچتا، اب ایسی صورت میں پریشانی یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت ایسی کسی بھی چیز کا ہٹانا مشکل ہوتا ہے تو کیا ایسی صورت میں اس کریم لگے رہنے کے ساتھ وضو کرنا جائز ہے یا پھر چند دن تیمم کیا جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب پاؤں پر کوئی ایسی دوا لگا دی جائے جس کی وجہ سے پانی جلد تک نہیں پہنچ سکے تو حرج کی بناء پر صرف پانی بہا دینا کافی ہے، اور اگر دوا ایسی ہے کہ پانی بہانے میں بھی تکلیف ہو تو صرف مسح کرنا کافی ہے، اور اگر مسح کرنے میں بھی تکلیف ہو تو مسح بھی چھوڑ دیا جائے اور صرف آس پاس کی جگہ دھو دی جائے، البتہ ایسی صورت میں تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافی الدر المختار (۱۰۲/۱): فی اعضائه شقاق غسله ان قدر والا مسحه والا ترکه۔

وفی الشامیة (والا ترکه) أی وان لم یمسحه بأن لم یقدر علی المسح ترکه...ولو کان فی رجله فجعل فیه الدواء یکفیه امرار الماء فوقه ولا یکفیه المسح۔

(۳۲) ہونٹ بند ہونے کے بعد جو حصہ دکھائی دے، وضو میں اس کے دھونے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہونٹ کا وہ حصہ جو ہونٹ بند ہونے کے بعد دکھائی دیتا ہے کیا اُس کا دھونا بھی فرض ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ہونٹ کا جو حصہ بند ہونے کے بعد دکھائی دیتا ہے وضو اور غسل میں اس کا دھونا بھی فرض ہے۔

لمافی الهندیة (۴/۱): واما الشفة فما یظهر منها عند الانضمام فهو من الوجه وما ینکتم عند الانضمام فهو تبع الفم هو الصحیح کذا فی الخلاصة۔

وفی الدر المختار مع ردالمحتار (۹۷/۱): (یجب غسل المیاق) وما یظهر من الشفة عند انضمامها

Marfat.com

قال فی الشامية تحت (قوله عند انضمامها) اشار بصيغة الانفعال الی ان المراد ما يظهرعند انضمامها الطبيعی لاعند انضمامها بشدة وتكلف۔

(۳۳) دانت پر سونے یا چاندی کا خول چڑھانے یا دوا بھروانے کے بعد وضو وغسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنے دانتوں میں دوا وغیرہ بھروالے، یا سونے یا چاندی کا خول چڑھالے تو اس کے وضو یا غسل کی صورت کیا ہوگی؟ اسی طرح سونے یا چاندی کا خول چڑھانا جائز بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ بعض لوگ صرف خوبصورتی کیلئے ایسا کرتے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر دانتوں پر سونے یا چاندی کا خول صرف خوبصورتی کیلئے چڑھایا جارہا ہے تو یہ جائز نہیں لیکن اگر ضرورت کی بناء پر ہو تو جائز ہے۔

اب اگر دانت میں دوا وغیرہ بھری ہے تو اس پر پانی کا گزر جانا کافی ہے اسی سے وضو وغسل میں سنت وفرض ادا ہوجائے گا۔اور سونے یا چاندی کا خول ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ اس خول کو بلا مشقت نکالا جاسکتا ہے یا نہیں اگر نکالا جاسکتا ہے تو نکالنا ضروری ہوگا بغیر نکالے وضو تو ہوجائے گا لیکن غسل درست نہ ہوگا اور اگر بلا مشقت نہیں نکالا جاسکتا تو پھر نکالنا ضروری نہیں بلکہ اوپر سے پانی کا گزر جانا کافی ہے۔

لمافی الهندية (۳۵/۱): ولو انكسر ظفره فجعل عليه دواء او علكا فان كان يضره نزعه مسح عليه وان ضره المسح تركه۔

وفيه ايضاً (۳۳٦/۵): قال محمد فی الجامع الصغير ولا يشد الأسنان بالذهب ويشدها بالفضة يريد به اذا تحركت الاسنان وخيف سقوطها فاراد صاحبها ان يشدها بالفضة ولا يشدها بالذهب وهذا قول أبي حنيفة وقال محمد يشدها بالذهب ايضا،

وفی الدر المختار (۳٦۱/٦): (ولا يشد سنه)المتحرك (بذهب بل بفضة)وجوزهما محمد (ويتخذ انفاً منه)لان الفضة تنتنه۔

وفی الشامية (لان الفضة تنتنه)الاولی تنتن بلا ضمير واشار الی الفرق للامام بين شد السن واتخاذ الانف فجوز الانف من الذهب لضرورة نتن الفضة لان المحرم لا يباح الا لضرورة وقد اندفعت فی السن بالفضة فلا حاجة الی الاعلی وهو الذهب...

Marfat.com

(۳۴) وضو میں زائد انگلیوں کے دھونے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگوں کے ہاتھ میں پانچ سے زائد انگلیاں ہوتی ہیں، اسی طرح بعض لوگوں کے پاؤں کے ساتھ چھوٹے سے پاؤں کی شکل ہوتی ہے، کیا وضو کے فرائض میں ان زائد اعضاء کا دھونا ضروری ہوگا یا نہیں؟ اگر کسی نے ان اعضاء کو نہیں دھویا تو اسکی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....صورت مسئولہ میں اگر زائد انگلی یا پیر وغیرہ میں عضو اصلی کی طرح حرکت کرنے یا کسی چیز کو پکڑنے کی قوت موجود ہو تو اس کا دھونا لازمی ہے اور اگر اس میں حرکت کرنے یا کسی چیز کو پکڑنے کی قوت نہ ہو تو یہ زائد عضو شمار ہوگا، اب یہ عضو اگر محل فرض وضو میں نکل آیا تو اس کا دھونا لازمی ہے اور اگر غیر محل فرض وضو میں نکل آیا تو پھر دیکھا جائے گا کہ عضو اصلی کے محاذات میں ہے یا نہیں اگر عضو اصلی کے محاذات میں ہو تو دھونا لازم ہے، اور اگر عضو اصلی کے محاذات میں نہ ہو تو دھونا لازم نہیں البتہ مستحب ضرور ہے۔

لما فی الھندیة (۴/۱): ویجب غسل کل ما کان مرکبًا علی اعضاء الوضو من الاصبع الزائدة والکف الزائدة کذا فی السراج الوھاج۔

وفی الدر المختار (۱۰۲/۱): ولو خلق له یدان ورجلان فلو یبطش بهما غسلهما ولو باحداهما فهی الاصلیة فیغسلها وکذا الزائدة إن نبتت من محل الفرض کاصبع وکف زائدین والا فما حاذی منهما محل الفرض غسله ومالا فلا لکن یندب مجتبی۔

وفی الشامیة (ولو خلق له) ای من جانب واحد ... (ولو باحداهما) ای ولو یبطش باحداهما فهی الاصلیة والاخری زائدة لا یجب غسلها وظاهره ولوکانت تامة وفی النهرولم ار حکم مالو کانتا تامتین متصلتین اومنفصلتین والظاهر وجوب غسلهمافی الاول وغسل واحدة فی الثانی فلم یعتبر البطش والظاهر انه یعتبر البطش اولا فان بطش بهما وجب غسلهما والا فان کانتا تامتین متصلتین وجب غسلهما وان کانتا منفصلتین لا یجب الا غسل الاصلیة التی یبطش بها وهو حسن جمعابین العبارتین۔

(۳۵) مہندی لگے بالوں کے ساتھ وضو اور غسل کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے سر کے بال سفید ہوگئے ہیں میں نے ان پر مہندی لگادی تاکہ زیادہ عمر معلوم نہ ہو، ہمارے ایک عزیز نے دیکھا تو فرمانے لگے اگر جسم پر رنگ وغیرہ لگا ہو تو وضو اور غسل صحیح نہیں ہوتا

Marfat.com

آپ فوراً یہ مہندی کا رنگ اتار دیں، کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟ مہندی کے رنگ کے ہوتے ہوئے غسل صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... سُرخ مہندی کا بالوں پر لگانا مردوں کیلئے سنت ہے۔ اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دینا اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل کرنا احادیث سے ثابت ہے اس لئے آپ کا یہ عمل درست ہے۔ اس کے رنگ کے ہوتے ہوئے وضو اور غسل صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا رنگ پانی کو بدن تک پہنچنے سے نہیں روکتا۔ البتہ اگر کوئی شخص مہندی لگائے اور اس کا جرم بدن یا بالوں پر جما ہوا ہو، اس حال میں وضو یا غسل کرے تو پانی کا اس جرم سے گزر کر بدن تک پہنچ جانا ضروری ہے۔ اگر پانی بدن تک نہ پہنچے اور بال برابر جگہ بھی خشک رہ جائے تو وضو اور غسل صحیح نہیں ہوگا۔

لمافی المسلم (۱۹۹/۲): عن جابر بن عبداللہ قال اتی بابی قحافة یوم فتح مکة وراسه ولحیته کالثغامة بیاضا فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم غیروا هذا بشیٔ واجتنبوا السواد۔

وفی الدرالمختار(۱/۱۵۱۔۱۵۲): (وفرض الغسل)... (غسل) کل (فمه)... (وانفه) حتی ماتحت الدرن (وبدنه)۔

وقال ابن عابدین تحته: (قوله حتی ماتحت الدرن) قال فی الفتح والدرن الیابس فی الانف کالخبز الممضوغ والعجین یمنع اھ وهذا غیر الدرن الآتی متنا، وقید بالیابس لما فی شرح الشیخ اسمعیل ان فی الرطب اختلاف المشایخ کمافی القنیة عن المحیط۔ (الشامیة، صـ۱۵۲)

(قوله لم یصل الماء تحته) لان الاحتراز عنه غیر ممکن حلیة۔ (قوله به یفتی) صرح به فی المنیة عن الذخیرة فی مسألة الحناء والطین والدرن معللا بالضرورة۔ قال فی شرحها ولان الماء ینفذه لتخلله وعدم لزوجته وصلابته، والمعتبر فی جمیع ذلك نفوذ الماء ووصوله الی البدن اھـ لکن یرد علیه ان الواجب الغسل وهو اسالة الماء مع التقاطر کمامر فی ارکان الوضوء والظاهر ان هذه الاشیاء تمنع الاسالة فالاظهر التعلیل بالضرورة، ولکن قد یقال ایضاً ان الضرورة فی درن الانف اشد منها فی الحناء والطین لندورهما بالنسبة الیه مع انه تقدم انه یجب (((ا)))غسل ماتحته فینبغی عدم الوجوب فیه ایضا تامل... الدرن الوسخ، واشار بهذا الی ان المراد بالدرن هنا المتولد من الجسد وهو ما یذهب بالدلك فی الحمام بخلاف الدرن الذی یکون من مخاط الانف فانه لو یابسا یجب ایصال الماء الی ماتحته کمامر... (قوله بخلاف نحو عجین) ای کعلك وشمع وقشر سمك وخبز ممضوغ متلبد جوهرة، لکن فی النهر ولو فی اظفاره طین او عجین فالفتوی علی انه مغتفر قرویا کان او مدنیا اھـ نعم ذکر الخلاف فی شرح المنیة فی العجین واستظهر المنع لان فیه لزوجة وصلابة تمنع نفوذ الماء (قوله به یفتی) صرح به فی

Marfat.com

الخلاصة وقال لان الماء شئ لطيف يصل تحته غالبا اهـ ويرد عليه ماقد مناه آنفا ومفاده عدم الجواز اذا علم انه لم يصل الماء تحته، قال فی الحلية وهو اثبت۔ (الشامية ص١٥٤)

وتحته فی الحاشية(((١))) (قوله انه يجب غسل الخ) فيه انه لا يقال ذلك مع وجود النص بخلافه وانما يلزم التامل فی وجه الفرق، ويظهر ان علة عدم منع الطهارة فی هده الاشياء الضرورة مع وجود وصول الماء ولو بغير التقاطر، بخلاف درن الانف فان الضرورة وجدت فيه الا ان الوصول لم يوجد، وهذا هو الفرق، ويؤيده اكتفاؤهم بتحريك الخاتم الضيق مع انه يمنع الاسالة تامل اهـ۔

(٣٦) وضو اور غسل میں مصنوعی ٹانگ کے دھونے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں جہاد افغانستان میں شریک ہوا پانچ چھ ماہ لڑائی کے بعد میرے پاؤں میں گولی لگ گئی جس کی وجہ سے کینسر ہوگیا۔ڈاکٹروں نے میری ٹانگ گھٹنے سے نیچے کاٹ دی، اب میں نے اس کی جگہ مصنوعی ٹانگ لگوالی ہے تو آیا وضو اور غسل میں مصنوعی ٹانگ اور پیر کا دھونا ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......وضو اور غسل میں مصنوعی ٹانگ اور پیر کا دھونا ضروری نہیں۔البتہ غسل میں مصنوعی ٹانگ کو نکال کر باقی بدن کا دھونا فرض ہے۔

لمافی البحر الرائق (١/٨٧): الا ما يتعذر ايصال الماء اليه خارج من قضية النص وكذا ما يتعسر لان المتعسر منفی كالمتعذر كداخل العينين فان فی غسلهما من الحرج ما لا يخفی۔

وفی الهندية(١/١٣۔١٤): والصرام والصباغ مافی ظفرهما يمنع تمام الاغتسال وقيل كل ذلك يجزيهم للحرج والضرورة ومواضع الضرورة مستثناة عن قواعد الشرع كذا فی الظهيرية۔ وجب تحريك القرط والخاتم الضيقين ولو لم يكن قرط فدخل الماء الثقب عند مروره أجزأه والا أدخله ولا يتكلف فی ادخال شئ سوی الماء من خشب ونحوه كذا فی البحر الرائق۔

وفی الدر المختار مع ردالمحتار(١/١٥٢۔١٥٣): (لا) يجب (غسل مافيه حرج كعين) وان اكتحل بكحل نجس (وثقب انضم و) لا (داخل قلفة) يندب هو الاصح قاله الكمال وعلله بالحرج فسقط الاشكال۔

قال الشامی تحت(قوله وثقب انضم) قال فی شرح المنية وإن انضم الثقب بعد نزع القرط وصار بحال إن امر عليه الماء يدخله وإن غفل لا فلا بد من امراره ولا يتكلف لغير الامرار من

Marfat.com

ادخال عود ونحوہ فان الحرج مدفوع (قولہ وداخل قلفۃ... وفیہ ایضاً (قولہ فسقط الاشکال)... ووجہ السقوط أن علۃ عدم وجوب غسلھا الحرج۔

(۳۷) ناخنوں پر مہندی لگی ہو تو وضو وغسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہاتھ میں اور ناخنوں میں مہندی لگا کر وضو وغسل کرنے سے وضو وغسل ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر کسی کے ہاتھ یا ناخنوں پر مہندی لگی ہو تو یہ وضو وغسل کے صحیح ہونے سے مانع نہیں ہوگی۔ مہندی کے ہوتے ہوئے وضو اور غسل ہو جائے گا جبکہ یقین ہو کہ پانی نیچے تک پہنچ گیا ہے۔

لمافی الدر المختار (۱/۱۵۴): (ولا یمنع) الطھارۃ (ونیم) ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل المآء تحتہ (وحناء) ولو جرمہ، وبہ یفتی۔

وفی الھندیۃ (۱/۴): اوالمرأۃ صبغت اصبعھا بالحنآء اوالصباغ قال کل ذالک سواء یجز یھم وضوءھم۔

(۳۸) ریل کے دوسرے درجے کے مسافر کیلئے پہلے درجے میں جا کر وضو وغسل کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بذریعہ ریل سفر کرتے ہوئے، اکانومی درجے میں سفر کرنے والے مسافر کیلئے اکانومی ڈبے میں پانی ختم ہونے کی صورت میں وضو کرنے کیلئے یا بوقت حاجت غسل کرنے کیلئے، اے سی، لوئر بس، ریل کار وغیرہ میں جا کر وضو یا غسل کرنا شرعاً کیسا ہے؟ واضح رہے کہ (۱)۔ اکانومی ڈبے کی ٹکٹ اور دوسرے درجات کی ٹکٹوں میں فرق ہوتا ہے، (۲)۔ ایک درجے والا دوسرے درجے میں سفر نہیں کر سکتا۔ نیز اس صورت میں اگر اجازت نہیں ہے تو نماز کیلئے تیمم کرنا درست ہوگا؟ اس حال میں کہ وقت کے اندر اندر گاڑی رکنے کا امکان نہیں یا پھر اگر رکے تو اسٹیشن پر غسل کا انتظام نہیں اور اگر ہو بھی تو گاڑی رکنے کا وقت اتنا قلیل ہے کہ غسل ممکن نہیں۔ اور اندر بھی کسی اکانومی ڈبے میں پانی نہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر ریلوے انتظامیہ والوں کی طرف سے ہر خاص وعام ڈبے کو برابر طور پر پانی پہنچانا اُن کی ذمہ داری ہو چاہے اکانومی درجے کے ڈبے ہوں یا اے سی کے ڈبے ہوں، اُن کی طرف سے پانی وغیرہ کے استعمال پر کوئی پابندی نہ ہو، اکانومی درجے کے ڈبے میں پانی ختم ہو گیا، تو اس صورت میں اے سی والے ڈبے میں جا کر وہاں وضو بنانا یا وہاں سے پانی لانا یہ جائز ہوگا، تیمم کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اگر ہر خاص وعام ڈبے میں انتظامیہ والوں کی طرف سے جانے پر یا پانی کے استعمال پر پابندی ہو، تو اس صورت میں یہ مسافر اکانومی والے ڈبے میں حتی الامکان پانی تلاش کرے، اگرچہ مناسب پیسوں پر کیوں نہ ہو، اگر

Marfat.com

پانی اکانومی درجے کے ڈبے میں نہ ہو اور گاڑی کے رُکنے کا امکان بھی نہ ہو یا گاڑی اسٹیشن پر رُکتی ہو لیکن وہاں پانی موجود نہ ہو تو یہ شخص تیمم کرسکتا ہے چاہے وضو کیلئے ہو یا جنابت کیلئے ہو۔ اس شخص کیلئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اے سی یا لوئر بس وغیرہ میں جا کر بغیر اجازت کے وہاں کے پانی سے وضو بنائے یا غسل کرے۔ کیونکہ کسی مسلمان کے مال کو بغیر اُس کی رضامندی کے استعمال کرنا یہ غصب میں آتا ہے، اور مغصوبہ چیز کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافی الشامیة(۲۳۲/۱): (قوله من عجز) العجز علی نوعین: عجز من حیث الصورة والمعنی، وعجز من حیث المعنی فقط. فأشار الی الاول بقوله لبعده، وإلی الثانی بقوله (أو المرض)... وأیضاً(ص۲۳۳)(قوله ولو مقیما) لأن الشرط هو العدم فأینما تحقق جاز التیمم. نص علیه فی الأسرار بحر... وأیضاً فی تنویر الابصار مع شرحه(ص۲۴۷،۲۴۶)(ویجب) أی یفترض (طلبه) ولو برسوله (قدر غلوة) ثلثمائة ذراع من کل جانب. ذکره الحلبی. وفی البدائع: الأصح طلبه قدر مالایضر بنفسه ورفقته بالانتظار (إن ظن) ظنا قویاً (قربه) دون میل بأمارة أو اخبار عدل (وإلا) یغلب علی ظنه قربه (لا) یجب بل یندب إن رجا وإلا لا. ولو صلی بتیمم وثمه من یسأله ثم اخبره بالماء أعاد وإلا لا۔

وفی الفقه الاسلامی(۵۹۵/۱) ویلزمه شراء الماء بثمن معتاد لم یحتج له. نقداً أو دیناً فی الذمة. فإن زاد علی الثمن المعتاد، ولو درهماً علی الراجح. فی ذلک المحل وما قاربه. فلا یلزمه الشراء۔

(۳۹) غسل سے پہلے یا غسل کے بعد وضو کرنا

سوال:... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب وہ غسل کرتے ہیں تو غسل کے بعد مکمل وضو کرتے ہیں کیا ان کا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص غسل سے پہلے وضو نہ کرلے تو اس کیلئے غسل کے بعد وضو کرنا ضروری ہوگا یا غسل ہی کافی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب:... غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے، غسل کے بعد وضو کرنا حدیث پاک کی رُو سے مکروہ ہے۔ اگر کوئی غسل سے پہلے وضو نہ کرے تو غسل کے بعد وضو کی ضرورت نہیں ہے غسل کرنا کافی ہوگا۔ البتہ غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے۔

لمافی الفتاوی السراجیة(ص۴): اذا اصاب الرجل المطر او وقع فی نهر جاز وضوءه وغسله ایضاً ان اصاب جمیع بدنه وعلیه المضمضة والاستنشاق۔

وفی التاتارخانیة(۱۵۱/۱) وتقدیم الوضوء علی الاغتسال فی الجنابة سنة ولیس بفرض عند علمائنا

Marfat.com

رحمهم الله۔ حتی انه لولم یتوضأ وافاض الماء علی رأسه وسائر جسده ثلاثا أجزاه اذا کان قد تمضمض واستنشق۔

وفی الدر المختار (۱۵۸/۱): لو توضأ أوّلاً لا یاتی به ثانیاً لأنّه لا یستحب وضوء ان للغسل اتفاقاً، اما لو توضأ بعد الغسل واختلف المجلس علی مذهبنا الخ۔

وقال ابن عابدین رحمه الله تحته: (قوله لانه لا یستحب) ...... أخرج الطبرانی فی الأوسط عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ من توضا بعد الغسل فلیس منا والظاهر أن عدم استحباب لو بقی متوضأ الی فراغ الغسل فلو أحدث قبله ینبغی اعادته۔

(۴۰) اعضاء وضو کٹے ہوئے ہوں تو وضو کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں، جسکی وجہ سے وضو نہ کرسکتا ہو یا ایک ہاتھ کٹا ہوا ہو کہ وضو کرنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں وضو ساقط ہوگا یا نہیں، اسی طرح نماز پڑھنی ضروری ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں جس شخص کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں اور وضو پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں اگر خادم وغیرہ ہو تو وہی وضو کرائے، اگر خادم وغیرہ نہ ہو تو کسی کو اجرت پر مزدور رکھ لیں، لیکن اگر نہ تو خادم وغیرہ ہو، اور نہ ہی مزدور رکھنے کی استطاعت ہو تو ایسے شخص سے وضو ساقط ہو جائے گا، لہٰذا تیمم کر کے نماز پڑھ لے، اور تیمم کی صورت یہ ہوگی کہ اپنے چہرے اور کٹے ہوئے ہاتھوں سے جو حصہ باقی ہو اسے دیوار سے مل لے۔

اور جس شخص کا ایک ہاتھ کٹا ہوا ہو تو وہ عام طور پر وضو پر قادر ہوتا ہے، لہٰذا اس سے وضو ساقط نہیں ہوگا، البتہ جو ہاتھ کٹا ہوا ہے اگر وہ کہنی سے اوپر تک کٹا ہوا ہو تو اس ہاتھ کو نہیں دھوئے گا اور اگر وہ کہنی کے نیچے سے کٹا ہوا ہو تو باقی ماندہ ہاتھ کو دھونا لازم ہوگا۔

لما فی الهندیه (۲۸/۱): أو کان لا یجد من یوضیه ولا یقدر بنفسه فان وجد خادماً اوما یستأجر به اجیراً او عنده من لو استعان به اعانه فعلی ظاهر المذهب انه لا یتیمم لانه قادر۔

وفیه ایضاً (۵/۱): ولو قطعت یده اورجله فلم یبق من المرفق والکعب شئی سقط الغسل ولو بقی وجب وکذا غسل موضع القطع۔

وفی ردالمحتار (۱۰۲/۲): وقیل لاصلوۃ علیه اختاره صاحب الدرر فی متنه وشرحه فقال قطعت یداه ورجلاه من المرفق والکعب لا صلوۃ علیه کذافی الکافی وقیل ان وجد من یوضیه یامره لیغسل وجهه وموضع القطع ویمسح راسه والاوضع وجهه ورأسه فی الماء اویمسح وجهه وموضع

Marfat.com

القطع على جدار فيصلى كذا فى التاتارخانية۔

(۴۱) وضو میں اکثر شک ہو تو نیا وضو کرے یا نہ کرے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کو اکثر وضو میں شک ہوتا ہو تو کیا وہ ہر نماز کیلئے وضو کرے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شک کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے ایسے شخص کو ہر نماز کے لئے نئے سرے سے وضو کرنا ضروری نہیں، اور اگر کسی کو اس طرح کے شک کی عادت ہو جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے تو اس کو چاہیئے کہ اس کی طرف بالکل التفات نہ کرے کیونکہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور حدیث شریف میں اس سے بچنے کی تلقین آئی ہے۔

لمافی الهندية(۱۳/۱): فى الاصل من شك فى بعض وضوئه وهو اول ماشك غسل الموضع الذى شك فيه فان وقع ذلك كثيراً لم يلتفت اليه هذا اذا كان الشك فى خلال الوضوء فان كان بعد الفراغ من الوضوء لم يلتفت الى ذلك ومن شك فى الحدث فهو على وضوئه ولو كان محدثا فشك فى الطهارة فهو على حدثه ولا يعمل بالتحرى كذا فى الخلاصة۔

وفى الدر المختار (۱۵۰/۱): شك فى بعض وضوئه أعادماشك فيه لوفى خلاله ولم يكن الشك عادة له والالا۔

وفى الشامية تحته : (قوله والالا) أى وان لم يكن فى خلاله بل كان بعد الفراغ منه وان كان أول ماعرض له الشك أو كان الشك عادة له وان كان فى خلاله فلا يعيد شيئا قطعاًللوسوسة عنه كما فى التاتارخانية وغيرها۔

(۴۲) وضو کے بعد اگر وضو میں شک پڑ گیا تو......

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی گھر سے وضو کر کے مسجد جائے اور وہاں جا کر کسی عضو کے بارے میں شک پڑ جائے کہ یہ دھویا بھی ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں وضو دوبارہ کرے یا کوئی اور صورت اختیار کرے؟ نیز اگر یہی شک نماز کے بعد ہو جائے تو پھر کیا کرے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں وضو سے فراغت کے بعد اگر شک ہو جائے، چاہے یہ شک وضو کے بعد ہو یا نماز کے بعد تو ایسے شک کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا ایسے وضو سے نماز کی ادائیگی صحیح ہے، دوبارہ وضو کی ضرورت نہیں۔

لمافى الهندية (۱۳/۱): من شك فى بعض وضوئه ...فان وقع ذلك كثيرا لم يلتفت اليه هذا اذا

Marfat.com

کان الشك فی خلال الوضوء فان کان بعد الفراغ من الوضوء لم یلتفت الی ذلك۔

(٤٣) گرمی دانوں کے پانی سے وضوٹوٹنے کاحکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کے بدن پر گرمی دانے ہوں اوران سے پانی نکل آئے توکیا وضوٹوٹ جائے گا؟

الجواب بعون الملك الوھاب......صورت مسئولہ میں صرف گرمی دانوں سے پانی نکلنے سے وضونہیں ٹوٹتا البتہ جب پانی نکل کر بہہ جائے تووضوٹوٹ جائے گا۔

وفی الھندیة(١/١٠): مایخرج من غیر السبیلین ویسیل الی مایظھر من الدم والقیح والصدید والماء لعلة وحد السیلان أن یعلو فینحدر عن رأس الجرح۔

وفی الدر المختار(١/١٣٤): (وینقضه خروج) کل خارج(نجس) بالفتح وبکسر (منه) أی من المتوضئ الحی معتادا أولا من السبیلین أولا (إلی مایطھر) بالبناء للمفعول أی یلحقه حکم التطھیر ثم المراد بالخروج من السبیلین مجرد الظھور وفی غیرھما عین السیلان ولو بالقوة لماقالوا۔

(٤٤) کلّی کرتے وقت دانتوں سے خون آنے کی صورت میں وضوکاحکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں جب کلّی کرتا ہوں تو میرے دانتوں سے تھوڑا بہت خون نکل آتا ہے۔ایسی صورت میں میرا وضوصحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوھاب......دوران وضوکلی کرتے ہوئے اگرمنہ سے تھوڑا بہت خون نکلتا ہو،تواس صورت میں وضوجاری رکھنے میں کوئی حرج نہیں البتہ وضوکرلینے کے بعد یا ویسے ہی کلی کرتے وقت اگر منہ سے خون نکلے اورخون تھوک پر غالب یا مساوی ہو (اس طور پر کہ تھوک میں سرخی آ گئی ہو) تووضوٹوٹ جائے گااوراگر تھوک غالب اورخون مغلوب ہو(اس طور پر کہ تھوک زردی مائل ہے) تو پھر وضونہیں ٹوٹے گا۔

لمافی الھندیة(١/١١): ان خرج من نفس الفم تعتبر الغلبة بینه وبین الریق فان تساویا انتقض الوضوء ویعتبر ذالك من حیث اللون فان کان احمر انتقض وان کان اصفر لا ینتقض کذا فی التبیین المتوضئ اذا عض شیئاً فوجد فیه اثر الدم او استاك بسواك فوجد فیه اثر الدم لاینتقض مالم یعرف السیلان۔

وفی الدر المختار(١/١٣٨-١٣٩): (و)ینقضه (دم) مائع من جوف اوفم (غلب علی بزاق) حکماً

Marfat.com

للغالب (اوساواه) احتياطاً (لا) ينقضه (المغلوب بالبزاق)۔

وفى الشامية تحته : (قوله غلب على بزاق)۔۔۔۔۔۔۔ وعلامة كون الدم غالباً او مساوياً ان يكون البزاق احمر وعلامة كونه مغلوباً ان يكون اصفر۔

(۴۵) دوران وضوکوئی ناقض وضو پایا جائے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کو وضو کرتے ہوئے کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے جس سے وضوٹوٹ جاتا ہے تو دوبارہ ازسرنو وضو کرنا پڑے گا یا جو ہو چکا وہی کافی ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب......اس صورت میں ازسرنو وضو کرنا ضروری ہے۔

لمافى الهندية (۱/۲۶): لو ضرب يديه فقبل أن يمسح أحدث لا يجوز المسح بتلك الضربة كمالو أحدث فى الوضوء بعد غسل بعض الأعضاء۔

(۴۶) اگر دانتوں سے خون آجائے تو وضو کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض دفعہ باوضو ہوتے ہوئے جب دوسری نماز کا وقت آجائے تو میں صرف مسواک استعمال کرتا ہوں، اب اس میں بعض دفعہ خون کے اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں، کیا منہ سے تھوڑا سا بھی خون نکل آئے تو اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں اگر خون کے بارے میں معلوم ہو کہ کہاں سے نکل رہا ہے تو دیکھا جائے گا، اگر بہہ رہا ہو تو وضوٹوٹ جائے گا اور اگر نہ بہے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کہاں سے نکل رہا ہے تو تھوک کو دیکھیں گے اگر خون کی سرخی تھوک کے برابر ہو یا تھوک سے زیادہ ہو تو وضوٹوٹ جائے گا لیکن اگر خون کی سرخی تھوک سے کم ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

لمافى الهندية (۱/۱۱): المتوضئى اذا عض شيئاً فوجد فيه أثرالدم او استاك بسواك فوجد فيه أثرالدم لا ينتقض مالم يعرف السيلان كذا فى الظهيرية۔

وفى الشامية (۱/۱۳۹): (غلب على البزاق)...علامة كون الدم غالباً او مساوياً ان يكون البزاق احمر وعلامة كونه مغلوباً ان يكون اصفر بحر ط۔

(احتياطاً) اى لاحتمال السيلان وعدمه فرجح الوجود احتياطا بخلاف ما اذا شك فى الحدث لانه لم يوجد الا مجرد الشك ولا عبرة له مع اليقين۔

Marfat.com

(۴۷) کیا تھوڑا سا خون نکلنا بھی ناقض وضو ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کے جسم پر پھوڑا نکل آئے اور وہ اسے دبادے جس سے کچھ خون بھی نکل آئے تو کیا اس طرح تھوڑا سا خون نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر خون اتنا نکلا کہ اپنی جگہ سے آگے نہیں بڑھا تو وضو نہیں ٹوٹا اور اگر اپنی جگہ سے آگے بڑھ گیا یعنی بہنا شروع کر دیا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

لمافی الهندية (۱۱/۱):خرج دم من القرحة بالعصر ولولاه ماخرج نقض فی المختار كذا فی الوجيز لكردری۔

وفی الدرالمختار (۱۳۵/۱):المراد بالخروج من السبيلين مجرد الظهور وفی غيرهما عين السيلان ولو بالقوة۔

وفی الشامية (عين السيلان)اختلف فی تفسيره.ففی المحيط عن ابی يوسف ان يعلو وينحدر.وعن محمد إذا انتفخ على رأس الجرح وصار اكثر من رأسه نقض.والصحيح لا ينقض ـقال فی الفتح بعد نقله ذلك وفی الدراية جعل قول محمد أصح ومختار السرخسی الاول وهوالاولی اقول كذا صححه قاضی خان وغيره۔

(۴۸) دودھ پلانے سے وضو کا نہ ٹوٹنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی کو دو سال ہونے والے ہیں اللہ پاک نے اپنے کرم سے ایک بیٹا دیا ہے جو مجھے بہت ہی پیارا ہے ایک دن میں نے نماز کیلئے وضو کیا وضو کے بعد میرا بیٹا رونے لگا تو میں نے اس کو دودھ پلانا شروع کیا اس وقت مجھے شوہر نے منع کیا کہ وضو کے بعد نماز سے پہلے دودھ نہ پلایا کرو بچہ کو دودھ پلانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کیا میرے شوہر کی بات صحیح ہے؟ یا اس سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... جو چیزیں وضوء کو توڑتی ہیں ان میں یہ بات ہے کہ نجس چیز کا خروج پایا جائے یا اگر کوئی پاک چیز بھی موضع نجاست یعنی سبیلین سے نکلے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے چونکہ دودھ بذات خود پاک ہے اور اس کا خروج بھی موضع نجاست سے نہیں ہے اس لئے وضوء نہیں ٹوٹے گا کیونکہ نجس چیز کے نکلنے سے وضوء ٹوٹتا ہے اور دودھ پاک ہے نجس نہیں ہے، اس لئے آپ کے دودھ پلانے سے وضوء پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

لمافی تبيين الحقائق(۱/۴۵-۴۷-۴۸): (وينقضه خروج نجس منه) ای وينقض الوضوء خروج نجس

Marfat.com

فدخل تحت هذه الكلمة جميع النواقض الحقيقية وان كان طاهرا فی نفسه كالدودة من الدبر لانها تستصحب شيئا من النجاسة وتلك هی الناقضة للوضوء فصدق قوله خروج نجس وهو مجمل فيحتاج فيه الی التفاصيل من بيان المخرج وما يخرج منه اعلم ان المخرج علی نوعين سبيلين وغيرهما اما السبيلان فخروج كل شئ منهما ناقض للوضوء..... وأما غيرهما ای غير السبيلين اذا خرج منه شئ ووصل الی موضع يجب تطهيره فی الجنابة ونحوه ينقض الوضوء..... ولا فرق بين الصديد والدم والقيح والماء خلافا للحسن فی غير الدم هو يجعله كالعرق واللبن والمخاط۔

وفی الشامية مع الدر(۱/۱۳۴): (وينقضه خروج) كل خارج (نجس)... (منه) ای من المتوضی حاصله ان الطهارة ترتفع بضدها وهی النجاسة القائمة بالخارج لان الضد هو المؤثر فی رفع ضده۔

وفی الدر مع الشامية(۱/۱۳۵): وخروج غير نجس مثل ريح(قوله مثل ريح) فانها تنقض لانها منبعثة عن محل النجاسة لا لان عينها نجسة لان الصحيح ان عينها طاهرة حتی لو لبس سراويل مبتلة او ابتل من اليتيه الموضع الذی تمر به الريح فخرج الريح لا يتنجس۔

وفی الدرالمختار(۱/۱۴۷): (كما) لا ينقض (لو خرج من اذنه) ونحوها كعينه وثديه (قيح) ونحوه كصديد وماء سرة وعين (لا بوجع) وان خرج به ای بوجع نقض۔

(۴۹) متفرق طور پر تھوڑی تھوڑی قے آنے سے وضو کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ متفرق طور پر تھوڑی تھوڑی مقدار میں اتنی قے کرنا اگر اس کو جمع کیا جائے تو منہ بھر کر ہو، کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....اگر متفرق طور پر تھوڑی تھوڑی مقدار میں اتنی قے ہوئی ہو جو منہ بھر کر ہو اور اس کا سبب (متلی وغیرہ) ایک ہی ہو اگر چہ یہ قے وقفہ کے ساتھ مختلف مجالس میں ہو تو اصح قول کے مطابق اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

لما فی الهندية (۱/۱۱): وان قاء قليلا قليلا لو جمع يبلغ مل‌ء الفم قال محمد رحمه الله تعالی ان اتحد السبب جمع والا فلا وهذا اصح۔

وفی الدرالمختار(۱/۱۴۰): (ويجمع متفرق القئ) ويجعل كقئ واحد(لاتحاد السبب) وهو الغثيان عند محمد وهو الاصح۔

Marfat.com

(۵۰) بیٹھے بیٹھے سو جانے سے وضو ٹوٹنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری عادت یہ ہے کہ میں فجر کے بعد اشراق تک مسجد میں بیٹھا رہتا ہوں البتہ کبھی کبھی سو جاتا ہوں جس میں، میں نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھا ہوتا ہے، اس طرح بعض دفعہ گر بھی جاتا ہوں، کیا اس طرح سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر بیٹھے بیٹھے سو جائیں یا سونے کی وجہ سے گر جائیں اور گرتے ہی فوراً جاگ جائیں تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر گرنے کے بعد فوراً نہ جاگیں بلکہ کچھ دیر بعد جاگیں تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

لمافی الهندية (۱۲/۱): ولو نام قاعداً فسقط على وجهه أو جنبه ان انتبه قبل سقوطه أو حالة سقوطه أو سقط نائماً وانتبه من ساعته لا ينتقض وان استقر نائماً ثم انتبه ينتقض۔

لمافی الدر المختار (۱۴۲/۱): ولو نام قاعداً يتمايل فسقط، ان انتبه حين سقط فلا نقض به يفتى۔

وفى الشامية (حين سقط) اى عند اصابة الارض بلا فصل شرح منية، وكذا قبل السقوط او فى حال السقوط، اما لو استقر ثم انتبه نقض لأنه وجد النوم مضطجعاً حلية۔

(۵۱) حالت نماز میں نیند آ جانے سے وضو ٹوٹنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نماز کی حالت میں تھا کہ اس کو نیند آ گئی تو کیا نماز کی حالت میں سو جانے سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نیند کی ہر وہ حالت جو استرخائے مفاصل (اعضاء کے ڈھیلے ہو جانے) کا سبب بنے وہ ناقض وضو ہے خواہ نماز کی حالت میں ہو یا خارج از صلوۃ ہو۔ لہٰذا نماز میں مطلقاً نیند آ جانے سے وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ قیام کی حالت میں ہو یا رکوع وسجود کی حالت میں، چاہے جان بوجھ کر سو جائے۔ لیکن اگر سجدہ کو غیر مسنون طریقہ سے ادا کرتے ہوئے سو گیا تو چونکہ اس صورت میں استرخائے مفاصل ہو جاتا ہے اس لئے اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا اور نماز فاسد ہو جائے گی۔

لمافی الهندية(۱۲/۱): (ومنها النوم) ينقضه النوم مضطجعا فى الصلوة وفى غيرها بلاخلاف بين الفقهاء... ولا ينقض نوم القائم والقاعد ولوفى السرج او المحمل ولا الراكع ولا الساجد مطلقا ان كان فى الصلوة وان كان خارجها فكذالك الافى السجود فانه يشترط ان يكون على الهيئة المسنونة له بان يكون رافعاً بطنه عن فخذيه مجافيا عضديه عن جنبيه و ان سجد على غير هذه الهيئة انتقض وضوئه۔

Marfat.com

وفی الدر المختار(۱/۱۴۱):(و) ینقضه حکما (نوم یزیل مسکته) ای قوته الما سکة بحیث تزول مقعدته من الارض وهو نوم علی احد جنبیه أو ورکیه أو قفاه أو وجهه(والا) یزل مسکته (لا) ینقض وان تعمده فی الصلوة أو غیرها علی المختار کالنوم۔

وفی الشامیة تحته : ظاهر الروایة ان النوم فی الصلوة قائما أو قاعدا او ساجدا لایکون حدثا سواء غلبه النوم أو تعمده۔

(۵۲)انجکشن کے ذریعے خون نکالنے سے وضوٹوٹنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص انجکشن کے ذریعے سے خون نکلوائے جیسے کہ کسی ٹیسٹ وغیرہ کیلئے نکالتے ہیں، تو کیا اس سے وضوٹوٹ جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں انجکشن کے ذریعے خون نکلوانے سے وضوٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ خون سے وضو کے ٹوٹ جانے کیلئے ''بہنا'' ضروری ہے، وہ اگر چہ یہاں بالفعل نہیں پایا جارہا لیکن بالقوۃ پایا جارہا ہے یعنی اس میں بہنے کی صلاحیت موجود ہے۔ لہٰذا اس سے وضوٹوٹ جائے گا۔

لمافی الهندیة (۱/۱۱):القراد اذا مص عضو انسان فامتلأ دماً ان کان صغیراً لا ینقض وضوئه کما لو مصت الذباب او البعوض وان کان کبیراً ینقض۔

وفی الدر المختار (۱/۱۳۵):ثم المراد بالخروج من السبیلین مجرد الظهور وفی غیرهما عین السیلان ولو بالقوة لما قالوا لو مسح الدم کلما خرج ولو ترکه لسال نقض والا لا۔

وفی الشامیة (۱/۱۳۴):فالاحسن مآ فی النهر عن بعض المتاخرین من ان المراد السیلان ولو بالقوة ای فان دم الفصد ونحوه سائل الی ما یلحقه حکم التطهیر حکما . . .

(۵۳)انجکشن کے ذریعہ مریض کے پیٹ سے پیشاب نکالنے پر وضوٹوٹنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص بیمار ہے ہسپتال میں پڑا ہوا ہے دونوں راستوں سے پیشاب بند ہے ڈاکٹروں نے اس کا پیشاب انجکشن کے ذریعے پیٹ میں سوراخ کر کے نکال دیا۔ مطلوبہ امر یہ ہے کہ اس مریض کا وضوٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ کیونکہ فقہاء نے صرف احد السبیلین کی شرط لگائی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر انجکشن کے ذریعے ڈاکٹروں نے پیشاب نکالا ہے تو مریض کا وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ احناف کے ہاں احد السبلین (پیشاب و پائخانہ کے مقام) کے علاوہ سے بھی اگر نجاست نکل آئے تو وضوٹوٹ جاتا

Marfat.com

ہے نیز اگر چہ یہاں خروج نجس نہیں ہے بلکہ اخراج (نکالنا) ہے لیکن اخراج سے بھی وضوٹوٹ جاتا ہے۔

لمافی البزازية على هامش الهندية (۱۲/۴): خرج دم من القرحة بالعصر ولولاه ماخرج نقض فی المختار لان فی الاخراج خروجاً۔

وفی الدر المختار (۱/۱۳۶۔۱۳۷): (والخارج) بنفسه (سيان) فی حكم النقض على المختار كمافی البزازية: قال لان فی الاخراج خروجاً فصار كالفصد وفی الفتح عن الكافی انه الاصح، واعتمد القهستانی، وفی القنية وجامع الفتاوی إنه الاشبه ومعناه انه الاشبه بالنصوص رواية والراجح دراية فيكون الفتوی عليه۔

وفی الشامية تحته: (قوله لان فی الاخراج خروجاً)...وفيه انه لاتأثير يظهر للاخراج وعدمه بل لكونه خارجاً نجسا وذلك يتحقق مع الاخراج كما يتحقق مع عدمه فصار كالفصد الخ۔

(۵۴) کھانسی میں بلغم کے ساتھ خون آئے تو وضو ٹوٹنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک دوست ہے بعض اوقات جب اس کو کھانسی آتی ہے تو بلغم کے ساتھ خون بھی نکلتا ہے، تو کیا اس سے وضو پر کچھ فرق پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......کھانسی کے ساتھ جو بلغم آئے وہ فی نفسہ پاک ہے۔لیکن اگر اس بلغم میں خون کی آمیزش ہوجائے تو دیکھا جائے گا کہ خون غالب ہے یا بلغم، اگر خون غالب ہے تو وضو ٹوٹ جائیگا اور اگر بلغم غالب ہے تو وضو نہیں ٹوٹے گا البتہ خون اور بلغم کے برابر ہونے کی صورت میں احتیاط اسی میں ہے کہ دوبارہ وضو کرے۔

لمافی الطحطاوی على الدر (۱/۸۰): (قوله على بزاق) هو بالزای والسين والصاد كما فی شرح المنية۔ (قوله حكما للغالب) علة للنقض (قوله او ساواه) علامة كون الدم غالبا او مساوياً أن يكون البزاق احمر و علامة كونه مغلوبا أن يكون اصفر(قوله احتياطاً) علة للنقض حال المساواة وذلك لانه يحتمل أن يكون سيلانه بنفسه او أساله غيره فوجد الحدث من وجه فرجحنا جانب الوجود احتياطاً ...(قوله لاينقضه المغلوب) لان الغالب البزاق والحكم له فكأن كله بزاق۔

وفی الدر المختار (۱/۱۳۸): (و)ينقضه (دم) مائع من جوف اوفم (غلب على بزاق) حكما للغالب (اوساواه) احتياطاً (لا) ينقضه (المغلوب بالبزاق) والقيح كالدم والاختلاط بالمخاط كالبزاق۔

Marfat.com

(۵۵) آنکھوں سے بہنے والے پانی سے وضو ٹوٹنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی کی آنکھوں میں تکلیف ہو اور اس تکلیف کی بناء پر آنکھوں سے مسلسل پانی بہتا ہو تو کیا اس پانی کے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا یا اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر پانی چندھیا، پھنسی یا آشوب چشم کی وجہ سے ہو اور اس قدر مسلسل بہتا ہو کہ ایک نماز کے وقت میں صرف فرض کی ادائیگی بھی دشوار ہو (کہ وضو کے بعد پانی بہنے سے پہلے پہلے نماز ادا نہ کی جاسکتی ہو) تو وہ معذور ہے، ہر نماز کیلئے وضو کرلیا کرے، اور اگر اس قدر مسلسل نہ ہو بلکہ کبھی کبھار نکل آتا ہو تو چونکہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا وہ دوبارہ وضو کیا کرے اور یہ پانی کسی بیماری کی وجہ سے نہ ہو بلکہ صرف آنسو بہہ جائیں تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا لہٰذا دوبارہ وضو کی ضرورت نہیں۔

لمافی الهندية (۱/۱۱): والغرب فی العین بمنزلة الجرح فما یسیل منه ینقض الوضوء كذا فی فتاوی قاضیخان، ولو كان فی عینیه رمد أو عمش یسیل منهما الدموع قالوا یؤمر بالوضوء لوقت كل صلاة لاحتمال أن یكون صديداً او قیحاً۔

وفی رد المحتار (۱/۱۴۸): وعن محمد رحمه الله اذا كان فی عینیه رمد و تسیل الدموع منها أمره بالوضوء لوقت كل صلاة لانی اخاف أن یكون مایسیل منها صدیداً فیكون صاحب العذر۔

(۵۶) سوزشی آنکھوں سے مسلسل پانی بہہ رہا ہو تو وضو و نماز کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی آدمی کی آنکھ میں سوزش ہو رہی ہو، اور اس کی وجہ سے آنکھ سے پانی نکل رہا ہو، کیا از روئے شرع وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ اگر ٹوٹ جاتا ہے تو نماز پڑھنے کا کیا طریقہ ہوگا، جبکہ پانی مسلسل بہہ رہا ہو؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں ذکر کردہ مرض میں مبتلا آدمی کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اگر ایک وقت نماز کے بقدر بھی پانی بہنے کا سلسلہ منقطع نہ ہوتا ہو تو اس کو شرعاً معذور شمار کیا جاتا ہے جس کے لئے نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کیلئے علیحدہ وضو کرے، اس سے وہ فرض اور نوافل اسی وقت کے اندر اندر جتنا ہو سکے پڑھتا رہے پھر دوسرے وقت کے فرض کے لئے دوسرا وضو کرے۔

لمافی الهندية(۱/۱۱): والغرب فی العین بمنزلة الجرح فما یسیل منه ینقض الوضوء... ولو كان فی عینه رمد او عمش یسیل منهما الدموع قالوا یؤمر بالوضوء لوقت كل صلاة لاحتمال ان یكون صدیدا او قیحا۔ كذا فی التبیین۔

Marfat.com

وفی الدر المختار (۱/۱۴۷۔۱۴۸): فدمع من بعینه رمد او عمش ناقض فان استمرصار ذا عذر "مجتبی" والناس عنه غافلون۔

وفی الدر المختار (۱/۳۰۵): (صاحب عذر من به سلس) بول لایمکنه امساکه... او بعینه رمد او عمش او غرب وکذا کل مایخرج بوجع ... (ان استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة) الی ان قال... (وحکمه، الوضؤ)... (لکل فرض) ثم یصلی فیه فرضا ونفلا فاذاخرج الوقت بطل) الخ۔

(۵۷) شرمگاہ سے رطوبت خارج ہونے سے وضو وغسل کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو بیٹھے بیٹھے کسی لڑکی کا خیال آیا، یا اس نے کسی لڑکی کو دیکھا اور اسی وقت شرمگاہ سے رطوبت خارج ہوئی تو اس سے غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... مذکورہ بالا صورت میں اگر رطوبت شرمگاہ سے خارج ہوئی تو یہ چار حالتوں سے خالی نہیں ہوگی پیشاب ہوگا یا مذی ہوگی یا ودی ہوگی یا منی ہوگی۔ پہلی تین صورتوں میں غسل واجب نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف وضو کرے گا اور اگر منی ہو تو اگر دفق یعنی کود کر شہوت کے ساتھ نکلی ہو تو غسل کرنا واجب ہے اور اگر دفق وشہوت کے ساتھ نہ ہو تو غسل واجب نہ ہوگا اور اگر منی کے اپنی جگہ سے جدا ہوتے وقت شہوت موجود تھی اگر چہ شرمگاہ سے نکلتے وقت شہوت نہ ہو پھر بھی غسل کرنا واجب ہے۔ منی...... وہ گاڑھا پانی ہے جو شدت شہوت کے وقت کود کر نکلتا ہے اور اس میں چکناہٹ ہوتی ہے اور اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے نکلنے کے بعد ذکر منتشر نہیں رہتا ہے اور شہوت ختم ہو جاتی ہے۔ مذی...... وہ سفید گاڑھا پانی ہے جو شہوت کے وقت نکلتا ہے اور عام طور پر اپنی بیوی کے ساتھ ملاعبت کے وقت نکلتا ہے۔ ودی...... وہ گاڑھا پانی ہے جو دودھ کی طرح سفید ہوتا ہے اور پیشاب کے بعد نکلتا ہے جو ایک طرح سے گاڑھا پیشاب ہوتا ہے۔

لمافی الشامیة (۱/۱۶۰): (قوله بشهوة) متعلق بقوله منفصل احترز به عما لو انفصل بضرب اوحمل ثقیل علی ظهره فلا غسل عندنا... (قوله وشرطه ابویوسف) ای شرط الدفق واثره الخلاف یظهر فیما لو احتلم او نظر بشهوة فامسک ذکره حتی سکنت شهوته ثم ارسله فانزل وجب عندهما لاعنده... (قوله وبقول ابی یوسف تاخذ) ای فی الضیف وغیره... (قوله قلت الخ) ظاهره المیل الی اختیار مافی النوازل ولکن اکثر الکتب علی خلافه حتی البحر والنهر ولاسیما قد ذکروا ان قوله قیاس وقولهما استحسان وانه الاحوط۔ فینبغی الافتاء بقوله فی مواضع الضرورة. فقط تأمل...

Marfat.com

وفى الدر المختار(١/١٦٥): (لا)عند (مذى اوودى) بل الوضوء منه ومن البول جميعاً على الظاهر وفى رد المحتارتحته:(قوله لاعند مذى) اى لايفرض الغسل عند خروج مذى... ماء رقيق ابيض يخرج عند الشهوة لابها وهو فى النساء اغلب ... (قوله او ودى)... ماء ثخين ابيض كدر يخرج عقب البول نهر (قوله بل الوضوء منه الخ) اى بل يجب الوضوء منه اى من الودى ومن البول جميعاً۔ وهذا جواب عما يقال ان الوجوب بالبول السابق... وبيان الجواب ان وجوبه بالبول لاينافى الوجوب بالودى بعده ...الخ۔

(۵۸)خون دینے سے وضو کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص مریض کوخون دے تو کیا خون دینے سے وضو ٹوٹ جائے گا؟ جبکہ خون نکالتے وقت سوائے سرنج کے اِدھر اُدھر نہ پھیلے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......خون دینے سے وضوٹوٹ جاتا ہے اگر چہ خون بدن پر بالکل نہ پھیلے۔

لمافى الهندية (١/١١):القراد إذا مص عضو إنسان فامتلأ دما إن كان صغيرا لا ينقض وضوءه كما لو مصت الذباب أو البعوض، وإن كان كبيرا ينقض وكذا العلقة إذا مصت عضو إنسان حتى امتلأت من دمه انتقض وضوءه۔

وفى الدر المختار(١/١٣٤): (وينقضه خروج)كل خارج (نجس)------(إلى مايطهر۔

وفى الشامية تحته: والمراد بالتطهير مايعم الغسل والمسح فى الغسل أو فى الوضوء كما ذكره ابن الكمال... زاد فى ''شرح المنية الكبير'' بعد قوله ''فى الغسل أو فى الوضوء قوله أو فى إزالة النجاسة الحقيقية لئلا يرد مالو افتصد وخرج منه دم كثير ولم يتلطخ رأس الجرح فانه ناقض مع أنه لم يسل إلى ما يلحقه حكم التطهير لأنه سال إلى المكان دون البدن......

أقول: يردعليه مالو سال إلى نهر ونحوه مما لا يصلى عليه ومالومص العلق أو القراد الكبير وامتلأ دما فانه ناقض----- فالأحسن مافى النهر عن بعض المتأخرين من أن المراد السيلان ولوبالقوة، أى فإن دم الفصد ونحوه سائل إلى مايلحقه حكم التطهير حكما۔تأمل۔ والله اعلم بالصواب۔

Marfat.com

(۵۹) ناخن کاٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی کے ناخن بڑے ہو جائیں وہ وضو کی حالت میں کاٹ لے تو کیا ناخن کاٹنے سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ناخنوں کے کاٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا البتہ انگلیوں کے پوروں پر پانی بہا دینا بہتر ہے۔

لمافی الهندية (۴/۱) وان امر الماء على شعر الذقن ثم حلقه لايجب عليه غسل الذقن وكذالو حلق الحاجب والشارب اومسح رأسه ثم حلق او قلم اظافيره لاتلزمه الاعادة كذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

وفی الدر المختار (۱/۱۰۱): (ولا يعاد الوضوء)... (بحلق رأسه ولحيته كما لا يعاد) الغسل للمحل ولا الوضوء (بحلق شاربه وحاجبه وقلم ظفره) وكشط جلده۔

(۶۰) ناخن یا بال کاٹنے سے وضو کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ناخن یا بال کاٹنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کیا واقعی یہ بات درست ہے؟ یا ناخن اور بال کاٹنے سے وضو برقرار رہتا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......ناخن یا بال کاٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ برقرار رہتا ہے۔

وفی البزازية على هامش الهندية (۴/۱۳): حلق لحيته أو رأسه أوشاربه، أوقلم أظافره بعد الوضوء لا يعيد ولا يجب امرار الماء أيضاً۔

وفی الدرالمختار (۱/۱۰۱): (ولا يعاد الوضوء) بل ولا بل المحل (بحلق رأسه ولحيته كمالا يعاد) الغسل للمحل ولا الوضوء (بحلق شاربه وحاجبه وقلم ظفره)

(۶۱) اگر ستر کھل جائے یا ناخن کاٹ لے تو دوبارہ وضو کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی باوضو شخص کسی ضرورت سے کپڑے اتار دے اور بالکل برہنہ ہو جائے یا پھر ناخن یا بال کٹوا دے تو ان صورتوں میں وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... باوضو ہونے کی حالت میں کپڑے اتار دینے یا ناخن یا بال کٹوانے سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ اسی وضو سے نماز وغیرہ کی ادائیگی صحیح ہے۔

Marfat.com

لمافی الدرالمختار (۱/۱۰۱):(ولا یعاد الوضوء)بل ولا بل المحل(بحلق رأسه ولحیته کمالا یعاد) الغسل للمحل ولا الوضوء (بحلق شاربه وحاجبه وقلم ظفره)۔

(۶۲) مچھر اگر زیادہ مقدار میں خون چوس لے تو وضو کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کبھی کبھار مچھر اس طرح کاٹتا ہے کہ سارا مچھر خون سے بھر جاتا ہے،اور ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ اگر اس پر ہاتھ لگ جائے تو وہیں مر جاتا ہے اور اس کا سارا خون جسم پر لگ جاتا ہے،اب بعض دفعہ یہ خون کافی زیادہ ہوتا ہے تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اس طرح مچھر کے کاٹنے سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا،اسی طرح وہ مقدار جو مچھر کے مرنے سے جسم یا کپڑوں پر لگتی ہے،وہ معاف ہے۔

لمافی الحلبی (ص۱۳۶):(واما الذباب أو البعوض) أو البراغیث ونحوها(فانه اذا مص وامتلأ) دما (لا ینقض) لانه غیر سائل۔

وفی الدرالمختار (۱/۱۳۹):(والا)... (لا) ینقض(کبعوض وذباب) کما فی الخانیة لعدم الدم المسفوح۔

(۶۳) کھانے پینے سے وضو ٹوٹنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ظہر اور عصر کی سنتوں کے بعد کچھ کھانے پینے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں،اس وضو سے فرائض پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... کچھ کھانے پینے سے وضو نہیں ٹوٹتا،وضو اس وقت ٹوٹتا ہے جب نواقض وضو میں سے کوئی سبب پایا جائے جیسا کہ سبیلین سے کسی چیز کا خارج ہونا یا خون کا نکل کر بہہ جانا وغیرہ وغیرہ۔لہٰذا صورت مسئولہ میں ظہر اور عصر کی سنتوں کے بعد یا اسی طرح کسی نماز کے بعد یا پہلے کچھ کھانے پینے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔اور ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتے ہیں اگرچہ درمیان میں کچھ کھا پی لیں۔البتہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ اگر کچھ کھا پی لے تو نماز شروع کرنے سے پہلے کلی کر لی جائے۔

لمافی المشکوۃ(۱/۴۱): عن ابی رافع قال اشهد لقد کنت أشوی لرسول الله ﷺ بطن الشاة ثم صلی ولم یتوضأ، رواه مسلم۔

وفی عمدة القاری(۳/۱۰۶): قوله فمضمض)) ای قبل الدخول فی الصلاة۔

بیان استنباط الاحکام: الاول ان فیه استحباب المضمضة بعد الطعام... وقال بعضهم

Marfat.com

استدل به البخاری علی جواز صلاتین فاکثر بوضوء واحد... الثانی فیه دلالة علی عدم وجوب الوضوء مما مسته النار۔

وفی الدر المختار(۱/۱۳۴): (وینقضه خروج) کل خارج (نجس)... (منه) أی من المتوضئ الحی معتاداً أولا من السبیلین أولا (إلی ما یطهر)... أی یلحقه حکم التطهیر(ص۱۳۵۔۱۳۶) (وریح او دودة او حصاة من دبر لا)... (ریح من قبل) غیر مفضاة اما هی فیندب لها الوضوء وقیل یجب (و) (ص۱۳۷۔۱۳۸) ینقضه (قئی ملأ فاه) بان یضبط بتکلف (من مرة)... (او علق)... (او طعام او ماءٍ) اذا وصل الی معدته وان لم یستقر وهو نجس مغلّظ۔

(۶۴) معصیت اور گناہ سے وضو یا تیمم ٹوٹنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں گستاخی کرنا بہت بڑا جرم ہے، اگر کوئی شخص شان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں گستاخی کرے تو کیا اس سے وضو یا تیمم ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں گستاخی کرنا واقعی بہت بڑا جرم ہے، لیکن اس سے وضو یا تیمم نہیں ٹوٹتا۔

لما فی رد المحتار(۱/۲۵۶): (قوله لا تنقضه ردة) ای فیصلی به اذا أسلم. لان الحاصل بالتیمم صفة الطهارة والکفر لا ینافیها کالوضوء والردة تبطل ثواب العمل لا زوال الحدث شرح النقایة۔

(۶۵) تیمم کے بعد ارتداد سے تیمم کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے ایک کتاب میں یہ مسئلہ پڑھا ہے کہ ایک شخص اگر تیمم کر کے مرتد ہو جائے اور پھر اسلام لے آئے تو امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تیمم باطل ہو جائے گا لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے نزدیک باطل نہ ہوگا۔ مفتی صاحب ایسا کیوں ہے؟ اس اختلاف کی عقلی وجہ بیان فرمادیں، نیز فتویٰ کس قول پر ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں امام زفرؒ کے نزدیک تیمم کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کفر تیمم کے منافی ہے جیسا کہ کوئی شخص تیمم کر کے مسلمان ہو جائے تو اس کا تیمم باطل ہوتا ہے ایسے ہی اگر کوئی مسلمان شخص مرتد ہو جائے تو اس کا بھی تیمم باطل ہو جائے گا جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کے (نعوذ باللہ) مرتد ہو جانے سے عبادات مقصودہ باطل ہوتی ہیں وضو اور تیمم عبادات مقصودہ میں داخل نہیں ہیں بلکہ طہارت اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ اور آلہ ہیں۔ مرتد ہونے سے صفت طہوریت میں کوئی فرق نہیں پڑتا ایسا شخص اگر مسلمان ہو جائے تو اس تیمم سے نماز وغیرہ پڑھ سکتا ہے اور فتویٰ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور

Marfat.com

صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

لما فی الهندية. كتاب الطهارة (۳۰/۱) مكتبه حقانيه: واعتراض الردة على التيمم لا يبطل التيمم حتى لو اسلم وصلى بذلك التيمم يجوز عندنا۔

وفى الشامية. باب التيمم (۲۵۶/۱) قوله (لا تنقضه ردة) أي فيصلي به إذا أسلم لأن الحاصل بالتيمم صفة الطهارة والكفر لا ينافيها كالوضوء والردة تبطل ثواب العمل لا زوال الحدث۔

(۶۶) غیر تحریف شدہ آسمانی کتابوں کو بے وضو چھونے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قرآن مجید کے سوا اور آسمانی کتابیں مثلاً تورات، انجیل اور زبور کو بے وضو چھونا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....قرآن مجید کے سوا بقیہ آسمانی کتابیں مثلاً تورات، انجیل اور زبور کو محرف ہو جانے کی وجہ سے بغیر وضو چھونا جائز ہے البتہ اگر کسی زمانے میں یہ کتابیں غیر محرف حالت میں ہوں تو ان کو بے وضو چھونا مکروہ ہوگا۔

وفى حاشية الطحطاوى على الدر (۱۵۱/۱): يكره مس كتب التفسير والفقه والسنن لانها لاتخلوعن آيات القرآن وهذا التعليل يفيد كراهة... مثل القرآن مالم يبدل من التوراة والانجيل والزبور نهر۔

وفى الهندية(۳۸/۱): ويكره للحائض والجنب قراءة التوراة والانجيل والزبور۔

(۶۷) بغیر طہارت اخبارات میں لکھی آیات کو ہاتھ لگانے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اخبارات میں بعض دفعہ آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ لکھی ہوتی ہیں، کیا اخبارات میں ان کا شائع کرنا صحیح ہے؟ جبکہ اس میں بے حرمتی کا شائبہ ہے نیز ایسے اخبار کو بغیر وضو چھونا جائز ہوگا یا نہیں، جس میں آیات لکھی ہوئی ہوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....اس بات میں کوئی شک نہیں کہ الیکٹرانک میڈیا اور پریس کے عام رواج کی بناء پر قرآنی آیات وغیرہ کا احترام باقی نہیں رہا، اور آیات واحادیث لکھے ہوئے اوراق ردی اور کوڑے میں پھینک دیے جاتے ہیں، ایسی صورت میں اخبارات واشتہارات میں آیات واحادیث لکھنا جائز نہیں کیونکہ یہ آیات واحادیث کی بے حرمتی ہے اور اگر یہ مفاسد نہ ہوں با یں طور کہ تعظیم کو ملحوظ رکھا جائے تو پھر جائز ہوگا۔ نیز جہاں اخبارات وغیرہ میں آیات قرآنیہ لکھی ہوئی ہوں بغیر وضو صرف اس جگہ پر ہاتھ لگانا منع ہے اس کے علاوہ اخبار کے باقی حصہ میں ہاتھ لگا سکتے ہیں۔

Marfat.com

لمافی الهندیة (۳۲۲/۵):ویکره ان یجعل شیئاً فی کاغذة فیها اسم الله تعالی کانت الکتابة علی ظاهرها او باطنها بخلاف الکیس علیه اسم الله تعالی فانه لایکره...

وفی الدرالمختار (۱۷۶/۱):(والتفسیر کمصحف لا الکتب الشرعیة) فانه رخص مسها بالید لاالتفسیر کما فی الدرر عن مجمع الفتاوی۔

وفی الشامیة (والتفسیر کمصحف)ظاهره حرمة المس کما هو مقتضی التشبیه وفیه نظر اذ لا نص فیه بخلاف المصحف فالمناسب التعبیر بالکراهة...والحاصل انه لا فرق بین التفسیروغیره من الکتب الشرعیة علی القول بالکراهة وعدمه ولهذا قال فی النهر ولایخفی ان مقتضی ما فی الخلاصة عدم الکراهة مطلقا لان من أثبتها حتی فی التفسیر نظر الی ما فیها من الایات ومن نفاها نظر الی ان الاکثر لیس کذلك وهذا یعم التفسیر ایضا الا ان یقال ان القران فیه اکثر من غیره ای فیکره مسه دون غیره من الکتب الشرعیة ۔۔اقول: الاظهر والاحوط القول الثالث ای کراهته فی التفسیر دون غیره لظهور الفرق فان القران فی التفسیر اکثر منه فی غیره وذکره فیه مقصوداستقلالا لاتبعا فشبهه بالمصحف اقرب من شبهه ببقیة الکتب۔

(۶۸) اخبار کے قرآنی آیت والے صفحے کو بے وضو چھونے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اخبار کے جس صفحہ پر قرآنی آیت لکھی ہو، اس کو بے وضو چھونا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اخبار کا وہ صفحہ جس پر قرآنی آیات لکھی ہوں اس کو چھونا جائز ہے۔البتہ قرآنی آیت کو بلاوضوچھونا جائز نہیں۔

لمافی الشامیة (۱۷۶/۱۔۱۷۷): (قوله لا الکتب الشرعیة) قال فی الخلاصة ویکره مس المحدث المصحف کما یکره للجنب وکذا کتب الأحادیث والفقه عندهما والأصح أنه لا یکره عنده اهـ قال فی شرح المنیة: وجه قوله أنه لایسمی ماسا للقرآن لأن مافیها منه بمنزلة التابع۔ ومشی فی الفتح علی الکراهة فقال: قالوا یکره مس کتب التفسیر والفقه والسنن لأنها لا تخلو عن ایات القرآن وهذا التعلیل یمنع من شروح النحو۔اهـ الی ان قال اقول: الأظهر والأحوط القول الثالث أی کراهته فی التفسیر دون غیره لظهور الفرق الخ۔ هکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح (ص۶۶) وفی مجمع الانهر (۴۰/۱) وفی حلبی کبیر (ص۵۹)۔

Marfat.com

(۶۹) ائمہ اربعہ کے نزدیک قرآن کریم کو بغیر وضو چھونے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا بغیر وضو قرآن کریم کو ہاتھ لگانا ائمہ میں سے کسی کے نزدیک جائز ہے۔ اگر ہے تو کیا وجوہات ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔ البتہ داؤد ظاہری کے ہاں بغیر وضو کے ہاتھ لگانا درست ہے۔

لمافی الهندية (۳۸/۱): لا يجوز لهما وللجنب والمحدث مس المصحف۔

وفی الفقه الحنفی وادلته (۱۰۶/۱): لايجوز لمحدث مس المصحف۔

وفی الفقه الاسلامی (۴۵۰/۱): واتفق الفقهاء على أن غير المتوضی يجوز له تلاوة القرآن او النظر اليه دون لمسه ......وفی (ص۴۵۳) والخلاصة انه وقع الاجماع ماعدا داؤد أنه لايجوز للمحدث حدثا اكبر أن يمس المصحف وأما المحدث حدثا اصغر فلم تدل الأدلة قطعا على منعه من مس القرآن لكن اكثر الفقهاء على انه لا يجوز له۔

(۷۰) تین انگلیوں سے سر کا مسح کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تین انگلیاں سر پر رکھنے سے سر کا مسح ہو جاتا ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ نیز اگر تین انگلیوں کے بجائے صرف انگلیوں کے تین پورے رکھے جائیں تو بھی مسح ہو جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......مسئولہ صورتوں کی پہلی صورت میں اگر تین انگلیوں سے چوتھائی سر کا مسح کر لیا تو مسح ہو جائے گا اور تین انگلیوں سے کم سے مسح نہیں ہوگا۔

(۲) انگلیوں کے پوروں سے پانی ٹپک رہا ہو اور پورے سر کے چوتھائی کے بقدر مسح کیا جائے تو مسح ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

لمافی الهندية (۵/۱): المفروض فی مسح الرأس مقدار الناصية كذا فی الهداية والمختار فی مقدار الناصية ربع الرأس كذا فی الاختيار شرح المختار الواجب أن يستعمل فيه ثلاث أصابع اليد على الأصح كذافی الكفاية۔

وفی الدر المختار (۹۹/۱): ولو مداصبعًا أواصبعين لم يجز الا ان يكون مع الكف أو بالابهام والسبابة۔

وفی الشامية (۱۰۰/۱): (قوله الا ان يكون مع الكف الخ) لانهما مع الكف او مع مابين الابهام

Marfat.com

والسبابة يصيران مقدار ثلاث أصابع او اكثر فاذامدهما وبلغ قدر الربع جاز۔

وفی الهندية (۵/۱): اذا مسح رأسه بروس اصابعه فان كان الماء متقاطرا يجوز وان لم يكن متقاطرًا لا يجوزكذا فی الذخيرة۔

وفی رد المحتار (۹۹/۱): لو مسح بأطراف أصابعه والماء متقاطر جاز والا فلا لأنه اذاكان متقاطرا فالماء ينزل من أصابعه الى اطرافها فاذا مده صار كأنه أخذ ماءً جديداً۔

(۷۱) سر کے مسح کی ایک صورت

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں ایک صاحب ہیں جنہوں نے بڑے بڑے بال رکھے ہوئے ہیں، آجکل سردی کا زمانہ ہے جسمیں وہ گرم ٹوپی پہنتے ہیں جو پیچھے سے کانوں سے ذرا نیچے تک یا کانوں تک ہوتی ہے، اب اگروہ ٹوپی اتارے بغیر صرف پیچھے کے بالوں پر وضو میں مسح کرلیں تو جائز ہوگا یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگرمسح سر پر ہو تو جائز ہے،اوراگر مسح سر پر نہ ہو بلکہ صرف سر سے نیچے کی طرف لٹکے ہوئے بالوں پر ہوتو ناجائز ہے۔

لمافی الدر المختار (۹۹/۱): (ومسح ربع الرأس مرةً) فوق الاذنين ولو باصابة مطر۔

وفی الشامية (فوق الاذنين) فلو مسح علی طرف ذؤابة شدت علی راسه لم يجز۔

(۷۲) مسح کیلئے نیا پانی لینے کا حکم

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سر پر صرف مسح کیا جاتا ہے تو کیا اس مسح کیلئے نیا پانی لینا ضروری ہے؟ اگرکوئی شخص نیا پانی نہ لے اور بازو یا داڑھی پر ہاتھ پھیر کر مسح کرلے تو مسح ہوجائے گا یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سر پر مسح کیلئے نیا پانی لیناضروری نہیں ہے بلکہ ہتھیلیوں کی تری سے ہی مسح کرسکتے ہیں۔رہا یہ معاملہ کہ بازو یا داڑھی کی تری سے مسح کرنا جائز ہے یانہیں تواس سے پہلے یہ سمجھئے کہ فقہاء کے ہاں پانی مستعمل کب بنتا ہے (یعنی جو پانی ایک مرتبہ استعمال ہوگیا ہواوراسے دوبارہ استعمال کرنا درست نہ ہو) اکثر فقہاء کے ہاں پانی مستعمل اس وقت بنتا ہے جب استعمال کے بعد پانی بدن سے جدا ہوجائے اور بعض فقہاء کے نزدیک جب بدن سے جدا ہوکرکسی جگہ یا برتن میں جمع ہوجائے اس وقت مستعمل بنے گا۔

اب اس کے بعد سمجھئے کہ جن فقہاء کے ہاں پانی بدن سے جدا ہوتے ہی مستعمل ہوجاتا ہے ان کے ہاں داڑھی یا دوسرے اعضاء کی تری پر ہاتھ پھیر کر مسح کرنا درست نہیں ہوگا البتہ اگرایک ہی عضو میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پانی لے جائیں (مثلاً سر کے مسح

Marfat.com

میں ہتھیلیوں پر جوتری ہوتی ہے اس کو سر کے آگے والے حصہ سے پیچھے اور پیچھے سے آگے لیکر آنا) درست ہوگا، اور جن فقہاء کرام کے ہاں پانی مستعمل بننے کیلئے کسی جگہ یا برتن میں جمع ہونا ضروری ہے ان کے نزدیک داڑھی کی تری سے سر کا مسح کرنا درست ہوگا۔ احتیاط اکثر حضرات کے قول میں ہے، اور آسانی دوسرے قول میں ہے۔

لما فی الهندية (۲۲/۱): الماء الذی أزيل به حدث او استعمل علی وجه القربة فالصحيح أنه كما زايل العضو صار مستعملا هكذا فی الهداية۔

وفی ردالمحتار (۹۹/۱): (قوله او بلل باق الخ) هذا اذا لم یاخذه من عضو آخر مقدسی. فلو اخذه من عضو آخر لم یجز مطلقا بحر ای سواء كان ذلك العضو مغسولًا او ممسوحاً۔

وفيه ايضاً (۲۰۰/۱): (قوله وقيل اذا استقر) ای بشرط ان يستقر فی مكان من ارض او كف او ثوب ويسكن عن التحرك وحذفه لانه اراد بالاستقرار التام منه وهذا قول طائفة من مشايخ بلخ واختاره فخر الاسلام وغيره وفی الخلاصة وغيرها انه المختار الا ان العامة على الاول وهو الاصح واثر الخلاف يظهر فيما لو انفصل فسقط على انسان فأجراه عليه صح على الثانی لا الاول نهر۔ قلت وقد مرّ أن اعضاء الغسل كعضو واحد فلو انفصل منه فسقط على عضو آخر من اعضاء المغتسل فأجراه عليه صح على القولين۔ (قوله ورجح للحرج) لانه لو قيل باستعماله بالانفصال فقط لتنجس ثوب المتوضئی على القول بنجاسة الماء المستعمل وفيه حرج عظيم كما فی غاية البيان۔

Marfat.com

رسالة

حفر البئر فی وصل الشعر

مصنوعی بال بذریعہ آپریشن لگوانے یا وگ وغیرہ کا استعمال اور مذکورہ صورتوں میں وضو اور غسل کا حکم

(۷۳) مصنوعی بالوں پر مسح اور غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کافی عرصہ پہلے میرے سر کے بال گر گئے تھے لوگ مجھے گنجا کہتے تھے جس کی وجہ سے مجھے پریشانی ہوتی، تو مجبوراً میں نے مصنوعی بال لگوالئے ہیں جو کافی خوبصورت لگتے ہیں اب ان بالوں کا وضو اور غسل میں کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر مصنوعی بال وگ کی شکل میں لگائے گئے ہوں، تو وضو میں اس پر مسح کرنا اور غسل میں اس کا دھونا جائز نہیں ہوگا بلکہ اس وگ کو اتارنا ضروری ہوگا اور اگر مصنوعی بال آپریشن کے ذریعے لگائے گئے ہوں تو ایسا کرنا اگرچہ ناجائز اور گناہ ہے۔ ایسا کرنے والا توبہ واستغفار کرے۔ البتہ اگر کسی نے لگوالئے تو جسم کا جزء بننے کی وجہ سے اس پر مسح کرنا اور غسل میں دھونا کافی ہوگا۔

لما فی الخانیۃ (۳۷۱/۴): ووصل الشعر بشعر الآدمی حرام سواءٌ کان شعرها أو شعر غیرها، ولا بأس للمرأة أن یجعل فی قرونها وذوائبها شیئا من الوبر ویکره ان تصل شعرها غیرها۔ ولا بأس للتاجر حلق شعر جبهة الغلام لانه یزید فی الثمن فان کان العبد للخدمة ولا یرید به التجارة لایستحب ان یفعل ذلك۔

وفی فتح القدیر مع شرح العنایة (۱/۱۵۷۔۱۵۸): (ویجوز المسح علی الجبائر الخ) قال قاضیخان: هذا إذا کان یضره المسح علی الجراحة، وأما إذا لم یضره فلا یمسح علی الجبائر، والجبائر جمع جبیرة وهی العیدان التی تجبر بها العظام، وإنما قال (وإن شدها علی غیر وضوء) لأنها إنما تربط حالة الضرورة، واشتراط الطهارة فی تلك الحالة یفضی إلی الحرج فلا یعتبر۔

وفی مبسوط السرخسی (۱/٦): قال لأن البشرة التی نبت علیها الشعر لایجب ایصال الماء الیها فما هو أبعد أولیٰ لکن الصحیح من المذهب أنه یجب امرار الماء علی ذلك الموضع لأن الموضع

Marfat.com

الذی نبت علیه الشعر قد استتر بالشعر فانتقل الفرض منه الی ظاهر الشعر الخ...... وأیضاً (ص۴۵) فالحاصل أن امرار الماء علی جمیع البدن فرض لقوله ﷺ تحت کل شعرة جنابة الافبلوا الشعر وأنقوا البشرة......وأیضاً(ص۶۴) لان المسح علی الشعر بمنزلة المسح علی البشرة التی تحته الخ... وأیضاً (ص۶۵،۶۶) قال (ثم المسح علی الشعر مثل المسح علی البشرة التی تحته) لا أنه بدل عنه بدلیل أن الاصبع اذا مسح علی الشعر جاز ولا یجوز المصیر الی البدل مع القدرة علی الأصل فکان جز الشعر بعد المسح کتقشیر الجلد عن العضو المغسول بعد الغسل فکما لا یلزمه امرار الماء ثمة فکذلك هنا... وأیضاً(ص۶۷) فأما اذا سقط عن غیر برء فالمسح علی الجبائر کالغسل لما تحته مادامت العلة باقیة ولهذا لا یتوقف بخلاف المسح بالخف۔

(۶۷) مذکورہ فتوے پر ایک استدراک اور اس کا جواب

سوال......مفتی صاحب! مجھے نجم الفتاویٰ جلد ثانی میں طبع ایک فتویٰ سے متعلق استفسار کرنا ہے۔ مسئلہ مسح سے متعلق ہے۔ وہ یہ کہ مصنوعی بالوں کا لگوانا جائز ہے یا ناجائز؟ بظاہر فقہ کے حوالہ جات سے تو جانوروں کے بال لگوانا جائز معلوم ہوتا ہے لیکن نجم الفتاویٰ میں اسے ناجائز اور گناہ قرار دیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ سے درج ذیل باتوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱)۔ کیا ہر قسم کے بال لگوانا مطلقاً ناجائز ہے؟

(۲)۔ جانوروں کے بال سوائے خنزیر کے لگوانا بظاہر جائز ہیں پھر ناجائز کیوں لکھا گیا؟

(۳)۔ نیز نجم الفتاویٰ میں ذکر کردہ مسئلے کے مطابق اگر خنزیر کے بال لگوا لیے جائیں تو اگرچہ یہ ناجائز ہے لیکن مسح ان پر ہو جائے گا کیا یہ جائز ہے؟ کیونکہ وہ تو نجس العین ہیں ان کی طہارت چہ معنی دارد؟

لہٰذا آپ سے درج بالا ابہامات سے متعلق استفسار مقصود ہے امید ہے تشفی بخش جوابات عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کے سوالوں کے جوابات سے قبل چند باتیں بطورِ اصول ذہن نشین رکھنا ضروری ہیں۔

(۱)۔ بالوں کو بذریعہ آپریشن لگوانے اور چھوٹے بالوں میں دوسرے بالوں کو جڑوانے دونوں میں فرق ہے۔ اس فرق کا لحاظ نہ رکھنے کے باعث سائل کو تردد ہوا ہے۔ دونوں صورتوں میں مصنوعی بال پیوست کرائے جا رہے ہیں لیکن پہلی صورت میں بذریعہ آپریشن کھال کے اندر جڑ سے ان بالوں کو لگایا جا رہا ہے اور دوسری صورت میں پہلے سے قدرتی بال موجود ہیں لیکن چھوٹے ہیں اس میں مصنوعی بال پیوست یعنی جڑوائے جا رہے ہیں لہٰذا دونوں کے احکامات میں بھی فرق ہے۔

Marfat.com

(۲)۔ دونوں صورتوں کے احکامات میں درج ذیل فرق ہے۔ آپریشن کے ذریعے کسی بھی عضو کا الحاق اگر ضرورتا ہو تو اس کا جواز ہوتا ہے لیکن بطورِ زینت جسم کے اندر ایسا کوئی تصرف تغییر لخلق اللہ ہے جس کا کوئی جواز نہیں۔ بذریعہ آپریشن بال لگوانا بھی چونکہ زینت ہے لہٰذا کسی بھی قسم کے بال چاہے وہ آدمی کے ہوں یا خنزیر کے یا کسی حلال جانور کے ان کا بذریعہ آپریشن کھال کے اندر لگوانا ناجائز اور حرام ہوگا البتہ اگر کسی نے لگوا لئے ہیں تو اولاً اگر خنزیر اور انسان کے بال کے علاوہ کوئی بال لگوائے ہیں تو چونکہ وہ پاک ہیں لہٰذا ان پر مسح کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ ثانیاً خنزیر اور انسان کے بالوں میں سے خنزیر کے بال تو نجس العین اور انسان کے بال جزءِ آدمی ہونے کی بناء پر ان سے انتفاع حرام ہے لیکن اگر بذریعہ آپریشن ان دونوں میں سے کسی قسم کے بال لگوا لئے ہیں تو اب یہ بال استرے یا مشین وغیرہ کے ذریعے حتی المقدور کٹوانا ضروری ہیں باقی جو اجزاء سر پر بچ جائیں چونکہ وہ الحاق کی وجہ سے اس انسان کا جزء بن گئے ہیں لہٰذا ضرورتاً ان پر مسح کرنے سے مسح ہو جائے گا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی انسان اپنے جسم پر ناپاک چیز گودوالے (ٹیٹو بنوالے) تو چونکہ اس کا ہٹانا متعذر رہوتا ہے لہٰذا اس کو دھونا وضو اور غسل کے صحیح ہونے کیلئے کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ شامیہ میں ہے:

مطلب فی حکم الوشم: تنبيه مهم يستفاد مما مر حكم الوشم فی نحو اليد وهو أنه كالاختضاب أو الصبغ بالمتنجس لأنه إذا غرزت اليد أو الشفة مثلا بإبرة ثم حشی محلها بكحل أو نيلة ليخضر تنجس الكحل بالدم فإذا جمد الدم والتأم الجرح بقی محله أخضر فإذا غسل طهر لأنه أثر يشق زواله لأنه لا يزول إلا بسلخ الجلد أو جرحه فإذا كان لا يكلف بإزالة الأثر الذی يزول بماء حار أو صابون فعدم التكليف هنا أولی. (شامية ۲۳۰/۱ مطلب فی حكم الوشم)

شامیہ کی اس عبارت میں واضح طور پر سرمہ سے ہاتھ وغیرہ پر کچھ گودوانے کے بعد سرمہ کے خون وغیرہ سے مل کر نجس ہونے کے باوجود اس پر غسل وغیرہ کو جائز قرار دیا گیا ہے اور وجہ "لانہ اثر یشق زوالہ" کہ یہ ایک ایسا اثر ہے جس کو زائل کرنا مشکل ہے کیونکہ کھال کو اکھاڑنے یا چیرنے کے علاوہ یہ اثر ختم نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اس نجس چیز پر بھی ضرورتاً جزء بن جانے کی بناء پر غسل اور وضو وغیرہ جائز ہوں گے۔ اسی طرح جو بال بذریعہ آپریشن لگوائے جائیں ان کا جڑ سے اکھاڑنا مشکل ہے لہٰذا اگر وہ انسان یا خنزیر کے بھی ہوں تو نجس ہونے کے باوجود ان پر مسح جائز ہوگا۔ یہاں یہ بات ایک بار پھر یاد رہے کہ بذریعہ آپریشن بال لگوانا (چاہے کسی بھی جانور یا انسان کے بال ہوں) ناجائز اور حرام ہے اسی طرح ہاتھ وغیرہ پر ٹیٹو گودوانا بھی حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص لاعلمی میں ایسا کر لے تو ضرورتاً اس کے مسح اور غسل (دھونے) کے جواز کا قول کیا گیا ہے۔ اس سے بذریعہ آپریشن بال لگوانے یا ٹیٹو گودوانے کو جائز نہ سمجھا جائے وہ حرام اور گناہ ہی ہے۔

یہاں تک تو ہم نے بذریعہ آپریشن بال لگوانے کا حکم ذکر کر دیا دوسری صورت (کہ پہلے سے قدرتی بال موجود ہوں ان کے ساتھ مصنوعی بال جڑوائے جائیں اس کے) اندر تفصیل ہے۔ کتب فقہ میں ذکر "وصل" (جوڑنا) کی تفصیلات اسی صورت سے متعلق ہیں۔ آپریشن کی صورت علی الاطلاق ممنوع ہے جیسا کہ ذکر کر دیا گیا۔ اس وصل (جوڑنے) کی صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر انسان اور خنزیر

Marfat.com

کے علاوہ کے بالوں کو جوڑا جائے تو یہ جائز ہے اگر چہ بطور زینت ہو عورت اسے اختیار کر سکتی ہے البتہ خنزیر کے بال نجس اور انسان کے بال جُزءِ آدمی کی حرمت کی بناء پر جڑوانا ممنوع ہیں گناہ کا کام ہے احادیث میں لعنت تک وارد ہوئی ہے۔لہٰذا اس سے پرہیز کیا جائے۔ البتہ اس صورت میں اگر خنزیر اور انسان کے علاوہ کے بال ہیں تو ان پر مسح یا غسل کے جواز میں کوئی اشکال ہی نہیں البتہ خنزیر اور انسان کے بالوں کا لگوانا جائز ہی نہ تھا لہٰذا انہیں کٹوا دیا جائے اور فقط اپنے قدرتی بالوں کو ہی چھوڑ دیا جائے اور اگر بالوں کے چھوٹے ہونے کی بناء پر وصل کرنا ہی ہو تو خنزیر اور انسان کے علاوہ کے بالوں کو استعمال کرے البتہ وصل کی صورت میں بھی ہر قسم کے بال جزءِ انسان بن جانے کی بناء پر اس پر مسح اور غسل درست ہوگا۔وصل (جوڑنے) سے متعلق ہندیہ میں ہے:

"ووصل الشعر بشعر الآدمی حرام سواء کان شعرها او شعر غیرها کذا فی الاختیار شرح المختار، ولا بأس للمرأة ان تجعل فی قرونها وذوائبها شیئا من الوبر، کذا فی فتاویٰ قاضی خان" (الهندیة ۲۵۸/۵)

لہٰذا درج بالا تفصیلات سے یہ امور ثابت ہوئے کہ اولاً آپریشن سے تو کسی قسم کے بال لگوانا جائز نہیں یہ تغییر خلق اللہ اور حرام ہے، ثانیاً اگر بذریعہ آپریشن لگوا لئے تو ان پر مسح اور غسل ہو جائے گا۔خنزیر یا انسان کے علاوہ کے بال تو پاک ہیں کوئی شبہ نہیں اور خنزیر یا انسان کے بالوں میں بھی جزءِ انسان بن جانے کی بناء پر ضرورتاً مسح اور غسل جائز ہوگا البتہ ان دونوں کو حتی المقدور مشین وغیرہ سے کٹوانا ضروری ہوگا۔ثالثاً یہ کہ پہلے سے موجود قدرتی بالوں کے ساتھ مصنوعی بالوں کا وصل (جوڑنا) جائز ہے لیکن خنزیر یا انسان کے بالوں کے علاوہ کو جوڑا جائے نیز ان دونوں کے بال جوڑنا جائز نہیں اگر جوڑ لئے تو کٹوا دیئے جائیں۔البتہ یہ بھی جزءِ انسان بن جائیں گے۔

یہاں ایک صورت وگ (مصنوعی بال کی ٹوپی) کی بھی ہے اس میں بھی وصل والی تفصیل ہے یعنی غیر خنزیر اور انسان کے بالوں کی وگ کا استعمال جائز ہے اور انسان یا خنزیر کے بالوں کی وگ کا استعمال جائز نہیں البتہ وضو یا غسل کیلئے بہر حال اسے اتارنا ضروری ہوگا ان کے اوپر وضو یا غسل درست نہ ہوگا۔یہ کسی صورت میں جزءِ انسان نہیں بنتی بلکہ بسہولت اسے اتارا جا سکتا ہے لہٰذا وگ پر وضوء یا غسل کسی بھی صورت میں درست نہ ہوگا ان تمام معروضات کی روشنی میں آپ کے سوالوں کے بالترتیب جوابات یہ ہیں:

(۱)۔بذریعہ آپریشن مطلقاً ہر قسم کے بال لگوانا ناجائز ہے البتہ وصل (جوڑنے) میں خنزیر اور انسان کے بالوں اور ان کے علاوہ کے بالوں میں فرق ہے جو تحریر کر دیا گیا۔

(۲)۔بذریعہ آپریشن چونکہ ہر قسم کے بال لگوانا ناجائز ہے اس لیے نجم الفتاویٰ میں مطلقاً ناجائز لکھا گیا۔نجم الفتاویٰ میں دوسری صورت یعنی وصل بال جوڑنے کا ذکر نہیں۔

(۳)۔جی ہاں! بذریعہ آپریشن ہر قسم کے بال لگوانا ناجائز ہیں لیکن اگر لگوا لئے تو چاہے خنزیر کے بال ہی ہوں، جزءِ انسان بن جانے کی بناء پر ان پر مسح اور غسل درست ہوگا۔یہ حکم ضرورتاً ہے نیز حتی المقدور خنزیر یا انسان کے بالوں کا کٹوانا ضروری ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں امید ہے آپ کے اشکالات رفع ہو گئے ہوں گے اور نجم الفتاویٰ میں طبع شدہ فتوے پر شرح صدر کا

Marfat.com

حصول ہوگیا ہوگا۔

لمافی صحیح مسلم (۲/۲۰۴) کتاب اللباس والزینة: فقال ﷺ لعن الله الواصلة والمستوصلة۔

وفی الشامیة (۶/۳۷۶) کتاب الحظر والاباحة: قوله (سواء کان شعرها أو شعر غیرها) لما فیه من التزویر کما یظهر مما یأتي وفي شعر غیرها انتفاء بجزء الآدمي أیضا لکن في التاترخانیة وإذا وصلت المرأة شعر غیرها بشعرها فهو مکروه وإنما الرخصة في غیر شعر بنی آدم تتخذه المرأة لتزید في قرونها وهو مروي عن أبي یوسف وفي الخانیة ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها وذوائبها شیئا من الوبر . قوله (لعن الله الواصلة إلخ) الواصلة التي تصل الشعر بشعر الغیر والتي یوصل شعرها بشعر آخر زورا والمستوصلة التي یوصل لها ذلك بطلبها والواشمة التي تشم في الوجه والذراع وهو أن تغرز الجلد بإبرة ثم یحشی بکحل أو نیل فیزرق والمستوشمة التي یفعل بها ذلك بطلبها۔

Marfat.com

(۷۵) دوپٹہ پر مسح کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض دفعہ سفر میں گھر کی خواتین ساتھ ہوتی ہیں اور نماز کے اوقات میں ایک طرف بیٹھ کر وضو کیا جا سکتا ہے لیکن مسح کیلئے دوپٹہ یا چادر اتارنا مشکل ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی عورت دوپٹے کے اوپر سے مسح کرے تو اس ضرورت کی بناء پر جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر کوئی عورت ایسے دوپٹے پر مسح کرے کہ جس سے تری بالوں تک پہنچ جاتی ہو تو ایسے دوپٹے پر مسح کرنا جائز ہے، اور اگر دوپٹے پر مسح کرنے سے تری بالوں تک نہ پہنچتی ہو تو مسح کرنا جائز نہیں بلکہ اس کے نیچے ہاتھ ڈال کر مسح کرنا ضروری ہوگا۔

لما في الخلاصة (۲۶/۱): ولا يجوز المسح على القلنسوة والعمامة وكذالو مسحت المرأة على الخمار الا اذا كان الماء متقاطراً بحيث يصل الى الشعر فحينئذ جاز۔

وفي الهندية (۶/۱): ولا يجوز المسح على القلنسوة والعمامة وكذا لو مسحت المرأة على الخمار الا انه اذا كان الماء متقاطراً بحيث يصل الى الشعر فحينئذ يجوز ذلك عن الشعر كذا في الخلاصة هذا اذا لم يتلون الماء هكذا في الظهيرية والأفضل أن تمسح تحت الخمار كذا في فتاوى قاضي خان۔

(۷۶) کان کے نیچے لمبے بالوں پر مسح کرنے سے مسح کی ادائیگی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وہ لمبے بال جو کان کے نیچے تک ہوتے ہیں اگر ان پر کوئی شخص کان کے نیچے والے حصہ پر مسح کرلے تو مسح ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مسح ادا نہ ہوگا۔

لما في حاشية الطحطاوي على المراقي (ص۴۷): قال في الخانية: فلو مسح على شعره ان وقع على شعر تحته رأس جاز وان وقع على شعر تحته جبهة او رقبة لايجوز۔

وفي الهندية (۵/۱): ان وقع على شعر تحته رأس يجوز عن مسح الرأس و ان وقع على شعر تحته جبهة او رقبة لايجوز۔

Marfat.com

(۷۷) کنپٹی پر لگے پلاسٹر پر مسح کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے سر میں شدید درد رہتا تھا جس کی وجہ سے مجھے ذہنی تکلیف محسوس ہوتی تھی ڈاکٹر نے مجھے ایسا پلاسٹر تجویز کیا کہ جس کے لگانے کے بعد مجھے کافی آرام محسوس ہوتا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ میں نے پلاسٹر کو پیشانی سے ذرا سائڈ میں لگایا ہوا ہے یعنی کنپٹی پر تو آیا وضو کرتے وقت مجھے اس پلاسٹر کو ہٹانا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... وضو میں پورے چہرے کا دھونا فرض ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر پلاسٹر ایسا ہو کہ اس کے ہٹانے سے تکلیف کے بڑھنے کا خوف ہو یا ہٹانے کے بعد خود لگا نہ سکتا ہو، تو ایسی صورت میں پلاسٹر پر مسح کرنا درست ہے اور اگر تکلیف کے بڑھنے کا خوف نہ ہو، اور ہٹانے کے بعد خود لگا سکتا ہو، تو ایسی صورت میں پلاسٹر پر مسح کرنا درست نہیں۔ بلکہ وضو کرتے وقت اس کو اتارنا ضروری ہوگا۔

لمافی الدر المختار(۱/۲۸۰۔۲۸۱): (ویمسح) نحو (مفتصد وجریح علی کل عصابة) مع فرجتها فی الاصح (ان ضره) الماء (او حلها) ومنه أن لا یمکنه ربطها بنفسه ولا یجد من یربطها.

وفی الشامیة تحته: (قوله علی کل عصابة) ای علی کل فرد من أفرادها سواء کانت عصابة تحتها جراحة وهی بقدرها او زائدة علیها کعصابة المفتصد. او لم یکن تحتهاجراحة اصلا بل کسر اوکی. وهذا معنی قول الکنز کان تحتها جراحة اولا لکن اذا کانت زائدة علی قدر الجراحة فإن ضره الحل والغسل مسح الکل تبعا والافلا۔ بل یغسل ماحول الجراحة ویمسح علیها لاعلی الخرقة۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته(۱/۵۰۲):شرائط المسح علی الجبیرة... ألا یمکن نزع الجبیرة او یخاف من نزعها بسبب الغسل حدوث مرض او زیادته او تأخر البرء۔

(۷۸) گردن کے مسح کی شرعی حیثیت

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گردن کا مسح مسنون ہے یا نہیں؟ ہمارے ہاں ایک غیر مقلد کا کہنا ہے کہ گردن کا مسح احادیث سے ثابت نہیں بلکہ یہ صرف احناف کی من گھڑت سنت ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ براہ کرم احادیث کا حوالہ ضرور دیں اور یہ بتائیں کہ یہ احادیث کس درجہ کی ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... گردن کا مسح حضراتِ احناف کے ہاں مستحب ہے اور ایسی احادیث اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے جن کو حسن کا درجہ حاصل ہے، لہٰذا اسے احناف کی من گھڑت سنت کہنا محض تعصب اور عناد ہے، جبکہ بعض

Marfat.com

دوسرے علماء نے انہی احادیث وآثار کی وجہ سے اسے سنت کہا ہے۔ چنانچہ علامہ رویانی رحمۃ اللہ علیہ (جو اصحاب شوافع میں سے ہیں) نے اپنی کتاب میں صراحت کی ہے کہ گردن کا مسح ہمارے اصحاب کے نزدیک سنت ہے، "علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ" (جو ائمہ احادیث میں سے ہیں) نے اسکے "استحباب" کا قول کیا ہے، اسی طرح علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "نیل الاوطار" (یہ کتاب غیر مقلدین کے ہاں معتبر ہے اور انکے مدارس میں داخلِ درس ہے) میں گردن کے مسح پر کافی وشافی بحث کی ہے، اور ایسے افراد (جنہوں نے گردن کے مسح کو بدعت اور اسکی احادیث کو موضوع کہا ہے) پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ ایسی روایات کی موجودگی میں انہوں نے اس کو کیسے بدعت کہا۔

لما فی الصحیح للبخاری (۳۱/۱): حدثنا عبد الله بن یوسف ...ان رجلاً قال لعبد الله بن زید وهو جد عمرو بن يحيىٰ أتستطيع أن تريني كيف كان رسول الله ﷺ يتوضأ فقال عبدالله بن زيد نعم فدعا بماء فأفرغ على يده ... ثم مسح رأسه بيديه فأقبل بهما وأدبر بدأ بمقدم رأسه حتى ذهب بهما الى قفاه ثم ردهما إلى المكان الذى بدأمنه۔

وفی الهندية (۸/۱): الفصل الثالث فى المستحبات۔۔۔والثانى مسح الرقبة هو بظهر اليدين۔

وفى الدرالمختار (۱۲۴/۱): (ومستحبه) ... (مسح الرقبة) ... (لا الحلقوم)۔

وفى الشامية (قوله مسح الرقبة) هو الصحيح وقيل انه سنة كما فى البحر۔

وفى نيل الاوطار(۱۹۵/۱): وبجميع هذا تعلم أن قول النووى مسح الرقبة بدعة وأن حديثه موضوع مجازفة. وأعجب من هذا قوله ولم يذكره الشافعى ولا جمهور الأصحاب وإنما قاله ابن القاص وطائفة يسيرة. فإنه قال الرويانى من أصحاب الشافعى فى كتابه المعروف بالبحر مالفظه: قال أصحابنا هوسنة. وتعقب النووى أيضاً ابن الرفعة بأن البغوى وهو من ائمة الحديث قد قال باستحبابه قال: ولا مأخذ لاستحبابه الاخبر أو أثر لأن هذا لا مجال للقياس فيه۔ قال الحافظ: ولعل مستند البغوى فى استحباب مسح القفا ما رواه أحمد وأبو داؤد وذكر حديث الباب الخ۔

Marfat.com

رسالة

بروز السَّدَفة بتحقیق مسئلة مسح الرَّقَبَة

وضوء میں گردن کے مسح کا ثبوت اور مصداق سے متعلق مفصل فتوی

(۷۹) گردن کے مسح میں گردن کی حدود کی تعیین

سوال...... حضرت مفتی صاحب! آپ سے اس مسئلے کی تحقیق مطلوب ہے کہ گردن کا اطلاق گدی پر ہوتا ہے یا اطراف پر؟ گدی پچھلا حصہ تو بظاہر سر کا جزء ہے اسے گردن کیسے کہا جا سکتا ہے؟ آپ سے درخواست ہے کہ مسح الرقبہ میں وارد الفاظ اور مصداق سے متعلق مفصل تحقیق تحریر فرمادیں۔ نیز گلا اس میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی وجہ بھی تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جن احادیث کو "مسح الرقبہ" کے ثبوت میں بطورِ استدلال پیش کیا جاتا ہے ان میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جن میں سے اہم الفاظ یہ ہیں:

(۱) عنق (۲) رقبہ (۳) قفا (۴) سالفہ (۵) قذال (۶) تحت اذنیہ

وغیرہ الفاظ اس سلسلے میں مستدل ہیں۔ اولاً احقر ان الفاظ کی لغوی تحقیق ذکر کرے گا کیونکہ وضوء کے اندر "مسح الرقبہ" میں رقبہ یعنی گردن کا مصداق تب ہی معین ہو سکے گا۔

رقبہ اور عنق سے متعلق لغت کی مشہور کتاب "المعجم الوسیط" میں ہے:

"الرقبة والعنق: الوصلة بين الرأس والجسد"

یعنی رقبہ اور عنق سے مراد سر اور جسم کو ملانے والا واسطہ اور ذریعہ ہے۔

نیز قذال سے متعلق المعجم الوسیط میں یہ تحقیق نقل ہے:

"جماع مؤخر الرأس من الانسان والفرس فوق قفا "القذالان" ما اكتنفا القفا عن اليمين والشمال"

مصباح اللغات میں ان الفاظ سے متعلق نقل ہے:

رقبة: گردن یا پسِ گردن

عنق: گلا۔ العنیق: گردن

Marfat.com

قفا: سر کا پچھلا حصہ، گدی

سالفہ: گزری ہوئی، گردن کا وہ حصہ جو بال لٹکنے کی جگہ ہے

قذال: گدی، سر کا پچھلا حصہ

حلقوم عربی میں گلے یعنی اگلے حصے کو (جو ٹھوڑی کے نیچے ہے) کہا جاتا ہے حلقوم سے متعلق المعجم الوسیط میں ہے:

"الحلقوم تجویف خلف تجویف الفم وفیه ست فتحات: فتحة الفم الخلفة فتحتا المنخرین وفتحتا الاذنین وفتحة الحنجرة وهی مجری الطعام والشراب والنفس (ج) حلاقیم"

الحلق: مساغ الطعام والشراب الی المرئ (ج) احلاق وحلوق وحلق، وحرف الحلق حروف الهجاء التی تخرج منه عند النطق"

نیز حلقوم سے متعلق مصباح اللغات میں ہے:

الحلقوم: گلا (ج) حلاقیم

الحلق: گلا (ج) احلاق، حلوق، حلق

یہاں تک ذکر لغوی تحقیق سے ثابت ہوا کہ عنق اور رقبہ کے مصداق میں گلا بھی شامل ہے یعنی "الوصلة بین الرأس والجسد" کا مصداق مکمل چاروں اطراف (گدی، گلا اور دونوں اطراف) ہیں لیکن احادیث میں ذکر دیگر الفاظ "قذال، قفا، سالفہ" وغیرہ اس بات پر دال ہیں کہ حلقوم یعنی گلے پر مسح نہ ہو نیز "تحت اذنیه" یعنی کان کے نیچے کے الفاظ تو صریح دال ہیں کہ مسح الرقبہ گدی اور طرفین کا ہو گا گلا اس میں داخل نہیں اسی لئے فقہاء نے مسح الرقبہ میں حلقوم کے مسح کو بدعت قرار دیا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حلقوم یعنی گلے پر مسح بغیر تکلف کے ممکن نہیں کیونکہ جب گدی پر ہاتھ رکھ کر اطراف کی طرف کھینچا جائے گا تو سیدھا حلقوم تک نہیں لایا جا سکتا بلکہ ہاتھوں کو پلٹنا پڑے گا جس سے دو دفعہ مسح کرنا بھی لازم آئے گا اور تکلف و مشقت میں ابتلاء بھی ہو گا۔

لہٰذا گردن کے مسح کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی پشت کو گدی پر رکھ کر نیچے اطراف کی جانب کھینچا جائے اور کانوں کے نیچے پہنچنے پر اٹھا لیا جائے۔ یہ مسح الرقبہ کا صحیح طریقہ ہے۔ اس طریقے کا ثبوت "اعلاء السنن" اور "نیل الاوطار" میں ذکر اس روایت سے صراحۃً ہوتا ہے:

"من توضأ ومسح سالفتیه وقفاه امن من الغل یوم القیامة" (اعلاء السنن ۱/۱۲۲ باب مسح الرقبة)

نیز اعلاء السنن کے حاشیے پر خود علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے یہی طریقہ بیان فرمایا ہے:

"فلوثبت الحدیث دل علی مسح العنق من قبل القفامع جانبیه والحلقوم خارج عنهما (از مؤلف)"

اس طریقے کی مزید تائید ابوداؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے:

Marfat.com

''ومسح راسه من مقدمه الی مؤخره حتی خرج یدیه من تحت اذنیه۔''

اس روایت پر بذل المجہود کے محشی نے تحریر فرمایا ہے:

''ھذا لازم لمسح الرقبة''

نیز مبسوطِ سرخسی میں "ماتحت الاذنین" کو عنق قرار دیا گیا ہے یعنی عنق سے مراد کانوں کے نچلے اطراف ہیں اسی طرح بذل المجہود میں حضرت طلحہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ روایت ہے:

''رایت رسول الله ﷺ یتوضأ فامر یده علی سالفتیه'' (بذل المجهود ۷۸/۱)

اس کے علاوہ "تحفہ الطلبة فی تحقیق مسح الرقبہ" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت مذکور ہے:

''مسح الرقبة امان من الغل یوم القیامة'' (تحفة الطلبة۔ بحواله احسن الفتاوی ۱۲/۲)

نیز اسی تحفۃ الطلبہ میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی روایت میں "وظاهر اذنیه وظاهر رقبته الخ" کے الفاظ بھی ہیں لہٰذا گردن پر مسح سے مراد صرف گدی نہیں بلکہ گدی پر ہاتھ کی پشت رکھ کر طرفین سمیت مسح کرنا ہے۔ یہی راجح ہے اور تحقیق کے مطابق گردن کے مسح میں ہاتھوں کی پشت کو گدی پر رکھ کر طرفین تک کھینچنا اصل مسح ہے۔ یہی احادیث کے نصوص، فقہ کی عبارات اور لغت کی نقول سے قریب تر اور مطابق ہے۔

لمافی سنن ابی داود (کتاب الطهارة) باب صفة الوضوء: حدثنا محمد بن عیسی ...... عن طلحة بن مصرف عن ابیه عن جده قال رأیت رسول الله ﷺ یمسح رأسه مرة واحدة حتی بلغ القذال وهو اول القفا وقال مسدد: ومسح رأسه من مقدمه الی مؤخره حتی خرج یده من تحت اذنیه''

وفی تحفة الطلبة فی تحقیق مسح الرقبة (بحواله احسن الفتاوی ۱۲/۲): حدیث ابن عمر ان النبی ﷺ قال من توضا ومسح عنقه وقی الغل یوم القیامة (رواه ابو نعیم فی تاریخ اصبهان) ...... حکی ابن همام عن حدیث وائل فی صفة وضوء رسول الله ﷺ ثم مسح علی رأسه ثلاثا وظاهر اذنیه ثلاثا وظاهر رقبته الخ۔

وفی اعلاء السنن (۱۲۳/۱): قال الشوکانی فی النیل ...... بلفظ ''من توضأ ومسح سالفتیه وقفاه امن من الغل یوم القیامة۔ قلت ولکن مرسل موسی بن طلحه سالم عنهما وفیه لفظ القفا موضع العنق فظهر ان المراد بالعنق لیس ما یعم الحلقوم بل المراد به ظهر الرقبة۔

وفی حاشیته : ''فلو ثبت الحدیث دل علی مسح العنق من قبل القفا مع جانبیه والحلقوم خارج عنهما (از مؤلف)

Marfat.com

(۸۰) داڑھی کے خلال اور گردن کے مسح کی شرعی حیثیت

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱)۔داڑھی کو وضو میں دھونا ضروری ہے یا اسکا خلال کیا جائے گا چاہے داڑھی چھوٹی ہو یا بڑی اور گھنی ہو یا نہ ہو؟ برائے مہربانی تمام صورتیں مفصل بیان کریں۔

(۲)۔مسح الرقبہ کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے یا نہیں کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مسح الرقبہ کیا ہے یا نہیں؟ بعض علماء اس کا انکار کرتے ہیں کہ مسح الرقبہ کرنا درست نہیں ہے۔مسح الرقبہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر کوئی نہ کرے تو اس کا وضو ہو جائے گا یا نہیں؟ نیز رقبہ کا اطلاق کہاں تک ہوتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب……داڑھی کا وہ حصہ جو کہ چہرے کے ساتھ ملا ہوا ہے، اس کا دھونا وضو میں فرض ہے۔البتہ اگر داڑھی اتنی گھنی ہو کہ چہرے کی جلد کو بالکل ڈھانپ لیتی ہو تو اس صورت میں بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری نہیں۔اگر داڑھی گھنی نہیں ہے اور چہرے کی جلد اس میں سے نظر آتی ہے۔تو اس صورت میں اس کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔جبکہ داڑھی کا وہ حصہ جو چہرے کی حدود سے باہر ہو۔اس کا خلال کرنا سنت ہے۔

(۲)۔اور رہی بات مسح الرقبہ (گردن کے مسح) کی تو یہ مستحب ہے۔اس کا ثبوت روایات میں موجود ہے۔اس لئے اس کا انکار کرنا درست نہیں۔ہاں البتہ گلے کا مسح بدعت ہے۔اور رقبہ کا اطلاق گردن کے پچھلے حصے (گدی) اور دونوں طرف کے حصوں پر ہوتا ہے۔

لمافی الدرالمختار (۱/۱۰۰-۱۰۱): (وغسل جمیع اللحیة فرض) یعنی عملیاً (ایضا) علی المذھب الصحیح المفتی به المرجوع الیه، وما عدا ھذه الروایة مرجوع عنه کما فی البدائع۔ ثم لا خلاف أن المسترسل لایجب غسله ولا مسحه بل یسن، وان الخفیفة التی تری بشرتھا یجب غسل ماتحتھا کذا فی النھر۔

وفیه ایضاً (۱/۱۲۴): (ومسح الرقبة) بظھر یدیه (لا الحلقوم) لانه بدعة۔

وفی الشامیة تحته: (قوله ومسح الرقبة) ھو الصحیح۔ وقیل انه سنة کما فی البحر وغیره۔

وفی اعلاء السنن (۱/۱۲۱): تحقیق معنی الرقبة والحلقوم… والذی ظھرلنا من تتبع اللغة والاحادیث۔ ان مقدم العنق وموخره کلاھما فی جانب الرأس۔ فمقدمه ای مبتداء ھو ما یلی القذال ای موخر الراس… فجعل مقدم العنق بیاناً للقذال وھو موخر الراس کما فی القاموس۔

وفیه ایضا (۱/۱۲۰): باب استحباب مسح الرقبة۔عن فلیح بن سلیمان عن نافع عن ابن عمر أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "من توضأ و مسح بیدیه علی عنقه وقی الغل یوم القیامة" رواه ابوا لحسن بن فارس بإسناد وقال: ھذا ان شاء الله۔ حدیث صحیح۔ (التلخیص الحبیر ۱/۳۴)

Marfat.com

(۸۱) اعضاء وضو کو تولیہ یا رومال وغیرہ سے خشک کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وضو کرنے کے بعد اعضاءِ وضو کو تولیہ یا رومال سے خشک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس کا ثبوت قرآن وسنت سے ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......وضو کرنے کے بعد اعضاءِ وضو کو تولیہ یا رومال وغیرہ سے خشک کرنا جائز ہے اور اسکا ثبوت احادیث طیبہ سے ملتا ہے۔

لمافی الترمذی(۱/۱۸): عن عائشة رضی الله عنها قالت كانت لرسول الله ﷺ خرقة يتنشف بها بعد الوضوء۔

وفی الشامية (۱/۱۳۱): (قوله والتمسح بمنديل)------ ففی الخانية: ولا بأس للمتوضئ والمغتسل روی عن رسول الله ﷺ انه كان يفعله۔

وفی الفقه الاسلامی (۱/۴۰۷)؛ وقال المالكية المسح بالمنديل جائز لحديث قيس بن سعد قال ''زارنا رسول الله ﷺ فی منزلنا فأمرله سعد بغسل فوضع له فاغتسل ثم ناوله ملحفة مصبوغة بزعفران او ورس فاشتمل بها''

(۸۲) وضو کے استعمال شدہ پانی کو کھانے پینے وغیرہ کے استعمال میں لینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کے پاس صرف تھوڑا سا پانی ہو اور وہ اس امید پر کہ بعد میں پانی مل جائے گا اس سے وضو کرلے اور بعد میں پانی نہ ملے تو کیا اس پانی کو دوبارہ استعمال کرسکتا ہے، جیسے پینے کیلئے یا کھانا پکانے وغیرہ کے لئے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......وضو میں استعمال شدہ پانی ضرورت کے موقع پر کھانے یا پینے وغیرہ میں استعمال کرسکتے ہیں لیکن بلاضرورت یہ استعمال کراہت سے خالی نہیں، اس لئے احتیاط بہتر ہے۔

لما فی الدرالمختار (۱/۲۰۰-۲۰۱): (اذا انفصل عن عضو وان لم يستقر... وهو طاهر) ولو من جنب وهو الظاهر لكن يكره شربه والعجن به تنزيها للاستقذار وعلی رواية نجاسته تحريما۔

وفی الشامية (تحريما)قال فی البحر ولا يخفی ان الكراهة علی رواية الطهارة أما علی رواية النجاسة فحرام لقوله تعالی ويحرم عليهم الخبائث والنجس منها۔

Marfat.com

(۸۳) اٹیچ باتھ روم میں ادعیۂ وضو پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک ایسی جگہ وضو بناتا ہے جہاں غسل خانے کے ساتھ بیت الخلاء بھی ہے۔ اب زید وضو کے دوران کچھ دعائیں پڑھنا چاہتا ہے تو کیا زید ایسی جگہ میں دورانِ وضو دعاؤں کا اہتمام کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں چونکہ عام طور پر ایسی جگہوں پر صفائی کا اہتمام نہیں ہوتا۔ لہٰذا اللہ کے نام کی تعظیم کی وجہ سے زید ایسی جگہ پر وضو کرتے وقت وضو کی دعائیں جہراً یعنی زبان سے نہ پڑھے بلکہ دل میں پڑھنے کا اہتمام کرے۔

لمافی الهندية(۱/۶): ويسمى قبل الاستنجاء وبعده هو الصحيح كذا في الهداية، ولا يسمى في حال الانكشاف ولا في محل النجاسة۔

وفي الدر المختار (۱/۱۰۹): (قبل الاستنجاء وبعده) الاحال انكشاف وفي محل نجاسة فيسمى بقلبه۔

(الشامية) (قوله الاحال انكشاف الخ) الظاهر ان المراد أنه يسمى قبل رفع ثيابه ان كان في غير المكان المعدّ لقضاء الحاجة، والافقبل دخوله، فلو نسى فيهما سمى بقلبه، ولا يحرك لسانه تعظيماً لاسم الله تعالىٰ۔

(۸۴) عورتوں کا ننگے سر وضو کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض خواتین جب وضو کرتی ہیں تو اپنے سر سے دوپٹہ اتار لیتی ہیں وضو کے بعد پھر پہن لیتی ہیں آیا یہ فعل خواتین کا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز عورتوں کیلئے ننگے سر وضو کرنا کیسا ہے اور ان کا وضو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......عورتوں کا دوران وضو سر سے دوپٹہ اتارنا جائز ہے جبکہ وہاں پر کوئی نامحرم موجود نہ ہو کیونکہ سر کے بالوں کا نامحرم سے چھپانا ضروری ہے۔ نیز ننگے سر وضو کرنے سے وضو پر کوئی اثر نہ پڑے گا وضو درست ہوجائے گا۔

لمافی الدرالمختار(۶/۳۶۷): (ومن محرمه) هي لا يحل له نكاحها ابداً بنسب اوسبب ولوبزناً (الى الرأس والوجه والصدر والساق والعضد) ان أمن شهوته۔

وفي فتاوىٰ اللجنة(۵/۲۳۵): س: عورة الرجل من السرة الى الركبة فما حكم وضوئه عارياً؟ لابساً سرو الاً قصيراً لا يستر ركبته؟

ج: الحمد لله وحده والصلوة والسلام على رسوله وآله وصحبه وبعد يصح وضوء ه لان كشف

Marfat.com

العورة ولبس السروال القصیر لایمنعان من صحة الوضوء ولکن یحرم علیه کشف عورته بحضرة غیر زوجته او سریته وهی الامة المملوکة له التی یباح له الاستمتاع بها۔

(۸۵) وضو کے بعد شہادتین پڑھنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا وضو کرنے کے بعد شہادتین پڑھنا اور انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرنا مسنون ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......وضو کے بعد شہادتین پڑھنے کو تمام فقہاء کرام نے سنت وآداب میں سے شمار کیا ہے۔اور انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرنے کو بعض فقہاء نے ادب قرار دیا ہے۔

لمافی حاشیة الطحطاوی علی المراقی (ص۷۷):(والاتیان بالشهادتین بعده) وذکر الغزنوی انه یشیر بسبابته حین النظر الی السمآء۔

وفی الهندیة (۸/۱): وان یقول بعد الفراغ من الوضوء سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله إلا أنت أستغفرك وأتوب إليك وأشهد أن لا إله الا الله واشهد أن محمداً عبده ورسوله۔

Marfat.com

فصل فی الغسل

(غسل کے مسائل کا بیان)

(۸۶) کن کن صورتوں میں غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کن کن صورتوں میں غسل کرنا فرض ہوتا ہے اگر کوئی شخص عورت سے ہمبستری کرے لیکن منی خارج نہ ہو تو کیا اس پر غسل فرض ہو جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......مندرجہ ذیل صورتوں میں غسل فرض ہو جاتا ہے۔

(۱)......جوش کے ساتھ منی کا نکلنا۔ (۲)......مرد کی سپاری کا اندر چلا جانا چاہے انزال ہو یا نہ ہو۔

(۳)......حیض کے خون کا بند ہو جانا۔ (۴)......نفاس کے خون کا بند ہو جانا۔

لمافی الفتاوی التاتارخانیة (۱/۱۵۲): أسباب الغسل ثلاثة الجنابة والحیض والنفاس۔

وفی الهندیة(۱/۱۵): الإیلاج فی أحد السبیلین اذا تواترت الحشفة یوجب الغسل علی الفاعل والمفعول به أنزل أولم ینزل۔

(۸۷) جنّ (ناری مخلوق) کے جماع سے غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت پر جن عاشق ہو گیا ہے اور وہ اس عورت سے جماع بھی کرتا ہے آیا جن کا عورت سے جماع کرنے کی وجہ سے عورت پر غسل فرض ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر جن کے جماع کرنے کی وجہ سے عورت کو انزال ہو جائے تو پھر انزال کی وجہ سے غسل فرض ہوگا ورنہ محض جن کے جماع کرنے سے غسل واجب نہیں ہوگا البتہ اگر جن آدمی کی صورت میں آ کر جماع کرتا ہو تو پھر بغیر انزال کے بھی غسل واجب ہو جائے گا۔

لمافی الهندیة:(۱/۱۵): لوقالت امرأة معی جنی یأتینی وأجد فی نفسی ماأجد اذا جامعنی زوجی لا غسل علیها۔

Marfat.com

وفی الدر المختار(۱/۱۶۱): احتراز عن الجنی یعنی اذا لم تنزل واذا لم یظهر لها فی صورة الآدمی۔

وفی الشامیةتحته: ففی المحیط لوقالت معی جنی یأتینی مرارا وأجد ماأجد اذا جامعنی زوجی لاغسل علیها لانعدام سببه وهو الایلاج أوالاحتلام... أما اذا ظهر فی صورة آدمی وکذ اذا ظهر للرجل جنیة فی صورة آدمیة فوطئها وجب الغسل لوجود المجانسة الصوریة۔

(۸۸) جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے سے غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مرد نے جانور کے ساتھ بدفعلی کی صرف دخول ہوا، منی خارج نہیں ہوئی تو آیا اس پر غسل فرض ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جانور کے ساتھ بدفعلی کرنا ایک گھناؤنی اور قبیح حرکت ہے، تاہم اگر کوئی شخص اس طرح کی حرکت کرتا ہے اور اس کی منی خارج نہیں ہوئی تو پھر اس پر غسل فرض نہیں۔

لمافی الهندیة: (۱/۱۵): والایلاج فی البهیمة والمیتة والصغیرة التی لایجامع مثلها لایوجب الغسل بدون الانزال۔

وفی الدر المختار(۱/۱۶۶): (و) لا عند (وطء بهیمة أومیتة أوصغیرة غیر مشتهاة)...(بلاانزال)۔

(۸۹) احتلام میں غسل کب واجب ہوگا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی نیند سے بیدار ہونے پر کپڑوں پر احتلام کے اثرات محسوس کرے، حالانکہ نہ تو اسے احتلام یاد ہے اور نہ ہی خواب یاد ہے کیا ایسی صورت میں غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں غسل واجب ہوگا۔

لمافی الدرالمختار (۱/۱۶۳): عند(رؤیة مستیقظ)...(وان لم یتذکر الاحتلام)

وفی الشامیة: ای والحال أنه ان لم یتذکر الاحتلام یجب الغسل...

(۹۰) احتلام کے بعد خواب یاد نہ ہو تو غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ کے ساتھ ایک عرصہ سے یہ مسئلہ پیش آرہا ہے کہ جب بھی سوتا ہے تو بے خبری میں احتلام ہوتا ہے۔ خواب وغیرہ کچھ بھی یاد نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے ہروقت شلوار دھونا اور غسل کرنا بہت تنگیِ کا باعث ہے۔ آیا اس کو بیماری شمار کیا جائے گا یا احتلام ہی ہے۔ جو بھی صورت ہو میرے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟ جبکہ ہروقت غسل کرنا

Marfat.com

بعض اوقات بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ حکم تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر سونے کی حالت میں کسی کو احتلام ہو جائے اور جاگنے کے بعد تری دیکھے اور اس کو یقین ہو یا ظن غالب ہو کہ یہ منی ہے تو اس پر غسل واجب ہو گا اگر چہ خواب یاد نہ ہو۔ پس صورت مسئولہ میں اگر یقین یا ظن غالب ہو کہ یہ منی ہے تو غسل واجب ہو گا اگر چہ خواب یاد نہ ہو۔

لمافي الهندية(۱/۱۴-۱۵): وان استيقظ الرجل ووجد على فراشه او فخذه بللا وهو يتذكر احتلاما ان تيقن انه مني أو تيقن أنه مذي أو شك انه مني أو مذي فعليه الغسل وان تيقن انه ودي لاغسل عليه وان رأى بللا الا انه لم يتذكر الاحتلام فان تيقن انه ودي لا يجب الغسل وان تيقن أنه مني يجب الغسل۔

وفي الدر المختار مع الشامية(۱/۱۶۳): في الدر المختار(و)عند (رؤية مستيقظ) ... وان لم يتذكر الاحتلام وفي الشامية فيجب الغسل اتفاقا في سبع صور منها...(إلى قوله) او علم انه مني مطلقا۔

(۹۱) بدفعلی کی وجہ سے غسل کتنی بار کیا جائے؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن میں کہیں سفر پر جا رہا تھا تو ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو شکل وصورت سے عالم لگ رہا تھا ان سے مختلف باتیں ہوتی رہیں، ایک بات انہوں نے بیان کی جس پر میرا دل مطمئن نہیں ہوا، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کسی لڑکے کے ساتھ بدفعلی کرے تو اس کو ہر نماز کے وقت غسل کرنا ضروری ہو گا بغیر غسل کئے اس کی نماز صحیح نہیں ہو گی کیا یہ بات قرآن وحدیث یا فقہ وغیرہ میں ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... بدفعلی کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اس فعل بد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر پتھروں کی بارش برسائی اور ان کو نشان عبرت بنا دیا اور شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) میں بھی اس فعل سے روکا گیا ہے اگر خوانخواستہ کسی مکلف سے یہ فعل صادر ہو جائے تو ایک ہی دفعہ غسل کرنے سے پاکی حاصل ہو جائے گی کیونکہ جو حدیثیں بدفعلی کرنے والے کی عدم طہارت کے بارے میں آئی ہیں، ان کو علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے باطل اور من گھڑت کہا ہے۔

لما في المقاصد الحسنة (۳۴۵): ۸۸۷ حديث: لو اغتسل اللوطي بماء البحر لم يجئ يوم القيامة الاجنبا اسنده الديلمي عن انس به مرفوعا، وهو عنده ايضا من حديث ابي هريرة رفعه بلفظ: المتلوط لواغتسل بكل قطرة تنزل من السماء على وجه الارض الى ان تقوم الساعة لما طهره الله من نجاسته او يتوب، وكل مافي معناه باطل۔

Marfat.com

وفی الولوالجیة(۱/۵۰):الایلاج فی الآدمی یوجب الغسل علی الفاعل والمفعول انزل اولم ینزل لانه ایلاج فی الفرج۔

وفی الدرالمختار(۱/۱۶۲):(فی أحد سبیلی آدمی) حی (یجامع مثله) سیجئ محترزه (علیهما) أی الفاعل والمفعول (لو) کانا (مکلفین) ولو أحدهما مکلفا فعلیه فقط دون المراهق۔

(۹۲) بدفعلی سے فاعل ومفعول پرغسل کا حکم نیز جس جانور کے ساتھ بدفعلی ہوئی ہواسکا حکم

سوال.....کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وطی فی الدبر سے فاعل ومفعول دونوں پرغسل واجب ہوگا یا صرف فاعل پر؟ نیز کیا جانور کے ساتھ وطی سے غسل واجب ہوگا جبکہ انزال نہ ہوا ہو،اور ایسے جانور کا کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......وطی فی الدبر حرام ہے اور اس فعل خبیث پرقرآن وحدیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں صورت مسئولہ میں فاعل ومفعول دونوں پرغسل واجب ہوجائے گا خواہ انزال ہوا ہو، یا نہ ہوا ہو۔جانور کے ساتھ وطی کی صورت میں فاعل پرانزال کی صورت میں غسل واجب ہوجائے گا جبکہ عدم انزال کی صورت میں غسل واجب نہیں ہوگا، پھر اگر جانور اپنا ہے اور غیر ماکول اللحم ہے(ایسا جانور ہے کہ جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہو) تو اُس کو ذبح کرکے جلا دیا جائے گا اور اگر ماکول اللحم ہے(جس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے) تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔اگر جانور کسی دوسرے شخص کا ہو تو ایسی صورت میں واطی پر مالک کو اس کی قیمت ادا کرنا مستحب ہے،لازم نہیں لہٰذا اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔

لمافی الشامیة (۱/۱۶۱): (قوله وعند ایلاج) ای ادخال وهذا أعم من التعبیر بالتقاء الختانین لشموله الدبر أیضاً(قوله هی مافوق الختان) کذا فی القاموس زاد الزیلعی من رأس الذکر

وفیه ایضاً (۱/۱۶۲) (قوله آدمی) احتراز عن البهیمة کما یأتی وعن الجنیة کمامر... (قوله بالاجماع) لما فی الصحیحین من حدیث ابی هریره قال قال رسول الله ﷺ اذا جلس بین شعبها الاربع ثم جهدها فقدوجب الغسل انزل او لم ینزل ...ووجوبه علی المفعول به فی الدبر بالقیاس احتیاطاً۔

وفیه ایضاً(۱/۱۶۶): (قوله ولاعندوطء بهیمة الخ) محترزات قوله فی أحد سبیلی آدمی حی یجامع مثله وفی القنیة برمز اجناس الناطفی فرج البهیمة کفیها لاغسل فیه بغیر انزال ویعزر وتذبح البهیمة وتحرق علی وجه الاستحباب ولایحرم اکل لحمها به۔

وفیه ایضاً(۴/۲۶):(قوله وتذبح ثم تحرق) أی لقطع امتداد التحدث به کلما رؤیت ولیس بواجب کما فی الهدایة وغیرها وهذا اذا کانت مما لا یؤکل فإن کانت تؤکل جاز أکلها عنده وقالا: تحرق

Marfat.com

أیضاً فان کانت الدابة لغیر الواطئ یطالب صاحبها أن یدفعها الیه بالقیمة ثم تذبح هکذا قالوا ولا یعرف ذلك الاسماعاً فیحمل علیه زیلعی ونهر (قوله الظاهر أنه یطالب ندبا الخ) أی قولهم یطالب صاحبها أن یدفعها الی الواطئ لیس علی طریق الجبر وعبارة النهر: والظاهر أنه یطالب علی وجه الندب ولذا قال فی الخانیة کان لصاحبها أن یدفعها الیه بالقیمة وعبارة البحر: والظاهر لایجبر علی دفعها۔

(۹۳) غسل کے دوران ناف میں پانی پہنچانے کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گزشتہ ماہ میرا سہ روزہ کی جماعت میں جانا ہوا، وہاں اتفاق سے مجھے احتلام ہوگیا، چونکہ نماز میں وقت کم تھا اس لئے میں جلد از جلد نہا کر نکل آیا اور نماز پڑھ لی، لیکن نماز کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں نے نہاتے وقت ناف میں انگلی نہیں ڈالی، اور صرف ویسے ہی پورے بدن پر پانی بہا کر باہر آ گیا۔ کیا اب مجھے اس نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟ اور کیا دورانِ غسل ناف میں پانی پہنچانا ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب……غسل میں پورے بدن پر پانی بہانا فرض ہے دورانِ غسل ناف میں انگلی ڈالنا فرض نہیں البتہ ناف میں پانی پہنچانے کا مناسب طریقہ انگلی ڈالنا ہے۔ صورتِ مسئولہ میں اگر یقین ہے کہ ناف میں بھی پانی پہنچ گیا ہے تو غسل ہوجائے گا ورنہ غسل نہیں ہوگا اور نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

لمافی التاتارخانیة (۱/۱۵۰): ویجب ایصال الماء الی داخل السرة وینبغی ان یدخل اصبعه فیها للمبالغة وفی الخانیه وان علم انه یصل الماء الیه من غیر إدخال الاصبع أجزاہ۔

وفی الهندیة (۱/۱۴): ویجب ایصال الماء الی داخل السرة وینبغی أن یدخل اصبعه فیها للمبالغة۔

وفی الدر المختار: (۱۵۲/): (ویجب) أی یفرض (غسل) کل مایمکن من البدن بلا حرج مرة کاذن (وسرة وشارب وحاجب) واثناء (لحیة)۔

(۹۴) غسل میں غرغرہ کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج رات میرے اوپر غسل فرض ہوگیا صبح اٹھ کر میں نے غسل کیا اس میں کلی وغیرہ تو کی لیکن غرغرہ کرنا بھول گیا تو کیا میرا غسل صحیح ہوا یا دوبارہ غسل کرنا پڑے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب……غسل میں مضمضہ اور استنشاق فرض ہیں اور غرغرہ سنت ہے اور صورت مسئولہ میں چونکہ مضمضہ اور استنشاق ہوا ہے۔ لہٰذا آپ کا غسل صحیح ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

لمافی الفتاویٰ التاتارخانیۃ(۱/۱۵۱): فالفرض ان یغسل جمیع بدنہ ... ویتمضمض ویستنشق فالمضمضۃ والاستنشاق فرضان فی الغسل نفلان فی الوضوء۔

وفی البزازیۃ (۱/۱۱): ترک المضمضۃ فی الغسل ثم شرب الماء علی وجہ السنۃ لا ینوب ولو علی غیر وجھھا ینوب لانہ مص فی الاول وعب فی الثانی والاحوط ان لا یخرج مالم یمج الماء۔

وفی الشامیۃ(۱/۱۵۱): (وفرض الغسل) ... الفرض بمعنی المفروض... (مایعم العملی) ای لیشمل المضمضۃ والاستنشاق... (غسل کل فمہ الخ) عبر عن المضمضۃ والاستنشاق بالغسل لإفادۃ الاستیعاب أو للاختصار۔

(۹۵) فلنگ شدہ (بھرائی کئے ہوئے) دانت کے ساتھ وضواور غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کے دانت میں کیڑا لگ جائے اور وہ اس دانت میں بھرائی کرالے تو وضواور غسل کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... کیڑا لگنے کی وجہ سے دانت کی بھرائی کو دانت کا حصہ تصور کیا جائے گا لہٰذا وضو میں تو کوئی اشکال نہیں کیونکہ وضو میں کلی سنت ہے فرض نہیں۔ البتہ غسل میں کلی فرض تو ہے لیکن بھرائی کے نیچے تک پانی کا پہنچانا ناممکن ہے اور اس میں حرج عظیم لازم آتا ہے لہٰذا صرف کلی کر لینے سے وضوء میں سنت اور غسل میں فرض ادا ہو جائے گا۔

لمافی الھندیۃ (۱/۵): وفی مجموع النوازل اذا کان برجلہ شقاق فجعل فیہ الشحم وغسل الرجلین ولم یصل الماء الی ماتحتہ ینظر ان کان یضرہ ایصال الماء الی ماتحتہ یجوز وان کان لایضرہ لایجوز... اذا کان فی اعضائہ شقاق وقد عجز عن غسلہ سقط عنہ فرض الغسل ویلزم امرار الماء علیہ فان عجز عن امرار الماء یکفیہ المسح فان عجز عن المسح سقط عن المسح ایضاً فیغسل ماحولہ ویترک ذالک الموضع۔

وفی الدر المختار(۱/۱۵۲):(ویجب) ای یفرض (غسل) کل مایمکن من البدن بلاحرج مرۃ کأذن و(سرۃ وشارب وحاجب و)اثناء (لحیۃ) وشعر الرأس ولو متلبداً...(وفرج خارج)...(لا) یجب (غسل مافیہ حرج کعین)وان اکتحل بکحل نجس (وثقب انضم و)لا(داخل قلفۃ)بل یندب وھو الاصح۔

وفی ردالمحتار (۱/۱۵۲):(قولہ وثقب انضم) قال فی شرح المنیۃ:وان انضم الثقب بعد نزع القرط وصار بحال ان امرّ علیہ الماء یدخل وان غفل لافلابدمن امرارہ ولا یتکلف لغیر

Marfat.com

الامرار من ادخال عود ونحوہ فان الحرج مدفوع۔

(۹۶) رنگے ہوئے بالوں کے ساتھ غسل وغیرہ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں سر کے بال مختلف قسم کے رنگ سے رنگنے کا فیشن ہے تو ایسی حالت میں فرض غسل ان کا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر وہ رنگ جس سے بالوں کو رنگوایا گیا ہے ذی جسم ہو اور پانی بالوں تک نہ پہنچتا ہو تو فرض غسل صحیح نہیں ہوگا اور اگر ذی جسم نہ ہو یا ذی جسم تو ہو لیکن پانی بالوں تک پہنچتا ہو تو فرض غسل صحیح ہوگا۔

لمافی مراقی الفلاح(ص۸۱): ولا بدمن زوال مایمنع وصول الماء للجسد کشمع وعجین لاصبغ بظفر صباغ ولامابین الاظفار۔

وفی الدرالمختار (۱/۱۵۴): (ولایمنع) الطھارۃ (ونیم... وحناء) ولو جرمہ وبہ یفتی۔

وفی الشامیۃ تحتہ : (قولہ وبہ یفتی) صرح بہ فی المنیۃ عن الذخیرۃ فی مسألۃ الحناء والطین والدرن معللاً بالضرورۃ۔ قال فی شرحھا ولان الماء ینفذہ لتخللہ وعدم لزوجتہ وصلابتہ۔ والمعتبر فی جمیع ذالک نفوذ الماء ووصولہ الی البدن۔

(۹۷) نابالغ پر جماع کے سبب غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نابالغ لڑکا ولڑکی اور مراہق ومراہقہ پر جماع کی وجہ سے غسل کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نابالغ یا قریب البلوغ لڑکا یا لڑکی پر جماع کی وجہ سے شرعاً غسل واجب نہیں البتہ عادت ڈالنے کیلئے غسل کا حکم دیا جائے گا اور بغیر غسل وطہارت کے نماز سے بھی روکا جائے گا غفلت کی صورت میں تھوڑی بہت مار پیٹ کی بھی گنجائش ہے۔البتہ اگر نابالغ بہت چھوٹا بچہ یا بچی ہے تو اس پر اس معاملے میں سختی نہیں کی جائے گی۔

لمافی الھندیۃ (۱/۱۵): غلام ابن عشر سنین جامع امرأۃ بالغۃ فعلیھا الغسل ولاغسل علی الغلام إلّا أنہ یؤمر بالغسل تخلّقا واعتیاداً کما یؤمر بالصلوۃ تخلّقا واعتیاداً ولو کان الرجل بالغا والمرأۃ صغیرۃ یجامع مثلھا فعلی الرجل الغسل ولا غسل علیھا۔

وفی الدر المختار (۱/۱۶۲): أی الفاعل والمفعول(لو کانا(مکلفین) ولو أحدھما مکلفاً فعلیہ فقط دون المراھق لکن یمنع من الصلوۃ حتی یغتسل ویؤمر بہ ابن عشر تادیباً۔

Marfat.com

وفی الشامیة تحته: (قوله تادیبا) فی الخانیة وغیرها یؤمر به اعتیادا وتخلّقا کما یؤمر بالصلوة والطهارة وفی القنیة: قال محمد وطی صبیة یجامع مثلها یستحب لها أن تغتسل کانّه لم یرجبرها وتأدیبها علی ذلك وقال أبو علی الرازی: تضرب علی الاغتسال وبه نقول وکذا الغلام المراهق یضرب علی الصلوة والطهارة۔

(۹۸) عورت کیلئے غسل جنابت میں فرج میں انگلی داخل کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا عورت کیلئے غسل جنابت میں فرج میں انگلی داخل کرنا ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......عورت کیلئے غسل جنابت میں فرج کے ظاہری حصے کا دھونا ضروری ہے اس میں انگلی داخل کرنا ضروری نہیں۔

لما فی الھندیة(۱/۱۴): ویجب علی المرأة غسل فرجها الخارج فی الجنابة والحیض والنفاس... لاتدخل المرأة اصبعها فی فرجها عند الغسل۔

وفی الدر المختار مع تنویر الابصار(۱/۱۵۲): (ویجب) ای یفرض(غسل) کل مایمکن من البدن بلا حرج مرة کأذن و(سرة وشارب وحاجب۔۔۔۔۔ وفرج خارج) لانه کالفم لاداخل لأنه باطن۔ ولاتدخل اصبعها فی قبلها به یفتی۔

وفی الشامیة تحته:(قوله لاداخل) ای لایجب غسل فرج داخل (قوله ولاتدخل اصبعها) ای لایجب ذلك کما فی الشرنبلالیة... لایجب ادخالها الأصبع فی قبلها وبه یفتی فافهم۔

(۹۹) دورانِ غسل عورت کا سر کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت کیلئے دورانِ غسل سر کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جی ہاں! عورت کیلئے دورانِ غسل سر کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔

لما فی الھندیة(۱/۱۳): ولیس علی المرأة ان تنقض ضفائرها فی الغسل اذا بلغ الماء اصول الشعر ... ولو الزقت المرأة رأسها بطیب بحیث لایصل الماء الی اصول الشعر وجب علیها ازالته لیصل الماء الی اصوله۔

Marfat.com

وفی الشامية(١/١٥٣): لكن فی المبسوط: وانما شرط تبليغ الماء اصول الشعر لحديث حذيفة فانه كان يجلس الی جنب امرأته اذا اغتسلت فيقول ياهذه ابلغی الماء اصول شعرك وشئوون رأسك۔

(۱۰۰) غسل جنابت میں اگر کلی بھول جائیں تو پانی پینے سے ادائیگی فرض کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک صاحب نے صبح غسل جنابت کیا، وہ کلی کرنا بھول گئے، اسی حالت میں نماز پڑھ لی، انہوں نے دوسنتوں کے بعد پانی پیا تھا، ہمارے محلے میں ایک صاحب کا کہنا ہے، اس طرح کلی ہوجاتی ہے کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ سے پہلے یہ سمجھئے کہ کلی میں منہ کے تمام اطراف میں پانی پہنچانا ضروری ہے، اگر کوئی ایک حصہ بھی خشک رہ گیا تو اس صورت میں غسل نہیں ہوگا، اب اگر ان صاحب نے فرض کی ادائیگی سے پہلے جو پانی پیا اگر وہ پانی انہوں نے ایک ہی سانس میں غیر مسنون طریقے سے (منہ بھر کر) پیا تو ان کی نماز ہوجائے گی اور اگر مسنون طریقے سے ایک ایک گھونٹ پیا تو غسل نہیں ہوا، لہٰذا نماز بھی نہیں ہوئی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ منہ بھر کر پینے سے پانی منہ کے تمام اطراف میں پہنچ جاتا ہے اور ایک ایک گھونٹ پینے سے پانی منہ کے تمام اطراف میں نہیں پہنچتا۔

لما فی الهندية (١/١٣): الجنب اذا شرب الماء ولم يمجه لم يضره ويجزيه عن المضمضة اذا أصاب جميع فمه۔

وفی الدر المختار (١/١٥١): (فرض الغسل)...(غسل) كل (فمه) ويكفی الشرب عباً۔

وفی الشامية: (ويكفی الشرب عبا)...والمراد به هنا الشرب بجميع الفم وهذا هو المراد بما فی الخلاصة ان شرب علی غير وجه السنة يخرج عن الجنابة والا فلا. وبما قيل ان كان جاهلا جاز وان كان عالماً فلا "ای لان الجاهل يعب والعالم يشرب مصاً كما هو السنة"۔

(۱۰۱) غسل جنابت سے پہلے پانی میں ہاتھ ڈالنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کو رات میں احتلام ہوجائے، اب صبح غسل کے وقت یہ دیکھنے کیلئے کہ پانی زیادہ گرم تو نہیں وہ بالٹی میں ہاتھ ڈال دے تو کیا اس سے وہ پانی ناپاک ہوجائے گا جبکہ اس نے وہ ہاتھ ابھی تک دھوئے نہیں تھے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر اس کے پاس پانی نکالنے کیلئے کوئی دوسرا برتن نہیں تھا اور ہاتھ پر کوئی

Marfat.com

نجاست بھی لگی ہوئی نہیں تھی تو ایسی صورت میں یہ پانی ناپاک نہیں ہوا بلکہ اس سے غسل کرنا بالکل صحیح ہے۔

لمافی الهندية (١/٢٢): اذا ادخل المحدث اوالجنب اوالحائض التى طهرت يده فى الماء للاغتراف لا يصير مستعملا۔

وفى ردالمحتار (١/٢٠٠): (لغير اغتراف)...فلو قصد الاغتراف ونحوه كاستخراج كوز لم يصر مستعملا للضرورة۔

(١٠٢) غسل کرتے ہوئے جسم کا کچھ حصہ خشک رہ جائے تو غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی پر غسل واجب ہوا جب اس نے غسل کیا تو بدن کا کچھ حصہ پانی کے ختم ہونے کی وجہ سے خشک رہ گیا اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا وہ غسل اس کا پورا سمجھا جائے گا کیونکہ اکثر حصہ دھل چکا ہے یا اس کو کچھ اور کرنا پڑے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... غسل فرض ہونے کے بعد ضروری ہے کہ تمام بدن کے ہر حصے کو دھویا جائے اگر بال برابر بھی کوئی جگہ خشک رہ گئی تو غسل صحیح نہیں ہوگا۔ ہاں اگر غسل کرتے ہوئے پانی ختم ہوگیا اور پانی تک رسائی بھی ممکن نہیں تو پھر باقی ماندہ غسل کے لئے تیمم کرلے اور اگر پانی تک رسائی ممکن ہو تو پھر باقی ماندہ اعضاء کو دھولے۔

لمافی الهندية(١/٢٩): جنبٌ اغتسل وبقى لمعة وفنى ماء ه يتيمم لبقاء الجنابة فان أحدث تيمم للحدث فان وجد ماء يكفيهما صرفه اليهما۔

وفى الشامية(١/٢٥٦): (قوله ولمعة و جنابة) أى لواغتسل وبقيت على بدنه لمعة لم يصبها الماء فتيمم لها۔

(١٠٣) غسل کے بعد منی نکلنے سے غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کے خاص حصے سے کچھ منی نکلی اور اس نے غسل کرلیا، بعد غسل کے دوبارہ کچھ بغیر شہوت کے نکلی تو کیا دوبارہ پھر غسل کرنا فرض ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر سونے، پیشاب کرنے اور کچھ قدم چلنے سے پہلے غسل کیا گیا اور پھر منی نکلی ہو تو راجح قول کے مطابق احتیاطاً غسل کرنا ضروری ہے اور اگر سونے یا پیشاب کرنے یا کچھ قدم چلنے کے بعد غسل کیا گیا اور پھر بقایا منی کا خروج ہوا تو بالاتفاق غسل کرنا ضروری نہیں۔

لمافی الهندية(١/١٤): ولو خرج بعدما بال أو نام أو مشى لايجب عليه الغسل اتفاقا۔

Marfat.com

وفی رد المحتار(۱/۱۶۰): وكذا لوخرج منه بقية المنی بعد الغسل قبل النوم أو البول أو المشی الكثير نهر أی لا بعده لان النوم والبول والمشی يقطع مادة الزائل عن مكانه بشهوة فيكون الثانی زائلا عن مكانه بلا شهوة فلا يجب الغسل اتفاقا۔

(۱۰۴)غسل کے بعد اگر منی کے قطرے آجائیں تو غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے وظیفہ زوجیت ادا کیا، صبح غسل کرنے کے بعد چند قطرے منی کے آ گئے، کیا ایسی صورت میں دوبارہ غسل واجب ہوتا ہے، جبکہ ان قطروں کے وقت شہوت بالکل نہ تھی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص ہمبستری سے فارغ ہونے کے بعد سو گیا تھا یا اس نے پیشاب کیا اس کے بعد غسل کیا تھا تو اب جو قطرات بغیر شہوت کے نکل گئے ان سے غسل واجب نہیں ہوتا، اور اگر فراغت کے فوراً بعد غسل کرلیا اور غسل کے بعد چند قطرے آ گئے تو اس سے دوبارہ غسل واجب ہو جائے گا۔

لمافی الهندية (۱/۱۴):لو اغتسل من الجنابة قبل أن يبول أو ينام وصلى ثم خرج بقية المنی فعليه أن يغتسل عندهما خلافا لأبی يوسف رحمه الله تعالىٰ ...ولو خرج بعد ما بال أو نام أو مشی لا يجب عليه الغسل اتفاقاً۔

وفی ردالمحتار (۱/۱۶۰): لو خرج منه بقية المنی بعد الغسل قبل النوم أو البول أو المشی الكثير نهر ای لا بعده لان النوم والبول والمشی يقطع مادة الزائل عن مكانه بشهوة فيكون الثانی زائلاً عن مكانه بلا شهوة فلا يجب الغسل اتفاقاً...

(۱۰۵)انجکشن کے ذریعے سے مادۂ منویہ رحم میں پہنچانے سے غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل جدید دور ہے ہر کام جدید طریقے سے کیا جاتا ہے۔ جانوروں کو انجکشن کے ذریعے حاملہ کیا جاتا، اسی طرح عورتوں کے رحم میں انجکشن کے ذریعے مادہ منویہ پہنچایا جاتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ جب عورتوں کے رحم میں انجکشن کے ذریعہ مادۂ منویہ پہنچایا گیا تو عورت پر غسل فرض ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... انجکشن کے ذریعے مادہ منویہ پہنچانے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔اس لئے کہ غسل خروج منی بالدفق سے یا دخول حشفہ سے واجب ہوتا ہے اور یہاں ایک بھی نہیں پایا جاتا۔

لمافی المحيط البرهانی(۱/۲۲۷): وقال محمد فی البكر: إذا جومعت فيما دون الفرج فدخل من مائه فرجها فلا غسل عليها۔ لأن الغسل إنما يجب بالتقاء الختانين أو بنزول الماء ولم يوجد

Marfat.com

واحد منهما۔ حتی لو حبلت یجب الغسل علیها لنزول ماء ها۔

وفی الخانیة (۲۱/۱): الجنابة تثبت بسببین احدهما انفصال المنی عن شهوة والثانی الایلاج فی الآدمی الخ۔

(۱۰۶) ’’غیر معتاد راستے سے خروج منی‘‘ کے متعلق ایک فتویٰ پر استدراک

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ احتلام کے بعد کسی خرابی کی بنا پر منی مثانے سے ہو کر پیشاب کے ساتھ نکلے تو غسل وغیرہ کا کیا حکم ہوگا؟ اس سے متعلق فتویٰ میرے ایک عزیز نے ایک مفتی صاحب سے لیا تھا، لیکن ان کے جواب سے مجھے کچھ بے اطمینانی ہے۔ براہ کرم آنجناب اس سوال کا مدلل جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

نوٹ: وہ فتویٰ مع سوال وجواب کے اس سوالنامے کے ساتھ منسلک ہے۔

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کو احتلام ہوتا ہے اور بوقت احتلام لذت بھی محسوس کرتا ہے مگر منی باہر نہیں نکلتی اور یہ آپریشن کے بعد ہوا پہلے ایسا نہ تھا اور ڈاکٹر کہتا ہے آپریشن کے دوران گوشت کا ٹکڑا لاپرواہی یا کوتاہی سے کٹ گیا ہے جس کی وجہ سے منی معتاد راستے سے آنے کے بجائے پہلے مثانے میں جاتی ہے پھر پیشاب کے ساتھ نکلتی ہے کیا اس آدمی پر غسل واجب ہے یا نہیں جواب سے نواز کر مشکور فرمائیں۔ سائل: محمد اسماعیل ڈیروی

جواب...... صورت مسئولہ میں لذت شہوت کا قرینہ قویہ ہے اور منی کا اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہونے کا بھی اور خروج منی شہوت کے ساتھ متحقق اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ آپریشن میں غلطی سے گوشت کا ٹکڑا کٹ گیا جس کی وجہ سے منی پہلے مثانے میں چلی جاتی ہے پھر پیشاب کے ساتھ معتاد راستے سے نکلتی ہے اور آپریشن کے باب میں سرجن کا قول معتمد ہے چنانچہ صورت مسئولہ میں اس آدمی پر غسل واجب ہوگا۔ قال فی الهدایة یقال اجنب الرجل اذا قضی شهوته من المرأته والحدیث (ای الماء من الماء) محمول علی الخروج عن شهوة ثم المعتبر عند ابی حنیفة علیہ الرحمۃ ومحمد علیہ الرحمۃ انفصاله عن مکانه علی وجه الشهوة وعند ابی یوسف علیہ الرحمۃ ظهوره ایضاً اعتبار للخروج بالمزایلة اذا الغسل یتعلق بهما ولهما (ای الطرفین) انه متی وجب من وجه فالاحتیاط فی الایجاب، (ج ۱ ص ۳۱) اور مفتی اعظم دار العلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب سوال نمبر ۱۱۷ کے جواب میں چند سطور لکھنے کے بعد لکھتے ہیں وجوب غسل کیلئے انفصال بشہوۃ شرط ہے، اگرچہ خروج بشہوۃ نہ ہو مگر مواقع ضرورت میں خروج بشہوۃ پر فتویٰ ہے جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے پس ماسوائے ضرورت کے انفصال بشہوۃ پر فتویٰ ہے کذا فی الدر المختار والشامی وغیرهما۔

Marfat.com

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد اوّل صفحہ ۱۴۹، فصل فی موجبات الغسل۔ بندہ نور محمد عفی عنہ

اصل اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔ آخری صورت چونکہ نزاعی ہے اور وہ انفصال کے وقت شہوت ہو، اور ظہور کے وقت نہ ہو۔ تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غسل واجب نہیں طرفین کے نزدیک واجب ہے، عدم وجوب منی برقیاس ہے اور وجوب منی براحتیاط ہے لہٰذا احتیاطاً غسل کرے واجب نہیں ہے۔ معدن الحقائق شرح کنز الدقائق (کتاب الطہارۃ، صفحہ ۱۰۰)

المجیب

حسین عرفان ابن شیخ الحدیث مولانا علاؤ الدین صاحب

الجواب بعون الملک الوھاب...... اصحاب المذہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب منی اپنے مقر سے شہوت کے ساتھ جدا ہوجائے تو جب تک اس کا خروج وظہور من الذکر نہ ہوگا اس وقت تک اس پر غسل واجب نہیں ہوگا، خروج من الذکر شہوت کے ساتھ ہونا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرط ہے جبکہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک شرط نہیں بغیر شہوت کے خروج ہوجائے تب بھی غسل واجب ہوگا اور اسی قول کو اکثر فقہاء نے ترجیح دی ہے، البتہ مہمان کے حق میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو لیا ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ شخص پر احتیاطاً غسل واجب ہوگا اور سوالنامے کے ساتھ منسلکہ فتویٰ میں مذکورہ جواب میں جو معدن الحقائق کی عبارت نقل کی گئی ہے اسی عبارت کے آگے یہ عبارت بھی مذکور ہے۔

تنبیہ: فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ تاج الشریعۃ وغیرہ محققین نے جو طرفین کے مذہب کو متون میں ذکر کیا ہے وہی ظاہر، اصح اور احوط ہے اس بارے میں درمختار کا قول (جوانہوں نے بحوالہ قہستانی وفتاوی تاتارخانیہ، نوازل سے نقل کیا ہے کہ ''وبقول ابی یوسف ناخذ لانہ ایسر علی المسلمین'' قلت ولا سیمافی الشتاء والسفر) لائق التفات نہیں اور نہ اس پر فتویٰ دینا جائز ہے الا یہ کہ حرج اور ضرورت ہو۔

منسلکہ فتوی کے مجیب سے دو غلطیاں ہوگئی ہیں، پہلی غلطی یہ کہ اردو شرح سے فتویٰ دیا ہے، دوسری غلطی یہ کہ شارح اور فقہاء کی عبارت میں تحریف کرکے ان کی طرف غلط نسبت کی ہے، اصل عبارت چھوڑ دی ہے جس کو وہ احتیاطاً واجب کہہ رہے ہیں یہ اس کو واجب نہیں سمجھتے، شارح جس پر فتویٰ دینے کو ناجائز کہہ رہے ہیں یہ اس کو جائز اور اس پر فتویٰ دے رہے ہیں۔

لمافی البحر الرائق(۱/۱۰۳۔۱۰۴): والاحتیاط واجب وھو العمل بالاقوی من الوجھین فوجب ... وفی المستصفی یعمل بقول ابی یوسف اذا کان فی بیت انسان واحتلم مثلا ویستحی من اھل البیت او خاف ان یقع فی قلبھم ریبۃ بان طاف حول اھل بیتھم وفی السراج الوھاج والفتوی علی قول ابی یوسف فی الضیف وعلی قولھما فی غیرہ۔

وفی البنایۃ(۱/۱۸۸): (فی الایجاب)أی الاحتیاط واجب فی ایجاب الغسل ترجیحالجانبہ وقال

Marfat.com

الاترازی قال بعض الشارحین الخروج علی وجه الشهوة قد وجد وانما عدم الدفق لاغیر فباعتبار ماوجد یجب الاغتسال وباعتبار ماعدم لا یجب فیرجع حال الوجود احتیاطاً۔

وفی بدائع الصنائع(۱/۳۷): (ومنها) ان ینفصل المنی عن شهوة ویخرج لا عن شهوة وانه یوجب الغسل فی قول ابی حنیفة ومحمد وعند ابی یوسف لایوجب فالمعتبر عندهما الانفصال عن شهوة و عنده المعتبر هو الانفصال مع الخروج عن شهوة وفائدته تظهر فی موضعین احدهما اذا احتلم الرجل فانتبه وقبض علی عورته حتی سکنت شهوته ثم خرج المنی بلا شهوة والثانی اذا جامع فاغتسل قبل ان یبول ثم خرج منه بقیة المنی وجه قول ابی یوسف ان جانب الانفصال یوجب الغسل وجانب الخروج ینفیه فلا یجب مع الشك ولهما انه اذا احتمل الوجوب والعدم فالقول بالوجوب اولی احتیاطاً۔

وفی الشامیة(۱/۱۶۰): (قوله وبقول ابی یوسف ناخذ) أی فی الضیف وغیره وفی الذخیرة ان الفقیه ابا اللیث وخلف بن ایوب إخذا بقول ابی یوسف وفی جامع الفتاوی ان الفتوی علی قوله اسماعیل: (قوله قلت الخ) ظاهره المیل الی اختیار مافی النوازل ولکن اکثر الکتب علی خلافه حتی البحر والنهر ولا سیما قد ذکروا ان قوله قیاس وقولهما استحسان وانه الاحوط فینبغی الافتاء بقوله فی مواضع الضرورة فقط تأمل۔

وفی الفقه الاسلامی(۱/۵۱۵): واتفق أئمة الحنفیة علی انه لا یجب الغسل اذا انفصل المنی عن مقره من الصلب بشهوة الا اذا خرج علی راس الذکر وهناك خلاف بینهم فی انه هل تشترط مقارنة الشهوة للخروج؟ فعندابی حنیفة ومحمد: لاتشترط وعند ابی یوسف تشترط وثمرة الخلاف تظهر فیما لو احتلم فوجد اللذة ولم ینزل حتی توضا وصلی ثم انزل۔ اغتسل ولا یعید الصلاة فی رأیهما ولا یغتسل فی رأیه ولو اغتسل بعد الجماع قبل النوم او البول او المشی ثم خرج منه المنی بلا شهوة یجب اعادة الغسل عندهما لا عنده وقولهما احوط لان الجنابة قضاء الشهوة فاذا وجدت مع الانفصال تحقق اسمها۔

(۱۰۷) ضرورت کی وجہ سے غسلِ جنابت کو مؤخر کرنے کا حکم

سوال:.....کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل جنابت کو ضرورت کی بنا پر مؤخر کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوهاب......جنبی کیلئے غسل کرنا فی الفور ضروری نہیں، تاخیر کی گنجائش ہے، البتہ اتنی تاخیر کرنا کہ جس سے نماز کا وقت نکل جائے باعثِ گناہ ہے۔

لمافی الهندية(۱/۱۶): الجنب إذا أخر الاغتسال إلى وقت الصلاة لا يأثم كذا فى المحيط قد نقل الشيخ سراج الدين الهندى الاجماع على انه لا يجب الوضوء على المحدث والغسل على الجنب والحائض والنفساء قبل وجوب الصلاة أو ارادة مالا يحل إلا به۔

وفى رد المحتار(۱/۱۶۵): قال فى الشرنبلالية: واختلف فى سبب وجوب الغسل۔ وعند عامة المشايخ ارادة فعل ما لا يحل فعله مع الجنابة وقيل وجوب مالا يحل معها، والذى يظهر انه ارادة فعل مالا يحل إلا به عند عدم ضيق الوقت أوعند ـ وب مالا يصح معها، وذلك عند ضيق الوقت لما قال فى الكافى ان سبب وجوب الغسل الصلاة أو ارادة مالا يحل فعله مع الجنابة والانزال والالتقاء شرط اهـ۔

(۱۰۸) مرتد کا دوبارہ اسلام قبول کرنے کیلئے غسل کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص پہلے کافر ہو بعد میں اسلام لائے تو اس کو غسل کرنا چاہیے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر کوئی شخص نعوذ باللہ مرتد ہو جائے اور بعد میں پھر اسلام لائے تو اس پر غسل کرنا لازم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوهاب......کافر کا اسلام قبول کرنے کیلئے غسل کرنا مستحب ہے بشرطیکہ حالت کفر میں جنابت لاحق نہ ہوئی ہو۔ اگر حالت کفر میں جنابت لاحق ہوئی تھی اور غسل نہیں کیا تھا تو اب غسل کرنا واجب ہوگا۔ مرتد کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ یعنی مرتد کا دوبارہ اسلام لانے کیلئے غسل کرنا مستحب ہے لیکن اگر حالت ارتداد میں جنابت لاحق ہوئی تھی اور غسل نہیں کیا تھا تو اب غسل کرنا واجب ہوگا۔

لمافی بدائع الصنائع(۱/۲۷۲): أما المستحب فهو غسل الكافر اذا اسلم لما روى ان رسول الله ﷺ كان يأمر بالغسل من جاء ه يريد الاسلام، وادنى درجات الامر الندب والاستحباب، هذا اذا لم يعرف انه جنب فاسلم، فأما اذا علم كونه جنبا فاسلم قبل الاغتسال اختلف المشايخ فيه قال بعضهم: لا يلزمه الاغتسال أيضا لان الكفار غير مخاطبين بشرائع هى من القربات والغسل يصير قربة بالنية فلا يلزمه وقال بعضهم: يلزمه لان الاسلام لاينافى بقاء الجنابة بدليل انه لا ينافى بقاء الحدث حتى يلزمه الوضوء بعد الاسلام كذا الجنابة، الخ۔

وفى الهندية(۱/۱۶): الكافر اذا أجنب ثم اسلم يجب عليه الغسل فى ظاهر الرواية (إلى قوله) وواحد

Marfat.com

مستحب وهو غسل الكافر اذا أسلم ولم يكن جنبا كذا فی محيط السرخسی۔

(۱۰۹) غسل خانے میں باتیں کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص غسل کر رہا تھا کہ باہر سے دوسرے آدمی نے آواز دی تو وہ غسل خانے میں بولنا شروع ہو گیا جب اس کو کہا گیا کہ غسل خانے میں باتیں کرنا منع ہے تو اس نے کہا بیت الخلاء میں باتیں کرنا منع ہے غسل خانے میں اجازت ہے تو کیا اس کی بات درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... چونکہ بیت الخلاء میں گندگی اور ستر کے کھلے ہونے کی حالت ہوتی ہے۔اس لئے وہاں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور دیگر دنیاوی باتیں کرنا مکروہ ہے۔لہٰذا غسل خانے میں بھی اگر دورانِ غسل ستر کھلا ہوا ہو تو باتیں کرنا مکروہ ہوگا، تاہم اگر ستر کھلا ہوا نہیں ہے، تب بھی غیر ضروری باتیں کرنا ادب کے خلاف ہے۔

لما فی الشامية (۱/۱۵۶): قال الشر نبلالی۔ ويستحب أن لايتكلم بكلام مطلقا أما كلام الناس فلكراهته حال الكشف۔ وأما الدعاء فلأنه فی مصبّ المستعمل ومحل الأقذار والأوحال۔

(۱۱۰) غسل مسنون کی اقسام اور جمعہ کے غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کن کن صورتوں میں غسل کرنا سنت ہے؟ اگر کوئی شخص جمعہ کے دن غسل نہ کرے تو کیا وہ گنہگار ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... چار صورتوں میں غسل کرنا مسنون ہے۔(۱)......جمعہ کے دن، (۲)......عید الفطر وعید الاضحیٰ کے دن، (۳)......حج وعمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے، (۴)......عرفہ کے دن زوال کے بعد۔

چونکہ جمعہ کے دن غسل کرنا مسنون ومستحب ہے اس لئے اگر کبھی کسی عذر یا مجبوری کی وجہ سے جمعہ کا غسل نہ کر سکے تو کوئی حرج نہیں لیکن بغیر کسی عذر کے اس کی عادت بنا لینے میں گناہ کا اندیشہ ہے۔لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ بغیر عذر کے جمعہ کے دن کا غسل ترک کرنے سے بچنا چاہیئے۔

لما فی الهندية (۱/۱۶): واربعة سنة وهی غسل يوم الجمعة ويوم العيدين ويوم عرفة وعند الاحرام۔

وفی الدر المختار (۱/۱۶۸): (وسن لصلوٰة جمعة و)لصلوة (عيد) هو الصحيح كما فی غرر الاذكار وغيره... (و) لاجل (احرام و) فی جبل (عرفة) بعد الزوال۔

وفی الشامية تحته: (قوله وسن الخ) هو من سنن الزوائد، فلا عتاب بتركه كما فی القهستانی۔

Marfat.com

فصل فی التیمم

(تیمم کے مسائل کا بیان)

(۱۱۱) تیمم کی حکمت و مصلحت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مرتبہ ایک خطیب صاحب مسئلہ بیان فرما رہے تھے کہ اگر کسی کو پانی نہ ملے یا کوئی عذر ہو تو وہ تیمم کر کے نماز ادا کرے نماز معاف نہیں ہے مسئلہ تو میں نے سمجھ لیا لیکن مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تیمم کرنے میں کیا مصلحت ہے جبکہ ظاہری کوئی فائدہ بھی نظر نہیں آ رہا، براہ کرم آپ حضرات تیمم کی مصلحت اور فوائد بیان فرما کر میری الجھن دور فرما دیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......حکیم ذات کا کوئی حکم، حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہوتا چاہے کسی کو بظاہر اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔لیکن ہر حکم کی حکمت ومصلحت ڈھونڈنا بندے کیلئے مناسب نہیں کہ حکمت سمجھے بغیر عمل پیرا ہونا کامل اطاعت ہے۔ہاں! کوئی اس درجہ پر پہنچا ہو کہ مصلحت معلوم کرنے سے اطاعت میں مزید اضافہ ہو تو اس وجہ سے اس کیلئے حکمت ومصلحت معلوم کرنا الگ بات ہے۔

تیمم کی مشروعیت، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان خصوصیات میں سے ہے جو آپ سے پہلے دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا نہیں ہوئیں اور اس میں مصلحت لوگوں کے لئے آسانی کا پیدا کرنا اور تنگی کو دفع کرنا ہے کہ جہاں پانی موجود نہ ہو یا پانی موجود ہو لیکن استعمال کرنے میں کوئی عذر ہو تو تیمم کیا جائے اور جس طرح تمام مائعات میں سے پانی کو طہارت کیلئے خاص کیا گیا ہے اسی طرح تیمم کیلئے مٹی کو خاص کیا گیا اور اس میں بنی آدم کی کرامت کا اظہار ہے کہ اس کی تخلیق بھی مٹی اور پانی سے ہوئی ہے۔تو ان دونوں کو اس کی پاکی کیلئے خاص کر دیا گیا۔

لمافی القرآن الكريم : وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَد مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْلَمَسْتُمُ النِسَآءَ فَلَم تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيْدُ اللهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُرِيْدُ لِيُطَهِرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ٥ (المائدة:٦)

Marfat.com

وفی التفسیر المنیر(٦/١١١): ثم ذکر تعالیٰ حکمة مشروعیة التیمم وهی التیسیر علی الناس ودفع الحرج عنهم، فابان انه تعالیٰ ما یرید لیجعل علیکم فیما شرعه من احکام الوضوء والغسل والتیمم فی هذه الآیة وغیرها حرجا ای ادنی ضیق واقل مشقة، لانه تعالیٰ غنی عنکم، رحیم بکم، فلا یشرع لکم الاما فیه الخیر والنفع لکم، ولکن یرید لیطهرکم من الدنس والرجس المادی بازالة الاقذار، والرجس المعنوی بطرد الکسل والفتور الحاصل عقب الجنابة، وبعث النشاط، لتکون النفس صافیة مرتاحة فی مناجاة ربها، ویرید ایضا ان یتم نعمته علیکم بالجمع بین طهارة الا بدان وطهارة الارواح، وتبیان طریق العبادة الافضل، لتؤد و الشکر الواجب علیکم، ولتداوموا شکر النعم التی انعمها الله علیکم۔

وفی مبسوط السرخسی(١/١٠٨): وما شرع التیمم الا لدفع الحرج قال الله تعالیٰ ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج...... فکما یختص الوضوء بالماء دون سائر المائعات فکذلك التیمم وفیه اظهار کرامة الادمی فانه مخلوق من التراب والماء فخصا بکونهما طهورا لهذا۔

(۱۱۲) کیاہر وہ چیز جو جلانے سے خاک نہ ہواس سے تیمم درست ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک عالم سے پوچھا کہ تیمم کس کس چیز سے جائز ہے تو وہ کہنے لگے کہ ہر وہ چیز جو جلانے سے خاک میں تبدیل نہ ہو تو اس اعتبار سے کافی چیزیں اس میں داخل ہو جاتی ہیں کیا سب سے تیمم کرنا جائز ہوگا جیسے نمک، مرچ اور گھر میں دیواروں پر لگا ہوا چونا وغیرہ؟ قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں یہ جواب مکمل نہیں بلکہ اس کے دو جز ہیں، اول زمین کی جنس میں سے ہر اس چیز سے تیمم جائز ہے جو جلانے سے نہ جلے، دوم پگھلانے سے نہ پگھلے، لہٰذا دونوں اصولوں کی روشنی میں گھر کی دیواروں کے چونے سے تیمم درست ہے، اور جہاں تک نمک کا تعلق ہے تو نمک کی دو قسمیں ہوتی ہیں اول سمندری، دوم پہاڑی، اگر نمک سمندری ہے تو اس سے تیمم درست نہیں کیونکہ یہ جنس ارض میں سے نہیں اور اگر نمک پہاڑی ہے تو اس سے تیمم درست ہے کیونکہ یہ جنس ارض میں سے ہے۔ اور مرچ چونکہ جلانے سے جل جاتی ہے لہٰذا اس سے بھی تیمم درست نہیں۔

لمافی الهندیة (١/٢٦):وکل مایحترق فیصیر رماداً کالحطب والحشیش ونحوهماأو ماینطبع ویلین کالحدید والصفر...فلیس من جنس الارض وما کان بخلاف ذلك فهو من جنسها ...

وفیه ایضاً (ص٢٧):أماالملح فان کان مائیاً فلا یجوز به اتفاقاًوان کان جبلیاً ففیه روایتان وصحح کل منهما ولکن الفتوی علی الجواز۔

Marfat.com

وفی رد المحتار (۲۳۹/۱):الفارق بين جنس الارض وغيره أن كل ما يحترق بالنار فيصير رماداًكالشجر والحشيش أو ينطبع ويلين كالحديد والصفر والذهب والزجاج ونحوها فليس من جنس الارض ابن كمال عن التحفة۔

(۱۱۳) تیمم کن کن چیزوں سے جائز ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کن کن چیزوں پر تیمم کرنا صحیح ہے؟ اگر پاک کپڑے پر گرد ہوتو اس پر تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... ہر وہ چیز جو پاک ہو اور جنس الارض سے ہو یعنی جلانے سے راکھ نہ ہو، اور پگھلانے سے پگھلتی نہ ہو تو اس پر تیمم کرنا صحیح ہے مثلاً مٹی، پتھر، چونا اور گچ وغیرہ۔ اگر پاک کپڑے پر گرد وغبار ہو تو اس پر تیمم کرنا درست ہے۔

لمافی الهندية (۲۶/۱-۲۷) : (ومنها الصعيد الطيب) يتيمم بطاهر من جنس الارض... فيجوز التيمم بالتراب والرمل و السبخة المنعقدة من الأرض دون الماء والجص والنورة والكحل والزرنيخ والمغرة والكبريت والفيروزج والعقيق والبلخش والزمرد والزبرجد ... وصورة التيمم بالغبار أن يضرب بيديه ثوباً أو لبدا أو وسادة أوما اشبهها من الأعيان الطهارة التى عليها غبار فإذا وقع الغبار على يديه تيمم۔

وفی الشامية(۲۳۹/۱): (قوله من جنس الارض) الفارق بين جنس الارض وغيره ان كل ما يحترق بالنار فيصير رماداً كالشجروالحشيش أو ينطبع ويلين كالحديد والصفر والذهب والزجاج ونحوها فليس من جنس الارض۔

(۱۱۴) مسجد کے فرش و دیواروں سے تیمم کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں گرمیوں میں چلہ لگانے گیا تو میری تشکیل ایسی جماعت کے ساتھ ہوئی جس میں تین عالم حضرات تھے رات کے وقت ہم سونے لگے تو ایک عالم صاحب نے کہا اگر کسی کو احتلام ہو جائے تو مسجد کی دیوار یا فرش پر ہاتھ مار کر تیمم کر لے اس کے بعد مسجد سے باہر جائے دوسرے نے کہا کہ مسجد کی مٹی سے تیمم کرنا جائز نہیں کافی بحث ومباحثہ ہوا لیکن کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا، میرے دل میں خیال آیا کہ کسی دارالافتاء سے معلوم کیا جائے اب میں آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مسجد کی مٹی سے تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... مسجد کی حرمت کے پیش نظر عام حالات میں مسجد کے در و دیوار سے تیمم کرنا مکروہ ہے البتہ

Marfat.com

موجودہ دور میں چونکہ مساجد پختہ ہوتی ہیں اس لئے مسجد کے اندر حالت جنابت میں مسجد کی در و دیوار سے تیمم کرنے کی گنجائش ہے۔ واضح رہے کہ یہ عمل (بوجہ جنابت اور خوفِ مال وجان کے تیمم) مستحب ہے اسلیے کہ جنابت وخوف مال اور جان کے وقتی طور پر تیمم کرنا اس کی وجہ سے بحث ومباحثہ کرنا مناسب نہیں۔

لمافی الولوالجیة(۱/۵۳): النائم اذا احتلم وهو فی المسجد ان امكنه ان يخرج من ساعته واغتسل حتى لا يبقى فی المسجد جنبا وان لم يمكن بان كان فی وسط الليل ولم يقدر على الخروج يستحب له التيمم حتى لا يبقى فی المسجد جنبا۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته(۱/۵۴۶): لو احتلم في المسجد، وجب عليه الخروج منه الا ان يعجز عن الخروج لإغلاق المسجد ونحوه، أوخاف على نفسه أو ماله. فان عجز او خاف جاز ان يقيم للضرورة ولا يتيمم بتراب المسجد فيحرم ذالك فان خالف وتيمم صح الخ۔

وفی البحر الرائق(۵/۴۱۹): لاحرمة لتراب المسجد اذا جمع وله حرمة اذا بسط۔

وفی الشامیة(۱/۲۴۳): لكن لقائل ان يقول: ان مراد المبتغی ان الجنب اذا وجد ماء فی المسجد واراد دخوله للاغتسال يتيمم ويدخل، ولو كان نائما فيه فاحتلم والماء خارجه وخشی من الخروج يتيمم وينام فيه الى ان يمكنه الخروج

قال فی المنية: وان احتلم فی المسجد تيمم للخروج اذا لم يخف، وان خاف يجلس مع التيمم ولا يصلی ولا يقرأ اهـ۔ويؤيد ما قلناه ان نفس النوم من المسجد ليس عبادة حتى يتيمم له وانما هو لأجل مكثه فی المسجد او لأجل مشيه فيه للخروج۔

Marfat.com

رسالة

أريج الترنم

فی الجمع بین الوضوء والتیمم

معذور شخص کیلئے وضواور تیمم کو جمع کرنے کا حکم

جو شخص چہرے پر غَسل اور مسح دونوں نہ کرسکتا ہو وہ تیمم کرے گا یا نہیں؟

ایک تسامح اور اس کا استدراک

(۱۱۵) تیمم اور وضو کو ایک ساتھ جمع نہیں کیا جاسکتا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے چہرے سے داڑھی کے بال تھوڑی سی جگہ سے یکدم سے گرنے لگے اور وہ جگہ خالی ہوگئی، ایک ڈاکٹر نے علاج کی حامی بھری ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ تقریباً ایک ہفتہ تک اس جگہ کو پانی نہیں لگنا چاہیے، یہاں تک کہ اس پر مسح بھی نہیں کرسکتے ،اب آپ بتائیں کہ میں تیمم کرکے نماز پڑھ لوں یا باقی اعضاء کو دھولوں اور چہرے کا تیمم کرلوں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جو بات ہو آپ مجھے بتلادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر ڈاکٹر مسلمان اور شریعت کا پابند ہے، تو آپ کیلئے اس کا قول معتبر ہے، لہٰذا آپ کیلئے تیمم کرنا درست ہے البتہ یہ تیمم صرف چہرے کا نہیں ہوگا بلکہ پورے اعضاء کا ہوگا اور اس کے ساتھ وضو نہیں ہوگا کیونکہ تیمم اور وضو دونوں کو جمع نہیں کرسکتے بلکہ دونوں میں سے صرف ایک پر عمل کرسکتے ہیں۔

لمافی الھندیة (۲۸/۱):ویعرف ذلك الخوف اما بغلبة الظن عن امارة او تجربة او اخبار طبیب حاذق مسلم غیر ظاھر الفسق...یغسل الصحیح ویمسح علی الجریح ان امکنه وان لم یمکنه المسح یمسح علی الجبائر او فوق الخرقة ولا یجمع بین الغسل والتیمم۔

Marfat.com

وفی الشامیة (۲۳۲/۱): (اوقول حاذق مسلم) ای اخبار طبیب حاذق مسلم غیر ظاهر الفسق ... وفی البحر ولا فرق عندنا بین ان یشتد بالتحرك کالمبطون او بالاستعمال کالجدری۔[1]

(۱۱۶) مذکورہ فتوے پر استدراک اور رجوع

سوال......عرض ہے کہ بندہ دار العلوم سرحد پشاور سے فارغ ہے زمانہ طالب علمی میں چہرہ پر ایک زخم لگ گیا تھا جس کے بارے میں ڈاکٹروں نے دھونے اور پانی لگنے سے منع کیا تھا۔ چند علماء کرام سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس جگہ کو چھوڑ دو باقی وضو کرلو۔ بعد میں احسن الفتاوی جلد ۲ باب التیمم میں اور ھندیہ وغیرہ کتب میں یہی لکھا ہوا پایا، اسی کو معمول بہ بنایا اور لوگوں کو بھی بتا رہا تھا۔

کچھ دن پہلے نجم الفتاوی کا مطالعہ کر رہا تھا جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ پر اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا ہے کہ اگر چہرے کے اس جگہ پر مسح بھی نہیں کر سکتے تو آپ کیلئے تیمم کرنا درست ہے، بظاہر دونوں جوابوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے اور سمجھ نہیں آرہا کہ کس پر عمل کریں۔ برائے مہربانی جو جواب درست ہو اس کو واضح فرمائیں۔ مشکور عند الناس ماجور عند اللہ۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... اصل مسئلہ سے قبل چند بنیادی باتیں جاننا ضروری ہیں:

(۱) فقہائے کرام نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ اگر کسی شخص کے اعضاء وضو میں سے اکثر زخمی ہوں (یعنی چار میں سے تین اعضاء مثلاً ہاتھ، منہ اور سر تینوں زخمی ہوں) تو وہ شخص تیمم کرے گا [غسل میں اعضاء کی تعداد کا اعتبار نہیں بلکہ مساحت کے اعتبار سے اکثر بدن کا اعتبار ہے] اور اگر اکثر اعضاء صحیح ہوں اور اقل زخمی ہوں مثلاً صرف ہاتھ یا صرف چہرہ زخمی ہو تو اس صورت میں اس شخص کیلئے تیمم کرنا درست نہیں بلکہ وہ شخص صحیح اعضاء کو دھوئے گا اور زخمی حصے پر مسح کرے گا۔

(۲) اگر زخم ایسا ہو کہ اس پر مسح نہ کر سکتا ہو تو اس پر پٹی، جبیرہ وغیرہ کچھ نہ کچھ باندھ لے اور اس پر مسح کرے۔

(۳) اگر زخم یا پٹی پر بھی مسح نہ کر سکتا ہو تو اب کیا کرے؟ وضو چھوڑ کر تیمم کرے یا اس عضو کو چھوڑ کر باقی وضو مکمل کرے؟ اس سے متعلق ھندیہ میں ہے:

وان کان به جدري أو جراحات یعتبر الأکثر محدثا کان أو جنبا ففي الجنابة یعتبر اکثر البدن وفي الحدث یعتبر اکثر أعضاء الوضوء فإن کان الأکثر صحیحا والاقل جریحا یغسل الصحیح ویمسح علی الجریح ان امکنه وان لم یمکنه المسح یمسح علی الجبائر أو فوق الخرقة ولا یجمع بین الغسل والتیمم۔ (الهندیة ۲۸/۱)

---

[1] اس مسئلے میں تسامح ہوا ہے اس پر استدراک اور رجوع اگلے فتوے میں ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

اور شامیہ میں ہے:

قوله (ويمسح الجريح) أي إن لم يضره وإلا عصبها بخرقة ومسح فوقها خانية وغيرها ومفاده كما قال ط إنه يلزمه شد الخرقة إن لم تكن موضوعة۔ (شامية ۱/۲۵۷)

ان عبارات سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ [اولا تو زخمی جگہ پر یا اس کی پٹی وغیرہ پر مسح کرنا ضروری ہے اور] مسح کے متعذر ہونے کی صورت میں وہ شخص تیمم کرے گا، چنانچہ ان جیسی عبارات کی وجہ سے ہم سے اس مسئلے میں تسامح ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا شخص تیمم نہیں کرے گا بلکہ اس عضو کو چھوڑ کر بقیہ اعضاء پر وضو کرے گا۔ یہ تسامح ہم سے ہی نہیں ہوا بلکہ بعض اکابرین سے بھی ان ہی عبارات کی بناء پر یہ تسامح ہوا ہے مثلاً فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

''اگر زخم یا پٹی پر مسح نہیں ہوسکتا تو پھر تیمم درست ہے فقط'' (فتاوی دار العلوم دیوبند ۱/۱۹۰)

اور ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں ہے:

س: میری عمر ۱۸ سال ہے اور میرے چہرے پر مہاسے ہیں جن میں خون اور پیپ ہے جب میں وضو کرتا ہوں تو چہرے پر پانی لگنے سے مہاسوں سے خون نکلنے لگتا ہے۔۔۔۔۔؟

ج: اگر تکلیف واقعی اتنی سخت ہے جتنی آپ نے لکھی ہے اور مسح بھی نہیں کرسکتے تو تیمم جائز ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل، مکتبہ لدھیانوی ۲/۹۰)

ان حضرات نے بھی اقل اعضاء مجروح اور اس پر مسح کے متعذر رہونے کی صورت میں تیمم کا قول کیا ہے۔

صاحب بحر نے اس شبہ کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

وبه اندفع ماكان قد توهم قبل الوقوف على هذا النقل إنه يتيمم لعجزه عن استعمال الماء وليس بعد النقل إلا الرجوع إليه''

''یعنی نقل صریح پر مطلع ہونے سے پہلے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ مذکورہ شخص (جو زخم وغیرہ پر مسح بھی نہ کرسکتا ہو) پانی کے استعمال سے عاجز ہونے کی وجہ سے تیمم کریگا لیکن نقل صریح ملنے کے بعد تو اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا''

بہر حال دوسری طرف فقہاء کرام کی صریح عبارتیں موجود ہیں کہ اقل اعضاء کے مجروح ہونے کی صورت میں اگر زخم یا پٹی پر مسح کرنا متعذر اور مشکل ہو تو اس صورت میں اس عذر کی وجہ سے وہ شخص تیمم نہیں کرسکتا بلکہ اس شخص سے اس عضو کا مسح ساقط اور معاف ہوجائے گا جیسا کہ عذر کی وجہ سے غسل (دھونا) ساقط ہوا تھا نیز اس کی وجہ سے وضو کو چھوڑ کر تیمم کی طرف نہیں جایا جائے گا۔

(۱) جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:

ولم يذكر المصنف رحمه الله صفة المسح على الجبيرة والملحق بها لوجود الاختلاف في نقل

Marfat.com

المذهب فاعلم أنه لا خلاف في أنه إذا كان المسح على الجبيرة يضره أنه يسقط عنه المسح لأن الغسل يسقط بالعذر فالمسح أولى وإنما الخلاف فيما إذا كان لا يضره۔

(البحر الرائق ۱/۳۲۱)

(۲) بحر کے حاشیہ منحۃ الخالق میں ہے:

وإن كان أكثر أعضائه صحيحا بأن كانت الجراحة على رأسه وسائر جسده صحيح فإنه يدع الرأس ويغسل سائر الاعضاء۔ (منحة الخالق ۱/۲۸۵)

(۳) امداد الفتاح میں ہے:

(وإن كان أكثره صحيحا غسله) أى الاكثر الصحيح (و مسح الجريح) مسحا على الجسد إن استطاع وإلا على خرقة ونحوها وإن أضر تركه۔ (امداد الفتاح ۱۲۹)

(۴) مجمع الأنهر میں ہے:

وفي مختارات النوازل وإنما يجوز المسح عليها إذا كان الماء يضر الجراحة إذا غسلها فإذا أضر يمسح على الجراحة وإن أضر يمسح على الجبيرة وإن أضر المسح على الجبيرة سقط المسح وكذا الحكم في موضع الفصد والزيادة على موضع الجراحة تبع لهاوخرقة القرحة وهي ما يوضع على القرحة ونحوها كالجرح والكي والكسر۔ (مجمع الانهر ۱/۷۵)

(۵) المحیط البرہانی میں ہے:

وإن كانت الجراحة بحالة لايقدر المسح عليها وعلى ربط الخرق والجبائر فغسل الرجل الصحيحة ولبس الخف عليها ثم أحدث و توضأ جاز المسح على الخف فى الرجل الصحيحة لأن الجراحة إذا كانت بهذه الصفة لايلزمه فى الرجل المجروحة فرض الغسل ولا فرض المسح فجعلت كالذاهبة أصلاً وكأن له رجل واحدة وهى الصحيحة لا غير فيمسح عليها إذا المسح لا يؤدى إلى الجمع بين البدل والمبدل۔ (المحيط البرهانى ۱/۳۸۵)

(۶) الفقہ الاسلامی میں ہے:

”قال المالكية والارمد الذي لا يستطيع المسح على عينه أو جبهته إن خاف الضرر، يضع خرقة على العين أو الجبهة ويمسح عليها. وقال الحنفية: يترك المسح كالغسل إن ضر وإلا لا يترك“

(الفقه الاسلامى ۱/۳۲۸)

Marfat.com

(۷)ھندیہ میں ہے:

’’ وشقوق أعضائه يمر عليها الماء إن قدر وإلا مسح عليها إن قدر وإلا تركه وغسل ما حولها كذا في التبيين‘‘ (الهندية ۱/۳۵)

(۸)شامیہ میں ہے:

’’قوله (ويترك المسح كالغسل) أي يترك المسح على الجبيرة كما يترك الغسل لما تحتها وهذا هو الرابع ح قوله (إن ضر) المراد الضرر المعتبر لا مطلقة لأن العمل لا يخلو عن أدنى ضرر وذلك لا يبيح الترك ط عن شرح المجمع قوله (وإلا لا يترك) أي على الصحيح المفتى به كما مر‘‘ (الشامية ۱/۲۸۰)

ان تمام عبارات سے معلوم ہورہا ہے کہ عضوِ مجروح پر اگر مسح بھی متعذر ہو تو مسح بھی معاف ہو جائے گا گویا وہ عضو کالعدم بنے گا مگر وضو کو چھوڑ کر تیمم کی طرف نہیں جایا جائے گا۔ بہرحال ہمارے نزدیک بھی صحیح قول یہی ہے کہ اگر اقل اعضاء کے مجروح ہونے کی صورت میں زخم وغیرہ پر مسح بھی نہ کرسکتا ہو تو اس عضو کا مسح اس کیلئے معاف ہو جائے گا اس جگہ کو چھوڑ کر باقی وضو مکمل کرے مگر اس عذر کی وجہ سے اس کیلئے تیمم کرنا درست نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے ہماری توجہ اس مسئلے کی طرف کرائی نیز بندہ امید کرتا ہے کہ آئندہ بھی آنجناب بندے کو ایسے مسائل سے آگاہ فرماتے رہیں گے۔ شکریہ۔

Marfat.com

(۱۱۷)وضو کی اجازت نہ ہونے پر تیمم جائز ہے؟

سوال:......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہے جہاں پانی نہیں یا پانی تو ہے لیکن وضو کیلئے جگہ نہیں اور وضو کی اجازت بھی نہیں تو کیا ایسی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے؟ نیز ایسی جگہ اگر تیمم کیلئے بھی کچھ نہ ملے تو پھر کیا کرے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں اگر پانی نہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ ایک میل شرعی (جو کلومیٹر کے حساب سے 1.609 ہوتا ہے) کی مسافت تک پانی ہے یا نہیں اگر ایک میل تک پانی مل سکتا ہو تو پانی حاصل کر کے وضو کرے گا، اور اگر ایک میل تک پانی نہیں یا اسے پانی کا ہونا یا نہ ہونا معلوم نہ ہو تو اگر ظن غالب یہی ہے کہ پانی نہیں ہوگا، تو بھی تیمم کرنا جائز ہوگا لیکن اگر پانی کے موجود ہونے یا نہ ہونے میں شک ہو تو تلاش کرنا ضروری ہوگا، تلاش کے بعد اگر مل جائے تو ٹھیک ورنہ تیمم کرلے۔ اور اگر پانی تو ہے لیکن وضو کی جگہ نہیں تو تیمم جائز نہیں وضو کرنا ہی ضروری ہوگا۔ اور اگر پانی موجود ہے لیکن وضو کی اجازت نہیں تو دیکھا جائے گا کہ اگر وضو کرنے سے شدید مشقت کا اندیشہ ہے مثلاً منع کرنے والا قید میں ڈال دے گا یا قتل کردے گا تو بھی تیمم کرنا جائز ہوگا، ورنہ نہیں اور ایسے نماز پڑھنے کی صورت میں بعد میں جب یہ عذر ختم ہو جائے تو اس نماز کو دوبارہ پڑھنا لازم ہوگا۔ اور اگر پانی اور تیمم کیلئے کوئی چیز نہ پائے تو اگر نماز کا وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں تشبہ بالمصلین کرے گا یعنی جیسے نماز میں حرکات وسکنات ہوتی ہیں خاموشی (بغیر قراءت کے) کے ساتھ ویسے ہی کرے گا اور بعد میں جب پانی وغیرہ مل جائے تو دوبارہ ان نمازوں کی قضاء کرلے۔

لما في الهندية (۱/۲۷): يجوز التيمم لمن كان بعيداً من الماء ميلاً هو المختار في المقدار سواء كان خارج المصر أو فيه وهو الصحيح۔

وفي الدر المختار (۱/۲۵۲): (والمحصور فاقد)الماء والتراب(الطهورين)بان حبس في مكان نجس ولا يمكنه اخراج تراب مطهر...(يؤخرها عنده: وقالا يتشبه) بالمصلين وجوباً

وفي الشامية تحته (وقالا يتشبه بالمصلين)اى احتراما للوقت۔قال ط ولا يقرأ كما في أبي مسعود سواء كان حدثه أصغر أو أكبر اهـ قلت: وظاهره أنه لاينوى أيضاً لأنه تشبه لاصلاة حقيقية تأمل۔

وفي الشامية (۱/۲۳۵):اعلم ان المانع من الوضوء ان كان من قبل العباد كأسير منعه الكفار من الوضوء ومحبوس في السجن ومن قيل له ان توضأت قتلتك جاز له التيمم ويعيد الصلاة اذا زال المانع۔

Marfat.com

(۱۱۸) معذوری میں تیمم کی مشروعیت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جو سخت بیمار ہے اور بستر پر پڑا ہوا ہے، طہارت وغیرہ کا انتظام مشکل ہے، بستر سے اٹھ بھی نہیں سکتا لہٰذا وضو بھی نہیں کرایا جا سکتا نہ ہی خود کر سکتا ہے کیونکہ سارا پانی بستر پر گرتا ہے، جس کی وجہ سے کافی پریشانی ہوتی ہے، تو کیا ایسی حالت میں نماز معاف نہیں ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب مریض خود وضو نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسے کرایا جا سکتا ہے تو ایسی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھے گا، نماز معاف نہیں ہوگی۔

لمافي الدر المختار (۱/۲۳۲۔۲۳۳): (من عجز)... (عن استعمال الماء)... (لبعده)... (او لمرض) يشتد او يمتد بغلبة ظن او قول حاذق مسلم ولو بتحرك، او لم يجد من توضئه فان وجد ولو بأجرة مثل وله ذلك لا يتيمم في ظاهر المذهب كما في البحر۔

(۱۱۹) نزلے کے مریض کیلئے حالت جنابت میں تیمم کا حکم نیز ٹریننگ کے دوران تیمم کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نزلے کا مریض ہوں جب سردی آجاتی ہے تو میری حالت مزید خراب ہو جاتی ہے جب غسل کرتا ہوں تو سخت سردی لگتی ہے اور مرض بڑھ جانے کا یقین ہوتا ہے تو اگر مجھے غسل جنابت کی حاجت ہو تو کیا تیمم کر کے میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟

نیز میرا ایک دوست پاکستان آرمی میں ہے، ان کی ٹریننگ بعض دفعہ ایسے صحراؤں میں ہوتی ہے جہاں پانی کا نام ونشان نہیں ہوتا اور کئی کئی دن وہاں گزارنے پڑتے ہیں، تھوڑا سا پانی صرف پینے کیلئے ملتا ہے اس کے علاوہ پانی موجود تو ہوتا ہے لیکن افسران بالا کے قبضے میں ہوتا ہے سوائے پینے کے نہیں ملتا، ایسی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر تیمم جائز نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......مریض اس وقت تیمم کر سکتا ہے جب اس کو خود ظن غالب ہو یا کوئی ماہر ڈاکٹر یا طبیب اس کو یہ بتائے کہ پانی کے استعمال سے مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہے۔ اور صورت مسئولہ میں اگر گرم پانی کے استعمال پر بھی قدرت نہ ہو یا اس سے بھی مرض بڑھنے کا ظن غالب یا یقین ہو تو ایسی صورت میں تیمم کرنے کی گنجائش ہے۔

نیز جو پانی آپ کے دوست کو ملتا ہے اگر وہ اتنا کم ہو کہ وضو میں استعمال کیا جائے تو ختم ہو جائے گا اور شدت پیاس کی وجہ سے

Marfat.com

ہلاکت کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں افسران بالا سے وضو کیلئے پانی مانگنا ضروری ہے، اگر وہ دینے سے انکار کردیں تو پھر تیمم کرنا جائز ہے۔

لمافی الهندية (۲۸/۱): ولو كان يجد الماء الا انه مريض يخاف ان استعمل الماء اشتد مرضه أو أبطأبرؤه يتيمم ... ويعرف ذلك الخوف اما بغلبة الظن عن امارة أو تجربة أو اخبار طبيب حاذق مسلم غير ظاهر الفسق۔

وفي الدر المختار(۲۳۳/۱): (أولمرض) يشتد أو يمتد بغلبة ظن أوقول حاذق مسلم ولو بتحرك أو لم يجد من توضئه۔

وفي الهندية (۲۸/۱):وكذا اذا خاف العطش علي نفسه أو رفيقه المخالط له أو آخر من اهل القافلة...

وفي الدر المختار (۲۳۲/۱):(من عجز)... (عن استعمال الماء)... (لبعده) ...صـ۲۳۴(او خوف عدو) (اوعطش) ...صـ۲۳۶(تيمم)

وفي الشامية (اوعطش)معطوف على عدو-اى لانه مشغول بحاجته والمشغول بالحاجة كالمعدوم۔

وفي الدرالمختار (۲۵۰/۱): (ويطلبه) وجوبا على الظاهر من رفيقه (ممن هو معه فان منعه) ولو دلالة بأن استهلكه (تيمم) لتحقق عجزه۔

وفي الشامية (صـ۲۵۱):(من رفيقه)...ذكر الرفيق جرى مجرى العادة،والا فكل من حضر وقت الصلاة فحكمه كذلك رفيقا كان او غيره۔

(۱۲۰)ٹرین میں پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم نیز کپڑوں پر تیمم کرنا کیسا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص ٹرین میں سفر کر رہا ہو، ٹرین میں پانی نہ ہو، اور نماز کے وقت میں رکنے کا امکان بھی نہ ہو، یہ شخص ٹرین میں تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے؟ نیز یہ شخص تیمم کپڑے پر کر سکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر پانی ایک میل سے زیادہ دور ہو، اور ٹرین میں نہ ہی کسی سے اتنا پانی ملنے کی امید ہو، جس سے وضو ہو سکے تو یہ شخص ٹرین میں تیمم کر کے نماز پڑھ لے، پھر اگر کھڑے ہو کر پڑھ سکتا ہے تو کھڑے ہو کر پڑھے ورنہ بیٹھ کر پڑھ لے۔

لیکن پانی اگر ایک میل سے کم دور ہو، اور ٹرین کا وہاں پہنچنے تک نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو، تو پھر بھی تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ البتہ اس صورت میں نماز کی قضاء بھی ضروری ہے۔ نیز کپڑے پر اگر تھوڑا / بہت غبار ہو تو اس پر تیمم کرنا درست ہے۔

Marfat.com

لمافی الهندية(۱/۲۷): وصورة التيمم بالغبار ان يضرب بيديه ثوبا أو لبدا او وسادة او ما اشبهها من الاعيان الطاهرة التى عليها غبار فاذا وقع الغبار على يديه تيمم أو ينفض ثوبه حتى يرتفع غباره فيرفع يديه فى الغبار فى الهواء فاذا وقع الغبار على يديه تيمم كذا فى المحيط... ومنها عدم القدرة على الماء...

وفيه ايضاً(۱/۱۴۳): أما الصلاة فى السفينة فالمستحب أن يخرج من السفينة للفريضة اذا قدر عليه كذا فى المحيط السرخسى۔

وفى الدر المختار(۱/۲۴۱): (و) جاز (لخوف فوت صلاة جنازة)... (أو) فوت (عيد) ... (ص۲۴۶) (لا) يتيمم (لفوت جمعة ووقت)... وقيل يتيمم لفوات الوقت قال الحلبى: فالأحوط ان يتيمم ويصلى ثم يعيده۔

وفى الشامية تحته: (قوله وجاز لخوف فوت صلاة جنازة) اى ولو كان الماء قريبا۔

وتحت(قوله قال الحلبى)... ثم قال ماحاصله: ولعل هذا من هؤلاء المشايخ اختيار لقول زفر لقوة دليله وهو ان التيمم انما شرع للحاجة الى اداء الصلاة فى الوقت فيتيمم عند خوف فوته...

قلت: وهذا قول متوسط بين القولين، وفيه الخروج عن العهدة بيقين فلذا اقره الشارح...

بل قد علمت من كلام القنية انه رواية عن مشايخنا الثلاثة۔ ونظير هذا مسألة الضيف الذى خاف ريبة فانهم قالوا يصلى ثم يعيد والله تعالىٰ اعلم۔

(۱۲۱) سردی کی وجہ سے تیمم کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو غسل کی ضرورت ہے لیکن پانی ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے غسل کرنا دشوار ہے جبکہ وہ وضو کر سکتا ہے تو کیا اس کیلئے شرعاً جائز ہے کہ وہ غسل کیلئے تیمم کرے اور وضو کر کے نماز پڑھ لے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں اگر غسل کی ضرورت کے وقت سخت سردی کی وجہ سے غسل کرنا دشوار ہو بایں معنیٰ کہ بیمار ہو جانے یا سخت نقصان کا خطرہ ہو اور گرم پانی یا گرم کمرہ بھی میسر نہ ہو تو ایسی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔ اور جائز ہونے کی صورت میں صرف تیمم کرے گا بعد میں وضو کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وضو اور تیمم دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

لمافی خلاصة الفتاوى (۱/۳۸): فى الأصل الجنب والحائض والمحدث فى التيمم سوآء ويجوز للمريض ان يتيمم فى المصر اذا لم يستطع الوضوء او الغسل للمرض او يخاف على نفسه

Marfat.com

الهلاك بسبب استعمال الماء او يخاف تلف عضومن اعضائه وان كان لا يخاف الهلاك ولا تلف العضوولكن يخاف زيادة المرض او ابطاء البرء يجوز التيمم عندنا ولو كان الماء لايضره ولكن لايمكنه استعمال الماء جاز له التيمم عندنا۔

وفی الهندية (۲۸/۱): ويجوز التيمم إذا خاف الجنب إذا اغتسل بالماء أن يقتله البرد أو يمرضه هذا إذا كان خارج المصر إجماعا فإن كان في المصر فكذا عند أبي حنيفة خلافا لهما والخلاف فيما إذا لم يجد ما يدخل به الحمام فان وجد لم يجز إجماعا وفيما إذا لم يقدر على تسخين الماء فإن قدر لم يجز هكذا في السراج الوهاج وإذا خاف المحدث أن توضا أن يقتله البرد أو يمرضه يتيمم هكذا في الكافي واختاره في الأسرار لكن الأصح عدم جوازه إجماعا كذا في النهر الفائق والصحيح انه لا يباح له التيمم كذا في الخلاصة وفتاوى قاضي خان۔

وفی الدرالمختار (۲۳۲/۱):(من عجز)... (عن استعمال الماء)... (لبعده)... (أو برد) يهلك الجنب أو يمرضه ولو فی المصر اذا لم تكن له اجرة حمام ولا مايدفئه

وفی الشامية (ولا ما يدفئه)...قال فی البحر:فصار الأصل أنه متى قدر على الاغتسال بوجه من الوجوه لا يباح له التيمم اجماعا۔

(۱۲۲) سخت سردی کی حالت میں تیمم کاشرعی حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایسی سخت سردی ہو جس میں پانی استعمال کرنے سے نقصان کااندیشہ ہوتواس میں تیمم کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سخت سردی کی حالت میں اگر ہلاکت یا عضو کے تلف ہونے کا، یا بیماری کی زیادتی کا قوی اندیشہ ہواور گرم پانی یاایسی کوئی چیز جس سے گرمی حاصل کر سکے بھی نہ ملے،تو تیمم کرنا جائز ہے۔

لمافی الهندية(۲۸/۱): ويجوز التيمم اذا خاف الجنب اذا اغتسل بالماء ان يقتله البرد أو يمرضه۔

وفی الدر المختار (۲۳۴/۱) : أوبرد يهلك الجنب اويمرضه ولو فی المصر اذا لم تكن له اجرة حمام ولا مايدفئه۔

وفی الشامية (۲۳۴/۱): نعم مفاد التعليل بعدم تحقق الضرر فی الوضوء عادة أنه لو تحقق جاز فيه ايضاً اتفاقاً ، ولذا مشى عليه فی الامداد لان الحرج مدفوع بالنص۔

Marfat.com

(۱۲۳) نمازِ جنازہ کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نمازِ جنازہ ہو رہا ہے اگر وضو کرے تو نماز جنازہ نہ ملنے کا اندیشہ ہے اب وضو کرے یا تیمم؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں نماز جنازہ نہ ملنے کے خوف سے وہ تیمم کرسکتا ہے جبکہ امام یا ولی نہ ہو۔

لمافي الهندية(۱/۳۱): ويجوز التيمم اذا حضرته جنازة والولي غيره فخاف ان اشتغل بالطهارة ان تفوته الصلاة ولا يجوز للولي وهو الصحيح هكذا في الهداية۔

وفي الشامية(۱/۲۴۵): قوله بخلاف صلاة جنازة اي فان تيمما تجوزبه سائر الصلوات لكن عند فقد الماء وا ما عند وجوده اذا خاف فوتها فانما تجوزبه الصلاة على جنازة اخرى اذا لم يكن بينهما فاصل كمامر ولا يجوز به غيرها من الصلوات أفاده ح۔

(۱۲۴) نماز جنازہ کیلئے تیمم کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک دم سے جنازہ سامنے آجائے یا کہیں جنازہ کیلئے جانا ہو اور وضو کی فرصت نہ ہو یعنی وضو میں مشغولیت کی وجہ سے نماز جنازہ نکل جانے کا اندیشہ ہو، ایسی صورت میں اگر بلا وضو جنازہ پڑھ لیں تو کیسا ہے؟ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ بلا وضو اگر کوئی سجدہ کرے تو کافر ہو جاتا ہے جبکہ نماز جنازہ میں سجدہ نہیں ہوتا، یا کوئی اور صورت اختیار کی جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......بغیر وضو نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں، جس طرح اور نمازوں کیلئے طہارت شرط ہے اسی طرح نماز جنازہ کیلئے بھی طہارت شرط ہے، البتہ اگر اچانک جنازہ سامنے آجائے یا جنازہ کیلئے جانا ہو اور وضو میں مشغول ہونے سے نماز جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، بشرطیکہ تیمم کرنے والا امام یا میت کا ولی نہ ہو کیونکہ ان دونوں کیلئے ہر صورت میں وضو کرنا ہی ضروری ہوگا۔ اور اگر کسی نے بغیر وضو نماز (چاہے پنج وقتی نماز ہو، نفل ہوں یا نماز جنازہ) کی ادائیگی کی تو اگر مسئلے کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا یا لوگوں سے شرم کی وجہ سے تو ایسا شخص سخت گناہ گار ہوگا جس پر اسے توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے اور اگر کسی نے یہ فعل جان بوجھ کر اسے جائز وحلال سمجھتے ہوئے کیا تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

لمافي الروض الازهر(ص۴۶۸): وفي الفتاوى الصغرى والجواهر: ومن صلى مع الإمام بجماعة بغير طهارة عمدا كفر، وفيه ان قيد الجماعة مع الامام لا يظهر وجهه ثم الصلوة بغير طهارة معصية فلا ينبغي ان يقال بكفره الا إذا استحلها...(وفي ص۴۶۹) وفي التتمة من سجد أو صلى

Marfat.com

محدثا ریاء کفر، فیه أن قید الریاء یفید أنه إن صلی جیاء لا یکفر واما اذا جمع بین الریاء وترك الطهارة فکانه غلظ المعصیة ومع هذا لا یخلوا عن الشبهة لا سیما فی السجدة المفردة حیث یتوهم کثیرون أنها تجوز من غیر طهارة ...کذا إذا صلی بغیر طهارة أو مع الثوب النجس یعنی مع القدرة علی الثوب الطاهر کفر یعنی اذا استحل والا فلا شك انها معصیة وانه کأنه ترك تلك الصلوة وبمجرد ترکها لا یکفر۔

وفی الهندیة (۱/۳۱): ویجوز التیمم اذا حضرته جنازة والولی غیره فخاف ان اشتغل بالطهارة أن تفوته الصلاة ولا یجوز للولی هو الصحیح۔

وفی الدر المختار (۱/۲۴۱): (و) جاز (لخوف فوت صلاة جنازة)

وفی الشامیة تحته ولو کان الماء قریبا۔

(۱۲۵) عید کی نماز کیلئے تیمم کی ایک صورت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک صاحب عید کی نماز پڑھنے عیدگاہ گئے نماز سے ذرا پہلے ان کا وضوٹوٹ گیا، وہاں وضو کا کوئی انتظام نہیں، اب انہیں کیا کرنا چاہیے؟ تیمم کرکے نماز پڑھ لیں یا وضو کرنے کیلئے گھر جائیں، گھر جانے کی صورت میں نماز نکلنے کا اندیشہ ہے، یا عیدگاہ کے قریب جو گھر ہیں وہاں سے پانی مانگ کر وضو کرلے لیکن اس صورت میں غیر محرم سے بات چیت کرنی پڑتی ہے اور اس سے پانی لینا پڑتا ہے کیونکہ سب لوگ یہاں تک کہ بچے بھی نماز کیلئے عیدگاہ جاتے ہیں اور عیدگاہ میں یہ پوچھنا کہ قریب میں کس کا گھر ہے، جو وضو کیلئے پانی دے دے، یہ مشکل ہے؟ اب ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں؟۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں جب عیدگاہ میں پانی موجود نہ ہو تو اگر نماز میں اتنا وقت باقی ہو کہ پانی کے انتظام اور وضو سے فراغت تک نماز ملنے کی اُمید ہو تو پانی کے انتظام کی کوشش کرنی ضروری ہے، اور اگر پانی کا انتظام کرکے وضو کرنے میں نماز فوت ہونے یا نہ ملنے کا خوف ہو تو ایسی صورت میں تیمم کرکے نماز پڑھ لیں۔

لما فی الدر المختار (۱/۲۴۱): (و) جاز (لخوف فوت صلاة الجنازة) ... (أو) فوت (عید) بفراغ امام اوزوال شمس (ولو) کان یبنی (بناء) بعد شروعه متوضأ وسبق حدثه (بلا فرق بین کونه اماما اولا) فی الاصح لان المناط خوف الفوت لا الی بدل۔

وفی الشامیة: (لان المناط) ای الذی تعلق به الحکم المذکور و هو التیمم لخوف فوت الصلاة بلا بعد عن الماء۔

Marfat.com

وفی الخیریة(ص۵): فلا یجوز التیمم له مع وجود الماء الا فی موضع یخشی الفوات لا إلی خلف کصلوٰۃ الجنازۃ والعید۔

(۱۲۶) پانی کی موجودگی میں تلاوت کیلئے تیمم کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پانی کی موجودگی میں قرآن کریم کی تلاوت کیلئے تیمم کرنے سے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... بے وضو ہونے کی حالت میں قرآن کریم کو چھوئے بغیر صرف تلاوت کیلئے تیمم کرنا جائز ہے، اگرچہ پانی موجود ہو کیونکہ قرآن کریم کو ہاتھ لگائے بغیر تلاوت کرنا ان عبادات میں سے ہے کہ جن کیلئے اگر جنابت نہ ہو تو طہارت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر، چھو کر تلاوت کیلئے باوضو ہونا ضروری ہے۔

لمافی الهندیة(۲۶/۱): و لو تیمم لقراءة القرآن عن ظهر القلب أو عن المصحف أو لزیارة القبور أو لدفن المیت أو للأذان أو للإقامة أو لدخول المسجد أو لخروجه بأن دخل المسجد وهو متوضئ ثم أحدث أو لمس المصحف وصلی بذلك التیمم قال عامة العلماء لایجوز۔

وفی الدر المختار(۲۴۵/۱): أنه یجوز لکل مالا تشترط الطهارة له و لو مع وجود الماء وأما ماتشترط له فیشترط فقد الماء کتیمم لمس مصحف فلا یجوز لواجد الماء وأما للقراءة فإن محدثا فکالأول أوجنبا فکالثانی۔

(۱۲۷) پانی نہ ہونے کی صورت میں مشروبات سے وضو کرے یا تیمم؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بسا اوقات دوران سفر ٹرین میں پانی نہیں ہوتا اور نماز کا وقت ختم ہو رہا ہوتا ہے اور اسٹیشن پر بھی بسا اوقات ٹرین بہت کم وقت کیلئے رُکتی ہے جس میں پانی حاصل کرنا دشوار ہوتا ہے اور بعض اوقات بڑے اسٹیشن بہت دور ہوتے ہیں اور عام پانی میسر نہیں ہوتا البتہ بوتل والا گھوم رہا ہوتا ہے، تو کیا ایسی حالت میں بوتل (پیپسی وغیرہ) سے وضو کرنا جائز ہوگا یا تیمم کرنا چاہیئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں جب ٹرین کے کسی بھی ڈبے میں بالکل پانی نہ مل رہا ہو اور نماز کا وقت ختم ہو رہا ہو تو تیمم کر کے نماز ادا کی جائے گی، اسی طرح جب پانی کے ایک میل تک ملنے کی امید نہ ہو تو اس وقت بھی تیمم کر کے نماز ادا کی جائے گی۔ باقی پیپسی وغیرہ جو مشروبات فروخت ہوتے ہیں یہ چونکہ ماء مطلق نہیں ہیں اس لئے ان سے وضو نہیں کیا جائے گا بلکہ تیمم کیا جائے گا ہاں اگر یہ امید ہو کہ مستحب وقت کے اندر اندر کسی اسٹیشن پر پہنچ کر پانی مل جائے تو اس وقت تک تاخیر کر لینا مستحب ہے۔

Marfat.com

لما فی الدرالمختار (۲۳۲/۱): (من عجز) مبتداء خبرہ تیمم (عن استعمال الماء) المطلق الکافی لطہارتہ لصلاۃ تفوت الی خلف (لبعدہ) ولو مقیما فی المصر (میلاً)۔۔۔۔۔۔ (أولمرض)

وفی الشامیۃ (۲۴۹/۱): والحاصل انہ اذا رجا الماء یؤخر الی آخر الوقت المستحب بحیث لایقع فی کراہۃ وان کان لایرجو الماء یصلی فی الوقت المستحب کوقت الاسفار فی الفجر والابرادفی ظہر الصیف ونحو ذلک۔

(۱۲۸) چلتی ہوئی ریل سے چشمے تالاب وغیرہ دکھائی دینے سے تیمم نہیں ٹوٹتا

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص ریل میں سفر کررہا ہو، اوراس نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا ہواوراثناء راہ میں چلتی ہوئی ریل سے اُسے پانی کا چشمہ یا تالاب وغیرہ دکھائی دیں تو کیا اس کا تیمم باقی رہے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں چلتی ہوئی ریل سے چشمہ یا تالاب وغیرہ صرف دکھائی دینے سے تیمم نہیں ٹوٹے گا، جب تک کہ اس پانی کے استعمال پر قدرت حاصل نہ ہو۔

لمافی الھندیۃ (۳۰/۱): وأن مرعلی الماء وھو فی موضع لایستطیع النزول الیہ لخوف عدو أوسبع لم ینتقض ھکذا فی السراج الوھاج۔۔۔۔۔۔ المسافر اذا مرفی الفلاۃ بماء موضوع فی حب أونحوہ لا ینتقض تیممہ۔

وفی الدر المختار (۲۵۶/۱): والحاصل أن کل مایمنع وجودہ التیمم نقض وجودہ التیمم (ومالا) یمنع وجودہ التیمم فی الابتداء (فلا) ینقض وجودہ بعد ذلک التیمم

وفی الشامیۃ تحتہ: (قولہ والحاصل) اراد بہ التنبیہ علی أن ذلک قاعدۃ کلیۃ تغنی عن ذکرقدرۃ الماء الکافی فافھم۔

(۱۲۹) مقتدیوں کا امام سے بغیر کسی عذر شرعی کے ناراض ہونے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے کا ایک امام ہے جس کی عمر تقریباً پچاس سال ہے وہ اکثر بیمار رہتا ہے اس کی اولاد بھی صحیح نہیں ہے لوگ اس کو کہتے ہیں اپنی اولاد کو سمجھاؤ تو وہ کہتا ہے میرے سے زیادہ ہیں لوگ اس کو امامت سے ہٹانا چاہتے ہیں وہ امامت چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہے اب بعض لوگ اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے آیا ایسے امام کی امامت صحیح ہے؟ اوراس کا روکنے کے باوجود امامت کرانا کیسا ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملك الوهاب...... امامت ایک عظیم الشان منصب ہے اس کی رعایت کرتے ہوئے امام کو ہر اس کام سے اجتناب کرنا چاہیے جو فتنہ وفساد اور مقتدیوں کی ناراضگی کا سبب بنے لہٰذا اپنے گھر والوں اور اولاد کی بھی نگرانی رکھے اور ان کی اصلاح کرتا رہے کہیں وہ گناہوں میں مبتلا اور نافرمان نہ ہو جائیں، لقولہ تعالیٰ "قوا انفسکم واھلیکم نارا" یعنی خود بھی اور اپنے گھر والوں کو بھی جہنم سے بچاؤ، صورت مسئولہ میں امام صاحب کو اپنی اولاد کی فکر کرنی چاہیے اگر وہ سمجھانے کے باوجود نہ سمجھیں تو ان سے قطع تعلق کرنا (بشرطیکہ ان کے اس طرح سدھرنے کی امید ہو) بھی جائز ہے لیکن امام صاحب کا اکثر بیمار رہنا اور ان کی اولاد کا صحیح نہ ہونا، اگرچہ اس سے ان کی ذات میں شرعاً قباحت لازم نہیں آتی جس کی وجہ سے ان کو امامت سے ہٹایا جائے اگر مقتدی ان افعال کی وجہ سے امام کو ہٹانا چاہتے ہیں تو ایسا کرنا ان کیلئے ناجائز ہے اجتناب کرنا چاہیے البتہ امام کو اس منصب کا لحاظ کرتے ہوئے خود استعفیٰ دیدینا چاہیے کیونکہ وہ اکثر بیمار رہتے ہیں اگر وہ امامت سے استعفیٰ نہ دیں پھر بھی ان کے پیچھے نماز درست ہے۔

لمافی مرقاة المفاتيح (۸۴/۳): (وامام قوم) أی الامامة الكبرىٰ أو امامة الصلاة (وهم له) وفی نسخة لها أی الإمامة (كارهون) أی لمعنى مذموم فی الشرع وإن كرهوا لخلاف ذلك فالعيب عليهم ولا كراهته قال ابن الملك أی كارهون لبدعته أو فسقه أو جهله اما اذا كان بينه وبينهم كراهة وعداوة بسبب أمر دنيوی فلا يكون له هذا الحكم۔

وفی التجنيس والمزيد (۷/۲): رجل أمّ قوماً وهم له كارهون فهذا على ثلاثة أوجه اما اذا كانت الكراهية لفساد فيه أو كانوا احق بالامامة منه أو هو احق بالامامة منهم ولا فساد فيه ومع هذا كرهوا فالاول والثانی مكروه هكذا روى الحسن البصری رحمه الله عن اصحاب رسول الله ﷺ والثالث لا، لأن الجاهل والفاسق يكره العالم والصحيح، وهو الصحيح۔

وفی الدر المختار (۵۵۹/۱): (ولو أمّ قوماً وهم له كارهون، إن) الكراهة (لفساد فيه أو لأنهم أحق بالامامة منه كره) له ذلك تحريماً لحديث أبی داؤد "لايقبل الله صلاة من تقدم قوماً وهم له كارهون" (وإن هو أحق لا) والكراهة عليهم۔

وفی فتح الملهم (۵۲۸/۳): تأديب الرجل ولده وإن كان كبيراً اذا تكلم بما لا ينبغی له وجواز التأديب بالهجران۔

(۱۳۰) غسل خانے کی عدم موجودگی میں تیمم کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی عورت کو غسل کی حاجت ہو اور وہ ایسے مقام پر ہو جہاں غسل کرنے کیلئے غسل خانے کا انتظام نہ ہو تو کیا وہ تیمم کر سکتی ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ خاتون پر غسل واجب رہے گا لہٰذا اس کو چاہیئے کہ پردہ لٹکا کر یا انہی کپڑوں میں یا کوئی اور مناسب طریقہ استعمال کرتے ہوئے غسل کر لے اور اگر غسل کرنے کی صورت میں بدن ضروری طور پر دوسرے کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور پردے کا کوئی انتظام نہیں ہوسکتا تو اگر اس خاتون کے اردگرد خواتین ہیں تو غسل کر لے اور اگر اس کے اردگرد صرف مرد یا مرد اور خواتین دونوں ہیں تو مناسب انتظام نہ ہونے تک غسل میں تاخیر کرے۔

نیز غسل نہ کرنے کی صورت میں مناسب یہ ہے کہ تیمم کر کے نماز ادا کر لے اور غسل کرنے کے بعد احتیاطاً نماز لوٹا لے۔

لمافی سنن النسائی(۱/۴۶): عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا یغتسل بالبراز فصعد المنبر فحمد الله واثنی علیه وقال ان الله عزوجل حلیم حیی ستیر یحب الحیاء والستر فاذا اغتسل احدکم فلیستتر۔

وفی الدر المختار(۱/۱۵۵): والمرأة بین رجال أو رجال ونساء تؤخره لا بین نساء فقط... وینبغی لها أن تتیمم وتصلی لعجزها شرعا عن الماء۔

وفی الشامیة (۱/۱۵۵): والأشبه الإعادة تفریعا علی ظاهر المذهب فی الممنوع من إزالة الحدث بصنع العباد إذا تیمم وصلی اهـ...... واستظهر الرحمتی عدم الإعادة، قال لأن العذر لم یأت من قبل المخلوق، فإن المانع لها الشرع والحیاء وهما من الله تعالی۔

Marfat.com

فصل فی النجاسات واحکام التطہیر

(نجاسات کے احکام اور پاکی کا طریقہ)

(۱۳۱) چوتھائی کپڑے کے بقدر نجاست کا حکم اور چوتھائی سے مراد کیا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک مفتی صاحب سے سنا ہے کہ اگر کسی جانور کے پیشاب کی چھینٹیں کپڑوں پر لگ جائیں تو اگر وہ نجاست ایک چوتھائی حصہ سے کم ہو تو وہ کپڑا ناپاک نہیں ہوگا اور ان کپڑوں میں پڑھی گئی نماز درست سمجھی جائیگی۔ اب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک چوتھائی کی مقدار کیا ہے؟ اگر جانوروں کے بیچ میں کوئی شخص کھڑا ہو، اس دوران کسی جانور نے پیشاب کیا اور چھینٹیں اس کے پائچوں پر لگ گئیں تو کیا وہ پاک ہے جبکہ وہ کم بھی ہیں؟ اور اگر وہ پاک ہے تو پھر اس حدیث کا کیا مفہوم ہوگا جس میں جانوروں کے پیشاب سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ((عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه)) (دار قطنی ۱/۱۳۶)۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزاء خیر دے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب کسی حلال جانور کے پیشاب کی چھینٹیں چوتھائی کپڑوں سے کم پر لگ جائیں۔ (اور وہ کسی عذر کی بنا پر دھوئی نہ جاسکتی ہوں یا پھر نماز شروع کرنے کے بعد اس پر نظر پڑی ہو اور باجماعت نماز ملنے کی کہیں بھی امید نہ ہو یا اسی طرح نماز کا وقت نکل رہا ہو) تو ان کپڑوں میں نماز ہو جائے گی۔ (اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی عذر نہ ہو اور مقدار ربع سے کم ہو تو اس کو دھونا افضل ہے۔ چاہے نماز توڑ کر ہی کیوں نہ ہو) (۲) چوتھائی کپڑے سے وہ حصہ مراد ہوگا کہ جہاں پر یہ نجاست لگی ہوئی ہو۔ مثلاً آستین پر اگر لگی ہوگی تو اسی کا چوتھائی مراد ہوگا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں پائنچے کا چوتھائی مراد ہے۔ (۳) قابل معافی سے مراد پاک ہونا نہیں ہے۔ بلکہ ہے تو یہ نجاست ہی، مگر مذکورہ مسئلے میں نجاست وطہارت دونوں طرح کی احادیث آنے سے اس میں خفت پیدا ہوگئی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ سوال مذکور میں اس کی نجاست کی حدیث پیش کی گئی ہے۔ بالکل اسی طرح دوسری جگہ اس کے (حلال جانور کا پیشاب) پینے تک کی اجازت دی گئی ہے۔ لہٰذا فقہاء کرام کے قاعدے کے مطابق جب کسی شئی کی نجاست اور طہارت دونوں پر احادیث وارد ہوں تو پھر اس صورت میں اس شئی کی نجاست میں تخفیف آجاتی ہے، جیسا کہ مذکورہ مسئلے میں ہوا۔

لما فی الصحیح للبخاری (۳۵/۱): (باب ماجاء فی غسل البول وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لصاحب القبر کان لا یستتر من بوله ولم یذکر سوی بول الناس) ----- عن ابن عباس قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین

Marfat.com

فقال انهما ليعذبان وما يعذبان فى كبير۔ اما أحدهما فكان لا يستتر من البول الخ۔۔۔۔

وفيه ايضاً (۱/۳۶): (باب أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها، وصلى ابو موسىٰ فى دار البريد والسرقين والبرية إلى جنبه۔ فقال ههنا وثم سواءٌ)۔۔۔۔۔۔ عن انس رضی اللہ عنہ قال قدم اناس من عكل أوعرينة، فاجتوو المدينة، فأمرهم النبى صلی اللہ علیہ وسلم بلقاح وان يشربوا من ابوالها والبانها۔ الخ

وفى البحر الرائق(۱/۳۹۶): ومراده من العفوصحة الصلوة بدون ازالته لاعدم الكراهة... وإن كانت اقل وقددخل فى الصلوة نظر ان كان فى الوقت سعة فالأفضل ازالتها... وان كان فى آخر الوقت... يمضى على صلاته ولا يقطعها۔

وفيه ايضاً(۱/۳۹۸): قال فى الكافى ولا يظهر الاختلاف فى غير الروث والخثى لثبوت الخلاف المذكور مع فقد تعارض النصين ثم على طرد أنه يثبت التخفيف عندهما بالتعارض، كما باختلاف المجتهدين تقع الحاجة الى الاعتذار لمحمد عن قوله بطهارة بول الحيوان الماكول، ثم لايخفى أن المراد باختلاف العلماء المقتضى للتخفيف۔

وفيه ايضاً(۱/۳۹۷): وحاصله، انه ان وردنص واحد بنجاسة شئ فهومغلظ۔ وان تعارض نصان فى طهارته ونجاسته فهو مخفف عنده۔ و عندهما۔ ان اتفق العلماء على النجاسة فهو مغلظ، وإن اختلفوا فهو مخفف۔

وفى الدرالمختار(۱/۳۲۱):(وعفى دون ربع)جميع بدن و(ثوب) ولوكبيرا هو المختار ذكر الحلبى، ورجحه فى النهر على التقدير بربع المصاب كيد وكم، وان قال فى الحقائق وعليه الفتوىٰ۔ (من) نجاسة (مخففة كبول مأكول)ومنه الفرس وطهره محمد۔

(۱۳۲) نجاست کتنی مقدار میں معاف ہے؟

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں بھینسوں کے باڑے میں ملازمت کرتا ہوں چونکہ ہمیں ہروقت باڑے میں آنا جانا ہوتا ہے بعض اوقات کوئی بھینس پیشاب کردیتی ہے جس کے چھینٹے میرے کپڑوں پر بھی پڑ جاتے ہیں تو کیا میں انہی کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہوں جبکہ بار بار کپڑے تبدیل کرنے میں دشواری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......حلال جانوروں کا پیشاب نجاست خفیفہ ہے اور نجاست خفیفہ اگر جسم یا کپڑے کے کسی حصے پر چوتھائی یا اس سے کم مقدار میں لگ جائے تو وہ معاف ہے اگر اس سے بڑھ جائے تو پھر معاف نہیں ہے تو اسی اصول کے تحت صورت

Marfat.com

مسئولہ میں دیکھا جائیگا کہ اگر چھینٹے کپڑوں کے چوتھائی حصے یا اس سے کم پر ہیں تو پھر گنجائش ہوگی کہ انہی کپڑوں میں نماز پڑھ لیں، لیکن اگر چھینٹے اتنی کثیر مقدار میں ہوں کہ چوتھائی حصے سے بڑھ جائیں تو پھر اس صورت میں ان کپڑوں میں نماز جائز نہیں ہے۔

لمافی السراجیة(ص۱۲): اذا اصابت النجاسة الغليظة الثوب أوالبدن اكثر من قدر الدرهم الذى هو مثل الكف لايجوز وقدر الدرهم لا يضره بول مايوكل لحمه لايضر مالم يفحش۔

وفی الهندية(۱/۴۶): والثانی المخففة وعفى منها مادون ربع الثوب...وبول كبول مايوكل لحمه والفرس وخرء طير لايوكل مخفف هكذا فی الكنز۔

وفی الدر المختار(۱/۲۱۰): (وبول ماكول) اللحم (نجس) اى نجاسة مخففة وطهره عند محمد (ولايشرب) بوله (اصلا)۔

(۱۳۳) سوئے ہوئے آدمی کے لعاب کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سونے کی حالت میں جو لعاب منہ سے نکلتا ہے وہ پاک ہے یا ناپاک؟ اگر وہ لعاب کپڑوں کو لگ جائے تو کیا کپڑے اس سے ناپاک ہو جائیں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سونے کی حالت میں جو منہ سے لعاب نکلتا ہے وہ پاک ہے، اگر وہ لعاب کپڑوں کو لگ جائے تو کپڑے ناپاک نہیں ہوں گے۔

وفی الهندية(۱/۴۶): لعاب النائم طاهر سواء كان من الفم اومنبعثا من الجوف عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله وعليه الفتوىٰ۔

وفی الدرالمختار مع رد المحتار(۱/۱۳۸): كماء فم النائم فانه طاهر مطلقا به يفتى۔

وفی الشامية تحته(۱/۱۳۸): (قوله مطلقاً) سواء كان من الرأس او من الجوف أصفر منتناً أولا۔

(۱۳۴) پرندوں کی بیٹ، مکھی اور مچھر کے خون کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پرندے کی بیٹ، مکھی ومچھر کا خون کپڑوں پر لگ جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......مکھی اور مچھر اور اس طرح ہر وہ چیز جس میں دم سائل (بہنے والا خون) نہ ہو، اس کا خون پاک ہے اگر کپڑوں پر لگ جائے تو اس سے کپڑے ناپاک نہیں ہوتے، اور وہ پرندے جو ماکول اللحم ہیں ان کی بیٹ پاک ہے سوائے مرغی، بطخ، مرغابی کی بیٹ کے کیونکہ وہ ناپاک ہے اور جو پرندے غیر ماکول اللحم ہیں اصح قول کے مطابق ان کی بیٹ نجاست خفیفہ ہے۔

Marfat.com

لہٰذا اگر ربعِ ثوب (چوتھائی کپڑے) سے کم مقدار میں ہو تو معاف ہے اور اگر ربعِ ثوب سے زائد مقدار میں ہو تو اس کا دھونا ضروری ہے۔

وفی الخانية على هامش الهندية (۱/۱۹): (خرء) مايؤكل لحمه من الطيور طاهر الاماله رائحة كريهة كخرء الدجاج والبط والاوز فهو نجس نجاسة غليظة۔

وفی الهندية(۱/۴۶): وبول مايوكل لحمه والفرس وخرء طير لايوكل مخفف...... وذرق مايوكل لحمه من الطير طاهر عندنا مثل الحمام والعصافير... ودم البق والبراغيث والقمل والكتان طاهر وان كثر۔

وفی الدر المختار(۱/۳۱۹۔۳۲۰): ودم سمك وقمل وبرغوث وبق وزاد فی السراج وكتان۔

(۱۳۵) چمگادڑ کے بول و براز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چمگادڑ کے بول و براز کا کیا حکم ہے؟ ہمارے محلے میں ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ چمگادڑ کا بول و براز پاک ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......مولوی صاحب کا کہنا صحیح ہے کہ چمگادڑ کا بول و براز ضرورت کی وجہ سے پاک ہے۔

وفی التاتارخانية(۱/۲۹۰): وبول الخفاش وخرء ه ليس بشئی لانه لايستطاع الامتناع عنه۔

وفی الدر على هامش الطحطاوی (۱/۱۵۹): بول الخفاش وخرء ه فطاهر۔

وفی الشامية(۱/۳۱۸): بول الخفافيش وخرء ها ليس بنجس لتعذر صيانة الثوب والاوانی عنها۔

(۱۳۶) پرندوں کی بیٹ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند دن قبل میں گلی سے گزر رہا تھا، کہ بجلی کے تار پر بیٹھے کوے نے میرے کپڑوں پر بیٹ کردی جس کا کچھ حصہ میرے سر پر بھی آیا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا میرے کپڑے اور سر ناپاک ہو گئے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......کوے کی بیٹ نجاست خفیفہ میں سے ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ اگر چوتھائی کپڑے یا جس عضو پر لگی ہے اس کے چوتھائی سے کم ہو اور اسی حالت میں نماز پڑھ لی جائے تو یہ نماز صحیح ہو جائے گی، اور اگر چوتھائی سے زیادہ ہو تو ان کپڑوں میں نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے چونکہ بیٹ وغیرہ عام طور پر ایک چوتھائی سے کم ہی ہوتی ہے لہٰذا اگر آپ نے اسی حالت میں نماز پڑھ لی تو لوٹانے کی ضرورت نہیں، البتہ نماز سے پہلے موقع ملنے کی صورت میں چوتھائی سے کم ہونے کے باوجود دھو لینا چاہیے۔

لمافی الهندية (۱/۴۶):(والثانی المخففة)وعفی منها مادون ربع الثوب كذافی اكثر المتون،

Marfat.com

اختلفوا فى كيفية اعتبار الربع قيل المعتبر ربع طرف اصابته النجاسة كالذيل والكم والدخريص ان كان المصاب ثوباً وربع العضو المصاب كاليد والرجل ان كان بدناً وصححه صاحب التحفة والمحيط والبدائع والمجتبى والسراج الوهاج وفى الحقائق وعليه الفتوى كذا فى البحرالرائق-وبول مايوكل لحمه والفرس وخرء طير لايوكل مخفف هكذا فى الكنز۔

(۱۳۷) مکھی نجاست پر بیٹھ کر کپڑوں پر بیٹھے تو کپڑے ناپاک ہوں گے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب انسان بیت الخلاء جاتا ہے تو وہاں پر موجود مکھیاں غلاظت پر بیٹھ کر انسان پر بیٹھتی ہیں اور میں نے سنا ہے کہ اس غلاظت کی تھوڑی سی مقدار بھی معاف نہیں اب کیا کیا جائے، میں تو اپنے طور پر بہت کوشش کرتا ہوں لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی مکھی بیٹھ ہی جاتی ہے، تو کیا اس سے میرے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو بچنے کی صورت کیا ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جس نجاست کا آپ نے ذکر کیا یہ نجاست غلیظہ کہلاتی ہے، اور اس کی تھوڑی سی مقدار جو درہم کے برابر ہو (ہتھیلی کے درمیانی حصہ کے برابر) معاف ہے، اس سے زائد معاف نہیں، اور مکھیوں کے ذریعے جو نجاستِ انسان کے جسم پر لگتی ہے وہ اس سے کم ہوتی ہے لہٰذا اس سے کپڑے ناپاک نہیں ہوں گے۔

لمافی الهندية (۱/۴۷): ذباب المستراح اذا جلس على ثوب لايفسده الا ان يغلب ويكثر۔

(۱۳۸) ناپاک صابن کے استعمال کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل مشہور ہے کہ بعض وہ صابن جو غیر ملکی کمپنیاں بناتی ہیں، ان میں خنزیر کی چربی ملی ہوتی ہے تو کیا ایسے صابن کا استعمال کرنا جائز ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں عام استعمال کی اشیاء میں صرف سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے، البتہ اگر واقعی یہ بات تحقیق سے ثابت ہو تو بھی صابن میں انقلاب حقیقت کی بناء پر اس کا استعمال جائز لیکن خلاف اولی ہے لہٰذا اگر کوئی ضرورت شدیدہ نہ ہو تو استعمال سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔

وفی الدرالمختار (۱/۳۱۵): (و) يطهر (زيت) تنجس (بجعله صابونا) به يفتى للبلوى كتنور رش بماء نجس لا بأس بالخبز فيه۔

وفی الشامية (۱/۳۱۶): جعل الدهن النجس فى صابون يفتى بطهارته لانه تغير والتغير يطهر عند

Marfat.com

محمد ویفتی به للبلوی۔

(۱۳۹) ٹینکی میں مینڈک گرنے سے ٹینکی ناپاک نہیں ہوگی

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گھروں میں جو ٹینکی وغیرہ بنائی جاتی ہے، اس میں بعض دفعہ مینڈک وغیرہ گر جاتے ہیں اور اس پانی میں زندہ رہتے ہیں، کیا اس سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے؟ اور اگر ناپاک ہوجائے تو پاکی کی صورت کیا ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... ٹینکی میں مینڈک گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ اس پر کوئی نجاست وغیرہ نہ لگی ہو۔

لمافی الھندیة (۲۴/۱):وموت مایعیش فی الماء فیه لا یفسده کا لسمك والضفدع والسرطان وفی غیر الماء قیل غیر السمك یفسده وقیل لا وھوالاصح۔والضفدع البحری والبری سواء کذا فی الھدایة ... ولا فرق فی الصحیح بین ان یموت فی الماء اوخارج الماء ثم یلقی فیه کذا فی التبیین ویستوی الجواب بین المتفسخ وغیره الاانه یکره شرب الماء لانه لا یخلو عن اجزائه وھو غیر ماکول کذا فی محیط السرخسی۔

وفی الدرالمختار (۱/۱۸۴۔۱۸۵): (ومائی مولد) ولو کلب الماء وخنزیره (کسمك وسرطان) وضفدع الا بریا له دم سائل وھو مالا سترة له بین اصابعه فیفسد فی الاصح کحیة بریة ان لھا دم والالا۔

وفی الشامیة (فیفسد فی الاصح)وعلیه فما جزم به فی الھدایة من عدم الافساد بالضفدع البری وصححه فی السراج محمول علی مالادم له سائل کما فی البحر والنھر۔

(۱۴۰) قربانی کی کھالوں پر لگے خون کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قربانی کے بعد کھالوں پر جو خون لگا ہوا ہوتا ہے اس میں بعض تو گوشت کا خون ہوتا ہے اور بعض دم مسفوح ہوتا ہے ان دونوں کا حکم ایک ہے یا الگ الگ، برتقدیر ثانی وجہ فرق کیا ہے؟ حالانکہ خون تو نجس ہوتا ہے، اور علماء کرام دم مسفوح کے علاوہ مثلاً گوشت کے خون کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر کپڑوں کو لگ جائے تو اسی میں نماز ادا کرلو نماز ہوجاتی ہے اور یہ قول بقرعید کے موقع پر فرمایا جاتا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ لہٰذا جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... ان دونوں خونوں کا حکم الگ الگ ہے ہر خون نجس نہیں، نجس خون صرف دم مسفوح ہے جیسا

Marfat.com

کہ منصوص ہے دما مسفوحا اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو دم مسفوح نہیں وہ نجس نہیں۔ حدیث سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "احلت لنا میتتان و دمان المیتتان الحوت و الجراد و الدمان الکبد و الطحال" کہ ہمارے لئے دو مردہ اور دو خون حلال کئے گئے ہیں، مچھلی اور ٹڈی، جگر اور تلی۔ یہ دونوں خون جامد ہیں، دم مسفوح نہیں ہیں۔ ان کو جائز قرار دیا گیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر خون نجس نہیں بلکہ دم مسفوح نجس ہے لہٰذا جو گوشت کا خون ہے یا ذبح کے بعد رگوں میں باقی رہ جاتا ہے وہ نجس نہیں لیکن احتراز اس سے بھی بہتر ہے۔

لمافی الکلام المجید(الانعام:۱۴۵): قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

وفی مشکاۃ المصابیح(۳۱۶): عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم احلت لنا میتتان ودمان المیتتان، الحوت والجراد والدمان الکبد والطحال۔

وفی الھندیۃ (۴۶/۱): وما یبقی من الدم فی عروق المذکاۃ بعد الذبح لا یفسد الثوب وان فحش کذا فی فتاوی قاضیخان، وکذا الدم الذی یبقی فی اللحم لانه لیس بمسفوح ھکذا فی محیط السرخسی۔

وفی الدر المختار(۳۱۹/۱): (ودم) مسفوح من سائر الحیوانات الادم شھید مادام علیه وما بقی فی لحم مھزول وعروق وکبد وطحال وقلب ومالم یسل ودم سمك۔

(۱۴۱) کھانے پینے کی چیز میں ناک کا پانی گر جائے تو اس کے استعمال کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل سردی کا زمانہ ہے نزلہ کھانسی معمول بن چکا ہے مجھے بھی تین چار روز سے زکام ہے آج صبح میں ناشتہ کر رہا تھا چائے کا کپ میرے سامنے رکھا ہوا تھا۔ ناک سے پانی بہہ رہا تھا تو ایک قطرہ کپ میں گر گیا، میں نے وہ چائے گرا دی تو بھائی نے کہا اس سے چائے ناپاک نہیں ہوتی تو کیا ناک سے نکلنے والا پانی پاک ہے اگر یہ کسی چیز میں شامل ہو جائے تو اس کا پینا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ناک سے نکلنے والا پانی پاک ہے۔ اگر کسی کھانے یا پینے والی چیز میں گر جائے تو اس سے کھانے یا پینے کی چیز ناپاک نہیں ہوتی۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے بھائی کا پاک بتلانا درست ہے البتہ طبعاً ناپسند ہونے کی وجہ سے اس کا نہ پینا علیحدہ بات ہے۔

لمافی الھندیۃ(۳۳۹/۵): ویجوز اکل مرقۃ یقع فیھا عرق الادمی او نخامته او دمعه وکذا الماء اذا غلب

Marfat.com

وصار مستقذرا طبعا۔ کذا فی القنیۃ۔

وفی الشامیۃ(۱/۳۰۵): (قولہ وکذا کل ما یخرج لوجع الخ) ظاهره یعم الانف اذا زکم لکن صرحوا بأن ماء فم النائم طاهر ولو منتنا فتأمل۔

(۱۴۲) بلی کا کسی برتن وغیرہ میں پاؤں ڈالنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے گھر میں ایک دن بالٹی میں دودھ رکھا ہوا تھا بلی نے پینے کی کوشش کی لیکن منہ دودھ تک نہیں پہنچ رہا تھا تو اس نے ایک تدبیر اختیار کی کہ اپنا پاؤں دودھ میں ڈبو کر اس کو چاٹ لیتی پھر دوبارہ داخل کر کے چاٹ لیتی اب اس دودھ کا کیا حکم ہوگا اس کو پینے یا کسی دوسرے استعمال میں لانا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......مذکورہ مسئلہ میں اگر کسی کو یقینی طور پر یہ بات معلوم ہے کہ بلی کے منہ میں یا پاؤں پر ظاہری نجاست لگی ہوئی ہے، اور وہ اپنے پاؤں کو دودھ کی بالٹی میں ڈبو کر پھر اپنے پاؤں کو چاٹتی ہے تو اس سے بالٹی میں موجود دودھ سب نجس اور ناپاک ہوجاتا ہے، اُس کا استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگر کسی کو نجاست کے بارے میں یقینی طور پر معلوم نہیں ہے، بلکہ شک ہو، اگر اس دودھ کے مقابلے میں کوئی اور دودھ موجود ہو، تو اُس کا استعمال نہ کرنا افضل ہے اگر کسی نے استعمال کرلیا تو یہ جائز ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں ہے۔

لمافی الفقہ الاسلامی وادلتہ(۱/۲۸۲): سور طاهر مکروه تنزیهاً استعماله مع وجود غیره۔ وهو سؤر الهرة والدجاجة المخلاة الخ۔ مالم تر النجاسة فی فمها. لأنها تلازم التطواف فی المنازل، أو للضرورة وعدم إمکان الاحتراز منها۔

وفیه ایضاً(۱/۲۸۵): وسؤر ما یستعمل النجاسة: کالهرة والفأرة، فإن رئی فی أفواهها نجاسة کان کالماء الذی خالطته النجاسة، فإن تحقق طهارة أفواهها، فطاهر۔ وإن لم یعلم فیغتفر ما یعسر التحرز عنه، لکنه مکروه. وفی تنجیس مایتحرز منه قولان ارجحهما: القول بالطهارة۔

(۱۴۳) وضو کے پانی میں چیونٹی کا مرجانا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن میں نے وضو کرنے کیلئے لوٹا بھر کر رکھا اسی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی میں ادھر چلا گیا واپس آیا تو اس پانی میں چیونٹیاں مری ہوئی تھیں میں نے ان کو نکال کر اسی پانی سے وضو کر لیا بعد میں ایک صاحب سے اس بات کا تذکرہ کیا تو وہ فرمانے لگے جس پانی میں کوئی چیز مرجائے وہ ناپاک ہوجاتا ہے اس سے وضو کرنا

Marfat.com

جائز نہیں۔ تو کیا ان صاحب کی بات صحیح ہے؟ اور کیا میرا وضو صحیح ہو گیا؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... پانی یا دیگر مائعات میں اگر کوئی ایسی چیز گر کر مر جائے جس میں بہنے والا خون نہ ہو تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ اس سے وضو وغیرہ کرنا صحیح ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کا وضو درست ہے۔

لمافی حاشية الطحطاوی علی الدر(۱/۱۰۴): اذا ثبت الحکم فی الذباب ثبت فی غیره مما هو بمعناه کالبق والزنابیر... والنمل۔

وفی الدر المختار(۱/۱۸۳): (ویجوز) رفع الحدث (بما ذکر وان مات فیه) ای الماء ولو قلیلا (غیر دموی کزنبور) وعقرب۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته(۱/۲۸۹): لاینجس البئر بموت حیوان لادم له سائل کذباب وصرصور ونحوه۔

(۱۴۴) گھی میں مینگنیاں گر جانے سے گھی کی ناپاکی کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک دن گھی کا ڈبہ کمرے میں رکھا لیکن ڈھکن بند کرنا بھول گیا ایک دو دن بعد میں نے دیکھا تو اس میں چوہے کی دو تین مینگنیاں گری ہوئی تھیں۔ میں نے ان کو اسی وقت نکال دیا۔ آیا یہ گھی نجس ہے یا نہیں؟ اس کا کھانا اور دیگر ضروریات کیلئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... صورت مسئولہ میں اگر گھی جامد تھا تو مینگنیاں نکال کر اور اس کے ارد گرد موجود گھی نکال لینے کے بعد اس بقیہ گھی کا استعمال درست ہے۔ اور اگر گھی سیال (بہنے والا) تھا تو بہتر یہ ہے کہ اس کو استعمال نہ کیا جائے۔ البتہ بعض اہل فتویٰ نے ضرورت کی بنا پر اس کے استعمال کی اجازت بھی دی ہے۔ بشرطیکہ گھی کا ذائقہ تبدیل نہ ہوا ہو۔

لمافی الدر (۱/۳۱۸۔۳۱۹): وبول غیر مأکول ولو من صغیر لم یطعم إلا بول الخفاش وخرأه فطاهر وکذا بول الفأرة لتعذر التحرز عنه وعلیه الفتویٰ،

وفی الرد تحته: مبحث في بول الفارة وبعرها وبول الهرة قوله (وکذا بول الفأرة اعلم أنه ذکر في الخانية أن بول الهرة والفأرة وخرأها نجس في أظهر الروايات يفسد الماء والثوب. ولو طحن بعر الفأرة مع الحنطة ولم يظهر أثره يعفى عنه للضرورة. وفي الخلاصة إذا بالت الهرة في الإناء أو على الثوب تنجس وكذا بول الفأرة وقال الفقيه أبو جعفر ينجس الإناء دون الثوب اهـ.

قال في الفتح وهو حسن لعادة تخمير الأواني وبول الفأرة في رواية لا بأس به والمشايخ على أنه نجس لخفة الضرورة بخلاف خرئها فإن فيه ضرورة في الحنطة اهـ والحاصل أن ظاهر الرواية

Marfat.com

نجاسة الكل لكن الضرورة متحققة في بول الهرة في غير المائعات كالثياب وكذا في خرء الفأرة في نحو الحنطة دون الثياب والمائعات ، وأما بول الفأرة فالضرورة في غير متحققة إلا على تلك الرواية المارة التي ذكر الشارح أن عليها الفتوى لكن عبارة التاترخانية بول الفأرة وخرؤها نجس وقيل بولها معفو عنه وعليه الفتوى ، وفي الحجة الصحيح أنه نجس اهـ ولفظ الفتوى وإن كان آكد من لفظ الصحيح إلا أن القول الثاني هنا تأيد بكون ظاهر الرواية فافهم لكن تقدم في فصل البئر أن الأصح أنه لا ينجسه۔

وفيه ايضاً(ص۲۲۰) فی فصل البئرفی الدر: ولا نزح فی بول الفأرة فی الاصح فیض،

فی الرد: قوله فی بول الفأرة فی الاصح وسيذكر فی الانجاس أن عليه الفتوى، وأن خرأها لا يفسد مالم يظهر أثره... أقول وفی الخانية أن بول الهرة والفأرة وخرأهما نجس فی أظهر الروايات يفسد الماء والثوب ولعلهم رجحوا القول بالعفو للضرورة۔

(۱۴۵) خنزیر کی چربی سے بنے ہوئے صابن کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو صابن یورپ سے آتے ہیں تو ان میں خنزیر کی چربی ملی ہوئی ہوتی ہے تو ایسے صابن سے غسل کرنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ایسے صابن جن میں خنزیر کی چربی ملی ہوئی ہو، ان کا استعمال غسل میں جائز ہے، کیونکہ جب ایک چیز کی حقیقت بدل جائے تو اُس کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ تاہم ایسے صابن جن میں خنزیر کی چربی ملی ہوئی ہو، استعمال نہ کرنا بہتر ہے۔ لیکن اس میں ظن یا گمان کا اعتبار نہیں اگر یقین یا ظن غالب ہے کہ خنزیر کی چربی ملی ہے تو اس کا استعمال نہ کرنا بہتر ہے ورنہ استعمال کرسکتا ہے۔

وفی رد المحتار (۳۱۶/۱): جعل الدهن النجس فی الصابون يفتی بطهارته لانه تغير والتغير يطهر عند محمد رحمه الله ويفتی به للبلوى۔ وظاهره أن دهن الميتة كذلك... ثم اعلم ان العلة عند محمد رحمه الله هی التغير وانقلاب الحقيقة وأنه يفتی به للبلوى۔

وفی الدر المختار (۳۲۶/۱): (و) لا (ملح كان حمارا) أو خنزيرا ولا قذر وقع فی بئر فصار حمأة لانقلاب العين، به يفتی۔

وفی الشامية تحته: (قوله لانقلاب العين) علة للكل وهذا قول محمد... وكثير من المشايخ اختاروه ، وهو المختار لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة وتنتفی الحقيقة

Marfat.com

بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل؟ فان الملح غير العظم واللحم، فاذا صار ملحا ترتب حكم الملح، ونظيره فى الشرع النطفة نجسة وتصير علقة وهى نجسة وتصير مضغة فتطهر، والعصير طاهر، فيصير خمراً فينجس ويصير خلا فيطهر، فعرفنا أن استحالة العين تستتبع زوال الوصف المرتب عليها۔

(۱۴۶) نجاست کے اوپر پڑی گردوغبار اگر کپڑوں پر لگ جائے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نجاست کے اوپر جو گردوغبار ہے اگر وہ بدن یا کپڑے پر لگ جائے تو کیا اس سے بدن اور کپڑے ناپاک ہوتے ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر اس گردوغبار کے کپڑوں پر لگنے سے کپڑوں میں اس نجاست کا اثر وغیرہ ظاہر ہو جائے تو پھر کپڑے ناپاک ہوں گے ورنہ نہیں۔

لما فى قاضى خان(۱/۱۳): السرقين الجاف أو التراب النجس إذا هبت به الريح فأصاب ثوبا لايتنجس مالم ير فيه أثر النجاسة ولو مرّ الريح على النجاسات وثمه ثوب مبلول معلق يصيبه الرّيح قيل بأنه يتنجس۔

وفى الهندية(۱/۴۷): السرقين الجاف أو التراب النجس إذا هبت به الريح فأصاب ثوبا لايتنجس مالم يرفيه اثر النجاسة هكذا فى فتاوىٰ قاضى خان: إذا مرت الريح بالعذرات وأصابت الثوب المبلول يتنجس إن وجدت رائحة النجاسة وما يصيب الثوب من بخارات النجاسات لايتنجس بها وهو الصحيح۔

(۱۴۷) بھنگی کے ساتھ کھانے پینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عیسائی غیر مذہب کے بھنگی کے ساتھ کھانا پینا کیسا ہے۔بھنگی تو نجس ہوتے ہیں اور عموماً نجاست سے ان کا واسطہ رہتا ہے۔ایک پلیٹ میں ان کے ساتھ کھانا اور اسے تواضع سمجھنا کیسا ہے؟ ہمارا ایک دوست ہے وہ کہتا ہے کہ کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے۔یہ بھی انسان ہیں۔لیکن میں سمجھتا ہوں کہ طہارت بھی جزء ایمان ہے لہذا اس کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اس سوال کا تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں اور ہمارے درمیان موجود اختلاف کو قرآن وسنت کی روشنی میں دور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... انسان چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم اس کا بدن پاک ہے،اس میں بھنگی یا کسی اور انسان

Marfat.com

میں کوئی فرق نہیں۔ اگر بھنگی کو نہلا دھلا کر صاف ستھرا کر کے ایک برتن میں اس کے ساتھ کھایا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ صرف غیر مسلم ہونے یا بھنگی ہونے کی بناء پر وہ کھانا نجس یا حرام نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ نہا، دھو کے پاک ہو چکا ہے۔ البتہ مسئلہ کا ایک دوسرا پہلو ہے وہ یہ کہ بلاوجہ غیر مسلموں کے ساتھ مخالطت اور کھانا پینا خدشے کا باعث ہے اور اس کے عقائد بھی متاثر ہو سکتے ہیں لہذا اگر کوئی معقول وجہ ہو اور اس کے اپنے عقائد متاثر ہونے کا اندیشہ نہ ہو، تو اس بھنگی کو صاف ستھرا کر کے اس کے ساتھ کھانا کھایا جا سکتا ہے بصورت دیگر کھانے کی اجازت نہیں۔

لما في الهندية(۳۴۷/۵): إن ابتلي به المسلم مرة أو مرتين فلا بأس به وأما الدوام عليه فيكره كذا في المحيط ۔۔۔ وفي التفاريق لا بأس بأن يضيف كافرا لقرابة أو لحاجة كذا في التمرتاشي۔

وفي الدر المختار(۲۲۲/۱) (فسؤر آدمي مطلقا) ولو جنبا أو كافرا أو امرأة نعم يكره سؤرها للرجل كعكسه للاستلذاذ واستعمال ريق الغير وهو لا يجوز۔

وفي الشامية تحته: قوله (أو كافرا) لأن عليه الصلاة والسلام أنزل بعض المشركين في المسجد على ما في الصحيحين فالمراد بقوله تعالى { إنما المشركون نجس } النجاسة في اعتقادهم بحر۔ ولا يشكل نزح البئر به لو أخرج حيا لأن ذلك لما عليه في الغالب من النجاسة الحقيقية أو الحكمية كما قدمناه۔

(۱۴۸) کتے اور گدھے کا گوشت کپڑے پر لگ جانے اور اس کی خرید و فروخت کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک غیر مقلد نے ہندیہ کی عبارت پیش کی اور کہا کہ حنفی مذہب میں کتے اور گدھے کا گوشت بیچنا بھی جائز ہے اور یہ ہے اس کے باطل مذہب ہونے کی دلیل وغیرہ وغیرہ۔ میں نے ہندیہ کھولی اور اس میں تلاش کیا تو یہ عبارت پائی (۱۱۵/۳) وفی فتاوی اهل سمر قند اذا ذبح كلبه وباع لحمه جاز وكذا اذا ذبح حماره وباع لحمه...... اھ تو مفتی صاحب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ آیا کتے اور گدھے کا گوشت بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ پاک ہے یا نہیں؟ اس کے لگے ہونے کی صورت میں نماز کا کیا حکم ہوگا؟ اگر جائز ہے تو کیا بیع کی تعریف مبادلة المال بالمال بالتراضی اس پر صادق آتی ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں تو ہندیہ کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ از راہِ کرم تشفی بخش جواب قرآن و سنت کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات ملحوظ رہے کہ بعض جانوروں کا گوشت کھانا شرعاً حلال ہے اور بعض جانوروں کا گوشت کھانا شرعاً حرام ہے بکری، گائے اور اونٹ وغیرہ حلال جانور ہیں ان کا گوشت ذبح شرعی کے بعد کھانا حلال ہے جبکہ گدھا، شیر اور کتا وغیرہ حرام جانور ہیں ان کا گوشت کھانا شرعاً حرام ہے۔

دوسری بات یہ ذہن نشین رہے کہ کسی بھی جانور یا اس کے گوشت کی خرید و فروخت کے جواز کا اس جانور کے گوشت کھانے کی

Marfat.com

حلت وحرمت سے کوئی تعلق نہیں۔ خرید وفروخت کے جواز کا تعلق اس گوشت کے پاک یا ناپاک ہونے سے ہے لہٰذا گوشت کی خرید و فروخت میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ وہ گوشت پاک ہے یا ناپاک؟

جانور کے گوشت کے پاک ہونے کے بارے میں اصول یہ ہے کہ کسی بھی جانور میں موجود دم مسفوح (بہنے والا خون) نجس ہوتا ہے اگر اس خون کو ذبح کر کے یعنی وہ مخصوص رگیں کاٹ دی جائیں جن سے دم مسفوح (بہنے والا خون) نکل جاتا ہے تو اس جانور کا گوشت پاک ہوجاتا ہے اور اگر دم مسفوح نہ نکل سکے مثلاً گولی لگنے سے جانور مرگیا یا طبعی موت مرگیا تو پھر اس جانور کا گوشت پاک نہ ہوگا بلکہ دم مسفوح اس جانور کے گوشت میں سرایت کر جائے گا اور اسے ناپاک کردے گا۔ بکری، گائے، گدھے وغیرہ سب کے گوشت کی پاکی یا ناپاکی میں اصول یہی ہے جو ذکر ہوا باقی بکری وغیرہ حلال جانور کے گوشت کو کھانا اس وقت حلال ہوگا جب ذبح ہوا اور شرعی طریقے پر بسم اللہ پڑھ کر ہو تب وہ گوشت کھانا حلال ہوگا بصورت دیگر اگر صرف ذبح کیا گیا اور بسم اللہ پڑھ کر شرعی طریقے پر ذبح نہ کیا تو گوشت پاک ہوجائے گا لیکن کھانا حلال نہ ہوگا۔

گویا جانور کے گوشت کی پاکی یا ناپاکی کا تعلق اس میں موجود دم مسفوح کے نکلنے پر ہے اگر وہ نکل گیا تو ہر جانور کا گوشت پاک ہے اس کی خرید وفروخت جائز ہے باقی اگر کھانے کیلئے استعمال نہ ہوسکتا ہو تو دیگر فوائد اس سے حاصل کئے جاسکتے ہیں مثلاً بلیوں کو کھلانا، درندوں کو کھلانا وغیرہ، یہی ہندیہ میں لکھا ہے:

"(واما حکمه) فطهارة المذبوح وحل اكله عن الماكول وطهارة غير الماكول للانتفاء لا بجهة الاكل كذا في محيط السرخسي" (هندية ۵/۲۸۶)

(ذبح کا حکم یہ ہے کہ) مذبوح جانور پاک ہوجاتا ہے اور ماکول جانوروں میں ان کا کھانا بھی حلال ہوجاتا ہے اور غیر ماکول جانور دیگر انتفاع کیلئے پاک ہوجاتا ہے نہ کہ کھانے کیلئے، یہ ہی محیط سرخسی میں ہے"

البتہ خنزیر اس اصول سے خارج ہے خنزیر مکمل طور پر نجس ہے اس کے کسی بھی عضو کی خرید وفروخت جائز نہیں چاہے دم مسفوح نکال لیا جائے لہٰذا صورت مسئولہ میں ذکر کردہ اصول کے مطابق کتا اور گدھا اگر ذبح کے ذریعے ان کا دم مسفوح (بہنے والا خون) نکال دیا جائے تو ان کا گوشت پاک ہے اس کا کھانا اگرچہ حلال نہیں لیکن دیگر فوائد مثلاً بلیوں کو کھلانا، درندوں کو دینا وغیرہ کیلئے اس کا استعمال اور خرید وفروخت درست ہے۔ نیز بیع کی تعریف مبادلۃ المال بالمال اس پر صادق آتی ہے کیونکہ یہ گوشت مال ہے نیز کسی بھی جانور کا گوشت جب ذبح سے پاک ہوجائے تو اس کا حکم پاک چیز کا ہوگا اور کپڑے یا جسم پر لگے ہونے کی صورت میں مطلقاً نماز درست ہوجائے گی اور اگر ذبح نہ کرنے کے باعث وہ گوشت ناپاک ہوجائے تو اس کا حکم نجاست کا ہوگا۔ اس کے کپڑوں وغیرہ پر لگے ہونے کی صورت میں نجاست کے احکام جاری ہوں گے اور ایک درہم سے زیادہ ہونے کی صورت میں نماز درست نہ ہوگی۔

ان صاحب کا فقہی مسائل میں یہ طرز فکر اختیار کرنا درست نہیں، اولاً مسئلے کی حقیقت اور صحیح صورت حال کا ادراک ضروری ہے اگر مسئلے پر بظاہر اشکال معلوم ہورہا ہو تو مفتیان کرام سے دریافت کرلیا جائے وہ مسائل کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں ان معاملات

Marfat.com

میں احتیاط سے کام لینا چاہیے کسی بھی مسئلے پر سطحی نظر کر کے اشکال بنالینا اور پھر پورے مذہب کے باطل ہونے پر استدلال کر لینا جہل مرکب اور خطرناک طرز فکر ہے مسئلے کی تفصیل ہم نے تحریر کر دی کوئی اشکال کی بات ہی نہیں ہے کہ اتنی بڑی عمارت اس پر کھڑی کی جائے اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، آمین۔

لمافی التاتارخانية (۸/۳۴۰) کتاب البیوع (بیع المحرمات) ''ط فاروقية'': وفی فتاویٰ اهل سمرقند: اذا ذبح كلبه وباع لحمه جاز، وكذا اذا ذبح حماره و باع لحمه جاز وهذا فصل اختلف المشائخ فيه بناء على اختلافهم فى طهارة هذا اللحم بعد الذبح واختار الصدر الشهيد طهارته۔

وفی الشامية (۴/۵۰۱) کتاب البیوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم: قوله (مالا أو لا) المرادبالمال ما يميل إليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس كافة أو بعضهم والتقوم يثبت بها بإباحة الانتفاع به شرعا فما يباح بلا تمول لا يكون مالاكحبة حنطة وما يتمول بلا إباحة انتفاع لا يكون متقوما كالخمر وإذا عدم الأمران لم يثبت واحد منهما كالدم بحر ملخصا عن الكشف الكبير. وحاصله أن المال اعم من المتمول لأن المال ما يمكن ادخاره ولو غير مباح كالخمر والمتقوم ما يمكن ادخاره مع الإباحة فالخمر مال لا متقوم فلذا فسد البيع بجعلها ثمنا وإنما لم ينعقد أصلا بجعلها مبيعا لأن الثمن غير مقصود بل وسيلة إلى المقصود إذ الانتفاع بالأعيان لا بالأثمان ولهذا اشترط وجود المبيع دون الثمن۔

(۱۴۹) غلہ گاہتے وقت بیلوں کے پیشاب کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غلہ گاہنے کے وقت یعنی جب اس پر بیلوں کو چلاتے ہیں اگر بیل غلہ پر پیشاب کر دے تو کیا وہ معاف ہے یعنی غلہ اس سے ناپاک ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... دیکھا جائے گا کہ اگر گندم کو تقسیم کر لیا گیا یا گندم کسی کو ہبہ کر دی گئی یا گندم کی بیع کر دی گئی یا اس کو کھالیا گیا ہو، ان تمام صورتوں میں گندم کی پاکی کا حکم لگایا جائے گا اور اگر گندم کے بعض حصہ کو اندازے سے دھولیا گیا تو بھی کل گندم کی ضرورت اور رفع حاجت کو ملحوظ رکھتے ہوئے طہارت کا حکم لگایا جائے گا البتہ احوط یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو تمام گندم کو دھولیا جائے یا معین جگہ پر پیشاب نظر آئے تو اس کو دھولیا جائے۔

وفی التاتارخانية(۱/۳۲۱-۳۲۲): ونقل عن الشيخ المعروف بخواهرزاده اذا غسل موضعا بلا تحرى يطهر وفى الخلاصة والنصاب هو المختار وفى الذخيره ونظير هذه المسئلة الحنطة التى تداس بالحمر فتبول وتروث ويصب بعض الحنطة ويختلط مااصيب منها بغيرها۔ قالوا: لوعزل بعضها

Marfat.com

وغسل ثم خلط الكل ابيح تناولها وكذالك لو عزل بعضها ووهبها من انسان او تصدق به حل له تناول البقية۔

وفی الدر المختار(۳۲۸/۱):(كما لو بال حمر)خصها لتغليظ بولها اتفاقا(على)نحو (حنطة تدوسهافقسم وغسل بعضه) او ذهب بهبة اواكل اوبيع (حيث يطهرالباق وكذا الذاهب لاحتمال وقوع النجاسة فی كل طرف۔

(۱۵۰)ناپاک چیز پانی میں گرنے کے بعد اس پانی کی چھینٹوں کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ناپاک چیز پانی میں گرے اور اس کے گرنے سے چھینٹیں اُڑ کر کسی پر جا پڑیں تو کیا وہ پاک ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر نجاست کا اثر چھینٹوں میں ظاہر ہو جائے،تو وہ ناپاک ہو جائیں گی ورنہ پاک رہیں گی۔

لمافی الهندية(۴۷/۱): حمار بال فی الماء فأصاب من ذلك الرشاش ثوب انسان لا يمنع جواز الصلاة وان كثر حتى يستيقن انه بول وكذا لو رميت العذرة فی الماء فخرج منها رشاش فأصاب ثوبا ان ظهر أثرها فيه يتنجس والا فلا هذا هو المختار وبه أخذ الفقيه ابو الليث سواء كان الماء جاريا أو راكداً۔

وفی ردالمحتار(۳۲۵/۱): وفی الخانية ماء الطابق نجس قياساً لا استحسانا: وصورته: اذا أحرقت العذرة فی بيت فأصاب ماء الطابق ثوب انسان لا يفسده استحسانا مالم يظهر أثر النجاسة فيه۔

(۱۵۱)راستوں کی کیچڑ اور ناپاک پانی کی چھینٹوں کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ راستوں کی کیچڑ اور ناپاک پانی کی چھینٹوں کا کپڑے اور بدن پر لگنے سے بدن اور کپڑے ناپاک ہوتے ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......راستوں میں چلتے ہوئے عموماً جو ناپاک پانی کے چھینٹے اور کیچڑ وغیرہ کپڑوں یا بدن پر لگ جاتے ہیں اس میں بوجہ عموم بلوی اور دفع حرج کے حضرات فقہاء کرام نے گنجائش لکھی ہے کہ ان سے کپڑے ناپاک نہیں ہوتے البتہ اگر کوئی ایسی نجاست لگ جائے جو نظر آ رہی ہو یا ظن غالب ہو کہ اس کو نجاست لگی ہے تو ایسی صورت میں دھونا ضروری ہوگا۔نیز یاد رہے کہ

Marfat.com

یہ جواز کی صورت اس وقت ہے جب ضرورت شدیدہ ہو ورنہ عدم ضرورت شدیدہ کے وقت ایسا نہ کرنا چاہیئے بلکہ احتیاط کرنی چاہیئے۔

لمافی التاتارخانیة(۱/۲۸۸): روی المعلی عن محمد رحمه الله انه قال الروث لایمنع جواز الصلوٰة وان كان كثيرا فاحشا قيل هذا آخر أقواله ورجع الى هذا القول حين جاء مع الخليفة الى الرى ورأى اسواقهم وسككهم مملوءة من الأوراث فرجع إلى هذا القول دفعا للبلوى قال مشايخنا على قياس هذه الرواية طين بخارا لايمنع جواز الصلوٰة وان كان كثيرا فاحشا مع أن التراب مخلوطا بالعذرات دفعا للبلوى وفى الفتاوىٰ العتابيه مالم يرعين النجاسة۔

وفى الشامية(۱/۳۲۴) (قوله وطين شارع) مبتدأخبره قوله عفو والشارع الطريق وفى الفيض: طين الشوارع عفو وان ملأ الثوب للضرورة ولو مختلطا بالعذرات وتجوز الصلاة معه وقدمنا ان هذا قاسه المشايخ على قول محمد آخر بطهارة الروث والخثى ومقتضاه انه طاهر لكن لم يقبله الامام الحلوانى كما فى الخلاصة، قال فى الحلية اى لايقبل كونه طاهراً وهومتجه بل اشبه المنع بالقدر الفاحش منه الالمن ابتلى به بحيث يجئ ويذهب فى ايام الأوحال فى بلادنا الشامية لعدم انفكاك طرقها من النجاسة غالبا مع عسر الاحتراز بخلاف من لايمربها اصلا فى هذه الحالة فلا يعفى فى حقه حتى ان هذا لايصلى فى ثوب ذاك اهـ أقول والعفو مقيد بما اذا لم يظهر فيه أثر النجاسة كما نقله فى الفتح عن التجنيس ... (والحاصل ان الذى ينبغى انه حيث كان العفو للضرورة وعدم امكان الاحتراز ان يقال بالعفووان غلبت فيها النجاسة مالم يرعينها لواصابها بلا قصد وكان ممن يذهب ويجئ والافلاضرورة) وقد حكى فى القنية ايضا قولين فيما لوابتلت قدماه ممارش فى الاسواق الغالبة النجاسة ثم نقل انه لوأصاب ثوبه طين السوق أو السكة ثم وقع الثوب فى الماء تنجس۔

(۱۵۲) شیر خوار بچے کی قے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چھوٹے شیر خوار بچے کی قے پاک ہے یا ناپاک؟ اگر ناپاک ہے تو غلیظہ ہے یا خفیفہ؟

الجواب بعون الملک الوهاب......اگر شیر خوار بچہ قے منہ بھر کر کرے تو وہ ناپاک ہوگی اور نجاست غلیظہ ہوگی اور اگر منہ بھر کر نہ ہو تو ناپاک نہیں ہوگی۔

وفى الهندية(۱/۴۵): الصبى اذا قاء على ثدى الام ثم مص الثدى مراراً يطهر۔

Marfat.com

وفی تنویر الابصار مع الدر(۱/۱۳۷): (و) ینقضه (قیء ملأ فاه) ... (من مرة أوعلق أوطعام أوماء) اذا وصل الی معدته وإن لم یستقر وهو نجس مغلظ ولومن صبی ساعة ارتضاعه هو الصحیح لمخالطة النجاسة۔ ذكره الحلبی۔

(۱۵۳) نجس گوشت کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک کلو گوشت لے کر آیا کہ رات کے وقت پکا کر کھائیں گے میں نے اس کو چار پائی کے نیچے رکھ دیا تا کہ خراب نہ ہو جائے، ہوا لگتی رہے چار پائی کے اوپر میرا ایک چھوٹا بچہ سو رہا تھا اس نے پیشاب کر دیا وہ نیچے گوشت میں گرا جس کی وجہ سے گوشت نجس ہو گیا اب اس گوشت کو پاک کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پاک ہو سکتا ہے تو پاک کرنے کا طریقہ بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب..... نجاست جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آتی ہو، جیسے پیشاب وغیرہ وہ نجاست غیر مرئی کہلاتی ہے اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو دھویا جائے یہاں تک کہ دھونے والے کا دل مطمئن ہو جائے اور یہ عموماً تین مرتبہ دھونے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں گوشت کو تین مرتبہ دھو لیا جائے اور ہر مرتبہ اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ گوشت سے پانی کے قطرات ٹپکنا بند ہو جائیں تو گوشت پاک ہو جائے گا۔

لما فی الفتاویٰ الولوالجیة(۱/۴۳): رجل علی یده نجاسة رطبة فجعل یضع یده علی عروة القمقمة كلما صبت الماء علی الید فاذا غسل ثلاث مرات طهرت العروة مع طهارة الید لان نجاستها بنجاسة الید فطهارتها بطهارة الید۔

وفی التاتارخانیة(۱/۳۰۶): (وان كانت غیر مرئیة) كالبول والخمر ذكر فی الاصل وقال: یغسلها ثلاث مرات ویعصر فی كل مرة فقد شرط الغسل ثلاث مرات وشرط العصر فی كل مرة... وفی القدوری ومالم یكن مرئیة فالطهارة موكولة الی غلبة الظن وقدرنا بالثلاث ... الا قوله ثم التقدیر لیس بلازم عندنا بالثلاث بل هو مفوض الی اجتهاده ان كان غالب ظنه انها تزول بما دون الثلاث یحكم بطهارته۔

وفی الدر المختار(۱/۳۳۴): ویطهر لبن وعسل ودبس ودهن یغلی ثلاثا ولحم طبخ بخمر یغلی وتبرید ثلاثا۔ (قوله ولحم طبخ الخ) فی الظهیریة ولو صبت الخمرة فی قدر فیها لحم ان كان قبل الغلیان یطهر اللحم بالغسل ثلاثا وان بعده فلا۔

Marfat.com

(۱۵۴) بچوں کے پیشاب کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک دوست ہے وہ کہتا ہے کہ چھوٹے بچوں کا پیشاب پاک ہے اگر کپڑوں کو لگ جائے تو کپڑے ناپاک نہیں ہوتے انہی کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے تو کیا ان کی یہ بات درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......پیشاب علی الاطلاق نجاست مغلظہ میں سے ہے، چاہے بچوں کا ہو یا بڑوں کا ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ بقدر ایک درھم (ہتھیلی کی گہرائی کے بقدر) یا اس سے کم کپڑوں پر لگ جائے اور اس کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی البتہ معلوم ہو جانے پر اس کو بھی دھو کر نماز پڑھی جائے اور بقدر ایک درہم سے زیادہ کپڑوں پر لگ جائے تو اس کے ساتھ نماز پڑھ لینے سے نماز ہی درست نہ ہوگی۔

لمافی الهندية (۴۶/۱): كل مايخرج من بدن الانسان مما يوجب خروجه الوضوء أو الغسل فهو مغلظ كالغائط والبول والمنى والمذى والودى والقيح والصديد والقى اذا ملأ الفم كذا فى البحر الرائق ـــــ وكذلك بول الصغير والصغيرة أكلا أولا كذا فى الاختيار۔

وفى المراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى(۱/۱۳۳): (قوله وبول مالا يؤكل لحمه) شمل بول الحية فانه مغلظ... (قوله ولو رضيعا) ولو رضيعاً لم يطعم سواء كان ذكراً أو انثى۔

(۱۵۵) ٹینکی میں چھپکلی گر جائے تو پانی کا کیا حکم ہوگا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر گھر کی ٹینکی میں چھپکلی گر جائے تو کیا پانی ناپاک ہو جائے گا؟ نیز اگر گر کر مر بھی جائے تو پھر صفائی کی صورت کیا ہوگی؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں چھپکلی کے ٹینکی میں گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ یہی حکم مرنے کی صورت میں بھی ہے۔

لمافى الهندية (۲۴/۱):وموت ما ليس له نفس سائلة فى الماء لا ينجسه كالبق والذباب والزنابير والعقارب ونحوها۔

وفى الدر المختار (۱۸۳/۱):(ويجوز) رفع الحدث (بما ذكر وان مات فيه) اى الماء ولو قليلا (غير دموى كزنبور) وعقرب وبق

وفى الشامية (غير دموى) المراد مالا دم له سائل لما فى القهستانى ان المعتبر عدم السيلان لا عدم اصله حتى لو وجد حيوان له دم جامد لا ينجس۔

Marfat.com

(۱۵۶) اچار میں چوہیا مرجانے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم لوگ گھروں میں اچار بناتے ہیں میرے گھر میں اچار کا ایک ڈبہ رکھا ہوا تھا اس میں کسی طرح چوہیا چلی گئی وہ اس ڈبے کے اندر مرچکی ہے اب اس اچار کا کیا حکم ہوگا؟ جبکہ ہم نے اس پر کافی خرچہ کیا ہوا ہے اور محنت بھی خوب کی ہے اس کے کھانے کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سیال چیز میں اگر کوئی نجاست گرجائے تو وہ پورا کا پورا نجس ہوجاتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اچار بھی سیال چیز ہے اور اس میں چوہیا گرجانے کی صورت میں سارا اچار نجس ہوجائے گا۔البتہ اگر اچار میں گھی جما ہوا ہے اس طور پر کہ گھی کی تہہ ہو تو پھر صرف اسکے اطراف کا نکال دینا کافی ہوگا سارا اچار نجس نہ ہوگا۔

لمافی فتح القدير مع شرح العناية (۱/۸۴): (ولانه لادم فيها) ای فی هذه الحيوانات اذا لدموی لا يسكن الماء والدم هو المنجس) واذا مات(فی غير الماء) كالخل والعصير والحليب ونحوها۔

وفی فتح القدير(۱/۸۳): وموت ماليس له نفس سائلة فی الماء لا ينجسه كالبق الخ ولان المنجس هو اختلاط الدم المسفوح باجزائه عند الموت الخ، كل طعام وشراب وقعت فيه دابة ليس لهادم فماتت فيه فهو حلال اكله وشربه ووضوء ه۔

وفی الهندية (۱/۲۵): فی جامع الجوامع اذا تنجس الماء القليل بوقوع النجاسة فيه ان تغيرت اوصافه لا ينتفع به من كل وجه۔

وفی الدرالمختار(۱/۱۸۵): (وينجس) الماء القليل (بموت مائی معاش بری مولد) فی الاصح (كبط واوز) الخ۔

(۱۵۷) گھی میں چوہا گرجائے تو گھی کی ناپاکی کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گھر میں گھی کا ڈبہ پڑا ہوا تھا کہ رات کو کہیں سے چوہا آکر اس میں گرگیا اور چوہا بھی خاصا بڑا ہے اور گرنے کے بعد صبح کے وقت اس میں مرا ہوا تھا، اس نے اپنے طور پر نکلنے کی کوشش کی ہوگی جس کی وجہ سے وہ زخمی بھی ہوا لہٰذا کچھ خون بھی گھی پر لگا ہوا ہے، کیا یہ سارا گھی ناپاک ہوگیا؟ اگر یہ ناپاک ہوگیا ہو تو اس کو کہاں استعمال کرسکتے ہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر گھی جامد ہو تو چوہے کے اردگرد اور جہاں خون لگا ہوا ہو، اسے ہٹا کر باقی گھی کا استعمال جائز ہے، ہاں اگر گھی مائع (پگھلا ہوا) ہو تو پھر سارا گھی ناپاک ہوگیا، اور ایسے گھی کو کھانے کے علاوہ دیگر استعمالات

Marfat.com

میں لاسکتے ہیں جیسے چراغ جلانے کے لئے وغیرہ وغیرہ، الغرض کھانے کے علاوہ دیگر استعمالات جائز ہیں۔

لمافی الهندیة (۴۵/۱): الفارة لوماتت فی السمن ان کان جامدا قور ماحوله ورمی به والباقی طاهر یوکل وان کان مائعا لم یوکل وینتفع به من غیر جهة الاکل مثل الاستصباح ودبغ الجلد...

(۱۵۸) حلال جانوروں کے پیشاب کی کتنی مقدار معفو عنہ ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حلال جانور کا پیشاب کپڑوں پر لگ جائے تو کتنی مقدار سے کپڑے ناپاک شمار ہونگے؟ نیز اسی صورت میں حرام جانوروں کے پیشاب کا حکم بھی بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......حلال جانوروں کا پیشاب (نجاست خفیفہ) کپڑوں پر لگ جائے تو اگر نجاست کی مقدار کپڑے کے چوتھائی حصہ سے کم ہو تو کپڑا ناپاک شمار نہیں ہوگا اور اس سے زیادہ ہو تو کپڑا ناپاک شمار ہوگا، اور اگر حرام جانوروں کا پیشاب (نجاست غلیظہ) کپڑے پر لگ جائے تو اگر درہم کی مقدار (ہتھیلی کے درمیانی حصہ کے برابر مقدار) سے کم ہو تو کپڑا ناپاک شمار نہیں ہو گا اور اگر اس سے زیادہ ہو تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ نیز سوئی کے سرے (ناکے) کے برابر چھوٹی چھوٹی چھینٹیں کپڑے پر لگ جائیں تو اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا چاہے وہ چھینٹیں حرام جانور کے پیشاب کی ہوں یا حلال جانور کے پیشاب کی۔

لمافی الهندیة (۴۵/۱-۴۶): الاول المغلظة وعفی منها قدرالدرهم ...وکذلك الخمر والدم المسفوح ولحم المیتة وبول مالا یؤکل والروث... نجاسة غلیظة ...(والثانی المخففة) وعفی منها مادون ربع الثوب ...وفی الحقائق وعلیه الفتوی... وبول ما یؤکل لحمه والفرس وخرء طیر لا یوکل مخفف۔

وفی الدر المختار (۳۱۶/۱-۳۱۸): (وعفا) الشارع (عن قدردرهم)... (وهو مثقال)... (فی) ... (کثیف) له جرم (وعرض مقعر الکف)... (فی رقیق من مغلظة کعذرة)... (وبول غیر ماکول ولو من صغیر لم یطعم) الا بول خفاش وخرأه۔

(۱۵۹) دوران غسل پانی کی چھینٹیں بالٹی میں گر جائیں تو پانی کا کیا حکم ہوگا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض دفعہ غسل کرتے ہوئے پانی کی چھینٹیں بالٹی میں گر جاتی ہیں، اب اگر یہ غسل جنابت ہو تو کیا ایسی صورت میں یہ پانی ناپاک ہو جائے گا؟ اگر مقدار کے اعتبار سے کوئی فرق پڑتا ہو تو وہ بھی بیان فرمادیں، اللہ تعالی آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بالٹی میں صرف چھینٹیں گرنے سے بالٹی کا پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

لما فی اعلاء السنن (۱/۲۵۲): ان ابن عمر رضی اللہ عنہ والبراء بن عازب رضی اللہ عنہ ادخل یده فی الطهور ولم يغسلها ثم توضأ ولم یر ابن عباس بأسا بما ینتضح من غسل الجنابة۔

وفيه ايضاً (ص۲۵۳): عن ابن عباس فی الرجل یغتسل من الجنابة فینتضح فی انائه من غسله فقال لا بأس به اخرجه ابن ابی شیبة فی المصنف۔

وفی الهندية (۱/۲۳): جنب اغتسل فانتضح من غسله شیء فی انائه لم یفسد علیه الماء اما اذا کان یسیل منه سیلانا افسده وکذا حوض الحمام علی قول محمد لایفسده مالم یغلب علیه یعنی لا یخرجه من الطهورية كذا فی الخلاصة۔

(۱۶۰) چائے یا پانی وغیرہ میں مکھی گرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر چائے کے کپ میں مکھی گر جائے تو اس چائے کا پینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ مکھی کو غوطہ دے کر نکال دے اور چائے پی لے تو کیا ان لوگوں کی بات درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر چائے میں مکھی گر جائے اور اسے نکال کر پھینک دیا جائے تو چائے کا پینا درست ہے کیونکہ اس سے چائے ناپاک نہیں ہوتی اس لئے کہ اس کے اندر دم مسفوح (بہنے والا خون) نہیں ہوتا اور جن اشیاء میں دم مسفوح نہیں ہو وہ ناپاک نہیں تو دوسری چیزوں میں گرنے سے ان کو ناپاک نہیں کرتیں، البتہ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکھی کو چائے، سالن، پانی وغیرہ کے اندر ڈبو کر نکالنے کا حکم دیا ہے لیکن یہ آپ ﷺ کا اَمر ارشادی ہے، اَمر وجوبی نہیں یعنی بطور ترحم کے آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے کہ کسی غریب آدمی کو دودھ ہر وقت میسر نہیں ہوتا کہیں وہ حرج میں مبتلا نہ ہو جائے، لیکن اگر کسی کی طبیعت متنفر ہو رہی ہو تو وہ نہ پیئے اس لئے کہ یہ اَمر وجوبی نہیں اور نہ پینے سے وہ گنہگار نہ ہوگا اور یہی حکم تمام مشروبات کا ہے۔

وفی الهندية (۱/۲۴): وموت مالیس له نفس سائلة فی الماء لاینجسه کالبق والذباب والزنابیر والعقارب ونحوها۔

وفی رد المحتار (۱/۲۲۲): (قوله ومثله ماء لادم له) ای سائل سواء کان یعیش فی الماء أو فی غیره عن البحر: (قوله قید للکل) أی للآدمی ومأکول اللحم ولادم له (قوله طاهر) أی فی ذاته طهور أی مطهر لغیره من الأحداث والأخباث۔

وفی أصول الشاشی (ص۲۷): وعلی هذا قلنا فی قوله علیه السلام اذا وقع الذباب فی طعام أحدکم فامقلوه ثم انقلوه فان فی احدی جناحیه داء وفی الأخری دواء وانه لیقدم الداء علی الدواء دل

Marfat.com

سیاق الکلام علی أن المقل لدفع الأذی عنا، لا للأمر تعبدی حقا للشرع فلایکون للإیجاب۔

(۱۶۱) پکے، ناپاک فرش کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر پکے فرش کے اوپر نجاست گر جائے تو کیا خشک ہونے سے وہ پاک ہوجائے گا یا پانی سے دھونا ضروری ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر پکے فرش کے اوپر نجاست گر جائے تو اس کو پاک کرنے کے تین طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ خشک ہونے سے وہ پاک ہوجائے گا بشرطیکہ نجاست کا اثر [رنگ اور بو وغیرہ] بھی زائل ہوجائے[1]، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس پر پانی ڈال کر ملیں اور کپڑے سے خشک کیا جائے اس طرح تین مرتبہ کرنے سے وہ پاک ہوجائے گا، تیسرا طریقہ یہ ہے کہ بہت زیادہ پانی ڈال کر چھوڑ دیں یہاں تک کہ نجاست کی بو اور رنگ باقی نہ رہے پانی خشک ہوجائے تو زمین پاک ہوجائے گی۔

البتہ پہلے طریقے میں اس پر نماز پڑھنا تو جائز ہے لیکن تیمم کرنا جائز نہیں، اور خشک ہونے کے بعد اس پر دوبارہ پانی آنے کی صورت میں بھی نجاست لوٹ کر نہیں آئے گی۔

وفی الهندیة(۱/۴۳) : الارض اذا تنجست ببول واحتاج الناس الی غسلها فان کانت رخوة یصب الماء علیها ثلاثا فتطهر وان کانت صلبة قالوا یصب الماء علیها وتدلك ثم تنشف بصوف أوخرقة یفعل کذالك ثلاث مرات فتطهر وان صب علیها ماء کثیر حتی تفرقت النجاسة ولم یبق ریحها ولا لونها وترکت حتی جفت تطهر کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

وفی الدرالمختار(۱/۳۱۱):(و) تطهر (أرض) بخلاف نحو بساط (بیبسها) أي جفافها ولو بریح (وذهاب أثرها کلون) وریح (ل) أجل (صلاة) علیها (لا لتیمم) بها لأن المشروط لها الطهارة وله الطهوریة۔

وفی الشامیة (۱/۳۱۱): (قوله بیبسها) لما فی سنن أبي داؤد باب طهور الارض اذا یبست وساق بسنده عن ابن عمر رضی اللہ عنہما '' قال کنت أبیت فی المسجد فی عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وکنت شابا عزبا وکانت الکلاب تبول وتقبل وتدبر فی المسجد ولم یکونوا یرشون شیئا من ذلك'' ولو أرید تطهیرها عاجلا یصب علیها الماء ثلاث مرات وتجفف فی کل مرة بخرقة طاهرة وکذا لوصب علیها الماء

---

[1] پچھلے ایڈیشن میں اس مقام پر تسامح ہوا تھا اور اثر زائل ہونے کی قید نہیں لگائی گئی تھی جبکہ یہ قید بھی مسئلہ میں ملحوظ ہے لہذا اس ایڈیشن میں تصحیح کردی گئی ہے۔ از مرتب

Marfat.com

بکثرة حتى لا يظهر أثر النجاسة۔۔۔۔۔۔۔ يفهم من قول البحر صب عليها الماء كثيراً ثم تركها حتى نشفت طهرت أنه نجس۔

وفی الدر المختار(۱/۳۱۴):ثم هل يعود نجسا ببله بعد فركه؟ المعتمد لا، وكذا كل ما حكم بطهارته بغير مائع۔

وقال ابن عابدين رحمه الله تحته: (قوله بغير مائع) ای كالدلك فی الخف، والجفاف فی الارض۔۔۔ ۔۔۔ ومقتضاه أن الخف لو وقع فی ماء قليل لا ينجسه۔۔۔ وقدمنا أن الآجرة اذا تنجست فجفت ثم قلعت فالمختار عدم العود۔

(۱۶۲)کھیتوں میں قضاء حاجت کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم لوگ دیہاتوں میں رہتے ہیں ہمارے گھروں میں بیت الخلاء نہیں ہوتے اور گھروں کے اردگرد فصلیں ہوتی ہیں ہم ان میں جا کر پیشاب کرتے ہیں ایک دن ایک مولانا صاحب ہمارے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا کہ کھیتوں میں پیشاب کرنا جائز نہیں ہے۔تو اب پوچھنا یہ ہے کہ کھیتوں میں پیشاب کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......قضاء حاجت کیلئے ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیئے جس میں ستر کا مکمل اہتمام ہو،اور کسی کی ایذا رسانی نہ ہوتی ہو،اور نہ ہی کسی محترم چیز کی بے حرمتی ہو،کھیتوں میں قضاء حاجت کرنے کو فقہاء کرام نے مکروہ لکھا ہے،لیکن اگر کھیتوں میں کسی ایسی جگہ پر قضاء حاجت کی جائے جس میں ستر کا اہتمام ہو،اور فصل کی تلویث کا اندیشہ نہ ہو،اور نہ ہی کسی کی ایذا رسانی کا سبب بنے تو اس صورت میں کھیتوں میں قضاء حاجت کرنے کی گنجائش ہے۔

لما فی الهندية (۱/۵۰): ويكره على طرف نهر أو بئر أو حوض أو عين أو تحت شجرة مثمرة أو فی زرع۔

وفی الدر المختار(۱/۳۴۲)): وعلى طرف نهر أو بئر أو حوض أو عين او تحت شجرة مثمرة أو فی زرع۔

(۱۶۳)استعمال شدہ کمبل، کپڑے وغیرہ کو بغیر دھوئے استعمال کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل لائٹ ہاؤس وغیرہ پر گرم کمبل سوئیٹر، جرسیاں وغیرہ جو ملتی ہیں انہیں بغیر دھوئے استعمال کرنا کیسا ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب...... استعمال شدہ اشیاء (مثلاً گرم کمبل، سویٹر، جرسیاں اور کپڑے وغیرہ) جو مختلف جگہوں پر سستے داموں ملتی ہیں اگر یہ کفار کی استعمال کردہ ہوں تو جب تک ان کے ناپاک ہونے کا یقین یا ظن غالب نہ ہو، انہیں بغیر دھوئے استعمال کرنا درست ہے تاہم دھو کر استعمال کرنا بہر حال اولیٰ اور بہتر ہے۔

لمافی الولوالجیۃ (١/٣٦): لا بأس بلبس ثیاب اھل الذمۃ والصلوٰۃ فیھا واما الازار والسراویل فانھا تکرہ الصلوٰۃ فیھما مالم یغسلا فی قول ابی حنیفۃ و محمد وقال ابو یوسف اجزاہ بلاکراھۃ امّا الجواز فی الکل فلان الطھارۃ فی الثیاب اصل ولیس فی حالۃ الکفر ما یوھم نجاسۃ ثیابھم فلھذہ العلۃ لم یکرہ ابو یوسف فی الازار والسراویل وھما کرھا۔

وفی الدر المختار (١/٣٥٠): ثیاب الفسقۃ واھل الذمۃ طاھرۃ۔

(وفی الشامیۃ تحتہ): الاصح انہ لایکرہ لانہ لم یکرہ من ثیاب اھل الذمۃ الاالسراویل مع استحلالھم الخمر. فھذا اولیٰ اھ۔

(١٦٤) نجاست سے کپڑے کو پاک کرنے کے بعد اگر داغ رہ جائے تو کپڑے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو احتلام ہوا صبح اٹھ کر اس نے غسل کیا اور شلوار کو تین بار دھویا لیکن اس سے منی کے داغ نہیں اترے آیا یہ شلوار پاک ہوگی؟ اس کے ساتھ نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... کپڑوں پر اگر نجاست لگ جائے اور وہ نجاست ٹھوس ہو تو دھونے سے اگر اس کی عین زائل ہو جائے کپڑے پاک ہوں گے اگر چہ اس کا اثر (بو، رنگ) باقی رہ جائے جس کے دور کرنے میں مشقت ہو، اور بغیر صابن یا گرم پانی کے دور نہ ہو سکتا ہو۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں کپڑوں سے منی دھونے کے بعد اگر اس کا کوئی داغ یا اثر رہ جائے تو بھی کپڑے پاک ہوں گے اور اس میں نماز پڑھنا درست ہے۔

لمافی البحر الرائق (١/٤١٠): والمراد بالأثر اللون والریح فان شق إزالتھما سقطت وتفسیر المشقۃ أن یحتاج فی إزالتہ إلی استعمال غیر الماء کالصابون والأشنان أو الماء المغلی بالنار کذا فی السراج۔

وفی الدر المختار (١/٣١٢): (ویطھر منی) أی محلہ (یابس بفرك) ولا یضر بقاء اثرہ . . . (والا) یکن یابسا . . . (فیغسل)

وفی الشامیۃ تحتہ: (قولہ ولا یضر بقاء اثرہ) أی کبقائہ بعد الغسل بحر۔

Marfat.com

(۱۶۵) ناپاک کپڑوں کو بالٹی وغیرہ میں ڈال کر ٹونٹی سے پانی جاری کر دینے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ اکثر اوقات گھر سے باہر سفر میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے کپڑے وغیرہ بندے کو خود دھونے پڑتے ہیں۔ تو ایک دن میں کپڑے دھو رہا تھا میری عادت یہ ہے کہ جو کپڑے ناپاک ہوں تو میں ان کو تین مرتبہ دھوتا ہوں اور ہر مرتبہ اچھی طرح نچوڑتا ہوں، میرا ایک طالبعلم ساتھی میرے پاس آیا، تو اس نے مجھ سے کہا کہ آپ خواہ مخواہ میں تین مرتبہ کپڑے دھونے میں اور ہر مرتبہ کپڑے نچوڑنے میں اپنے کو تھکاتے ہیں، ایسا کریں کہ کپڑے بالٹی میں ڈال کر اس پر ٹونٹی کھول دیا کریں۔ جب بالٹی بھر جائے اور پانی اس سے چھلکنے لگ جائے اور کچھ نہ کچھ پانی بہہ جائے تو کپڑے پاک ہو جائیں گے۔ مجھے ان کی یہ تجویز اچھی لگی۔ لیکن میں نے کہا اگرچہ میرا یہ ساتھی دین پڑھ رہا ہے لیکن ہے تو طالبعلم کوئی عالم مفتی تو نہیں، کیوں نہ میں تھوڑی تکلیف اٹھا کر مفتی صاحب سے معلوم کرلوں، تاکہ اطمینان حاصل ہو جائے۔ تو مفتی صاحب آپ بتائیں کہ واقعتاً جب پانی تھوڑا سا بالٹی کے سائیڈوں (اطراف) سے گرنے لگ جائے تو کپڑے پاک ہو جائیں گے یا جو بھی صحیح صورتحال ہو اس کو واضح بیان فرمائیں، آپ کو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ عطا فرمائیں گے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... کپڑوں کو نجاست سے پاک کرنے کا طریقہ شرعاً یہ ہے کہ اگر نجاست مرئیہ ہو یعنی نظر آنے والی اور ذی جرم ہو (جس کا ٹھوس وجود ہو) تو اس عین نجاست کو زائل کرنے سے کپڑے پاک ہو جاتے ہیں خواہ ایک مرتبہ پانی بہانے سے زائل ہو جائے۔ کیونکہ پاکی سے مراد نجاست کو دور کرنا ہوتا ہے اور اس صورت میں یہ پایا جاتا ہے، اور اگر نجاست غیر مرئیہ ہو یعنی نظر نہ آنے والی ہو جیسے مائعات کی نجاستیں تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کپڑوں کو کسی برتن میں دھویا جائے تو یہ ضروری ہے کہ تین مرتبہ دھویا جائے اور نچوڑا جائے۔ البتہ اگر کپڑوں کو ماء جاری جیسے نہر وغیرہ کے پانی میں یا وہ پانی جو ماء جاری کے حکم میں ہو میں دھویا جائے جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے کہ بالٹی یا کسی اور برتن میں کپڑوں کو ڈال دیا جائے اور پھر یہاں تک پانی ڈالا جائے اور اتنا پانی بہہ جائے کہ دھونے والے کو غالب گمان ہو کہ اب نجاست نکل چکی ہے۔ اس صورت میں یہ پانی ماء جاری کے حکم میں ہو جائے گا اور کپڑوں کو نچوڑنا بھی ضروری نہ ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے طالبعلم ساتھی کا یہ کہنا تو درست ہے کہ جب بالٹی وغیرہ سے پانی بہنے لگ جائے تو کپڑے پاک ہو جائیں گے اور نچوڑنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی، لیکن یہ ضروری ہے کہ اتنا پانی بہہ جائے کہ نجاست نکل جانے کا ظن غالب ہو جائے۔

لمافی مراقی الفلاح(ص۱۲۹): (ويطهر) محل النجاسة (غير المرئية بغسلها ثلاثا) وجوبا وسبعاً مع الترتيب ندباً فى نجاسة الكلب خروجاً من الخلاف (والعصر كل مرة) تقديراً لغلبة الظن فى استخراجها فى ظاهر الرواية وفى رواية يكتفى بالعصر مرة وهو أوفق ووضعه فى الماء الجارى

Marfat.com

یغنی عن التثلیث والعصر کالاناء اذا وضعه فیه فامتلأ وخرج منه طهر۔

وفی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: قوله ووضعه فی الماء الجاری الخ یعنی اشتراط الغسل والعصر ثلاثا انما هو اذا غمسه فی إجانة، اما اذا غمسه فی ماء جار حتی جری علیه الماء او صب علیه ماء کثیراً بحیث یخرج ما أصابه من الماء ویخلفه غیره ثلاثا فقد طهر مطلقاً بلا اشتراط عصر وتجفیف، وتکرار غمس هو المختار والمعتبر فیه غلبة الظن هو الصحیح۔

وفی الشامیة(۱/۳۳۳): تحت قوله اما لو غسل الخ۔ أن المعتبر فی تطهیر النجاسة المرئیة زوال عینها ولو بغسلة واحدة ولو فی اجانة کمامر فلا یشترط فیها تثلیث غسل ولا عصر، وأن المعتبر غلبة الظن فی تطهیر غیر المرئیة بلا عدد علی المفتیٰ به... ولا شك ان الغسل بالماء الجاری وما فی حکمه من الغدیر أو الصب الکثیر الذی یذهب بالنجاسة اصلاً ویخلفه غیره مراراً بالجریات اقوی من الغسل فی الاجانة التی علی خلاف القیاس، لأن النجاسة فیها تلاقی الماء وتسری معه فی جمیع اجزاء الثوب فیبعد کل البعد التسویة بینهما فی اشتراط التثلیث۔

(قوله فی غدیر) ای ماء کثیر له حکم الجاری (قوله أو صب علیه ماء کثیر) ای بحیث یخرج الماء ویخلفه غیره ثلاثاً لان الجریان بمنزلة التکرار والعصر، هو الصحیح۔

(۱۶۶) نجس کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ نیز نجس کپڑے کو دھوپ سے خشک کرنے کے بعد پاکی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کپڑے پر نجاست لگ جائے تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہوگا، نیز اگر نجس کپڑے کو دھوپ میں سکھا دیا جائے تو کیا وہ پاک ہو جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......کپڑے کو نجاست سے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کپڑے کو تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ نچوڑا جائے اس طور پر کہ پانی کے قطرات ٹپکنا بند ہو جائیں نجس کپڑا دھوئے بغیر محض دھوپ میں سکھانے سے پاک نہیں ہوگا۔

لمافی بدائع الصنائع(۱/۴۳۹): واما سائر النجاسات اذا اصابت الثوب أوالبدن ونحوهما فانها لا تزول الا بالغسل سواء کانت رطبة اویابسة وسواء کانت سائلة او لها جرم۔

وفی الهندیة(۱/۴۲): ان غسل ثلاثا فعصر فی کل مرة ثم تقاطرت منه قطرة فأصابت شیأ ان عصره فی المرة الثالثة وبالغ فیه بحیث لو عصره لایسیل منه الماء فالثوب والید وما تقاطر طاهر

Marfat.com

والا فالکل نجس۔

(۱۶۷) ناپاک جوتا پاک کرنے کا طریقہ

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر راستے میں چلتے ہوئے کسی کے جوتے پر نجاست لگ جائے تو اس کو پاک کرنے کیلئے دھونا ضروری ہے یا کپڑے سے صاف کر دینا کافی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... جوتے پر لگنے والی نجاست خواہ جسم رکھنے والی ہو (مثلاً پاخانہ، خون، لید وغیرہ) یا جسم رکھنے والی نہ ہو (مثلاً شراب، پیشاب وغیرہ) اگر اسے زمین سے رگڑ دیا جائے یا کسی کپڑے وغیرہ سے صاف کر لیا جائے اس طرح کہ نجاست کا اثر اور بدبو باقی نہ رہے تو وہ جوتا اصح قول کے مطابق پاک ہو جائے گا پھر اسے دھونا ضروری نہیں۔

لمافی الهندية(۱/۴۴): الخف إذا أصابته النجاسة إن كانت متجسدة ...إذا مسحه على وجه المبالغة بحيث لايبقى لها أثر يطهر وعليه الفتوىٰ لعموم البلوىٰ كذا فی فتاوى قاضیخان وإن لم تكن النجاسة متجسدة ... إذا التصق بها مثل التراب أو ألقی علیها فمسحها یطهر وهو الصحیح هكذا فی التبیین وعلیه الفتوىٰ للضرورة كذا فی معراج الدرایة۔

وفی الدر المختار(۱/۳۰۹۔۳۱۰): (ویطهر خف ونحوه) كنعل (تنجس بذی جرم) هو كل مایرى بعد الجفاف ولو من غیرها كخمر وبول أصابه تراب به یفتی بدلك یزول به أثرها۔

(۱۶۸) اسٹیل یا پلاسٹک کے نجس برتن پاک کرنے کا طریقہ

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل گھروں میں عام طور پر اسٹیل یا پلاسٹک کے برتن استعمال ہوتے ہیں بسا اوقات ان پر کوئی نجاست لگ جاتی ہے اور یہ ناپاک ہو جاتے ہیں تو ان کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اسٹیل اور پلاسٹک کے برتن اگر چکنے ہوں اور کھردرے نہ ہوں ان پر نجاست لگ جائے، تو وہ پانی، مٹی یا صاف کپڑے سے پونچھنے سے بھی پاک ہو جائیں گے جبکہ نجاست زائل ہو جائے اگر وہ برتن کھردرے یا اُبھرے ہوئے ہوں تو پانی سے دھوئے بغیر وہ پاک نہ ہوں گے۔

لمافی البحر الرائق(۱/۳۹۰۔۳۹۱): (ونحو السیف بالمسح) ای یطهر كل جسم صقیل لامسام له بالمسح جدید اكان أو غیره فخرج الجدید إذا كان علیه صدأ أو منقوشا فانه لا یطهر الا بالغسل... وزاد فی السراج الوهاج العظم والآبنوس وصفائح الذهب والفضة اذا لم تكن منقوشة...الخ۔

وفی الهندیة(۱/۴۳): (ومنها المسح) اذا وقع على الحدید الصقیل الغیر الخشن كالسیف والسكین

Marfat.com

والمرآة ونحوها لنجاسة من غير أن يموه بها فكما يطهر بالغسل يطهر بالمسح بخرقة طاهرة...
ولا فرق بين الرطب واليابس ولا بين ماله جرم وما لا جرم له ... الخ۔

وفى الدر المختار(۱/۳۱۰): ويطهر (صقيل) لامسام له (كمرآة) وظفر وعظم وزجاج وآنية مدهونة أو خرّاطى وصفائح فضة غير منقوشة بمسح يزول به اثرها مطلقا وبه يفتى۔

(۱۶۹) کتاب کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک دن گھر میں مطالعہ کر رہا تھا اچانک کسی کام کیلئے جانا ہوا تو کتاب تپائی پر چھوڑ کر چلا گیا ادھر کہیں سے گھومتا پھرتا میرا بیٹا اس کمرے میں آ پہنچا اس نے کتاب اٹھالی اس سے کھیلتا رہا آخر میں اس پر پیشاب کر دیا اب اس کتاب کو کس طرح پاک کریں گے جبکہ دھونے کی صورت میں کتاب کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں چونکہ پانی سے دھونے سے کتاب کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے کسی اور ایسی پاک مائع چیز سے دھولیں جو نجاست کو دور کر دے اور اس سے کتاب خراب نہ ہو، جیسے پیٹرول وغیرہ۔

وفى اعلاء السنن(طبع ادارة القرآن والعلوم)(۱/۴۰۶): كانت إحدانا تغسل دم الحيضة بريقها تقرضه بظفرها

وفى اعلاء السنن (۱/۴۰۵): قوله عن عائشة رضى الله عنها قلت يستنبط منه جواز ازالة النجاسة بغير الماء فان الدم نجس وهو اجماع المسلمين ويستنبط منه أن إزالة النجاسة لا يشترط فيها العدد بل المراد الإنقاء قاله العينى...

وأصرح منه مافى رواية عبدالرزاق...... جعلت رضى الله عنها ذالك غسلاً۔

وفى المختصر المقدورى(ص۲۶): يجوز تطهير النجاسة بالماء وبكل مائع طاهر يمكن ازالتها به كالخل وماء الورد۔

وفى ملتقى الابحر(۱/۴۶): يطهر بدن المصلى... وبكل مائع طاهر مزيل كالخل وماء الورد...
وقال فى الحاشية المسماة بالتعليق الميسر ومثله البنزين والكازلا نهما مزيلان الخ۔

وفى الشامية(۱/۳۰۹): (وبكل مائع) أى سائل فخرج الجامد الخ (قوله طاهر) فبول ما يوكل لا يطهر الخ قالع) أى مزيل الخ (قوله ينعصر بالعصر) تفسير لقالع الخ۔

Marfat.com

(۱۷۰) ناپاک روئی کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے گھر میں روئی رکھی ہوئی تھی کہ اس کے اوپر میرے بچے نے پیشاب کردیا تو اب روئی کو کس طرح پاک کیا جائے جبکہ دھونے سے وہ خراب ہو جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....نجس چیزوں کو پاک کرنے کا افضل طریقہ تو یہ ہے کہ ان کو پانی سے دھویا جائے، اور دھونے سے خراب ہونے کا اندیشہ ہو، تو فقہاء کرام نے جو متبادل طریقے بتائے ہیں ان میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا جائے، جیسا کہ روئی کے پاک کرنے میں فقہاء کرام نے متبادل طریقہ بتایا ہے کہ اس کو دھنوایا جائے۔ البتہ روئی کی اگر کل مقدار کا نصف یا نصف سے زیادہ حصہ ناپاک ہو جائے تو دھننے سے پاک نہیں ہوگا، اور اگر نصف سے کم حصہ ناپاک ہے تو دھننے سے پاک ہو جائے گا۔

لما فی الهندية(۱/۴۵): المحلوج النجس اذا ندف ان كان الكل او النصف نجسا لا يطهر وان كان يسيرا بحيث يحتمل ان يذهب بهذا الفعل يحكم بطهارة كالكدس اذا تنجس فقسم بين الدهقان والعامل يحكم بطهارته۔

وفی الشامية (۱/۲۱۴): وانما يجوز الانتفاء لو قوع الشك فى بقاء النجاسة فى الموجود، وكذا الندف ومن عده شرط كون النجس مقدارا قليلا يذهب بالندف والا فلا يطهر۔

(۱۷۱) روئی کے دھنوانے سے پاک ہونے کی علت

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک عالم صاحب سے سنا ہے کہ روئی دھنوانے سے پاک ہو جاتی ہے؟ مجھے آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا اس میں کچھ شرائط بھی ہیں یا بس مطلق دھنوانے سے پاک ہو جائے گی۔ اصل میں ہمارے گھر میں بھی کچھ روئی لحاف بنوانے کیلئے رکھی ہوئی تھی، اس پر میرے بھتیجے نے پیشاب کردیا ہے۔ اب ہم پریشان ہیں کیا کریں؟ نیز ایک بات اپنی معلومات میں اضافے کیلئے پوچھنا ہے کہ آخر روئی کے دھنوانے سے پاک ہونے کی کیا علت ہے؟ براہ کرم مدلل ومفصل جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب.....ناپاک روئی کا حصہ اگر کل روئی کا آدھا یا اس سے زیادہ ہے تو دھنوانے سے پاک نہیں ہوگا البتہ اگر آدھے سے کم ہے اور یہ احتمال ہے کہ دھنوانے سے ناپاک حصہ اڑ جائے گا تو وہ روئی دھنوانے سے پاک ہو جائے گی لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے بھتیجے کے پیشاب کی وجہ سے روئی اگر آدھی سے کم ناپاک ہوئی ہے تو وہ دھنوانے سے پاک ہو جائے گی۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے صراحتاً اس کی کوئی علت بیان نہیں فرمائی کہ روئی دھنوانے سے پاک کیوں ہوتی ہے البتہ ان کے اس قول کہ "اگر نجاست تھوڑی ہو، اور دھنوانے سے اس کے چلے جانے کا احتمال ہو، تو پاکی کا حکم لگایا جائے گا" سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ روئی کو جب دھنوایا

Marfat.com

جائے گا تو اس کا کچھ حصہ اڑ جائے گا اور جو حصہ اڑا ہے احتمال ہے کہ اس میں نجاست ہو اور بقیہ روئی پاک ہو اسی احتمال کی بنا پر پاکی کا حکم لگایا جائے گا آجکل بھی روئی والوں سے معلوم کرنے پر یہ بات علم میں آئی کہ روئی دھنوانے سے اس کا کچھ حصہ اڑ جاتا ہے اور اس کو دھو کر پاک کرنے کی بھی صورت نہیں کیونکہ یہ دھونے سے خراب ہو جاتی ہے اس کی نظیر فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر گندم کا ڈھیر نجس ہو جائے اور اس کو زمیندار اور کسان میں تقسیم کر دیا جائے تو سارے ڈھیر پر پاکی کا حکم لگایا جائے گا کیونکہ تقسیم کی بنا پر ہر حصہ میں یہ احتمال ہے کہ نجاست اس حصہ میں نہ ہو بلکہ دوسرے حصہ میں ہو، اسی احتمال کی وجہ سے ہر حصہ کی طہارت میں شک واقع ہو گیا لیکن چونکہ اشیاء میں اصل طہارت ہے اس لئے سارے ڈھیر پر طہارت کا حکم لگایا جائے گا۔ اسی طرح ناپاک روئی کو جب دھنوایا گیا تو بعض روئی کے اڑ جانے کی وجہ سے یہ احتمال واقع ہو گیا کہ بقیہ روئی پاک ہے یا نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ ناپاک روئی اڑی ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ پاک روئی اڑی ہو، اسی احتمال کی وجہ سے بقیہ روئی کی طہارت میں شک واقع ہو گیا لیکن چونکہ اکثر روئی پاک ہے اس لئے بقیہ روئی پر بھی پاکی کا حکم لگایا جائے گا۔

لمافی النہر الفائق(۱/۱۳۶): وأما القسمة وما بعدها فلأن النجاسة باقية ايضاً وانما جاز الانتفاء لوقوع الشك فى الموجود ابقيت النجاسة فيه أم لا ألا ترى أن الذاهب لو عاد عادت النجاسة وعلى هذا فلا ينبغى عد الندف ايضا ومن عده شرط ان يكون النجس مقداراً قليلاً يذهب بالندف أما لو كان كالنصف ونحوه فلا يطهر به۔

وفى خلاصة الفتاوى(۱/۴۳): المحلوج النجس اذا ندف ان كان الكل او النصف نجساً لا يطهر اما اذا كان النجس شيأ يسيراً بحيث يحتمل ان يذهب بهذا الفعل يحكم بطهارته كالكدس اذا تنجس فقسم بين الدهاقين والعامل يحكم بطهارته۔

وفى الهندية(۱/۴۵): المحلوج النجس اذا ندف ان كان الكل او النصف نجساً لا يطهر وإن كان يسيراً بحيث يحتمل ان يذهب بهذا الفعل يحكم بطهارته كالكدس اذا تنجس فقسم بين الدهقان والعامل يحكم بطهارته كذا فى الخلاصة۔

(۱۷۲) ڈبلیوسی کے اندر گھڑی گرنے کی صورت میں پاک کرنے کا طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری گھڑی بیت الخلاء کے ڈبلیوسی میں گر گئی تھی جسے میں نے تھیلی پہن کر نکال لیا ہے، اب میں اسے استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے پاک کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ برائے کرم جلد از جلد رہنمائی فرماویں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......ڈبلیوسی کے اندر عام طور پر ناپاک پانی ہوتا ہے اسلئے چین والی گھڑی یا چمڑے کے پٹے والی گھڑی اس میں گرنے کی صورت میں صرف نجاست اور اس کے اثر کو دور کرنا کافی ہوگا اگر گھڑی ایسے پٹے والی ہے کہ جس میں نجاست کے

Marfat.com

اثرات بیٹھ جاتے ہیں تو اسے تین مرتبہ دھونا ضروری ہوگا اور دونوں صورتوں میں اگر دھونے کی وجہ سے گھڑی کے خراب ہونے یا زنگ وغیرہ لگ جانے کا احتمال ہو تو کسی ایسی پاک مائع چیز جو نجاست کے اثر کو دور کردے اور اس سے یہ خرابی پیدا نہ ہو، مثلاً پٹرول وغیرہ سے بھی دھولینا کافی ہوگا۔

لمافی الهندية (۱/۴۱): يجوز تطهير النجاسة بالماء وبكل مائع طاهر يمكن ازالتها به...... وان كانت مرئية بازالة عينها وأثرها ان كانت شيأ يزول اثره ولا يعتبر فيه العدد كذا في المحيط فلو زالت عينها بمرة اكتفى بها۔ (وفی ص۴۲): وان كانت غير مرئية يغسلها ثلاث مرات۔

وفي الشامية (۱/۳۰۹): (قوله وبه يفتي) أي خلافا لمحمد لانه لايجيز ازالة النجاسة الحقيقية الابالماء المطلق۔ بحر

(۱۷۳) روئی اور فوم کے ناپاک گدے پاک کرنے کا طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل اکثر گھروں میں لوگ روئی یا فوم والے گدے استعمال کرتے ہیں ہر گھر میں بچے بھی موجود ہوتے ہیں وہ ان کے اوپر پیشاب وغیرہ کرتے رہتے ہیں اگر یہ گدے ناپاک ہوجائیں تو ان کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جن چیزوں میں نجاست جذب ہوجاتی ہے ان کی دو صورتیں ہیں، ان کو نچوڑا جاسکتا ہوگا یا نہیں، اگر نچوڑا جاسکتا ہے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ اچھی طرح نچوڑا جائے اور جن چیزوں کو نچوڑا نہیں جاسکتا ان کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو بھی تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ دھونے کے بعد ڈال دیا جائے یہاں تک کہ اس سے قطرے ٹپکنا بند ہوجائیں، مذکورہ دونوں صورتوں میں اگر وہ چیز جس پر نجاست لگی ہوئی ہے، اگر اس کو بہتے ہوئے پانی میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ غالب گمان اس کے پاک ہونے کا ہوجائے تو اس سے بھی وہ چیز پاک ہوجاتی ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں روئی اور فوم کے گدوں کا نچوڑنا اگر ممکن نہیں تو ان کو تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ دھونے کے بعد ڈالدیا جائے یہاں تک کہ قطرے ٹپکنا بند ہوجائیں یا پائپ وغیرہ سے ان پر اتنا پانی بہادیا جائے کہ پاک ہونے کا غالب گمان حاصل ہوجائے تو پاک ہوجائیں گے۔

لمافي البحر الرائق (۱/۲۱۳): قوله (وبتثليث الجفاف فيما لا ينعصر) اى مالا ينعصر فطهارته غسله ثلاثا وتجفيفه في كل مرة لان للتجفيف اثرا في استخراج النجاسة وهو ان يتركه حتى ينقطع التقاطر ولا يشترط فيه اليبس۔

وفي الشامية (۱/۳۲۲): حاصله كما في البدائع ان المتنجس اما ان لا يتشرب فيه اجزاء

Marfat.com

النجاسة اصلا... او يتشرب فيه قليلا... او يتشرب كثيرا ففى الاول طهارته بزوال عين النجاسة المرئية او بالعدد على ما مرو فى الثانى كذالك... واما فى الثالث، فان كان مما يمكن عصره كالثياب فطهارته بالغسل والعصر الى زوال المرئية وفى غيرها بتثليثها وان كان ممالا ينعصر كالحصير المتخذ من البردى ونحوه ان علم أنه لم يتشرب فيه بل اصاب ظاهره يطهر بازالة العين او بالغسل ثلاثا بلا عصروان علم تشربه... فعند محمد لا يطهر ابدا وعند ابى يوسف ينقع فى الماء ثلاثا ويجفف كل مرة والاول اقيس والثانى اوسع اهـ وبه يفتى درر۔

وفى الفقه الاسلامى وادلته(۱/۳۳۵): واما ان كان مما لايعصر كالحصير والسجاد والخشب: فينقع فى الماء ثلاث مرات ويجفف فى كل مرة وهو قول ابى يوسف وهو الرأى الراجح وقال محمد لا يطهر ابداً۔

وفيه ايضاً(۱/۳۳۷): وقد اتفق الحنفية مع غيرهم على ان المتنجس اذا غسل فى ماء جار او غدير (اى ماء كثير له حكم الجارى) او صب عليه ماء كثير او جرى عليه الماء طهر مطلقا بلا شرط عصر وتجفيف وتكرار غمس لان الجريان بمنزلة التكرار والعصر۔

(۱۷۴)ناپاک قالین کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو سلسل بول کی بیماری ہے ایک روز وہ مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ قالین پر پیشاب کے قطرات گر گئے تو اس نے اس پر گیلا کپڑا لگا کر صاف کر دیا تو کیا اس طرح کرنے سے قالین پاک ہو گیا یا دھونا ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......قالین چونکہ ایسی چیز ہے جو کہ نجاست کے اثرات کو جذب کر لیتی ہے اور اس کو عام طور پر نچوڑنا بھی ممکن نہیں ہوتا اس لئے یہ گیلا کپڑا پھیر دینے سے پاک نہ ہوگا بلکہ اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اتنے وقفے وقفے سے تین مرتبہ اسے اس طرح دھویا جائے گا کہ ہر مرتبہ اس سے قطرے گرنا بند ہو جائیں اور جب تین مرتبہ مذکورہ طریقے سے دھولیا جائے گا تو پھر وہ پاک ہو جائے گا۔

لمافى الهندية(۱/۴۲): مالاينعصر يطهر بالغسل ثلاث مرات والتجفيف فى كل مرة لان للتجفيف أثرا فى استخراج النجاسة۔

وفى الدر المختار(۱/۳۳۱): (غيرها) أى غير مرئية(بغلبة ظن غاسل)------ (طهارة محلها)بلا عدد به يفتىٰ (وقدر)------(بغسل وعصر ثلاثاً)أو سبعا(فيما ينعصر)------ (و) قدر

Marfat.com

(بتثليث جفاف) أى انقطاع تقاطر (فى غيره) اى غير منعصر۔

(۱۷۵) دریائی مینڈک کے کنویں میں گرنے سے کنویں کی طہارت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر دریائی مینڈک کنویں میں گر جائے تو طہارت کا کیا حکم ہے؟ کیا دریائی مینڈک کنویں میں گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......دریائی مینڈک کے کنویں میں گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا بشرطیکہ اس پر ظاہری نجاست نہ لگی ہو، اور اگر اس پر نجاست لگی ہو تو کنواں ناپاک ہو جائے گا اور سارے پانی کا نکالنا ضروری ہوگا اور کنویں کے چشمہ دار ہونے کی صورت میں جب سارا پانی نکالنا ناممکن ہو تو تین سو ڈول نکال لیے جائیں تو وہ کنواں پاک ہو جائے گا۔

لمافى الهندية (۱۹/۱): واذا وجب نزح جميع الماء ولم يمكن فراغها لكونها معينا ينزح مائتا دلو كذا فى التبيين وهذا أيسر كذا فى الاختيار شرح المختار والأصح أن يؤخذ بقول رجلين لهما بصارة فى أمر الماء فاى مقدار قالا انه فى البئر ينزح ذلك القدر وهو أشبه بالفقه۔

وفى الدر المختار (۲۱۱/۱): (اذا وقعت نجاسة) ليست بحيوان ولو مخففة أو قطرة بول اودم ---------(ينزح كل مائها)۔

وفيه ايضا (۲۱۴/۱): (وان تعذر) نزح كلها لكونها معينا (فبقدر مافيها) وقت ابتداء النزح قاله الحلبى (يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء) به يفتى۔ وقيل يفتى بمائة الى ثلاث مائة وهذا أيسر وذالك أحوط۔

(۱۷۶) دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑوں کی پاکی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں دھوبی سے کپڑے دھلواتا ہوں، کیا دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے پاک ہوتے ہیں؟ اور اگر کپڑے گھر میں دھوئے جائیں تو ان میں سے بعض پاک اور بعض ناپاک ہوتے ہیں اب جب انہیں ایک ساتھ دھویا جائے گا تو دھونے کے بعد ہر کپڑے کو تین دفعہ دھونا ضروری ہے؟ اگر تین دفعہ دھونا ضروری ہو تو جب ایک کپڑے کو پانی میں ڈال دیا تو اسے نکالنے کے بعد دوسرے کپڑے کو اسی پانی میں دھو سکتے ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......کپڑے دھونے کی دو صورتیں ہیں، پہلی یہ کہ کپڑے کسی بڑے حوض یا بہتے ہوئے پانی میں دھوئے جائیں یا ان کے اوپر سے پانی بہایا جائے تو ایسی صورت میں اگر نجاست دکھائی دینے والی ہے تو نجاست کے زائل ہونے سے

Marfat.com

کپڑا پاک ہوجائے گا چاہے ایک مرتبہ دھونے سے ہو یا ایک سے زیادہ مرتبہ دھونے سے، اور اگر نجاست دکھائی دینے والی نہیں ہے تو تین دفعہ دھونے سے کپڑا پاک ہوجائے گا، ہاں اگر تین دفعہ سے پہلے پاکی کا ظن غالب ہوجائے تو بھی کپڑا پاک ہوجائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کپڑے بالٹی، ٹب یا واشنگ مشین وغیرہ میں دھوئے جائیں تو اس میں پاک کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ ایک دفعہ نکال کر انہیں نچوڑ لیا جائے اور جو پانی بالٹی یا مشین وغیرہ میں ہو وہ گرا دیا جائے اور مشین وغیرہ کو کھنگال لیا جائے، اسی طرح دوسری اور تیسری مرتبہ یہ عمل کیا جائے یا مشین وغیرہ سے نکال کر صاف پانی میں تین دفعہ ڈال کر نچوڑ لیے جائیں تو کپڑے پاک ہوجائیں گے۔
یاد رہے کہ جب پاک اور ناپاک کپڑوں کو ایک ساتھ پانی میں ڈال دیا تو اب کپڑوں کو پاک کرنے کیلئے سب کو تین دفعہ دھونا پڑے گا کیونکہ ایک ساتھ دھونے سے سب ہی ناپاک ہوگئے۔ دھوبی اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کرتا ہے تو کپڑے پاک ہوں گے ورنہ نہیں۔ نیز مذکورہ بالا تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا کہ اگر ناپاک کپڑے کسی بالٹی وغیرہ میں ڈالے جائیں گے تو وہ پانی بھی ناپاک ہوجائے گا لہٰذا دوسرے کپڑے اس میں نہیں ڈال سکتے البتہ اگر تین دفعہ دھونے کے بعد ڈالے جائیں تو کپڑے پاک ہونے کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوگا لہٰذا اس میں دوسرے کپڑے ڈال سکتے ہیں۔

لما فی الدر المختار (۱/۳۲۸): (وكذا يطهر محل نجاسة ... مرئية) بعد جفاف كدم (بقلعها) ای بزوال عينها واثرها ولو بمرة او بما فوق ثلاث فی الاصح۔

وفی الشامية (۱/۳۲۸): (ولو بمرة) يعنی ان زال عين النجاسة بمرة واحدة تطهر سواء كانت تلك الغسلة الواحدة فی ماء جار او راكد كثير او بالصب او فی اجانة اما الثلاثة الاول فظاهر واما الاجانة فقد نص عليها فی الدرر حيث قال غسل المرئية عن الثوب فی اجانة حتی زالت طهر۔

(۱۷۷) ٹوائلٹ پیپر کے استعمال کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل جو ٹوائلٹ پیپر استعمال ہوتے ہیں انہیں استعمال کرنا کیسا ہے؟ کیا یہ پانی کے قائم مقام ہوں گے کہ اگر کوئی یہ استعمال کرلے تو پانی استعمال کیے بغیر اس کی نماز درست ہوجائے گی؟ نیز عذر اور غیر عذر کی صورت میں کوئی فرق ہوگا یا دونوں صورتیں برابر ہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب...... صورت مسئولہ میں ٹوائلٹ پیپر کا استعمال جائز ہے، اگر نجاست اپنے مخرج سے تجاوز نہ کرے تو یہ پانی کے قائم مقام ہوں گے لہٰذا اگر پانی نہ بھی استعمال کیا جائے تو بھی نماز صحیح ہوجائے گی، البتہ اگر نجاست اپنے مخرج سے تجاوز کرگئی ہو تو پانی کا استعمال ضروری ہوگا صرف پیپر کا استعمال کافی نہ ہوگا۔ نیز عذر اور غیر عذر میں کوئی فرق نہیں ہوگا، بلکہ دونوں صورتیں برابر ہیں۔

لما فی الهندية (۱/۴۸): يجوز الاستنجاء بنحو حجر منق كالمدر والتراب والعود والخرقة والجلد

Marfat.com

وما أشبهها...ثم الاستنجاء بالاحجار انما يجوز اذا اقتصرت النجاسة على موضع الحدث فاما اذا تعدت موضعها بان جاوزت الشرج اجمعوا على ان ما جاوز موضع الشرج من النجاسة اذا كانت اكثر من قدر الدرهم يفترض غسلها بالماء۔

وفی الدر المختار (۱/۳۳۸۔۳۴۰): (ويجب) ای يفرض غسله (ان جاوز المخرج نجس) مائع ويعتبر القدر المانع لصلاة (فيما وراء موضع الاستنجاء...وكره) تحريما (بعظم وطعام وروث ...و) شئی محترم...

(۱۷۸) مردہ جانور کی کھال کے استعمال کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی مردہ جانور کی کھال اتار کر فروخت کرنا کیسا ہے کیونکہ گوشت وغیرہ تو استعمال نہیں کر سکتے ،لیکن میں نے سنا ہے کہ کھال استعمال کر سکتے ہیں کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......مردہ جانور کی کھال کو دباغت (دھوپ ،مٹی یا نمک وغیرہ سے بدبو اور خون وغیرہ دور کرنا) کے بعد فروخت کر سکتے ہیں اور استعمال بھی کر سکتے ہیں البتہ دباغت سے پہلے فروخت نہیں کر سکتے۔

لما فی الهندية (۳/۱۱۵): واما جلود السباع والحمر والبغال فما كانت مذبوحة او مدبوغة جاز بيعها ومالا فلا وهذا بناء على ان الجلود كلها تطهر بالذكاة او بالدباغ الا جلد الانسان والخنزير واذا طهرت بالذكاة جاز الانتفاع بها فتكون محلا للبيع۔

وفی الدر المختار (۱/۲۰۳): (وكل اهاب)... (دبغ) ولو بشمس ...(طهر)۔

وفيه ايضاً (۵/۷۳): (وجلد الميتة قبل الدبغ) لو بالعرض ولو بالثمن فباطل ...(وبعده) ای الدبغ (يباع) الا جلد الانسان وخنزير وحية (وينتفع به) لطهارته حينئذ۔

(۱۷۹) اُکھڑے ہوئے بالوں کی طہارت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اور بکر کا اس بات میں اختلاف ہوا کہ داڑھی کے وہ بال پاک ہیں یا نہیں جو داڑھی سے الگ ہو جائیں؟ زید کا کہنا ہے کہ بال کا وہ سرا جو گال سے ملا ہوتا ہے وہ ناپاک ہے اس لئے کہ انسان کا جسم اور گوشت ناپاک ہے۔لہٰذا بال کا وہ حصہ جو گال سے ملا ہوتا ہے ناپاک ہے۔جبکہ بکر کا کہنا اس کے خلاف ہے کہ بال پاک ہیں اگر یہ مسجد میں گر جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔درست مدلل جواب عنایت فرما کر دونوں کے اختلاف کو ختم فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع کے موقع پر حلق فرما کر اپنے بال مبارک صحابہ کرام

Marfat.com

رضی اللہ عنہم اجمعین میں تقسیم فرمانا بالوں کے پاک ہونے کی صریح دلیل ہے۔ اسی طرح فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق ہر وہ عضوِ حیوانی جس میں خون نہ ہو پاک ہے، بالوں میں بھی خون نہیں ہوتا اس لئے یہ بھی پاک ہیں البتہ وہ بال جن کو اکھیڑا جائے اور ان کے سروں پر جسم کی رطوبت پائی جائے تو ان بالوں کے سرے رطوبت کی وجہ سے ناپاک ہوں گے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں داڑھی کے وہ بال جن کو اکھیڑا گیا ہو، اور ان کے ساتھ جسم کی رطوبت بھی موجود ہو تو ان کے رطوبت والے سرے ناپاک ہوں گے اور ان کو مسجد میں گرنے سے بچایا جائے اگر گر جائیں تو ان کو اٹھا کر کسی محترم جگہ ڈال دیا جائے تا کہ انسان کے بالوں کی بے احترامی لازم نہ آئے۔

لمافی ابی داؤد(۱/۲۷۲): عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ قال ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رمی جمرة العقبة يوم النحر ثم رجع الى منزله بمنى فدعا بذبح فذبح ثم دعا بالحلاق فأخذ بشق رأسه الايمن فحلقه فجعل يقسم بين من يليه الشعرة والشعرتين ثم أخذ بشق رأسه الأيسر فحلقه ثم قال ههنا ابو طلحة فدفعه إلى أبي طلحة۔

وفي الهداية(۱/۴۰): وشعر الإنسان وعظمه طاهر وقال الشافعي نجس لأنه لا ينتفع به ولا يجوز بيعه ولنا أن عدم الانتفاع والبيع لكرامته فلا يدل على نجاسته۔

وفي قاضي خان(۱/۳۲): وان كان في المسجد عش خطاف لا بأس بأن يرمي بها تنزيهاً للمسجد۔

وفي الشامية(۱/۲۰۷): (قوله وشعر الانسان) المراد به ما أبين منه حياً والا فطهارة ما على الانسان مستغنية عن البيان... والأولى اسقاط حياً وعن محمد في نجاسة شعر الآدمي وظفره وعظمه روايتان والصحيح الطهارة سراج (قوله غير المنتوف) أما المنتوف فنجس بحر والمراد رؤوسه التي فيها الدسومة۔ اقول وعليه فما يبقى بين اسنان المشط ينجس الماء القليل اذا بل فيه وقت التسريح لكن يؤخذ من المسألة الاتية كما قال ط ان ماخرج من الجلدمع الشعر ان لم يبلغ مقدار الظفر لايفسد الماء تأمل۔

(۱۸۰) بالوں کے ساتھ نکلنے والی دسومت کے ناپاک ہونے کی علت اور مقدار ظفر کی تعیین

سوال ...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فقہاء کل ما ليس بحدث ليس بنجس کا قاعدہ ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس قاعدہ کی رُو سے وہ خون جو بدن سے نکلا تو ہو لیکن اس میں سیلان نہ ہو، وہ پاک ہے۔ لہٰذا اس قاعدہ کے تحت بدن سے بال اکھیڑنے کی صورت میں جو دسومت بال کیساتھ نکلتی ہے اس کو بھی پاک ہونا چاہیے حالانکہ فقہاء کرام نے اس کو ناپاک قرار دیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے پانی کو ناپاک قرار دینے کیلئے مقدار ظفر بیان فرماتے ہیں۔ مہربانی فرما کر دسومت کے ناپاک

Marfat.com

ہونے کی علت اور مقدار ظفر کی تعیین کی وجہ عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... بالوں کے ساتھ لگی ہوئی دسومت بھی اس قاعدہ ''کل ما لیس بحدث لیس بنجس'' کے تحت داخل ہے کیونکہ اس قاعدہ کی رُو سے جس طرح خون کے نجس ہونے کیلئے سیلان ضروری ہے اسی طرح دسومت کے نجس ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ حد سیلان کو پہنچ جائے۔ اور اس دسومت سے پانی نجس ہونے کیلئے فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے مقدار ظفر بیان فرمائی ہے کیونکہ جب یہ مقدار ظفر کے برابر ہوگی تو اس میں کثیر ہونے کی وجہ سے سیلان بھی متحقق ہوجائے گا اور جب یہ سیلان کی صورت میں پانی میں گرے گی تو پانی نجس کردے گی۔ نیز فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس مسئلہ میں مقدار ظفر کو کثیر کا معیار قرار دیا ہے یہ معیار صرف اس مسئلہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اگر کھال اور گوشت بھی مقدار ظفر کے برابر پانی میں گر جائیں تو بھی پانی ناپاک ہوجائے گا۔

لمافي الشامية(١/٢٠٧): (قوله وشعر الانسان) المراد به ما أبين منه حياً والا فطهارة ماعلى الانسان مستغنية عن البيان... والأولى اسقاط حياًوعن محمد فى نجاسة شعر الآدمى وظفره وعظمه روايتان والصحيح الطهارة سراج (قوله غير المنتوف) أما المنتوف فنجس بحر والمراد رؤوسه التى فيها الدسومة ... قال ط ان ما خرج من الجلد مع الشعر إن لم يبلغ مقدار الظفر لايفسد الماء۔

وفى تقريرات الرافعى(١/٢٦): (قوله وظاهره أنه لو كان فيه دسومة الخ) وقال السندى نقلا عن الرحمتى ولم يحترز عن رطوبة فى الظفر لأنها اذا لم تبلغ حد السيلان فليس بنجس على الأصح، ويظهر أن ما افسد الماء من الشعر المنتوف ونحوه لابد أن يكون ما فيه من النجاسة يبلغ حد السيلان ولذا قالوا إن الذى مع الشعر المنتوف إن لم يبلغ قدر الظفر لا يفسد الماء تأمل۔

وفى الطحطاوى على الدر(١/١١٤): (قوله بوقوع قدر الظفر من جلده) أى قشره ويعدّ كثيراً لأن الجلد والقشر من جملة لحم الآدمى ويفهم منه أن الذى خرج من الجلد مع الشعر المنتوف منه إن لم يبلغ مقدار الظفر لايفسد الماء۔

(١٨١) برساتی پانی کی چھینٹوں کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بارش کی وجہ سے سڑکوں پر جو کیچڑ ہوتی ہے اگر وہ کپڑوں کو لگ جائے اور اسی کے ساتھ نماز ادا کر لی جائے تو اس نماز کا کیا حکم ہوگا؟ کیچڑ کے مرئی اور غیر مرئی ہونے میں فرق ہے یا دونوں مساوی حکم رکھتی ہیں؟ لہٰذا جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب...... بارش وغیرہ کے پانی کی وجہ سے سڑکوں پر جو کیچڑ پیدا ہو جاتی ہے اگر نجاست کا اثر اس میں محسوس نہ ہو تو ضرورت اور عموم بلوی کی وجہ سے پاک ہے، لہٰذا ایسے کپڑوں کے ساتھ پڑھی گئی نماز درست ہے، البتہ احتیاطاً ایسے کپڑوں کو دھوکر نماز پڑھنا چاہیئے۔

لمافی الطحطاوی علی الدر(۱/۱۶۱): وطین شارع... لو اصاب الثوب ما سال من الکنیف فالاحب ان یغسله ولا یجب مالم یکن اکبر رایه انه نجس (الی ان قال) والطین المسرقن والردغة فی الطریق فیها نجاسة طاهرة الا اذا رای عین النجاسة۔ بحر۔

(۱۸۲) خروج ریح سے کپڑے ناپاک نہ ہونے کی وجہ

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ احناف کے ہاں جو چیز ناقض وضو ہو وہ نجس بھی ہوتی ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ خروج ریح سے وضو تو ٹوٹ جاتا ہے لیکن شلوار وغیرہ کے پاک کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا، اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ وضاحت سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ سے پہلے یہ سمجھئے کہ یہ ضابطہ کہ جو چیز ناقض وضو ہے وہ نجس بھی ہے سبیلین کے علاوہ میں ہے اور سبیلین میں عموم ہے چاہے خارج نجس ہو یا پاک ہر صورت میں خروج ناقض وضو ہے، لہٰذا ریح کے خارج ہونے میں اصل علت خروج نجس نہیں ہے بلکہ ریح فی نفسہ پاک ہے، لیکن خروج چونکہ سبیلین سے پایا جارہا ہے اس لئے ناقض وضو ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر سبیلین سے کنکری کا خروج ہو تو یہ ناقض وضو ہے حالانکہ یہ نجس نہیں ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس کا مرور نجاست سے ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس نجاست کے کچھ نہ کچھ اثرات پائے جاتے ہیں لیکن ان اثرات کا اعتبار اگر کپڑے کی طہارت وعدم طہارت کے اعتبار سے کیا جائے تو اس میں حرج بھی ہے لہٰذا ان اثرات کا اعتبار نقض وضو اور عدم نقض وضو میں تو کیا جاتا ہے لیکن کپڑوں کی طہارت وعدم طہارت میں نہیں کیا جاتا۔ اسی وجہ سے خروج ریح اگرچہ ناقض وضو ہے لیکن اس کی وجہ سے کپڑوں کی پاکی کا حکم نہیں دیا جاتا۔

لمافی التاتارخانیة(۱/۱۱۴): وکذلك الريح الخارجة من الدبر واختلف المشايخ رحمهم الله أن عين الريح نجسة أوهی طاهرة الا انها تتنجس بمرورها علی النجاسة قالوا: وفائدة هذا الخلاف فيما اذا خرج منه الريح وعليه سراويل مبتلة هل يتنجس سراويله؟ فمن قال عينها نجسة يقول يتنجس و من قال عينها ليست بنجسة يقول لايتنجس۔

وفی الدر المختار(۱/۱۴۰): (و) كل (ماليس بحدث) أصلا بقرينة زيادة الباء كقئ قليل ودم لو ترك لم يسل (ليس بنجس)۔۔۔۔ وقال الشامی رحمه الله تعالیٰ تحته: (قوله ليس بنجس) أی لا يعرض له وصف النجاسة بسبب خروجه بخلاف القليل من قئ عين الخمر أو البول فإنه وان لم يكن

Marfat.com

حدثاً لقلته لكنه نجس بالإصالة لا بالخروج هذا ما ظهر لى تأمل۔

وفى الشامية (١/١٣٥): (مثل ريح) فانها تنقض لانها منبعثة عن محل النجاسة لا لأن عينها نجسة لأن الصحيح أن عينها طاهرة حتى لو لبس سراويل مبتلة أو ابتل من اليتيه الموضع الذى تمر به الريح فخرج الريح لايتنجس وهو قول العامة وما نقل عن الحلوانى من أنه كان لا يصلى بسراويله فورع منه بحر۔

Marfat.com

فصل فی احکام المیاہ

(پانی اور کنویں وغیرہ سے متعلق احکام کا بیان)

(۱۸۳) مروجہ ٹینکیوں کا پانی ماء جاری شمار ہوگا؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے جامعہ کے پانی کی ٹینکی جبکہ اس میں پانی ایک طرف سے آرہا ہوتا ہے اور دوسری طرف سے نکل رہا ہوتا ہے۔ نجاست گرنے کی صورت میں اس کا حکم ماء جاری کا ہوگا یا نہیں؟ جبکہ فتاویٰ عثمانی میں ٹینکی کو ماء جاری میں شمار کیا گیا ہے۔ کیا وہ اس طرح کی ٹینکی ہوگی جو ہمارے جامعہ کی ہے یا کسی اور نوعیت کی ٹینکی مراد ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... پانی کی ٹینکی ایسی ہو کہ ایک طرف سے پانی کی آمد اور دوسری طرف سے نکاسی کا سلسلہ ہو تو یہ ماء جاری کے حکم میں ہے نجاست گرنے کی صورت میں رنگ، بو اور مزہ میں تغیر نہ آئے تو ہر طرح اس کا استعمال درست ہے۔ اگر ٹینکی ایسی نہ ہو بلکہ ایک طرف سے بند ہو، صرف پانی کی آمد یا صرف نکاسی کا سلسلہ ہو تو اس صورت میں اگر وہ ''دہ در دہ'' ہے یا عرض میں تو ''دہ در دہ'' نہیں ہے لیکن طول (لمبائی) اتنی ہے کہ اگر اس کے پانی کو پھیلایا جائے تو وہ دہ در دہ ہو سکتا ہے تو یہ ماء کثیر ہے، نجاست گرنے کی صورت میں اس کا اثر ظاہر نہ ہو تو پاک ہے، اگر نجاست کا اثر ظاہر ہو جائے تو ناپاک۔ **وله طول لا عرض لكنه يبلغ عشرا في عشر، جاز تيسيرا (الدر المختار، ۱/۱۹۳)**

اگر ٹینکی مقدار میں چھوٹی ہو اور پانی کی آمد و رفت کا تسلسل بھی نہ ہو اور لمبائی بھی اتنی نہیں ہے کہ اگر اس کے پانی کو پھیلایا جائے تو دہ در دہ ہو سکے تو تھوڑی سی نجاست گرنے سے بھی ناپاک ہو جائے گی۔

نظیر ان ساری صورتوں کی حوض صغیر اور حوض الحمام ہے، حوض صغیر کے بارے میں فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ حوض صغیر میں پانی ایک طرف سے آرہا ہو اور دوسری طرف سے نکل رہا ہو تو اس میں ہر طرف سے وضو جائز ہے۔ **اذا كان الحوض صغير أيدخل فيه الماء من جانب ويخرج من جانب آخر يجوز الوضوء في جميع جوانبه وعليه الفتوى. من غير تفصيل بين ان يكون اربعا في اربع او اقل يجوز او اكثر فلا يجوز۔ (شرح الوقاية اولين ص ۷۸)**

حوض کا پانی ساکن ہو پائپ وغیرہ کے ذریعے داخل نہ ہو رہا ہے نہ کوئی آدمی چلو بھر رہا ہے اس میں کوئی شخص اپنا ہاتھ ڈالے جبکہ ہاتھوں

Marfat.com

میں نجاست لگی ہو، تو وہ پانی ناپاک ہوجائے گا۔

فان ادخل رجل یدہ فی الحوض وعلیھا نجاسة وان کان الماء ساکنا لایدخل فیہ شیئ من انبوبہ ولا یغترف منہ انسان بالقصعة یتنجس۔(ھندیة ۱/ ۱۸)

اگر لوگ چلو بھر بھر کر لے رہے ہوں لیکن پائپ وغیرہ کے ذریعے پانی داخل نہیں ہورہا ہو یا اس کا عکس ہو کہ پائپ وغیرہ کے ذریعے پانی داخل ہو رہا ہے لیکن لوگ چلو بھر بھر کر نہیں لے رہے ہیں تو اس صورت میں اکثر فقہاء کے نزدیک نجس ہاتھ ڈالنے سے ناپاک ہوجائے گا۔

وان کان الناس یغترفون من الحوض بقصاعھم ولایدخل من الانبوب ماء اوعلی العکس فاکثرھم علی انہ یتنجس۔(ھندیة ۱/ ۱۸)

اگر لوگ چلو بھر بھر کر لے رہے ہوں اور پائپ وغیرہ کے ذریعے پانی بھی داخل ہو رہا ہے تو اس صورت میں اکثر فقہاء کے نزدیک نجس ہاتھ ڈالنے سے پانی ناپاک نہ ہوگا۔

وان کان الناس یغترفون من الحوض بقصاعھم ویدخل الماء من الانبوب فاکثرھم علی انہ لایتنجس ھکذا فی فتاوی قاضی خان وعلیہ الفتوی۔(ھندیہ ۱/ ۱۸)

حمام کے حوض کے بارے میں بعض متاخرین احناف فرماتے ہیں کہ ماء حمام امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر حال میں ماء جاری کی طرح ہے چاہے لوگ چلو بھر بھر کر لے رہے ہوں یا نہ لے رہے ہوں جبکہ پائپ وغیرہ کے ذریعے پانی داخل ہو رہا ہو۔

(ومنھم) ای من المتاخرین (من قال ھو) ای ماء الحمام (عندہ) أی عند ابی یوسف (بمنزلة الماء الجاری علی کل حال تدارک) الاغتراف مع دخول الماء من الانبوب (او لا لاجل الضرورة)۔(کبیری ص ۱۰۰)

مذکورہ عبارات کی رو سے اگر آپ کے جامعہ کی ٹینکی ایسی ہو جیسا کہ سوال میں مذکور ہے یعنی ایک طرف سے پانی کی آمد اور دوسری طرف نکاسی کا تسلسل ہو تو ماء جاری کے حکم میں ہے، اگر نکاسی کا سلسلہ نہیں ہے تو دیکھیں گے کہ وہ دہ در دہ یا اس کے حکم میں ہے یا نہیں، اگر ہے تو بھی ماء کثیر شمار ہوگا نجاست گرنے کی صورت میں ناپاک نہ ہوگا بشرطیکہ نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو، اگر دہ در دہ نہیں تو نجاست گرنے سے ناپاک ہوجائے گا کیونکہ وہ ماء قلیل ہوگا۔

لمافی الھندیة (۱/۱۷): اذا کان الحوض صغیراً یدخل فیہ الماء من جانب ویخرج من جانب یجوز فیہ الوضوء من جمیع جوانبہ وعلیہ الفتوی من غیر تفصیل۔

وفی الدر المختار (۱/۱۸۷): (و) یجوز (بجار وقعت فیہ نجاسة و) الجاری (ھو مایعد جاریاً) عرفا وقیل مایذھب بتبنة والاول اظھر والثانی اشھر،

وفی الشامیة تحتہ : العرف الان انہ متی کان الماء داخلاً من جانب وخارجاً من جانب آخر

Marfat.com

یسمی جاریا وان قل الداخل۔

وفیه ایضاً (۱/۱۹۰): والحقوا بالجاری حوض الحمام لوالماء نازلاً والغرف متدارك كحوض صغیر یدخله الماء من جانب ویخرج من آخر یجوز التوضی من کل الجوانب مطلقاً به یفتی۔

وفی الشامیة تحت : (قوله والحقوا بالجاری حوض الحمام) ای فی انه لاینجس الابظهور اثر النجاسة. أقول: وکذا حوض غیر الحمام لانه فی الظهیریة ذکر هذا الحکم فی حوض اقل من عشر فی عشر ثم قال وکذالك حوض الحمام۔۔۔۔۔۔(قوله ویخرج من آخر) أی بنفسه او بغیره لما فی التاتارخانیة لوکان یدخله الماء ولایخرج منه لکن فیه انسان یغتسل ویخرج الماء باغتساله من الجانب الاخر متدارکاً لاینجس۔

وفی الدر المختار (۱/۱۹۵): ثم المختار طهارة المتنجس بمجرد جریانه وکذا البئر وحوض الحمام وفی الشامیة تحته : (قوله بمجرد جریانه)ای بأن یدخل من جانب ویخرج من آخر حال دخوله وان قل الخارج، بحر۔ قال ابن الشحنة لانه صار جاریاً حقیقةً وبخروج بعضه رفع الشك فی بقاء النجاسة فلا تبقی مع الشك۔

وفی الشامیة(۱/۱۹۳): لم یذکر مقدار العمق إشارة إلی أنه لاتقدیر فیه فی ظاهر الروایة وهو الصحیح بدائع وصحح فی الهدایة أن یکون بحال لا ینحسر بالاغتراف أی لا ینکشف وعلیه الفتوی۔

(۱۸۴)مخصوص وقت میں ٹینک میں پانی ایک جانب سے آ کر دوسری طرف جاتا ہوتواس کے ماء جاری ہونے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ٹینک جس میں نل وغیرہ کے ذریعے سے پانی آتا ہے۔اور پھر آگے سپلائی بھی ہوتا ہے لیکن ہر وقت ایسا نہیں ہوتا کہ پانی ایک طرف سے آرہا ہو،اور دوسری طرف سے جارہا ہو، بلکہ مخصوص وقت میں پانی آتا ہے۔اور مخصوص وقت کیلئے ہی پانی کی آگے سپلائی بھی کی جاتی ہے۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ پانی ماء جاری کے حکم میں ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر دہ دردہ ٹینک میں نجاست وغیرہ گرجائے اوراوصاف ثلثہ میں سے کوئی ایک متغیر ہوجائے تواس ٹینک کی صفائی کا کیا طریقہ ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....جس وقت ٹینک میں پانی داخل ہورہا ہے اگراسی وقت آگے سپلائی بھی ہورہا ہے پھر تو یہ ماء

Marfat.com

جاری کے حکم میں ہے لیکن اگر پانی ایک خاص وقت میں ٹینک میں داخل ہوتا ہے پھر بعد میں کسی وقت پانی آگے سپلائی ہوتا ہے جیسا کہ اوپر سوال میں مذکور ہے پھر یہ ماء جاری کے حکم میں نہیں ہے۔ دہ دردہ ٹینک میں نجاست گرنے سے پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی وصف متغیر ہوجائے تو پانی نجس ہوجاتا ہے۔ اوراس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اُس ٹینک کے تمام پانی کونکال دیا جائے لہٰذا تمام پانی نکالنے کے بعد ٹینک پاک ہوجائے گا۔

لما فی الشامية(۱۸۹/۱): واذا وصل إلى الحياض فی البيوت متغيرا ونزل فی حوض صغير أو كبير فهو نجس وإن زال تغيره بنفسه لان الماء النجس لا يطهر بتغيره بنفسه إلا اذا جرى بعد ذالك بماء صاف فانه حينئذ يطهر۔

وفی الدرالمختار (۱۹۵/۱): ثم المختار طهارة المتنجس بمجرد جريانه وكذا البئر وحوض الحمام۔

وفی الشامية تحته: (قوله بمجرد جريانه) ای بأن يدخل من جانب ويخرج من آخر حال دخوله وان قل الخارج بحر قال ابن الشحنة: لانه صار جاريا حقيقةً، وبخروج بعضه رفع الشك فی بقاء النجاسة فلاتبقى مع الشك اهـ وقيل لايطهر حتى يخرج قدر مافيه، وقيل ثلاثة أمثاله بحر. فلو خرج بلا دخول كأن ثقب منه ثقب فليس بجارٍ۔

وفی الشامية (۲۱۶/۱): (قوله بخلاف نحو صهريج وحب الخ) الصهريج الحوض الكبير يجتمع فيه الماء قاموس... واراد بذالك الرد على من أفتى بنزح عشرين فی فأرة وقعت فی صهريج... إن الفأرة لووقعت فی الحب يهراق الماء كله، قال: ووجهه أن الاكتفاء بنزح البعض فی الآبار على خلاف القياس بالآثار فلا يلحق بها غيرها۔

(۱۸۵) چھوٹی ٹینکی میں چڑیا کے گرنے سے پانی نجس ہوجاتا ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گھر میں ایک ٹینکی ہے جس کی لمبائی چھ فٹ، چوڑائی وگہرائی چارفٹ ہے، اس کے اندر ایک چڑیا گرکر مرگئی ہے معلوم نہیں کہ کب سے گری ہے تو اب اس پانی کا کیا حکم ہے اور ہماری نمازوں کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہوگا نیز اس ٹینکی کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ ٹینکی کا پانی نجس ہوگیا ہے چڑیا کے مرنے کی وجہ سے اور اگر یہ چڑیا پھول گئی یا پھٹ گئی ہے تو تین دن اور تین راتوں کی نمازوں کو لوٹانا بھی ضروری ہوگا اور اگر چڑیا پھولی یا پھٹی نہیں ہے تو صرف ایک دن اور ایک رات کی نمازیں لوٹانا ضروری ہوں گی۔ ٹینکی کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ اس کو تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ اس کے پانی کو

Marfat.com

نکالا جائے گا۔

لما فی نور الایضاح(ص۲۸۔۳۰): الرابع۔ ماء نجس وهو الذی حلت فیه نجاسة وکان راکداً قلیلا والقلیل مادون عشر فی عشر۔ فینجس ووجود حیوان میت فیها ینجسها من یوم ولیلة ومنتفخ من ثلاثة ایام ولیالیها ان لم یعلم وقت وقوعه۔

وفی البحر الرائق(۱/۲۱۴): وفی الکافی، والمستصفی، والبدائع ان الفارة اذا وقعت فی الحب بالحاء المهملة، یهراق الماء کله ولم یعلل له، ووجهه ان الاکتفاء بنزح البعض مخصوص بالآبار ثبت بالآثار علی خلاف القیاس فلا یلحق به غیره فعلی هذا اذا وقعت الفارة فی الصهریج او فی الفسقیة ولم یکونا عشراً فی عشر فان الماء کله یهراق کما لایخفی۔

وفی الشامیة(۱/۲۱۶): (قوله بخلاف نحو الصهریج وحب الخ) الصهریج الحوض الکبیر یجتمع فیه الماء قاموس... وارادبذالك الردّ علی من افتی بنزح عشرین فی فأرة وقعت فی صهریج ... ان الفارة لووقعت فی الحب یهراق الماء کله قال ووجهه ان الاکتفاء بنزح البعض فی الابار علی خلاف القیاس بالاثار فلا یلحق بها غیرها۔ انتهی قوله۔

(قوله یهراق الماء کله) اقول وهل یطهر بمجرد ذالك ام لابد من غسله بعده ثلاثا والظاهر الثانی ثم رایتة فی التاتارخانیة قال مانصه وفی فتاوی الحجة سئل عبدالله بن المبارك عن الحب المرکب فی الارض تنجس قال یغسل ثلاثا ویخرج الماء منه کل مرة فیطهر۔

(۱۸۶) کیا ٹینک میں جوتا گرنے سے پانی نجس ہو جاتا ہے؟

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گھر میں ایک زمین دوز ٹینک ہے جس کی لمبائی چھ فٹ، چوڑائی چار فٹ اور گہرائی آٹھ فٹ ہے ایک دن بچے کھیل رہے تھے تو ایک نے دوسرے کو جوتا مارا اور وہ جوتا ٹینکی میں گر گیا اب اس پانی کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں جوتا اگر پاک ہے تو پانی نجس نہیں ہوگا اور اگر جوتا ناپاک ہے تو اس صورت میں پانی ناپاک ہوجائے گا اور اگر جوتے کا پتہ نہیں پاک ہے یا ناپاک تو باقاعدہ الأصل فی الأشیاء الاباحة کے تحت اس کو پاک سمجھا جائے گا اور پانی پاک ہوگا۔

لمافی بدائع الصنائع(۱/۴۰۴۔۴۰۵): وقال عامة العلماء: ان کان الماء قلیلا ینجس وان کان کثیراً لا ینجس لکنهم اختلفوا فی الحد الفاصل بین القلیل والکثیر... وقال اصحابنا ان

Marfat.com

كان بحال يخلص بعضه الى بعض فهو قليل وان كان لا يخلص فهو كثير... فاتفقت الروايات عن اصحابنا انه يعتبر الخلوص بالتحريك وهو انه ان كان بحال لو حرك طرف منه يتحرك الطرف الاخر فهو مما يخلص وان كان لا يتحرك فهو مما لا يخلص ... وروى عن محمد رحمه الله انه قدره بمسجده فكان مسجده ثمانياً فى ثمان وبه اخذ محمد بن سلمة وقيل كان مسجده عشراً فى عشر: وقيل مسح مسجده فوجد داخله ثمانياً فى ثمان وخارجه عشرا فى عشر۔

وفى الدر المختار (۱/۱۹۲): وانت خبير بأن اعتبار العشر اضبط ولا سيما فى حق من لا رأى له من العوام فلذا افتى به المتاخرون الأعلام۔

وفى الدر المختار مع الشامية (۱/۱۰۵): (قاعده) الأصل فى الأشياء الإباحة۔

(۱۸۷) کنویں میں اگر گمراہ عقائد رکھنے والا شخص اتر جائے تو پانی کا کیا حکم ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کنویں کے کنارے بچے کھیل رہے تھے ایک بچے نے قیمتی گھڑی پہنی ہوئی تھی اس نے اتار کر رکھ دی تا کہ کھیل میں خراب نہ ہو جائے دوسرے بچے نے اٹھا کر گھڑی کنویں میں ڈال دی، گھڑی نکالنے کیلئے کوئی شخص کنویں میں نہیں اتر رہا تھا اتنے میں ایک شخص آ گیا جو اہل تشیع میں سے تھا اس نے کنویں میں جا کر گھڑی نکال لی اب بعض لوگ کہہ رہے ہیں چونکہ شیعہ بدترین کافر ہیں ان کا پانی میں جانا خنزیر کے جانے کے برابر ہے یہ سارا پانی نجس ہے جب تک نکالا نہ جائے کنواں پاک نہیں ہوگا۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ واقعی شیعہ عقائد والے شخص کے پانی میں داخل ہونے سے پانی ناپاک ہو جائے گا؟ اب اس کنویں کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نجاست کی دو قسمیں ہیں: ۱۔نجاست حقیقیہ (جیسے پیشاب پائخانہ خون وغیرہ)، ۲۔نجاست حکمیہ (جیسے بے وضو ہونا یا حالت جنابت میں ہونا)۔ نجاست حقیقیہ کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے، نجاست حکمیہ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں کنویں میں اترنے والے شخص کے بدن یا کپڑوں پر اگر نجاست لگی ہوئی تھی تو کنویں کا پانی نجس ہو گیا ہے، اگر اس کے بدن یا کپڑوں میں نجاست لگی ہوئی نہ تھی تو کنویں کا پانی پاک ہے البتہ احتیاطاً بیس ڈول پانی نکال دیا جائے۔

لما فى البحر الرائق (۱/۱۷۷): ثم رأيت بعد هذا العلامة ابن امير حاج فى شرح منية المصلى صرح بما ذكرته وقال: الماء المستعمل هو الماء الذى لاقى الرجل الذى زال حدثه فيجب نزح جميع الماء على رواية نجاسة الماء المستعمل ولا يجب نزح شئى منها على رواية طهارته بل هو باق على

Marfat.com

طهوريته، وقد عرفت ان رواية الطهارة هى المختارة اهـ فعلى هذا قولهم صار الماء مستعملا معناه صار الماء الملاقى للبدن مستعملا لا أن جميع ماء البئر صار مستعملاً۔

وفى الشامية(١/٢١٣): (قوله كآدمى محدث) اى انه ينزح فيه أربعون كما عزاه فى التتارخانية إلى فتاوى الحجة ... وفى شرح الوهبانية: والتحقيق النزح للجميع عند الامام والثانى على القول بنجاسة الماء المستعمل، وقيل أربعون عنده، ومذهب محمد أنه يسلبه الطهورية، وهو الصحيح عند الشيخين فينزح منه عشرون ليصير طهوراً وتمامه فيه، والمراد بالمحدث مايشمل الجنب۔

وفيه ايضاً(١/٢١٤): واستشكل فى البدائع نزح العشرين بأن الماء المستعمل طاهر فلم يضر مالم يغلب على المطلق كسائر المائعات، ثم قال: ويحتمل ان يقال طهارته غير مقطوع بها للخلاف فيها، بخلاف سائر المائعات، فينزح أدنى ماورد به الشرع وذالك عشرون احتياطاً۔

(۱۸۸) کبوتر وغیرہ کے کنویں میں گرنے کے بعد نہ ملنے پر کنویں کی پاکی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا ایک کنواں ہے جس سے ہم پانی لیتے رہتے ہیں اس کنویں میں دو کبوتر گر گئے باوجود تلاش کرنے کے وہ نہیں ملے تو اس کنویں سے پانی پینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس کنویں کو کس طرح پاک کریں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......کنویں میں اگر حیوان گر کر پھول جائے یا پھٹ جائے خواہ حیوان چھوٹا ہو یا بڑا، اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ گری پڑی نجس چیز کو پہلے نکال لیا جائے پھر اس کے بعد کنویں میں موجود سارا پانی نکال لیا جائے اور اگر کنواں چشمے دار ہو تو دوسو ڈول وجوباً نکالنے ہوں گے اور استحباباً تین سو تک نکال لیے جائیں اب مذکورہ بالا صورت میں یہ بات تو ظاہر ہے کہ کبوتر پھول و پھٹ گئے ہوں گے لیکن چونکہ تلاش کرنے کے بعد نہیں ملے جبکہ پاکی کیلئے نجس چیز کا پہلے، نکالنا ضروری ہے اس لئے فی الحال اس کنویں کو چھوڑ دیا جائے حتیٰ کہ اس بات کا یقین ہو جائے کہ وہ پانی میں حلول کر کے کیچڑ بن گئے ہوں گے بعض فقہاء کرام نے اس مدت کا اندازہ چھ ماہ سے لگایا ہے لہٰذا اتنی مدت گزر جانے کے بعد اس کنویں کا سارا پانی اور اگر کنواں چشمے دار ہو تو تین سو ڈول نکال لئے جائیں تو وہ کنواں پاک ہو جائے گا اس سے قبل اس کنویں سے پانی پینا جائز نہیں ہے۔

لمافى الشامية (١/٢١٢): أنه لابد من إخراج عين النجاسة كلحم ميتة وخنزير اهـ ح قلت فلو تعذر ايضاً ففى القهستانى عن الجواهر۔ لووقع عصفور فيها فعجزوا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك البئر مدة يعلم انه استحال وصار حمأة وقيل مدة ستة اشهر۔

Marfat.com

وفی الفقه الاسلامی(۱/۲۹۱): وینزح مابین اربعین دلواً الی ستین دلواً اذا کان الحیوان ذا حجم متوسط مثل الحمامة والدجاجة ...وفی الاثنین من هذه الحیوانات ینزح الماء کله۔

وفی الدر المختار(۱/۲۱۴-۲۱۵): (وان تعذر) نزح کلها لکونها معینا (فبقدر ما فیها) وقت ابتداء النزح قاله الحلبی (یؤخذ ذلك بقول رجلین عدلین لهما بصارة بالماء) به یفتی وقیل یفتی بمائة إلی ثلثمائة وهذا ایسر و ذاك احوط۔

(۱۸۹) جوتے کنویں میں گرنے سے کنویں کی ناپاکی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے جوتے کنویں میں گر گئے جن کے پاک یا ناپاک ہونے کے بارے میں معلوم نہیں، تو ایسی صورت میں یہ کنواں ناپاک ہوگیا یا نہیں؟ کیا اس سے وضو وغیرہ کیلئے پانی لے سکتے ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر جوتوں کے بارے میں ناپاک ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو تو کنواں ناپاک شمار ہوگا، اور اگر ان کے پاک ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو تو کنواں پاک شمار ہوگا، اور اگر دونوں جانب کسی بارے میں یقین یا ظن غالب نہ ہو تو یہ کنواں پاک شمار ہوگا اس کا پانی استعمال کرنا صحیح ہے۔

لما فی الهندیة (۱/۲۵): ویجوز للرجل ان یتوضأ من الحوض الذی یخاف ان یکون فیه قذر ولا یتقین به ولیس علیه ان یسأل عنه ولا یدع التوضؤ منه حتی یتقین ان فیه قذراً للاثر۔

وفی ردالمحتار (۱/۱۵۱): فی التاتارخانیة من شك فی انائه او ثوبه او بدنه اصابته نجاسة اولا فهو طاهر مالم یستیقن ،وکذا الآبار والحیاض والحباب الموضوعة فی الطرقات ویستقی منها الصغار والکبار والمسلمون والکفار۔

(۱۹۰) کنویں میں نجاست گرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گھر کے قریب ایک کنواں ہے جس سے گاؤں کے لوگ پانی لیتے ہیں ایک دن اس کنویں میں ایک بکری گر گئی اس کو تو ہم نے زندہ نکال لیا لیکن نکالتے وقت اس نے کنویں میں پیشاب کردیا اب لوگ اس سے پانی نہیں لیتے اور دوسری جگہ سے پانی لانے میں دشواری بہت ہے سارے لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ مفتی صاحب سے مسئلہ معلوم کرلیں جیسے وہ فرمائیں گے ویسے عمل کریں آپ بتائیں کہ یہ کنواں ناپاک ہوا ہے یا نہیں؟ اگر ناپاک ہے تو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہوگا جبکہ پانی نکالنا بہت ہی مشکل ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)۔بکری کا پیشاب نجس ہے، کنویں میں نجاست گرنے سے سارا پانی ناپاک ہوگا لہٰذا

Marfat.com

صورت مسئولہ میں کنواں ناپاک ہو چکا ہے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا سارا پانی نکالا جائے۔

(۲)۔اگر سارا پانی نہ نکل سکے تو پھر دو عادل آدمی جو پانی کے معاملے میں مہارت رکھتے ہوں، ان کو بلایا جائے، وہ جتنا اندازہ لگائیں اسی مقدار میں پانی نکالا جائے۔

(۳)۔البتہ اگر اس پر بھی عمل درآمد مشکل ہو مثلاً ماہرین ملتے نہیں یا ان کے قول پر عمل کرنے سے پانی نکلوانے پر زرِ کثیر لازم آئے گا تو ایسی صورت میں تین سو ڈول تک نکالنے سے کنواں پاک ہوگا۔لیکن احتیاط بہر حال دو ماہر عادل آدمیوں کے قول پر عمل کرنے کی صورت میں ہے۔

لمافی البحر الرائق(۱/۲۰۱): قوله (وبول مايوكل نجس) انما ذكرها هنا وان كان محلها باب الانجاس لبيان أنّه اذا وقع فی البئر نجس ماء ها، وهذا عند ابی حنيفة وابي يوسف، و قال محمدرحمه الله طاهر، فلا ينزح الماء من وقوعه الا اذا غلب على الماء فيخرج من أن يكون طهوراً۔

وفيه ايضاً (۱/۲۱۶): وقوله (ومائتان لولم يمكن نزحها)......... وعن أبي نصر أنه يوتی برجلين لهما بصارة بأمر الماء فاذا قدراه بشئ وجب نزح ذالك القدر وهو الاصح والاشبه بالفقه... والافتاء بما عن محمد اسهل على الناس والعمل بما عن أبي نصر أحوط۔

وفی الدرالمختار(۱/۲۱۱): اذا وقعت نجاسة... ولو مخففة او قطرة بول... ينزح كل مائها۔

وفی الشامية تحته:(قوله او قطرة بول) أی ولو بول مأكول اللحم۔

وفی الدرالمختار(۱/۲۱۴): (وان تعذر) نزح كلها لكونها معيناً (فيقدر ما فيها) وقت النزح قاله الحلبی (يؤخذ ذالك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء) به يفتی وقيل يفتی بمائة الیٰ ثلثمائة وهذا أيسر وذاك احوط:

وفی الشامية تحته: (قوله به يفتی) وهو الاصح، كافی ودرر وهو الصحيح، وعليه الفتوی۔ ابن كمال: وهو المختار: معراج۔ وهو الاشبه بالفقه: هداية:علىٰ انهم قالوا ان محمداً أفتی بما شاهد فی اٰبار بغداد فانها كثيرة الماء وكذا ماروی عن الامام من نزح مائة فی مثل آبار الكوفة لقلة مائها فيرجع الی القول الأول لأنه تقدير ممن له بصارة وخبرة بالماء فی تلك النواحی لالكون ذالك لازماً فی اٰبار كل جهة۔

Marfat.com

(۱۹۱) پاکی حاصل کرنے سے جھیل ناپاک نہیں ہوتی

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں ایک بڑی سی جھیل ہے جس میں ہم لوگ گرمیوں میں ظہر سے پہلے غسل کرتے ہیں اور پھر نماز پڑھتے ہیں، چند دن پہلے ایک صاحب ہمارے علاقے میں آئے اور ہمیں دیکھ کر کہنے لگے کہ آپ لوگوں کا اس طرح غسل کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ لوگ مٹی سے استنجاء کرتے ہیں جس کے بعد جھیل پر جا کر غسل کرتے ہیں جس سے سارا پانی ناپاک ہوجاتا ہے لہٰذا آپ لوگوں کی نماز بھی نہیں ہوتی، کیا یہ بات صحیح ہے اگر صحیح ہے تو ہمیں کافی عرصہ ہوگیا اسی طرح نمازیں پڑھتے ہوئے، ہماری پہلی نمازوں کا کیا بنے گا؟ کیا انہیں دوبارہ ادا کرنا چاہیے؟ جلد از جلد جواب دے کر ہماری اس پریشانی کو دور فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مٹی سے استنجاء کرنے کے بعد اگر دہ دردہ سے کم مقدار پانی میں غسل کیا جائے تو وہ پانی ناپاک ہوجاتا ہے لیکن اگر پانی کی مقدار دہ دردہ سے زیادہ ہو جیسا کہ آپ کے سوال سے ظاہر ہو رہا ہے تو ایسا پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ جھیل میں غسل کرنے کے بعد آپ لوگوں کی نماز کی ادائیگی صحیح ہے لہٰذا نمازوں کے دوبارہ لوٹانے کی بھی ضرورت نہیں۔

لمافی الهندية (۴۸/۱): ثم الاستنجاء بالاحجار انما يجوز اذا اقتصرت النجاسة على موضع الحدث فاما اذا تعدت موضعها بان جاوزت الشرج اجمعوا على ان ماجاوز موضع الشرج من النجاسة اذاكانت اكثر من قدرالدرهم يفترض غسلها۔

وفی ردالمحتار (۳۳۷/۱): السنة هو الاستنجاء بالاشياء الطاهرة من الاحجار والامداد والتراب والخرق البوالی... قال فی السراج ولم يرد به حقيقة الانقاء بل تقليل النجاسة اهـ ولذا يتنجس الماء القليل اذا دخله المستنجی۔

(۱۹۲) تالاب کا گندا پانی صاف کرنے کے بعد بھی ناپاک رہے گا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کے قریب ایک بڑا تالاب ہے جس میں پورے گاؤں کا گندا پانی جمع ہوتا ہے۔ اب حکومت نے اس پر مشینیں لگائی ہیں جو پانی کو صاف کرتی ہیں۔ پھر اس پانی کو ٹینکروں کے ذریعے دوسرے مقامات پر منتقل کیا جاتا ہے وہاں کے لوگ اس پانی کو استعمال کرتے ہیں آیا یہ پانی پاک ہے یا ناپاک اس کا استعمال کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نجاست کی ماہیت اگر تبدیل ہوجائے تو انقلاب ماہیت کی وجہ سے وہ پاک ہوجاتی ہے انقلاب ماہیت کا مطلب یہ ہے کہ پہلی والی حقیقت معدوم ہوکر نئی حقیقت بن جائے، نہ پہلی حقیقت و ماہیت باقی رہے نہ اس کا نام باقی

Marfat.com

رہے نہ اس کی صورت وکیفیت اور نہ اس کے خواص وآثار باقی رہیں بلکہ سب چیزیں نئی ہوجائیں۔ جیسے گدھا وغیرہ نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے، اور شراب سے سرکہ بنالیا جائے۔

صورت مسئولہ میں چونکہ انقلاب ماہیت کی کوئی صورت نہیں ہے بلکہ گندے پانی کے متعفن اور ضرررساں اجزاء کو نکال کر پانی کو صاف کیا گیا ہے اور جو اجزاء بچے ہیں وہ اسی پانی کے اجزاء ہیں لہٰذا وہ بھی نجس اور ناپاک رہیں گے۔

لمافی الدر المختار(١/٣١٥): (و) يطهر (زيت) تنجس (بجعله صابونا) به يفتى للبلوى الخ الدر المختار

وقال ابن عابدين تحته: (قوله ويطهر زيت الخ) قد ذكر هذه المسئلة العلامة قاسم فى فتاواه ... ثم هذه المسئلة قد فرعوها على قول محمد بالطهارة بانقلاب العين الذى عليه الفتوى واختاره اكثر المشائخ خلافا لابى يوسف كمافى شرح المنية والفتح وغيرهما۔ وعبارة المجتبى: جعل الدهن النجس فى صابون يفتى بطهارته لانه تغير والتغير يطهر عند محمد، ويفتى به للبلوى اهـ وظاهره ان دهن الميتة كذلك لتعبيره بالنجس دون المتنجس الا ان يقال هو خاص بالنجس لان العادة فى الصابون وضع الزيت دون بقية الادهان تأمل ثم رايت فى شرح المنية مايؤيد الاول حيث قال: وعليه يتفرع مالو وقع انسان او كلب فى قدر الصابون فصار صابونا يكون طاهرا لتبدل الحقيقة اهـ۔

ثم اعلم ان العلة عند محمد هى التغير وانقلاب الحقيقة وانه يفتى به للبلوى كماعلم مما مرّ، ومقتضاه عدم اختصاص ذلك الحكم بالصابون، فيدخل فيه كل ما كان فيه تغير وانقلاب حقيقة وكان فيه بلوى عامة ......

قلت: لكن قد يقال: ان الدبس ليس فيه انقلاب حقيقة لانه عصير جمد بالطبخ، وكذا السمسم اذا درس واختلط دهنه باجزائه ففيه تغير وصف فقط، كلبن صار جبنا، وبرصار طحينا، وطحين صار خبزا، بخلاف نحو خمر صار خلا، وحمار وقع فى مملحة فصار ملحا، وكذا دردى خمر صار طرطيراً، وعذرة صارت رمادا او حمأة، فان ذلك كله انقلاب حقيقة الى حقيقة اخرى لامجرد انقلاب وصف كما سياتى، والله اعلم۔

وايضا فى الدر المختار(١/٣٢٦): (لا) يكون نجسا (رما دقذر) والالزم نجاسة الخبز فى سائر الامصار (و) لا (ملح كان حمارا) او خنزيرا ولا قذر وقع فى بئر فصار حمأة لانقلاب العين، به يفتى۔ وقال ابن عابدين الشامى رحمه الله تحته: (قوله كان حمارا او خنزيرا) افاد ان الحمار

Marfat.com

مثال لا قید احترازی، واشار باطلاقہ الی انہ لا یلزم وقوعہ وھو حی، فانہ لو وقع فی المملحۃ بعد موتہ فھو کذلک کما فی شرح المنیۃ الخ۔

وفی الدر المختار(۱/۱۸۰): (و) یرفع (بماء ینعقد بہ ملح لا بماء) حاصل بزوبان (ملح) لبقاء الاول علی طبیعتہ الاصلیۃ، وانقلاب الثانی الی طبیعۃ الملحیۃ۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تحتہ (قولہ لبقاء الاول الخ)... وقال الزیلعی: ولا یجوز بماء الملح، وھو ما یجمد فی الصیف ویذوب فی الشتاء عکس الماء، و اقرہ صاحب البحر والعلامۃ المقدسی، ومقتضاہ انہ لا یجوز بماء الملح مطلقا: ای سواء انعقد ملحا ثم ذاب ام لا؟ وھو الصواب عندی اھ ملخصا۔

(۱۹۳) نالے کے ذریعے نہر سے آنے والے صاف پانی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کے قریب ایک نالہ ہے جس میں شہر کا گندہ پانی آتا رہتا ہے اب کبھی کبھی اس کے ذریعے لوگ نہر کا پانی اپنے کھیتوں تک لے جاتے ہیں جب نہر والا پانی اس نالے میں آجاتا ہے تو یہ پانی بالکل صاف ہوتا ہے حالانکہ اس میں گٹروں والا پانی بھی مل رہا ہوتا ہے تو بعض لوگ اس پانی کو پیتے اور وضو کرتے ہیں تو کیا ایسے پانی سے وضو کرنا اور اس کو پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جس پانی کا ذکر ہے وہ پانی ماء جاری کے حکم میں ہے ماء جاری کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ جب تک اس کے اوصاف ثلثہ یعنی رنگ، بو اور مزہ میں سے کوئی ایک تبدیل نہ ہو جائے تو وہ پاک ہے۔اس سے وضو کرنا اور اس کو استعمال میں لانا جائز ہے۔جیسا کہ عالمگیری میں اس کی صراحت ہے "ماء النھر او القناۃ اذا احتمل عذرۃ فاغترف انسان بقرب العذرۃ جاز والماء طاھر مالم یتغیر طعمہ أو لونہ أو ریحہ" (عالمگیری، ۱/۱۷)

لما فی مجمع الانھر(۱/۲۸): فامّا أن یکون الماء جاریاً أو راکداً فان کان جاریاً إن کانت النجاسۃ غیر مرئیۃ فإنہ لا یتنجس مالم یتغیر طعمہ الخ۔

وفی قاضیخان (۱/۳): (ماء النھر أو القناۃ) اذا احتمل عذرۃٌ فاغترف انسان بقرب العذرۃ جاز والماء طاھر مالم یتغیر طعمہ أو لونہ أو ریحہ بالنجاسۃ۔

وفی الھندیۃ (۱/۱۷): وفی النصاب والفتویٰ فی الماء الجاری أنہ لا یتنجس مالم یتغیر طعمہ أو لونہ أو ریحہ من النجاسۃ۔وإن کانت العذرۃ علی السطح فی مواضع متفرقۃ ولم تکن علی رأس المیزاب لا یکون نجسا وحکمہ حکم الماء الجاری... ماء النھر أو القناۃ اذا احتمل عذرۃ فاغترف انسان بقرب العذرۃ جاز والماء طاھر مالم یتغیر طعمہ أو لونہ او ریحہ...

Marfat.com

(۱۹۴) ایسے تالاب سے وضو کرنا جس میں گندگی کے اثرات ظاہر ہوں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں ایک تالاب ہے جس میں لوگ جانوروں کو پانی پلاتے ہیں، پانی پیتے وقت جانور اس میں پیشاب وغیرہ بھی کرتے ہیں لیکن یہ سب ایک طرف ہوتا ہے دوسری طرف سے کوئی جانور نہ تو پانی پیتا ہے اور نہ پیشاب وغیرہ کرتا ہے البتہ اس طرف بھی گندگی کے اثرات پائے جاتے ہیں مثلاً پانی میں بدبو وغیرہ کیا ایسے تالاب سے وضو کرنا جائز ہے؟ اس تالاب کی لمبائی تقریباً چالیس فٹ اور چوڑائی بیس فٹ ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر پانی کے تین اوصاف (رنگ، بو، ذائقہ) میں سے کوئی ایک وصف نجاست کی وجہ سے تبدیل ہو جائے تو وہ پانی ناپاک شمار ہوگا۔ اگرچہ اس کی مقدار کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، لہٰذا مذکورہ تالاب کا پانی ناپاک ہے اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافی الھندیة (۱۸/۱): الماء الراکد اذا کان کثیرا فھو بمنزلة الجاری لا یتنجس جمیعه بوقوع النجاسة فی طرف منه الا ان یتغیر لونه او طعمه اوریحه وعلی ھذا اتفق العلماء وبه اخذ عامة المشائخ کذا فی المحیط۔

وفی الدرالمختار (۱۸۵/۱): (وبتغیر احد اوصافه) من لون اوطعم اوریح (ینجس) الکثیر ولو جاریاً اجماعاً، اما القلیل فینجس وان لم یتغیر۔

(۱۹۵) اگر لائن کے پانی میں سخت بدبو آرہی ہو، تو کیا حکم ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گزشتہ روز ہمارے گھر جو لائن کا پانی آیا وہ دیکھنے میں تو صاف ہے لیکن اس میں سے گٹر کے پانی کی سخت بو آرہی ہے، ہمارے گھر گزشتہ ایک ہفتہ سے میٹھا پانی بالکل نہیں ہے، آیا اب ہم اس پانی کو کسی اور استعمال میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر اس پانی کے بارے میں آپ کا غالب گمان یہ ہے کہ اس پانی میں گٹر کا پانی مل گیا ہے، جبکہ گٹر کے پانی کا پینے کے پانی کی لائن کے ساتھ مل جانا ممکن بھی ہو اور اس طرح کے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں تو پھر یہ پانی ناپاک ہے اس کا استعمال درست نہیں ہے، اور اگر اس پانی کے ساتھ گٹر کے پانی کے مل جانے کا غالب گمان نہیں ہے محض شک ہے تو پھر یہ پانی پاک ہے اور اس پانی کا استعمال کرنا ہر طرح سے درست ہے اور اس شک کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ پانی میں اصل طہارت ہے لہٰذا جب تک اس کے ناپاک ہونے کا یقین یا غالب گمان نہ ہو اسے ناپاک نہیں کہا جائے گا اور اس پانی کے بارے میں مزید تحقیق وجستجو کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

Marfat.com

لمافی الولوالجية(۱/۳۹): الماء اذا انتن وهو كثير ان علم بوقوع النجاسة او جيفة فيه يتنجس الماء وفی ردالمحتار (۱/۱۸٦): (قوله لالو تغير الخ)أی لاينجس لو تغير فهو عطف على قوله وينجس لاعلى قوله بموت فتامل ممعنا۔ (قوله فلو علم الخ) صرح به لزيادة التوضيح والافهو داخل تحت قول المصنف وبتغير احد اوصافه بنجس۔ (قوله ولو شك الخ) ای ولايلزم السوال بحر، وفيه عن المبتغی بالغين وبرؤية آثار اقدام الوحوش عند الماء القليل لايتوضاء به ولو مرسبع بالركية وغلب على ظنه شربه منها تنجس والافلا اهـ. وينبغی حمل الاول على ما اذا غلب على ظنه ان الوحوش شربت منه بدليل الفرع الثانی والافمجرد الشك لايمنع لما فيه الاصل انه يتوضأ من الحوض الذی يخاف قذرا ولا يتيقنه وينبغی حمل التيقن المذكور على غلبة الظن و الخوف على الشك أو الوهم كما لا يخفى اهـ۔

Marfat.com

فصل فی احکام الجنب والمعذور

(جنبی اور معذور سے متعلق مسائل کا بیان)

(۱۹۶) حالت جنابت میں کھانے پینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کو غسل جنابت کی حاجت ہو اور وہ غسل کو مؤخر کر کے اسی حالت میں کھاتا پیتا رہے تو کیا ایسی حالت میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... جنابت کی حالت میں کھانا پینا جائز ہے۔البتہ مستحب یہ ہے کہ پہلے ہاتھ دھوئے اور کلی کرلے۔

لمافی الهندية (۱۶/۱): وان أراد أن يأكل اويشرب فينبغي أن يتمضمض ويغسل يديه۔

وفی رد المحتار(۱۷۵/۱):(قوله بعد غسل يد وفم) اما قبله فلا ينبغي لانه يصير شاربا للماء المستعمل وهو مكروه تنزيها ويده لاتخلو عن النجاسة فينبغي غسلها ثم يأكل۔بدائع وفی الخزانة وان ترك لايضره۔

(۱۹۷) حالت ہمبستری میں بچے کو دودھ پلانا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص عورت سے ہمبستری کر رہا تھا کہ اچانک بچے نے رونا شروع کر دیا عورت نے اسی حالت میں بچے کو دودھ پلانا شروع کر دیا، تو کیا شرعاً جماع کی حالت میں بچے کو دودھ پلانا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......درست ہے۔

لمافی المبسوط للسرخسی(۷۰/۱): (واذا عرق الجنب أوالحائض فی ثوب لم يضره)------ لانه ليس على بدن الانسان الجنب والحائض نجاسة عينية فهو وأعضاء المحدث سواءٌ۔

وفی ردالمحتار(۲۹۲/۱): ولايكره طبخها ولااستعمال ما مسته من عجين أوماء أونحوهما۔

Marfat.com

(۱۹۸) جنبی کیلئے بال اور ناخن کاٹنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ جس کے اوپر غسل فرض ہو، اس کو حالت جنابت میں ناخن اور بال نہیں کاٹنے چاہئیں، کیا یہ بات صحیح ہے یا اس حالت میں ناخن بال کاٹنے کی گنجائش ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر مشکور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......جس آدمی پر غسل واجب ہو اس کیلئے ناخن اور بال کاٹنا جائز ہے، البتہ اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ طہارت کی حالت میں ان امور سے فارغ ہو جانا چاہیے۔

لمافی البخاری (۴۲/۱): قال عطاء: يحتجم الجنب ويقلم أظفاره ويحلق رأسه وان لم يتوضأ

وفی الهندية (۳۵۸/۵): حلق الشعر حالة الجنابة مكروه وكذا قص الاظافير كذا فی الغرائب۔

وفی معارف السنن (۴۰۰/۱): ويجوز للجنب جميع المعاملات التی يفعلها الطاهر الغير الجنب ... ماعدا دخول المسجد و الطواف وقرأة القرآن۔

(۱۹۹) مذکورہ فتوے پر ایک استدراک اور اس کا جواب

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فتاویٰ ہندیہ (۳۵۸/۵) پر جنبی کے بال یا ناخن کاٹنے سے متعلق یہ عبارت تحریر ہے:

”حلق الشعر حالة الجنابة مكروه وكذا قص الاظافير كذا فی الغرائب“

یہ عبارت صراحۃً اس عمل کے مکروہ ہونے پر دال ہے اور فقہاء کا اصول ہے کہ مطلقاً مکروہ کا اطلاق مکروہِ تحریمی پر ہوتا ہے لیکن آپ کے نجم الفتاویٰ جلد ثانی میں اسے جائز تک لکھا ہے کیا یہ تضاد نہیں؟ از راہِ کرم مسئلے کی مفصل تنقیح فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......مسئلہ ہٰذا میں نجم الفتاویٰ میں شائع شدہ ہمارے فتوے کی عبارت یہ ہے:

”جس آدمی پر غسل واجب ہو اس کیلئے ناخن اور بال کاٹنا جائز ہے البتہ اولی اور بہتر یہ ہے کہ طہارت کی حالت میں ان امور سے فارغ ہو جانا چاہیے۔لمافی البخاری .... الخ

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ہم نے ناخن یا بال کاٹنے کو جنبی کیلئے مطلقاً جائز قرار نہیں دیا بلکہ خلافِ اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی قرار دیا تھا۔فتاویٰ ہندیہ کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے کہ حالتِ جنابت میں ناخن یا بال کاٹنا مکروہ تنزیہی ہے۔وہ اس طرح کہ فقہاء نے جہاں یہ قاعدہ لکھا ہے کہ کتبِ فقہ میں مطلقاً ذکرِ مکروہ سے کراہتِ تحریمی مراد ہوتی ہے وہاں یہ قید بھی ذکر ہے کہ کوئی صارف ایسا موجود نہ ہو جو اس مکروہ کے کراہتِ تنزیہی ہونے پر دال بن رہا ہو۔شامیہ میں ہے:

Marfat.com

"(قوله: والافتنزيهية) راجع الى قوله فان لم يكن نهيا بل كان مفيدا للترك الغير الجازم والى قوله ولا صارف اى وان كان نهيا ولكن وجد الصارف له عن التحريم فهى فيهما تنزيهية"
(شامية: مطلب فى الكراهة التحريمية والتنزيهية ۶۳۹/۱)

اس عبارت میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر مکروہ کیلئے کوئی صارف موجود ہو یا نہی میں زیادہ جزم نہ ہو بلکہ کچھ سہولت سی ہو تو ایسی نہی مکروہ تحریمی نہیں بلکہ مکروہِ تنزیہی قرار دی جائے گی۔ نیز ہندیہ کی عبارت میں مطلقاً "حلق الشعر حالة الجنابة مكروه الخ" (ہندیہ ۵/۳۵۸) مکروہ ہونے کا ذکر ہے۔ لیکن صارف کے پائے جانے کی وجہ سے یہاں مکروہ سے مکروہ تنزیہی مراد ہوگا اور مکروہِ تنزیہی اسی کو کہتے ہیں کہ اس کا کرنا جائز لیکن خلافِ اولیٰ ہو۔ صارف مندرجہ ذیل ہیں:

اولاً...... اس کے متعلق بخاری شریف میں حضرت عطاء رحمہ اللہ سے تعلیقاً ذکر ہے:

وقال عطاء يحتجم الجنب ويقلم اظفاره ويحلق راسه وان لم يتوضأ

"یعنی حالت جنابت میں جنبی شخص پچھنا لگوا سکتا ہے اور ناخن اور بال بھی کاٹ سکتا ہے اگر چہ وہ وضو بھی نہ کرے۔
(بخاری، ۱/۴۲)

اس تعلیق سے تو مطلقاً اباحت ثابت ہوتی ہے۔

ثانیاً...... فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عطاءؒ کی اسی تعلیق کے تحت مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کیا ہے:

"يستحب له الوضوء" (فتح الباری ۱/۳۱۱) "یعنی جنبی کیلئے (ان افعال سے قبل) وضوء کر لینا مستحب ہے۔"

یہاں بھی جنبی کیلئے غسل سے قبل فقط وضوء کر کے ان افعال کا جواز بیان کیا گیا ہے۔

ثالثاً...... معارف السنن وغیرہ میں جنبی کے لیے حرام کاموں کا ذکر ہے اس میں ناخن کاٹنے اور بال کاٹنے کا ذکر نہیں لہٰذا یہ بھی دال ہے کہ ان افعال کی کراہت اتنی سخت نہیں معارف السنن میں ہے:

"ويجوز للجنب جميع المعاملات التى يفعلها الطاهر الغير الجنب ...... ماعدا دخول المسجد والطواف وقراءة القرآن (معارف السنن ۱/۴۰۰)

"اور جنبی کیلئے تمام وہ معاملات جو پاک غیر جنبی شخص کیلئے کرنا جائز ہیں وہ اس کے لیے بھی جائز ہیں .... سوائے مسجد میں دخول، طواف اور تلاوتِ قرآن"

رابعاً...... نجاست کا تعلق انسان کے ظاہر سے نہیں جنبی کی جنابت باطنی ہے "ان المومن لا ينجس" "بے شک مومن ناپاک نہیں ہوتا لہٰذا یہ اعضاء (ناخن، بال وغیرہ) ناپاک نہیں تو ان کو کاٹنے میں کسی نجاست کا قبل از طہارت علیحدہ کر دینا بھی لازم نہیں آتا۔ یہ اصول بھی ان اعضاء کے کاٹنے کے جواز پر دال ہے۔

Marfat.com

خامسا...... یہ ہندیہ کا تفرد ہے۔ کسی اور کتاب میں حالت جنابت کے اندر ان افعال کی کراہت ذکر نہیں۔ فقط ہندیہ میں غرائب کے حوالے سے انہیں مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ طرز بھی اس کراہت کی خفت پر صریح دال ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بخاری شریف میں ذکر عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کی تعلیق، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا فتح الباری سے نقل شدہ قول، معارف السنن میں ذکر جنبی کے لیے ممنوع افعال میں ان افعال کا عدمِ ذکر، ان المؤمن لا ینجس یعنی مومن کے ناپاک نہ ہونے کا اصول اور پھر ہندیہ کا مسئلہ ہذا میں غرائب کے حوالے سے تفرد یہ سب باتیں صریح دال ہیں کہ ہندیہ میں ذکر کراہت کے قول سے مکروہ تنزیہی ہونا مراد ہے۔ نیز شامیہ کے حوالے کے مطابق مطلقاً ذکر کراہت کیلئے اگر کوئی صارف یا باعث خفت امر ہو تو مکروہ تنزیہی مراد ہوتی ہے اور یہاں یہ امور کراہت کی خفت اور صارفِ صریح ہیں لہٰذا ہندیہ میں ذکر جنبی کیلئے ناخن اور بال کاٹنے کے کراہت کے قول کو مکروہ تنزیہی ہونے پر حمل کیا جائے گا۔ نیز مکروہ تنزیہی کہتے ہی اس فعل کو ہیں جو جائز تو ہو لیکن اس کا کرنا خلاف اولیٰ ہو لہٰذا نجم الفتاویٰ میں طبع شدہ فتویٰ درست اور صائب ہے۔

لمافی البخاری (باب الجنب یخرج ویمشی فی السوق وغیرہ) (۴۲/۱): وقال عطاء: یحتجم الجنب ویقلم اظفارہ ویحلق رأسہ وان لم یتوضأ۔

وفی فتح الباری (۳۱۱/۱): وقال عطاء هذا التعليق وصله عبد الرزاق عن بن جريج عنه وزاد ويطلى بالنورة ولعل هذه الأفعال هي المرادة بقوله وغيره بالرفع في الترجمة ------قوله حدثنا سعيد هو بن أبي عروبة كذا لهم الا الأصيلي فقال شعبة قوله أن النبي وفي رواية الأصيلي وكريمة أن نبي الله صلى الله عليه وسلم وقد تقدم الكلام على هذا الحديث في باب إذا جامع ثم عاد وإيراده له في هذا الباب يقوي رواية وغيره بالجر لأن حجر أزواج النبي صلى الله عليه وسلم كانت متقاربة فهو محتاج في الدخول من هذه إلى هذه إلى المشي وعلى هذا فمناسبة إيراد أثر عطاء من جهة الاشتراك في جواز تشاغل الجنب بغير الغسل وقد خالف عطاء غيره كما رواه بن أبي شيبة عن الحسن البصري وغيره فقالوا يستحب له الوضوء وحديث أنس يقوي اختيار عطاء لأنه لم يذكر فيه أنه توضأ فكأن المصنف أورده ليستدل له لا ليستدل به۔

وفی الشامیة: مطلب فی الكراهة التحريمية والتنزيهية (۶۳۹/۱): قلت ويعرف أيضا بلا دليل نهي خاص بأن تضمن ترك واجب أو ترك سنة فالأول مكروه تحريما والثاني تنزيها ولكن تتفاوت التنزيهية في الشدة والقرب من التحريمية بحسب تأكد السنة فإن مراتب الاستحباب متفاوتة كمراتب السنة والواجب والفرض فكذا أضدادها كما أفاده في شرح المنية وسيأتي في آخر المكروهات تمام ذلك قوله (وإلا فتنزيهية) راجع إلى قوله فإن نهيا أي وإن لم يكن

Marfat.com

نهيا بل كان مفيدا للترك الغير الجازم والى قوله ولا صارف أي وإن كان نهيا ولكن وجد الصارف له عن التحريم فهي فيهما تنزيهية۔

(۲۰۰)ناپاکی کی حالت میں دعاوتسبیح کرنا

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کو احتلام ہوجائے تو ناپاکی کی حالت میں نیند سے بیدار ہونے کی دعا، بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب……حالت جنابت (خواہ وہ احتلام کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے) میں ہر طرح کی دعا پڑھنا، ذکر کرنا تسبیح پڑھنا جائز ہے، البتہ باوضوء ہو کر ذکر و تسبیح کرنا افضل ہے خواہ حالت جنابت ہو یا نہ ہو۔

لمافی الطحطاوی علی الدر(۱/۱۵۰): قال فی البحر وأما الاذكار فالمنقول اباحتها مطلقا ويدخل فيها اللهم اهدنا واللهم انا نستعينك على ماعليه الفتوى وفي الهداية وغيرها استحباب الوضوء لذكر الله تعالى وتركه خلاف الاولى وهو مرجع كراهة التنزيه۔

وفي الدر المختار(۱/۲۹۳): (ولا باس) لحائض وجنب (بقراءة ادعية و مسها وحملها وذكر الله تعالى و تسبيح)۔

(۲۰۱)ناپاکی کی حالت میں قرآن مجید کو چھونا

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مرتبہ ایک امام صاحب سے ناپاکی کی حالت میں قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے متعلق مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ناپاکی کی حالت میں قرآن پاک کے الفاظ کو ہاتھ لگانا جائز نہیں لیکن خالی جگہ اور جلد کو ہاتھ لگا سکتے ہیں۔کیا امام صاحب کی بات صحیح ہے؟ بصورت دیگر صحیح مسئلہ بتا کر میری رہنمائی فرمائیں میں کافی الجھن میں مبتلا ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب……ناپاکی کی حالت میں، چاہے انسان حالت جنابت میں ہو یا حالت حدث اصغر (بے وضو حالت) میں یا حالت حیض میں ہو، ناپاکی کی ان تمام صورتوں میں مصحفِ قرآن کو یعنی قرآن مجید کے نسخے کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے چاہے اس کے الفاظ ہوں یا اس کی جلد یا وہ حصہ جہاں کچھ نہیں لکھا ہے ہاں اگر قرآن کی آیات کسی دوسری چیز پر لکھی ہوئی ہیں مثلاً کاغذ وغیرہ پر، تو اس صورت میں الفاظ قرآن کو ہاتھ لگانا منع ہے باقی کاغذ وغیرہ کا وہ حصہ جہاں کچھ نہیں لکھا ہوا ہے وہاں ہاتھ لگا سکتے ہیں اور ناپاکی کی حالت میں مصحف قرآن کو بھی غلاف یا کسی کپڑے سے ہاتھ لگانا جائز ہے مگر غلاف یا کپڑا ایسا ہونا چاہیے جو کہ اس قرآن سے بالکل جدا ہو، اگر کوئی کپڑا وغیرہ قرآن کے ساتھ لگا ہوا ہے اور وہ جدا نہیں ہوتا تو اس کو بھی ہاتھ لگانا جائز نہیں جہاں تک رہی اس مسئلہ میں

Marfat.com

آپ کے امام صاحب کی بات تو ممکن ہے ان کی مراد مصحف قرآن نہ ہو بلکہ کاغذ وغیرہ پر لکھا ہوا مراد ہو، اور اگر ان کی مراد مصحف قرآن ہے تو ان کی بات ٹھیک نہیں ہے۔

لما فى فتح القدير(١٦٩/١): (قوله وغلافه ما يكون متجافيا عنه) اى منفصلا وهو الخريطة خلافا لمن قال هو الجلد او الكم لان الجلد الملصق تابع له حتى يدخل فى بيعه بغير شرط فلمسه حكم مسه۔

وفى الهندية(٣٨/١-٣٩): (ومنها) حرمة مس المصحف لا يجوز لهما وللجنب والمحدث مس المصحف الا بغلافٍ متجاف عنه كالخريطة والجلد الغير المشرز لا بما هو متصل به هو الصحيح هكذا فى الهداية وعليه الفتوى كذا فى الجوهرة النيرة والصحيح منع مس حواشى المصحف والبياض الذى لا كتابة عليه هكذا فى التبيين۔

وفى الشامية مع الدر (٢٩٣/١): (ومسه) ولو مكتوبا بالفارسية فى الاصح(الا بغلافه) المنفصل كمامر (قوله ومسه) أى القران ولو فى لوح او درهم او حائط لكن لا يمنع الامن مس المكتوب، بخلاف المصحف فلا يجوز مس الجلد وموضع البياض منه وقال بعضهم يجوز وهذا اقرب الى القياس، والمنع اقرب الى التعظيم كما فى البحر أى والصحيح المنع كما نذكره......

(قوله الا بغلافه) المنفصل اى كالجراب والخريطة دون المتصل كالجلد المشرز هو الصحيح وعليه الفتوى، لان الجلد تبع له سراج، وقدمنا ان الخريطة الكيس۔

(٢٠٢) جنبی میت کو غسل کتنی بار دیا جائے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت اگر جنبی ہو تو اس کو دو مرتبہ غسل دیا جائے گا یا ایک ہی غسل کافی ہے عام میت کی طرح۔ براہ مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب......زندگی کی تمام عبادات ومعاملات موت کے آنے پر ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور میت اپنی بقاء والی زندگی کے ابتدائی مرحلہ میں داخل ہو جاتی ہے اسی وجہ سے میت کو تکریم وتعظیم دینے کیلئے غسل اور صاف لباس دیا جاتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ مسئلہ میں جنبی میت سے وجوب کا حکم ساقط ہو کر ایک یعنی میت والا غسل دیا جائے گا۔

لما فى المحيط البرهانى (٥٥/٣): هما يقولان: الغسل الواجب بالجنابة سقط بالموت، لأن الغسل كان واجب عليه فسقط بالموت لعجزه۔

وفى الدر المختار(١٩٧/٢): (وان زاد عليها أو نقص جاز) اذ الواجب مرة (ولايعاد غسله ولا وضوء ه بالخارج منه) لأن غسله ماوجب لرفع الحدث لبقائه بالموت بل لتنجسه بالموت

Marfat.com

كسائر الحيوانات الدموية الا ان المسلم يطهر بالغسل كرامة۔

وفی الشامية تحته: (قوله وان زاد) أی عند الحاجة لكن ينبغی ان يكون وتراً۔ ذكره فی شرح مختصر۔۔۔ (قوله جاز) أی صح وكره بلاحاجة لانه اسراف او تقتير۔

(۲۰۳) طہارت وغیرہ سے معذور شخص کے وضو اور نماز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک جاننے والے بہت زیادہ بیمار ہیں انہیں ہر وقت پیمپر لگا ہوا ہوتا ہے اور پیشاب کیلئے تھیلی لگی ہوئی ہوتی ہے۔کئی بیٹے ہیں جو کہ مالی لحاظ سے بہت بہتر ہیں، مگر خاص خیال نہیں رکھتے انہیں نماز پڑھنے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔براہ کرم اس حالت میں ان کیلئے نماز پڑھنے کا طریقہ بتلادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں دو شقیں ہیں:

پہلی شق معذور شخص کی نماز پڑھنے کے بیان میں ہے......ایسا شخص جسے پیشاب کے قطرے تسلسل کے ساتھ آتے ہوں کہ فرض نماز کا پورا وقت اس میں گزر جائے یا جس کا پیٹ جاری ہو جائے یا کوئی اور زخم جو مستقل رستا رہے۔شریعت کی اصطلاح میں معذور کہلاتا ہے۔اور صورت مسئولہ میں مریض شخص جسے پیشاب کی تھیلی لگی ہوئی ہے۔شرعاً یہ بھی معذور ہی کے حکم میں ہے اور اس قسم کے معذور کا حکم یہ ہے کہ ہر وقت کی نماز کیلئے ابتداء دخول وقت میں وضو کرا دیا جائے اور اسی حالت میں نماز پڑھ لیں۔کپڑے وغیرہ دھونے کی کوئی ضرورت نہیں، اسی طرح اگر پیمپر دور کرنے میں مشقت زیادہ ہو تو اسی حالت میں نماز پڑھ لے۔

دوسری شق نماز پڑھنے کے طریقے کے بیان میں ہے......اگر مریض وضو کرنے پر قادر ہو یا کوئی اور شخص معاونت کرنے والا موجود ہو جیسے خادم یا اس کی اولاد وغیرہ تو یہ لوگ مریض کو وضو کرائیں اور پھر مریض قبلہ رُخ بیٹھ کر کہ اس کے پاؤں قبلہ رُخ ہوں سر کے اشارے سے نماز پڑھ لے۔اگر بیٹھنا ممکن نہ ہو تو کم از کم تکیہ رکھ کر تھوڑا سا اونچا کر دیں۔اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دائیں کروٹ پر لیٹ کر کہ چہرہ قبلہ کی طرف ہو نماز پڑھ لے اور اگر زیادتی مرض کی وجہ سے مریض وضو پر قادر نہ ہو تو تیمم کرا کے نماز اسی مذکورہ بالا طریقے پر پڑھ لے۔اور تیمم کی نیت مریض پر لازم ہوگی۔

لمافی الهندية(۱/۱۳۶): وان تعذر القعود أومأ بالركوع والسجود مستلقيا على ظهره وجعل رجليه الى القبلة، وينبغی ان يوضع تحت راسه وسادة حتى يكون شبيه القاعد ليتمكن من الايماء بالركوع والسجود، وان اضطجع على جنبه ووجهه الى القبلة وأومأ جاز والأول اولى۔

وفيه ايضا(۱/۴۱): المستحاضة ومن به سلس البول او استطلاق البطن او انفلات الريح او رعاف دائم او جرح لا يرقأ يتوضأون لوقت كل صلاة ويصلون بذلك الوضوء فی الوقت ما شاؤوا من الفرائض والنوافل۔۔۔ويبطل الوضوء عندخروج وقت المفروضة بالحدث السابق

Marfat.com

ھکذافی الھدایۃ وھوالصحیح۔

وفی الدرالمختار(۱/۲۳۳): من عجز عن استعمال الماء... او لمرض یشتد او یمتد بغلبة ظن او قول حاذق مسلم ولو بتحرك اولم یجد من توضئه فان وجد ولو بأجرة مثل وله ذلك لایتیمم فی ظاھر المذھب کمافی البحر۔

وفی الشامیه تحته :قوله ولو بتحرك الخ... ولا فرق عندنا بین ان یشتد بالتحرك کالمبطون او بالاستعمال کالجدری قوله او لم یجد الخ ای او کان لا یخاف الاشتداد ولا الامتداد لکنه لا یقدر بنفسه ولم یجد من یوضئه قوله کمافی البحر حاصل مافیه انه ان وجد خادماً ای من تلزمه طاعته کعبده وولده واجیره لایتیمم اتفاقاً، وان وجد غیره ممن لو استعان به اعانه ولو زوجته فظاھر المذھب انه لا یتیمم ایضاً بلا خلاف الخ۔

(۲۰۴) آپریشن کے بعد پیشاب کے قطرات کا آنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا پیشاب رک گیا تھا لہٰذا اس کا آپریشن کروایا ہے، آپریشن کوتقریباً پانچ چھ دن ہو گئے ہیں، اب میری حالت یہ ہے کہ پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد بستر پر بیٹھتا ہوں یا پھر لیٹتا ہوں تو ایک دو قطرے نکل جاتے ہیں یا پھر سونے کی حالت میں نکل جاتے ہیں جس کا مجھے احساس نہیں ہوتا ابھی غبارہ بھی استعمال نہیں کرسکتا کیونکہ ابھی زخم ہیں، لہٰذا آنجناب سے عرض ہے کہ بیٹھ کر نماز ادا کرنے اور کپڑوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ سے پہلے یہ سمجھئے کہ آپ معذور کب شمار ہو سکتے ہیں تو اس کیلئے ایک نماز کا مکمل وقت اس طرح گزر جائے کہ آپ کو وضو سے فراغت کے بعد پیشاب کے قطرات آنے کی وجہ سے اس قدر موقع نہ ملے کہ آپ فرض نماز پڑھ سکیں تو آپ معذور سمجھے جائیں گے، اور اس وقت تک معذور شمار کیے جائیں گے جب تک ایک نماز کے مکمل وقت میں ایک دفعہ بھی آپ کا عذر پایا جائے۔ اس صورت حال کے پیش نظر آپ فی الحال معذور کے حکم میں نہیں ہیں، لہٰذا ان کپڑوں میں نماز کی ادائیگی صحیح نہیں بلکہ پاک کپڑے پہن کر نماز پڑھنا ضروری ہے، البتہ اگر کھڑے ہونے سے قطرات آتے ہوں یا کسی اور وجہ سے کھڑے نہ ہو سکتے ہوں تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

لمافی الدر المختار (۱/۳۰۶):(وان سال علی ثوبه)فوق الدرھم (جاز له ان لا یغسله ان کان لو غسله تنجس قبل الفراغ منها) أی الصلاۃ (وإلا) یتنجس قبل فراغه (فلا) یجوز ترك غسله ھوالمختار للفتوی۔

•فی الدر المختار(۱/۳۰۵): (ان استوعب عذرہ تمام وقت صلوۃ مفروضة) ...(ولو حکما)

Marfat.com

لأن الانقطاع اليسير ملحق بالعدم (وهذا شرط) العذر (فی حق الابتداء وفی) حق (البقاء كفی وجوده فی جزء من الوقت) ولو مرة (وفی) حق الزوال يشترط (استيعاب الانقطاع) تمام الوقت (حقيقة) لأنه الانقطاع الكامل...

وفيه ايضا(۱/۳۰۷۔۳۰۸):يجب رد عذره او تقليله بقدر قدرته ولو بصلاته موميا وبرده لا يبقى ذاعذر۔

(۲۰۵) سجدہ کرنے سے اگر خون نکلے تو کیا ایسا شخص معذور ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے گھٹنے میں پھوڑا ہے وہ جب بھی سجدے کیلئے گھٹنہ نیچے لگاتا ہے اس پھوڑے سے خون نکلنا شروع ہوجاتا ہے ایسی حالت میں نماز پڑھنا مشکل ہوجاتا ہے، کیا ایسا شخص معذور کے حکم میں داخل ہے کہ ایک وضو سے مکمل نماز پڑھ لے ورنہ تو نماز پڑھنا بہت مشکل ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جیسا کہ سوال سے معلوم ہورہا ہے کہ خون صرف سجدے میں گھٹنا ٹیکنے سے نکلتا ہے ایسا شخص معذور کے حکم میں داخل نہیں ہوتا بلکہ آپ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھیں اور اگر دوران نماز کسی وجہ سے خون جاری ہوگیا تو دوبارہ نئے سرے سے وضو کرنا ہوگا۔

لمافی الدر المختار(۱/۳۰۷۔۳۰۸):يجب رد عذره او تقليله بقدر قدرته ولو بصلاته موميا وبرده لا يبقى ذاعذر۔

(۲۰۶) سلس البول (پیشاب کے قطرے) والے مریض کیلئے طہارت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے کافی عرصے سے پیشاب کرنے کے بعد وقفے وقفے سے قطرے آتے ہیں کیا میں ہر مرتبہ وضو کیا کروں اور کپڑوں کو پاک کروں یا شریعت کی طرف سے اس میں کچھ چھوٹ ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر آپ کو یہ قطرے اس تسلسل سے آرہے ہیں کہ درمیان میں اتنا وقفہ بھی نہیں ملتا کہ ایک وقت کی فرض نماز ادا کرسکیں تو اس صورت میں آپ معذورین میں شامل ہیں جن کا حکم یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے وقت وضو کرلیا کریں اور پھر اس وضو سے اس ایک وقت میں جتنے چاہیں فرائض اور نوافل ادا کریں اور تلاوت قرآن کریم کرلیں (اس ایک وقت کے درمیان میں جتنے بھی قطرے آجائیں آپ پاک ہی رہیں گے بشرطیکہ کوئی اور سبب وضو کو توڑنے کا نہ پایا جائے) یہاں تک کہ وقت ختم ہوجائے، یعنی جیسے ہی اس فرض نماز کا وقت ختم ہوگا تو آپ کا وضو بھی ختم ہوجائے گا اور پھر اگلی نماز کیلئے دوبارہ وضو کرنا ہوگا۔

اور اگر یہ قطرے کپڑوں پر گرے ہوئے ہوں تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کس تسلسل سے نکل رہے ہیں اگر اتنا بھی وقت نہ

Marfat.com

ملے کہ بالفرض نماز شروع کرنے سے پہلے کپڑے کو دھویا مگر دورانِ نماز وہ قطرے اسی طرح کپڑوں میں نکل آئیں تو اس صورت میں آپ پر ان قطروں کا دھونا واجب نہ ہوگا، اگر چہ یہ قطرے مقدار درہم سے تجاوز ہی کیوں نہ کر جائیں اور اگر آپ کو یہ گمان ہے کہ ان قطروں کو دھونے کے بعد یہ دورانِ نماز مزید نہ نکلیں گے تو اس صورت میں ان کا دھونا واجب ہے۔ اور اگر ان قطروں میں مقدارِ نماز کے برابر تسلسل نہیں ہے تو آپ معذورین میں شامل نہیں ہیں۔ اس لئے آپ کا وضو ان قطروں سے ٹوٹ جائے گا اور کپڑے بھی ناپاک ہوجائیں گے اور ان کا دھونا (جبکہ وہ مقدار درہم سے تجاوز کر جائیں) واجب ہوگا۔

لما فی الدرالمختار(۱/۳۰۵):(وصاحب عذر من به سلس البول)بول لايمكنه امساكه ـــ (وان استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة)بأن لايجد فى جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلى فيه خاليا عن الحدث (ولوحكماً) لان الانقطاع اليسير ملحق بالعدم ـــــ (وحكمه الوضوء)لاغسل ثوبه ونحوه (لكل فرض)اللام للوقت كمافى لدلوك الشمس (ثم يصلى)به(فيه فرضا ونفلا) فدخل الواجب بالأولى (فاذاخرج الوقت بطل) أى ظهر حدثه السابق ـــــ(وان سال على ثوبه) فوق الدرهم (جازله أن لايغسله ان كان لوغسله تنجس قبل الفراغ منها) أى الصلاة (والا) يتنجس قبل فراغه (فلا) يجوز ترك غسله هو المختار للفتوىٰ۔

وفى الهندية (۱/۴۱): المستحاضة ومن به سلس البول... يتوضؤن لوقت كل صلاة، ويصلون بذالك الوضوء فى الوقت ماشاؤا من الفرائض و النوافل... ويبطل الوضوء عند خروج وقت المفروضة بالحدث السابق ...إذا كان به جرح سائل وقد شد عليه خرقة فأصابها الدم أكثر من قدر الدرهم أو أصاب ثوبه ان كان بحال لوغسله يتنجس ثانياً قبل الفراغ من الصلاة جاز أن لا يغسله وصلى قبل أن يغسله وإلا فلا هذا هو المختار۔

(۲۰۷) پیشاب کرنے کے آدھے گھنٹے بعد تک قطرے آنے والے مریض کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو پیشاب کے بعد آدھا پونا گھنٹہ قطرے آتے ہیں بسا اوقات نماز جماعت سے نکل جاتی ہے اور بسا اوقات نماز کا وقت بھی نکل جاتا ہے اس کیلئے کیا حکم ہے؟

(۲)......اسی طرح ایک دوسرے شخص کو ہر وقت پیشاب کے قطرے آتے ہیں جس کی وجہ سے شلوار وغیرہ خراب رہتی ہے اس کیلئے کیا حکم ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)......اگر پیشاب کے قطرے اتنے وقفے سے آتے رہتے ہیں کہ آدمی کو اتنا وقت نہیں

Marfat.com

ملتا کہ وضو کرکے فرض نماز پڑھ لے تو پھر یہ شخص معذور ہے، اور معذور ہر فرض نماز کے وقت نیا وضو کرے گا اور وقت نکلتے ہی اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور بعد میں ہر فرض نماز کے وقت میں ایک دفعہ عذر کا پایا جانا ضروری ہے اگر مکمل وقت بغیر عذر کے گزر گیا تو پھر اس کا عذر بھی ختم ہوگیا۔ صورت مسئولہ میں یہ شخص آخری وقت تک انتظار کرے اگر پھر بھی قطرے ختم نہیں ہوئے تو وقت نکلنے سے پہلے وضو کرے اور نماز پڑھے اگر دوسرا پورا وقت بغیر عذر کے گزر گیا یعنی اس کو دوسرے پورے وقت میں قطرے نہیں آئے تو یہ شخص پڑھی ہوئی نماز اور وضو کا اعادہ کرے گا اور اگر دوسرے وقت میں بھی اس کو قطرے آگئے تو نماز صحیح ہوگئی اعادہ لازم نہیں۔

(۲)......اگر کسی شخص نے پیشاب کے قطروں سے ناپاک شلوار وغیرہ اس لئے نہیں دھوئی کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے دوبارہ ناپاک ہوجائے گی تو اگر اسی کپڑے/شلوار وغیرہ میں نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہوگی۔ اور اگر شلوار وغیرہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے دوبارہ ناپاک نہ ہوتی ہو تو اس کو ہر نماز کیلئے دھونا ضروری ہے اور اگر نہیں دھوئی اور اسی ناپاک کپڑے میں نماز پڑھ لی تو نماز صحیح نہیں ہوگی، بشرطیکہ نجاست درہم کی مقدار سے زیادہ ہو۔

لمافی الدر المختار(۱/۳۰۵۔۳۰۶): (وصاحب عذر من به سلس) بول لایمكنه امساكه... (ان استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة) بأن لايجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلي فيه خاليا عن الحدث ... (وهذا شرط) العذر(في حق الابتداء وفي) حق (البقاء كفي وجوده في جزء من الوقت) ولومرة (وفي) حق الزوال يشترط (استيعاب الانقطاع) تمام الوقت (حقيقة) لانه الانقطاع الكامل۔ (وحكمه الوضوء) لاغسل ثوبه ونحوه (لكل فرض)... (ثم يصلي) به(فيه فرضا و نفلا) ... (فاذا خرج الوقت بطل) اى ظهر حدثه السابق، حتى لوتوضأ على الانقطاع ودام الى خروجه لم يبطل بالخروج مالم يطرأ حدث آخر اويسيل (وان سال على ثوبه) فوق الدرهم (جاز له ان لايغسله ان كان لوغسله تنجس قبل الفراغ منها) اى الصلاة (والا) يتنجس قبل فراغه(فلا) يجوز ترك غسله، هو المختار۔

وفي الشامية (۱/۳۰۵): (قوله في حق الابتداء) اى في حق ثبوته ابتداء (قوله في جزء من الوقت) اى من كل وقت بعد ذالك الاستيعاب... (قوله وفي حق الزوال) أى زوال العذر وخروج صاحبه عن كونه معذوراً (قوله تمام الوقت حقيقة) اى بأن لايوجد العذر في جزء منه اصلا فيسقط العذر من اول الانقطاع، حتى لو انقطع في اثناء الوضوء او الصلاة ودام الانقطاع الى آخر الوقت الثاني يعيد، ولو عرض بعد دخول وقت فرض انتظر الى آخره۔ فان لم ينقطع يتوضأ ويصلي ثم ان انقطع في اثناء الوقت الثاني يعيد تلك الصلاة، وان استوعب الوقت الثاني لايعيد لثبوت العذر حينئذ من وقت العروض اهـ... وذكر في البحر عن السراج انه لوانقطع بعد

Marfat.com

الفراغ من الصلاۃ او بعد القعود قدرُ التشہد لایعید لزوال العذر بعد الفراغ۔

(۲۰۸) پیشاب کے بعد کچھ دیر تک قطرے آنے سے معذور شمار نہیں ہوتا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ کو پیشاب کے بعد قطرے آتے ہیں تقریباً آدھا گھنٹہ اُٹھوں یا بیٹھوں تو قطرے خارج ہوجاتے ہیں، علاج بھی کرایا ایک سال لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا لہٰذا شریعت میں میرے لئے اب کیا حکم ہے؟ یا کوئی وظیفہ وغیرہ بتادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......جس شخص کو پیشاب کے قطرے آتے ہوں چاہے پیشاب کرنے سے پہلے ہوں یا پیشاب کے بعد ہوں، یہ پیشاب کی بیماری تصور کی جاتی ہے لیکن یہ شخص شرعاً معذور اس وقت شمار ہوگا جبکہ ایک مرتبہ فرض نماز پڑھنے کا وقت بھی اس عذر کے بغیر نہ گزرے۔ اور صورت مسئولہ میں چونکہ آپ کو تقریباً پیشاب کے بعد آدھا گھنٹے تک پیشاب کے قطرے آتے ہیں، اس کے بعد بند ہوجاتے ہیں، لہٰذا آپ شرعاً معذور نہیں ہیں۔ آپ نماز سے تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے پیشاب کے قطروں کے خارج ہونے تک انتظار کریں، جب قطرے بند ہوجائیں اور آپ کو اطمینان حاصل ہوجائے تو پھر اس کے بعد وضو کر کے نماز ادا کریں۔

لمافی الھندیۃ(۱/۴۰): شرط ثبوت العذر ابتداء ان یستوعب استمرارہ وقت الصلوۃ کاملا وھو الاظھر کالانقطاع لایثبت مالم یستوعب الوقت کلہ۔

وفیہ ایضاً(۱/۴۱): المستحاضۃ ومن بہ سلس البول او استطلاق البطن او انفلات الریح او رعاف دائم او جرح لایرقأ یتوضؤن لوقت کل صلوۃ ویصلون بذالک الوضوء فی الوقت ماشاؤا من الفرائض والنوافل ھکذا فی البحر الرائق۔ وإن توضا علی السیلان وصلی علی الانقطاع وتم الانقطاع باستیعاب الوقت الثانی اعاد کذا فی شرح منیۃ المصلی لابراھیم الحلبی وکذا اذا انقطع فی خلال الصلوۃ وتم الانقطاع ھکذا فی المضمرات۔ ویبطل الوضوء عند خروج وقت المفروضۃ بالحدث السابق ھکذا فی الھدایۃ وھو الصحیح ھکذا فی المحیط فی نواقض الوضوء...

متی قدر المعذور علی ردّ السیلان برباط أو حشوأو کان لو جلس لا یسیل ولو قام سال وجب ردہ ویخرج بردہ عن ان یکون صاحب العذر بخلاف الحائض اذا منعت الدرور فانھا حائض۔

Marfat.com

فصل فی الحیض والنفاس

(حیض ونفاس سے متعلق مسائل کا بیان)

(۲۰۹) عادت سے پہلے ماہواری آنے کا حکم

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری عادت ہے کہ مجھے ہر ماہ چھ دن خون آتا ہے جو بارہ تاریخ سے شروع ہو کر اٹھارہ تاریخ تک عام طور پر رہتا ہے لیکن اس مرتبہ آٹھ تاریخ سے شروع ہو گیا ہے تو کیا یہ ماہواری خون ہوگا اور ان دنوں میں نماز وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... یہ ماہواری خون ہی شمار کیا جائے گا بشرطیکہ وہ تین دن سے کم نہ ہو، کیونکہ ان دونوں ماہواری کے درمیان پندرہ دن سے زائد کا فاصلہ ہے، اور پاکی کی اقل مدت پندرہ دن ہے تو آٹھ تاریخ سے شروع ہونے والا خون بھی حیض کا خون ہی شمار کیا جائے گا ان دنوں میں نماز وغیرہ ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔

لما فی الھندیۃ(۳۷/۱): اذا کان الطھر خمسۃ عشر یوماً أو أکثر یعتبر فاصلا فیجعل کل واحد من الدمین او احدھما بانفرادہ حیضا حسب ما امکن من ذلک۔(ص۳۸): (منھا) ان یسقط عن الحائض والنفساء الصلوۃ فلا تقضی ھکذا فی الکفایۃ ------ومنھا ان یحرم علیھما الصوم فتقضیانہ ھکذا فی الکفایۃ۔

وفی الدر المختار(۲۸۵/۱): (واقل الطھر) بین الحیضتین أوالنفاس والحیض (خمسۃ عشر یوماً) ولیا لیھا اجماعا۔ (ص۲۸۴): فبہ تترک الصلوۃ ولو مبتدأۃ فی الأصح، لان الاصل الصحۃ والحیض دم صحۃ شمنی۔

وفی الشامیۃ (۲۸۴/۱): (قولہ فبہ) ای فبا لبروز تترک الصلوۃ وتثبت بقیۃ الأحکام، ولکن ھذا مادام مستمرا لما سیأتی من انہ لوانقطع لدون أقلہ تتوضا وتصلی۔

Marfat.com

(۲۱۰)''بلوغت کے بعد صرف ڈیڑھ دن خون آیا'' ایسی خاتون کی ماہواری کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے ابھی تک صرف ایک دو دفعہ ایک ڈیڑھ دن تک کیلئے ماہواری کا خون آیا ہے جبکہ میری عمر تیس سال ہے، میرے لئے ماہواری کا کیا حکم ہے؟ اور جو دو دفعہ خون آیا تھا وہ ماہواری شمار ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر ماہواری کا خون تین دن سے کم ہو تو وہ حیض شمار نہیں ہوتا، لہٰذا آپ کو جو ایک دو دفعہ خون آیا ہے وہ تین دن سے کم ہے وہ حیض شمار نہیں ہوگا، اور جب تک خون نہ آئے آپ پاک ہیں اور پاکی کی حالت کے جو احکامات ہیں وہی سب آپ کے لئے ہوں گے۔

لمافی ردالمحتار (۲۸۵/۱): الأولی ان تبلغ بالسن وتبقی بلا دم طول عمرها فتصوم وتصلی ویاتیها زوجها وغیر ذلك ابداً...الثانیة ان تری الدم عند البلوغ او بعده أقل من ثلاثة ایام ثم یستمر انقطاعه وحکمها کالأولی۔

(۲۱۱) تین دن سے کم خون آنا حیض شمار نہیں ہوگا بلکہ وہ استحاضہ ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت جسکی عمر تقریباً پینتیس (۳۵) سال ہے اور اسے ہر ماہ صرف دو دِن خون آتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ خون حیض شمار ہوگا یا نہیں؟ اور جن دنوں میں یہ خون آتا ہو، ان دنوں میں عورت کیلئے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح دیگر احکامات مثلاً تلاوت وغیرہ کرنا، قرآن پاک چھونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شریعت میں حیض کی کم سے کم مدت تین دن تین رات اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن دس رات ہے جو خون تین دن تین رات سے کم یا دس دن دس رات سے زیادہ آئے تو وہ خون حیض کا شمار نہیں ہوگا وہ استحاضہ کا خون ہے اور استحاضہ کا حکم پاکی کا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں وہ عورت جس کو ہر ماہ صرف دو دن خون آتا ہے یہ خون حیض کا شمار نہیں ہوگا لہٰذا یہ عورت جس طرح پاکی کے ایام میں فرائض (نماز، روزہ وغیرہ) ادا کرتی ہے اسی طرح ان دنوں میں بھی فرائض ادا کرے گی اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا یا باوضواسے چھونا سب اس کے لیے جائز ہوگا البتہ اس پر معذور کے احکامات آئیں گے۔

لمافی بدائع الصنائع(۲۸۸/۱): ولنا ماروی ابو امامة الباهلی۔ رضی الله عنه۔ عن النبی ﷺ انه قال ''اقل ما یکون الحیض للجاریة الثیب والبکر جمیعا ثلاثة ایام واکثرما یکون من الحیض عشرة ایام وما زاد علی العشرة فهو استحاضة'' وهذا حدیث مشهور، وروی عن جماعة من الصحابة رضی الله عنهم... واما الثانی فذکر ظاهر الروایة ان اقل الحیض ثلاثة ایام

Marfat.com

ولیالیها۔

وفی الدر المختار(۲۸۴/۱): و(اقله ثلاثة ایام ولیالیها) الثلاث. فالاضافة لبیان العدد المقدر بالساعات الفلکیة لا للاختصاص، فلا یلزم کونها لیالی تلك الایام وکذا قوله(واکثره عشرة) بعشر لیال کذا رواه الدار قطنی وغیره۔

(۲۱۲) ماہواری کے دنوں میں خون رکنے کا حکم اور اس وقت میں اعمال کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے اٹھارہ تاریخ سے خون شروع ہو کر پچیس تاریخ تک جاری رہتا ہے لیکن درمیان میں کبھی ایک گھنٹے کیلئے کبھی دو گھنٹے اور کبھی ایک آدھ دن کیلئے رک کر پھر جاری ہو جاتا ہے جس وقت خون بند ہو جاتا ہے اتنا وقت پاک شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ اس وقت نماز پڑھنا اور تلاوت کرنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... ایام ماہواری کے جن اوقات میں خون آنا رک جاتا ہے وہ ایام ماہواری ہی کے شمار ہوتے ہیں اس لئے آپ کا ماہواری کے دنوں میں ان اوقات میں بھی نماز پڑھنا تلاوت کرنا درست نہیں۔

لما فی البحر الرائق(۳۵۸/۱): وقال محمد رحمه الله: الطهر المتخلل ان نقص عن ثلاثة ایام ولو بساعة لا یفصل اعتباراً بالحیض فان کان ثلاثة فصاعداً فان کان مثل الدمین أو أقل فکذلك تغلیباً للمحرمات لان اعتبار الدم یوجب حرمتها واعتبار الطهر یوجب حلها فغلب الحرام الحلال وان کان اکثر فصل ثم ینظر ان کان فی احد الجانبین مایمکن أن یجعل حیضا فهو حیض والاخر استحاضة وان لم یکن فالکل استحاضة...

وفی الشامیة(۲۸۹/۱): ثم اعلم ان الطهر المتخلل بین الدمین اذا کان خمسة عشر یوماً فأکثر یکون فاصلا بین الدمین فی الحیض اتفاقا فما بلغ من کل من الدمین نصابا جعل حیضا۔ وانه اذا کان أقل من ثلاثة أیام لایکون فاصلاً وان کان اکثر من الدمین اتفاقا۔ فلو رأت مبتدأة یوما دماً ویومین طهرا ویوما دما فالأربعة حیض لان الطهر المتخلل دون ثلاث وهو لا یفصل اتفاقا۔

(۲۱۳) تین دن ماہواری آکر دس دن کے بعد پھر آنے والے خون کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کو رمضان المبارک میں حیض تین دن تک رہا پھر وہ پاک ہوگئی پھر اس نے دس روزے رکھے پھر حیض شروع ہوگیا اور ایک دن رہا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ حیض ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو

Marfat.com

ایک مہینے میں دومرتبہ حیض کس طرح آیا؟ اگر استحاضہ ہے تو پھر جو روزے رکھے ہیں وہ ہو گئے ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......مذکورہ عورت کو جب مکمل تین دن ورات خون (حیض) آیا پھر وہ پاک ہوگئی تو اس کا حیض ختم ہوگیا۔ دس روزے رکھنے کے بعد جو خون آیا وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے اور جو دس روزے اس نے رکھے ہیں وہ بھی ہو گئے ہیں لہٰذا عورت نے اگر استحاضہ کے دوران نمازیں نہیں پڑھیں تو روزہ کی قضا کے ساتھ ساتھ نمازوں کی قضا بھی کرے۔

لما فی خلاصة الفتاویٰ(۱/۲۲۳): الفاصل بین الدمین الطهر اذا کان اقل من خمسة عشر یوما لا یعتبر ولا یصیر فاصلا بین الدمین ویصیر کالدم المتوالی عند ابی یوسف رحمه الله واذا کان خمسة عشر یوما او اکثر یعتبر فاصلا۔

وفی الهندیة(۱/۳۶): اقل الحیض ثلاثة ایام وثلاث لیال فی ظاهر الروایة هکذا فی التبیین واکثره عشرة ایام ولیالیها کذا فی الخلاصة... (۱/۳۷) روی ابو یوسف عن ابی حنیفة ان الطهر المتخلل بین الدمین اذا کان اقل من خمسة عشر یوما لم یفصل وکثیر من المتاخرین أفتوا بهذه الروایة لانها اسهل علی المفتی والمستفتی... والاخذ بهذا ایسر کذا فی الهدایة وعلیه استقر رأی الصدر الشهید حسام الدین وبه یفتی کذا فی المحیط۔

وفی الدر المختار(۱/۲۸۴-۲۸۵): والحیض دم صحة شمنی و(اقله ثلاثة ایام بلیالیها)... (واکثره عشرة) بعشر لیال ... (والناقص) عن اقله (والزائد) علی اکثره... (استحاضة واقل الطهر) بین الحیضتین او النفاس والحیض (خمسة عشر یوما) ولیالیها اجماعا (ولا حد لاکثره)۔

وفی کتاب الفقه(۱/۱۲۹): فلو حاضت المرأة ثم انقطع حیضها بعد ثلاثة ایام مثلا واستمر منقطعا الی اربعة عشر یوما او اقل ثم رأت الدم لا یکون حیضا۔

وفیه ایضاً(۱/۱۳۰): وحکم الاستحاضة انها لا تمنع شیئاً من الاشیاء التی یمنعها الحیض والنفاس الخ۔

(۲۱۴) ماہواری کے بعد سفیدی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک خاتون کو جب ماہواری آتی ہے تو سات دن سرخ کالے رنگ کا خون آتا ہے اس کے بعد سفیدی آتی ہے، آیا یہ سفیدی حیض شمار ہوگی اس کے ہوتے ہوئے نماز روزے کا کیا حکم ہوگا۔ نیز اگر یہ سفیدی کپڑوں پر لگ جائے یا بدن پر لگ جائے تو کپڑے یا بدن نجس ہوں گے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سات دن جو سرخ کالے رنگ کا خون آتا ہے یہ حیض ہے اس کے بعد جو سفیدی آتی ہے یہ

Marfat.com

حیض شمار نہیں ہوگی بلکہ یہ حیض ختم ہونے کی علامت ہے اس کے اندر نماز روزہ لازم ہے۔البتہ اس سفیدی کے کپڑوں یا بدن پر لگ جانے سے کپڑے یا بدن ناپاک ہوجاتے ہیں ان کا دھونا ضروری ہے۔

لمافی المحیط البرھانی(۱/۲۱۰): واذا وضعت الکرسف فی اول اللیل وھی حائض، ونامت فنظرت الی الکرسف حین اصبحت، فرأت البیاض الخالص فعلیھا قضاء العشاء للتیقن بطھرھا من حیث وضعت الکرسف...

وفی الفقه الاسلامی وادلته(۱/۶۱۳-۶۱۸): ورأی الحنفیة: ان الوان دم الحیض ستة: السواد، والحمرة والصفرة، والکدرة، والخضرة، والتربیة(ای علی لون التراب) علی الأصح: فکل ما یری فی ایام الحیض من ھذه الدماء فھو حیض، حتی تری البیاض الخالص: وھو شیئ یشبه المخاط یخرج عند انتھاء الحیض أوھو القطن الذی تختبر به المرأة نفسھا، اذا خرج أبیض، فقد طھرت

وفیه ایضاً(۱/۶۱۸): والمراد بالطھر: ھو زمان نقاء المرأة من دم الحیض والنفاس وللطھر علامتان: جفاف الدم أوجفوفه والقصة البیضاء: ھی ماء ابیض رقیق یأتی فی آخر الحیض۔

(۲۱۵) کافی عرصہ کے بعد خون کا قطرہ دیکھنے پر ماہواری کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج سے چند سال پہلے میرے یہاں ایک بچے کی ولادت ہوئی تھی۔اس کے بعد سے مجھے ماہواری آنا بند ہوگئی۔میں نے اس کا علاج کروایا تو مجھے ایک روز خون کا قطرہ دکھائی دیا، آیا یہ میری ماہواری شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......حیض کی کم سے کم مدت تین دن ہے اگر تین دن سے کم خون نظر آئے تو یہ حیض کا خون نہیں ہوتا بلکہ یہ استحاضہ کا خون ہوتا ہے لہٰذا جو آپ کو ایک روز خون کا قطرہ نظر آیا ہے یہ آپ کی ماہواری یعنی حیض کا خون نہیں ہے بلکہ استحاضہ کا خون ہے پس اس بناء پر اگر آپ نے فرض نماز چھوڑ دی ہے تو آپ پر اس کی قضاء لازم ہوگی۔

لمافی سنن الدار قطنی (۱/۲۱۷): عن أنس رضی الله عنه قال ''أدنی الحیض ثلاثة واقصاه عشرة قال وکیع: ((الحیض ثلاث إلی عشر فما زاد فھی مستحاضة))۔''

وفی سنن الدار قطنی (۱/۲۱۷): عن سفیان رضی الله عنه قال: ((اقل الحیض ثلاث واکثره عشرة))۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته(۱/۶۱۵):... ان اقل الحیض: ثلاثة ایام ولیالیھا وما نقص عن ذالك فلیس بحیض وانما ھو استحاضة۔

Marfat.com

(۲۱۶) طہر متخلل کا مسئلہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے ہر ماہ دس تاریخ سے سولہ تک ماہواری کا لگا تار خون آتا ہے لیکن اس مرتبہ دس گیارہ کو خون آیا پھر چار دن نہیں آیا اس کے بعد مسلسل چار دن خون آیا تو یہ درمیان میں جو دن گزرے ہیں ان میں نمازوں کا کیا حکم ہوگا اور بعد میں جو چار دن خون آیا ہے یہ حیض کا شمار ہوگا یا استحاضہ ہوگا۔ اس مسئلے میں میری رہنمائی فرمائیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... آپ کی ذکر کردہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ معتادہ ہیں آپ کو ہر ماہ چھ دن خون آتا ہے لیکن اس مرتبہ جو دو دن خون آیا اور چار دن نہیں آیا اور پھر چار دن خون آیا تو یہ تمام دن حیض کے شمار ہوں گے کیونکہ جو چار دن بیچ میں خون نہیں آیا یہ طہر متخلل ہے اور جب طہر متخلل پندرہ دن سے کم ہو تو وہ دم جاری کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا یہ تمام دس دن حیض کے شمار ہوں گے جن میں نماز معاف ہے۔

لمافی الهندية(۱/۳۶۔۳۷): الطهر المتخلل بين الدمين والدماء في مدة الحيض يكون حيضاً... وروى ابو يوسف عن ابي حنيفة ان الطهر المتخلل بين الدمين اذا كان اقل من خمسة عشر يوماً لم يفصل وكثير من المتأخرين أفتوا بهذه الرواية لانها اسهل على المفتي والمستفتي۔

وفي الهندية(۱/۳۷): فان لم يجاوز العشرة فالطهر والدم كلاهما حيض سواء كانت مبتدأة او معتادة وان جاوز العشرة ففي المبتدأة حيضها عشرة ايام وفي المعتادة معروفتها في الحيض حيض والطهر طهر۔

وفيه ايضاً(۱/۳۸): (الاحكام التي يشترك فيها الحيض والنفاس ثمانية) (منها) ان يسقط عن الحائض والنفساء الصلاة فلا تقضى۔

وفي الشامية(۱/۲۸۵): اما المعتادة فما زاد على عادتها ويجاوز العشرة في الحيض والاربعين في النفاس يكون استحاضة كما اشار اليه بقوله او على العادة الخ۔ اما اذا لم يتجاوز الأكثر فيهما فهو انتقال للعادة فيهما فيكون حيضا ونفاسا۔

(۲۱۷) دورانِ حمل آنے والے خون کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے پانچ سال کے بعد دوبارہ حمل ٹھہرا ہے ایک بیٹی ہے چار سال کی، رسولی بھی ہے اور خون کی شکایت بھی ہو جاتی ہے، درد بھی ہوتا ہے، تو میں ایسی صورت میں نماز اور قرآن پڑھ سکتی ہوں؟ اور کوئی دعا یا کچھ پڑھنے کو بتا دیں، اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ میرے بچے کے اعضاء پورے بنائے اور نیک بیٹا عطا کرے آپ بھی دعا

Marfat.com

کروادیں۔کسی حضرت نے بتایا ہے کہ دن میں کسی بھی وقت پانچ تسبیحات ''لاحول ولاقوۃ'' کی آدھے گلاس پانی پر دم کرکے پیو رسولی وہیں ٹھہر جائے گی۔آپ بھی کچھ وظائف بتادیں اور دعاؤں میں بھی یاد رکھئے۔اور مجھے چلنے پھرنے سے خون کی شکایت ہوجاتی ہے؟ کوئی دعا بتائیں تا کہ یہ بند ہوجائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......حمل کی حالت میں نکلنے والا خون استحاضہ یعنی بیماری کا خون کہلاتا ہے لہٰذا آپ کو خون حمل ٹھہرنے کے بعد آرہا ہے اس لئے یہ استحاضہ ہے استحاضہ والی عورت پاک ہوتی ہے لہٰذا آپ وضو کر کے اور خون سے صفائی حاصل کر کے نماز بھی پڑھ سکتی ہیں اور تلاوت بھی کرسکتی ہیں، لیکن اگر وضو کے بعد دوبارہ خون نکل آیا تو وضو ٹوٹ جائے گا اس لئے اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وضو کر کے آپ زیادہ نہ چلیں اور اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی وجہ سے بھی خون جاری ہوجاتا ہے تو پھر بیٹھ کر نماز پڑھیں۔

سات مرتبہ سورۃ الفاتحہ، اس کے اوّل وآخر سات سات مرتبہ درود شریف پڑھ کر پانی پر دم کرکے پئیں اور شفایابی کا یقین اللہ تعالیٰ کی ذات پر رکھیں، انشاء اللہ تعالیٰ جلد صحت یابی عطا فرمائیں گے،ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نیک صالح نرینہ اولاد عطا فرمائے،آمین۔

لمافی مشکوۃ المصابیح(۱/۵۷): عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال فی المستحاضة تدع الصلوة أيام اقرائها التی كانت تحيض فيها ثم تغتسل وتتوضأ عند كل صلوة وتصوم وتصلی۔

وفی الترمذی(۲/۲۶): عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال بعثنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی سرية فنزلنا بقوم فسألناهم القرى فلم يقرونا فلدغ سيدهم فاتونا فقالوا هل فيكم من يرقی من العقرب قلت نعم انا ولكن لا ارقيه حتى تعطونا غنماً قالوا فانا نعطيكم ثلاثين شاة فقبلنا فقرأت عليه الحمد سبع مرات فبرأ وقبضنا الغنم قال فعرض فی انفسنا منها شئ فقلنا لا تعجلوا حتى تاتوا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال فلما قدمنا عليه ذكرت له الذی صنعت قال وما علمت أنها رقية اقبضوا الغنم واضربوا لی معكم بسهم۔

وفی الفتاوی الهندية(۱/۳۷۔۳۸): لو رأت الدم بعد اكثر الحيض والنفاس فی أقل مدة الطهر فما رأت بعد الاكثر إن كانت مبتداة وبعد العادة ان كانت معتادة استحاضة... وكذا ما تراه الحامل ابتداءً أو حال ولادتها قبل خروج الولد كذا فی الهداية... (ص۳۹) (ودم الاستحاضة كالرعاف الدائم لايمنع الصلاة ولا الصوم ولا الوطئ۔

وفی الشامية(۱/۲۹۸): (قوله وقتاً كاملاً) ظرف لقوله دائم، الأولى عدم ذكر هذا القيد: أی قيد الدوام لأنه فی حكمه فی الدوام وعدمه (قوله لا يمنع صوماً الخ) أی ولا قراءة ومس مصحف

Marfat.com

ودخول مسجد، وكذا لا تمنع عن الطواف اذا امنت من اللوث۔

(۲۱۸) دورانِ حمل آنے والے خون اور اس حالت میں پڑھی جانے والی نمازوں کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ڈیڑھ ماہ کا حمل ساقط ہوگیا ہے۔ بچے کے عضو نہیں بنے تھے، بس گوشت ہی گوشت تھا۔ اب چالیس دن تک یا اس سے کم جو خون آئے گا اس میں نماز اور قرآن کی تلاوت کا کیا حکم ہے، اس مسئلے کا جواب لکھ دیں۔ اور جب میرا حمل ساقط نہیں ہوا تھا لیکن خون آرہا تھا تو اس میں نماز اور قرآن کی تلاوت کا کیا حکم ہے، دونوں کے جواب الگ الگ لکھ دیں، جب میرا حمل ساقط نہیں ہوا تھا لیکن خون آنے لگا تھا تو میں نے لیٹے لیٹے نمازیں ادا کیں تھیں میری وہ نمازیں ہوئیں یا نہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب……(۱)۔صورت مسئولہ میں اگر خون ماہواری کی مقدار تک آیا ہو تو یہ ماہواری کا خون شمار ہوگا، اس دوران نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا اور قرآن کی تلاوت وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر خون مقدار حیض سے کم یا زیادہ آنے لگے، اسی طرح دوران حمل جو خون آتا رہا تو یہ سب خون استحاضہ کے حکم میں ہے، یعنی اس دوران آپ کو نمازیں پڑھنا اور روزے رکھنا ضروری ہے اور قرآن کی تلاوت وغیرہ اعمال بھی آپ کرسکتی ہیں۔

(۲) دوران حمل آنے والا خون چونکہ استحاضہ کا ہے لہذا جو نمازیں آپ نے لیٹے لیٹے ادا کی ہیں اگر آپ کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر پڑھنے پر قادر نہیں تھیں تو وہ نمازیں ہوگئیں، ورنہ ان کا اعادہ کرنا آپ پر لازم ہے۔

لما فی الھدایة (۶۷/۱): (والدم الذی تراہ الحامل ابتداء اوحال ولادتھا قبل خروج الولد استحاضة) وان کان ممتدا۔

وفی الھندیة (۳۷/۱): والسقط ان ظھر بعض خلقه من اصبع أو ظفر او شعر ولد فتصیر به نفساء ھکذا فی التبیین، وان لم یظھر شئ من خلقه فلا نفاس لھا فان أمکن جعل المرئی حیضا یجعل حیضا وإلا فھو استحاضة۔

وفی الشامیة (۹۷/۲): لوقدر علی بعض القیام دون تمامه أو کان یقدر علی القیام لبعض القراءة دون تمامھا یؤمر بان یکبر قائما ویقرأ ماقدر علیه ثم یقعد إن عجز وھو مذھب الصحیح لایروی خلافه عن أصحابنا، ولو ترك ھذا خفت ان لاتجوز صلاته۔

(۲۱۹) تین ماہ کا حمل ضائع ہونے کے بعد آنے والے خون کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی خاتون کا حمل تین مہینے کے بعد ضائع ہوجائے یا

Marfat.com

ضائع کر دیا جائے تو آیا اس کے بعد آنے والا خون حیض سے شمار ہوگا یا نفاس سے شمار کیا جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کسی عورت کا حمل تین ماہ کے بعد ضائع ہو جائے یا ضائع کر دیا جائے تو اگر اس حمل کے اعضاء (مثلاً ہاتھ، پیر وغیرہ) ظاہر ہو گئے ہوں تو پھر اس کے بعد آنے والا خون نفاس شمار ہوگا اور اگر اس حمل کے اعضاء وغیرہ کچھ ظاہر نہ ہوئے ہوں تو پھر اس کے بعد آنے والا خون اگر کم از کم تین روز تک آیا ہو، اور اس سے پہلے ایک طہر تام (پندرہ دن کا دورانیہ) گزرا ہو تو پھر یہ حیض (ماہواری) ہے اور اگر یہ صورت بھی نہ ہو تو پھر یہ خون نہ نفاس ہے اور نہ حیض بلکہ استحاضہ (بیماری) کا خون ہوگا۔

لما فی الهندية (۱/۳۷): والسقط ان ظهر بعض خلقه من اصبع أو ظفر أو شعر ولد فتصير به نفساء هكذا فی التبيين۔

و فی الدر المختار (۱/۳۰۲): (وسقط) مثلث السين أی مسقوط (ظهر بعض خلقه كيد أو رجل) أو اصبع أو ظفر أو شعر ولا يستبين خلقه الا بعد مائة وعشرين يوما (ولد) حكما (فتصير) المرأة (به نفساء والامة ام ولد ويحنث به) فی تعليقه وتنقضی به العدة فان لم يظهر له شئ فليس بشئ والمرئی حيض ان دام ثلاثا وتقدمه طهر تام والا استحاضة۔

وفی الفقه الاسلامی (۱/۶۲۱): ويعد الدم عند هؤلاء دم النفاس بخروج اكثر الولد ولو متقطعاً عضواً عضواً ولو سقطاً استبان فيه بعض خلقة الانسان كاصبع أو ظفر......... فان رأت دما بعد القاء نطفة او علقة فليس بنفاس۔

(۲۲۰) ماہواری میں تعلیم قرآن کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت اپنی ماہواری کے ایام میں قرآن کریم کی تلاوت کر سکتی ہے یا نہیں؟ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں بچوں کو قرآن پڑھاتی ہوں اگر میں ماہواری کے ایام کی چھٹی کرتی ہوں تو بچوں کے سبق کا حرج ہوتا ہے اور اگر چھٹی نہ کروں تو دوران ماہواری تلاوت کا مسئلہ ہے ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا حل بتائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......عورت کا ماہواری کے ایام میں تلاوت کرنا ناجائز ہے، البتہ معلمہ ہونے کی صورت میں اس قدر گنجائش ہے کہ ہر آیت کے کلمات کو علیحدہ علیحدہ کر کے پڑھائے، مثلاً ''الحمد للہ'' میں ''الحمد'' کو علیحدہ اور ''للہ'' کو علیحدہ پڑھائے تو پھر جائز ہے۔ البتہ قرآن مجید کو یاد رکھنے کے لئے دوسرے سے سننا جائز ہے۔

لما فی الدر المختار (۱/۱۷۲-۱۷۳): (و) يحرم به (تلاوة قرآن) ولو دون آية على المختار (بقصده) فلو قصد الدعاء أو الثناء أو افتتاح أمر أو التعليم ولقن كلمة كلمة حل فی الأصح۔

Marfat.com

(۲۲۱) ماہواری میں خواتین کیلئے تلاوت قرآن کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری چھوٹی بیٹی ماشاء اللہ اب سن بلوغ کو پہنچ چکی ہے۔ وہ پہلے آپ کے مدرسہ میں ہی حفظ کر رہی تھی، اب گھر کے قریب ایک مدرسہ میں پڑھ رہی ہے۔ اس کے متعلق مسئلہ یہ دریافت کرنا تھا کہ ماہواری کے دنوں میں وہ قرآن کریم کی تلاوت اور اسباق کی پابندی کیسے کرے گی؟ نیز کیا ان دنوں میں خواتین دل ہی دل میں قرآن پاک کی تلاوت کر سکتی ہیں؟

الجواب بعون الملک الوہاب......عورتوں کا حالت حیض میں قرآن کریم کو چھونا اور زبان سے اس کی تلاوت کرنا جائز نہیں اور حدیث شریف میں حائضہ عورتوں کے لیے جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ قرآن کریم کی تلاوت کے متعلق ہے کہ حائضہ عورت قرآن کریم نہ پڑھے اور چونکہ پڑھنے کا تعلق زبان سے ہے۔ اس لئے اگر کوئی دل کے اندر پڑھنے کا تصور کرے تو اس کو تلاوت نہیں کہا جائے گا لہٰذا اگر کوئی عورت ماہواری کے دنوں میں قرآن کریم کی تلاوت کا دل ہی دل میں تصور کرے تو جائز ہے۔ نیز اشد ضرورت کی بناء پر فقہاء کرام نے جواز کی یہ صورت بیان کی ہے کہ کلمات کو توڑ توڑ کر پڑھ سکتی ہے پوری آیت نہ پڑھے جیسا کہ معلمہ وغیرہ۔

لہٰذا آپ کی بیٹی کے لیے ماہواری کے ایام میں قرآن کریم کی تلاوت زبان سے جائز نہیں ہے البتہ اسباق کی پابندی اس طور پر کرے کہ کلمات کو توڑ توڑ کر پڑھے یا کسی دوسرے سے سن لے یا پھر دل ہی دل میں تلاوت کا خیال کر لیا کرے۔

لما فی جامع الترمذی(۱/۳۴): عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن۔

وفی بدائع الصنائع(۱/۶۸۵): أن القراءة فعل اللسان وذلك بتحصيل الحروف ونظمها على وجه مخصوص۔

وفی الهداية(۱/۳۵۲، جزء اوّل)مکتبۃ ادارۃ القرآن: وقال الكرخي أدنى الجهر ان يسمع نفسه وأدنى المخافتة تصحيح الحروف لان القراءة فعل اللسان۔

وفی الدر المختار (۱/۱۷۲): (و)يحرم به (تلاوة القرآن) ولو دون آية على المختار (بقصده) فلو قصد الدعاء أو الثناء أو افتتاح أمر او التعليم ولقن كلمة كلمة حل فی الأصح۔

وفی الشامية تحته: (قوله او التعليم) فرق بعضهم بين الحائض والجنب بأن الحائض مضطرة لأنها لا تقدر على رفع حدثها بخلاف الجنب والمختار انه لا فرق (قوله ولقن كلمة كلمة) هو المراد بقول المنية حرفا حرفا كما فسره به فی شرحها، والمراد مع القطع بين كل كلمتين۔

Marfat.com

(۲۲۲) حالت حیض میں وطی کرنے سے صرف توبہ واستغفار لازم ہے کوئی کفارہ واجب نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں کراچی کے ایک مدرسے میں پڑھتا ہوں ہمارے مہتمم صاحب چھٹی کے معاملے میں بہت سخت ہیں سوائے عید کے ایام کے باقی ایام میں چھٹی کو گناہ کبیرہ تصور کرتے ہیں میری نئی نئی شادی ہوئی ہے بیوی کے بغیر چارہ نہیں ہوتا میں نے مشکل سے مہتمم صاحب سے ششماہی امتحان کے موقعہ پر ایک ہفتہ چھٹی لی، جب گھر آیا تو بیوی کے حیض کے ایام چل رہے تھے میرے سے برداشت نہ ہوسکا میں حیض کی حالت میں ہمبستری کرتا رہا چونکہ مجھے معلوم تھا کہ بعد میں چھٹی نہیں ملے گی۔ یہ موقع بھی غنیمت ہے جب واپس آیا تو میں کافی پریشان رہا کہ میں نے حالت حیض میں ہمبستری کر کے غلط کام کیا ہے اب آپ حضرات میری رہنمائی کریں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور میرے اوپر کیا کفارہ ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......حالت حیض میں وطی کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اگر کسی سے غلطی سے یہ فعل سرزد ہوجائے تو اس پر توبہ واستغفار لازم ہے اس کے علاوہ کوئی کفارہ واجب نہیں۔ جب آپ سے یہ غلطی ہوگئی ہے تو اللہ کے حضور توبہ واستغفار کریں اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کریں اللہ بخشنے والا مہربان ہے البتہ مستحب یہ ہے کہ اگر شروع ایام میں وطی کی ہو تو ایک دینار اور آخر ایام میں کی ہو تو نصف دینار کی بقدر قیمت صدقہ بھی کر دیں۔

لمافی الدرالمختار مع الشامیة (۱/۲۹۷-۲۹۸): (و)وطؤھا (یکفر مستحله) کما جزم به غیر واحد وکذا مستحل وطء الدبر عندالجمھور (وقیل لا یکفر) فی المسألتین وھو الصحیح خلاصة (وعلیه المعول) لانه حرام لغیره (قوله ووطؤھا) ای الحائض قال فی الشرنبلالیة ولم ارحکم وطء النفساء من حیث التکفیر اما الحرمة فمصرح بھا... ثم ھو کبیرة لو عامداً مختاراً عالماً بالحرمة لاجاھلاً او مکرھاً او ناسیاً فتلزمه التوبة۔ ویندب تصدقه بدینار او نصفه، ومصرفه کزکاة وھل علی المرأۃ تصدق قال فی الضیاء: الظاھر لا۔ (قوله ثم ھو) ای وطء الحائض (قوله لا جاھلاً الخ) ھو علی سبیل اللف والنشر... والظاھر ان الجھل انما ینفی کونه کبیرة لا اصل الحرمة اذ لا عذر بالجھل بالأحکام فی دارالاسلام ...(قوله ویندب الخ) لما رواہ احمد وابو داؤد والترمذی والنسائی عن ابن عباس مرفوعاً، فی الذی یاتی امراته وھی حائض قال: یتصدق بدینار او نصف دینار'' ثم قیل ان کان الوطء فی اول الحیض فبدینار أو اخرہ فبنصفه۔

وفی سنن النسائی(۱/۴۳): عن ابن عباس عن النبی ﷺ فی الرجل یاتی امراته وھی حائض یتصدق بدینار او بنصف دینار۔

Marfat.com

(۲۲۳) ماہواری کے دوران فضائل اعمال پڑھنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت اپنے مخصوص ایام میں فضائل اعمال ہاتھ میں لیکر پڑھ سکتی ہے جبکہ اس میں بعض اوقات قرآن کی آیات یا ان کا ترجمہ اور عام طور پر احادیث مقدسہ ہوتی ہیں، ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں عورت کا ماہواری کے ایام میں فضائل اعمال یا اس جیسی دوسری ایسی کتابوں کا ہاتھ میں لینا یا پڑھنا جائز ہے جن میں دوسرے کلام کے ساتھ قرآن کی آیات بھی ملی ہوئی ہوں، بشرطیکہ قرآن کی آیات پر ہاتھ نہ لگایا جائے۔

لمافی الدرالمختار (۲۹۱/۱):(و)یمنع حل(دخول مسجد)...(۲۹۳/۱) (وقراءۃ قرآن) بقصده (ومسه)ولومکتوبا بالفارسیة فی الأصح (الا بغلافه) المنفصل۔

وفی الشامیة (۲۹۳/۱): (ومسه)ای القرآن ولو فی لوح أو درهم أو حائط لکن لایمنع الامن مس المکتوب بخلاف المصحف فلایجوز مس الجلد وموضع البیاض منه۔

(۲۲۴) گولیاں کھا کر ماہواری کا خون بند کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوی کو ہر ماہ آٹھ تاریخ سے سترہ (۱۷) تاریخ تک خون آتا ہے اور میں گھر سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک اسکول میں ملازم ہوں ہفتے کے بعد گھر آتا ہوں دو راتیں ٹھہر کر واپس چلا جاتا ہوں اس مرتبہ جب آیا تو بیوی کو ماہواری کا خون آرہا تھا میں نے کہا چلو اگلے ہفتے ہمبستری کرلیں گے اس نے کہا معمول کو ترک کرنا اچھا نہیں ہے خواہ مخواہ یہ جمعرات بددعا دے گی میں ابھی بندوبست کرلیتی ہوں اس نے گولیاں کھالیں جن سے خون بند ہوگیا اب حیض کے ایام میں خون کو گولیوں کے ذریعے بند کر کے ہمبستری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......خون بند کرنے والی گولیاں اگر حیض شروع ہونے سے پہلے کھائی جائیں اور پھر مقررہ ایام میں خون جاری نہ ہو تو عورت کیلئے مقررہ ایام پاکی کے شمار ہوں گے اور اگر حیض ہونے کے بعد کھائی جائیں تو اگر تین دن سے پہلے پہلے خون بند ہوگیا ہے اور اس کے بعد دس دن تک دوبارہ خون نہیں آیا تو پاکی کے احکام جاری ہوں گے اور جماع کرنا بھی جائز ہوگا اور اگر تین دن کے بعد خون بند ہوا ہے تو عورت کی جو عادت ہوگی اس وقت تک جماع کرنا جائز نہیں ہوگا اور عادت کے بعد بھی اس وقت جائز ہوگا جب عورت غسل کرلے۔ بس صورت مسئولہ میں عورت نے حیض شروع ہونے کے بعد گولیاں کھائی تھیں پھر اگر تین دن خون جاری رہنے کے بعد کھائی تھیں تو اس پر خون بند ہونے کے باوجود پاکی کے احکام جاری نہیں ہوئے تھے اور جماع کرنا بھی جائز نہیں تھا لہٰذا

Marfat.com

آپ دونوں نے جماع کر کے گناہ کا ارتکاب کیا، توبہ واستغفار لازم ہے۔

لمافی فتاوی اللجنة الدائمة(۵/۴۰۰): يجوز أن تستعمل المرأة أدوية فی رمضان لمنع الحيض اذا قرر أهل الخبرة الأمناء من الدكاترة ومن فی حكمهم أن ذلك لا يضرها ولا يؤثر علی جهاز حملها وخيرلها أن تكف عن ذلك وقد جعل الله لها رخصة فی الفطر اذا جاء ها الحيض فی رمضان۔

وفی اعلاء السنن(طبع بيروت)(۱/۳۴۰): وفی الثالث: وهو ما اذا انقطع لدون العادة لا يقربها وان اغتسلت مالم تمض عادتها... وفی الثالثة لا يجوز قربانها قبل الغسل وبعده مالم تمض عادتها وهذا باجماع۔

وفی الهندية(۱/۳۹): لو انقطع دمها دون عادتها يكره قربانها وإن اغتسلت حتی تمضی عادتها وعليها أن تصلی وتصوم للاحتياط هكذا فی التبيين۔

(۲۲۵) اسقاط حمل کے بعد آنے والے خون کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ایک عزیزہ کا پانچ ماہ کا حمل خود بخود ساقط ہو گیا، ڈاکٹر نے حمل ساقط ہونے کے بعد صفائی وغیرہ کی اس کے بعد صرف دو دن خون آیا، اب یہ دو دن آنے والا خون نفاس شمار ہوگا؟ اور اس کی نماز معاف ہوگی یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں یہ خون نفاس کا ہے لہٰذا آپ کی عزیزہ پر ان دنوں کی نماز معاف ہے۔

لمافی الدرالمختار(۱/۳۰۲): (وسقط) مثلث السين ای مسقوط(ظهر بعض خلقه كيد او رجل) او إصبع او ظفر او شعر ولا يستبين خلقه الا بعد مائة وعشرين يوماً (ولد) حكماً(فتصير) المرأة(به نفساء والأمة ام ولد)

(۲۲۶) بذریعہ آپریشن ولادت ہو تو بعد میں آنے والے خون کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر آپریشن کے ذریعے بچہ پیدا ہو تو بعد میں آنے والے خون کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں آپریشن کے بعد آنے والا خون، اگر زخم سے نہ رس رہا ہو بلکہ رحم سے آرہا ہو تو نفاس کا ہوگا، ورنہ نہیں۔

Marfat.com

وفی الهندية(۱/۳۷): ولو ولدت من قبل سرتها بأن كان ببطنها جرح فانشقت وخرج الولد منها، تكون صاحبة جرح سائل لانفساء هكذا فی الظهيرية والتبيين إلا إذا خرج من الفرج دم عقيب خروج الولد من السرة فانه حينئذ يكون نفاساً هكذا فی التبيين۔

وفی الدرالمختار(۱/۲۹۹): فلو ولدته من سرتها، إن سال الدم من الرحم فنفساء. والا فذات جرح، وإن ثبت له احكام الولد۔۔۔۔۔ وحكمه كالحيض فی كل شيئ الافی سبعة ذكرتها فی الخزائن۔

وفی اللجنة الدائمة (۵/۴۱۹): سوال: بعض النسوة تعسر عليهن الولادة فيضطر إلى توليدهن بطريقة العملية الجراحية، ولربما يحصل من جراء ذالك خروج الولد عن طريق غير الفرج۔ فما حكم أمثال هولاء النسوة فی الشرع من ناحية دم النفاس؟ وما حكم غسلهن شرعاً؟
جواب: حكمها۔ حكم النفساء، ان رأت دماً جلست حتى تطهر، وإن لم ترد ماً فانها تصوم وتصلی كسائر الطاهرات۔

(۲۲۷) معتادہ کا خون نفاس میں عادت سے تجاوز کر جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی عورت کی عادت ہو کہ اس کو نفاس کا خون پانچ دن آتا ہے لیکن اب اس کو بیس دن تک خون جاری رہا تو کیا یہ سارا خون نفاس کا شمار ہوگا یا پانچ دن نفاس کا شمار ہوگا اور باقی استحاضہ کا خون سمجھا جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر عورت معتادہ (جس کی عادت مقرر) ہو اس کا خون عادت (مثلاً پانچ دن) سے تجاوز کر کے چالیس دن کے اندر (مثلاً بیس دن پر) بند ہو جائے تو وہ نفاس کا خون شمار ہوگا اور سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت بدل گئی ہے پہلے پانچ دن تھی اور اب بیس دن ہوگئی ہے اور اگر چالیس دن سے بھی تجاوز کر جائے تو اس کی عادت برقرار رہے گی اور اس کی عادت کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ کا شمار ہوگا یعنی پہلے پانچ دن صرف نفاس اور باقی دن استحاضہ کے ہوں گے۔

لما فی التاتارخانية(۱/۳۹۱): ولوكانت المرأة لها عادة معروفة فی النفاس وهی التی ولدت غير مرة فكلما رأت من الدم ولم يجاوز الأربعين فذلك كله نفاس بالإجماع۔

وفی الهندية(۱/۴۰): وكذا النفاس فان رأت لاعلی العادة ولم يجاوز الاربعين انتقلت۔هكذا فی المحيط۔

وفی الشامية(۱/۳۰۱): فان جاوز الدم الأربعين فالعادة باقية ترد اليها والباقی استحاضة وان

Marfat.com

لم یجاوز انتقلت العادۃ الی مارأتہ والکل نفاس۔

(۲۲۸) جس عورت کے چھ مہینے سے کم مدت میں دو بچے پیدا ہوئے اس کے نفاس کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زبیدہ خاتون کے پیٹ میں دو بچے تھے اس نے ایک کو جنم دیا ہے دوسرا پیٹ میں موجود ہے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تو انہوں نے کہا کہ یہ ایک ماہ بعد پیدا ہوگا اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس کا نفاس کب سے سمجھا جائے گا؟ اگر پہلے بچے سے شروع ہے تو دوسرے بچے کے بعد آنے والا خون نفاس ہوگا یا استحاضہ؟

الجواب بعون الملک الوھاب……اگر کسی عورت کو چھ مہینے سے کم مدت میں دو بچے پیدا ہوں تو شیخین رحمہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عورت کا نفاس پہلے بچے کے پیدا ہونے کے بعد شمار ہوگا۔یہی قول راجح ہے پس اگر دوسرا بچہ چالیس دن کے اندر مثلاً تیس دن بعد ہوا تو اس کے بعد دس دن تو نفاس کے شمار ہوں گے تاکہ نفاس کی مدت چالیس دن پوری ہو جائے اور اگر دوسرا بچہ چالیس دن کے بعد پیدا ہوا تو اس کے بعد آنے والا خون استحاضہ کا ہوگا۔لہٰذا زبیدہ خاتون کا نفاس پہلے بچے سے شروع ہوگیا ہے اگر دوسرا بچہ ایک ماہ بعد پیدا ہوا تو اس کے بعد دس دن تو نفاس کے شمار ہوں گے اور اس کے بعد والا خون استحاضہ ہوگا۔فقط، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

لمافی الطحطاوی علی الدر(۱/۱۵۳۔۱۵۴): قولہ من الاوّل لانہ بالولد الاول ظھر انفتاح الرحم فکان المرئ عقبہ نفاساً وھو المعتمد وافاد المصنف ان ماتراہ عقب الثانی ان کان قبل الاربعین فھو نفاس للاول لتمامھا واستحاضۃ بعد تمامھا فتغتسل وتصلی مما وضعت الثانی وھو الصحیح کذا فی البحر۔

وفی الدر المختار مع شرحہ (۱/۳۱۰): (والنفاس لام توأمین من الاول) ھما ولد ان بینھما دون نصف حول وکذا الثلاثۃ ولو بین الاول والثالث اکثر منہ فی الاصح (و) انقضاء (العدۃ من الاخیر وفاقاً) لتعلقہ بالفراغ...

وفی الشامیۃ تحتہ: قولہ من الاول والمرئی عقیب الثانی ان کان فی الاربعین فمن نفاس الاول والا فاستحاضۃ وقیل اذا کان بینھما اربعون یجب علیھا نفاس من الثانی والصحیح ھو الاول عنایۃ وبحر ثم ما ذکرہ المصنف قولھما وعند محمد وزفر النفاس من الثانی قولہ لتعلقہ بالفراغ)ای لتعلق انقضاء العدۃ بفراغ الرحم وھو لا یفرغ الابخروج کل مافیہ...

(۲۲۹) نفاس کے بعد کب تک نماز معاف ہے؟

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد جو خون آتا ہے اس میں کتنے دن

Marfat.com

تک نماز نہیں پڑھنی چاہیے؟ ہمارے ہاں مشہور ہے کہ چالیس دن تک نماز نہیں پڑھنی چاہیے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ نیز اگر خون چالیس دن کے بعد بھی بند نہ ہو تو پھر کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر خون چالیس دن تک بند نہ ہو تو چالیس دن تک نماز کی ادائیگی معاف ہے اور اگر چالیس دن سے پہلے بند ہو جائے، تو اسی دن سے نماز پڑھنی لازم ہو جاتی ہے چالیس دن کا انتظار نہیں کیا جائے گا، مثلاً پندرہ دن کے بعد ظہر کی ابتداء میں خون بند ہو گیا تو ظہر کے آخر وقت تک انتظار کریں اگر خون نہ آئے تو غسل کر کے نماز پڑھنی واجب ہو گی اور اگر خون چالیس دن کے بعد بھی جاری رہے تو اس میں دو صورتیں ہیں، اول اس عورت کی پہلے سے کوئی عادت ہے یا نہیں اگر پہلے سے کوئی عادت ہے تو وہی نفاس ہو گا باقی استحاضہ (استحاضہ کے معنی یہ ہیں کہ یہ خون کسی بیماری کی وجہ سے ہے، اس حالت کے سارے احکام ایسے ہوں گے جیسے پاکی کے ہوتے ہیں) شمار ہو گا، اور اگر پہلے سے کوئی عادت نہیں ہے تو چالیس روز تک نفاس ہو گا باقی استحاضہ شمار ہو گا۔

لمافی الدر المختار (۱/۳۰۰-۳۰۱): (واکثرہ اربعون یوما) ... (والزائد) علی أکثرہ (استحاضة) لو مبتدأة أما المعتادة فترد لعادتها وکذا الحیض فان انقطع علی اکثرهما أو قبله فالکل نفاس۔

(۲۳۰) حیض ونفاس سے پاکی کب شمار ہوتی ہے؟ نیز ان ایام کے نماز اور روزوں کی قضاء

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیض ونفاس سے عورتیں کب پاک ہوتی ہیں، وہ کب سے نماز روزہ اور حقوق زوجیت کے قابل ہوتی ہیں؟ خاص طور پر وہ عورتیں جن کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی ہے، وہ کب سے نماز روزہ شروع کریں گی؟ عام رواج کے اعتبار سے چالیس دن تک ایسی عورتیں ناپاک شمار ہوتی ہیں۔ نیز ان ایام کے روزے اور نمازیں قضاء ہوں گی، یا معاف ہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں مطلع فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں حیض کا حکم یہ ہے کہ جب عورت کی ماہواری رک جائے، یا دس دن پورے ہو جائیں تو عورت پاک ہو جاتی ہے، اور اس پر نماز وروزہ کی ادائیگی فرض ہو جاتی ہے اور حقوق زوجیت کے قابل ہونے کیلئے دیکھا جائے گا کہ اگر ماہواری دس دن سے پہلے ختم ہو گئی تھی تو عورت غسل کر لے یا ایک نماز کا وقت گزر جائے، اور اگر ماہواری دس دن تک رہے تو خون کے بند ہوتے ہی حقوق زوجیت ادا کر سکتی ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ پہلے غسل کر لیا جائے۔

اور نفاس کا حکم یہ ہے کہ جب اس کا خون عادت پر بند ہو جائے، یا چالیس دن پورے ہو جائیں تو عورت پاک ہو جائے گی اس پر تمام حقوق وفرائض لازم ہوں گے، یاد رہے کہ نفاس میں چالیس دن پورے کرنا لازم نہیں بلکہ اگر چالیس دن سے پہلے خون بند ہو جائے تو بھی اسی دن سے وہ پاک ہو جائے گی اس پر فرائض کی ادائیگی لازم ہو گی، ہاں اگر چالیس دن یا چالیس دن کے بعد بھی جاری ہو تو پھر چالیس دن کے بعد سے فرائض کی ادائیگی لازم ہو گی، ہمارے ہاں جو مشہور ہے کہ نفاس سے پاکی چالیس دن کے بعد ہوتی ہے چاہے خون پہلے

Marfat.com

ہی کیوں نہ بند ہوجائے یہ صحیح نہیں ہے۔
اور نفاس کے بعد حقوق زوجیت کی ادائیگی کیلئے دیکھا جائے گا کہ نفاس کا خون اس کی عادت کے موافق اور چالیس دنوں سے پہلے بند ہوا ہے یعنی عام طور پر جتنے دنوں میں خون بند ہوتا ہے اتنے ہی دنوں میں بند ہوا ہے، تو غسل کے بعد یا ایک نماز کا وقت گزر جانے کے بعد حقوق زوجیت کی ادائیگی صحیح ہوگی، اور اگر اس کی عادت سے پہلے خون بند ہوجائے تو جب تک عادت کے دن پورے نہ ہوجائیں اس وقت تک حقوق زوجیت کی ادائیگی صحیح نہیں، اور اگر خون چالیس دن پورے ہونے کے بعد بند ہوا ہے تو پھر بغیر غسل کے حقوق زوجیت کی ادائیگی صحیح ہے البتہ غسل کر لینا بہتر ہے۔

لمافی الهندية (۱/۳۸): (منها) ... ان يسقط عن الحائض والنفساء الصلاة فلاتقضى هكذا فى الكفاية ... (ومنها) ان يحرم عليهما الصوم فتقضيانه هكذا فى الكفاية۔

وفى الدر المختار (۱/۲۹۴-۲۹۵): (ويحل وطؤها اذاانقطع حيضها لأكثره) بلا غسل وجوباً بل ندباً (وان)انقطع لدون اقله تتوضأ وتصلى فى آخر الوقت وان (لأقله) فان لدون عادتها لم يحل، وتغتسل وتصلى وتصوم احتياطا وان لعادتها فان كتابية حل فى الحال والا (لا) يحل (حتى تغتسل) ...(أو يمضى عليها زمن يسع الغسل)ولبس الثياب(والتحريمة)يعنى من آخر وقت الصلاة وفى الشامية(ص۲۹۴) :(اذا انقطع حيضها لأكثره) مثله النفاس۔

(۲۳۱) مستحاضہ کے کپڑوں اور بدن کی پاکی کا حکم

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ماہواری کے ایام سات ہیں جو نو (۹) تاریخ سے شروع ہوکر سولہ (۱۶) تاریخ تک رہتے ہیں اب میرے ساتھ یہ مسئلہ ہوگیا ہے کہ عام ایام میں بھی آگے کے راستہ سے پانی کی طرح ایک رطوبت بہتی رہتی ہے، اس رطوبت کا کیا حکم ہوگا اگر یہ کپڑے یا جسم پر لگ جائے تو ان کو دھونا لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... ہر وہ عورت جس کو ایام مخصوصہ کے علاوہ بھی جریان اور سیلان الدم اور رطوبت کا سلسلہ لاحق ہو وہ عورت مستحاضہ کہلاتی ہے اور مستحاضہ معذور کے حکم میں ہوتی ہے اور معذور کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کیلئے وضوء کرے گا اور جب نماز کا وقت نکل جائے تو خروج وقت سے خود بخود اس کا وضو ٹوٹ جائے گا البتہ اس کے بدن اور کپڑوں کی طہارت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر وہ زخم اس طرح ہے کہ اگر اس کی نجاست کو دھولیا جائے اور پوری نماز طہارت کے ساتھ پڑھی جاسکتی ہو، تو اس صورت میں اس خون اور رطوبت کو دھونا ضروری ہے اور اگر پوری نماز طہارت کے ساتھ نہ پڑھی جاسکتی ہو (یعنی دورانِ نماز دوبارہ وہ خون وغیرہ کپڑوں اور بدن کو لگے گا) تو اس صورت میں اس نجاست کو دھونا ضروری نہیں لہٰذا آپ مستحاضہ ہیں اور نماز آپ کے اوپر فرض ہے البتہ بہنے والی رطوبت کو کسی روئی یا کپڑے کے ذریعے روک دیں تاکہ دوران نماز آپ کے بدن اور کپڑے پاک رہیں اور اگر علاج اور تدبیر کے

Marfat.com

باوجود بھی رطوبت کپڑوں یا بدن کو لگ جائے تو پھر اس کا دھونا ضروری نہیں۔

لمافی الفتاویٰ الولوالجیة(۱/۴۲): کل ما یخرج من بدن الحیوان(الانسان) فھو نجس۔

وفی الشامیة(۱/۲۹۸): بان رطوبة الفرج نجسة

وفیه ایضاً مع الدر(۱/۳۰۵۔۳۰۶۔۳۰۷): (وحکمه الوضوء) لاغسل ثوبه ونحوه (لکل فرض) اللام للوقت... (الی ان قال) (وان سال علی ثوبه) فوق الدرھم (جازله ان لایغسله ان کان لو غسله تنجس قبل الفراغ منھا) ای الصلاة (والا) یتنجس قبل فراغه (فلا) یجوز ترك غسله، ھو المختار للفتوی، (قوله وحکمه) ای العذرا وصاحبه (قوله الوضوء) ای مع القدرة علیه والافالتیمم (قوله لاغسل ثوبه) ای ان لم یفد کما یاتی متنا (قوله ونحوه) کالبدن والمکان ط... (الی ان قال) (قوله ھو المختار للفتوی) وقیل لایجب غسله اصلا. وقیل ان کان مقیدا بان لا یصیبه مرة اخری یجب، وان کان یصیبه المرة بعد الاخری فلا واختاره السرخسی بحر

قلت بل فی البدائع انه اختیار مشائخنا وھو الصحیح اھ فان لم یمکن التوفیق بحمله علی مافی المتن فھو اوسع علی المعذورین ویؤید التوفیق مافی الحلیة عن الزاھدی عن البقالی لو علمت المستحاضة انھا لو غسلته یبقی طاھراً الی ان تصلی یجب بالاجماع وان علمت انه یعود نجساً غسلته عند ابی یوسف دون محمد ... (الی ان قال) لکن ھذا قول ابن مقاتل الرازی فانه یقول یجب غسله فی وقت کل صلاة قیاسا علی الوضوء۔

Marfat.com

فصل فی المسح علی الخفین والجبیرة

(موزوں اور پٹی وغیرہ پر مسح سے متعلق مسائل کا بیان)

(۲۳۲) موزے پہننے کی حالت میں دونوں پیروں میں سے ہر ایک پر کم از کم مسح کی مقدار کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص مسح علی الخفین میں دائیں پیر پر دو انگلیوں کے بقدر اور بائیں پر پانچ انگلیوں کے بقدر مسح کرے۔ کیا اس طرح مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب.....مسح علی الخفین میں ہر پیر پر کم از کم تین انگلیوں کے بقدر مسح کرنا ضروری ہے اگر کوئی شخص مسح علی الخفین میں دائیں پیر پر دو انگلیوں کے بقدر اور بائیں پیر پر پانچ انگلیوں کے بقدر مسح کرے جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے تو اسکا مسح درست نہ ہوگا۔

لما فی الهندیة(۱/۳۲): ولو مسح علی رجل قدر أصبعین وعلی أخری قدر خمسة لم یجز۔

وفی الدر المختار(۱/۲۷۲): (وفرضه) عملا(قدر ثلاث أصابع الید) أصغرها طولاً وعرضاً من کل رجل۔

وفی الشامیة تحته : (قوله من کل رجل) أی فرضه هذا القدر کائنا من کل رجل علی حدة قال فی الدرر: حتی لو مسح علی احدی رجلیه مقدار اصبعین وعلی الاخری مقدار خمس أصابع لم یجز۔

(۲۳۳) عذر شرعی کی صورت میں موزوں پر مسح کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کے سلسلے میں ایک سال کیلئے نکلا ہوں۔ ہماری جماعت میں ایک بوڑھا شخص ہے جس کی ہر وقت ہوا خارج ہوتی رہتی ہے اور وہ موزوں پر مسح کرنا چاہتا ہے حالانکہ موزوں پر مسح کرنے کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ کامل وضو پر پہنے ہوئے ہوں، لیکن یہ شخص اس شرط کو پورا نہیں کرسکتا کیونکہ چند سیکنڈ کے بعد فوراً ہوا خارج ہوتی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ شخص ایسی حالت میں موزوں پر مسح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب.....بصحت واقعہ یہ بوڑھا شخص نمازوں کے اوقات کے اندر تو موزوں پر مسح کرسکتا ہے وقت

Marfat.com

کے نکلنے کے بعد مسح نہیں کر سکتا مثلاً ظہر کی نماز کیلئے وضو کر کے موزے پہن لیے، اب ظہر کے وقت کے اندر اس کو حدث (اس حدث کے علاوہ جس میں یہ مبتلا ہے) لاحق ہوتا ہے تو یہ وضو کرتے وقت موزوں پر مسح کر سکتا ہے، ظہر کے وقت کے نکلنے کے بعد مسح نہیں کر سکتا چنانچہ عصر کی نماز کیلئے وضو کرتے وقت پاؤں دھوئے گا۔

لمافی الهندية (۱/۳۴): المعذور اذا كان عذره غير موجود وقت الوضوء ولبس الخفين يجوز له المسح الى المدّة كالاصحاء بخلاف ما اذا وجد العذر مقارنا للوضوء اوللبس احدهما يجوز المسح فى الوقت لاخارجه هكذا فى البحر الرائق۔

وفى الشامية(۱/۲۷۱): ثم انه لا يخلواما ان يكون العذر منقطعاً وقت الوضوء واللبس معاً او موجوداً فيهما، او منقطعاً وقت الوضوء موجوداً وقت اللبس او بالعكس فهى رباعية، ففى الاوّل حكمه كالاصحاء لوجود اللبس على طهارة كاملة فمنع سراية الحدث للقدمين، وفى الثلاثة الباقية يمسح فى الوقت فقط، فاذا خرج نزع وغسل كمافى البحر۔

(۲۳۴) جوتوں اور نائیلون کے موزوں پر مسح کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل موزہ زیادہ تر نائیلون کا ہوتا ہے کیا اس پر مسح جائز ہے؟ نیز کیا جوتے کے اوپر سے بھی مسح ہوسکتا ہے اگر اجازت ہے تو کن شرائط کے ساتھ؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شریعت مطہرہ میں جن موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اُن میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ ٹخنوں سمیت پاؤں کو ڈھانپنے والے ہوں۔ اُن میں مسلسل چلا جا سکے، بغیر رکاوٹ کے پاؤں پر رُکے رہیں اور اُن میں سے پاؤں تک پانی نہ پہنچے۔ لہٰذا مروجہ نائیلون کے موزوں پر ان شرائط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے مسح کرنا درست نہیں نیز جوتوں میں بھی اگر یہ شرائط پائی جائیں تو اِن پر بھی مسح کرنا جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

لمافی المحيط البرهانى(۱/۳۴۳): واما المسح على الجوارب فلا يخلو: إما ان كان الجوارب رقيقا غير منعل، وفى هذا الوجه لا يجوز المسح بلا خلاف، واما ان كان ثخينا منعلاً ففى هذا الوجه يجوز المسح بلا خلاف، لانه يمكن قطع السفر، وتتابع المشى عليه، فكان بمعنى الخف۔ والمراد من الثخين: أن ... سك على الساق من غير أن يشد بشئ، ولا يسقط، فأما اذا كان لا يستمسك ويسترخى، فهذا ليس بثخين، ولا يجوز المسح عليه۔

وفى الشامية (۱/۲۶۱): (قوله شرط مسحه) اى مسح الخف المفهوم من الخفين، وأل فيه للـ... الصادق بالواحد والاثنين، ولم يقل مسحهما لانه قد يكون واحد الذى ...

Marfat.com

ثلاثه امور الخ) زاد الشر نبلالی:لبسهما علی طهارة، وخلو کل منهما عن الخرق المانع، واستمسا کهما علی الرجلین من غیرشد، ومنعهما وصول الماء الی الرجل، وأن یبقی من القدم قدر ثلاثة أصابع۔

(۲۳۵) کون سی جراب پر مسح کرنا جائز ہے؟

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس بہت موٹی جرابیں ہیں جن میں ٹھنڈک بالکل محسوس نہیں ہوتی، تو کیا میں ان جرابوں پر مسح کرسکتا ہوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....صورت مسئولہ میں اگر جرابیں ایسی ہوں کہ بغیر کسی چیز کے سہارے پنڈلی پر ٹھہری رہیں اور ان کو پہن کر لگاتار چلا جاسکتا ہو اور وہ اتنی موٹی ہوں کہ پانی قدم تک تجاوز نہ کرسکتا ہو تو ان جرابوں پر مسح کرنا درست ہے ورنہ نہیں۔

لما فی الهندية(۳۲/۱): ویمسح علی الجورب المجلد وهو الذی وضع الجلد علی اعلاه واسفله هکذا فی الکافی والمنعل وهو الذی وضع الجلد علی اسفله کالنعل للقدم هکذا فی السراج الوهاج۔ والثخین الذی لیس مجلدا ولامنعلا بشرط أن یستمسك علی الساق بلاربط ولایری ماتحته وعلیه الفتوی کذا فی النهر الفائق۔

وفی الشامية (۲۶۹/۱): (قوله علی الشخینین) أی اللذین لیسامجلدین ولا منعلین نهر وهذا التقیید مستفاد من عطف ما بعده علیه وبه یعلم أنه نعت للجوربین فقط کما هو صریح عبارة الکنز...(قوله بحیث یمشی فرسخا) أی فأکثر کمامر وفاعل یمشی ضمیر یعود علی الجورب والاسناد الیه مجازی۔۔۔۔۔(قوله بنفسه)أی من غیر شد،ط (قوله ولا یشف) من شف الثوب رق......(قوله الا ان ینفذ) أی من البلل۔

(۲۳۶) گرم موسم میں موزوں پر مسح کرنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ موزوں پر مسح کرنا پہلے زمانے میں سخت حالات کی وجہ سے جائز تھا کہ سردی کے موسم میں گرم پانی نہیں ملتا تھا، وغیرہ وغیرہ لیکن آجکل یہ مشکلات ختم ہوگئی ہیں تو کیا آجکل بھی موزوں پر مسح کرنا جائز ہے؟ نیز اگر کوئی شخص کسی بیماری یا کسی اور وجہ سے گرم موسم میں بھی موزے استعمال کرے تو کیا اس وقت بھی اس کے لیے مسح کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اللہ تعالیٰ نے اس دین کو قیامت تک کیلئے ضابطہ حیات بنا کر بھیجا ہے، لہٰذا احکامات بھی

Marfat.com

ایسے نازل کیے جو قیامت تک کیلئے نافذ العمل اور قابل عمل ہوں، صرف اس زمانے کے مخصوص حالات کے پیش نظر احکامات نازل نہیں کیے جو تھوڑے بہت ایسے احکامات نازل بھی ہوئے وہ بعد میں منسوخ کر دیے گئے، اسی طرح مسح بھی انہی احکامات میں سے ہے جن کی مشروعیت قیامت تک کیلئے ہے لہٰذا موزوں پر مسح نہ صرف اس زمانے میں جائز تھا بلکہ اس کا جواز ابھی بھی باقی ہے۔ نیز موزوں پر مسح کرنا مطلقاً جائز ہے چاہے سردی کا موسم ہو یا گرمی کا، چاہے بیماری کی حالت میں ہو یا عام صحت کی حالت میں۔

لما فی الصحیح للبخاری (۳۳/۱): عن عروة بن المغیرة عن ابیه المغیرةبن شعبة (رضی الله عنه) عن رسول الله ﷺ انه خرج لحاجته فاتبعه المغیرة بإداوة فیها ماء فصب علیه حین فرغ من حاجته فتوضأو مسح علی الخفین۔

وفی الهندیة (۳۲/۱): المسح علی الخفین رخصة ولو اتی بالعزیمة بعد ما رأی جواز المسح کان اولی۔

(۲۳۷) تیمم کی حالت میں پہنے گئے موزوں پر مسح کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی نے تیمم کی حالت میں موزے پہنے ہوں بعد میں جب وہ وضو کرے تو کیا اُن موزوں پر مسح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... جس نے تیمم کی حالت میں موزے پہنے ہوں بعد میں پانی مل جائے اور پانی کے استعمال پر قدرت بھی ہو، تو اس کیلئے وضو کرتے وقت موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں بلکہ پاؤں دھونا ضروری ہے۔

لمافی الخانیة علی الهندیة (۵۰/۱): المحدث اذا تیمم عند عدم الماء ولبس الخف ثم وجد ماء فانه ینزع خفیه ویغسل رجلیه لان المتیمم عند وجود الماء یصیر محدثا بالحدث السابق۔

وفی الدر المختار (۲۷۰/۱): (ملبوسین علی طهر) فلو أحدث.ومسح بخفیه أولم یمسح فلبس موقه لایمسح علیه (تام) خرج الناقص حقیقة کلمعة ،أومعنی کتیمم ومعذور۔

وفی الشامیة تحته:(قوله کتیمم) ای أن اللبس لوکان بعد التیمم فوجد بعده الماء لایجوز المسح علی الخف بل یجب الغسل۔

(۲۳۸) پھٹے ہوئے موزوں اور موٹی جرابوں پر مسح کرنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس موزے ہیں جو کچھ پھٹے ہوئے ہیں میں ان پر مسح کر سکتا ہوں یا نہیں؟ نیز آج کل جو موٹی جرابیں آتی ہیں ان پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں اگر موزے پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے بقدر پھٹے ہوں تو ایسی صورت میں ان پر مسح کرنا جائز نہیں۔ اگر اس سے کم پھٹے ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

نیز یاد رہے کہ یہ مقدار ایک موزے کے اعتبار سے ہے یعنی اگر ایک موزہ اتنی مقدار میں پھٹا ہوا ہو تو مسح جائز نہیں ورنہ ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

آج کل جو موٹی جرابیں آتی ہیں ان پر مسح کرنا جائز نہیں اس لئے کہ ان میں پانی سرایت کر جاتا ہے۔

لمافی التاتارخانية(۲۷۱/۱): واذا كان فى الخف خرق فان كان يسيرا لايمنع جواز المسح، وان كان كثيراً يمنع... والحدالفاصل بين اليسيرو الكثير أن الخرق اذا كان قدر اصبع او اصبعين فهو يسير وان كان قدر ثلاث أصابع فهو كثير------ ثم على روايات الزيادات اعتبر ثلاث اصابع من اصغر اصابع الرجل وفى الهداية هو الصحيح...(فى صـ۲۷۲) ويجمع الخروق فى خف واحد ولا يجمع فى خفين۔

وفى الشامية (۲۶۹/۱): (قوله أوجوربيه) الجورب لفافة الرجل... (قوله ولو من غزل أوشعر) دخل فيه الجوخ كما حققه فى شرح المنية وقال وخرج عنه ماكان من كرباس بالكسر وهو الثوب من القطن الأبيض ويلحق بالكرباس كل ما كان من نوع الخيط كالكتان والا بريسم ونحوهما وتوقف ح فى وجه عدم جواز المسح عليه اذا وجد فيه الشروط الاربعة التى ذكر ها الشارح... يدل عليه مافى كافى النسفى حيث علل عدم جواز المسح على الجورب من كرباس بأنه لايمكن تتابع المشى عليه فإنه يفيد انه لوأمكن جاز ويدل عليه أيضاً مافى ط عن الخانية ان كل ماكان فى معنى الخف فى ادمان المشى عليه وقطع السفر به ولو من لبد رومى يجوز المسح عليه (قوله على الثخينين) اى اللذين ليسا مجلدين ولامنعلين... (قوله بنفسه) أى من غير شد (قوله ولا يشف) بتشديد الفاء من شف الثوب رق... (قوله الا ان ينفذ) أى من البلل...(وفى صـ۲۷۰) واما الثخين فهوقولهما وعنه انه رجع اليه وعليها الفتوى۔

وفيه أيضا(صـ۲۷۴): (وتجمع الخروق)... (قوله لافيهما) اى لوكان فى كل واحد من الخفين خروق غير مانعة لكن اذا جمعتها تكون مثل القدر المانع لا تمنع ويصح المسح۔

(۲۳۹) موزوں میں پانی چلے جانے سے مسح ٹوٹنے اور تھوڑی پھٹن سے مسح نہ ٹوٹنے میں فرق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی موزے کے اندر پانی چلا جائے چاہے کم مقدار میں

Marfat.com

ہو یا زیادہ مقدار میں ہوتو اس سے مسح ٹوٹ جاتا ہے، اور علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ جن موزوں میں تین انگلیوں کی مقدار سے کم یا دو انگلیوں کی مقدار کے برابر پھٹن ہوتو اس سے مسح نہیں ٹوٹتا ہے، اور اسی طرح اگر کم مقدار میں موزہ پاؤں سے نکل جائے تو اس میں بھی مسح نہیں ٹوٹتا ہے۔ حالانکہ ان دونوں صورتوں میں پانی داخل ہونے کا امکان ہوتا ہے۔لہٰذا شریعت کی روشنی میں ان دونوں کے مابین فرق اور تطبیق کو واضح فرمایئے، کہ موزے کے اندر پانی کے داخل ہونے سے مسح ٹوٹتا ہے چاہے کم مقدار میں ہو یا زیادہ مقدار میں ہو اور موزے میں تین انگلیوں کی مقدار سے کم پھٹن ہو یا موزے کی کم مقدار پاؤں سے نکل جائے تو اس سے مسح نہیں ٹوٹتا ہے حالانکہ ان صورتوں میں بھی پانی داخل ہونے کا امکان ہوتا ہے چاہے کم ہو یا زیادہ لہٰذا واضح فرمایئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جو مسئلہ آپ نے ذکر کیا ہے کہ اگر کسی موزے کے اندر پانی چلا جائے چاہے کم مقدار میں ہو یا زیادہ مقدار میں تو اس سے مسح ٹوٹ جاتا ہے یہ بات آپ کی درست نہیں ہے کیونکہ اکثر فقہاء کرام نے اس بات کو صراحتاً ذکر فرمایا ہے کہ اگر موزے میں پانی تین انگلیوں کی مقدار یا اس سے کم مقدار میں چلا جائے تو اس سے مسح نہیں ٹوٹتا۔جیسا کہ اگر موزوں میں تین انگلیوں کی مقدار سے کم پھٹن ہوتو اس سے مسح نہیں ٹوٹتا اور اسی طرح اگر اکثر قدم سے کم موزہ پاؤں سے نکل جائے تو اس سے بھی مسح نہیں ٹوٹتا۔

پہلی دونوں صورتوں میں کم مقدار کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے البتہ تیسری صورت میں قدم کے اکثر حصے سے کم کا اعتبار کیا گیا ہے یعنی اگر موزہ پاؤں کے اکثر حصے سے کم مقدار میں نکلتا ہے تو اس سے مسح نہیں ٹوٹے گا۔اب اگر موزے میں تین انگلیوں کی مقدار سے کم پھٹن ہے یا موزہ پاؤں سے کم مقدار میں نکل گیا تو اس میں اگر پانی چلا جائے تو کم مقدار میں ہی جائے گا جو کہ ناقضِ مسح نہیں ہے۔ بلکہ بعض فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جب تک اتنا پانی موزے میں نہ چلا جائے کہ اس سے ایک پاؤں کا اکثر حصہ تر نہ ہوجائے تب تک مسح نہیں ٹوٹتا۔لہٰذا تین انگلیوں سے کم مقدار کی پھٹن اور کم مقدار میں موزے کا پاؤں سے نکلنے کی صورت میں اگرچہ پانی کے جانے کا امکان ہے لیکن وہ کم مقدار میں ہی جانے کا امکان ہے اور کم مقدار میں اگر پانی موزوں میں چلا جائے تو اس سے مسح نہیں ٹوٹے گا۔

لمافی الشامیة(۱/۲۷۲): فلو اصاب موضع المسح ماء او مطر قدر ثلاث اصابع جاز. وکذا لو مشی فی حشیش مبتل بالمطر وکذا بالطل فی الاصح...

وفیه ایضاً(۱/۲۷۳): (قوله وهو قدر ثلاث اصابع) یعنی طولا وعرضا، بأن سقطت جلدة مقدار ثلاث اصابع وعرضها کذا فی حاشیة یعقوب باشاعلی صدر الشریعة فلیحفظ

(قوله اصابع القدم الاصاغر) صححه فی الهدایة وفیرها واعتبر الاصاغر للاحتیاط... (قوله بکمالها) هو الصحیح خلافاً لما رجحه السرخسی رحمه الله من المنع بظهور الانامل وحدها۔ شرح المنیة۔ والانامل: رؤوس الاصابع. وهو صادق بما اذا کانت الاصابع تخرج منه بتمامها لکن لا یبلغ هو قدرها طولا وعرضا... (قوله اعتبرا لثلاث) ای التی وقعت فی مقابلة الخرق

Marfat.com

لأن كل اصبع اصل فى موضعها فلا تعتبر بغيرها، حتى لوانكشف الابهام مع جارتها وهما قدر ثلاث اصابع من اصغرها يجوز المسح وان كان مع جارتيها لايجوز۔

وفى الشامية(۱/۲۷۶): (وخروج اكثر قدميه) من الخف الشرعى... (قوله وكذا اخراجه) تصريح بما فهم من الخروج بالاولى، لانّ فى الاخراج خروجا مع زيادة وهى القصد (قولہ فى الاصح) صححه فى الهداية وغيرها، وبه جزم فى الكنز والمنتقى۔

(۲۴۰) کیا عورتوں کیلئے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مردوں کیلئے تو موزوں پر مسح کرنا جائز ہے لیکن میرے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے کچھ عزیز اسلام آباد اور مری میں رہتے ہیں جہاں ہمیں ابھی جانا ہے اور وہاں آج کل سخت سردی ہے، اگر میری اہلیہ موزے پہن لے تو اس کیلئے موزوں پر مسح جائز ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ ہمارے لئے اسلام آباد اور مری کی سردی برداشت کرنا کافی مشکل ہے؟ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری اس مشکل کو حل فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب......جس طرح مردوں کیلئے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اسی طرح عورتوں کیلئے بھی جائز ہے، لہٰذا آپ کی اہلیہ موزوں پر مسح کرسکتی ہیں۔

لمافى الهندية (۱/۳۶):المرأة فى المسح على الخفين بمنزلة الرجل لاستوائهما فى المعنى المجوّز للمسح۔

(۲۴۱) موزوں پر برائے تعلیم مسح کرنے سے مسح کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، بوقت مسح علی الخفین اس کی نیت موزوں پر مسح کی تعلیم دینا مقصود تھی نا کہ طہارت حاصل کرنا، آیا اس طرح مسح علی الخفین درست ہوگیا یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں جب وضو کیا اور موزوں پر مسح کرلیا اور نیت تعلیم کی تھی نا کہ طہارت کی تب بھی مسح درست ہوگیا۔

لمافى الهندية(۱/۳۳): فلو توضأ ومسح على الخفين ونوى التعليم دون الطهارة يصح الخ۔

وفى خلاصة الفتاوىٰ(۱/۲۸): ولو توضأ ومسح على الخف ونوى به التعليم دون الطهارة يصح بناء على مسئلة النية فى الوضوء اهـ

Marfat.com

(۲۴۲) زخم کی پٹی پر مسح کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر جسم کا کوئی حصہ زخمی ہوجائے تو اس پر باندھی جانے والی پٹی عام طور پر زخم سے زائد ہوتی ہے، کیا اس ساری پٹی پر مسح کرنا صحیح ہے، یا پھر پٹی کھول کر زخمی حصہ پر مسح کرنا اور باقی حصہ کو دھونا ضروری ہے؟ نیز یہ مسح غسل کی ضرورت کے وقت بھی کافی ہوگا یا غسل میں پانی پہنچانا ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... صورت مسئولہ میں اگر پٹی زخم سے زائد ہو، اور زخم کا دھونا اور پٹی کا کھولنا زخم کیلئے نقصان دہ ہو تو اس صورت میں تمام پٹی پر مسح کرنا جائز ہے، اور اگر پٹی کا کھولنا اور زخم پر مسح کرنا زخم کیلئے نقصان دہ نہ ہو تو ایسی صورت میں پٹی پر مسح کافی نہ ہوگا بلکہ پٹی کھول کر زخم پر مسح کیا جائے گا اور اردگرد کے حصے کو دھویا جائے گا۔ نیز مسح کے اعتبار سے وضو اور غسل میں کوئی فرق نہیں بلکہ ضرورت کے وقت دونوں صورتوں میں مسح کافی ہوگا۔

لما في رد المحتار (۱/۲۸۰): اذا كانت زائدة على قدر الجراحة فان ضره الحل والغسل مسح الكل تبعاً والا فلا، بل يغسل ما حول الجراحة ويمسح عليها لا على الخرقة ما لم يضره مسحها فيمسح على الخرقة التي عليها ويغسل حواليها وما تحت الخرقة الزائدة لان الثابت بالضرورة يتقدر بقدرها۔

وفي الدر المختار (۲۸۱/): والمحدث والجنب في المسح عليها وعلى توابعها سواء۔

وفي الشامية تحته: (عليها) اى الجبيرة، وعلى توابعها: كخرقة القرحة، وموضع الفصد والكي۔

(۲۴۳) کیا وضوء میں ٹوٹے ہوئے ہاتھ سے پٹی کھولنا ضروری ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک دوست کا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے جراح نے اس کو مضبوط باندھ کر اس پر پٹی چڑھادی ہے تو آیا وضو کے وقت اس پٹی کو کھولنا ہوگا یا اوپر سے دھولینا کافی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... صورت مسئولہ میں وضو کے وقت نہ پٹی کو کھولا جائے اور نہ اوپر سے دھویا جائے بلکہ پٹی پر مسح کرلینا کافی ہے۔ اور پٹی کھولنے اور دھونے کی ضرورت نہیں۔

لما في التاتارخانية (۱/۲۸۶): واذا انكسر عضو من اعضائه وهو محدث فشد عليه العصابة ثم توضأ ومسح على العصابة جاز۔

وفي الدر المختار (۱/۲۸۰): (ويجوز) أي يصح مسحها (ولو شدت بلاوضوء)وغسل دفعاً للحرج (ويترك) المسح كالغسل (إن ضر وإلا لا)۔

Marfat.com

فصل فی المسائل الجدیدۃ والمتفرقۃ

المتعلقۃ بالطہارۃ

(طہارت سے متعلق جدید اور متفرق مسائل کا بیان)

(۲۴۴) بیت الخلاء میں ایسی چیز لے جانا جس پر اللہ پاک کا اسم مبارک یا قرآن مجید لکھا ہو

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیت الخلاء میں ایسی چیز ساتھ لے جانا جس پر اللہ پاک کا اسم مبارک یا قرآن مجید لکھا ہو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... بیت الخلاء جاتے وقت افضل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ یا انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کا نام ہو، یا کوئی قرآنی آیت وغیرہ لکھی ہوئی ہو تو اس کو باہر رکھ کر اندر داخل ہو، تاہم اگر ایسی کوئی چیز کسی کپڑے وغیرہ میں چھپی ہوئی ہو تو اس کے اندر لے جانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر کوئی ایسی چیز جس پر اللہ تعالیٰ یا کسی نبی یا قرآنی آیت یا اور کوئی معظم نام جیسے احمد، عزیز وغیرہ لکھا ہو، اور وہ کسی کپڑے وغیرہ میں چھپی ہوئی نہ ہو بلکہ ظاہر ہو تو اس کا بیت الخلاء وغیرہ کے اندر لے جانا مکروہ ہے۔

لمافی الھندیۃ(۱/۵۰):ویکرہ ان یدخل فی الخلاء ومعہ خاتم علیہ اسم اللہ تعالیٰ أو شیئ من القرآن۔

وفی رد المحتار(۱/۳۴۵): (تتمہ) إذا أراد أن یدخل الخلاء ینبغی أن یقوم قبل ان یغلبہ الخارج ولا یصحبہ شیئ علیہ اسم معظم ولا حاسر الرأس۔

(۲۴۵) قضائے حاجت کے وقت دعاء (تعوّذ) کا محل

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیت الخلاء میں جانے سے پہلے جو تعوذ پڑھا جاتا ہے کیا وہ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے پڑھا جاتا ہے یا بیت الخلاء میں داخل ہونے کے بعد پڑھا جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... بیت الخلاء میں جاتے وقت جو دعا (تعوّذ) پڑھی جاتی ہے وہ بیت الخلاء میں داخل ہونے

Marfat.com

سے پہلے پڑھنی چاہیئے اگر صحراء یا کھلے میدان میں آبادی سے باہر قضائے حاجت کررہا ہے تو ستر (شرمگاہ) کھولنے سے پہلے دعا پڑھے اور بھول جانے کی صورت میں صرف دل میں پڑھے زبان سے نہ کہے۔

لمافی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح(ص۴۰):(قبل دخوله) الأولى التفصيل وهو ان كان المكان معدّا لذلك يقول قبل الدّخول وان كان غير معد كالصحراء ففي أو ان الشروع كتشمير الثياب مثلاً قبل كشف العورة وان نسى ذلك أتى به فى نفسه لا بلسانه۔

(۲۴۶) وضو کے بعد انگلی اٹھا کر شہادت پڑھنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وضو کرنے والا جب وضو سے فارغ ہوجاتا ہے تو اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور پھر دعا کرتا ہے۔کیا اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....وضو سے فارغ ہو کر اس طرح اشارہ کرتے ہوئے دعا پڑھنے کا جواز ثابت ہے۔

لمافی المسلم(۱/۱۲۲): ما منكم من احد يتوضأ فيبلغ او فيسبغ الوضوء ثم يقول اشهد ان لا اله الا الله وان محمد اعبده ورسوله الا فتحت له ابواب الجنة الثمانية يدخل من ايهاشاء۔

وفى الطحطاوى على مراقى الفلاح(ص۶۱): ذكر الغزنوى انه يشير بسبابته حين النظر الى السماء۔

(۲۴۷) استنجاء کے پانی کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب ہم لوگ استنجاء کرتے ہیں تو بعد میں استنجے والا پانی شلوار کو لگ جاتا ہے تو کیا اس سے شلوار ناپاک نہیں ہوتی؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....استنجاء کا پانی شلوار پر لگ گیا تو دیکھا جائے گا، اگر یہ پانی پہلی، دوسری یا تیسری مرتبہ کے دھونے کا ہو (نجاست کے پاک ہونے کا ہے) تو شلوار ناپاک ہوگی۔ اور اگر یہ پانی جو شلوار پر لگا ہے، چوتھی بار دھونے کا ہے، (یعنی پاکی کے بعد کا پانی لگا ہے) تو شلوار نجس نہ ہوگی۔

لمافی التاتارخانية(۱/۲۱۶): والمحدث اذا استنجى فاصاب الماء ذيله اوكمه ان اصابه الماء الاول او الثانى او الثالث يتنجس بنجاسة غليظة وان اصابه الماء الرابع يتنجس بنجاسة الماء المستعمل۔

Marfat.com

(۲۴۸) استنجاء کے وقت ضرورت سے زائد ستر کھولنے کا حکم

سوال...... مفتی صاحب درج ذیل امور سے متعلق سوال کرنا تھا:

(۱)۔ ایک آدمی لوگوں کے مجمع کی وجہ سے پانی سے استنجاء چھوڑ دیتا ہے صرف ڈھیلہ اور کاغذ (ٹشو پیپر) پر اکتفاء کر لیتا ہے اور پھر وضو کر کے نماز پڑھ لیتا ہے۔ آیا اس کی نماز درست ہوگئی یا نہیں؟

(۲)۔ نیز ایک شخص اپنی شرم گاہ کو بوقت استنجاء بقدر ضرورت سے زائد مقدار کھولتا ہے تو آیا یہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... (۱)۔ صورتِ مسئولہ میں مذکورہ شخص کی نماز درست ہوگئی۔

(۲)۔ کسی عذر کی وجہ سے استنجاء کے وقت اپنی شرم گاہ کو ضرورت سے زائد کھولنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

لمافی الهندية (۴۸/۱): يجوز الاستنجاء بنحوحجر منق كالمدر والتراب والعود والخرقة والجلد وما اشبهها......... والاستنجاء بالماء أفضل إن أمكنه ذلك من غير كشف العورة وان احتاج إلى كشف العورة يستنجي بالحجر ولا يستنجي بالماء كذا في فتاوىٰ قاضيخان۔

وفيه ايضاً (۵۰/۱): ويكره ان يبول... او متجردا عن ثوبه من غير عذر فان كان بعذر فلا باس به۔

(۲۴۹) کشف عورۃ کا خطرہ ہو تو استنجاء بالماء افضل ہے یا استنجاء بالاحجار

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ استنجاء بالماء افضل ہے یا استنجاء بالحجر افضل ہے، نیز اگر کشف عورۃ کا خطرہ ہو، تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... کشف عورۃ کا خطرہ نہ ہو تو استنجاء بالماء افضل ہے اور اگر کشف عورۃ کا خطرہ ہو تو استنجاء بالحجر کرنا چاہیے۔

لمافی الهندية(۴۸/۱): والاستنجاء بالماء أفضل إن أمكنه ذلك من غير كشف العورة وان احتاج إلى كشف العورة يستنجي بالحجر ولا يستنجي بالماء كذا في فتاوىٰ قاضيخان۔

وفي الشامية (۳۳۸/۱): ثم اعلم أن الجمع بين الماء والحجر افضل ويليه في الفضل الاقتصار على الماء اهـ۔

Marfat.com

(۲۵۰) رکعت چھوٹنے کا امکان ہو تو وضو میں مسواک کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص وضو شروع کرے اسی وقت جماعت کھڑی ہو جائے تو اب وہ مسواک کرے یا مسواک کو چھوڑ کر نماز میں داخل ہو جائے اگر تکبیر اولیٰ چھوٹ جانے کا خطرہ ہو یا نماز کی ایک یا دو رکعت چھوٹ جانے کا خوف ہو۔ مسئلہ ھٰذا کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... وضو میں مسواک کرنا سنت ہے اور اس کے استعمال سے نماز کے ثواب میں زیادتی ہوتی ہے اور تکبیر اولیٰ اور رکعت کا حصول اولیٰ یا مستحب ہے اور دونوں میں فی نفسہٖ فضیلت موجود ہے اور جب دو فضیلتوں کا حصول ممکن ہو تو اس میں جو ارجح ہو وہ مقدم ہوگا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں مسواک کو ادا کرے گا اگرچہ تکبیر اولیٰ یا رکعت نکل جائے کیونکہ رکعت کے نکلنے سے جماعت کی فضیلت سے محروم نہیں ہوتا کیونکہ وہ قعدہ اخیرہ کے ملنے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور تکبیر اولیٰ کے ترک سے سنت کا ترک ہونا لازم نہیں آتا۔ البتہ مسواک کے ترک سے مسواک کا ثواب نہیں ملتا اور سنت کا ترک ہونا بھی پایا جاتا ہے۔ اس لئے فعل مسواک کو حصول تکبیر اولیٰ اور رکعت پر مقدم کیا جائے گا البتہ کوشش یہ کرنا چاہیئے کہ مسواک کے ساتھ وضو ذرا پہلے کر لیا جائے اور مسواک کرنے میں زیادہ دیر نہ لگائی جائے تاکہ دونوں فضیلتوں کا پانے والا ہو جائے۔

لما فی جامع الترمذی (۱/۵۶): عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ من صلى لله اربعين يوما فى جماعة يدرك التكبيرة الاولى كتب له براء تان براءة من النار وبراءة من النفاق۔

وفی اعلاء السنن (۱/۴۴-۴۵-۴۶): عن ابی هريرة رضى الله عنه عن رسول الله ﷺ انه قال ''لولا ان اشق على امّتى لامرتهم بالسواك مع كل وضوء'' اخرجه مالك واحمد والنسائى وصححه ابن خزيمة وذكره البخارى تعليقاً۔

قوله عن ابى هريرة الخ، قال المؤلف: دلالته على تاكيد السواك ظاهرة۔ نعم :لا يدل على السنة الاصطلاحية، لانه ليس فيه لفظ دال على مواظبته ﷺ على السواك والحديث الذى بعده صريح فيه فان فيه لفظ ''كان'' الدال على المواظبة فصح قول صاحب الهداية (ص۵،٦) وسنن الطهارة۔ الى ان قال۔ والسواك، لانه عليه السلام كان يواظب عليه۔

وفى الطحطاوى على الدر (۱/۳۰۰): (قوله وقيل فى التشهد) قال فى الشرنبلالية الذى تحرر عندى انه ياتى بالسنة اذا كان يدركه ولو فى التشهد باتفاق بين محمد وشيخيه ولا يتقيد بادراك ركعة وتفريع الخلاف هنا على خلافهم فى مدرك تشهد الجمعة غير ظاهر لان المدار هنا على ادراك فضل الجماعة وهو يحصل بادراك التشهد بالاتفاق كما نص عليه الكمال فماظنه بعضهم من انه

Marfat.com

لم يحرز فضلها عند محمد... غير ظاهر الخ۔

وفی الشامية(۱۶۸/۲):(قوله واستياكه) لانه مندوب اليه فی سائر الصلوات اختيار ومفاده ان المراد به الاستياك عند القيام الی الصلاة فانه مستحب... واما السواك فی الوضوء فانه سنة مؤكدة... الخ۔

(۲۵۱)وضو میں واجبات کے نہ ہونے کی وجہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ''آسان نماز'' کتاب دیکھ رہا تھا اس میں نماز کے واجبات تو لکھے ہیں لیکن وضو کے واجبات ذکر نہیں کیے گئے، اس کی کیا وجہ ہے؟ نیز اگر وضو میں واجبات ہیں تو کتنے ہیں اور کیا کیا ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......وضو کے اندر واجبات نہیں ہیں، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وضو عبادتِ مقصودہ نہیں ہے اگر اس میں بھی واجبات ہوتے تو پھر تابع اصل کے مساوی ہوجاتا جو کہ نماز ہے۔ نیز کسی چیز کے ثبوت یا وجود پر حکم اس کی دلیل کے اعتبار سے ہوتا ہے اور جو دلیل واجب کو ثابت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ظنی الثبوت وقطعی الدلالۃ ہو، یا اس کے مرتبے اور قوت میں ہو جیسے وہ اخبار احاد جن کے مفہوم قطعی الدلالۃ ہوں۔ اب وضو کے احکامات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو کہ ظنی الثبوت وقطعی الدلالۃ ہو اس لئے وضو میں واجبات نہیں پائے جاتے۔

لمافی حلبی کبیر(ص۱۴): وليس للغسل ولا للوضوء واجب فلذالم يذكره قيل لانه لوكان لساوى التبع الاصل اى الوضوء او الغسل الصلوة واعترض عليه بعدم لزوم المساواة لثبوت التفاوت بوجه آخر وهو انه لايلزم بالنذر بخلاف الصلاة۔

لمافی البحر الرائق (۳۴/۱): ان الوضوء لا واجب فيه لما ان ثبوت الحكم بقدر دليله والدليل المثبت وهو ماكان ظنی الثبوت قطعی الدلالة وما كان بمنزلته كأخبار الآحاد التی مفهومها قطعی الدلالة ولم يوجد فی الوضوء۔

(۲۵۲)الفرق کی موجودہ پیمانوں کے اعتبار سے تحقیق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک دوست نے کسی کتاب میں الفرق کا لفظ پڑھا اس نے تحقیق کی تو معلوم نہ کرسکا تنگ آکر میرے پاس آیا میں بھی اس کو موجودہ پیمانوں کے لحاظ سے مطمئن نہ کرسکا اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں کہ الفرق موجودہ پیمانوں کے لحاظ سے یہ کتنا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......الفرَق را کے فتح کے ساتھ اور الفرْق را کے سکون کے ساتھ دو الگ الگ پیمانوں کے نام

Marfat.com

ہیں۔الفرق راء کے فتح کے ساتھ قدیم پیمانوں کے حساب سے اس میں 16 رطل آتے ہیں اور رطل میں 130 دراہم آتے ہیں اور فی درہم 3.0618 گرام کا ہوتا ہے تو اب رطل کا وزن 130 درہم کو جب 3.0618 گرام سے ضرب دیا گیا تو 398.034 گرام جواب آیا پھر 16 رطل کا وزن معلوم کرنے کیلئے 16 کو 398.034 سے ضرب دیا تو 6368.544 گرام جواب آیا۔ جو تقریباً ساڑھے چھ کلوگرام بنتے ہیں۔

الفرق راء کے سکون کے ساتھ قدیم پیمانوں کے اعتبار سے اس میں 120 رطل آتے ہیں۔ مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق 120 کو 398.034 سے ضرب دیا تو 47764.08 گرام جواب آیا۔جن کا وزن ایک من 7 کلوگرام، 764 گرام اور 0.08 ملی گرام بنتے ہیں لہٰذا الفرق راء کے سکون کے ساتھ جدید پیمانوں کے مطابق ایک من 7 کلوگرام، 764 گرام اور 0.08 ملی گرام بنتا ہے۔

لمافی صحیح المسلم(۱/۱۴۸): عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ ﷺ یغتسل فی القدح وھو الفرق وکنت اغتسل انا وھو فی الاناء الواحد وفی حدیث سفیان رضی اللہ عنہ من اناء واحد قال قتیبۃ قال سفیان والفرق ثلثۃ اصع۔

وفی الفتاوی الشامیۃ(۲/۳۶۵): اعلم ان الصاع اربعۃ امداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالدراھم مائتان وستون درھما... ثم اعلم ان الدرھم الشرعی اربعۃ عشر قیراطا والمتعارف الآن ستۃ عشر فاذا کان الصاع الفاواربعین درھما شرعیا یکون بالدراھم المتعارف تسعمائۃ وعشرۃ۔

وفی مجمع بحار الانوار(۴/۱۳۱): (فرق) فیہ: کان یغتسل من الفرق، ھو بالحرکۃ مکیال یسع ستۃ عشر رطلا وھو اثنا عشر مدا وثلاثۃ اصع فی الحجاز، وقیل: الفرق خمسۃ اقساط، والقسط نصف صاع وھو بالسکون: مائۃ وعشرون رطلا۔

(۲۵۳) جس "فرق" سے آپ ﷺ غسل فرمایا کرتے تھے اس کی تعیین

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور ﷺ کے غسل کے بارے میں روایت مختلف ہیں۔بعض میں ہے کہ آپ علیہ السلام صاع سے جو کچھ اوپر تین کلوگرام بنتا ہے غسل فرمایا کرتے تھے اور بعض میں ہے کہ فرق سے غسل فرمایا کرتے تھے پھر فرق کے بارے میں کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ فرق 16 رطل کا ہوتا ہے اور یہ بھی ملتا ہے کہ 120 رطل کا ہوتا ہے۔ 16 رطل کے اعتبار سے کچھ اوپر 6 کلوگرام اور 120 رطل کے اعتبار سے کچھ اوپر 47 کلوگرام بنتے ہیں۔اس اعتبار سے تو بہت بڑا تفاوت پیدا ہوجاتا ہے اس مسئلہ کا کیا حل ہے؟ فرق سے مراد (جس سے آپ علیہ السلام غسل فرماتے تھے) 16 رطل والا ہے یا 120 رطل والا؟ مہربانی فرما کر تفصیلی ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......فرق کی دو قسمیں ہیں، ایک فرق بفتح الراء اور دوسرا بسکون الراء۔ اوّل بفتح الراء 16 رطل اور دوسرا بسکون الراء 120 رطل کا ہوتا ہے لیکن جس فرق سے آپ ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غسل فرماتے تھے وہ محدثین عظام وفقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق فرق بفتح الراء 3 صاع جو 16 رطل کا ہوتا تھا اور اسی پر علامہ ابو عبیدؒ نے اتفاق نقل فرمایا ہے پھر چونکہ جمہور علماء کے نزدیک ایک صاع پانچ رطل اور ثلث رطل اور احنافؒ کے نزدیک ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اس لئے جمہور کے نزدیک ایک فرق تین صاع کے برابر ہوا اور احنافؒ کے نزدیک ایک فرق 2 صاع کے برابر ہوا، لہٰذا اس اعتبار سے اس کے مفہوم اور اس حدیث کے مفہوم جس میں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع سے غسل فرمایا کرتے تھے کوئی تضاد نہیں کیونکہ ایک صاع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صاع سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غسل فرمایا کرتی تھیں۔

اسی طرح امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں صرف ''فرق'' کا ذکر ہے پانی کی مقدار مذکور نہیں کہ وہ بھرا ہوا ہوتا تھا یا کم لہٰذا ہو سکتا ہے کہ کبھی وہ بھرا ہوا ہوتا ہو تو تین صاع پانی ہوتا ہو، اور جب کم ہوتا ہو تو 2 صاع پانی ہوتا ہو، اور اس دوسری صورت میں ایک صاع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صاع سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غسل فرمایا کرتی ہوں لہٰذا یہ مفہوم اس حدیث کے مفہوم کے موافق ہے جس میں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع سے غسل فرماتے تھے۔

نیز جس فرق کو فقہاء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ وہ 3 صاع جو کہ 16 رطل کے برابر ہوتا تھا اس فرق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرب میں پانی کی قلت کی وجہ سے عام حالات میں غسل فرمایا کرتے تھے البتہ فرق بسکون الراء جو 120 رطل کا ہوتا ہے اور جس کی مقدار ایک بڑے ٹب کے برابر ہوتی ہے اس سے بھی کبھی پانی کی وافر مقدار موجود ہونے کی صورت میں غسل فرماتے ہوں تو کوئی بعید نہیں کیونکہ ایک صاع پانی کی مقدار کی کوئی تحدید نہیں لہٰذا اسراف سے بچتے ہوئے جتنے پانی سے بھی غسل کیا جائے جائز ہے۔

لما فی أبي داؤد(۳۱/۱): قال ابو داؤد وروی ابن عیینه نحو حدیث مالك قال ابو داؤد سمعت احمد بن حنبل یقول الفرق ستة عشر رطلاً۔

وفی بذل المجهود(۱۳۶/۱): قال الطحاوی قالوا فلما ثبت بهذا الحدیث الذی روی عن عائشة رضی الله عنها أن رسول الله ﷺ کان یغتسل هو وهی من الفرق والفرق ثلثة اصع کان مایغتسل به کل واحد منهما صاعاً ونصفاً فإذا کان ذلك ثمانیة ارطال کان الصاع ثلثیها وهو خمسة ارطال وثلث رطل وهذا قول اهل المدینة ثم اجاب الطحاوی عن هذا الاستدلال بأن حدیث عروة عن عائشة رضی الله عنها انما فیه ذکر الفرق الذی کان یغتسل منه رسول الله ﷺ وهی لم تذکر مقدار الماء الذی یکون فیه هل هو ملؤه أو اقل من ذلك فقد یجوز أن یکون یغتسل هو وهی بملئه ویجوز أن یکون کان یغتسل هو وهی بأقل من ملئه مما هو صاعان فیکون کل واحد منهما مغتسلاً بصاع من ماء ویکون معنی هذا الحدیث

Marfat.com

موافقاً لمعنى الاحاديث التى رويت عن رسول الله ﷺ أنه كان يغتسل بصاع۔

وفى مجمع بحار الانوار(۱۳۱/۴): (فرق) فيه: كان يغتسل من الفرق، هو بالحركة مكيال يسع ستة عشر رطلاً وهو اثنا عشر مداً وثلاثة اصع فى الحجاز... وهو بالسكون: مائة وعشرون رطلاً۔

(۲۵۴)"مکوک" کی تحقیق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فقہ کی کتابوں میں ایک لفظ آتا ہے اس کی صحیح مقدار بتادیں وہ لفظ مکوک ہے چونکہ موجودہ دور میں اس نام کا کوئی پیمانہ نہیں ہے تو موجودہ پیمانوں کلو، تولے اور گرام وغیرہ کے لحاظ سے ایک مکوک میں کتنے کلو، کتنے گرام اور کتنے تولے آئیں گے؟ لمافی السنن للنسائی (ص ۱۱): انس بن مالک رضی اللہ عنہ یقول کان رسول اللہ ﷺ یتوضا بمکوک ویغتسل بخمسة مکاکی۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... چونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مکوک سے وضو فرماتے تھے۔ اور یہ بات بھی مصرح ہے کہ مکوک سے مراد مد ہے۔ جبکہ ایک مد دو رطل کا ہوتا ہے۔ اور ایک رطل 130 درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم 14 قیراط کا ہوتا ہے لہٰذا ایک مکوک میں 796.068 گرام، 819 ماشے اور 68.25 تولے ہوتے ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

گرام کی تفصیل......5 جو=0.2187 گرام...... قیراط=1.8 رتی

درہم=14 قیراط لہٰذا 3.0618=14×0.2187

درہم=3.0618 گرام لہٰذا 260 درہم=796.068=260×3.0618

مکوک=796.068

تولے وماشے کی تفصیل...... ایک قیراط میں رتی 1.8=0.1215÷0.2187

ایک درہم میں رتی 25.2=14×1.8

ایک درہم میں ماشہ 3.15=8÷25.2

ایک مکوک میں ماشے 819=260×3.15

ایک مکوک میں تولے 68.25=12÷819

لمافى معارف السنن المكتبة البنورية (۲۰۶/۱): اختلف الائمة فى مقدار مايسعه المد والصاع: فذهب ابو حنيفة ومحمد رحمهما الله وكذا ابو يوسف رحمه الله فى قوله القديم المرجوع عنه: إلى ان المد مايسعه الرطلان والصاع: ثمانية ارطال وهو مذهب فقهاء العراق۔ وذهب

Marfat.com

مالك والشافعي واحمد وابو يوسف وفقهاء الحجازرحمهم الله: الى ان المد رطل وثلثه، والصاع: خمسة ارطال وثلث رطل بعد اتفاقهم جميعا على ان الصاع اربعة امداد وقال الفيروز آبادی فی القاموس: المد مكيال وهو رطلان او رطل وثلث او ملؤ كفى الانسان المعتدل إذا ملاهما ومد يده بهما وبه سمى مداً اهـ۔

وفي فتح القدير(۲/۲۹۷): ولنا ماروى انه عليه الصلوة والسلام كان يتوضأ بالمدرطلين ويغتسل بالصاع ثمانية ارطال هكذا وقع مفسرا عن انس رضی اللہ عنہ وعائشة رضى الله عنهما فى ثلاثة طرق۔

وفي الشامية(۱/۱۵۸): (قوله وهو ثمانية ارطال) اى بالبغدادى وهى صاع عراقى وهو اربعة امداد كل مد رطلان وبه اخذ ابو حنيفة رحمه الله۔ والصاع الحجازى خمسة ارطال وثلث، وبه اخذ الصاحبان والائمة الثلاثة رحمهم الله فالمد حينئذ رطل وثلث والرطل مائة وثلاثون درهما وقيل مائة وثمانية وعشرون درهما واربعة اسباع درهم وتمامه فى الحلية۔قلت والصاع العراقى نحو نصف مد دمشقى فاذا توضأ واغتسل به فقد حصل السنة۔

(۲۵۵) ”باع“ کی تحقیق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مرتبہ میرے مطالعہ میں ”الباع“ کا لفظ آیا جس کی موجودہ دور کے پیمانوں کے لحاظ سے کچھ تطبیق بھی دی تھی لیکن وہ میرے سے کہیں گم ہوگئی آپ حضرات میری رہنمائی فرمائیں کہ الباع کس پیمانے کا نام ہے؟اس میں کتنے میٹراور کتنے سینٹی میٹر آئیں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ایک باع میں چار ذراع ہوتے ہیں اور ایک ذراع میں 18 انچ ہوتے ہیں اور ایک انچ میں 2.5 سینٹی میٹر ہوتے ہیں لہٰذا 18 انچ میں 45 سینٹی میٹر ہوئے، لہٰذا ایک باع میں 180 سینٹی میٹر ہوئے اور چونکہ ایک میٹر میں تقریباً 97.5 سینٹی میٹر ہوتے ہیں لہٰذا ایک باع میں 1.84 میٹر ہوئے۔

لما فى فتح القدير(۱/۱۲۳): إن البريد من الفراسخ أربع ولفرسخ فثلاث أميال ضعوا
والميل ألف اى من الباعات قل والباع أربع أذرع فتتبعوا
ثم الذراع من الاصابع أربع من بعدها عشرون ثم الاصبع
ست شعيرات فظهر شعيرة منها الى بطن لاخرى توضع
ثم الشعيرة ست شعرات فقل من شعر بغل ليس فيها مدفع

وفى الهندية(۱/۱۸): والمعتبر ذراع الكرباس كذا فى الظهيرية وعليه الفتوى كذا فى الهداية وهو

Marfat.com

ذراع العامة ست قبضات أربع وعشرون اصبعاً۔

وفی الشامية(۱۹۶/): (قوله والمختار ذراع الكرباس) وفی الهداية أن عليه الفتوى واختاره فی الدرر والظهيرية والخلاصة والخزانة... (قوله وهو سبع قبضات فقط) ای بلا اصبع قائمة وهذا ما فی الولوالجية وفی البحر أن فی كثير من الكتب انه ست قبضات ليس فوق كل قبضة اصبع قائمة فهو اربع وعشرون اصبعاً بعدد حروف ''لا اله الا الله محمد رسول الله'' ... والمراد بالقبضة أربع أصابع مضمومة... أقول وهو قريب من ذراع اليد لانه ست قبضات وشی وذالك شبران۔

(۲۵۶) گرام اور تولے کے اعتبار سے مُد کا وزن

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ ایک مد سے وضو فرماتے تھے آجکل مد تو مفقود ہو چکے ہیں تو موجودہ پیمانوں کے لحاظ سے مد میں کتنے کلو کتنے گرام اور کتنے تولے وغیرہ ہوں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... مد کی مقدار موجودہ پیمانے کے لحاظ سے 796.068 گرام ہے اور تولہ کے حساب سے 68.25 تولہ ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(گرام)

ایک مد......	دو رطل
ایک رطل......	130 درہم
ایک درہم......	14 قیراط
ایک قیراط......	5 جو (0.2187 گرام)
(ایک درہم) چودہ قیراط......	3.0618 گرام
260 دراہم......	796.068=260×3.0618 گرام۔ ایک مد کا وزن

(تولہ)

ایک درہم......	چودہ قیراط
ایک قیراط......	1.8 رتی

1.8 رتی×14 قیراط=25.2 رتی

25.2×260=6552 رتی (ایک مد)

Marfat.com

ایک ماشہ...... 8رتی

6552÷8=819(ماشہ)

ایک تولہ......12ماشہ

819÷12=68.25 تولہ ایک مد میں

ایک مد	2رطل	819ماشہ	6552رتی	68.25تولہ	796.068 گرام

لما فی فتح الملهم(۳/۱۵۴): ان المدّین الحجازی والعراقی۔ وکذا الصاعین کانا مستعملین فی عهد النبی ﷺ الا ان الشائع الغالب فی الاستعمال فی عهده ﷺ کان العراقی من الامداد وهو رطلان۔

وفی عمدة القاری (۳/۹۴): والمدّ اختلفوا فیه ... وقیل هو رطلان وبه یقول ابو حنیفة وفقهاء العراق رحمهم الله۔

وفی الشامیة(۲/۳۶۵): اعلم ان الصاع اربعة امداد و المدّ رطلان والرطل نصف من والمنّ بالدراهم مائتان وستون درهماً وبالاستار اربعون والاستار بکسر الهمزة بالدراهم ستة ونصف بالمثاقیل قیل اربعة ونصف ... فالمد والمنّ سواء کلّ منهما ربع صاع مائة و ثلاثون درهماً وفی الزیلعی والفتح اختلف فی الصاع فقال الطرفان رحمهما الله ثمانیة ارطال بالعراقی وقال الثانی رحمه الله خمسة ارطال وثلث قیل لاخلاف لانّ الثانی رحمه الله قدره برطل المدینة لانه ثلاثون استاراً والعراقی عشرون واذا قابلت ثمانیة بالعراقی بخمسة وثلث بالمدینی وجدتهما سواء وهذا هو الاشبه...ثم اعلم ان الدرهم الشرعی اربعة عشر قیراطاً۔

(۲۵۷)''مرکن'' جوکہ غسل کا برتن ہے یہ کیسا اور کتنا بڑا تھا؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بخاری شریف کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام اکٹھے ایک مرکن سے غسل فرماتے تھے۔ پوچھنا یہ ہے کہ مرکن کسے کہتے ہیں؟ نیز موجودہ دور میں اس کا اطلاق کس برتن و پیمانے پر ہوتا ہے اور اس کی کتنی مقدار ہے؟ یعنی اس میں کتنی مقدار پانی سما جاتا ہے۔ جواب مع حوالہ جات تحریر فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)۔المعجم الوسیط (صفحہ ۳۷۱) پر اور دیگر شروحات حدیث کی کتابوں میں ''مرکن'' کے

Marfat.com

معنی یوں لکھے ہیں ''المرکن: وعاء تغسل فیها الثیاب'' یعنی ''مرکن'' وہ برتن ہے جس میں کپڑے وغیرہ دھوئے جاتے ہیں۔ موجودہ دور میں اس کا اطلاق فارسی زبان میں ''لگن'' جبکہ اردو زبان میں ''ٹب'' پر ہوتا ہے۔

(۲) حضور ﷺ جب اکیلے غسل فرماتے تھے تو عام عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ ایک صاع (یعنی 3.184272 کلوگرام) کی مقدار کے برتن سے غسل فرماتے تھے، اور جب کسی زوجۂ محترمہ کے ساتھ اکٹھے غسل فرماتے تھے تو ایک ''فرق'' یعنی دو صاع (6.368544 کلو گرام) کی مقدار کے برتن سے غسل فرماتے تھے۔

جن احادیث طیبہ میں ''مرکن'' (ٹب) یا ''اناء واحد'' (ایک برتن) سے کسی زوجۂ محترمہ کے ساتھ اکٹھے غسل فرمانا آیا ہے تو ان دونوں برتنوں کی مقدار معلوم اور متعین نہیں ہے۔ اب یہ ''مرکن'' یا تو ''فرق'' کے برابر تھا یا ''فرق'' سے بڑا تھا، بظاہر بڑا ہی معلوم ہوتا ہے، اب بڑا ہونے کی صورت میں یہ لازم نہیں آ رہا کہ پانی سے بھی بھرا ہوا ہو، بلکہ ہوسکتا ہے کہ پانی ''فرق'' ہی کی مقدار ہوتا ہوگا بوجہ عام عادتِ مبارکہ اور مدینہ طیبہ میں عموماً پانی کی قلت کے، ہاں اگر پانی وافر مقدار میں کبھی دستیاب ہوتا تو کچھ بعید نہیں کہ یہ ''مرکن'' پانی سے بھی بھرا ہوا ہوتا ہوگا اور آپ ﷺ اسی وافر مقدار پانی سے غسل فرمایا کرتے ہوں گے اور یہی تفصیل ''اناء واحد'' میں بھی ہے۔

لما في صحيح البخاري(١٠٩٠/٢): ان عائشة رضي الله عنها قالت: قد كان يوضع لي ولرسول الله ﷺ هذا المركن فنشرع فيه جميعاً۔

وفي المعجم الوسيط(ص٣٧١): المركن: وعاء تغسل فيه الثياب (ج) مراكن۔

وفي فتح الملهم (١٨١/٣): قوله ''في مركن'' الخ: هو الاجانة التي تغسل فيها الثياب أي ''لكن''۔

وفي الديباج على صحيح مسلم للسيوطي(٣٠٢/١): مركن: بكسر الميم وفتح الكاف، الاجانة التي يغسل فيها الثياب۔

وفي صحيح البخاري(٣٩/١): عن عائشة رضي الله عنها قالت كنت اغتسل أنا والنبي ﷺ من اناء واحد من قدح يقال له الفرق... سمعت اباسلمة رضي الله عنه يقول: دخلت أنا واخو عائشة رضي الله عنها على عائشة رضي الله عنها فسألها اخوها عن غسل رسول الله ﷺ فدعت باناء نحو من صاع فاغتسلت وافاضت على رأسها وبيننا وبينها حجاب... عن شعبة قدر صاع۔

وفي فتح الباري (٢٩٢/١): وادعى بعض الشارحين ان حديث ميمونة رضي الله عنها هذا لا مناسبة له بالترجمة لانه لم يذكر فيه قدر الاناء والجواب ان ذالك يستفاد من مقدمة اخرى وهي أن اوانيهم كانت صغاراً... فيدخل هذا الحديث تحت قوله ونحوه اي نحو الصاع۔ او يحمل المطلق فيه على المقيد في حديث عائشة وهو الفرق لكون كل منهما زوجة له۔

وفي فيض الباري(٣٤٨/١): قوله: ''الفرق'' اناء يسع ثلاثة اصع فان كان ملآن يصير لكل

Marfat.com

منهما صاع ونصف والمعروف فی عادته فی الغسل صاع وقد مرّ انه لا تحدید فیه والامر تقریبی، وان کان خالیاً فالامر تحقیقی... فانه لا یلزم بکون الفرق هذا القدر ان یکون الماء فیه ایضاً کذالك فیمکن أن یکون الماء علی قدر عادته۔

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

كتاب الصلوة

Marfat.com

فصل فی المواقیت

(اوقاتِ نماز سے متعلق مسائل کا بیان)

(۱) تہجد اور ظہر کا وقت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے سنا ہے کہ ظہر کی نماز سردیوں میں جلدی اور گرمیوں میں تاخیر سے پڑھنی چاہیئے جبکہ آجکل یہاں کراچی میں یہ معمول ہے کہ ظہر کی نماز ڈیڑھ یا پونے دو بجے پڑھی جاتی ہے کیا اسطرح کرنا درست ہے؟ نیز تہجد کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ظہر کی نماز کا وقت سورج ڈھلنے سے لے کر ہر چیز کے سایہ اصلی کے علاوہ جب اسکا سایہ دگنا ہو جائے اسوقت تک باقی رہتا ہے یہی احناف کا مشہور اور معمول بہا مذہب ہے۔ اس اعتبار سے اس وقت میں جو بھی نماز ادا کرلے نماز ادا ہو جائیگی اگرچہ مستحب یہ ہے کہ سردیوں میں جلدی اور گرمیوں میں تاخیر سے ادا کی جائے لیکن اگر ایک متعین وقت میں پڑھنے کی وجہ سے جماعت میں زیادہ افراد کی شرکت کا گمان ہو تو ایک وقت میں پڑھنا بھی بہتر ہے۔

نیز تہجد کا وقت عشاء کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے البتہ افضل وقت آخری حصہ میں سو کر اٹھنے کے بعد کا ہے۔

لمافی الشامیة (۱/۳۵۹): (قوله وعليه عمل الناس اليوم) أى فى كثير من البلاد والاحسن مافى السراج عن شيخ الاسلام ان الاحتياط ان لايؤخر الظهر الى المثل وان لايصلى العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤديا للصلاتين فى وقتهما بالاجماع۔

(۲) قرآن پاک سے پانچ وقت کی نمازوں کا ثبوت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قرآن پاک سے پانچ وقت کی نمازوں کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ میرا ایک دوست ہے وہ کہتا ہے کہ کوئی ثبوت نہیں ہے صرف احادیث میں ذکر ملتا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......قرآن کریم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جو پانچوں نمازوں کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں، آپ کے دوست کا یہ کہنا کہ قرآن کریم میں نمازوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ ان کی قرآن کریم سے لاعلمی ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا

Marfat.com

ارشاد ہے:

(البقرۃ: ۴۳): وَأَقِيمُوا الصَّلاةَ۔ (الآیۃ) (ترجمہ)''اور قائم کرو نماز کو''(تفسیر طبری ۲:۷۷)

(النساء:۱۰۳): إِنَّ الصَّلاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا۔

(ترجمہ)''یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔''

مذکورہ دونوں آیات کریمہ پانچوں نمازوں کے ثبوت پر اجمالاً دلالت کرتی ہیں۔(طبری ۱:۱۶۹)

(الروم:۱۷): فَسُبْحَانَ اللهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ۔

(ترجمہ)''سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت۔''

مذکورہ آیت کریمہ فسبحان اللہ حین تمسون سے مغرب کی نماز اور وحین تصبحون سے فجر کی نماز ثابت ہوتی ہے۔(تفسیر طبری ۲:۱۷۹)

(الروم:۱۸): وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ۔

(ترجمہ)''تمام آسمان اور زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے اور بعد زوال اور ظہر کے وقت''۔مذکورہ آیت کریمہ میں وعشیا سے عصر کی نماز وحین تظهرون سے ظہر کی نماز ثابت ہوتی ہے۔(تفسیر طبری ۲:۱۷۹)

(الاسراء:۷۸):أَقِمِ الصَّلاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ

(ترجمہ)''آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیجئے اور صبح کی نماز بھی۔

مذکورہ آیت کریمہ پانچوں نمازوں کے ثبوت پر تفصیلاً دلالت کرتی ہے۔

لمافی بدائع الصنائع(۱/۴۵۵): أما فرضيتها فثابتة بالكتاب ، والسنة ، والاجماع ، والمعقول، أما الكتاب فقوله تعالىٰ فى غير موضع من القرآن ''اقيموا الصلاة'' وقوله ''ان الصلاة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتا......'' وقوله تعالىٰ ''حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى''۔

ومطلق اسم الصلاة: ينصرف الى الصلوات المعهودة وهى التى تؤدى فى كل يوم و ليلة (وقوله تعالىٰ اقم الصلوة طرفى النهار الآية يجمع الصلوات الخمس لان صلاة الفجر تؤدى فى احد طرفى النهار، وصلاة الظهر والعصر يؤديان فى الطرف الآخر، اذالنهار قسمان، غداة وعشى والغداء اسم لاول النهار الى وقت الزوال، وما بعده العشى، حتى إن حلف لايأكل العشى فاكل بعد الزوال يحنث، فدخل فى طرفى النهار ثلاث صلوات ودخل فى قوله وزلفا من الليل المغرب والعشاء لانها يؤديان فى زلف من الليل وهى ساعته۔

وفيه ايضاً(ص۴۵۶): وقوله تعالىٰ ''اقم الصلاة لدلوك الشمس......'' قيل دلوك الشمس زوالها،

Marfat.com

''غسق اللیل'' اوّل ظلمته فیدخل فیه صلاۃ الظهر والعصر وقوله تعالیٰ وقرآن الفجر وهو صلاۃ الفجر، فثبتت فرضیة ثلاث صلوات بهذه الآیة وفرضیة صلاۃ المغرب والعشاء ثبتت بدلیل اٰخر ... روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انه قال حین تمسون المغرب والعشاء وحین تصبحون الفجر وعشیا العصر، وحین تظهرون الظهر، ذکر التسبیح واراد به الصلاۃ ای صلوا لله: إما لان التسبیح من لوازم الصلاۃ اولانه تنزیه والصلاۃ من اولها الی اخرها تنزیه الرب عزوجل لما فیها من اظهار الحاجات الیه، واظهار العجز والضعف وفیه وصف له بالجلال والعظمة والرفعة والتعالی عن الحاجة ...قوله تعالیٰ وسبح بحمد ربك الخ قیل فی تأویل قوله تعالیٰ فسبح ای فصل قبل طلوع الشمس هو صلاۃ الصبح، وقبل غروبها هو صلاۃ الظهر والعصر، ومن اٰناء اللیل صلاۃ المغرب والعشاء، قوله واطراف النهار علی التکرار والاعادۃ تاکیداً کما فی قوله تعالیٰ حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطی الأیه ان ذکر الصلاۃ الوسطی علی التاکید لدخولها تحت اسم الصلوات کذا ههنا۔

وقوله تعالیٰ فی بیوت اذن الله الخ قیل الذکر والتسبیح ههناهما الصلاۃ وقیل الذکر سائر الاذکار والتسبیح الصلاۃ، وقوله تعالیٰ بالغدو صلاۃ الغداۃ وقوله تعالیٰ الأصال صلاۃ الظهروالعصر والمغرب و العشاء وقیل الآصال هو صلاۃ العصر ویحتمل العصر والظهر لانهما یؤدیان فی الاصیل وهو العشی وفرضیة المغرب والعشاء عرفت بدلیل اٰخر۔

(۳) صبح کاذب کیا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ صبح کاذب جس کا احادیث میں ذکر ہے بروجی روشنی ہی ہے (جو سال بھر میں صرف دو ماہ وسط اگست سے وسط اکتوبر میں ہی نظر آسکتی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی میں رمضان المبارک میں آئی ہی نہیں) جبکہ دوسرا شخص اس کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ صبح کاذب شامیؒ کے حوالہ کے مطابق وہ روشنی ہے جو صبح صادق شروع ہونے سے تین درجہ پہلے نمودار ہوتی ہے۔ شرعی نقطہ نگاہ سے ان دونوں اقوال میں سے کون سا قول درست ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور درست قول ہے تو اس کو بتلادیا جائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......واضح رہنا چاہیئے کہ شرعی احکامات کا تعلق مشاہدے سے ہے۔ کسی سائنس یا ریاضی کے حسابات سے نہیں ہے۔ اور چونکہ روزے کی ابتداء نماز فجر وغیرہ کے تمام شرعی احکامات کا تعلق صبح صادق سے ہے جو کہ ہر جگہ پورے سال نظر آتی ہے۔ جبکہ صبح کاذب سے کوئی بھی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا اس لئے اس کی کھوج میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہاں اتنا ضرور

Marfat.com

ہے کہ جس جگہ یہ نظر آ جائے، اس کی وجہ سے صبح صادق کا دھوکہ نہ ہو جائے، اس لئے حدیث میں اس کی مخصوص نشانیاں بتلا دی گئی ہیں، مثلاً

(۱)۔ یہ صبح صادق سے کچھ پہلے طلوع ہوتی ہے۔

(۲)۔ اس کی روشنی صبح صادق کی طرح عرضاً نہیں بلکہ عموداً ہوتی ہے۔

(۳)۔ اس کی مشابہت بھیڑیے کی دم کی طرح ہوتی ہے۔

(۴)۔ اور اس کے بعد صبح صادق سے قبل دوبارہ اندھیرا چھا جاتا ہے۔

(۵)۔ اس کے طلوع ہونے کا وقت علامہ شامیؒ کے مطابق صبح صادق سے تین درجے پہلے کا ہے۔

لما فی الشامیة (۳۵۹/۱): (قوله من أول طلوع الخ) زاد لفظ أول اختیاراً لمادل علیه الحدیث كما قد مناه۔ (قوله۔ وهو البیاض الخ) لحدیث مسلم والترمذی۔ واللفظ له ''لایمنعنكم من سحوركم اذان بلال ولا الفجر المستطیل ولكن الفجر المستطیر'' فالمعتبر الفجر الصادق وهو الفجر المستطیر فی الافق۔ أی الذی ینتشرضوئه فی اطراف السماء، لا الكاذب۔ وهو المستطیل الذی یبدو طویلاً فی السماء كذنب السرحان۔ أی الذئب ثم یعقبه ظلمة۔

(فائدة) ... ذكر العلامة المرحوم الشیخ خلیل الكاملی فی حاشیته علی رسالة الاسطرلاب لشیخ مشایخنا العلامة المحقق علی آفندی الداغستانی، أن التفاوت بین الفجرین وكذا بین الشفقین الأحمر والأبیض، إنما هو بثلاث درج۔ (قوله إلی قبیل) كذا أقحمه فی النهر. والظاهر أنه مبنی علی دخول الغایة، لكن التحقیق عدمه لكونها غایة مدّ كما سبق۔

وفی المعجم الوسیط (ص۶۷۵): (الفجر) انكشاف ظلمة اللیل عن نور الصبح وهما فجران، أحدهما المستطیل، وهو الكاذب، والآخر، المستطیر المنتشر فی الافق۔

(۴) طلوع آفتاب کے بعد اشراق کا صحیح وقت

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ طلوع آفتاب سے کتنے منٹ بعد اشراق کا وقت شروع ہوتا ہے اور کتنے منٹ بعد پڑھنا افضل ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ یہاں تک کہ آفتاب ایک نیزہ کے برابر اوپر آ جائے۔ تو نماز پڑھنا جائز ہے جس کی مقدار 10 سے 20 منٹ ہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اشراق کے نفل پڑھنے کا وقت طلوع آفتاب کے 10 منٹ بعد سے شروع ہوتا ہے اور افضل یہ ہے کہ 20 منٹ بعد ادا کی جائے۔

Marfat.com

لمافی البحر الرائق(۱/۴۴۲): وذکر فی الأصل مالم ترتفع الشمس قدر رمح فهی فی حکم الطلوع واختار الفضلی رحمه الله ان الانسان مادام یقدر علی النظر الی قرص الشمس فی الطلوع فلا تحل الصلوة فاذا عجز عن النظر حلت۔

وفی الشامیة(۱/۳۷۱): (قوله مع شروق) ومادامت العین لاتحار فیها فهی فی حکم الشروق کما تقدم فی الغروب انه الأصح کمافی البحر، أقول ینبغی تصحیح ما نقلوه عن الأصل للامام محمد رحمه الله من انه مالم ترتفع الشمس قدر رمح فهی فی حکم الطلوع لان اصحاب المتون مشوا علیه فی صلوة العید حیث جعلوا أول وقتها من الارتفاع ولذا جزم به هنا فی الفیض ونور الایضاح۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته(۱/۶۷۷): فالاوقات الخمسة هی مایأتی، (۱) مابعد صلوة الصبح حتی تر تفع الشمس کرمح فی رأی العین ووقت طلوع الشمس حتی ترتفع قدر رمح ای بعد طلوعها بمقدار ثلث ساعة۔

(۵) وہ اوقات جن میں نفل پڑھنا مکروہ ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بزرگ نے مجھے صبح کی نماز کے وقت دورکعت نفل پڑھنے کیلئے بتائے ہیں وہ میں دوسال سے برابر پڑھ رہا ہوں۔پچھلے رمضان میں تبلیغ کیلئے عشرہ پر گیا چنانچہ وہاں جب میں نے معمول کے مطابق فجر کی سنتوں سے پہلے دورکعت نفل پڑھی تو امیر صاحب نے بتایا کہ فجر میں دورکعت سنت کے علاوہ نفل پڑھنا جائز نہیں۔کیا امیر صاحب کی یہ بات درست ہے نیز کونسے اوقات میں نفل جائز نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں امیر صاحب کی بات درست ہے کہ طلوع فجر کے بعد سے لے کر سورج بلند ہونے تک فجر کی چار رکعتوں کے علاوہ کوئی دوسری نماز پڑھنا مکروہ ہے باقی جن اوقات میں نفل پڑھنا مکروہ ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں: (۱)۔طلوع فجر یعنی فجر کا وقت داخل ہونے کے بعد سورج نکلنے تک۔ (۲)۔زوال کے وقت (۳)۔عصر کی نماز کے بعد سے لے کر مغرب کی نماز تک۔ (۴)۔اور جب فرض نماز کھڑی ہو جائے یا فرض نماز کا وقت تنگ ہو۔ (۵)۔اور جب امام جمعہ کا خطبہ دینے کیلئے کھڑا ہو۔ (۶)۔عید کی نماز سے پہلے مطلقاً یعنی گھر میں بھی اور مسجد میں بھی اور عید کی نماز کے بعد مسجد میں نفل پڑھنا مکروہ ہے نہ کہ گھر میں۔

لمافی الهندیة(۱/۵۲): تسعة أوقات یکره فیها النوافل وما فی معناها لا الفرائض هکذا فی النهایة والکفایة... منها ما بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر کذا فی النهایة والکفایة، یکره فیه

Marfat.com

التطوع بأكثر من سنة الفجر... ومنها مابعد صلاة الفجر قبل طلوع الشمس هكذا فی النهاية والكفاية ومنها ما بعد صلاة العصر قبل التغير... ومنها ما بعد غروب الشمس قبل صلاة المغرب وعند الاقامة يوم الجمعة وعند خطبة الجمعة والعيدين والكسوف والاستسقاء... ويكره التنفل عند خطبة الحج وخطبة النكاح... ويكره التطوع اذا خرج الامام للخطبة يوم الجمعة... ويكره التنفل اذا أقيمت الصلاة الا سنة الفجر ان لم يخف فوت الجماعة وقبل صلاة العيد مطلقا وبعدها فی المسجد لافی البيت وبين صلاته الجمع بعرفة ومزدلفة...ويكره جميع الصلوة سوى الوقتية اذا ضاق وقت المكتوبة ... ويكره الصلاة وقت مدافعة البول أو الغائط ووقت حضور الطعام اذا كانت النفس تائقة اليه والوقت الذی يوجد فيه ما يشغل البال من افعال الصلاة ويخل بالخشوع كائنا ما كان الشاغل ويكره اداء العشاء ما بعد نصف الليل هكذا فی البحر الرائق۔

وفی الدر المختار(۱/۳۷۵): وكذا الحكم من كراهة نفل... بعد طلوع فجر سوى سنته۔

(۶)اوقاتِ مکروہہ میں تحیۃ المسجد ادا کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے ان اوقات میں اگر کوئی مسجد میں آجائے تو تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟ ہمارے ہاں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ پڑھ سکتا ہے اور یہ حضرات دلیل میں یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مفہوم ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعات پڑھے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کونسی بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اوقاتِ مکروہہ(طلوع،غروب اورزوالِ آفتاب)میں نماز پڑھنا چاہے فرض ہو یا واجب؛سنت ہو یا نفل ممنوع ہے۔اسی طرح صبحِ صادق سے طلوعِ آفتاب تک اور عصر کی فرض نماز کے بعد سے مغرب تک صرف نوافل مکروہ ہیں فرائض ادا کئے جاسکتے ہیں۔اب ان پانچ اوقات میں مسجد میں آنیوالوں کیلئے تحیۃ المسجد جو نوافل کے قبیل سے ہے پڑھنا مکروہ ہے۔سوال میں ذکرکردہ روایت صحیح وثابت ہے چنانچہ بخاری،مسلم اور ابوداؤد وغیرہ میں معمولی اختلاف کیساتھ موجود ہے اور اسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر وقت تحیۃ المسجد کے نفل پڑھے جاسکتے ہیں جبکہ دوسری روایات سے استدلال کرتے ہوئے احناف فرماتے ہیں کہ یہ روایات ان اوقات کیساتھ خاص ہیں جن میں نوافل پڑھنا جائز ہے۔نیز احناف کے مذہب پرعمل کرنے میں احتیاط بھی زیادہ ہے کیونکہ تحیۃ المسجد پڑھنا زیادہ سے زیادہ مستحب ہے جبکہ ان اوقاتِ مکروہہ میں نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔

Marfat.com

لمافی الشامیة(۱/۳۷۵): (قوله ولوتحیة المسجد) اشارۃ الی انه لافرق بین ماله سبب اولاکمافی البحرخلافاللشافعی فیماله سبب کالرواتب وتحیة المسجد۔

(۷) مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان کتنی دیر کاوقفہ ضروری ہے؟

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں صوبہ سرحد ضلع چترال کا رہنے والا ہوں، چترال شہر میں نمازوں کے اوقات کے لئے اور رمضان میں افطاری کے اوقات کی تعیین کے لئے کراچی سے ایک چارٹ بن کر آ گیا ہے اس میں مغرب اور عشاء کے درمیان کم ازکم ڈیڑھ گھنٹہ بتایا ہے اس ڈیڑھ گھنٹے کے مطابق عمل کرتے ہوئے ہم لوگ نمازیں پڑھتے ہیں اور ہم چونکہ دیہات میں رہتے ہیں وہاں غروب آفتاب جلدی ہوتا ہے، غروب آفتاب کے بعد اذان دے کر ہم مغرب کی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن جون جولائی کے مہینے میں مغرب کے بعد عشاء کے لئے ڈیڑھ گھنٹے کا اعتبار کرنے سے پونے دو گھنٹہ یعنی ایک گھنٹہ ۴۷ منٹ تک انتظار کرنا پڑتا ہے اور اس طرح ڈیڑھ گھنٹہ انتظار کرنے سے کافی رات گزر جاتی ہے اور لوگ حرج میں مبتلا ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ چارٹ شہر کے لئے ہے دیہات والوں کے لئے یہ نہیں ہے۔

(۱)۔اب پوچھنا یہی ہے کہ کیا ہم جون جولائی کے مہینے میں بھی دوسرے مہینوں کی طرح ڈیڑھ گھنٹہ انتظار کر کے نماز عشاء ادا کریں گے یا مغرب کی نماز کے بعد سے حساب کر کے جیسے ہی ڈیڑھ گھنٹہ ہو جائے عشاء کی نماز ادا کریں گے۔

(۲)۔مغرب اور عشاء کے درمیان کتنی دیر وقفہ کرنا ضروری ہے۔

(۳)۔آیا اس شہر والے نقشہ کی اتباع کرنا ہمارے لئے ضروری ہے یا دیہات کیلئے کوئی الگ حکم ہے۔

اس بارے میں ہمارے علاقے کے لوگوں میں بہت اختلافات پیدا ہو چکے ہیں اس کشیدگی کی وجہ سے اکثر لوگ گھروں میں نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ براہ کرم شریعت مطہرہ کی روشنی میں مفصل اور تسلی بخش جواب دے کر لوگوں میں اس نزاع کو ختم فرما کر عند اللہ اجر عظیم کا مستحق ہو جائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......عشاء کی نماز کا ابتدائی وقت شفقِ ابیض کے غروب سے شروع ہوتا ہے یعنی جب افق پر موجود سرخی ختم ہو جائے اور پھر اس کے بعد پھیلنے والی سفیدی بھی ختم ہو جائے تو عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ صورت مسئولہ میں جس چارٹ کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں عشاء کا ذکر کردہ وقت اگر غروب شفق ابیض کے موافق ہے تو دیہات میں بھی اس چارٹ کا لحاظ کرنا ضروری ہے کیونکہ شہر کے مضافات میں بھی شہر کے اوقات کا اعتبار ہوتا ہے چونکہ عشاء کی نماز میں معیار غروب شفقِ ابیض ہے اور اس کی مقدار اہل تجربہ ڈیڑھ گھنٹہ بتاتے ہیں اور یہ مقدار بعض موسموں میں ۴، ۵ منٹ زیادہ یا کم ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا مغرب اور عشاء کے درمیان ڈیڑھ گھنٹہ سے کم فاصلہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ احتیاطاً پونے دو گھنٹہ کا فاصلہ کرنا چاہیئے اور آپ کے مقامی علماء کرام کو چاہیئے کہ نمازی حضرات کو سمجھائیں کہ وقت ہونے پر ہی نماز ادا کریں تاکہ سب حضرات مسجد میں باجماعت نماز ادا کریں۔

Marfat.com

لمافی البحرالرائق(۱/۴۲۷): قوله(وهوالبیاض) ای الشفق هو البیاض عند الامام... وعندهما وهو روایة عنه هو الحمرة ... وصرح فی المجمع بان علیها الفتوی ورده المحقق فی فتح القدیر ... ورجحه ایضاً تلمیذه قاسم فی تصحیح القدوری ـ وقال فی آخره: فثبت ان قول الامام هو الاصح اھ وبهذا ظهر انه لایفتی ویعمل الا بقول الامام الاعظم ولا یعدل عنه الی قولهما أو قول احدهما أو غیرهما الالضرورة ... وفی السراج الوهاج: فقولهما اوسع للناس وقول ابی حنیفة احوط۔

وفی الهندیة(۱/۵۱): ووقت المغرب منه الی غیبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما وبه یفتی هکذا فی شرح الوقایة وعند ابی حنیفة الشفق هو البیاض الذی یلی الحمرة هکذا فی القدوری وقولهما اوسع للناس وقول ابی حنیفة رحمه الله احوط لان الاصل فی باب الصلاة ان لایثبت فیها رکن ولا شرط الا بما فیه یقین کذا فی النهایة ناقلاً عن الاسرار۔ ومبسوط شیخ الاسلام۔

وفی الدرالمختار مع الشامیة(۱/۳۶۱): ووقت المغرب منه الی غروب الشفق وهو الحمرة عندهما وبه قالت الثلاثة والیه رجع الامام کما فی شروح المجمع وغیرها فکان هو المذهب وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله: قال العلامة قاسم: فثبت ان قول الامام هو الاصح ومشی علیه فی البحر مؤیداً له بما قدمناه عنه... لکن تعامل الناس الیوم فی عامة البلاد علی قولهما وقد ایده فی النهر تبعاً للنقایة والوقایة والدرر والاصلاح ودرر البحار والامداد والمواهب وشرحه البرهان وغیرهم مصرحین بان علیه الفتوی وفی السراج: قولهما اوسع وقوله احوط۔

(۸) مغرب اور عشاء کا درمیانی وقفہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک دوست ہے جس نے تبلیغ میں بھی وقت لگایا ہے، فرماتے ہیں کہ مغرب اور عشاء کے درمیان ڈیڑھ گھنٹے کا وقت ہوتا ہے، تو اس کی یہ بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ماہ بماہ کچھ کچھ دنوں میں گھٹتا بڑھتا رہتا ہے لیکن یہ فاصلہ زیادہ سے زیادہ ہمارے شہر(مجوزہ نقشوں کے مطابق) ایک گھنٹہ انتیس منٹ ہوتا ہے (جولائی کے بعض دنوں میں) اور کم سے کم ایک گھنٹہ اکیس منٹ ہوتا ہے (نومبر کے بعض دنوں میں)، اس لئے آپ کے دوست کا مطلق یہ کہہ دینا مغرب و عشاء کے درمیان کا وقت ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے درست نہیں، باقی ایام میں اس وقفہ کو معلوم کرنے کیلئے مساجد میں لگے مجوزہ نقشوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

لمافى الدر المختار مع الشامية (۳۶۱/۱): (و) وقت (المغرب منه الى) غروب (الشفق وهو الحمرة) عندهما وبه قالت الثلاثة واليه رجع الامام كما فى شروح المجمع وغيرها...

واذا تعارضت الأخبار والاثار فلا يخرج وقت المغرب بالشك كمافى الهداية وغيرها ... لكن تعامل الناس اليوم فى عامة البلاد على قولهما... (تنبيه) قدمنا قريباً أن التفاوت بين الشفقين بثلاث درج كما بين الفجرين فليحفظ۔

(۹) چھ ماہ دن، چھ ماہ رات رہنے والے ممالک میں ادائیگی نماز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ظہر کی نماز دلوک شمس کے بعد واجب ہوتی ہے تو جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہو، وہاں ظہر کی نماز کا کیا حکم ہے جبکہ دلوک شمس تو نہیں پایا گیا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جن ممالک میں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات رہتی ہو، وہاں کے لوگ اپنے قریبی معتدل ممالک کی نمازوں کے اوقات کے مطابق اندازاً اپنی نمازوں کے اوقات مقرر کر کے پڑھیں گے۔

لما فى الدر المختار (۱/ ۳۶۲-۳۶۳): (وفاقد وقتهما) كبلغار فان فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق فى اربعينية الشتاء، (مكلف بهما فيقدر لهما) ولاينوى القضاء لفقد وقت الأداء، به أفتى البرهان الكبير واختاره الكمال وتبعه ابن الشحنة فى الغازه فصححه فزعم المصنف انه المذهب،

وفى الشامية تحته: (قوله فيقدر لهما) هذا موجود فى نسخ المتن المجردة ساقط من المنح ولم أرمن سبقه اليه سوى صاحب الفيض حيث قال ولو كانوا فى بلدة يطلع فيها الفجر قبل غيبوبة الشفق لايجب عليهم صلاة العشاء لعدم السبب وقيل يجب ويقدر الوقت، بقى الكلام فى معنى التقدير والذى يظهر من عبارة الفيض ان المراد انه يجب قضاء العشاء بأن يقدر أن الوقت أعنى سبب الوجوب قد وجد كما يقدر وجوده فى ايام الدجال على ما ياتى لانه لايجب بدون السبب فيكون قوله ويقدر الوقت جواباً عن قوله فى الاول لعدم السبب وحاصله انا لانسلم لزوم وجود السبب حقيقة بل يكفى تقديره كما فى ايام الدجال، ويحتمل ان المراد بالتقدير المذكور هوما قاله الشافعية من انه يكون وقت العشاء فى حقهم بقدر مايغيب فيه الشفق فى اقرب البلاد اليهم۔

Marfat.com

(۱۰) ضرورت کے وقت نمازِ عصر کو وقت سے پہلے پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فوج اگر محاذ جنگ میں عصر کی نماز وقت سے پہلے پڑھے، تو کیا اس طرح ان کی نماز درست ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ظاہر الروایہ اور مفتی بہ قول کے مطابق عصر کی نماز کو سایۂ اصلی کے علاوہ مثلین تک انتظار کر کے پڑھنا چاہیئے۔ اس سے پہلے عام حالات میں نماز عصر پڑھنا درست نہیں تاہم اگر کسی ضرورت شدیدہ کی وجہ سے جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے مثلین تک انتظار کرنے کی بجائے اوّل وقت یعنی ایک مثل کے بعد پڑھ لے تو اختلاف فقہاء کی وجہ سے گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

لمافی التاتارخانية(۱/۴۰۳): واوّل وقت العصر عند أبي يوسف ومحمد رحمهما الله اذا صار الظل قامة وزاد عليها وذكر أبو سليمان عن أبي يوسف أنه يعتبر الزيادة قال أبو الحسن الخلاف فی آخر وقت الظهر هو خلاف فی اول وقت العصر وفی الغياثية واوّل وقت العصر اذا صار ظل كل شيئ مثليه۔ وهو المختار۔

وفی الدر المختار مع الشامية (۱/۳۵۹): وعنه مثله وهو قولهما وزفر والائمة الثلاثة قال الامام الطحاوی وبه نأخذ وفی غرر الاذكار وهو المأخوذ به وفی البرهان وهو الاظهر لبيان جبريل وهو نص فی الباب وفی الفيض وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتی (سوی فيئ)۔

(قوله الی بلوغ الظل مثليه) هذا ظاهر الرواية عن الامام نهاية وهو الصحيح بدائع ومحيط وينابيع وهو المختار غياثية واختاره الامام المحبوبي وعول عليه النسفی وصدر الشريعة تصحيح قاسم واختاره اصحاب المتون وارتضاه الشارحون فقول الطحاوی وبقولهما ناخذ لا يدل علی أنه المذهب وما فی الفيض من أنه يفتی بقولهما فی العصر والعشاء مسلم فی العشاء فقط علی مافيه وتمامه فی البحر... (قوله وعليه عمل الناس اليوم) أی فی كثير من البلاد والا حسن مافی السراج عن شيخ الاسلام أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر الی المثل وان لا يصلی العصر حتی يبلغ المثلين ليكون مؤديا للصلاتين فی وقتهما بالاجماع وانظر هل اذا لزم من تأخيره العصر الی المثلين فوت الجماعة يكون الاولی التاخير ام لا والظاهر الأول بل يلزم لمن اعتقد رجحان قول الامام تامل۔

Marfat.com

(۱۱) نمازِ مغرب کو وقتِ عشاء سے پندرہ منٹ قبل ادا کرنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک مرتبہ کلفٹن اپنے گھر جارہا تھا کہ راستے میں مغرب کی نماز میں نے ادا نہیں کی۔ جب مقام پر پہنچا تو ابھی عشاء کا وقت (بمطابق کلینڈر) داخل ہونے میں پندرہ منٹ باقی تھے۔ میں نماز مغرب ادا کرنے لگا تو میرے ساتھی نے کہا کہ مغرب کا وقت ختم ہوچکا ہے، اب آپ قضاء نماز ادا کریں تو کیا یہ نمازِ مغرب قضاء وقت میں شمار ہوگی یا ادا وقت میں؟ سنا ہے کہ مغرب کا وقت بہت مختصر ہوتا ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... نماز مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد شروع ہوجاتا ہے اور انتہاء وقتِ مغرب ''شفق ابیض'' (یعنی غروب آفتاب کے بعد مغربی جانب آسمان پر پھیلی ہوئی سفیدی) کے غائب ہونے پر ہے، اور نمازِ مغرب کے مجموعی وقت کا گھٹنا اور بڑھنا دنوں کے گھٹنے اور بڑھنے پر موقوف ہے۔ لہٰذا گرمی کے موسم میں نمازِ مغرب کا مجموعی وقت تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ اور سردی کے موسم میں سوا گھنٹہ ہے، لوگوں پر آسانی کے پیش نظر اسی پر فتویٰ ہے۔ ہماری مساجد میں عام طور پر آویزاں نمازوں کے نظام الاوقات کا دائمی نقشہ بھی مذکورہ وقت کے حساب سے مرتب ہے، اسی نقشہ کے نظام الاوقات کو ملحوظ رکھتے ہوئے نمازوں کی ادائیگی کریں۔ آپ کی تحریر کردہ صورت کے مطابق کہ نماز عشاء کے وقت کے داخل ہونے میں پندرہ منٹ باقی تھے، تو ایسی صورت میں آپ کی نماز ادا ہی شمار ہوگی، لیکن نمازِ مغرب کو بلا کسی عذر کے مؤخر کرنا مکروہ ہے۔

لما فی الصحیح لمسلم (۲۲۳/۱): عن عبدالله بن عمرو ان رسول الله ﷺ قال وقت الظهر اذا زالت الشمس وكان ظل الرجل كطوله مالم تحضر العصر ووقت العصر مالم تصفر الشمس ووقت صلوة المغرب مالم يغب الشفق ووقت صلوة العشاء الى نصف الليل الاوسط ووقت صلوة الصبح من طلوع الفجر مالم تطلع الشمس فاذا طلعت الشمس فامسك عن الصلوة فانها تطلع بين قرني الشيطان۔

وفی الهداية (۷۸/۱): وأول وقت المغرب اذا غربت الشمس وآخر وقتها مالم يغب الشفق ...
... ثم الشفق هو البياض الذى فى الأفق بعد الحمرة عند أبي حنيفة وعندهما هو الحمرة۔

وفی الشامية (۳۶۱/۱): (قوله واليه رجع الامام) اى الى قولهما الذى هو رواية عنه ايضا وصرح فى المجمع بأن عليها الفتوى، ورده المحقق فى الفتح بانه لايساعده رواية ولادراية الخ وقال تلميذه العلامة قاسم فى تصحيح القدورى، ان رجوعه لم يثبت، لما نقله الكافة من لدن الأئمة الثلاثة الى اليوم من حكاية القولين ودعوى عمل عامة الصحابة بخلافه خلاف المنقول قال فى الاختيار: الشفق البياض، وهو مذهب الصديق ومعاذ بن جبل و عائشة رضى الله عنهم

Marfat.com

قلت: ورواه عبدالرزاق عن ابي هريرة وعن عمر بن عبدالعزيز ولم يروالبيهقي الشفق الاحمر الاعن ابن عمر . . . وتمامه فيه واذا تعارضت الأخبار والآثار فلا يخرج وقت المغرب بالشك كما في الهداية وغيرها قال العلامة قاسم: فثبت ان قول الامام هو الاصح، ومشى عليه في البحر مؤيد اله بما قدمناه عنه من انه لايعدل عن قول الامام الالضرورة من ضعف دليل اوتعامل. . .

(تنبيه) قدمنا قريبا ان التفاوت بين الشفقين بثلاث درج كما بين الفجرين فليحفظ۔

(۱۲) سفر کی نمازوں کو پیشگی قصر کرنے کا حکم نیز کسی عذر کی وجہ سے دو وقتوں کی نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ سفر پر جانے سے پہلے ان وقتوں کی نمازوں کی قصر پیشگی گھر پر ادا کرلیتے ہیں جن کے بارے میں انہیں اندیشہ ہے کہ وہ سفر میں ادا نہیں کرسکیں گے، مثلاً اگر سفر ظہر سے پہلے شروع کیا اور رات گئے اپنی منزل پر پہنچنے کا امکان ہے تو یہ لوگ ظہر، عصر، مغرب کی نماز قصر پیشگی ادا کرلیتے ہیں، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا؟

(۱) ائمہ اربعہ کا اس بارے میں مسلک ضرور بیان فرمائیں۔ (۲)......عرب ممالک میں بارش آندھی وغیرہ کے دن اکثر دو وقتوں کی نماز ایک ساتھ جمع کرلی جاتی ہے اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ (۳) یوم عرفات میں مسجد میں ظہر اور عصر کی نماز جمع کی جاتی ہے سوال یہ ہے کہ اگر ایک شخص مسجد نہ جاسکا تو پھر وہ خیمہ میں نماز پڑھتا ہے چاہے تنہا یا مختصر جماعت کے ساتھ تو وہ نماز جمع کرے گا یا پھر دونوں نمازوں کو اپنے اپنے وقت پر پوری پڑھے گا یا قصر پڑھے گا حج میں لوگ قصر ہی پڑھتے ہیں؟ تفصیلی جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے شریعتِ مطہرہ کو آسان بنایا ہے، اسلئے لوگوں کی آسانی کیلئے مختلف حالتوں میں مختلف احکام دیئے ہیں انہی احکام میں سے حالتِ سفر میں نمازوں کی قصر کا حکم ہے۔ البتہ نمازوں کی قصر کیلئے ضروری ہے کہ سفر کی حالت ہو، لہٰذا جب تک سفر شروع نہ ہوا ہو، ائمہ اربعہؒ میں سے کسی کے نزدیک قصر جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جو لوگ سفر شروع کرنے سے پہلے گھروں ہی میں سفر میں آنے والی نمازوں کو قصر کرتے ہیں یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

(۲)......اور رہا مسئلہ حالتِ سفر میں نمازوں کو جمع کرنے کا تو ائمہ اربعہؒ کا اس بارے میں اختلاف ہے، احنافؒ کے نزدیک سفر کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ جبکہ ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سفر کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے۔ لیکن یہ اختلاف جمع بین الصلاتین میں ہے یعنی دو نمازوں کو جمع کرنے کے بارے میں ہے اور وہ دو نمازیں یا تو ظہر وعصر

Marfat.com

کی نمازیں ہیں یا مغرب وعشاء کی تقدیماً یا تاخیراً۔ لیکن یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے کہ سب نمازوں کو ایک ہی وقت میں پڑھا جائے پس صورت مسئولہ میں اگر سفر شروع کرنے سے پہلے نمازوں کو جمع کرتے ہیں تو یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اگر سفر شروع کرنے کے بعد جمع کرتے ہیں پھر اگر ساری ہی نمازیں اکٹھی پڑھتے ہیں تو یہ بھی کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اگر دو نمازوں کو یعنی ظہر وعصر کو یا مغرب وعشاء کو جمع کرتے ہیں تو ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے لیکن احنافؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

(۳)......عرب ممالک میں چونکہ اکثر ائمہ ثلاثہؒ کے مقلدین رہتے ہیں اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک بارش وآندھی وغیرہ کی وجہ سے جمع بین الصلاتین جائز ہے اس لئے وہ حضرات بارش وغیرہ کی وجہ سے جمع بین الصلاتین کرتے ہیں لیکن احنافؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

(۴)......یوم عرفات میں جمع بین الصلوتین کیلئے احنافؒ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق یہ شرط ہے کہ خلیفۂ وقت یا اس کے نائب کے پیچھے نماز با جماعت پڑھی جائے، لہٰذا اگر کوئی شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہو یا کسی اور امام کے پیچھے پڑھ رہا ہو تو اُس کیلئے جمع بین الصلاتین جائز نہیں ہوگی بلکہ عصر کو اپنے وقت میں ہی پڑھے گا۔ اور لوگ عموماً حج میں مکہ مکرمہ میں اقامت کی نیت کر لیتے ہیں تو مکہ مکرمہ میں نمازیں پوری پڑھی جائیں گی البتہ عرفات میں چونکہ تھوڑے وقت کیلئے آتے ہیں اور وہاں مسافر ہوتے ہیں اس لئے قصر کرنا لازم ہوگا۔

لمافی قوله تعالیٰ (النساء:۱۰۳): إِنَّ الصَّلاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا

وفی الدر المختار (۲/۵۰۴): (صلی بهم الظهر والعصر باذان واقامتين) وقراءة سرية ولم يصل بينهما شيئاً على المذهب ولا بعدأداء العصر فی وقت الظهر (وشرط) لصحة هذا الجمع الامام الاعظم أو نائبه والا صلوا وحدانااه۔

وفی الشامية تحته۔ (قوله والاصلوا وحدانا) يوهم جواز صلوة العصر فی وقت الظهر وعدم جواز الجماعة لو صليت العصر فی وقتها وليس بمراد فالاصوب قول الزيلعی رحمه الله صلوا كل واحدة منهما فی وقتها افاده ح اهـ۔

وفی الفقه الاسلامی (۲/۱۳۷۲): يجوز عند الجمهور غير الحنفية الجمع بين الظهر والعصر تقديما فی وقت الأولیٰ وتأخيراً فی وقت الثانية، والجمعة كالظهر الخ......

وفی (صـ۱۳۷۴): اتفق مجيزو الجمع تقديما وتأخيراً على جوازه فی احوال ثلاثة هی السفر، والمطر ونحوه۔

(۱۳) رمضان میں افطاری کی خاطر نماز مغرب کو کچھ تاخیر سے پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان میں افطاری کے لئے نماز مغرب میں کچھ تاخیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کتب فقہ کی روشنی میں جواب دیجئے۔

Marfat.com

الجواب حامداً ومصلیاً......افطار کیلئے جماعت مغرب میں پانچ دس منٹ تاخیر کی گنجائش ہے۔

لمافی مراقی الفلاح(ص۱۴۷): فکان تأخیرها مکروه الافی یوم غیم والا من عذر سفر او مرض وحضور مائدة والتاخیر قلیلالا یکره۔

وفی الشامیة(۱/۳۷۰): ای المذکور فی المبتغی بقوله یکره تاخیر المغرب فی روایة و فی اخری لامالم یغب الشفق والاصح الاول الالعذر اھ۔

(۱۴)عذر کی بنا پر نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک اکیڈمی میں آٹھویں کلاس میں پڑھتا ہوں پڑھائی کاوقت تین سے سات تک ہے مسلسل اسباق ہوتے ہیں درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہوتا حتیٰ کہ نماز کا وقفہ بھی نہیں ہے اس وجہ سے میری نماز رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے کافی پریشانی ہوتی ہے کیا تعلیم کی وجہ سے نماز چھوڑنا جائز ہے؟ نیز اس صورت کے پیش نظر میں عصر کی نماز وقت سے پہلے پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟ اب میرے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز کی فرضیت اوقات مقررہ میں ہر عاقل بالغ مسلمان مرد وعورت پر ہے اور اس کا ثبوت آیاتِ قرآنیہ اور احادیث مشہورہ سے ہے اور بلا کسی عذر شرعی کے اس کا چھوڑنا جائز نہیں۔لہٰذا اپنی تعلیمی مصروفیات میں سے نماز کا وقت نکال کر ادا کرنا ضروری ہے اور کسی بھی نماز کو اپنے وقت سے پہلے پڑھنا جائز نہیں اگر پڑھ بھی لی تو فرض ادا نہ ہوگا اور قضاء لازم ہوگی۔

لمافی ردالمحتار علی الدر المختار(۱/۳۷۰):یشترط لصحة الصلاة دخول الوقت واعتماد دخوله کمافی نور الایضاح وغیره، فلو شك فی دخول وقت العبادة فاتی بها فبان انه فعلها فی الوقت لم یجزه۔

وفی الدر المختار(۱/۳۵۶): سببها ترادف النعم ثم الخطاب ثم الوقت الخ۔

وفی الشامیة: (قوله سببها ترادف النعم الخ) یعنی ان سبب الصلوة الحقیقی هو ترادف النعم علی العبد.... ولما کانت النعم واقعة فی الوقت جعل الوقت سببا بجعل الله تعالیٰ وخطابه حیث جعله،سببا للوجوب لقوله تعالیٰ اقم الصلوة لدلوك الشمس فکان الوقت هو السبب المتاخر

وفی الشامیة أیضاً(ص۳۵۷): وفی البحر عن الخلاصة غلام صلی العشاء ثم احتلم ولم ینتبه حتی طلع الفجر علیه اعادة العشاء هو المختار... الی ان قال (قوله وانه الاصل) (قوله حتی یلزمهم)ای المجنون ومن ذکر بعده وکذا غیرهم ممن خرج علیه الوقت ولم یصل فیه قوله هو الصحیح۔

Marfat.com

فصل فی الاذان والاقامة

(اذان واقامت سے متعلق مسائل کا بیان)

(۱۵) اذان واقامت کے شرائط وآداب

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان واقامت کی شرائط کیا ہیں؟ اسی طرح انکے آداب بھی بیان فرمادیں تاکہ ہم انکی رعایت کرسکیں۔ نیز نابالغ بچہ یا عورت اذان دے سکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......کچھ شرائط مؤذن کیلئے ہیں اور کچھ اذان واقامت کیلئے، لہٰذا دونوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

مؤذن کی شرائط......اول مسلمان ہونا، دوم مرد ہونا، سوم عاقل ہونا۔

اذان واقامت کی شرائط......وقت میں ہونا، عربی زبان میں ہونا، کلمات میں ترتیب کا پایا جانا، پے درپے ہونا یعنی درمیان میں بات چیت نہ کرنا۔

آداب......باآواز بلند ہونا، مؤذن کا نیک وصالح ہونا، اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں رکھنا، اذان کے کلمات ٹھہر ٹھہر کر جبکہ اقامت قدرِ عجلت سے ادا کرنا، قبلہ کی طرف منہ کرنا، حی علی الصلاۃ میں دائیں جانب اور حی علی الفلاح میں بائیں جانب منہ پھیرنا، اذان واقامت کہنے والے کا ایک ہونا۔

نیز عورت اور ناسمجھ بچے کی اذان درست نہیں لہٰذا اگر دونوں میں سے کسی نے بھی اذان دیدی تو اسکا اعادہ ضروری ہوگا البتہ اگر بچہ اتنا بڑا ہے کہ اسکو سمجھ بوجھ حاصل ہو تو اسکی اذان درست تو ہوجائیگی مگر بہتر یہ ہے کہ کوئی بالغ سمجھدار آدمی اذان دے۔

لمافی الشامیة (۳۸۴/۱): (قوله للرجال) اما النساء فیکره لهن الاذان وکذا الاقامة لماروی عن انس رضی اللہ عنہ وابن عمر (رضی الله عنهما) من کراهتهما لهن ولأن مبنی حالهن علی الستر ورفع صوتهن حرام، امداد۔ ثم الظاهر انه یسن للصبی اذا اراد الصلاة کمایسن للبالغ وان کان فی کراهة اذانه لغیره کلام۔

وفی (ص۳۸۹): (قوله اعادماقدم فقط) کمالوقدم الفلاح علی الصلاة یعیده فقط ای ولایستأنف

Marfat.com

الاذان من اوله . . . (قوله ولو رد سلام) اوتشميت عاطس اونحوهما لافی نفسه ولا بعد الفراغ علی الصحيح۔ (وفی صـ۳۹۲) (قوله وجزم المصنف) أی حيث قال فيما مر قيدنا بالمراهق لأن اذان الصبی الذی لايعقل غيرصحيح كالمجنون والمعتوه اهـ فافهم وهذاذكره فی البحربحثافترجح عندالمصنف فجزم به ويؤيده مافی شرح المنية من انه يجب اعادة اذان السكران والمجنون والصبی غيرالعاقل لعدم حصول المقصود.لعدم الاعتماد علی قولهم۔

(۱۶) حدود مسجد میں اذان نہ دینے کی وجہ کا بیان

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک مولوی صاحب سے سنا کہ مسجد میں اذان نہیں دینی چاہئے آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ مولوی صاحب کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ صحیح ہونے کی صورت میں اذان نہ دینے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے حالانکہ اذان میں اللہ اور رسول ﷺ کا نام اور نماز کی طرف دعوت ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ معلوم کرنی ہے ایک قاری صاحب فرما رہے تھے کہ مسجد میں ہوں تو حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ نہیں کہنا چاہیے مسجد سے باہر کہنا چاہیے، آیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اذان بلند آواز سے بلند جگہ پر دی جائے تا کہ زیادہ دور تک آواز پہنچے جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچے گی وہاں تک کی ہر چیز مؤذن کے حق میں گواہی دے گی مسجد کے اندر اذان نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں سے آواز دور تک نہیں پہنچتی جس سے اذان کا اصل مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہوتا، اس لئے بلند جگہ اذان دینا مستحب ہے تا کہ آواز دور تک پہنچ جائے البتہ اگر مسجد کے اندر بھی ایسا انتظام ہو جس سے آواز دور تک پہنچے (جیسے لاؤڈ اسپیکر وغیرہ) تو اس وقت مسجد کے اندر بھی اذان دے سکتے ہیں۔
دوسری بات یہ ہے کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے بعض علماء اذان کے جواب کو واجب کہتے ہیں مگر زیادہ معتمد یہی ہے کہ اجابت فعلی (اذان سن کر مسجد کی طرف جانا) واجب ہے اور اجابت قولی (اذان سن کر زبان سے جواب دینا) مستحب ہے حاضرین مسجد کیلئے ایک ہی صورت ہے کہ وہ زبان سے جواب دیں۔ چنانچہ قاری صاحب کا یہ کہنا کہ ''مسجد کے اندر ''حی علی الصلاۃ'' اور ''حی علی الفلاح'' کے جواب میں ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ'' نہیں کہنا چاہیے'' صحیح نہیں اس لئے کہ حدیث میں اذان کے جواب دینے کے بارے میں مطلق آیا ہے اس میں مسجد کے اندر ہونے اور نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔

لمافی البخاری (۸۶/۱): عن ابی سعيد الخدری ان رسول اللہ ﷺ قال اذا سمعتم النداء فقولوا مثل مايقول المؤذن... قال يحيی وحدثنی بعض اخواننا انه قال لما قال حی علی الصلاة قال لاحول ولاقوة الا باللہ وقال هكذا سمعنا نبيكم ﷺ يقول۔

وفيه أيضاً (۸۶/۱): ان ابا سعيد الخدری قال له انی اراك تحب الغنم والبادية فاذا كنت فی غنمك

Marfat.com

او بادیتك فاذنت للصلوة فارفع صوتك بالندآء فانه لا یسمع مدی صوت المؤذن جن ولا انس ولا شئ الاشهد له یوم القیمة قال ابوسعید رضی اللہ عنہ سمعته من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔

وفی اعلاء السنن(۲/۱۴۰): ...... فالذی یظهر ان المقصود هو رفع الصوت والا علام التام اینما حصل فلا تعارض بینهما فان رفع الصوت قد حصل فی الموضعین لعدم المانع فیهما بخلاف صحن المسجد۔

وفی الطحطاوی علی الدر(۱/۱۸۸): (قوله ولو کان بمسجد لا) فیه ان اجابة اللسان مندوبة عنده فالمانع من تحصیلها فی المسجد۔

وفی الدر المختار(۱/۳۹۸): (فیقطع قراء ة القرآن لو کان یقرأ (بمنزله، ویجیب) لو أذان مسجد کما یاتی (ولو بمسجد لا) لانه اجاب بالحضور وهذا متفرع علی قول الحلوانی، وأما عندنا فیقطع ویجیب بلسانه مطلقا والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر فی حدیث اذا سمعتم الموذن فقولوا مثل مایقول۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته(۱/۷۰۴): اما رفع الصوت فلیکون ابلغ فی اعلامه واعظم لثوابه کما ذکر حدیث ابی سعید رضی اللہ عنہ اذا کنت فی غنمك الخ ولما رواه الخمسة الا الترمذی عن ابی هریرة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المؤذن یغفر له مدّ صوته ویشهد له کل رطب ویابس الخ۔

وفی فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء(۶/۶۵): ج: الاذان بمکبرات الصوت لتبلیغ من بعد وغیره لاحرج فیه لمافی ذلك من المصلحة العامة۔

(۱۷) ایک مسجد کی اذان دوسری مسجد کیلئے کافی نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوقریبی مساجد ہیں کیا دونوں میں اذان دیناضروری ہے یا نہیں؟ اگر کسی مسجد میں اذان نہیں دی گئی توکیا وہ گناہگار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اذان شعائر اسلام میں سے ہے۔اور ہر وہ مسجد جس میں جماعت ہوتی ہے اس میں اذان مسنون ہے لہٰذا کہیں دوقریبی مسجدیں ہوں تو ہر مسجد میں اذان دیناضروری ہے۔ایک مسجد کی اذان دوسری مسجد کیلئے کافی نہیں۔اگر کسی مسجد میں اذان نہ دی گئی تو وہ گنہگار ہوں گے۔

لمافی الهندیة(۱/۵۴): ویکره اداء المکتوبة بالجماعة فی المسجد بغیر اذان وإقامة۔

وفی الدر المختار(۱/۳۹۴-۳۹۵): (وکره ترکهما) معا (لمسافر) ولو منفرداً (وکذا ترکها) لاترکه

Marfat.com

لحضور الرفقة (بخلاف مصل) ولو بجماعة (فى بيته بمصر) اوقرية لها مسجد

وفى الشامية تحته:(قوله ولو بجماعة) وعن ابى حنيفة رحمه الله: لو اكتفوا بأذان الناس اجزاء هم وقد أساءوا ففرق بين الواحد والجماعة فى هذه الرواية بحر

(۱۸) مختلف جگہوں پر اذان پوری کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مؤذن کا مختلف جگہوں پر کھڑے ہوکر اذان پوری کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......اذان میں سنت یہ ہے کہ ایسی جگہ پر کھڑے ہوکر دی جائے کہ چاروں طرف بآسانی آواز پہنچ جائے اور بہتر یہ ہے کہ حیعلتین پر بھی دائیں بائیں طرف منہ کرتے وقت قدم ایک ہی جگہ پر رہیں، تاہم ضرورت کی بنا پر تھوڑا بہت دائیں بائیں ہونے کی بھی گنجائش ہے جیسے منارہ پر بغیر آلۂ مکبر الصوت کے اذان دی جائے لیکن آج کل چونکہ آلہ مکبر الصوت پر دی جاتی ہے اس میں ایک ہی جگہ پر کھڑے ہوکر اذان پوری کرنا ضروری ہے۔اور ایک ہی اذان کا مختلف جگہوں پر اس طور پر دینا کہ اس میں ٹھہراؤ نہ ہو اور چلنے کی سی صورت پیدا ہوجائے تو یہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔

لمافى الهندية (۱/۵۶): وان استدار فى صومعته عند اتساعها فحسن هكذا فى البدائع فيستدير المؤذن فى المأذنة عند الحيعلتين ويخرج رأسه من الكوة اليمنى ويقول حيّ على الصلوٰة مرّتين ثم من الكوّة اليسرى ويقول حيّ على الفلاح مرّتين، وهذا اذا لم يتم الإعلام مع بقاء المؤذن فى مقامه۔

وفى اللجنة الدائمة(۵۸/۶): يشرع للمؤذن الذى يؤذن فى غير مكرفون أن يلتفت يمينا وشمالا عند الحيعلة مع ثبوت قدمه لان ذالك ثبت من فصل مؤذن رسول الله ﷺ بحضرته ولأنه ابلغ فى اسماء النداء للصلواة لمن بعد عن المسجد۔

(۱۹) لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اذان دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بذریعہ لاؤڈ اسپیکر اذان دینا کیسا ہے جبکہ مسجد کے آس پاس تھوڑے سے گھر ہوں اور لاؤڈ اسپیکر کے بغیر آواز ان گھروں تک پہنچ سکتی ہو؟

الجواب بعون الملک الوهاب......اذان سے مقصود اعلام ہوتا ہے لہٰذا اذان جتنی بلند آواز سے دی جائے اتنا ہی اچھا ہے۔صورت مسئولہ میں اگرچہ بغیر لاؤڈ اسپیکر کے بستی والوں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے لیکن اگر لاؤڈ اسپیکر میں اذان دی جائے تو اذان کی آواز علی

Marfat.com

وجہ الکمال پہنچے گی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاں تک اذان کی آواز جائے گی تو وہاں تک کی ہر ہر چیز قیامت کے دن گواہی دے گی اس لئے لاؤڈ اسپیکر میں اذان دینا بہتر ہے۔

لمافى الهندية(١/٥٥): والسنة ان يؤذن فى موضع عال يكون اسمع لجيرانه ويرفع صوته ولا يجهد نفسه . . .

وفيه ايضاً(ص٥٦): ويجعل اصبعيه فى اذنيه وان لم يفعل فحسن لانه ليس بسنة اصلية وانما شرع لاجل المبالغة فى الاعلام۔

وفى الشامية(١/٣٨٨): (ويجعل اصبعيه الخ) لقوله ﷺ لبلال رضى الله عنه اجعل اصبعيك فى اذنيك فانه ارفع لصوتك وان جعل يديه على اذنيه فحسن لأن أبا محذورة رضي الله عنه ضم اصابعه الاربعة ووضعها على اذنيه . . . (قوله فاذانه الخ) تفريع على قوله ندبا قال فى البحر والامر اى فى الحديث المذكور للندب بقرينة التعليل فلذا لولم يفعل كان حسنا فان قيل: ترك السنة كيف يكون حسنا؟ قلنا ان الاذان معه احسن فاذا تركه بقى الاذان حسنا كذا فى الكافى۔

وفى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء(٦/٦٥): الاذان بمكبرات الصوت لتبليغ من بعد وغيره لاحرج فيه لما فى ذلك من المصلحة العامة۔

(۲۰) اذان میں اللہ اکبر اللہ اکبر پڑھنے کے طریقے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان میں اللہ اکبر اللہ اکبر میں دوسرے لفظ اللہ کا ہمزہ ساقط ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اذان میں اللہ اکبر اللہ اکبر کو پڑھنے کے صحیح طریقے دو (۲) ہیں۔

(۱)......پہلے اللہ اکبر کی راء کو ساکن پڑھیں اس صورت میں دوسرے لفظ اللہ کا ہمزہ ساقط نہ ہوگا۔

(۲)......پہلے اللہ اکبر کی راء کو فتحہ دے کر دوسرے لفظ اللہ سے ملا کر (بنیت وقف) پڑھیں اس صورت میں دوسرے لفظ اللہ کا ہمزہ ساقط ہوگا۔ نیز پہلے اللہ اکبر کی راء کو ضمہ دے کر دوسرے لفظ اللہ سے ملا کر (ہمزہ ساقط کر کے) پڑھنا خلاف سنت ہے۔

لمافى رد المحتار (١/٣٨٦): والاصل فى اكبر تسكين الراء فحولت حركة الف اسم الله الى الراء كما فى ـ آلم الله ـ وفى المغنى حركة الراء فتحة وان وصل بنية الوقف ثم قيل هى حركة الساكنين ولم يكسر حفظا لتفخيم الله وقيل نقلت حركة الهمزة وكل هذا خروج عن الظاهر والصواب ان حركة الراء ضمة اعراب وليس لهمزة الوصل ثبوت فى الدرج فتنقل حركتها و

Marfat.com

بالجملة الفرق بين الاذان وبين۔ الّم الله۔ ظاهر فانه ليس لـ۔ الّم الله۔ حركة اعراب اصلا وقد كانت لكلمات الاذان اعرابا الا انه سمعت موقوفة۔۔۔

وحاصلها ان السنة ان يسكن الراء من الله اكبر الاول اويصلها بالله اكبر الثانية فان سكنها كفى وان وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة فان ضمها خالف السنة لان طلب الوقف على اكبر الاول صيره كالساكن اصالة فحرك بالفتح۔

(۲۱) اذانِ فجر میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ،مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کب ہوا؟

الجواب بعون الملک الوهاب......احادیث مبارکہ کے تتبع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ ہجرت کے پہلے سال اذان کی مشروعیت کے کچھ دنوں بعد ہوا ہے اس لئے کہ جن صحابی (حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ) کو اذان کا الہام کیا گیا ہے انہیں سے الصلوٰۃ خیر من النوم کے اضافے سے متعلق ایک حدیث مروی ہے جس میں انہوں نے اذان کی مشروعیت کا واقعہ یوں بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنا خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سچا خواب ہے پھر اذان کہنے کا حکم دیا چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کیلئے بلانے آیا کرتے تھے ایک دفعہ صبح کی نماز کیلئے بلانے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ب آوازِ بلند الصلوٰۃ خیر من النوم کہا۔ اس حدیث کے راوی حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کلمات اس وقت سے صبح کی اذان میں داخل کئے گئے ہیں۔ پس حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ اذان کی مشروعیت کے کچھ ہی دنوں بعد ہوا ہے جبکہ اذان کی مشروعیت ہجرت کے پہلے سال ہوئی ہے۔

لما فی المسند الجامع(۸/۳۰۳): عن سعيد بن المسيب عن عبدالله بن زيد بن عبدربه قال لما اجمع رسول الله ﷺ ان يضرب بالناقوس يجمع للصلاة الناس وهو له كاره لموافقته النصارى طاف بي من الليل طائف وانا نائم رجل عليه ثوبان اخضران وفي يده ناقوس يحمله قال فقلت له يا عبدالله اتبيع الناقوس؟ قال وما تصنع به؟ قلت ندعوبه الى الصلوٰة قال افلا ادلك على خير من ذالك؟ قال قلت بلى قال تقول الله اكبر الله اكبر۔۔۔ (الى ان قال) فاخبرته بما رأيت قال فقال رسول الله ﷺ ان هذه لرؤياحق ان شاء الله ثم امر بالتاذين فكان بلال "رضى الله عنه" مولى ابي بكر يوذن بذالك ويدعو رسول الله ﷺ الى الصلوٰة قال فجاءه فدعاه ذات غد الى الفجر فقيل له ان رسول الله ﷺ نائم قال فصرخ بلال باعلى صوته الصلاة خير من النوم قال سعيد بن المسيب فادخلت هذه الكلمة في التاذين الى صلاة الفجر"

Marfat.com

وفی الدر المختار(۱/۳۸۳): (سببه ابتداء اذان جبرئیل) لیلة الاسراء واقامته حین امامته علیه الصلوة والسلام ثم رؤیا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اذان الملك النازل من السماء فی السنة الاولیٰ من الهجرة۔

(۲۲) فجر کی اذان میں ''الصلوۃ خیر من النوم'' رہ جائے تو کیا حکم ہوگا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذانِ فجر میں اگر ''الصلوۃ خیر من النوم'' چھوٹ جائے تو کیا اذان کو دوبارہ لوٹانا ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......فجر کی اذان میں ''الصلوۃ خیر من النوم'' کہنا مستحب ہے۔لہٰذا اگر ''الصلوۃ خیر من النوم'' چھوٹ جائے تو اذان کو دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

لمافی الدرالمختار(۱/۳۸۷): (ویقول) ندبا (بعد فلاح اذان الفجر الصلوة خیر من النوم مرتین) لانه وقت نوم وفی الشامیة تحته : (قوله بعد فلاح الخ) فیه رد علی من یقول ان محله بعد الاذان بتمامه۔

وفی الفقه علی المذاهب الاربعة(۱/۳۱۲): ثم یختم بقول لا اله الا الله الا فی صلوة الصبح فانه یندب ان یقول بعد حی علی الفلاح ''الصلوة خیر من النوم'' مرتین واذا ترکهما صح الاذان مع الکراهة۔

(۲۳) بلاعذر بیٹھ کر اذان دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ اذان کیلئے کھڑا ہونا ضروری ہے یا بیٹھ کر بھی اذان دی جاسکتی ہے؟اگر بغیر عذر کے کسی نے بیٹھ کر اذان دیدی تو کیا اعادہ واجب ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اذان کے الفاظ کھڑے ہو کر ادا کرنا سنت ہے اور بلاعذر بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے البتہ اگر کسی نے بیٹھ کر اذان دیدی تو دوبارہ دینا ضروری نہیں۔البتہ ایک صورت میں بیٹھ کر اذان دینا بلاکراہت درست ہے وہ یہ کہ جب کوئی شخص تنہا نماز پڑھے۔

وفی الهندیة(۱/۵۴):ویکره الاذان قاعدا وان اذن لنفسه قاعدا فلابأس به۔

Marfat.com

(۲۴) کیا مؤذن گواہ کے حکم میں ہے؟

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مؤذن اذان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے توکیا اس کا یہ اذان دینا گواہی دینے کے حکم میں ہوگا؟ اور کیا مؤذن میں بھی ان شرائط کا پایا جانا ضروری ہے جو گواہ بننے کیلئے ہوتی ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اذان دینے سے مقصود اوقات صلاۃ کیلئے اعلان کرنا ہوتا ہے، لہٰذا اذان دینا گواہی کے حکم میں نہیں اور نہ شرائطِ گواہی اذان دینے کیلئے ضروری ہیں۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ اذان دینے والا عادل، نیک وصالح ہو۔

لمافی الھندیة(۱/۵۴): ویکرہ اذان الفاسق ولا یعاد۔

(۲۵) بچے کی اذان کا حکم

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ہماری مسجد میں ایک مرتبہ بارہ سال کے بچے نے اذان دیدی تو ایک آدمی نے اذان کا اعادہ کیا یہ کہتے ہوئے کہ بچے کی اذان درست نہیں ہے، کیا اس آدمی کی بات درست ہے؟ بچے کی اذان پر اعادہ لازم ہے کہ نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......بارہ سال کا بچہ کیونکہ عاقل ہے اس لیے اسکی اذان درست ہے اسکا اعادہ نہیں کیا جائیگا البتہ افضل یہ ہے کہ بالغ مکلف شخص اذان دیا کرے۔

لمافی الشامیة (۱/۳۹۴): وامامن حیث اقامة الشعار النافیة للاثم عن اھل البلدة فیصح اذان الکل سوی الصبی الذی لایعقل لان من سمعه لایعلم انه مؤذن بل یظنه یلعب بخلاف الصبی العاقل لانه قریب من الرجال ولذاعبرعنه الشارح بالمراھق۔

(۲۶) کئی سالوں کی قضاء نمازوں کیلئے اذان واقامت

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی کئی سال کی نمازیں قضاء ہوچکی ہیں اور اب وہ مستحبات بھی نہیں چھوڑنا چاہتا اگر یہ شخص ظہر کی نماز پڑھنے سے پہلے یا بعد میں قضاء نماز پڑھے تو آیا اذان کہے یا نہیں جبکہ اذان ہوچکی ہو نیز ایسے شخص کیلئے اپنی نمازوں کی قضاء بہتر ہے یا نوافل اور سنت مؤکدہ پڑھنا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں ایسے شخص کی کیونکہ کئی سال کی نمازیں فوت ہوچکی ہیں لہٰذا اسکو اختیار ہے کہ چاہے پہلے وقتی نماز پڑھے یا قضا پڑھے البتہ اگر وقت میں اتنی گنجائش ہے کہ چندفوت شدہ نمازیں ادا سے پہلے پڑھ سکتا ہے تو پہلے

Marfat.com

قضانمازیں پڑھ لے۔اور اس وقت میں جتنی قضانمازیں پڑھیگا تو پہلی قضا کیلئے اذان واقامت دونوں کہے گا، باقی میں اسکواختیار ہے چاہے تواذان واقامت دونوں کہے یاصرف اقامت پراکتفا کرے۔

نیز عام نوافل میں مشغول ہونے سے بہتر ہے کہ پہلے قضانمازیں پڑھے البتہ سنن مؤکدہ وغیر مؤکدہ پڑھ لینی چاہئیں۔

لمافی مجمع الانھر(۱/۱۱۴): (وکذا) یؤذن ویقیم (لاولی الفوائت وخیرفیه للبواقی) ان شاء اذن واقام وان شاء اقام فقط،هذااذاکان فی مجلس واحدواماإذاکان فی مجالس فانه یشترط کلاھماکمافی المستصفی۔

وفی التاتارخانیة(۱/۷۷۰): وفی الحجة الاشتغال بقضاء الفوائت اولی واھم من النوافل الاالسنن المعروفة وصلاة الضحی وصلاة التسبیح والصلوات التی رویت فی الاخبار۔

(۲۷)قضاءنماز پڑھتے وقت اذان واقامت کاحکم

سوال......کیافرماتے ہیں علماءکرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قضانماز پڑھتے وقت اذان اوراقامت کہناضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......قضاءشدہ نماز اگرایک ہے تواس کو پڑھتے وقت اذان واقامت پوری کہنامسنون ہے چاہے باجماعت پڑھی جائے یااکیلے پڑھی جائے،اگرایک سے زائد ہیں توسب سے پہلی نماز کیلئے اذان واقامت دونوں کا کہنا ن ہے اور بقیہ میں اختیار ہے چاہے تواذان واقامت دونوں کہے یاصرف اقامت پراکتفاکرے یہ اس وقت ہے جب ایک ہی مجلس میں ایک سے زائدنمازیں اداکی جائیں البتہ اگرہرایک نمازالگ مجلس میں اداکرے توپھرہرایک کیلئے اذان واقامت کہنامسنون ہے۔

لمافی الھندیة (۱/۵۵): ومن فاتته صلاة فی وقتھا فقضاھا أذن لھا وأقام واحدا کان اوجماعة ھکذا فی المحیط وإن فاتته صلوات أذن للاولی وأقام وکان مخیرا فی الباقی إن شاء أذن وأقام وإن شاء اقتصر علی الاقامة کذا فی الھدایة وإن أذن وأقام لکل صلاة فحسن... والتخییر فی البواقی إنما ھو إذا قضاھا فی مجلس واحد اما إذا قضاھا فی مجالس فیشترط کلاھما۔

وفی الدرالمختار(۱/۳۹۰):(و) یسن أن(یؤذن ویقیم لفائتة)...(وکذا) یسنان (لاولی الفوائت) لالفاسدة (ویخیر فیه للباقی) لوفی مجلس وفعله اولی ویقیم للکل۔

(۲۸)میت کوقبرمیں اتارتے وقت اذان کاحکم

سوال......کیافرماتے ہیں علماءکرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کوقبرمیں اتارتے وقت اذان دیناشرعاً کیساہے؟ جائز

Marfat.com

ہے یا بدعت؟ اگر بدعت ہے تو پھر نماز کے علاوہ اور مواقع میں کیوں جواز نقل کیا جاتا ہے ان میں وجہ فرق کیا ہے؟ تفصیل سے جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا شرعاً درست نہیں، فقہاء نے اسے بدعت لکھا ہے اور دیگر مقامات پر نماز کے علاوہ جواذان کا جواز فقہاء نے نقل کیا ہے (مثلاً آندھی کے وقت، زلزلہ کے وقت، آگ لگ جانے کے وقت، جنات کی سرکشی کے وقت، کسی انسان یا جانور کی بدخلقی کے وقت، غمگین کے کان میں، مرگی کی بیماری کے وقت، غصہ کے وقت، نومولود بچہ کے کان میں) ان مقامات میں بعض تو منصوص ہیں مثلاً حزن کے وقت اور بچے کے کان میں اور جو غیر منصوص مقام ہیں ان میں بعض مقامات پر اذان دینے سے دفع مضرت مقصود ہوتی ہے اور بعض میں جلب منفعت اور ان مواقع پر اذان دینے کو عبادت بھی نہیں سمجھا جاتا، اس کے برخلاف قبر پر اذان کو عام طور پر عبادت سمجھا جاتا ہے اور عبادت کے ثبوت کیلئے دلیل خاص کا ہونا ضروری ہے اور یہاں دلیل معدوم ہے اس لئے فقہاء نے اسے بدعت لکھا ہے۔

تنبیہ......میت کو قبر میں اتارتے وقت احادیث مبارکہ میں یہ دعا منقول ہے: ''بسم اللہ وعلی ملّۃ رسول اللہ'' لہٰذا اس دعاء کو پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

لمافی الشامیۃ(۲/۲۳۵): لا یسن الأذان عند إدخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن وقد صرّح ابن حجر فی فتاویہ بأنہ بدعۃ وقال ۔ ومن ظنّ أنّہ سنۃ قیاسا علی ندبھما للمولود إلحاقا لخاتمۃ الأمر بابتدائہ فلم یصب۔

وفی اللجنۃ الدائمۃ(۹/۷۲): لایجوز الأذان ولا الاقامۃ عند القبر بعد دفن المیت ولا فی القبر قبل دفنہ لأن ذلک بدعۃ محدثۃ۔

(۲۹) شیعوں کا اذان میں ''علی ولی اللہ'' کا اضافہ کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شیعوں کا اذان میں ''علی ولی اللہ'' وغیرہ کا اضافہ کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شیعوں کا اذان میں ''عَلِی وَلیُّ اللہِ'' وغیرہ کا اضافہ کرنا بدعت ہے کیونکہ احادیث مبارکہ، اقوال صحابہ اور ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کسی سے بھی ان کلمات کا اضافہ کرنا ثابت نہیں اور خود فقہاء شیعہ نے بھی اسکے عدم ثبوت کی صراحت اپنی کتابوں میں نقل کی ہے۔لہٰذا اس سے بچنا شرعاً لازم ہے۔ واللہ اعلم

لمافی اللجنۃ الدائمۃ (٦/٩٦): س: کیف یضع بعض المسلمین اسم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فی الاذان والاقامۃ وھل فعل ذلک رسول اللہ ﷺ واصحابہ؟

Marfat.com

ج: الاذان من العبادات والعبادات كلها توقيفية ولم يكن فيه ولا فى الاقامة على عهد رسول الله ﷺ ولا على عهد خلفائه الراشدين ذكر اسم على رضى الله عنه ولم يشرع ذلك۔ وانما ابتدعه الرافضة كما هو شانهم فى الابتداع واهل السنة لايرون ذلك بل ينكرونه على فاعليه صيانة للتشريع الاسلامى عن البدع وحفظاله منها۔

وفى الحدائق الناضرة(۷/۴۰۳): (تاليف: شيخ يوسف البحرانى): قال: شيخنا الصدوق فى الفقيه بعد نقل خبر ابى بكر الحضرمى وكليب الاسدى: قال: مصنف هذا الكتاب هذا هو الاذان الصحيح لايزاد فيه ولا ينقص منه والمفوضة (لعنهم الله) قدوضعوا اخباراً وزادوا فى الاذان "محمد وال محمد خير البرية" مرتين وفى بعض رواياتهم بعد "أشهد ان محمدا رسول الله" "اشهد ان عليا ولى الله" مرتين ومنهم من روى بدل ذلك "اشهد ان عليا امير المؤمنين حقا" مرتين ولاشك فى ان عليا ولى الله وأنه امير المؤمنين حقا وأن محمدا وال محمد (صلوت الله عليهم) خير البرية و لكن ليس ذلك فى اصل الاذان وانما ذكرت ذلك ليعرف بهذه الزيادة المتهمون بالتفويض المدلسون انفسهم فى جملتنا۔

(۳۰) تہجد کی اذان کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عرب ممالک میں عام طور سے تہجد کی اذان ہوتی ہے فجر سے تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے یہ کب سے شروع ہوئی یہ خلفائے راشدین کے وقت میں رائج تھی یا نہیں اگر یہ بعد میں شروع ہوئی تو کیا بدعت میں شمار ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تہجد کیلئے اذان احناف کے ہاں ثابت نہیں یہ اذان رسول کریم ﷺ کے زمانے میں شروع ہوئی تھی جو بعد میں نہیں رہی اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں بھی نہیں تھی جیسا کہ طحاوی میں حضرت علقمہؒ کے اثر سے معلوم ہوتا ہے البتہ اگر کوئی تہجد کیلئے اذان دے تو یہ بدعت نہیں ہوگی کیونکہ اس کی اصل موجود ہے لیکن دینی نہیں چاہیئے۔

لمافى الطحاوى(۱/۱۰۵): فهذا ابن عمر رضى الله عنهما يروى عن النبى ﷺ ماذكرنا، وهو ممن قدروى عن رسول الله ﷺ أنه قال ان بلالا ينادى بليل فكلوا واشربوا حتى ينادى ابن ام مكتوم فثبت بذلك أن ماكان من ندائه قبل طلوع الفجر مما كان مباحاله، هو لغير الصلوة وأن ماأنكره عليه اذ فعله قبل الفجر كان للصلوة... (ص۱۴۱) وقدروى عن علقمة من هذاشىء... عن ابراهيم قال شيعنا علقمة الى مكة فخرج بليل فسمع مؤذنا يؤذن بليل فقال

Marfat.com

أما هذا فقد خالف سنة أصحاب رسول الله ﷺ لو كان نائما لكان خيرا له فإذا طلع الفجر أذن، فأخبر علقمة أن التأذين قبل طلوع الفجر خلاف لسنة أصحاب رسول الله ﷺ۔

وفى الشامية(١/٣٨٥): (قوله كعيد) أى ووتر وجنازة وكسوف واستسقاء وتراويح وسنن رواتب لأنها أتباع للفرائض والوتر وإن كان واجبا عنده لكنه يؤدى فى وقت العشاء فاكتفى بأذانه لالكون الأذان لهما على الصحيح كما ذكره الزيلعى بحر فافهم لكن فى التعليل قصور لاقتضائه سنية الأذان لما ليس تبعا للفرائض كالعيد ونحوه فالمناسب التعليل بعدم وروده فى السنة تأمل۔

(۳۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اذان دینے کا ثبوت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خود بھی اذان دی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جی ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کے موقع پر خود بھی اذان دینا ثابت ہے۔

لمافى الدرالمختار(١/٤٠١): الافضل كون الامام هو المؤذن وفى الضياء انه عليه الصلاة والسلام اذن فى سفر بنفسه واقام وصلى الظهر وقدحققناه فى الخزائن۔

وفى الشامية تحت :(قوله الافضل الخ) أى لقول عمر رضى الله عنه لولا الخلافة لأذنت مع الامامة كما قدمناه وفى السراج ان اباحنيفة كان يباشر الاذان والاقامة بنفسه۔(قوله وقد حققناه فى الخزائن) حيث قال بعد ماهنا هذا وفى شرح البخارى لابن حجروما يكثر السئوال عنه هل باشر النبى ﷺ الاذان بنفسه وقد اخرج الترمذى انه عليه السلام اذن فى سفر وصلى باصحابه وجزم به النووى وقواه ولكن وجد فى مسند احمد من هذا الوجه فامر بلالاً فاذن فعلم ان فى رواية الترمذى اختصارا وان معنى قوله اذن امر بلالاً كما يقال اعطى الخليفة العالم الفلانى كذا وانما باشر العطاء غيره۔

وفى تقريرات الرافعى(ص٤٧): قوله (ولكن وجد فى مسند احمد من هذا الوجه الخ) ذكر السندى مانصه وفى السراج روى عقبة بن عامر قال كنت مع رسول الله ﷺ فى سفر فلما زالت الشمس اذن بنفسه واقام وصلى الظهر وقال السيوطى ظفرت بحديث آخر مرسل اخرجه سعيد بن منصور فى سننه قال اذن رسول الله ﷺ مرة فقال حيى على الصلاة وهذه رواية لاتقبل التاويل۔

Marfat.com

(۳۲) ''اذان کا جواب'' دینے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ کیا اذان کا جواب دینا واجب ہے؟ اگر واجب ہو تو کیا جس مسجد کی بھی اذان ہو اُن سب کا جواب دینا لازم ہوگا یا صرف اپنی مسجد کی اذان کا جواب دینا لازم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اذان کا جواب بالقول مستحب ہے اور بالفعل واجب ہے یعنی جب اذان کی آواز سنائی دے تو زبان سے جواب دینا مستحب ہے اور بالفعل کا مطلب یہ ہے کہ اذان سن کر نماز کیلئے جانا واجب ہے۔ پھر زبان سے جواب میں یہ تفصیل ہے کہ اگر متعدد اذانیں ہوں تو پہلی اذان کا جواب دیگا چاہے محلے کی مسجد میں ہو یا کہیں اور البتہ تمام اذانوں کا جواب دینا افضل ہے۔

وفی الشامية (۳۹۶/۱): (قوله قال الحلوانی ندبا الخ) ای قال الحلوانی ان الاجابة باللسان مندوبة والواجبة هی الاجابة بالقدم...

وفيه ايضاً(۳۹۷/۱):(قوله ولوتكرر)أی بان اذن واحدبعدواحد،امالوسمعهم فی آن واحدمن جهات فسيأتی (قوله اجاب الاول) سواء كان مؤذن مسجده اوغيره...اذا كان فی المسجد أكثرمن مؤذن أذنوا واحدا بعد واحد فالحرمة للاول۔

(۳۳) جمعہ کی اذان ثانی کا جواب

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جمعہ کی اذان جو خطبہ کے وقت ہوتی ہے اسکا جواب دینا چاہیئے یا خاموش رہنا چاہیئے؟ اسی طرح اس اذان کے بعد دعا پڑھی جائیگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... جمعہ کی دوسری اذان کا جواب زبان سے نہیں دینا چاہیے بلکہ دل ہی میں دیدینا کافی ہے اسی طرح اس اذان کے بعد کی دعا کا ترک افضل ہے۔

لمافی التاتارخانية (۶۷/۲):وفی الاوزجندی: اذا قال الخطيب؛ يايها الذين آمنوا صلوا عليه (الأية) فی الخطبة فالأصح السكوت وفی الحجة ولوسكت فهوافضل تحقيقا للانصات والذی عليه عامة مشايخنا ان علی القوم ان يستمعوا للخطبة من اولها الی آخرها وقال ابوحنيفة ومحمد: واذا ذكرالله والرسول فی الخطبة يجب عليهم ان يستمعوا ولم يذكر الله تعالی بالثناء عليه ولم يصلوا علی النبی صلى الله عليه وسلم۔

وفی الدرالمختار(۳۹۹/۱):وينبغی ان لايجيب بلسانه اتفاقافی الاذان بين يدی الخطيب وان

Marfat.com

يجيب بقدمه اتفاقا فی الاذان الاول يوم الجمعة لوجوب السعی بالنص۔

(۳۴) چلتے ہوئے رک کر اذان کا جواب دینا بہتر ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پیدل چلتے وقت اگر اذان سنے تو چلتا ہوا جواب دے یا ٹھہر کر؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر پیدل چلتے وقت اذان سنائی دے تو اولیٰ و بہتر یہ ہے کہ ٹھہر کر جواب دے تاہم اگر کسی ضرورت کی بنا پر چلتے چلتے جواب دیدے تو بھی کچھ حرج نہیں۔

لمافی الهندية(۱/۵۷): سمع الاذان وهو يمشی فالاولی أن يقف ساعة ويجيب۔

وفی الشامية(۱/۳۹۷): (قوله بزازية) كذا نقله فی النهر ولم أره فيها فلتراجع نسخة أخرى نعم رأيت فيها سمع وهو يمشی فالافضل أن يقف للاجابة ليكون فی مكان واحد۔

(۳۵) دورانِ وعظ یا تقریر اذان کا جواب دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر دوران وعظ یا تقریر اذان شروع ہو جائے تو کیا جواب دینا لازم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر دوران وعظ یا تقریر اذان شروع ہو جائے تو جواب دینا لازم نہیں ہوگا کیونکہ وعظ اور تقریر کا مقصد مسلمانوں کو دین کی اہمیت اور دین کے احکامات سکھانا ہے۔لیکن بہتر یہ ہے کہ وعظ اور تقریر بند کر کے اذان کا جواب دیا جائے۔

لمافی الهندية (۱/۵۷): يجب على السامعين عند الاذان الاجابة......ولا ينبغی ان يتكلم السامع فی خلال الاذان والاقامة ولا يشتغل بقراءة القرآن ولا بشئی من الاعمال سوى الاجابة۔

وفی الشامية (۱/۳۹۶): (قوله وتعليم علم) ای شرعی فيما يظهر ولذا عبر فی الجوهرة بقرائة الفقه (قوله بخلاف قرآن) لانه لايفوت... بخلاف التعلم فعلى هذا لو يقرأ تعلما او تعليما لايقطع۔

(۳۶) اذان کے پورا ہو جانے کے بعد جواب دینا کیسا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان پوری ہو جانے کے بعد اذان کا جواب دینا شرعاً کیسا ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب...... مستحب یہ ہے کہ اذان کا جواب اذان کے ساتھ ساتھ دیا جائے اور اگر کوئی شخص اذان کے ساتھ اذان کا جواب نہ دے سکا ہو تو اذان کے بعد جواب دے دے بشرطیکہ زیادہ وقت نہ گزرا ہو، اور اگر اذان کے بعد وقت زیادہ ہو گیا ہو تو جواب دینا شرعاً مستحب نہ ہوگا۔

لمافی حاشیة الطحطاوی علی الدر(۱/۲۰۱): قال فی النھر لم أره ثم اذا لم یجب حتی فرغ مَن تداركه ان قصر الفصل۔

وفی الدر المختار(۱/۳۹۸): ولو لم یجبه حتی فرغ لم أره وینبغی تداركه ان قصر الفصل۔

وفی الشامیة تحته: فلوسکت حتی فرغ کل الاذان ثم اجاب قبل فاصل طویل کما فی اصل سنة الاجابة کما ھو ظاھر۔

(۳۷) ریڈیو اور ٹی وی کی اذان کا جواب دینا ضروری نہیں

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر ریڈیو اور ٹی وی میں نماز کے وقت اذان نشر کی جاتی ہے اگر کوئی شخص یہ اذان سن لے تو اس پر اذان کا جواب دینا ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اس اذان کا جواب دینا ضروری ہے جو سنت کے مطابق ہو، سنت کے مطابق وہ اذان ہے جس میں اعلام ہو، اور دینے والا سمجھدار ہو، چنانچہ اگر ناسمجھ بچہ اذان دیتا ہے تو اس کی اذان کا جواب دینا ضروری نہیں کیونکہ یہ سنت کے مطابق نہیں اور نہ لوگ اس کے کلام کا اعتبار کریں گے اس کی اذان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص پرندہ کو اذان یا سجدہ تلاوت کی آیت سکھا دے اور وہ پڑھے تو اس صورت میں نہ جواب دینا ضروری ہوگا اور نہ سجدہ تلاوت واجب ہوگا اسی طرح جو آواز ٹکرا کر واپس آتی ہے اس سے بھی وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس میں فقط اعلام ہے یہی حال ریڈیو اور ٹی وی کی اذان کا ہے کہ ان میں فقط اعلام ہے اور اس لیے اگر ان پر اذان آتی ہے تو اس کا جواب دینا ضروری نہیں۔

لمافی نور الایضاح(ص۶۷): واذا سمع المسنون منه امسك وقال مثله وحوقل فی الحیعلتین (حاشیه ۱-) وقید بالمسنون من الاذان فافاد انه اذا کان علی غیر وجه السنة کاذان المرأة وغیره لاتندب له المتابعة۔

وفی الشامیة(۱/۳۹۴): وروی عن الامام انه تستحب اعادة اذان المرأة وعلی ھذه الروایة مشی الزیلعی وذکر فی البدائع ایضاً أن أذان الصبی الذی لا یعقل لایجزی ویعاد لان ما یصدر لاعن عقل لایعتد به کصوت الطیور۔

وفی الھندیة(۱/۱۳۲): ولا تجب اذا سمعها من طیر. ھو المختار۔

Marfat.com

(۳۸) مرغ کی اذان پر نماز فجر پڑھنا صحیح نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر قریب میں کوئی مسجد نہ ہو تو مرغ کی اذان پر نماز فجر پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......مرغ کی آواز کو اذان سمجھنا اور صرف اسی پر اعتماد کر کے نماز فجر پڑھنا صحیح نہیں، اولاً اس لئے کہ مرغ کی آواز کو عرف میں اذان کہہ دیتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ اذان نہیں ہے۔ ثانیاً یہ بے وقت بانگ دے دیتا ہے اس کو وقت کی تعیین نہیں، ہاں اگر نماز کا وقت ہو جانے کا دوسرے قرائن سے بھی علم ہو جائے تو نماز پڑھنا صحیح ہے۔

اور اذان شرعی تو وہ مخصوص کلمات ہیں جو اذان کے وقت میں کہے جاتے ہیں اور ان کی ادائیگی کیلئے ضروری ہے کہ اذان کوئی ایسا عاقل معتبر آدمی دے کہ جس پر لوگ بھروسہ کرتے ہوں تا کہ اذان کا مقصد "اعلام" صحیح طور پر حاصل ہو سکے۔ اور اگر مذکورہ صورت میں مسجد قریب نہیں ہے تو وقت ہو جانے پر خود اذان دے کر نماز پڑھنی چاہیے۔

لمافی الهندية(۱/۵۳): واهلية الاذان تعتمد بمعرفة القبلة والعلم بمواقيت الصلوٰة، كذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ وينبغی ان يكون المؤذن رجلاعاقلاصالحا تقياعالمابالسنة كذا فی النهاية۔

وفيه ايضاً(۱/۵۴): واذان الصبی الذی لايعقل لايجوز ويعاد وكذا المجنون هكذا فی النهاية۔

وفی الشامية (۱/۳۹۴): وذكر فی البدائع ايضاً أن اذان الصبی الذی لايعقل لايجزی ويعاد، لان مايصدر لاعن عقل لايعتد به كصوت الطيور۔

(۳۹) دینی کتب کا مطالعہ کرتے وقت اذان کا جواب دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دینی کتب کے مطالعے کے دوران اگر اذان کی آواز سنے تو کیا اذان کا جواب دے یا مطالعہ جاری رکھے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں بہتر یہ ہے کہ مطالعہ چھوڑ دے اور اذان کا جواب دے۔

لمافی الهندية(۱/۵۷): ولاينبغی ان يتكلم السامع فی خلال الاذان والاقامة ولايشتغل قراءة القرآن ولا بشئ من الاعمال سوی الاجابة ولوكان فی القراءة ينبغی ان يقطع ويشتغل بالاستماع والاجابة۔

وفی الدر المختار(۱/۳۹۶-۳۹۸): (يجيب) وجوبا وقال الحلوانی ندباً والواجب الاجابة بالقدم (من

Marfat.com

سمع الاذان) ولوجنبا لا حائضا ونفساء وسامع خطبة وفی صلاة جنازة وجماع ومستراح واكل وتعليم علم وتعلمه بخلاف القرآن (بأن يقول) بلسانه (كمقالة) ان سمع المسنون منه وهو ماعربيا... (ولوكان فی المسجد حين سمعه ليس عليه الاجابة ولوكان خارجه اجاب بالمشی اليه (بالقدم ولواجاب باللسان لابه لايكون مجيباً)... (فيقطع قرأة القرآن لو كان يقرأ (بمنزله ويجيب)۔

(۴۰) أذان میں اللہ اکبر کے جواب میں صرف جل جلالہ کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کے اندر اللہ اکبر کے جواب میں صرف ''جل جلالہٗ'' کہنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......أذان کے اندر اللہ اکبر کے جواب میں صرف جل جلالہٗ کہنا خلاف سنت ہے، اذان کے جواب میں اذان ہی کے کلمات دہرانے چاہئیں البتہ ''حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح'' کے جواب میں ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم'' اور ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کے جواب میں ''صدقت و بررت و بالحق نطقت'' کہنا چاہیئے۔

لمافی الهندية (۵۸/۱): ويجب على السامعين عند الاذان الاجابة وهی ان يقول مثل ما قال المؤذن الا فی قوله حی على الصلوة حی على الفلاح فانه يقول مكان حی على الصلوة لاحول ولا قوة الا بالله العلی العظيم ...... وكذا فی قول المؤذن الصلاة خير من النوم لا يقول السامع مثله ولكن يقول صدقت وبررت۔

وفی الطحطاوی(۱۸۸/۱): (قوله ويجيب وجوبا) على المعتمد للأمر به فی قوله عليه السلام فقولوا مثل مايقول (قوله ندباً) ای إجابة اللسان مندوبة (قوله والواجب)۔۔ (قوله ولوجنبا) لأنه ثناء لا أذان۔

وفی الشامية (۳۹۶/۱): (قوله من سمع الأذان) يفهم منه أنه لولم يسمع لصمم أو لبعد أنه لايجيب وهو ظاهر الحديث الآتی، إذا سمعتم الأذان'' حيث علق على السماع وقد صرح بعض الشافعية بأنه الظاهر وبأنه يجيب فی جميعه إذا لم يسمع الا بعضه۔

(۴۱) اقامت میں ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' کے جواب میں ''ﷺ'' کہنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اقامت میں اشھد ان محمدا رسول اللہ کے جواب

Marfat.com

میں صرف ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اذان واقامت میں اشھدان محمدا رسول اللہ کے جواب میں اشھدان محمدا رسول اللہ ہی کہنا چاہیئے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جیسے مؤذن کہے تم بھی ویسے کہو (بخاری شریف، ۱/۸۶) اور حیعلتین کے جواب میں (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اور اقامت میں قدقامت الصلاۃ کے جواب میں (اقامھا اللہ وادامھا) کہو، لہٰذا اشھدان محمدا رسول اللہ کے جواب میں صرف صلی اللہ علیہ وسلم کہنا صحیح نہیں۔ ہاں یوں کرسکتا ہے کہ جواب میں اشھدان محمدا رسول اللہ کہہ کر تھوڑا سا توقف کرے اور پھر صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہہ لے۔

لمافی البخاری (۱/۸۶): عن أبي سعيد الخدری ان رسول اللہ ﷺ قال اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن۔

لمافی الھندیۃ (۱/۵۷): ويجب على السامعين عند الاذان الاجابة وهى ان يقول مثل ما قال المؤذن الا فى قوله حى على الصلوة حى على الفلاح فانه يقول مكان حى على الصلوة لاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم

وفی الدر المختار (۱/۴۰۰): (ويجيب الاقامة) ندبا اجماعا (كالاذان) ويقول عند قدقامت الصلاة اقامها الله وادامها۔

(۴۲) اذان مغرب کے بعد مروجہ وقفے کی شرعی حیثیت اور اس دوران نفل پڑھنے کا حکم

سوال......مفتی صاحب درج ذیل امور سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱)۔ اذانِ مغرب کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھنے کی عندالاحناف شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲)۔ آج کل بہت سی مساجد میں اذانِ مغرب کے بعد دو یا تین منٹ کا وقفہ دیا جاتا ہے شرعاً اس کی اجازت کیسی ہے؟ جبکہ اس سے قبل حنفی المسلک مساجد میں یہ ترتیب نہیں تھی۔ شرعی جواب عنایت فرمائیں، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا معمول بنانا مکروہ ہے اور اس کی علت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ نوافل پڑھنے کی وجہ سے مغرب کی نماز میں تاخیر لازم آتی ہے۔ حالانکہ نبی علیہ السلام نے مغرب میں تعجیل کا حکم فرمایا۔ یہ ''عن مرثد رضی اللہ عنہ بن عبداللہ قال لما قدم ابو ایوب رضی اللہ عنہ غازیاً وعقبة بن عامر رضی اللہ عنہ یومئذ علی مصر فأخر المغرب فقام الیہ ابو ایوب فقال ماھذہ الصلوۃ یا عقبة قال شغلنا قال أما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یزال امتی بخیر أو قال علی الفطرۃ مالم یؤخروا المغرب إلی ان تشبک النجوم'' (ابوداؤد، ۱/۶۰)، (ترجمہ): حضرت عقبہ بن عامر (رضی اللہ عنہ) نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز میں تاخیر کی تو حضرت ابوایوب (رضی اللہ عنہ) کھڑے ہوگئے اور فرمایا یہ کونسی نماز ہے اے

Marfat.com

عقبہ، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم مشغول کر دیئے گئے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ہمیشہ رہے گی میری امت خیر پر یا آپ نے فرمایا فطرت پر، جب تک مغرب کی نماز میں تاخیر نہیں کرے گی یہاں تک کہ ستارے پھیل جائیں۔

اب اگر لوگ اذان مغرب کے بعد نوافل پڑھنا شروع کریں تو امام لازماً ان لوگوں کا انتظار کرے گا، جس سے مغرب کی نماز میں تاخیر لازم آئے گی اور تاخیر مغرب مکروہ ہے اور اگر امام ان لوگوں کا انتظار نہیں کرتا، تو بوقت اقامت صلوٰۃ مغرب ان لوگوں کا نوافل پڑھنا لازم آئے گا یہ بھی مکروہ ہے، بظاہر اس وجہ سے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے، صلوا قبل المغرب ثم قال في الثالثة لمن شاء كراهية أن يتخذها الناس سنة، (بخاري، ١/١٥٧، وابو داؤد، ١/١٨٢) (ترجمہ: آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مغرب کے فرض سے پہلے نماز پڑھا کرو تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا جس کا جی چاہے کیونکہ آپ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ لوگ اسے ضروری (سنت) سمجھ بیٹھیں)۔

اسی طرح ابوداؤد (۱/۱۸۲) میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "عن طاؤس قال سئل عبدالله بن عمر رضي الله عنه عن الركعتين قبل المغرب فقال ما رأيت احداً في عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يصليهما"

(ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام کے عہد مبارک میں، میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ یہ دو رکعت پڑھتے)

فتح القدیر (۱/۴۴۶) میں علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طبرانی نے مسند الشامیین میں نقل کیا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ازواج مطہرات سے سوال کیا، کہ کیا آپ نے نبی علیہ السلام کو مغرب سے پہلے رکعتین پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، سب نے کہا نہیں، صرف حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ علیہ السلام نے ایک مرتبہ میرے ہاں دو رکعت پڑھ لی، میں نے کہا یہ کونسی نماز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نسيت ركعتين قبل العصر صليتهما الان، (ترجمہ: عصر سے پہلے میں دو رکعت پڑھنا بھول گیا تھا وہ دو رکعت میں نے ابھی پڑھ لیں)۔

فتح الباری (۲/۸۶) میں حافظ صاحبؒ نے ابراہیم نخعی کے طریق سے نقل کیا ہے کہ خلفاء اربعہ مغرب سے پہلے دو رکعت نہیں پڑھتے تھے۔ حافظ صاحب نے اگرچہ اس طریق کو منقطع قرار دے کر اس کا اعتبار نہیں کیا لیکن مراسیل ابراہیم نخعی محدثین کے نزدیک قابل حجت ہیں، اسی طرح مسند بزار کی ایک روایت ہے "بين كل اذانين صلوة الا المغرب" (ترجمہ: ہر دو اذانوں (یعنی اذان واقامت) کے درمیان نماز ہے مغرب کے علاوہ) یعنی مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان نماز نہیں ہے، اس حدیث کی تخریج دار قطنی (۱/۲۷۲) نے بھی کی ہے، ان تمام نصوص، خلفاء اربعہ کے عمل اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ازواج مطہرات سے پوچھنا اور ان کے جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا مندوب نہیں بلکہ ان کو سنت سمجھنا کراہت سے خالی نہ ہوگا، اس لئے کہ نوافل پڑھنے کی وجہ سے مغرب کی نماز میں بلاضرورت تاخیر لازم آتی ہے جو کہ مکروہ ہے۔

Marfat.com

(۲)۔مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا وقفہ کرنا جس میں ایک آیت طویلہ کی تلاوت ہوسکے یا اس قدر جلسہ خفیفہ کرنا جو خطیب دوخطبوں کے درمیان کرتا ہے جائز ہے لہٰذا اگر کسی عذر شرعی (لوگوں کی اکثریت کو مسبوق ہونے سے بچانے کیلئے) کی وجہ سے انتظامی اعتبار سے ایک دومنٹ کا وقفہ اذان مغرب اور اقامت کے درمیان رکھ دیا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی۔

لمافی خلاصة الفتاوی(۱/۴۹): ویقعد المؤذن بین الاذان والاقامة فی جمیع الصلوات الافی المغرب فان وصل الاقامة بالاذان ولم یفصل بینهما یکره واجمع الفقهاء رحمهم الله ان المؤذن لا یفصل بین الاذان والاقامة فی المغرب بالصلوة ولکن یقوم ساکتا ساعة یسیرة ولا یجلس وعندهما یجلس جلسة خفیفة قدرما یجلس الخطیب بین الخطبتین ویسکت عند أبی حنیفة قدر آیة طویلة او ثلث ایات قصار لوفعل کما قالا لا یکره عنده ولو فعل کما قال لا یکره عندهما۔

وفی الدر المختار (۱/۳۸۹): (ویجلس بینهما) بقدر ما یحضر الملازمون مراعیاً لوقت الندب (الا فی المغرب) فیسکت قائما قدر ثلاث ایات قصار ویکره الوصل اجماعاً۔

وفی الشامیة تحته: (قوله فیسکت قائماً) هذا عنده وعندهما یفصل بجلسة کجلسة الخطیب والخلاف فی الافضلیة فلوجلس لایکره عنده ویستحب التحول للاقامة إلی غیر موضع الاذان۔ وهو متفق علیه۔ وتمامه فی البحر۔

(۴۳)اذان کے بعد دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دعا بعد الاذان میں ہاتھ اٹھانے کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں۔اس لئے بہتر یہ ہے کہ اذان کے بعد دعا میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔

وفی فیض الباری(۲/۱۶۷): باب الدعاء عند النداء: والمسنون فی هذا الدعاء الا ترفع الایدی لانه لم یثبت عن النبی ﷺ رفعها۔ والتشبث فیه بالعمومات بعد ماورد فیه خصوص فعله ﷺ لغو۔

(۴۴)اذان کے بعد کی دعا کا لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنا

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مساجد میں اذان کے بعد کی دعا لاؤڈ اسپیکر پر پڑھی

Marfat.com

جاتی ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے بعض لوگ اسے بدعت کہتے ہیں؟

(۲)......نماز کیلئے وضو لازم ہے کیا نماز جنازہ کیلئے بھی وضو شرط ہے؟ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)۔اذان کے بعد کی دعا اُحادیث مبارکہ سے ثابت ہے اور اس کا پڑھنا مستحب ہے۔البتہ اس کو لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنا کئی وجوہات سے درست نہیں ہے۔۱)۔ضرورت نہ ہونے کی بنا پر، ۲)۔لوگوں کا اس کو اذان کا جز سمجھنے کے اندیشے کی بنا پر، ۳)۔اس پر التزام کرکے دین کا جزء سمجھنے کی بنا پر وغیرہ وغیرہ۔لہٰذا اذان کے بعد کی دعا کو لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے نیز اگر لاؤڈ اسپیکر پر دعاء پڑھنے کو مستحب اور ثواب سمجھا جائے تو پھر یہ بدعت کے زمرہ میں آئے گا۔

(۲)......جس طرح نماز کیلئے وضو شرط ہے اسی طرح نماز جنازہ کیلئے بھی وضو شرط ہے۔ہاں اگر نماز جنازہ فوت ہونے کا خوف ہو، تو پھر امام اور ولی کے علاوہ دوسروں کیلئے تیمم کے ذریعے نماز جنازہ ادا کرنا درست ہوگا۔واللہ تعالیٰ اعلم

لمافی صحیح البخاری(۱/۸۶): باب الدعاء عند النداء: عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: " من قال حين يسمع النداء: اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمدا الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته، حلت له شفاعتي يوم القيامة "۔

وفی مشکوۃ المصابیح(ص۲۷): باب الاعتصام بالكتاب والسنة: عن عائشة رضی الله عنها: قالت: قال رسول الله ﷺ: ''من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ'' متفق عليه۔ وعن جابر رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ أمّا بعد فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة۔

وفی البحر الرائق(۱/۲۷۴): وصحح فی التجنيس فی الإمام عدم الجواز إن كانوا ينتظرونه والأجاز

وفی الشامية(۲/۲۰۷): (مطلب فی صلاة الجنازة) ... وأما الشروط التی ترجع إلی المصلی فهی شروط بقية الصلوات من الطهارة الحقيقة بدناً وثوباً ومكاناً والحكمية۔ وستر العورة والاستقبال والنية سوى الوقت۔

وفی الشامية(۱/۲۴۱): (قوله: وجاز لخوف فوت صلاة جنازة) أی ولو كان الماء قريباً۔ ثم اعلم أنه اختلف فيمن له حق التقدم فيها: فروى الحسن عن أبی حنيفة رحمة الله عليه أنه لايجوز للولی لأنه ينتظر ولو صلّوا له حق الإعادة، وصححه فی الهداية والخانية وكافی النسفی۔ وفی ظاهر الرواية: يجوز للولیّ أيضاً، لأنّ الانتظار فيها مكروه، وصححه شمس الأئمة الحلوانی: أی سواء انتظروه اولا، قال فی البرهان: إن رواية الحسن هنا أحسن لأن مجرّد الكراهة

Marfat.com

لايقتضی العجز المقتضی لجواز التيمم، لأنها ليست أقوىٰ من فوات الجمعة والوقتية مع عدم جوازه لهما، وتبعه شيخ مشايخنا المقدّسی فی شرح نظم الكنز لابن الفصيح اهـ ملخصاً من حاشية نوح أفندی۔

(۴۵) دعاءِ وسیلہ میں ''والدرجة الرفیعة'' پڑھنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ اذان کے بعد یہ دعا پڑھتے ہیں ''اللھم رب هذه الدعوة التامة والصلوٰة القائمة ات محمدن الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة وابعثه مقاما محمودن الذی وعدته وارزقنا شفاعته يوم القيامة انک لا تخلف الميعاد'' آیا یہ دعا کہیں سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتابوں کے حوالہ جات کے ساتھ تحریر کریں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......اذان کے بعد جو دعاء وسیلہ پڑھی جاتی ہے، وہ صحیح بخاری وغیرہ میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَّه

اور ''انک لا تخلف الميعاد'' کی زیادتی ''السنن الکبری للبیہقی'' میں سند قوی سے ثابت ہے۔ البتہ ''والدرجة الرفيعة'' ''وارزقنا شفاعته يوم القيامة'' کے الفاظ جو عوام الناس کے ہاں اس دعاءِ وسیلہ میں مشہور ہیں حضرات محدثین کرام کے نزدیک ان الفاظ کی کوئی اصل نہیں لیکن دعاء وسیلہ کے آخر میں اگر کوئی ان الفاظ کی زیادتی کرے، تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ دیگر روایات سے ان الفاظ کے معانی کا ثبوت ملتا ہے لیکن ان الفاظ کو اس دعاء وسیلہ کا جزء نہ قرار دے۔

لما فی الصحيح للبخاری(۸۶/۱): حدثنا علی بن عياش قال حدثنا شعيب بن ابی حمزة عن محمد بن المنكدر عن جابر بن عبدالله ان رسول الله ﷺ قال من قال حين يسمع النداء ''اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة ات محمدان الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودن الذی وعدته حلت له شفاعتی يوم القيامة۔

وفی الموضوعات الكبرى(ص۱۲۲): حديث ''الدرجة الرفيعة'' فيما يقال بعد الاذان من الدعاء قال السخاوی لم أره فی شئ من الروايات۔

وفی عمدة القاری(۱۲۳/۵): وفی رواية البيهقی (الذی وعدته انك لاتخلف الميعاد)

وفی الشامية (۳۹۸/۱): وروى البخاری وغيره من قال حين يسمع النداء ''اللهم رب هذه الدعوة

Marfat.com

التامة والصلوة القائمة آت محمدان الوسيلة و الفضيلة و ابعثه مقاما محمودان الذى وعدته حلت له شفاعتی يوم القيامة'' وزاد البيهقی فی آخره ''انك لا تخلف الميعاد'' وتمامه فی الامداد والفتح، قال ابن حجر فی شرح المنهاج وزيادة والدرجة الرفيعة وختمه بيا ارحم الراحمين لأأصل لهما۔

(۴۶) اذان کے کچھ کلمات ہو جانے کے بعد اذان کا جواب کہاں سے دے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کا جواب دینا فرض ہے یا سنت؟ اگر آدھی اذان ہو چکی ہو، اور آدھی اذان باقی ہو، اور کوئی اس کا جواب دینا چاہے تو کیا وہ شخص از سرِ نو اذان کا جواب دیگا یا جہاں تک اذان ہوئی ہے وہیں سے اذان کا جواب شروع کر دے۔ میں اکثر از سرِ نو جلدی جلدی پڑھ کر موذن کی اذان تک کا جواب ایک ساتھ دے کر پھر موذن کے الفاظ کا جواب دیتا ہوں۔ کیا میرا یہ عمل درست ہے؟ مدلل جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب......اذان کا جواب زبان سے دینا مستحب ہے اور اذان سننے کے بعد نماز کی تیاری میں لگنا اور مسجد کی طرف جانا واجب ہے، کلماتِ اذان کو مکمل سنا جائے یا بعض کلماتِ اذان کو، بہر دو صورت مکمل اذان کا جواب دیا جائیگا ہاں اگر دور ہونے کی بنا پر اذان کو نہ سن سکے تو اس صورت میں جواب دینا مسنون نہیں، پس صورت مسئولہ میں آپ کا عمل درست ہے، مگر بہتر طریقہ یہ ہے کہ جب اذان شروع ہو تو مؤذن کے ساتھ اذان کا جواب دیا جائے۔

لمافی الدر المختار(۱/۳۹۶): (ويجيب) وجوبا وقال الحلوانی ندبا والواجب الاجابة بالقدم (من سمع الاذان) وفی الشامية (قوله وقال الحلوانی ندبا الخ) ای قال الحلوانی ان الاجابة باللسان مندوبة والواجبة هی الاجابة بالقدم...(ص۳۹۷) (قوله كمقالته) ای مثلها فی القول...(ص۳۹۸) (قوله لم ار الخ) البحث لصاحب البحر، وصرح به ابن حجر فی شرح المنهاج حيث قال: فلو سكت حتى فرغ كل الاذان ثم اجاب قبل فاصل طويل كفى فی اصل سنة الاجابة كما هو ظاهر واستفيد من هذا ان المجيب لا يسبق المؤذن بل يعقب كل جملة منه بجملة منه۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۱/۷۱۲): والدليل على الاجابة: ماروی ابو سعيد ان رسول الله ﷺ قال اذا سمعتم النداء فقولوا مثل يقول المؤذن لكن قال المالكية المتبادر من قوله سمعتم ولو البعض خصوصاً وقد قال فقولوا مثل ما يقول ولم يقل مثل ما قال وهذا فی تقديری تعسف واضح فی التاويل والظاهر كما قال بعض المالكية ان يحكی الاذان كله...(ص۷۱۳) ويجيب

Marfat.com

المؤذن سواء سمع الاذان كله ام بعضه فان لم يسمع لبعد او صمم لا تسن له الاجابة۔

(۴۷) شہادتین کے وقت انگوٹھے چومنے کا حکم

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب مؤذن اذان میں ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' کہتا ہے تو یہ لوگ انگوٹھے چومتے ہیں اب پوچھنا یہ ہے کہ شہادتین کے وقت انگوٹھے چومنا شرعاً کیسا ہے؟اس کا ثبوت کسی حدیث سے ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اذان میں مؤذن کے شہادتین کہتے وقت ہاتھوں کے انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر لگانا نہ کسی روایت صحیحہ سے ثابت ہے اور نہ کسی معتبر کتاب میں ہے۔لہٰذا اس کو عبادت سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔

لمافى فيض البارى(۱۶۶/۲): وكذالك لا اصل لتقبيل الابهامين عند الشهادتين كما شرع فى بلادنا الا اثر اخرجه القارى عن ابى بكر رضى الله عنه فى الموضوعات لكنه ضعيف يقرب المنكر۔

وفى المقاصد الحسنة للسخاوى(ص۳۸۴):وكذاما اورده ابو العباس احمد بن ابى بكر الرداد اليمانى المتصوف فى كتابه ''موجبات الرحمة وعزائم المغفرة'' بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام انه ممن قال حين سمع المؤذن يقول اشهد ان محمدا رسول الله، مرحبا بحبيبى وقرة عينى محمد بن عبدالله ﷺ ثم يقبل ابهاميه ويجعلهما على عينيه لم يرمد أبداً۔

وفى الشامية (۳۹۸/۱): يستحب ان يقال عند سماع الأولى من الشهادة:صلى الله عليك يا رسول الله وعند الثانية منها قرت عينى بك يارسول الله اللهم متعنى بالسمع والبصر بعد وضع ظفرى الابهامين على العينين فانه عليه السلام يكون قائدا له الى الجنة ... كذا فى كنز العباد اهـ قهستانى ونحوه فى الفتاوىٰ الصوفية وفى كتاب الفردوس ''من قبل ظفرى إبهامه عند سماع أشهد أن محمدا رسول الله فى الاذن أنا قائده ومدخله فى صفوف الجنة وتمامه فى حواشى البحر للرملى عن المقاصد الحسنة للسخاوى وذكر ذلك الجراحى وأطال ثم قال: ولم يصح فى المرفوع من كل هذا شئ۔

(۴۸) اذان نہ دینے سے چوہے زیادہ ہوجانا، بے اصل بات ہے

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے کے لوگوں میں مشہور ہے کہ اذان نہ دینے سے چوہے زیادہ ہوجاتے ہیں کیا یہ بات صحیح ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......اذان شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ پانچوں نمازوں اور جمعہ کی نماز کیلئے اذان دینا سنت مؤکدہ ہے۔ نماز کے علاوہ بعض مواقع ایسے ہیں جن سے سلف صالحین سے اذان دینا عملاً چلا آ رہا ہے۔ مثلاً جہاد کے دوران غم اور پریشانی کے وقت، غصہ کے وقت، جب مسافر راستہ بھول جائے، مرگی کے دورہ پڑ جانے کے وقت، جانور یا انسان کی بدخلقی کے وقت وغیرہ ایسے مواقع پر اذان دینا جائز ہے، تاہم یہ بات کہ اذان دینے سے چوہے بھاگ جاتے ہیں اور اذان نہ دینے سے چوہے زیادہ ہوجاتے ہیں، بے اصل بات ہے۔

لمافی المبسوط للسرخسی (۱/۱۳۰): ماروی ان النبی ﷺ قال اذا اذن المؤذن ادبر الشیطان وله حصاص کحصاص الحمار فاذا فرغ رجع فاذا ثوب أدبر فاذا فرغ رجع فاذا أقام أدبر فاذا فرغ رجع وجعل یوسوس الی المصلی انه کم صلی۔

وفی الشامیة (۱/۳۸۵): (قوله لایسن لغیرها) ای من الصلوات والا فیندب للمولود وفی حاشیة البحر للخیر الرملی: رأیت فی کتب الشافعیة انه قدیسن الآذان لغیر الصلوۃ کما فی أذن المولود والمهموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقه من انسان اوبهیمة وعند مزدحم الجیش وعند الحریق۔

(۴۹) اذان واقامت میں فصل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان اور جماعت میں کتنا فصل ہونا چاہیئے؟ نیز اگر کوئی بغیر فصل کے نماز پڑھ لے تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نمازِ مغرب کے علاوہ اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فصل کرنا مسنون ہے کہ کھانے والا کھانے سے فارغ ہوجائے اور وضو کرنے والا اپنی حاجت سے فارغ ہوجائے یا اتنا فصل کریں جس میں چار رکعت نماز اس طریقہ پر ادا ہوسکتی ہوں کہ ہر رکعت میں دس آیات پڑھ لی جائیں اور مغرب میں صرف تین چھوٹی آیات پڑھنے کی بقدر فصل کرنا مسنون ہے اور اذان واقامت میں فصل کئے بغیر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

وفی الهندیة (۱/۵۶): ویفصل بین الاذان والاقامة مقدار رکعتین او اربع یقرء فی کل رکعة نحوا من عشر آیات کذا فی الزاهدی، والوصل بین الاذان والاقامة مکروه بالاتفاق... والاولی للمؤذن فی الصلوٰة التی قبلها تطوع مسنون او مستحب ان یتطوع بین الاذان و الاقامة... فان لم یصل یجلس بینهما واما اذا کان فی المغرب فالمستحب ان یفصل بینهما بسکتة یسکت قائماً مقدار مایتمکن من قرآة ثلاث آیات قصار۔

Marfat.com

وفى الدر المختار(۱/۳۸۹): (ويجلس بينهما) بقدر مايحضر الملازمون مراعياً لوقت الندب الا فى المغرب فيسكت قائماً قدر ثلاث ايات قصار ويكره الوصل اجماعاً۔

(۵۰)مؤذن کی بغیر اجازت کسی اور کا اقامت کہنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد میں بعض بزرگ نمازی ایسے ہیں کہ امام کے مصلّی پر پہنچتے ہی مؤذن کی اجازت کے بغیر اسکی جگہ پر پہنچ کر اقامت شروع کردیتے ہیں اور بعض دفعہ مؤذن کی طرف صرف اشارہ کر دیتے ہیں کہ اقامت میں کہوں گا، مؤذن اگرچہ دل سے اجازت نہیں دیتا لیکن مروّتاً خاموش رہتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ مؤذن کی اجازت کے بغیر یا صرف اشارۃً اجازت لے کر اقامت کہنا کیسا ہے، نیز اقامت کہنا کس کا حق ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......مؤذن کی موجودگی میں اگر کوئی شخص اقامت کہے اور مؤذن کو یہ ناگوار گزرے تو دوسرے شخص کا اقامت کہنا مکروہ ہے چاہے اشارۃً بغیر رضامندی کے اجازت دیدے یا مروتاً خاموش رہے، ہاں اگر مؤذن کو یہ ناگوار نہ گزرے یا وہ رضامندی سے اجازت دیدے تو پھر کراہت بھی نہ رہے گی۔ نیز افضل یہ ہے کہ جو شخص اذان کہے وہی اقامت بھی کہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی بھی ہے کہ جو شخص اذان کہے اقامت بھی کہے۔

لمافى ابى داود(۱/۷۶): حدثناعبدالله بن مسلمة...انه سمع زيادابن الحارث الصدائى (حديث طويل فيه)فارادبلال ان يقيم فقال له النبى ﷺ ان اخاصداء هواذن ومن اذن فهويقيم قال فأقمت۔

وفى الهندية(۱/۵۴): والافضل ان يكون المؤذن هوالمقيم كذافى الكافى، وان اذن رجل واقام آخران غاب الاول جازمن غيركراهة وان كان حاضراويلحقه الوحشةباقامة غيره يكره وان رضى به لايكره عندناكذافى المحيط۔

(۵۱)امام سے دور کھڑے ہو کر اقامت کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے کی مسجد میں مؤذن اقامت کے وقت امام کے پیچھے سے بالکل دور کھڑے ہو کر اقامت کہتا ہے کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اقامت کہنے کیلئے کوئی جگہ متعین نہیں ہے جہاں مناسب ہو اقامت کہی جاسکتی ہے، البتہ چونکہ بعض اوقات امام کی نماز کسی وجہ سے فاسد ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے نائب امام مقرر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور عام طور پر چونکہ مسجد کا مؤذن ہی نائب امام ہوتا ہے، تو اس کیلئے بہتر یہ ہے کہ امام کے پیچھے صف اوّل میں اقامت کہے تاکہ فسادِ نماز کے وقت بناء کر

Marfat.com

سکے یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو جو اہل علم ہوں، امام کے قریب کھڑے ہونے کا حکم فرمایا۔ بہر حال صورت مسئولہ میں امام سے دور کھڑے ہو کر اقامت کہنا درست ہے۔ واللہ اعلم

لمافی فتح الملهم(۳/۵۱۳): قال النووی: وفی هذا الحديث تقديم الافضل فالافضل الى الامام لانه اولى بالاكرام، ولانه ربما احتاج الامام الى استخلاف فيكون هو اولى ولانه يتفطن لتنبيه الامام على السهو لمالا يتفطن له غيره وليضبطوا صفة الصلاة ويحفظوها وينقلوها ويعلموها الناس وليقتدى بافعالهم من ورائهم۔

وفی الهندية(۱/۸۹): وينبغی ان يكون بحذاء الامام من هو افضل كذا فی شرح الطحاوی۔

(۵۲) میاں بیوی کی جماعت میں اذان واقامت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میاں بیوی دونوں مل کر جماعت کر رہے ہیں، اس صورت میں آیا اذان واقامت ہوگی؟ اور جماعت کیلئے اقامت شوہر کہے گا یا بیوی بھی کہہ سکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......عورت کیلئے اذان واقامت کہنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر کبھی کسی ضرورت کی بناء پر گھر میں میاں بیوی جماعت سے نماز پڑھیں تو محلہ کی مسجد میں کہی گئی اذان پر اکتفاء کر لینا جائز ہے البتہ اگر اذان واقامت یا صرف اقامت کہنا چاہے تو صرف شوہر ہی کہے، بیوی کیلئے اذان واقامت کہنا جائز نہیں۔

لمافی معارف السنن(۲/۲۸۷): ثم من فاتته الجماعة فی مسجده له أن يصلّی فی مسجد حيه منفرداً أو يأتی بيته فيجمع بأهله ويصلی بهم۔

وفی الشامية(۱/۳۹۳۔۳۹۴): ثم اعلم انه ذكر فی الحاوی القدسی من سنن المؤذن كونه رجلا عاقلا، صالحاً عالما بالسنن والأوقات... وأنه يكره أذان المرأة والصبی العاقل ويجزی حتی لا يعاد لحصول المقصود وهو الاعلام وروی عن الامام انه تستحب اعادة أذان المرأة اهـ۔

وفی خلاصة الفتاوی(۱/۴۸): وليس علی النساء أذان ولا إقامة... وللرجال يكره اداء المكتوبة بالجماعة فی المسجد بغير اذان واقامة ولا يكره فی البيوت والكروم والضياء فإن تركوا الاذان والإقامة جاز۔

(۵۳) امام کا خود ہی اقامت کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام کا خود ہی اقامت کہنا شرعاً کیسا ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......امام کا خود ہی اقامت کہنا شرعاً درست ہے لہٰذا امام خود بھی اقامت کہہ سکتا ہے۔

وفی الهندية (۱/۵۷): وان كان المؤذن والامام واحد فان اقام فی المسجد فالقوم لايقومون مالم يفرغ من الاقامة۔

(۵۴) امام اقامت کے وقت اپنا رُخ کس طرف رکھے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک مسجد میں امام ہوں۔ایک صاحب جو کہ کافی معمر ہیں وہ بھی میرے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ایک دفعہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ جب اقامت کہی جاتی ہے تو آپ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوجاتے ہیں حالانکہ میں نے ایک بڑے عالم کو دیکھا ہے کہ جب اقامت ختم ہونے لگتی ہے وہ تب اپنا رخ قبلہ کی طرف کرتے ہیں۔اور وجہ یہ بتائی کہ لوگوں کی طرف بلاضرورت پیٹھ کرنا درست نہیں۔آنجناب سے گزارش تھی کہ اس مسئلے کو مدلل انداز میں براہِ کرم تحریری صورت میں دیدیں تاکہ جو بھی صحیح صورت ہو میں اسے اپنالوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ بزرگ کی بات بالکل غلط ہے کیونکہ خود ان کی پیٹھ پچھلی صف والوں کی طرف ہے تو ان کو بھی چاہیئے کہ پچھلی صف والوں کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوں لہٰذا یہ بات بے بنیاد و من گھڑت ہے۔لہٰذا امام کو چاہیئے کہ اقامت شروع ہوتے ہی قبلہ رُو کھڑا ہوجائے البتہ اگر صفوں کی درستگی کیلئے مقتدیوں کی طرف رُخ کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی الفقه الاسلامی وادلته(۱/۷۲۰): يستحب للامام تسوية الصفوف يلتفت عن يمينه وشماله۔

وفی الموسوعة الفقهية (۶/۲۱۲): يسن ان يامر بتسوية الصفوف فيلتفت عن يمينه وشماله قائلاً ''اعتدلوا وسووا صفوفكم... فقال ان النبی ﷺ كان اذا قام الی الصلوة اخذه بيمينه فقال: اعتدلوا ... ثم اخذه بيساره وقال: اعتدلوا... وفی رواية اعتدلوا فی صفوفكم وتراصوا فانی اراكم من وراء ظهری۔

وفی صحيح البخاری(۱/۱۰۰): حدثنا رضی الله عنه انس قال اقيمت الصلاة فاقبل علينا رسول الله ﷺ بوجهه فقال اقيموا صفوفكم وتراصوا فانی أراكم من وراء ظهری۔

Marfat.com

فصل فی شروط الصلاۃ وارکانها وواجباتها وسننها وآدابها

(نماز کی شرائط، فرائض، ارکان، واجبات، سنن اور آداب کا بیان)

(۵۵) نجاست غلیظہ والے کپڑوں کے ساتھ نماز کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو رات کے وقت احتلام ہو گیا بیدار ہونے کے بعد اس نے غسل کیا اور شلوار کو دھو لیا پھر نمازیں وغیرہ پڑھتا رہا دوسرے دن ظہر کی نماز سے کچھ دیر پہلے اس نے دیکھا کہ شلوار کے کونے میں منی لگی ہوئی ہے تو کیا جتنی اس نے نمازیں ادا کی ہیں وہ صحیح ہو گئیں یا دوبارہ لوٹانا ضروری ہے؟ اگر لوٹانا ضروری ہے تو کیا صرف فرائض وواجبات لوٹائے جائیں گے یا سنت ونوافل بھی لوٹانا ضروری ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... کپڑے پر نجاست غلیظہ اگر مقدار درہم سے زیادہ لگی ہو تو نماز نہیں ہوتی۔ اور اگر ایک درہم سے کم یا ایک درہم کے برابر لگی ہو تو اتنی مقدار معاف ہے نماز ہو جاتی ہے مگر پھر بھی نجاست کا دھونا ضروری ہے پس صورت مسئولہ میں اگر درہم کی مقدار سے کم یا درہم کے برابر منی لگی ہوئی تھی تو نماز ہو گئی اعادے کی ضرورت نہیں اور اگر ایک درہم سے زیادہ لگی ہوئی تھی تو نماز نہیں ہوئی کیونکہ کپڑوں کا پاک ہونا نماز کی شرائط میں سے ہے اور مذکورہ بالا صورت میں فرائض وواجبات کا لوٹانا ضروری ہے سنت ونوافل کا لوٹانا ضروری نہیں۔

لما فی الشامیة(۱/۳۱۴): نجاسة المنی عندنا مغلظة۔

وفی الدر المختار(۱/۳۱۶): (وعفا) الشارع (عن قدر درهم) وان کره تحریما فیجب غسله وما دونه تنزیها فیسن وفوقه مبطل۔

وفی الهندیة(۱/۴۳): فلو صلی مع هذا الثوب صلوات ثم ظهر ان النجاسة فی الطرف الاخر یجب علیه اعادة الصلوات التی صلی مع هذا الثوب کذا فی الخلاصة۔

وفی الشامیة تحته: (قوله وان کره تحریما) اشار الی ان العفو عنه بالنسبة الی صحة الصلاة به

Marfat.com

. فلا ینافی الاثم کما استنبطه فی البحر من عبارة السراج۔

(۵۶) جن کپڑوں کو کیچڑ لگ جائے ان میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بارش کے دنوں میں جب ہم چلتے ہیں تو کپڑوں کو مٹی، کیچڑ وغیرہ لگ جاتی ہے تو کیا انہی کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر کپڑوں کو مٹی وغیرہ لگ جائے تو بوجہ عموم بلوی اور ضرورتِ شدیدہ کے حضراتِ فقہاء کرام نے اس کے اندر گنجائش لکھی ہے، کہ ان ہی کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ البتہ اگر کپڑوں کو کوئی ایسی نجاست لگی ہو جو نظر آرہی ہو یا ظن غالب ہو کہ اس کو نجاست لگی ہے تو ایسی صورت میں دھونا واجب ہوگا۔ نیز یاد رہے کہ یہ اجازتِ جواز اُس صورت میں ہے کہ جس وقت ضرورت شدید ہو ورنہ عدم ضرورت کے وقت ایسا نہ کرنا چاہیئے بلکہ احتیاط کرنی چاہیئے۔

وفی الطحطاوی علی الدر(۱/۱۶۱): والطین المسرقن والردغة فی الطریق فیها نجاسة طاهرة إلا إذا رأی عین النجاسة بحروفیه دخان النجاسة...وفی البحر ماء المطر اذا مرّعلی العذرات لاینجس إلا أن تکون العذرة أکثر من الأرض الطاهرة أوتکون العذرة عند المیزاب۔

وفی الشامیة(۱/۳۲۴۔۳۲۵): والحاصل : أن الذی ینبغی أنه حیث کان العفو للضرورة وعدم إمکان الاحتراز أن یقال بالعفوو إن غلبت النجاسة مالم یرعینها لوأصابه بلا قصد وکان ممن یذهب ویجیئ والا فلا ضرورة، وقد حکی فی القنیة أیضاً قولین فیما لوابتلت قد ماه ممارش فی الأسواق الغالبة النجاسة ثم نقل أنه لوأصاب ثوبه، طین السوق أو السکة ثم وقع الثوب فی الماء تنجس۔

(۵۷) ناپاک گھاس پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں ایسی گھاس یا چمن میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے جہاں گائے یا کتے نے پیشاب کیا ہو؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر پیشاب خشک ہوجائے اور اسکے اثرات وہاں سے زائل ہوجائیں تو نماز پڑھنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ البتہ یہ بات یاد رہے کہ یہ حکم گھاس میں اس وقت ہے جب گھاس زمین پر اُگی ہوئی ہو، اگر گھاس کاٹ

Marfat.com

دی گئی اور بعد میں ناپاک ہوگئی تو اسے پاک کرنے کیلئے دھونے کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔

لمافی الهندية (۱/۴۴): ومنها الجفاف وزوال الاثر الارض تطهر باليبس وذهاب الاثر للصلاة لاللتيمم ... ولافرق بين الجفاف بالشمس والنار والريح والظل...ويشارك الارض فی حكمها كل ماكان ثابتا فيها كالحيطان والاشجار والكلاء والقصب مادام قائما عليها فاذاقطع الحشيش والخشب والقصب واصابته النجاسة لايطهر الا بالغسل۔

(۵۸) بھینسوں کے باڑے کے اوپر نماز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بھینسوں کا باڑہ ہے ہم نے اس کے اندر اوپر پھٹے لگا دیے ہیں تاکہ ان پر نماز پڑھیں گے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ بھینس کے باڑے کے اوپر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ بھینس کے باڑے کے اوپر نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ جگہ پاک ہو۔

لمافی الصحيح للإمام البخاری (۱/۶۱): عن انس بن مالك رضی الله عنه قال كان النبی صلی الله عليه وسلم يصلی فی مرابض الغنم ثم سمعته بعد يقول كان يصلی فی مرابض الغنم قبل ان يبنی المسجد۔

وفی عمدة القاری (۴/۱۸۲): (فان قلت) مرابد البقر هل تلحق بمرابض الغنم ام بمرابد الابل (قلت) ذكر ابوبكر بن المنذر انها ملحقة بمرابد الغنم فلا تكره الصلاة فيها۔ (فان قلت) فی حديث عبدالله بن عمرو رضی الله عنه من مسند احمد الحاقها بالابل كما تقدم (قلت) فی اسناده عبدالله بن لهيعة والكلام فيه مشهور۔

وفی الدر المختار (۱/۴۰۲۔۴۰۳): ثم الشرط لغة العلامة اللازمة، وشرعا مايتوقف عليه الشئ ولا يدخل فيه (هی) ستة (طهارة بدنه) الخ... (ومكانه) ای موضع قدميه او احداهما ان رفع الاخری وموضع سجوده اتفاقا فی الاصح لا موضع يديه وركبتيه على الظاهر الا اذا سجد على كفه كما سيجئ (من الثانی) ای الخبث، لقوله تعالى۔ وثيابك فطهر۔ فبدنه ومكانه اولى۔

(۵۹) باریک دوپٹہ میں نماز کی ادائیگی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی عورت باریک دوپٹہ میں نماز پڑھے جس سے سر کے بال نظر آتے ہوں تو ایسے دوپٹہ کے استعمال کا کیا حکم ہے؟ اس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں ایسے باریک دوپٹہ میں نماز درست نہیں ہے البتہ نماز کے علاوہ ایسا دوپٹہ استعمال کرنے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تنہائی میں یا محارم اور مسلمان خواتین کے سامنے اوڑھے تو جائز ہے اسکے علاوہ جائز نہیں۔

لمافی الھندیة (۵۸/۱): والثوب الرقیق الذی یصف ماتحته لاتجوز الصلاة فیه کذافی التبیین۔

وفی الشامیة (۴۰۴/۱): ثم ان الظاهرأن المرادبمایجب ستره فی الخلوة خارج الصلاة هومابین السرة والرکبة فقط حتی ان المرأة لایجب علیهاسترماعداذالك وان کان عورة۔یدل علیه مافی باب الکراهیة من القنیة حیث قال:وفی غریب الروایة یرخص للمرأة کشف الرأس فی منزلهاوحدهافأولی لهالبس خمار رقیق یصف ماتحته عندمحارمها۔

(۶۰) سگریٹ اور نسوار کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کافی لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب وہ نماز کیلئے آتے ہیں تو سگریٹ کی ڈبی (پیکٹ) جیب سے نکال کر باہر رکھ دیتے ہیں، پوچھنے پر بتاتے ہیں کہ نشہ والی اشیاء جیب میں ہوں تو نماز صحیح نہیں ہوتی۔ کیا ان لوگوں کی بات درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......احادیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ ایسی بووالی چیز جو کسی بھی مخلوق کیلئے ایذاء رسانی کا سبب بنے اگرچہ وہ فی نفسہ مباح ہی ہو، اس کا استعمال کر کے اجتماع گاہوں میں آنا جائز نہیں ہے اس پر سخت وعیدیں مذکور ہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان اشیاء کا استعمال ترک کر دیا جائے یا کم از کم نماز سے قبل ان کے استعمال سے گریز کیا جائے، چاہے اور لوگ پاس نہ بھی ہوں فرشتے تو ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں تاکہ ان کو بھی تکلیف نہ ہو، البتہ اگر ان اشیاء کو جیب میں رکھ کر نماز ادا کر لی جائے تو فقہاء کرام نے اس میں گنجائش رکھی ہے کہ نماز درست ہو جائے گی، لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ خیال کرنا کہ ان اشیاء کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی یہ خیال غلط ہے۔

لمافی الدر المختار(۴۶۰/۶): (الاصل الاباحة أو التوقف)۔۔۔ قلت فیفهم منه حکم النباتات الذی شاع فی زماننا المسمی بالتتن فتنبه وقد کرهه شیخنا العمادی فی هدیته الحاقاله بالثوم والبصل بالاولی فتدبر۔

وفی الشامیة تحته : فقول الشارح الحاقاله بالثوم والبصل فیه نظر اذ لایناسب کلام العمادی نعم الحاقه بما ذکر هو الانصاف قال ابو السعود فتکون الکراهة تنزیهة والمکروه تنزیها یجامع الاباحة وقال ط۔ ویوخذ منه کراهة التحریم فی المسجد للنهی الوارد فی الثوم والبصل و هو ملحق بهما۔

Marfat.com

(۶۱) وقت کے اندر تاخیر سے پڑھنے سے نماز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض دیہاتوں میں فجر کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھاتے ہیں کہ جیسے ہی امام سلام پھیر لیتا ہے اس کے چند منٹ بعد ہی سورج طلوع ہوتا ہے۔ کیا اتنی تاخیر سے نماز پڑھانا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز فجر کا وقت صبح صادق سے لے کر سورج طلوع ہونے تک ہوتا ہے اس لئے صورت مسئولہ میں اتنی تاخیر سے پڑھی ہوئی نماز درست ہو جائے گی اور ہمارے نزدیک نماز فجر اتنی تاخیر سے پڑھنا افضل ہے کہ اگر نماز پڑھنے کے بعد کسی وجہ سے نماز کو لوٹانا پڑے تو اسے مسنون قرأت (چالیس سے ساٹھ آیات پڑھنے) کے ساتھ لوٹا سکے تاہم اتنی تاخیر کرنا مناسب نہیں کہ دوران نماز سورج کے نکل آنے کا گمان ہو۔

لمافی التاتارخانية(۱/۴۰۴): قال اصحابنا رحمهم الله الاسفار بالفجر افضل فی الازمنة كلها الاصبيحة يوم النحر للحاج بمزدلفة فان هناك التغليس افضل الاانه لاينبغی ان يؤخر تاخيراً يقع الشك فی طلوع الشمس لانه حينئذ يقع الشك فی فساد صلوته وفی الغياثية والمختار انه لايؤخر تاخيرا لايمكن للمسبوق قضاء مافاته۔

وفی الهندية (۱/۵۱): وقت الفجرمن الصبح الصادق وهو البياض المنتشر فی الافق الى طلوع الشمس ...... يستحب تاخير الفجر ولا يؤخرها بحيث يقع الشك فی طلوع الشمس بل يسفربها بحيث لو ظهر فساد صلوته يمكنه ان يعيدها فی الوقت بقراءة مستحبة۔

وفی تنوير الابصار مع الدر (۱/۳۶۶): (والمستحب) للرجل (الابتداء) فی الفجر (باسفار والختم به) هو المختار بحيث يرتل اربعين آية ثم يعيده بطهارة لوفسد وقيل يؤخر جدا لان الفساد موهوم۔

(۶۲) حطیم کے اندر نماز پڑھنے والا کس طرف رخ کرے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص حطیم کے اندر نماز پڑھ رہا ہو، تو اس کیلئے کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......حطیم کے اندر نماز پڑھنے والے کیلئے ضروری ہے کہ عین کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔

لمافی الهندية(۱/۶۳): ولو صلى مستقبلاً بوجهه الى الحطيم لايجوز۔

وفی الدر المختار(۲/۴۹۵): فلوطاف من الفرجة لم يجز كاستقباله احتياطاً۔

Marfat.com

وفی الشامية تحته:(قوله كاستقباله) ای فانه اذا استقبله المصلی لم تصح صلاته لان فرضية استقبال الكعبة ثبتت بالنص القطعی وكون الحطيم من الكعبة ثبتت بالاحاد فصار كانه من الكعبة من وجه دون وجه فكان الاحتياط فی وجوب الطواف ورائه وفی عدم صحة استقباله۔

(۶۳) چاند پربھی نماز کے وقت جہت قبلہ کی تعیین کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آئندہ زمانے میں لوگ خلائی سفر پر کثرت سے جانا شروع ہوجائیں گے۔جو مسلمان چاند پر پہنچ جائے تو وہ وہاں کس سمت منہ کر کے نماز پڑھے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......واضح رہے کہ قبلہ کعبہ شریف کی چاردیواری کا نام نہیں ہے۔بلکہ قبلہ تحت الثراء سے لے کر عرش معلّٰی تک کعبہ کے محاذات میں بننے والے خلا کا نام ہے۔لہٰذا انسان جہاں کہیں بھی ہو،سمت قبلہ معلوم ہونے کے بعد استقبال قبلہ نماز میں ضروری ہے ورنہ تحری کر کے کسی جہت کو متعین کر کے نماز ادا کرے،لہٰذا چاند پر پہنچنے والے مسلمان کیلئے اولاً تو نماز کیلئے تعیین قبلہ ضروری ہے اور اگر باوجود سعی وکوشش کے قبلہ مشتبہ رہے تو تحری سے کسی جہت کو متعین کر کے نماز ادا کرے۔

وفی الهندية (۶۳/۱): لايجوز لاحد اداء فريضة ولا نافلة ولا سجدة تلاوة ولا صلاة جنازة الا متوجها الى القبلة كذا فی السراج والوهاج. اتفقوا على ان القبلة فی حق من كان بمكة عين الكعبة فيلزمه التوجه الى عينها كذا فی فتاوىٰ قاضی خان... ومن كان خارجا عن مكة فقبلته جهة الكعبة وهو قول عامة المشايخ هو الصحيح هكذا فی التبيين وجهة الكعبة تعرف بالدليل والدليل فی الامصار والقرى المحاريب التی نصبها الصحابة والتابعون فعلينا اتباعهم فان لم تكن فالسوال من اهل ذالك الموضع۔ واما فی البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم هكذا فی فتاوىٰ قاضی خان...

وفی الشامية(۴۳۲/۱): (قوله والمعتبر فی القبلة الخ) ای ان الذی يجب استقباله او استقبال جهته هو العرصة...(قوله لاالبناء) ای ليس المراد بالقبلة الكعبة التی هی البنآء المرتفع على الارض...

(قوله فهی من الارض السابعة الى العرش) صرح بذلك فی الفتاوى الصوفية معزيا للحجنة، ثم قال: فلو صلى فی الجبال العالية والآبار العميقة السافلة جاز كما جاز على سطحها وفی جوفها فتال، فلو كان المعتبر البنآء لا العرصة لم يجز ذلك، فالتفريع صحيح فافهم۔

Marfat.com

(۶۴) ہوائی جہاز میں بوقت نماز سمت قبلہ کی تعیین کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص ہوائی جہاز پر سفر کر رہا ہو، اور نماز کا وقت آ جائے تو نماز کس طرح ادا کرے کیونکہ جہاز میں سمت قبلہ کا تعین صحیح طور پر نہیں ہوتا۔ نماز پڑھنے کے دوران ہی جہاز کا رخ کسی اور طرف ہوتا ہے تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سفر کے دوران ہوائی جہاز میں جب نماز کا وقت ہو جائے تو اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قدرت ہو تو کھڑے ہو کر ورنہ بیٹھ کر ادا کرے۔ ہوائی جہاز میں بھی استقبال قبلہ ضروری ہے۔ اگر قبلہ کے رُخ کا علم نہ ہو اور کوئی بتلانے والا بھی نہ ہو تو تحری (خوب سوچ بچار) کر کے نماز ادا کرے۔ اگر بالفرض بعد میں اندازہ غلط بھی معلوم ہو تو نماز صحیح ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ نیز دوران نماز اگر جہاز کا رخ بدل جائے تو اسے بھی چاہیئے کہ اپنا رخ قبلہ کی طرف پھیر لے۔

لما فی الھندیۃ(۱۴۴/۱): اجمعوا أنه لو كان بحال يدور رأسه لو قام تجوز الصلاة فيها قاعداً۔ كذا فى الخلاصة۔ ويلزمه التوجه إلى القبلة عند افتتاح الصلاة۔ كذا فى الكافى فى باب صلاة المريض۔ وكلما دارت السفينة يحول وجهه إليها ولو ترك تحويل وجهه إلى القبلة وهو قادر عليه لايجزيه۔

وفى الدر المختار(۱۰۱/۲): (صلى الفرض فى فلك) جار (قاعداً بلا عذر صحّ) لغلبة العجز (وأساء) وقالا: لايصح الا بعذر وهو الأظهر، برهان....(صـ۱۰۲) ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت۔

وفى الشامية (۱۰۲/۲): (قوله ويلزم استقبال القبلة الخ) أى فى قولهم جميعاً، بحر، وإن عجز عنه يمسك عن الصلاة، إمداد عن مجمع الروايات ولعله يمسك مالم يخف خروج الوقت لما تقرر من أن قبلة العاجز جهة قدرته، وهذا كذلك والا فما الفرق فليتأمل۔ وإنما لزمه الاستقبال لأنها فى حقه كالبيت حتى لايتطوع فيها مومئا مع القدرة على الركوع والسجود بخلاف راكب الدابة۔ كذا فى الكافى شرح المنية۔

(۶۵) بیت اللہ سے کس قدر انحراف جائز ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کی حالت میں قبلہ سے کتنے انحراف کی گنجائش ہے؟ اسی طرح اگر کوئی شخص سعودی عرب میں نماز پڑھنا چاہے تو کعبہ کے بالکل مقابل میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے یا اگر تھوڑا بہت انحراف ہو جائے تو بھی نماز ہو جائیگی؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر بیت اللہ بالکل سامنے ہوتو اسوقت کعبہ کی سمت منہ کرنا لازمی ہے اور اگر بالکل سامنے نہ ہوتو اسمیں ۴۵ درجے انحراف کی گنجائش ہے اگراتنی مقدار کعبہ سے منحرف ہوکر نماز پڑھ لی تو نماز درست ہوگی۔

لمافی معارف السنن(۳/۳۷۹): ثم انه قدرتلث السعة فی الجهة بقدرربع الدائرة وصرحوابفساد صلاة من خرج عن مقدارالربع واذن يتحمل الانحراف فی الجهة عن الكعبة نفسهانحوخمس واربعين درجة كماحققه الغزالی وغيره من المحققين۔

(۶۶) مسجد سے متصل مکان کی چھت پر نماز میں امام کی اقتداء کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا مکان مسجد سے متصل ہے اس کی سطح مسجد کے برابر متصل ہے وہ وہاں سے چھت پر کھڑے ہوکر امام کی اقتداء کرتے ہیں امام کی حرکات ان پر مشتبہ بھی نہیں ہوتی تو کیا یہ اقتداء درست ہے کہ نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مذکورہ میں اس شخص کی اقتداء صحیح نہیں کیونکہ چھت اگر چہ مسجد کے ساتھ متصل ہے لیکن مکان مختلف ہے اور مکان مختلف ہونے کی صورت میں اقتداء صحیح نہیں ہوتی۔

لمافی الهندية(۱/۸۸): وإن قام علی سطح داره المتصل بالمسجد لايصح اقتداء ه وان كان لا يشتبه عليه حال الامام۔

وفی الدرالمختار(۱/۵۸۶): ولو اقتدى من سطح داره المتصلة بالمسجد لم يجز لاختلاف المكان۔

(۶۷) ایسے شخص کی نماز کا حکم جو بعض حروف کی ادائیگی پر قادر نہ ہو

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص بعض حروف کے پڑھنے پر قادر نہ ہو اور الرحیم کی جگہ الحیم پڑھے، کیا ایسے شخص کی نماز درست ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جو شخص بعض حروف کے پڑھنے پر قادر نہ ہو تو اس کے نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہیں، یا تو وہ شخص امام ہوگا یا منفرد، اگر امام ہے تو وہ اپنے جیسے لوگوں کی تو امامت کرسکتا ہے لیکن ان لوگوں کی امامت نہیں کرسکتا جو الفاظ درست طریقے سے پڑھنے پر قادر ہوں، اور اگر وہ تنہا نماز پڑھتا ہے تو جب تک وہ الفاظ درست طریقے سے ادا کرنے پر قادر نہیں تو ایسی صورت میں اس کا اپنی نماز اسی طرح پڑھنا جائز ہے۔

لمافی الهندية(۱/۷۹): ان ذكر حرفا مكان حرف ولم يغير المعنى بان قرأ ان المسلون ان الظالمون وما اشبه ذلك لم تفسد صلاته وان غير المعنى فان أمكن الفصل بين

Marfat.com

الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرا الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل وان كان لايمكن الفصل بين الحرفين الا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشايخ قال أكثرهم لاتفسد۔

وفی الشاميه(١/٦٣٣): (قوله أو بدله بآخر) هذا اما ان يكون عجزا كالالثغ وقدمناحكمه فی باب الامامة ، واما ان يكون خطأ، وحينئذ فاذا لم يغير المعنى فان كان مثله فی القران نحوان المسلمون لايفسد، والا نحو قيامين بالقسط، وكمثال الشارح لاتفسد عندهما وتفسد عند ابی يوسف، وان غير فسدت عندهما۔۔۔۔۔۔(قوله الامايشق الخ) قال فی الخانية والخلاصة الاصل فيما اذا ذكر حرفا مكان حرف وغير المعنى ان امكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد والايمكن الابمشقة كالظاء مع الضاد المعجمتين والصاد مع السين المهملتين والطاء مع التاء قال أكثرهم لاتفسدوفی خزانة الاكمل قال القاضی ابو عاصم: ان تعمد ذلك تفسد وان جرى على لسانه اولا يعرف التمييز لاتفسد وهو المختار۔

(٦٨) رکوع اور سجدہ پر قدرت کے باوجود اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کمر کی شدید بیماری میں مبتلا ہے اور یہ آدمی نماز اس طریقے سے پڑھتا ہے کہ کسی تکیہ وغیرہ کو ٹیک لگا کر اشارہ کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں حالانکہ رکوع اور سجدہ کرنے میں تکلیف زیادہ نہیں ہوتی تو کیا رکوع اور سجدے پر قدرت کے باوجود اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرنا جائز ہے اگر جائز ہے تو بیٹھ کر نماز پڑھنے والا رکوع اور سجدہ کس طرح ادا کرے گا؟ جو بھی طریقہ شرعاً جائز ہو، مدلل بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرنے کے جواز کیلئے ضروری ہے کہ مریض کسی بھی طرح سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو اگر وہ رکوع اور سجدہ کرنے پر قادر ہو تو اشارہ کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرنا اس کیلئے جائز نہیں البتہ اگر رکوع اور سجدہ کرنے سے اس کی تکلیف کی زیادتی یا مرض کے بڑھ جانے کا خدشہ ہو تو اس صورت میں اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرسکتا ہے البتہ سجدہ میں بنسبت رکوع کے زیادہ جھکے گا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ مذکورہ شخص کی تکلیف اتنی زیادہ نہیں ہے کہ وہ رکوع اور سجدہ نہ کرسکے اس لئے اس کیلئے اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرنا جائز نہیں۔

لمافی المحيط البرهانی(٣/٢٦): الأصل فی هذا الفصل: أن المريض اذا قدر على الصلاة قائما بركوع وسجود فانه يصلّی المكتوبة قائماً بركوع وسجود ولا يجزئه غير ذلك، لانه لما قدر على

Marfat.com

القيام والركوع والسجود كان بمنزلة الصحيح، والصحيح لا يجزئه أن يصلى المكتوبة الا قائماً بركوع وسجود كذلك هذا، وان عجز عن القيام وقدر على القعود فانه يصلى المكتوبة قاعداً بركوع وسجود ولا يجزئه غير ذلك لانه عجز عن نصف القيام وقدر على النصف فما قدر عليه لزمه وما عجز عنه سقط۔

وفی الهندية (۱/۱۳۶): وان عجز عن القيام والركوع والسجود وقدر على القعود يصلى قاعدا بايماء ويجعل السجود اخفض من الركوع كذا فی فتاویٰ قاضيخان۔

وفی الشامية(۲/۹۷): لو قدر على بعض القيام دون تمامه أو كان يقدر على القيام لبعض القراءة دون تمامها يؤمر بأن يكبر قائما ويقرأ ما قدر عليه ثم يقعد إن عجز وهو المذهب الصحيح لايروی خلافه عن اصحابنا، ولو ترك هذا خفت أن لا تجوز صلاته، وفی شرح القاضی فان عجز عن القيام مستويا قالوا يقوم متكئاً لايجزئه الا ذلك وكذا لو عجز عن القعود مستويا قالوا يقعد متكئاً لا يجزئه الا ذلك۔

(۶۹) دورانِ سفر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مرتبہ ہم سفر میں تھے ایک ساتھی نے گاڑی میں سیٹ پر بیٹھے ہوئے نیت باندھ لی اور اشارہ کے ساتھ نماز پڑھتا رہا، بعد میں جب میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا اسطرح نماز پڑھنا جائز ہے تو انہوں نے کہا کہ نوافل پڑھ سکتے ہیں۔اب معلوم یہ کرنا ہے کہ نوافل کا حکم صرف سفر کے ساتھ خاص ہے یا گاؤں، شہر کے اندر بھی اگر کہیں جانا ہو تو گاڑی میں اس طرح نوافل پڑھ سکتے ہیں؟ نیز اسی طرح چاہے سفر ہو یا حضر گاڑی میں نوافل کے علاوہ سنتوں وغیرہ کی نیت باندھی جاسکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......جب کوئی شخص شہر کی حدود سے باہر نکلے (مقیم ہو یا مسافر) تو اسکے لئے دورانِ سفر بس کی سیٹ پر بیٹھ کر فجر کی سنتوں کے علاوہ بقیہ سنن اور نوافل پڑھنا درست ہے۔

وفی الشامية(۲/۳۸): (قوله ويتنفل المقيم راكباً الخ) ای بلاعذر۔اطلق النفل فشمل السنن المؤكدة الاسنة الفجر۔

(۷۰) بحری جہاز میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص بحری جہاز میں سفر کر رہا ہو تو ایسے شخص کی

Marfat.com

نماز کی کیا صورت ہوگی کیونکہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا فرض ہے تو کیا ہر صورت میں کھڑا ہونا ضروری ہے اگر نہ ہو سکے تو کیا کرے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر بحری جہاز میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مشکل ومتعذر ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

لمافی الشامیة(۱۰۱/۲): (قوله وهوالاظهر) وفی الحلیة بعدسوق الأدلة : والاظهران قولهماأشبه فلاجرم ان فی الحاوی القدسی وبه ناخذ ---(قوله والافکالواقفة) ای ان لم تحرکهاالریح شدیدابل یسیرافحکمهاکالواقفة فلاتجوز الصلاة فیهاقاعدامع القدرة علی القیام کمافی الامداد۔

(۷۱) چارپائی اور گدے پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چارپائی پر بلا عذر نماز پڑھنا کیسا ہے، نیز جو چیز اپنی جگہ پر نہ ٹھہرتی ہو مثلاً فوم کا گدا وغیرہ اس پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... چارپائی پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے بشرطیکہ وہ ٹھوس ہو، نیز ادائیگی سجدہ کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز پر سجدہ کیا جارہا ہے وہ کم از کم ایسی ہو کہ جس میں کچھ نہ کچھ سختی اور حجم ہو، اس طور پر کہ نمازی اگر سجدہ کرنے میں مبالغہ کرے تو وہ چیز اس گہرائی اور اترائی سے مزید آگے نہ بڑھے اور نہ دبے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اس موٹے فوم میں اگر یہ مذکورہ بالا صفات پائی جاتی ہوں تو اس پر نماز پڑھنا درست ہے ورنہ نہیں۔

لمافی الشامیة(۵۰۰/۱): (قوله وان یجدحجم الارض) تفسیره ان الساجدلوبالغ لایتسفل رأسه ابلغ من ذالك فصح علی طنفسة وحصیروحنطة و شعیروسریروعجلة ان كانت علی الارض لاعلی ظهرحیوان كبساط مشدودبین الاشجارولاعلی ارزاوذرة ... اوحشیش الاان وجدحجمه ومن هنایعلم الجوازعلی الطراحة القطن فان وجدالحجم جازوالافلا۔

(۷۲) سر کے بال بوقت سجدہ پیشانی کے نیچے آجائیں تو نماز کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر انسان کے بال لمبے ہوں اور سجدے کے وقت وہ پیشانی کے نیچے آجائیں تو کیا اس شخص کی نماز ہو جاتی ہے؟ جبکہ ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اس صورت میں نماز نہیں ہوتی۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... سجدہ کی ادائیگی کی صحت میں اصل بات یہ ہے کہ پیشانی اور ناک سجدہ کرنے کی حالت میں

Marfat.com

زمین پر یا جو چیز زمین پر ہے اچھی طرح قرار پالیں، ایسا نہ ہو کہ اگر نمازی اپنے سر کو زور دے، تو سر مزید نیچے جاسکے۔ جو بال سجدے کی حالت میں پیشانی پر آجاتے ہیں تو ان بالوں کے ہوتے ہوئے پیشانی اور ناک ظاہر ہے کہ اچھی طرح قرار پالیتے ہیں لہٰذا اس شخص کی نماز درست ہے۔

لمافی الدرالمختار(۱/۵۰۰): (کما یکرہ تنزیها بکور عمامته) الا بعذر(وان صح عندنا (بشرط کونه علی جبهته) کلها او بعضها کمامر۔ (واما اذا کان) الکور (علی رأسه فقط وسجد علیه مقتصراً) ای ولم تصب الارض جبهته ولا انفه علی القول به (لا) یصح لعدم السجود علی محله، وبشرط طهارة المکان وان یجد حجم الارض، والناس عنه غافلون۔

وفی الشامیة تحته: (قوله وأن یجد حجم الارض) تفسیره ان الساجد لو بالغ لا یتسفل راسه ابلغ من ذالك، فصح علی طنفسة و حصیر وحنطة وشعیر وسریر... ولا علی أرز اوذرة الافی جوالق او ثلج ان لم یلبده وکان یغیب فیه وجهه ولا یجد حجمه، او حشیش الا ان وجدحجمه، ومن هنا یعلم الجواز علی الطراحة القطن، فإن وجد الحجم جاز والا فلا. بحر (قوله والناس عنه غافلون) ای عن اشتراط وجود الحجم فی السجود علی نحو الکور والطراحة کما یغفلون عن اشتراط السجود علی الجبهة فی کور العمامة۔

(۷۳) مقتدی کا امام سے پہلے رکوع میں جا کر واپس اٹھنا اور پھر امام کے ساتھ دوبارہ رکوع میں شامل ہونا

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا، اب اس کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ رکوع ہی کی حالت میں رہے، یہاں تک کہ امام بھی رکوع کرلے، لیکن اگر وہ شخص امام کے رکوع کرنے سے پہلے رکوع سے کھڑا ہو گیا اور امام کے ساتھ قیام میں رہا پھر امام کے ساتھ رکوع ادا کیا، تو کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب......نماز کے فرائض میں مقتدی کا امام کی اقتداء کرنا فرض ہے بایں معنی کہ مقتدی امام کے ساتھ رکن میں شریک ہوجائے اب صورت مسئولہ میں چونکہ مقتدی امام کے ساتھ اس رکوع کا اعادہ کرلیتا ہے لہٰذا وہ امام کے تابع اور شریک ہے اور جس عمل میں اس نے امام سے انفراد اختیار کرلیا ہے وہ ایک رکعت سے کم ہے جو کہ مفسد نماز نہیں لہٰذا اس کی یہ نماز صحیح ہے۔

لمافی الهندیة (۱/۱۰۴-۱۰۵): اذا زاد فی صلاته رکوعا أو سجودا ذکر فی ظاهر الروایة انها لاتفسد ... ولو زاد فیها رکعة تامة قبل اتمام صلاته فسدت صلاته لو رکع الامام وسجد سجدة

Marfat.com

ورفع رأسه عنها فجاء رجل ودخل معه ورکع وسجد سجدتين فانها تفسد صلاته لانه أدخل زيادة ركعة وهو الركوع والسجود وانما تفسد الصلاة هكذا في المحيط۔

وفی الشامية (۱/۴۷۱): نعم تكون المتابعة فرضاً بمعنى أن يأتي بالفرض مع امامه أوبعده كما لوركع امامه فركع معه مقارنا أومعاقبا وشاركه فيه أو بعد مارفع منه فلولم يركع اصلا أو ركع ورفع قبل ان يركع امامه ولم يعده معه اوبعده بطلت صلاته۔

والحاصل ان المتابعة في ذاتها ثلاثة انواع مقارنة لفعل الامام مثل ان يقارن احرامه لاحرام امامه وركوعه لركوعه وسلامه لسلامه ويدخل فيها مالوركع قبل امامه ودام حتى ادركه امامه فيه ومعاقبة لابتداء فعل امامه مع المشاركة في باقيه ومتراخية عنه۔

Marfat.com

رسالة

مذهب النعمان في رفض الاركان

ارکان کے بھولنے پر ترتیب کا فرض ہونا، سجدہ سہو، رفض کی بنیاد پر اعادہ اور متعلقہ اصول، ابحاث

اور مختلف عبارات سے متعلق سیر حاصل تحقیقی فتوی

(۷۴) ارکان بھول جانے پر رفض اور اعادہ کے حکم پر مفصل فتویٰ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے یہ مسئلہ پڑھا کہ ایک بندہ قنوت بھول کر رکوع میں چلا جائے تو اولاً واپس نہ آنا چاہیے اور اگر واپس آ جائے تو دوبارہ رکوع نہ کرے پہلا رکوع باقی ہے لیکن کسی نماز میں ثناء پڑھ کر قراءت بھول جائے اور رکوع میں چلا جائے اور پھر بعد میں قراءت کیلئے لوٹے تو دوبارہ رکوع کرنا ضروری ہے کیونکہ پہلا رکوع لغو اور مرتفض ہوگیا کیا یہ مسئلہ درست ہے؟ قنوت واجب اور قراءت فرض ہونے کے اعتبار سے یہ فرق ہے؟ اگر ہے تو ان سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱)۔ بالفرض ایک شخص بھول کر سجدہ پہلے کرلے اور رکوع بعد میں کرے تو اس کو دوبارہ سجدے کرنے ہوں گے پہلے سجدے مرتفض ہوں گے؟ کیا رکن کی تقدیم وتاخیر سے پچھلا رکن لغو ہو جاتا ہے؟

(۲)۔ سجدہ سہو کے اسباب بیان فرمادیں رکن کی تکرار اور تقدیم وتاخیر سے سجدہ سہو کافی نہیں ہوتا؟ ہم نے تو سنا تھا کہ کافی ہوجاتا ہے۔

(۳)۔ ایک مقتدی نماز میں سو جائے اور امام آگے نکل جائے تو اٹھنے کے بعد وہ اپنے رہے ارکان پورے کرتا ہے یہاں تاخیر ہو رہی جو سجدہ سہو سے پوری ہو جاتی ہے کیا یہ مسئلہ ایسا ہی ہے؟ اور اس مسئلے کا مسئولہ مسئلے سے تعلق ہے؟

(۴)۔ قراءت نماز میں فرض ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ قراءت اسی قیام میں فرض ہو جو ابتداء میں ہوتا ہے یعنی یہ دور کن تابع متبوع تو نہیں اس وجہ سے پچھلے رکوع کا رفض ہو رہا ہو اگر ایسا ہے تو مدلل بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اولاً چند بنیادی باتیں ذہن نشین رہنا ضروری ہیں اور ان کا صحیح طور پر سمجھنا ہی آپ کے ذہن میں پیدا شکوک دور کرسکتا ہے بصورت دیگر مسئلہ مزید الجھے گا لہٰذا بندہ چند اہم امور عرض کرتا ہے۔

(۱)۔ پہلا یہ کہ فقہاء نے عموماً تو نماز کے چھ ارکان بتلائے ہیں تکبیر تحریمہ، قیام، قراءت، رکوع، سجود، تشہد اخیرہ، لیکن اس بحث میں آکر

Marfat.com

ایک اور رکن "ترتیب بین الارکان فی رکعۃ واحدۃ" کا بھی ذکر کیا ہے یعنی ایک رکعت کے ارکان میں ترتیب بھی فرض ہے۔ کمافی الشامیۃ (۲/۸۰) "اما قراءۃ الفرض فتقدیمھا علی الرکوع فرض لا ینجبر بسجود السھو" (ترجمہ: جہاں تک تعلق ہے فرض قراءت کا تو اس کو رکوع پر مقدم کرنا فرض ہے جو کہ سجدہ سہو سے پورا نہیں ہوگا)۔

لیکن یہ ترتیب ایک رکعت کے ارکان میں فرض ہے مثلاً ایک شخص ثنا پڑھ کر فرض قراءت بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا پھر رکوع میں اسے قراءت بھولنا یاد آیا تو وہ قیام کی طرف لوٹے گا اور قراءت کرے گا اب چونکہ اس نے رکوع اور قیام دونوں ادا تو کر لیے ہیں لیکن ترتیب وار نہیں لہٰذا اس کا پہلے کیا رکوع کالعدم ہوگا اور اب اسے دوبارہ رکوع کرنا فرض ہے فقط سجدہ سہو سے نماز ادا نہ ہوگی۔ اگرچہ تقدیم وتاخیر کی بناء پر سجدہ سہو بھی واجب ہے لیکن ترتیبِ فرض کو چھوڑنے کی بناء پر رکوع بھی دوبارہ کرنا ضروری ہوگا۔ یہی بات آپ قراءتِ فرض بھول کر رکوع کے بعد سجدہ کر لینے میں بھی سمجھ سکتے ہیں، اب یہ شخص سجدے سے قیام میں قراءتِ فرض کیلئے عود کرتا ہے تو پہلے کیا رکوع اور سجدہ دونوں کالعدم ہو جائیں گے قراءت کے بعد دونوں ترتیب وار دوبارہ کرنے پڑیں گے اور تقدیم وتاخیر کی بناء پر سجدہ سہو بھی کرے گا۔

اس تفصیل سے متعلق ہم نے ذکر کر دیا کہ یہ ایک رکعت کی حد تک ہے اگر دوسری رکعت کا قیام شروع ہو گیا تو پچھلی رکعت کی ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ مثلاً دوسری رکعت کے رکوع میں یاد آیا کہ میں نے پہلی رکعت کا رکوع نہیں کیا تھا تو اسے پہلی رکعت کا رکوع تو کرنا ہوگا لیکن اس کے بعد کئے سجدے یا دوسری رکعت کا قیام کالعدم نہ ہوں گے بلکہ پہلی رکعت کا رکوع کر کے دوبارہ یہ دوسری رکعت کو جہاں چھوڑا تھا وہاں سے مکمل کرے گا البتہ سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

لمافی الکبیری (ص۴۲۸) فصل فی سجود السھو: (ویجب لستۃ اشیاء) فیجب (بتقدیم رکن نحو ان یرکع قبل ان یقرأ ویسجد قبل ان یرکع) ھذا التمثیل غیر واقع فی محلہ لان الرکوع قبل القراءۃ والسجود قبل الرکوع غیر معتد بہ حتی یفترض علیہ اعادۃ الرکوع بعد القراءۃ واعادۃ السجود بعد الرکوع علی ما مر من ان الترتیب بین ما لا یتکرر فی الرکعۃ الواحدۃ وبین غیرہ فرض واذا لم یقع ذلک معتدا بہ لا یکون فیہ تعتدھم الرکن نعم واذا فدل ذلک یجب علیہ سجود السھو لتاخیر الرکن بسبب زیادۃ التی زادھا فلیتأمل"

وفی الشامیۃ (۲/۸۰): (یجب تقدیمھا) ای تقدیم قراءۃ الواجب اما قراءۃ الفرض فتقدیمھا علی الرکوع فرض لا ینجبر بسجود السھو۔

(۲)۔ دوسری بات یہ ذہن نشین رہے کہ فقہاء نے یہاں "رفض" کا مسئلہ بھی ذکر کیا ہے۔ رفض کہتے ہیں چھوڑ دینے کو۔ یہاں رفض کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کا کسی رکن کو درمیان میں چھوڑ دینا اور مکمل کئے بغیر پچھلے کسی بھولے رکن کی ادائیگی کیلئے اٹھ جانا مثلاً رکوع میں یاد آتا ہے کہ وہ پچھلی رکعت کا رکوع بھول گیا تھا اب اگر وہ اس رکوع سے اس نیت سے اٹھتا ہے کہ پچھلی رکعت کا رکوع کروں گا تو یہ اس

Marfat.com

والے رکوع کو رفض کر رہا ہے اس رفض کی بنیاد پر پچھلی رکعت کا رکوع کرنے کے بعد اسے یہ رکوع دوبارہ کرنا ہوگا اور اگر وہ یہ رکوع کر کے اٹھ جاتا ہے قومہ میں اسے یاد آتا ہے کہ پچھلی رکعت کا رکوع چھوٹ گیا تھا تو چونکہ اس کا یہ رکوع مکمل ہو چکا اب وہ پچھلی رکعت کا رکوع کر کے اس رکعت کے سجدے میں چلا جائے گا اس رکعت کا رکوع دوبارہ نہ کرنا ہوگا کیونکہ اس نے رکوع کو رفض نہیں کیا ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ رفض کا ثمرہ اگلی رکعت سے پچھلی رکعت کی طرف لوٹنے میں ہی ظاہر ہوگا اگر رفض کر کے آئے گا تو وہ رکن دوبارہ اداء کرنا ہوگا ورنہ نہیں۔ ایک ہی رکعت کے ارکان میں بھی رفض تو ہو سکتا ہے لیکن رفض ہو یا نہ ہو، ترتیب ارکان فی رکعۃ واحدۃ (جو کہ فرض ہے) کی وجہ سے وہ رکن بہر حال دوبارہ کرنا ہوگا مثلاً ایک شخص پہلی رکعت کی قراءت بھول کر رکوع میں چلا جاتا ہے اب وہ رکوع میں یاد آنے پر اسے رفض کر کے اٹھے یا رکوع مکمل ہونے کے بعد قومے میں یاد آنے پر قراءت کی طرف لوٹے بہر صورت یہ رکوع دوبارہ کرنا ہوگا کیونکہ یہ ایک ہی رکعت میں ترتیب کے لیے مخل ہے۔ جبکہ دو رکعت کے ارکان میں ترتیب فرض نہیں وہاں رفض میں اس رکن کا اعادہ ہوگا ورنہ نہیں۔

لما فی الخانیۃ (۶۲/۱): مصلی الاربع اذا رفع راسہ عن الرکوع من الرکعۃ الثالثۃ فتذکر انہ لم یسجد فی الثانیۃ الا سجدۃ واحدۃ فانہ یسجد تلک السجدۃ ثم یتشھد للثانیۃ ثم یسجد للثالثہ سجدتین ثم یتم صلاتہ لان عودہ الی السجدۃ المتروکۃ لایرفض الرکوع ویلزمہ السھو لانہ اخر السجدۃ فی الرکعۃ الثانیۃ عن محلھا وان تذکر وھو راکع فی الثالثۃ انہ ترک من الرکعۃ الثانیۃ سجدۃ فانہ یسجد السجدۃ المتروکۃ ویتشھد ثم یقیم فیصلی الثالثۃ والرابعۃ برکوعھما وسجودھما لانہ لما تذکر فی الرکوع والرکوع قبل رفع الرأس مما یقبل الارتفاض فکان عودہ للسجدۃ المتروکۃ رفضا للرکوع فیرتفض بخلاف ما بعد التمام"

(۳)۔ تیسری بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ نماز میں مطلقاً قراءت فرض ہے جبکہ سورۃ فاتحہ یا ضم سورت واجب ہے فرض نہیں۔ لہٰذا اگر فاتحہ پڑھنے کے بعد سورت ملانا بھول جاتا ہے اور رکوع میں یاد آنے پر سورت پڑھنے کیلئے لوٹتا ہے تو اصول کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ فرض سے واجب کی طرف عود کر رہا ہے لہٰذا رفض یا سقوطِ ترتیب نہ ہو کیونکہ رفض فرض کا فرض سے ہوتا ہے اور ترتیب بین الارکان فرض ہے جبکہ واجب چھوٹ جانے میں تو فقط سجدہ سہو کافی ہے جیسا کہ دعاء قنوت، وتر میں فرض نہیں لہٰذا بھول جانے کی صورت میں لوٹنے کی ضرورت نہیں سجدہ سہو کافی ہوتا ہے لہٰذا اس اصول کے مطابق سورت ملانا بھول جانے کی صورت میں بھی اگر کوئی شخص سورت ملانے کیلئے رکوع سے واپس آتا ہے تو رفض یا سقوطِ ترتیب نہ ہونا چاہیے بلکہ رکوع باقی رہنا چاہیے جیسا کہ قنوت کیلئے لوٹنے کے بعد بھی پچھلا رکوع باقی رہتا ہے۔ لیکن ضم سورت سے متعلق فقہاء نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ ویسے تو یہ واجب ہے لیکن جب اس کے لیے لوٹے گا تو یہ فرض بن جائے گی۔ گویا فرض تو مطلقاً قراءت ہے اور فاتحہ اور ضم سورت کی صورت میں اسے کرنا واجب ہے اور طوالِ مفصل وغیرہ تفصیلات کی رعایت سنت ہے لیکن جتنا قرآن بھی پڑھا جائے گا وہ مکمل فرض کہلائے گا۔ ان سب تفصیلات کا مقصد یہ ہے کہ اقل مقدار قراءت سے مطلقاً فرض

Marfat.com

ادا ہوگا اور ضم سورت سے واجب۔ لیکن چاہے فرض ادا ہو رہا ہو یا واجب، وہ سب فرض بن جائے گا یہاں تک کہ اگر پورا قرآن پڑھ لیتا ہے تو ہم یہی کہیں گے کہ اس نے فرض قراءت کی ہے جیسا کہ رکوع بقدر تسبیح فرض ہے اور تین تسبیح کے بقدر مسنون ہے لیکن جب تین تسبیح کے بقدر رکے گا تو مکمل رکوع فرض کہلائے گا، شامیہ میں ہے:

قوله (لوجوب تقديمها) أى تقديم قراءة الواجب أما قراءة الفرض فتقديمها على الركوع فرض لا ينجبر بسجود السهو والتحقيق أن تقديم الركوع على القراءة مطلقا موجب لسجود السهو لكن إذا ركع ثم قام فقرأ فإن أعاد الركوع صحت صلاته وإلا فسدت أما إذا ركع قبل القراءة أصلا فظاهر وأما إذا قرأ الفاتحة مثلا ثم ركع فتذكر السورة فعاد فقرأها ولم يعد الركوع فلأن ما قرأه ثانيا التحق بالقراءة الأولى فصار الكل فرضا فارتفض الركوع فإذا لم يعد تفسد صلاته نعم إذا كان قرأ الفاتحة والسورة ثم عاد لقراءة سورة أخرى لا يرتفض ركوعه كما نقله فى الحلية عن الزاهدى وغيره فقد ظهر أن إيقاع الركوع قبل القراءة أصلا أو قبل قراءة الواجب يلزم به سجود السهو لكن إذا لم يعد الركوع يسقط سجود السهو لفساد الصلاة وإن أعاده صحت ويسجد للسهو۔ (شامية ۲/۸۰)

نیز شامیہ میں ہی چند سطر بعد یہ بحث ہے:

قال الحصكفى فى الدر: (كركوع) متعلق بترك واجب (قبل قراءة) الواجب لوجوب تقديمها ثم إنما يتحقق الترك بالسجود فلو تذكر ولو بعد الرفع من الركوع عاد ثم أعاد الركوع أنه فى تذكر الفاتحة يعيد السورة أيضا۔

وقال ابن عابدين تحتها: قوله (ثم أعاد الركوع) لأنه لما عاد وقرأ وقعت القراءة فرضا ولا ينافيه كون الفرض فيها آية واحدة والزائد واجب وسنة لأن معناه أن أقل الفرض آية ويجب أن يجعل ذلك الفرض الفاتحة والسورة ويسن أن تكون السورة من طوال المفصل أو أوساطه أو قصاره حتى لو قرأ القرآن كله وقع فرضا كما أن الركوع بقدر تسبيحة فرض وتطويله بقدر ثلاث سنة كما حققه فى شرح المنية وقدمناه فى فصل القراءة والحاصل أن ما يقرؤه يلتحق بما قبل الركوع ويلغو هذا الركوع فتلزم إعادته حتى لو لم يعده بطلت صلاته۔

(شامية ۲/۸۱)

(۴)۔ چوتھی بات یہ ملحوظ رہے کہ دعاء قنوت فرض نہیں لہٰذا بھول جانے کی صورت میں رکوع سے واپس قیام کی طرف نہ آنا چاہیے سجدہ سہو کافی ہے البتہ اگر آ بھی جائے تو چونکہ یہاں واجب اور فرض کی ترتیب میں خلل آیا ہے لہٰذا رکوع کا مقدم ہونا اسے فاسد نہ کرے گا بلکہ

Marfat.com

رکوع باقی رہے گا قنوت پڑھ کر سجدہ میں چلا جائے۔ اسی طرح ابھی سورت ملانے سے متعلق جو تفصیلات تحریر ہوئیں کہ عموماً تو وہ واجب ہے لیکن فرض قراءت سے مل کر (اعادے کی صورت میں) وہ فرض بن جاتی ہے یہ اس صورت میں ہے جب فاتحہ پڑھتے ہی رکوع میں چلا جائے البتہ اگر ایک سورت پڑھ لی لیکن ارادہ دو سورتیں پڑھنے کا تھا پھر رکوع سے دوسری سورت پڑھنے کیلئے لوٹتا ہے تو یہ دوسری سورت کی قراءت فرض نہ بنے گی کیونکہ فرض قراءت اور واجب قراءت دونوں وہ کر چکا ہے اب اس دوسری سورت کی حیثیت فرض کی نہ بنے گی لہٰذا اس صورت میں رفض یا سقوطِ ترتیب نہ ہوگا اور پہلے کیا رکوع ہی کافی ہوگا۔

لو تذكر القنوت فى الركوع فالصحيح أنه لا يعود ولو عاد وقنت لا يرتفض ركوعه وعليه السهو لأن القنوت إذا أعيد يقع واجبا لا فرضا كما فى شرح المنية وأما إذا عاد لقراءة سورة أخرى فلا يرتفض ركوعه كما قدمناه لأنه وقع بعد قراءة تامة فكان فى موقعه وكان عوده إلى القراءة غير مشروع كما إذا عاد إلى القنوت بل أولى والله أعلم (شامية ۸۱/۲)

یہاں تک ذکر کردہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱)۔ نماز کے عموماً چھ فرائض بتائے جاتے ہیں مگر ترتیب بین الارکان فی رکعۃ واحدۃ (ایک رکعت میں موجود ارکان میں ترتیب) بھی فرض ہے البتہ دو رکعت میں فرض نہیں۔ دوسری رکعت میں پہلی رکعت کے کسی رکن کے بھول جانے پر لوٹنا درمیان کی ترتیب کو ساقط نہ کرے گا البتہ سجدہ سہو بہرصورت کرنا ہوگا۔

(۲)۔ رکن کو تمام کرنے کے بعد پچھلا کوئی رکن بھولنا یاد آئے تو اس کی طرف لوٹنا اس رکن کو رفض نہ کرے گا البتہ اس رکن میں یاد آنے پر پچھلے رکن کی طرف لوٹنا اس رکن کے رفض کا سبب بنے گا لہٰذا دو مختلف رکعتوں میں اگر دوسری رکعت کے کسی رکن کو رفض کر کے آرہا ہے تو اس رکن کا اعادہ ضروری ہوگا البتہ ایک رکعت کے ارکان میں تو بہرصورت اعادہ ہوگا کیونکہ ترتیب فرض ہے، اور ترتیب بین الارکان میں خلل پہلے کیے رکن کو کالعدم کرتا ہے۔

(۳)۔ تیسری بات یہ کہ مطلقاً قراءت نماز میں فرض ہے جو کہ فاتحہ پڑھ لینے سے بھی ادا ہوجاتی ہے سورت ملانا واجب ہے لیکن اگر کوئی سورت ملانا بھول جائے اور پھر رکوع سے لوٹے تو یہ سورت فرض قراءت بن جائے گی اور گزشتہ سے ملحق ہوگی لہٰذا پچھلا رکوع ختم ہوجائے گا۔ یہ اس لیے کہ ضم سورت کی طرف لوٹنا اسے فرض بنا دیتا ہے۔

(۴)۔ قنوت بھول کر اس کی طرف لوٹنا قنوت کو صرف واجب رکھتا ہے۔ اسی طرح ایک سورت پڑھ کر دوسری سورت کا ارادہ ہو لیکن بھول جانے کی صورت میں اس کے لیے لوٹنا بھی اسے صرف واجب رکھتا ہے۔ ان دونوں (قنوت اور دوسری سورت) کیلئے لوٹنا نہیں چاہیے لیکن اگر کوئی لوٹ جاتا ہے تو چونکہ یہ بعد العود بھی واجب ادا ہوتی ہیں لہٰذا اس سے ترتیب ساقط نہ ہوگی اور پچھلا رکوع باقی رہے گا۔

الغرض ان تمام تفصیلات سے اتنا واضح ہوگیا کہ ایک رکعت کے ارکان میں ترتیب فرض ہے اور کسی رکن کا بھول جانا اور پھر اس

Marfat.com

کے لیے اسی رکعت میں لوٹنا بعد کے تمام ارکان کو کالعدم کردے گا۔ البتہ دوسری رکعت سے پچھلی رکعت کے بھولے رکن کیلئے لوٹنا درمیان کے ارکان کو کالعدم تو نہ کرے گا لیکن اگر اس رکن کو فرض کر کے آتا ہے تو اس کا اعادہ ہوگا ورنہ اس کا بھی اعادہ نہ ہوگا۔ اس سے آپ یہ بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ تقدیم رکن اور تاخیرِ رکن کی بنیاد پر جو سجدہ سہو کا قول کیا جاتا ہے وہ اس حد تک تو صحیح ہے کہ بہر صورت سجدہ سہو کرنا ہوتا ہے لیکن ایک ہی رکعت کے ارکان میں تقدیم و تاخیر کی صورت میں مقدم ارکان کا اعادہ بھی فرض ہے کیونکہ ترتیبِ فرض ساقط ہوئی ہے ورنہ نماز باطل ہوگی۔ نیز جن کتب میں تقدیم و تاخیر کی صورت میں فقط سجدہ سہو کا حکم ذکر ہے ان کا یہی مطلب ہے کہ اعادہ کرلیا جائے تب بھی سجدہ سہو کرنا ہوگا اور جن کتب میں تقدیم و تاخیر کی صورت میں مطلقاً بطلانِ صلاۃ کا حکم ذکر ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اعادہ نہ ہو کیونکہ جب اعادہ (مقدم رکن کا) نہ ہوگا تو چاہے سجدہ سہو کرلے نماز کالعدم ہوگی۔ علامہ شامی رحمہ اللہ اس تفصیل کو واضح فرماتے ہیں:

وعلی ھذا التقریر فما قدمه الشارح تبعا لغیرہ فی واجبات الصلاۃ حیث عد منھا الترتیب بین القراءۃ والرکوع ناظر إلی مجرد التقدیم والتأخیر مع قطع النظر عن لزوم إعادۃ ما قدمه وما صرح به شراح الھدایة وغیرھم من أنه لو قدم الرکوع علی القراءۃ تفسد الصلاۃ ناظر إلی الاکتفاء بما قدمه وعدم إعادته فلا تنافی بین کلامھم (شامیة ۸۰/۲)

الغرض مسئلہ کچھ مغلق ہے از حدِ استطاعت احقر نے تفصیل بیان کردی۔ ان تفصیلات کی روشنی میں آپ کے سوالوں کے جوابات ترتیب وار درج ذیل ہیں:

(۱)۔ آپ کا ذکر کردہ مسئلہ درست ہے قنوت کیلئے لوٹنے میں دوبارہ رکوع نہیں کرنا بلکہ سجدہ سہو کافی ہے البتہ قراءت کیلئے بھولنے کے بعد لوٹنے میں رکوع دوبارہ کرنا ہوگا کیونکہ قراءت فرض ہے اور فرائضِ رکعۃ واحدہ میں ترتیب فرض ہے لہٰذا پہلے کیا رکوع کالعدم ہے آپ نے تو ثنا کے بعد رکوع کرلینے کا کہا ہے اگر کوئی شخص فاتحہ کے بعد رکوع کرلے اور سورت پڑھنا بھول جائے تو اس سورت کے لیے لوٹنے کی صورت میں یہ بھی بتصریح فقہاء فرض بن جاتی ہے اور پچھلا رکوع کالعدم ہو جائے گا۔ اسی طرح رکوع بھول کر سجدہ کرلینے سے اگر رکوع کی طرف سجدے سے عود کرتا ہے تو سجدے کالعدم ہو جائیں گے کیونکہ ایک رکعت کے ارکان میں ترتیب فرض ہے۔

(۲)۔ سجدہ سہو ان چیزوں سے واجب ہوتا ہے: ۱۔ تقدیم و تاخیر رکن ۲۔ تکرار رکن ۳۔ ترک واجب۔ لیکن آپ کا یہ سننا کہ "تقدیم و تاخیر رکن سے مطلقا سجدہ سہو کافی ہوجاتا ہے" یہ درست نہیں بلکہ یہ وضاحت آگئی کہ ایک رکعت کے ارکان میں ترتیب فرض ہے اس میں تقدیم و تاخیر کی صورت میں مقدم رکن کا اعادہ بھی فرض ہے ورنہ نماز کالعدم ہوگی۔ باقی جن کتب میں تقدیم و تاخیر کی صورت میں فقط سجدہ سہو کا ذکر ہے وہ اسی صورت میں ہے جب اعادہ کرلے ورنہ کافی نہیں۔

(۳)۔ مقتدی نماز میں سو جائے اور امام آگے نکل جائے تو جاگنے کے بعد وہ اپنے چھوٹے ہوئے ارکان ادا کرلے اگر لاحق ہے تو امام کی اقتداء کی بنیاد پر اس پر سجدہ سہو بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے "الامام ضامن"۔ لیکن اگر امام نماز سے فارغ ہوجائے تو

Marfat.com

مقتدی پہلے ارکان کی قضاء کرے بعد میں سجدہ سہو کرلے۔ یہاں ارکان کی تاخیر کی بنیاد پر سجدہ سہو کافی ہوگا۔

(۴)۔قراءت الگ فرض ہے اور قیام الگ فرض ہے۔ فاتحہ کے بعد سورت بھولنے پر رکوع سے لوٹنے کی صورت میں رکوع کا رفض اس بنیاد پر ہورہا ہے کہ یہ واجب قراءت، لوٹنے کی صورت میں فرض بن جاتی ہے اور گزشتہ قراءت سے اس کا الحاق ہوجاتا ہے۔ اس کا قیام سے کوئی تعلق نہیں تفصیلی بحث ہم نے ذکر کردی۔ امید ہے آپ کو تشفی حاصل ہوئی ہوگی۔

لمافی البحرالرائق (۱۷۴/۲) باب سجود السهو كتاب الصلوة: وفي البدائع وأما بيان أن المتروك ساهيا هل يقضي أو لا فنقول إنه يقضي إن أمكنه التدارك بالقضاء سواء كان من الأفعال أو الأذكار وإن لم يمكن فإن كان المتروك فرضا فسدت وإن كان واجبا لا تفسد ولكنه ينقص ويدخل في حد الكراهة فإذا ترك سجدة صلبية من ركعة قضاها في آخرها إذا تذكر ولا تلزمه إعادة ما بعدها وإذا كانا سجدتين قضاهما ويبدأ بالأولى ثم بالثانية لأن القضاء على حسب الأداء--- ولو كان المتروك ركوعا فلا يتصور فيه القضاء وكذا إذا ترك سجدتين من ركعة لأنه لا يعتد بالسجود قبل الركوع لعدم مصادفته محله فلو قرأ وسجد ولم يركع ثم قام فقرأ وركع وسجد فهذا قد صلى ركعة ولا يكون هذا الركوع قضاء عن الأول وكذا لو قرأ وركع ولم يسجد ثم رفع رأسه فقرأ ولم يركع ثم سجد فهذا قد صلى ركعة ولا يكون هذا السجود قضاء عن الأول وكذا إذا قرأ وركع ثم رفع رأسه وقرأ وركع وسجد فهذا قد صلى ركعة والصحيح أن المعتبر الركوع الأول لكونه صادف محله فوقع الثاني مكررا۔

وفى الخانية (۶۵/۱) باب سجود السهو كتاب الصلوة: اذا اخر السجدة الصلبية او سجدة التلاوة عن موضعها كان عليه السهو و اذا سلم المسبوق ساهيا يلزمه السهو قيل هذا اذا سلم بعد الامام ... الخ۔

وفى التاتارخانية (۴۲۸/۲): وان كان اماما فصلى ركعة وترك فيها سجدة وصلى ركعة اخرى وسجدلها وتذكر المتروكة فى السجود فانه يرفع راسه من السجدة ويسجد المتروكة ثم يعيد ما كان فيها لانها ارتفضت فيعيدها استحسانا فاما ما قبل ذلك من المتروكة فهل يرتفض ان كان ما تخلل بين المتروكة وبين الذى تذكر فيه ركعة تامة؟ فانه لا يرتفض باتفاق الروايات فلا تلزمه اعادة ذلك وان لم يكن ركعة تامة فكذالك فى ظاهر الروايات وروى الحسن عن ابي حنيفة رحمه الله انه يرتفض۔

وفى الطحطاوى على الدر (۲۵۹/۱) كتاب الصلوة: (قوله: كعدد ركعاتها) فان الترتيب فيها واجب

Marfat.com

وذلك لان الذی یقضیه المسبوق اول صلوته ولو کان شرطا لکان آخرا وزدبان ما یقضیه اول صلوته حکما لا حقیقتا علی انه لیس اول صلوته مطلقا بل فی حق الاقوال دون الافعال فلا یتصور ترتیب بین الرکعات فیه کما لا یتصور فی حق امام و منفرد فما اتی به اولا فهو اول وما اتی به آخر افهو آخر وکذالك المدرك واللاحق نعم یتاتی الترتیب بینهما فی المسبوق اللاحق کمن فاتته اولی الفجر وادرك الثانیة ونام فیها حتی سلم الامام یصلی الرکعة التی نام فیها اولا بلا قراءة ثم المسبوق بها بقراءة وان عکس صح ...... الخ۔

وفی الدرالمختار(۱/۴۵۵): (فإن أتی بها) أو بأحدها بأن قام أو قرأ أو رکع أو سجد أو قعد الأخیر (نائما لا یعتد) بما أتی (به) بل یعیده ۔

وقال ابن عابدین تحته: قوله (بل یعیده) وهل یسجد للسهو لتأخیر الرکن الظاهر نعم فراجعه ۔

وفی الشامیة(۲/۸۰)باب سجود السهو کتاب الصلوة: قوله (لوجوب تقدیمها) أي تقدیم قراءة الواجب أما قراءة الفرض فتقدیمها علی الرکوع فرض لا ینجبر بسجود السهو والتحقیق أن تقدیم الرکوع علی القراءة مطلقا موجب لسجود السهو لکن إذا رکع ثم قام فقرأ فإن أعاد الرکوع صحت صلاته وإلا فسدت أما إذا رکع قبل القراءة أصلا فظاهر وأما إذا قرأ الفاتحة مثلا ثم رکع فتذکر السورة فعاد فقرأها ولم یعد الرکوع فلأن ما قرأه ثانیا التحق بالقراءة الأولی فصار الکل فرضا فارتفض الرکوع فإذا لم یعده تفسد صلاته نعم إذا کان قرأ الفاتحة والسورة ثم عاد لقراءة سورة أخری لا یرتفض رکوعه کما نقله في الحلیة عن الزاهدي وغیره فقد ظهر أن إیقاع الرکوع قبل القراءة أصلا أو قبل قراءة الواجب یلزم به سجود السهو لکن إذا لم یعد الرکوع یسقط سجود السهو لفساد الصلاة وإن أعاده صحت ویسجد للسهو۔

(۷۵) تعدادِ رکعات میں نیت کی غلطی

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے ظہر کی سنتیں پڑھنے کی نیت کی لیکن بجائے چار کے دو رکعات کی نیت کر لی اب وہ کتنی رکعتیں پڑھے نیز ظہر کی سنتوں کا اعادہ کرے یا نہیں؟ اسی طرح اگر سنتوں کی نیت ہی نہیں کی بلکہ صرف نماز کی نیت کی اور تکبیر کہہ دی اور پھر چار رکعات پڑھ لیں تو آیا اسطرح ظہر کی سنتیں ادا ہو جائینگی؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... صورت مسئولہ کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھیں کہ سنن رواتب کو مطلق نیت صلاۃ سے ادا کرنا جائز ہے، اسی طرح اگر زبان سے دل کے ارادہ کیخلاف اور الفاظ نکل جائیں تو اسکا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب

Marfat.com

نماز پڑھتے وقت اسکی نیت چار رکعات کی تھی اور غلطی سے دو رکعات کے الفاظ نکل گئے تو اس صورت میں چار رکعات سنتیں ہی ادا ہونگی ،ہاں اگر شروع کرتے وقت دل ہی سے دو رکعات کی نیت کی تھی تو پھر دو ہی سنتیں پڑھے گا۔اور چار رکعات دوبارہ پڑھے گا،اسی طرح اگر سنت کی نیت ہی نہ کی بلکہ صرف نماز کی نیت کی اور چار رکعات پڑھ لیں تو بھی ظہر کی سنتیں ادا ہو جائینگی۔

لمافی الدرالمختار(۱/۴۱۴): (و)الخامس (النیة) بالاجماع (وھی الارادة) المرجحة لاحدالمتساویین ای ارادة الصلاة لله تعالی علی الخلوص، وفی (ص۴۱۵) فلاعبرة للذکر باللسان ان خالف القلب لانه کلام لانیة،

وفی الشامیة تحته: (قوله ان خالف القلب) فلوقصدالظهروتلفظ بالعصرسهوااجزأه۔

وفی الدرالمختار (۱/۴۱۷): (وکفی مطلق نیة الصلاة)وان لم یقل لله(لنفل وسنة) راتبة (وتراویح) علی المعتمد۔

(۷۶)واجباتِ نماز کی تعداد،اور قومہ اور جلسہ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم چھوٹی کتابوں (نماز حنفی، تعلیم الاسلام وغیرہ) میں پڑھتے چلے آرہے ہیں کہ واجبات نماز چودہ ہیں جن کے اندر انہوں نے قومہ اور جلسہ بھی شمار کیا ہے اب ہم کنز الدقائق پر پہنچے تو اس میں واجبات بارہ لکھے،قومہ اور جلسہ کو سنن صلوۃ میں شمار کیا،عبارت یہ ہے: وسننها رفع الیدین للتحریمة... والقومة والجلسة آپ حضرات سے معلوم یہ کرنا ہے واجبات نماز کتنے ہیں،اور قومہ،جلسہ واجب ہے یا مسنون؟اور صاحب کنز نے ان کو سنن کے اندر کس لئے ذکر کردیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......عام طور پر فقہ کی کتابوں میں واجبات کی تعداد ۱۴ بتائی جاتی ہے اور یہ وہ واجبات ہیں جن کو بنیادی حیثیت حاصل ہے ورنہ واجبات اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔قومہ اور جلسہ کے بارے میں مذہبِ مشہور تو یہ ہے کہ یہ دونوں مسنون ہیں۔لیکن متاخرین فقہاء کرام (جیسا کہ علامہ ابن ہمام اور ان کے شاگرد ابن امیر حاج،علامہ طحطاوی،علامہ حصکفی اور علامہ شامی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ) کے نزدیک وجوب راجح ہے۔صاحب کنز نے بناء بر مذہب مشہور کے ان (یعنی قومہ اور جلسہ) کو سنن میں ذکر کیا ہے۔

لمافی البحر الرائق(۱/۵۲۳): قید بالطمأنینة فی الارکان ای الرکوع والسجود لان الطمأنینة فی القومة والجلسة سنة عند ابی حنیفة ومحمد بالاتفاق وعند ابی یوسف رحمه الله فرض کما تقدم وفی شرح الزاهدی مایدل علی وجوبها عندهما کوجوبها فی الارکان فانه قال: وذکر صدر القضاة واتمام الرکوع واکمال کل رکن واجب عند ابی حنیفة ومحمد وعند ابی یوسف والشافعی فرض وکذا رفع الراس من الرکوع والانتصاب والقیام والطمأنینة فیه فیجب ان یکمل

Marfat.com

الركوع حتى يطمئن كل عضو منه ويرفع راسه من الركوع حتى ينتصب قائما ويطمئن كل عضو منه وكذا فی السجود ولو ترك شيأ من ذالك ناسيا يلزمه سجدتا السهو ولو تركها عمدا يكره أشد الكراهة ويلزمه ان يعيد الصلوة اهـ وهو يدل على وجوب القومة والجلسة وسياق التصريح بسنيتهما ومقتضى الدليل وجوب الطمأنينة فی الاربعة ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة على ذالك كله وللامر فی حديث المسیئ صلاته۔ وفی فتاوىٰ قاضی خان فی فصل مايوجب السهو قال: المصلی إذا ركع ولم يرفع راسه من الركوع حتى خرساجدا ساهيا تجوز صلاته فی فول ابي حنيفة ومحمد وعليه السهو اهـ وفی المحيط: لو ترك تعديل الاركان او القومة التی بين الركوع والسجود ساهيا لزمه سجود السهو فيكون حكم الجلسة بين السجدتين كذالك لان الكلام فيهما واحد والقول بوجوب الكل هو مختار المحقق ابن الهمام وتلميذه ابن امير حاج حتى قال، انه الصواب والله الموفق للصواب۔

وفی فتح القدير(۱/۳۰۱۔۳۰۲): (قوله ثم القومة والجلسة) ای بين السجدتين سنة عندهما: ای باتفاق المشايخ بخلاف الطمانينة على ما سمعت من الخلاف وعند ابي يوسف هذه الفرائض للمواظبة الواقعة بيانا وانت علمت حال الطمانينة، وينبغی ان تكون القومة والجلسة واجبتين للمواظبة۔ ......وانت علمت ان مقتضى الدليل فی كل من الطمأنينة والقومة والجلسة الوجوب۔

وفی التاتارخانية(۱/۵۱۰): واما واجبات الصلوة فالمذكور فی شروح المشائخ انها ستة، احداها: تعديل الاركان عند ابي حنيفة رحمه الله وفی المخرب، والمراد بتعديل اركان الصلاة تسكين الجوارح فی الركوع والسجود والقومة بينهما والقعدة بين السجدتين...... وهاهنا اشياء اخرى من جملة الواجبات۔

وفی الطحطاوی على الدر(۱/۲۰۷): قال الطحطاوی تحت قول الدر (وهی) على ماذكره اربعة عشر، قوله على ما ذكره) ای لا بالنظر للواقع لانها كثيرة جدا۔

(۷۷) نماز میں دونوں پیروں کے درمیان فاصلہ

سوال......کیافرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کے قیام میں دونوں پیروں کے درمیان فاصلہ کتنا ہونا چاہیئے اور کیا یہ فاصلہ واجب ہے، سنت ہے، یا مستحب ہے؟ نیز پاؤں رکھنے کا صحیح طریقہ بھی بتا دیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں نماز کے قیام میں دونوں پیروں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کے برابر فاصلہ رکھنا مستحب ہے لیکن اگر کسی شخص کو اس میں حرج ہو تو جتنی مقدار میں نماز میں خشوع وخضوع باقی رہے اسلئے وہی مستحب ہے بشرطیکہ پاؤں بالکل کھلے نہ ہوں اور نہ بالکل جڑے ہوں۔

نیز پاؤں رکھنے کا صحیح اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں ورنہ مکروہ ہے۔

لمافی الشامیة(۱/۴۴۴):وینبغی ان یکون بینھما مقدار اربع اصابع الید لانه اقرب الی الخشوع۔ ھکذا روی عن ابی نصرالدبوسی انه کان یفعله کذافی الکبری۔

وفی الدرالمختار (۱/۵۰۳):(ویستقبل باطراف اصابعه رجلیه القبلةویکره ان لم یفعل) ذالك۔

وفی الشامیة تحته: (قوله ویکره ان لم یفعل ذالك)...وقال الرملی فی حاشیة البحرظاھره انه سنة وبه صرح فی زاد الفقیر۔

(۷۸) حالت نماز میں نگاہ کہاں رکھی جائے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو نماز میں نظر ایک جگہ نہیں رکھتے ادھر ادھر گھماتے رہتے ہیں، کیا ان لوگوں کی نماز صحیح ہوجائے گی نیز نماز کی حالت میں نگاہ کہاں رکھنی چاہیے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......حالت قیام میں نگاہ سجدہ گاہ میں رکھنا اور حالت رکوع میں اپنے پاؤں پر رکھنا، اور حالت سجدہ میں اپنے ناک پر رکھنا اور حالت قعود میں اپنی گود میں رکھنا اور پہلے سلام کے وقت دائیں کندھے پر اور دوسرے سلام میں بائیں کندھے پر رکھنا مستحب ہے......خلاصہ یہ ہے کہ نماز کی حالت میں خشوع اور خضوع مستحب ہے اگر نماز میں خشوع اور خضوع نہ ہو، اور آدمی ادھر ادھر دیکھے تو اس کو حدیث میں اختلاس شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی شیطان کا نماز میں سے چوری کرنا قرار دیا گیا ہے اور اگر نماز میں التفات ہو، اور خشوع اور خضوع میں خلل نہ ہو تو یہ خلاف اولیٰ ہے۔

لمافی البخاری (۱/۱۰۴): حدثنا مسدّد قال حدثنا ابو الاحوص قال حدثنا اشعث بن سلیم عن ابیه عن مسروق عن عائشةرضی الله عنھا قالت سالت رسول الله ﷺ عن الالتفات فی الصلوۃ فقال ھو اختلاس یختلسه الشیطان من صلوۃ العبد۔

وفی بدائع الصنائع (۲/۷۳): فقال یرمی ببصره الی موضع سجوده فی حالة القیام، وفی حالة الرکوع الی رؤس اصابع رجلیه وفی حالة السجود الی ارنبة انفه، وفی حالة القعدۃ الی حجره لان ھذا

Marfat.com

کله تعظیم وخشوع۔

وفی الھندیة(۱/۷۲): (وادابھا) نظره ان موضع سجوده حال القیام والی ظهر قدمیه حالة الرکوع والی ارنبته حالة السجود والی حجره حالة القعود وعند التسلیمة الاولی الی منکبه الایمن وعند الثانیة منکبه الایسر۔

وفی الدرالمختار(۱/۴۷۷): (ولها آداب) ترکه لایوجب اساء ة ولا عتاباً کترك سنة الزوائد لکن فعله افضل (نظره الی موضع سجوده حال قیامه والی ظهر قدمیه حال رکوعه والی ارنبة أنفه حال سجوده والی حجره حال قعوده والی منکبه الایمن والایسر عند التسلیمة الأولی والثانیة۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته(۲/۹۶۴): قال الحنفیة: یکره تنزیها الالتفات بالعنق فقط ای بالوجه کله، او ببعضه، وببصره۔

(۷۹) نمازی کے سامنے سے گزرنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ الحمدللہ میں پنج وقتہ نمازوں کو باجماعت ادا کرنے کا حتی الوسع اہتمام کرتا ہوں۔ اکثر ظہر کے وقت چونکہ لنچ ٹائم ہوتا ہے اور وقت بھی کم ہوتا ہے، ہمیں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ اگلی صفوں میں نماز پڑھیں تو پچھلی صفوں میں بعد میں آنے والے نمازی چونکہ دیر تک نماز پڑھتے ہیں اس وجہ سے ہمیں بیٹھا رہنا پڑتا ہے، میں نے ایک صاحب سے سنا ہے کہ ایسی مجبوری کی صورت میں کچھ فاصلے سے گزرنا صحیح ہے۔ براہ کرم آپ مجھے تفصیل سے یہ بتادیں کہ نماز پڑھنے والے کے سامنے سے کتنے گز کے فاصلے پر آدمی کو شرعاً گزرنے کی اجازت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر نمازی چھوٹی مسجد یا چھوٹے کمرے میں ہوتو اس کے سامنے سے گزرنے کی اجازت نہیں (چھوٹی مسجد سے مراد وہ مسجد ہے جو کہ چالیس گز شرعی یعنی ساٹھ فٹ انگریزی سے کم ہو) البتہ اگر نمازی بڑی مسجد، صحرا یا کسی میدان میں ہو اور اس کے آگے کوئی سترہ یا آڑ نہ ہو تو اصح قول کے مطابق دوصفوں کے بقدر فاصلہ چھوڑ کر آگے سے گزرنے کی گنجائش ہے۔

لمافی الھندیة(۱/۱۰۴): والاصح انه موضع صلاته من قدمه الی موضع سجوده کذا فی التبیین قال مشایخنا اذا صلی رامیا بصره الی موضع سجوده فلم یقع بصره علیه لم یکره وهو الصحیح۔

وفی الدر المختار (۱/۶۳۴): (ومرور مار فی الصحراء أوفی مسجد کبیر بموضع سجوده) فی الاصح أو مروره (بین یدیه) الی حائط القبلة (فی) بیت و(مسجد) صغیر فانه کبقعة واحدة (مطلقا)۔

وفی الشامیة تحته: (قوله ومسجد صغیر) هو اقل من ستین زراعاً وقیل من اربعین وهو المختار کما اشار الیه فی الجواهر قهستانی (قوله فانه کبقعة واحدة) ای من حیث انه لم یجعل الفاصل فیه

Marfat.com

بقدر صفين مانعا من الاقتداء تنزيلا له منزلة مكان واحد بخلاف المسجد الكبير فانه جعل فيه مانعافكذاهنا يجعل جميع مابين يدى المصلى الى حائط القبلة مكانا واحداً بخلاف المسجد الكبير والصحراء فانه لوجعل كذلك لزم الحرج على المارة فاقتصر على موضع السجود۔

(۸۰) نمازی کے ایک جانب سلام پھیرنے کے بعد سامنے سے گزرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نماز پڑھ رہا تھا۔ایک طرف سلام پھیرا تو اس کے سامنے سے بکر گزر گیا۔اب معلوم یہ کرنا ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے کی جو وعید ہے اس میں بکر آئے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں زید کا ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد اس کے سامنے سے گزرنے سے بکر وعید مذکور میں نہیں آئے گا کیونکہ پہلا سلام تحلیل اور خروج عن الصلاۃ کیلئے ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام جب ایک طرف سلام پھیر لیتا ہے اس کے بعد اس کے پیچھے اقتداء صحیح نہیں ہوتی۔

لمافى التاتارخانية(۱/۵۵۲): وعن محمدرحمه الله ان التسليمة الثانية تحية للحاضرين و التسليمة الاولى للتحية والخروج لان من تحرم فقد غاب عن الناس ولا يكلمهم ولا يكلمونه وعند التحليل كانه يرجع اليهم فيسلم۔

وفى الدر المختار(۱/۴۶۸): وتنقضى قدوة بالاول قبل عليكم على المشهور عندنا (وفى الشامية) (قوله وتنقضى قدوة بالاول) اى بالسلام الاول قال فى التجنيس الامام اذا فرغ من صلاته فلما قال السلام جاء رجل واقتدىٰ به قبل ان يقول عليكم لايصير داخلا فى صلاته لان هذا سلام۔

(۸۱) نماز میں تکبیرات کی حیثیت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک دوست ہے اور اکثر اوقات امام کے ساتھ تکبیرات نہیں کہتا اور کہتا ہے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، تو کیا اس کا ایسا کہنا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تکبیرات نماز میں سے تکبیر تحریمہ فرض ہے اور اس کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوتی۔اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی تکبیریں سنت ہیں، ان کے ترک سے نہ نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ سجدہ سہو لازم ہوتا ہے البتہ ان کے ترک کی عادت بنانا برا اور باعث گناہ ہے، لہٰذا آپ کے دوست کا یہ کہنا کہ تکبیرات کی ضرورت نہیں بالکل غلط ہے۔

لمافى الهندية (۱/۶۸): (منها التحريمة) وهى شرط عندنا...

Marfat.com

وفيه ايضاً(۱/۷۲): (سننها) رفع اليدين ... وتكبير الركوع ...وتكبير السجود الخ۔

وفی الدرالمختار(۱/۴۴۲): (من فرائضها) التی لاتصح بدونها (التحريمة) قائما (وهی شرط) فی غير جنازة علی القادر به يفتی۔

وفی الشامية تحته : (قوله التی لاتصح بدونها) صفة كاشفة اذ لاشئ من الفروض ما تصح الصلاة بدونه بلا عذر (قوله التحريمة)۔۔۔۔۔۔ سميت بها لتحريمها الاشياء المباحة قبل الشروع بخلاف سائر التكبيرات۔

وفی الدرالمختار(۱/۴۷۳-۴۷۴) : (وسننها) ترك السنة لايوجب فساداً ولا سهواً بل إسائة لوعامداً غير مستخف۔

وفی حاشية الطحطاوی علی المراقی(۱/۲۵۶): ترك السنة لايوجب فساداً ولا سهواً بل إسائة لوعامداً غير مستخف۔۔۔۔۔۔ ويلام علی تركها مع لحوق إثم يسير اھ۔

(۸۲) تکبیرِ تحریمہ کے وقت ’’اللہ اکبر‘‘ کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تکبیرِ تحریمہ کے وقت ’’اللہ اکبر‘‘ کہنا واجب ہے یا سنت، میرے ایک دوست کہتے ہیں کہ سنت ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب......تکبیرِ تحریمہ کے وقت ’’اللہ اکبر‘‘ کہنا واجب ہے لہٰذا ’’اللہ اکبر‘‘ کے علاوہ کسی ایسے لفظ سے اگر تکبیر کہی گئی جس سے تحریمہ صحیح ہوتی ہو، جیسے ’’اللہ اجل‘‘ وغیرہ تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔

لمافی الهندية(۱/۷۲): والذكر إن كان وجب للصلاة فانه يجهر به كتكبيرة الافتتاح۔

وفی حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح(ص۲۰۴): (قوله ويكره الشروع بغيره) أی تحريماً لأنه لترك الواجب۔

(۸۳) قومہ وجلسہ اور اس میں طمانیت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ جب نماز پڑھتے ہیں تو وہ رکوع کے بعد سیدھے کھڑے نہیں ہوتے، جلدی سے سجدے میں چلے جاتے ہیں یعنی قومہ صحیح نہیں کرتے۔ اسی طرح ایک سجدہ کرنے کے بعد سیدھے نہیں ہو پاتے اس سے پہلے دوسرے سجدے میں چلے جاتے ہیں یعنی جلسہ بھی صحیح نہیں کرتے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ قومہ اور جلسہ کا کیا حکم ہے ان میں طمانینت ضروری ہے یا نہیں؟ جو لوگ اس کا خیال نہیں کرتے ان کی نمازوں کا کیا حکم ہوگا؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز کے تمام ارکان رکوع وسجدہ وغیرہ کی تعدیل تو واجب ہے، قومہ اور جلسہ نماز کے رکن نہیں ہیں، مشہور تو مذہب میں یہی ہے کہ یہ سنت ہیں، لیکن علامہ شامی اور طحطاویؒ کی تصریح کے مطابق نفس قومہ اور جلسہ کے وجوب کے ساتھ ساتھ طمانینت قومہ وجلسہ بھی واجب ہے، علامہ ابن الہمام نے بھی نفس قومہ اور جلسہ کے وجوب کے ساتھ ساتھ طمانینتِ قومہ وجلسہ کے وجوب کو اختیار کیا ہے۔ طمانینت وتعدیل یہ ہے کہ مصلی ایک مرتبہ تسبیح کہنے کی مقدار کھڑا ہوجائے اور تمام اعضاء اپنی جگہ پر ٹھہر جائیں۔ لہٰذا نفس قومہ اور جلسہ کے وجوب کے ساتھ ایک مرتبہ تسبیح کہنے کی مقدار طمانینت بھی قومہ اور جلسہ میں ضروری ہے اگر کسی سے بھول کر چھوٹ جائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا، اور سجدہ سہو کرنے کے بعد نماز درست ہوجائے گی اور جو لوگ جان بوجھ کر قومہ اور جلسہ نہیں کرتے وہ سخت گناہ گار اور مکروہ تحریمی کے مرتکب ہیں ان کی اس طرح پڑھی گئی تمام نمازیں واجب الاعادہ ہیں۔

لمافی الدر المختار مع الشامية(۱/۴۶۴): وتعديل الاركان اى تسكين الجوارح قدر تسبيحة فى الركوع والسجود وكذا فى الرفع منهما على ما اختاره الكمال لكن المشهور ان مكمل الفرض واجب ومكمل الواجب سنة، قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحت قوله وتعديل الاركان هو سنة عندهما فى تخريج الجرجانى وفى تخريج الكرخى واجب حتى تجب سجدتا السهو بتركه كذا فى الهداية، وجزم بالثانى فى الكنز، والوقاية والملتقى وهو مقتضى الادلة كما يأتى قال فى البحر: وبهذا يضعف قول الجرجانى (قوله وكذا فى الرفع منهما) اى يجب التعديل ايضا فى القومة من الركوع والجلسة بين السجدتين، وتضمن كلامه وجوب نفس القومة والجلسة ايضاً لانه يلزم من وجوب التعديل فيهما وجوبهما، (قوله على ما اختاره الكمال) قال فى البحر: ومقتضى الدليل وجوب الطمانينة فى الاربعة اى فى الركوع والسجود وفى القومة والجلسة، ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة على ذالك كله وللامر فى حديث المسئ صلاته، ولما ذكره قاضى خان من لزوم سجود السهو بترك الرفع من الركوع ساهياً وكذا فى المحيط فيكون حكم الجلسة بين السجدتين كذالك لان الكلام فيهما واحد، والقول بوجوب الكل هو مختار المحقق ابن الهمام وتلميذه ابن امير حاج حتى قال انه الصواب... وقال فى شرح المنية ولا ينبغى ان يعدل عن الدراية اى الدليل اذا وافقتها رواية على ما تقدم عن فتاوى قاضى خان، ومثله ما ذكر فى القنية من قوله: وقد شدد القاضى الصدر فى شرحه فى تعديل الاركان جميعها تشديداً بليغاً فقال: واكمال كل ركن واجب عند ابى حنيفة و محمد وعند ابى يوسف والشافعى (رحمهما الله) فريضة، فيمكث فى الركوع والسجود وفى القومة بينهما حتى يطمئنّ كل عضو منه، هذا هو الواجب عند ابى حنيفة ومحمد رحمهما الله حتى لو تركها أو شيئاً

Marfat.com

منها ساهیاً یلزمه السهو ولو عمداً یکره اشد الکراهة، ویلزمه ان یعید الصلوة وتکون معتبرة فی حق سقوط الترتیب ونحوه کمن طاف جنباً تلزمه الاعادة، والمعتبر هو الاول کذا هذا، والحاصل ان الاصح روایةً ودرایةً وجوب تعدیل الارکان، واما القومة والجلسة وتعدیلهما فالمشهور فی المذهب السنیة، وروی وجوبهما، وهو الموافق للادلة، وعلیه الکمال ومن بعده من المتاخرین وقد علمت قول تلمیذه إنه الصواب۔

(۸۴) دورانِ برف باری جوتوں میں ادائیگی نماز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علما کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ برف باری کے دوران جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر جوتے پاک ہیں اور سجدہ کرتے وقت جوتوں کے ساتھ پاؤں کی انگلیاں بھی زمین سے لگ جاتی ہیں تو ایسے جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے۔

لما فی جامع الترمذی(۱/۹۱): حدثنا علی بن حجر نا اسماعیل بن ابراهیم عن سعید بن یزید ابی سلمة قال قلت لانس بن مالك اکان رسول الله ﷺ یصلی فی نعلیه قال نعم۔ قال ابو عیسی حدیث انس حدیث حسن صحیح والعمل علی هذا عند اهل العلم۔

وفی فتح الملهم(۴/۱۲۹): قوله: ''قال: نعم'' الخ: فیه جواز الصلوة فی النعال والخفاف، ای اذا تحقق طهارتها، ویتمکن معها من تمام السجود، بأن یسجد علی جمیع اصابع رجلیه، کما قاله الخطابی۔

وفی الدر المختار(۱/۴۴۷): (ومنها السجود) بجبهة وقدمیه، ووضع اصبع واحدة منهما شرط۔

وفی الشامیة تحته: (قوله وقدمیه) یجب اسقاطه لان وضع اصبع واحدة منهما یکفی کما ذکره بعدح وأفاد انه لو لم یضع شیأ من القدمین لم یصح السجود۔

(۸۵) اگر ایک سلام پھیر لینے کے بعد کوئی شخص امام کی اقتداء کرے تو کیسا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام نے دائیں طرف سلام پھیرا اور ابھی بائیں طرف سلام نہیں پھیرا تھا کہ کسی نے آکر اقتداء کر لی تو کیا اس کی اقتداء کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اقتداء درست نہیں ہے کیونکہ امام کی نماز پوری ہو چکی ہے۔

Marfat.com

لمافی بدائع الصنائع(۱/۱۹۴۔۱۹۵): واما صفته فاصابة لفظة السلام لیست بفرض عندنا ولکنها واجبة ومن المشایخ من اطلق اسم السنة علیها وانها لاتنا فی الوجوب الی أن قال أماحکمه فهو الخروج من الصلوة ثم الخروج یتعلق باحدی التسلیمتین عند عامة العلماء وروی عن محمد انه قال التسلیمة الاولیٰ للخروج والتحیة والتسلیمة الثانیة للتحیة خاصة۔

وفی الشامیة(۱/۴۶۸): قال فی التجنیس الامام اذا فرغ من صلوته فلما قال السلام جاء رجل واقتدی به قبل ان یقول علیکم لایصیر داخلا فی صلوته لان هذا سلام الا تری انه لواراد ان یسلم علی أحد فی صلوته ساهیاً فقال السلام ثم علم فسکت تفسد صلوته۔

(۸۶) نماز کی سنتیں اور احادیث طیبہ سے ان کا ثبوت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کی سنتوں کا احادیث طیبہ سے ثبوت ہے؟ آپ سے درخواست ہے کہ نماز کی جو تیرہ سنتیں ذکر کی جاتی ہیں ان کی احادیث ترجمہ کے ساتھ ذکر کر دیں۔ نیز اور سنتیں بھی اگر ہوں تو مختصراً ان کی احادیث اور ترجمہ بھی لکھ دیں ممنون ہوں گا۔

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز کی سنتوں سے متعلق احادیث مع ترجمہ درج ذیل ہیں:

(۱)۔تحریمہ کے وقت مردوں کو دونوں ہاتھ کندھوں تک اور عورتوں کو سینے تک اٹھانا۔

لماروا‌ه اعلاء السنن فی کتاب الصلوة ابواب صفة الصلوة (۱۷۱/۲)دارالکتب: عن وائل بن حجر رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ یا ابن حجر اذا صلیت فاجعل یدیك حذاء اذنیك والمرأة تجعل یدیها حذاء ثدییها۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے ابن حجر! جب تو نماز پڑھے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھا اور عورت اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر اٹھائے۔

(۲)۔مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنا۔

لماروا‌ه مسند الامام احمد بن حنبل (۲۲۶/۵) حدیث هلب الطائی رضی الله عنه (۲۹۷/۶) دارالباز: ۲۱۴۶۔ حدثنی سماك بن قبیصة بن هلب عن ابیه ''رایت النبی ﷺ ینصرف عن یمینه وعن یساره ورأیته قال: یضع هذه علی صدره'' وصف یحیی الیمنی علی الیسری فوق المفصل۔

ترجمہ: سماک بن قبیصہ بن ھلب طائی نے اپنے والد سے روایت بیان کی کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو نماز میں دائیں اور بائیں پھرتے دیکھا اور دیکھا کہ آپ ﷺ نے ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے تھے۔ یحیٰی نے بیان کیا دایاں ہاتھ بائیں

Marfat.com

ہاتھ کے جوڑ پر تھا۔

وفی مسند الامام احمد بن حنبل ومسند علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۱/۱۷۷) دارالباز: ۸۷۷۔
عن علی رضی اللہ عنہ قال ''ان من السنة فی الصلوة وضع الاکف علی الاکف تحت السرة''
ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''بیشک نماز میں ایک ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔

(۳)۔ثناء یعنی سبحانک اللھم آخر تک پڑھنا۔

لماروواہ سنن الدار قطنی کتاب الصلوۃ باب دعاء الاستفتاح بعد التکبیر (۱/۲۹۹) دارالکتب: عن عمر رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کبر للصلوۃ قال: سبحانک اللھم و بحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک واذا تعوذ قال: اعوذ باللہ من ھمزاۃ الشیاطین ونفخه ونفثه
ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کیلئے تکبیر کہتے تو ''سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک'' پڑھتے۔اور جب پناہ مانگتے تو اعوذ باللہ من ھمزاۃ الشیاطین پڑھتے اور پھونک مارتے۔

(۴)۔تعوذ یعنی اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنا۔

لما رواہ المصنف عبدالرزاق، باب متی یستعیذ (۲/۸۶) مجلس العلمی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ قبل القرأۃ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرات سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتے تھے۔

(۵)۔تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا۔

وفیہ ایضاً باب قرأۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم (۲/۹۰) مجلس العلمی: ۲۶۱۱۔ عن صالح مولی التؤمة انه سمع ابا ھریرۃ یقول: یفتتح ببسم اللہ الرحمن الرحیم۔
ترجمہ: حضرت صالح رحمہ اللہ سے روایت ہے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنا آپ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نماز شروع فرماتے تھے۔

(۶)۔ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے وقت تکبیر کہنا۔

لما رواہ البخاری کتاب الصلوہ باب اتمام التکبیر فی الرکوع (۱/۱۰۸) قدیمی: عن عمران بن حصین، قال: صلی مع علي رضي الله عنه بالبصرة فقال: ذکرنا ھذا الرجل صلاۃ کنا نصلیھا مع

Marfat.com

رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر أنه كان يكبر كلما رفع وكلما وضع۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بصرہ میں نماز پڑھی پھر کہا: ہمیں انہوں نے وہ نماز یاد دلادی جو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اٹھتے اور جھکتے تو تکبیر کہتے۔

(۷)۔رکوع سے اٹھتے وقت "سمع اللہ لمن حمدہ" اور "ربنا لک الحمد" کہنا۔

وفيه ايضا باب ما يقول الامام ومن خلفه اذا رفع راسه من الركوع (۱/۱۰۹) قديمي: عن ابي هريرة رضي الله عنه قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا قال سمع الله لمن حمده قال اللهم ربنا ولك الحمد وكان النبي صلى الله عليه وسلم اذا ركع واذا رفع راسه يكبر واذاقام من السجدتين قال الله اكبر۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تو "اللھم ربنا ولک الحمد" بھی کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے اور جب دونوں سجدوں سے اٹھتے تو "اللہ اکبر" کہا کرتے تھے۔

(۸)۔رکوع میں سبحان ربی العظیم کم از کم تین مرتبہ کہنا اور اسی طرح سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کم سے کم تین مرتبہ کہنا۔

لما رواه الترمذی کتاب الصلوة باب ماجاء فی التسبيح فی الركوع والسجود (۱/۶۰) قديمي: عن ابن مسعود ان النبی صلى الله عليه وسلم قال اذا ركع احدكم فقال فی ركوعه سبحان ربي العظيم ثلث مرات فقد تم ركوعه وذلك ادناه واذا سجد فقال فی سجوده سبحان ربي الاعلى ثلث مرات فقدتم سجوده وذلك ادناه۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اور رکوع میں "سبحان ربی العظیم" تین مرتبہ پڑھ لے تو اس کا رکوع مکمل ہو جائے گا، اور یہ کم سے کم ہے اور جب سجدہ کرے تو "سبحان ربی الاعلیٰ" تین مرتبہ کہے تو اس کا سجدہ مکمل ہو جائے گا اور یہ کم سے کم ہے۔

(۹)۔جلسہ (یعنی دونوں سجدوں کے درمیان) اور قعدہ یعنی التحیات میں مردوں کا دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پاؤں پر بیٹھنا اور عورتوں کا دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر کولہوں پر بیٹھنا۔

لما رواه البخاری باب سنة الجلوس فی التشهد (۱/۱۱۴) قديمي: عن عبد الله بن عبد الله أنه أخبره أنه كان يرى عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، يتربع في الصلاة إذا جلس ففعلته وأنا يومئذ حديث السن. فنهاني عبد الله بن عمر وقال: إنما سنة الصلاة أن تنصب رجلك اليمنى وتثني اليسرى. فقلت: إنك تفعل ذلك. فقال: إن رجلي لا تحملاني۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن

Marfat.com

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز میں تربع (چارزانو) بیٹھے ہوئے دیکھا، جب وہ بیٹھے۔ میں ابھی نوعمر تھا، میں نے بھی اسی طرح کرنا شروع کر دیا، تو مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع فرما دیا اور فرمایا بیشک نماز میں سنت یہ ہے کہ تو اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں پھیلائے میں نے عرض کیا آپ تو اسی (میری) طرح کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھاتے۔

(۱۰)۔درود شریف پڑھنا۔

لما رواه البخاری کتاب الانبیاء، (۱/۴۷۷) قدیمی:قال: حدثني عبد الله بن عيسى، سمع عبد الرحمن بن أبي ليلى قال: لقيني كعب بن عجرة فقال ألا أهدي لك هدية سمعتها من النبي ﷺ؟ فقلت: بلى فأهدها لي، فقال: سألنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلنا: يا رسول الله كيف الصلاة عليكم أهل البيت، فإن الله قد علمنا كيف نسلم عليكم؟ قال: " قولوا: اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم، وعلى آل إبراهيم، إنك حميد مجيد، اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد، كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد"۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عیسیٰ نے حدیث بیان کی انہوں نے عبدالرحمن بن ابی لیلی سے سنا انہوں نے فرمایا مجھے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے اور فرمایا کیا میں تجھے ہدیہ نہ دوں جو میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا؟ میں نے کہا ضرور یہ ہدیہ مجھے عنایت فرما دیجئے، انہوں نے بیان کیا اور فرمایا ہم نے آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول، آپ اور آپ کے اہل بیت پر صلاۃ کس طرح بھیجیں؟ بیشک سلام بھیجنے کا طریقہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں خود ہی سکھا دیا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہو: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ"۔

(۱۱)۔درود شریف کے بعد دعا پڑھنا۔

لما رواه البخاری باب الدعاء قبل السلام (۱/۱۱۵) قدیمی:عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه أنه قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم علمني دعاء أدعو به في صلاتي، قال: " قل اللهم إني ظلمت نفسي ظلما كثيرا، ولا يغفر الذنوب إلا أنت، فاغفر لي مغفرة من عندك، وارحمني إنك أنت الغفور الرحيم "

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، مجھے ایسی دعا سکھا دیجئے جسے میں نماز میں پڑھا کروں۔ فرمایا یہ دعا پڑھو: "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ

Marfat.com

فَاغْفِرْ لِی مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِی إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ"

(۱۲) سلام پھیرتے وقت دائیں بائیں والوں کی نیت کرنا۔

لما رواه اعلاء السنن باب وجوب الخروج من السلام وبيان كيفيته (۱۸۲/۱) دارالكتب: عن جابر بن سمرة رضي الله عنه في حديث طويل مرفوع "انما يكفي احدكم ان يضع يديه على فخذه ثم يسلم على اخيه من على يمينه وشماله۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لمبی حدیث مرفوع کے ذیل میں مروی ہے "بیشک تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ اپنے ہاتھوں کو رانوں پر رکھو پھر اپنے دائیں طرف والے بھائی کو سلام کرو اور بائیں طرف والے کو۔

(۱۳)۔سلام کے وقت دائیں بائیں رخ پھیرنا۔

لما رواه الترمذي باب ماجاء في الانصراف عن يمينه وعن يساره (۶۶/۱) قديمي: عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤمنا فينصرف على جانبيه جميعا على يمينه وعلى شماله۔

ترجمہ: حضرت هلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اشارہ فرماتے اور دائیں اور بائیں جانب پھر جاتے۔

نماز کی دیگر سنتوں کی احادیث مع ترجمہ درج ذیل ہیں۔

تشہد کی حالت میں دائیں ہاتھ کو دائیں ران اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھنا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا۔

لما رواه مسلم باب صفة الجلوس في الصلوة وكيفية وضع اليدين على الفخذين (۲۱۶/۱) قديمي: حدثني عامر بن عبد الله بن الزبير عن أبيه رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قعد في الصلاة جعل قدمه اليسرى بين فخذه وساقه وفرش قدمه اليمنى ووضع يده اليسرى على ركبته اليسرى ووضع يده اليمنى على فخذه اليمنى وأشار بإصبعه۔

ترجمہ: حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں کو اپنی ران اور پنڈلی کے درمیان رکھتے اور دائیں پاؤں کو بچھا دیتے تھے اور دایاں ہاتھ دائیں ران اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے۔

تشہد میں بیٹھنے کی حالت میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنے کیلئے انگوٹھے کو درمیانی انگلی سے ملا کر حلقہ بنانا۔

لما رواه مسلم باب صفة الجلوس في الصلوة وكيفية وضع اليدين ... الخ (۲۱۶/۱): عن عامر بن عبد الله بن الزبير عن أبيه رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قعد يدعو وضع يده

Marfat.com

اليمنى على فخذه اليمنى ويده اليسرى على فخذه اليسرى وأشار بإصبعه السبابة ووضع إبهامه على إصبعه الوسطى ويلقم كفه اليسرى ركبته۔

ترجمہ: حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں آنحضرت ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو دعا فرماتے اور دائیں ہاتھ کو دائیں اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور انگوٹھے کو درمیان والی انگلی سے ملا کر حلقہ بنا کر شہادت والی انگلی اٹھا کر اشارہ فرماتے اور بایاں ہاتھ ران پر ہی ہوتا۔

نماز کیلئے آتے ہوئے اطمینان سے چلنا اور اطمینان سے نماز شروع کرنا۔

لما رواه مسلم باب اتيان الصلوة بوقار وسكينة والنهى عن اتيانها سعيا (۲۲۰/۱) قديمى: عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا ثوب بالصلاة فلا يسع إليها أحدكم ولكن ليمش وعليه السكينة والوقار صل ما أدركت واقض ما سبقك۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کرے تو نماز کیلئے دوڑے نہیں بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ چلے جتنی نماز مل جائے وہ پڑھ لے اور باقی بعد میں پڑھ لے۔

تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھنا۔

لما رواه الترمذى كتاب الصلوة باب نشر الاصابع عندالتكبير (۵۶/۱) قديمى: عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا كبر للصلاة نشر أصابعه۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ جب نماز کیلئے تکبیر کہتے تو انگلیوں کو کھول لیتے۔

نماز میں سورۃ فاتحہ میں "ولا الضالین" کے بعد آمین آہستہ کہنا۔

لما رواه الترمذى كتاب الصلوة باب ماجاء فى التامين (۵۷/۱) قديمى: عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال سمعت النبى صلى الله عليه وسلم قرأ (غير المغضوب عليهم ولا الضالين) فقال آمين ومد بها صوته --- وروى شعبة هذا الحديث عن سلمة بن كهيل عن حجر أبي العنبس عن علقمة بن وائل عن أبيه أن النبى صلى الله عليه وسلم قرأ (غير المغضوب عليهم ولا الضالين) فقال آمين. وخفض بها صوته۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ ﷺ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھتے اور آمین میں آواز کو کھینچتے تھے۔

شعبہ رحمہ اللہ نے یہ روایت مسلمہ بن کھیل کے واسطے سے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ بیشک آپ ﷺ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا اور آواز آہستہ کی۔

Marfat.com

رکوع کی حالت میں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا اور کہنیوں کو پہلو سے دور رکھنا۔

لمارواہ الترمذی، باب ماجاء انه یجا فی یدیه عن جنبیه فی الرکوع (۵۹/۱) قدیمی: فقال أبو حمید أنا أعلمکم بصلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم رکع فوضع یدیه علی رکبتیه کأنه قابض علیهما ووتر یدیه فنحاهما عن جنبیه۔

ترجمہ: حضرت ابوحمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں بتاؤں بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھتے تھے، اور ہاتھوں کو کھلا رکھتے تھے اور پہلو سے دور رکھتے تھے۔

سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھنا پھر دونوں ہاتھوں کو اور اٹھتے وقت اس کے برعکس یعنی پہلے ہاتھوں کو زمین سے اٹھانا پھر گھٹنوں کو۔

لمارواہ الترمذی باب وضع الیدین قبل الرکبتین فی السجود (۶۱/۱) قدیمی: عن وائل بن حجر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إذا سجد یضع رکبتیه قبل یدیه وإذا نهض رفع یدیه قبل رکبتیه۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھا اور جب اٹھے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو (زمین) سے اٹھایا۔

سجدہ میں پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھنا اور کہنیوں کو پہلو سے الگ رکھنا اور ہاتھوں کو کندھوں کے برابر رکھنا۔

لما رواہ الترمذی باب السجود علی الجبهة والانف (۶۱/۱): عن أبي حمید الساعدی رضی اللہ عنه أن النبی صلی اللہ علیه وسلم کان إذا سجد أمکن أنفه وجبهته من الأرض ونحی یدیه عن جنبیه ووضع کفیه حذو منکبیه۔

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو آرام سے اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھتے اور ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھتے اور ہتھیلیوں کو کندھوں کے برابر رکھتے۔

سلام پھیرتے وقت دائیں، بائیں رخ پھیرنا اور لفظ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہہ کر سلام پھیرنا۔

لمارواہ الترمذی باب ماجاء فی التسلیم فی الصلوۃ (۶۵/۱) قدیمی: عن عبد اللہ رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم أنه کان یسلم عن یمینه وعن یسارہ السلام علیکم ورحمة اللہ السلام علیکم ورحمة اللہ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں اور بائیں "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہہ کر سلام پھیرتے تھے۔

Marfat.com

(۸۷) آستین چڑھا کر یا صرف ناف سے گھٹنوں تک بدن چھپا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح بغیر عذر صرف ناف سے لیکر گھٹنوں تک بدن چھپا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آستین کہنیوں سے اوپر چڑھا کر یا بغیر عذر صرف ناف سے لیکر گھٹنوں تک بدن کو چھپا کر نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے اگرچہ نماز ہوجائیگی۔

وفی الهندية(۱/۱۰۶): ولوصلی مع السراویل والقمیص عنده یکره کذافی الخلاصة وفی الفتاوی العتابیة وتکره الصلاة مع البرنس ولایکره لبسه في الحرب کذافی التاتارخانیة ولوصلی رافعاکمیه الی المرفقین کره کذافی فتاوی قاضی خان۔

(۸۸) تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس بارے میں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ تکبیر کہتے وقت اٹھائے جائینگے یا تکبیر کے بعد یا پہلے؟ نیز بعض لوگ اپنی ہتھیلیوں کا رخ چہرے کی طرف رکھتے ہیں آیا اسطرح کرنا درست ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کے تینوں طریقے درست ہیں البتہ تکبیر سے پہلے ہاتھ اٹھانا مستحب ہے اور مرد ہاتھوں کو اتنا اٹھائے کہ انگوٹھوں کے پورے کانوں کی لو کے برابر ہوجائیں جبکہ عورت اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھائے کیونکہ اسمیں ستر زیادہ ہے، نیز ہتھیلیوں کا رخ چہرہ کی طرف کرنا بھی جائز ہے لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہیئے۔

لمافی الهندية(۱/۷۳): قال الفقیه ابوجعفریستقبل ببطون کفیه القبلةوینشراصابعه و یرفعهما فاذا استقرتافی موضع محاذاة الابهامین شحمتی الاذنین یکبرقال شمس الائمة السرخسی علیه عامة المشائخ کذافی المحیط والرفع قبل التکبیرهوالاصح۔ والله اعلم بالصواب۔

(۸۹) تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کی انگلیوں کی حالت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین میں انگلیاں کس حالت میں رہنی چاہئیں، کھلی رکھے یا ملا کر؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تکبیر تحریمہ کے وقت انگلیوں کو نہ ہی کھولنے کی کوشش کرے نہ ملانے کی بلکہ اصل حالت پر رکھ کر

Marfat.com

انگوٹھوں کو کانوں کی لو سے لگائے اور ہتھیلیوں کو قبلہ رخ کرے۔

لمافی البحر الرائق(۱/۳۰۲): قوله ونشر اصابعه وكيفيته ان لا يضم كل الضم ولا يفرج كل التفريج بل يتركها على حالها منشورة كذا ذكره الشارح والظاهر أن المراد بالنشر عدم الطى بمعنى انه ليس له ان يرفعهما منصوبتين لا مضمومتين حتى تكون الاصابع مع الكف مستقبلة القبلة ومن السنن ان لا يطاطئ رأسه عند التكبير كمافى المبسوط۔

وفى الدر المختار(۱/۴۷۴): (رفع اليدين للتحريمة) فى الخلاصة ان اعتاد تركه اثم (ونشر الاصابع) اى تركها بحالها۔

وفى الشامية تحته: (قوله اى تركها بحالها) قال فى الحلية ظن بعضهم انه اراد بالنشر تفريج الا صابع وهو غلط بل أراد به النشر عن الطى يعنى برفعها منصوبتين لا مضمومتين حتى تكون الاصابع مع الكشف مستقبلة للقبلة ثم لا يخفى انه لا تتوقف السنة على ضم الاصابع اولا بل لو كانت منشورة غير متفرجة كل التفريج ولا مضمومة كل الضم ثم رفعها كذلك مستقبلا بهما القبلة فقد اتى بالسنة۔

(۹۰) تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھنے کا طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نیت کرتے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھانا مسنون ہے؟ اور کہاں باندھنا مسنون ہے؟ نیز اقامت کے دوران یا رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا یا کسی بڑے کے سامنے ہاتھ باندھنا شرعا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کو دونوں کانوں تک اسطرح اٹھائیں کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں اسکے بعد دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھ لیں۔ نیز دورانِ اقامت اور رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا ثابت نہیں ہے، جبکہ کسی بڑے کے سامنے ہاتھ تعظیماً باندھ کر کھڑا ہونا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے اسلئے کہ تعظیماً ہاتھ باندھنا عبادت کیلئے ہوتا ہے جیسے نماز میں، اور غیر اللہ کی اس طور پر تعظیم جائز نہیں۔

لمافى الهندية(۱/۷۳): وكيفيتها اذا ارادالدخول فى الصلاة كبرورفع يديه حذاء اذنيه حتى يحاذى بابهاميه شحمتى اذنيه وبرؤس الاصابع فروع اذنيه۔۔۔(ووضع يده اليمنى على اليسرى تحت السرة) كمافرغ من التكبير...وكل قيام ليس فيه ذكر مسنون كمافى تكبيرات العيدين فالسنة فيه الارسال كذا فى النهاية وهو الصحيح، كذا فى الهداية ... ويرسل اتفاقا فى قومة الركوع اذا لذكر سنة الانتقال لا القومة۔۔۔

Marfat.com

وفیه ایضاً (۳۶۸/۵): والتواضع لغیرالله حرام۔۔۔تجوزالخدمة لغیرالله تعالی بالقیام واخذالیدین والانحناء... ان قبل ید عالم اوسلطان عادل لعلمه وعدله لا بأس به ... وان قبل یدغیرعالم وغیرالسلطان العادل إن ارادبه تعظیم المسلم واکرامه فلابأس به وان ارادبه عبادة له اولینال منه شیئامن عرض الدنیافهومکروہ۔

(۹۱) تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھے بغیر فوراً رکوع میں چلے جانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کل میں نے ایک صاحب کو دیکھا جو کہ پنج وقتہ نمازی ہیں کہ جب وہ نماز کیلئے مسجد میں آئے تو امام صاحب رکوع میں تھے، ان صاحب نے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور بغیر باندھے رکوع میں چلے گئے کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟ اور شرعاً ایسی صورت میں کیا کرنا بہتر ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص نے تکبیر تحریمہ قیام کی حالت میں کہی ہے اس لئے اس کی نماز درست ہے تکبیر تحریمہ کا قیام یا قیام کے قریب حالت میں کہنا فرض ہے نیز تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھنا مسنون ہے البتہ اگر نمازی کو تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھ کر اور ثناء پڑھ کر امام کے ساتھ شامل ہونے کی صورت میں رکعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ہاتھ باندھے بغیر اور ثناء کو چھوڑ کر امام کے ساتھ شریک ہوسکتا ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھ کر امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوجائے۔

لمافی الهندیة(۹۱/۱): وان أدرك الامام فی الرکوع أو السجود یتحری ان کان أکبر رأیه أنه لو أتی به أدرکه فی شی من الرکوع أو السجود یأتی به قائماً والا یتابع الامام ولا یأتی به واذا لم یدرك الامام فی الرکوع او السجود لایاتی بهما وان ادرك الامام فی القعدة لایأتی بالثناء بل یکبر للافتتاح ثم للانحطاط ثم یقعد۔

وفی الدر المختار(۴۸۰/۱): ویشترط کونه (قائماً) فلووجد الامام راکعا فکبر منحنیاً ان الی القیام أقرب صح۔

(۹۲) تکبیر اولیٰ کی فضیلت کب تک حاصل ہوسکتی ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تکبیر اولیٰ کا ثواب کب تک رہتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تکبیر اولیٰ کا ثواب راجح قول کے مطابق پہلی رکعت کے حاصل ہونے تک رہتا ہے۔

لمافی الهندیة(۶۹/۱): أما فضیلة تکبیرة الافتتاح فتکلموا فی وقت إدراکها والصحیح أن من ادرك

Marfat.com

الركعة الأولى فقد أدرك فضيلة تكبيرة الافتتاح۔

وفى الشامية(١/٥٢٦): وتظهر فائدة الخلاف فى وقت إدراك فضيلة تكبيرة الافتتاح فعنده بالمقارنة، وعندهما إذاكبر فى وقت الثناء وقيل بالشروع قبل قراء ة ثلاث آيات لوكان المقتدى حاضراً وقيل سبع، لوغائبا وقيل بإدراك الركعة الأولى، وهذا أوسع وهو الصحيح اھ وقيل بادراك الفاتحة، وهو المختار۔ خلاصة۔

Marfat.com

رسالۃ

محاذاۃ الخدین فی مسئلۃ رفع الیدین

رفع یدین سے متعلق روایات، اختلاف کا تعین، ترک رفع یدین کی ترجیح

اس کے شواہد اور مسئلہ ھذا پر مبسوط اور مفصل فتوی.

(۹۳) نماز میں رفع یدین کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا ایک غیر مقلد سے واسطہ پڑا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ رفع یدین کے بغیر نماز نہیں ہوتی ہم نے کہا بھائی اختلاف افضل کا ہے لہذا کرلو تب بھی صحیح نہ کرو تب بھی صحیح اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ نماز نہیں ہوتی۔ مفتی صاحب اصل حقیقت کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ امام بخاری نے صرف رفع یدین کی احادیث لکھی ہیں۔ آپ ہمیں ترک والی احادیث بھی لکھ دیں اور اختلاف کی نوعیت اور حنفیہ کا اصل مذہب تفصیل سے بتائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... رفع یدین کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ رفع یدین کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اس صورت میں خلفائے راشدین، جلیل القدر کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (یعنی حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت براء ابن عازب رضوان اللہ علیہم اجمعین) بلکہ امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان نمازوں کے اوپر سخت اشکال وارد ہوتا ہے جو رفع یدین کے بغیر ادا کی گئیں۔

"مسئلہ رفع یدین میں ائمۃ اربعۃ کے درمیان اختلاف کی نوعیت"

یہ بات واضح رہے کہ رفع یدین کا ثبوت اور ترک دونوں احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس کا انکار کوئی نہیں کرسکتا۔ اسی بناء پر ائمہ اربعہ علیہم الرحمۃ کے درمیان اختلاف واقع ہوا مگر یہ اختلاف جواز عدم جواز کا نہیں بلکہ افضل وغیر افضل کا ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں رفع یدین افضل ومستحب ہے، جیسا کہ علامہ نووی ؒ نے فرمایا:

وقال الشافعي واحمد وغيرهما يستحب رفع اليدين عند الركوع وعند الرفع منه

ترجمہ: "امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے فرمایا کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین مستحب

Marfat.com

ہے۔"

جبکہ احناف اور مالکیہ کے ہاں ترک رفع یدین افضل و مستحب ہے:

احناف کا مستدل (یعنی ترک رفع یدین کی احادیث)

عن علقمة قال قال عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه الا اصلی بکم صلوة رسول الله ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة (ترمذی ۵۹/۱، ابوداود ۱۰۹/۱، سنن نسائی ۱۸۲/۲، وفی مدونة الکبری ثم لا یرفعها حتی ینصرف (۱۶۶/۱)

ترجمہ:"حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پھر انہوں نے نماز پڑھائی پس پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ) کے سوا رفع یدین نہیں کیا۔"

ابو حنیفة حدثنا حماد عن ابراهیم عن علقمة والاسود عن ابن مسعود رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ کان لا یرفع یدیه الا عند افتتاح الصلوة ولا یعود لشیء من ذالك

ترجمہ:"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے شروع میں (یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین فرماتے تھے اس کے علاوہ کسی رکن میں نہیں فرماتے تھے۔"

عن محمد بن جابر عن حماد بن سلیمان عن ابراهیم عن علقمة عن عبدالله قال صلیت مع ابی بکر وعمر فلم یرفعوا ایدیهم الا عند التکبیرة الاولی فی افتتاح الصلوة (سنن دار قطنی ۲۹۶/۱)

ترجمہ:"حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی۔ وہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔"

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی ﷺ قال لا ترفع الایدی الا فی سبعة مواطن حین یفتتح الصلوة وحین یدخل المسجد الحرام فینظر الی البیت وحین یقوم علی الصفا وحین یقف مع الناس عشیة عرفة وجمع رواه الطبرانی، نصب الرایة (۳۹۰/۱) ومثله فی المصنف لابن ابی شیبة (۴۱۷/۲)

ترجمہ:"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ رفع یدین نہیں کیا جاتا مگر سات جگہوں میں۔ جب نماز شروع کرے جب مسجد حرام میں داخل ہو کر بیت اللہ کو دیکھے۔ جب صفا پر کھڑا ہو۔ جب مروہ پر کھڑا ہو۔ جب عرفہ کی شام لوگوں کے ساتھ عرفات میں وقوف کرے۔"

عن تمیم بن طرفة عن جابر بن سمرة رضی الله تعالیٰ عنه قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال

Marfat.com

مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوۃ (مسلم ۱/۱۸۱، سنن نسائی ۱/۱۷۶، ابو داود ۱/۱۴۳)

ترجمہ: "حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس گھر سے باہر تشریف لائے تو فرمایا کیا بات ہے۔ تمہیں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ گویا کہ وہ بدکے ہوئے گھوڑوں کی دُمیں ہیں۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔"

عن الاسود قال رایت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود ورأیت ابراھیم والشعبی یفعلان ذالک (شرح معانی الاثار (۱/۲۲۷)

ترجمہ: "اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور میں نے ابراہیم اور شعبی کو دیکھا کہ وہ بھی اسی طرح کرتے تھے۔ (یعنی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس کے علاوہ نہیں کرتے تھے۔)

عن البراء ان رسول اللہ ﷺ کان اذ افتتح الصلاۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود۔ (شرح معانی الاثار ۱/۲۲۷، مدونۃ الکبری ۱/۱۶۶)۔

ترجمہ: "حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے شروع میں کانوں کے قریب تک رفع یدین کرتے تھے اور پھر نہیں کرتے تھے۔"

عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یرفع یدیہ فی اول تکبیر من الصلوۃ ثم لا یرفع بعدہ (شرح معانی الاثار ۱/۱۶۳، مدونۃ الکبری ۱/۱۶۶، المصنف لابن ابی شیبۃ ۲/۴۱۶)

ترجمہ: "عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کی پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

عن مجاھد قال صلیت خلف ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلم یکن یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوۃ (شرح معانی الاثار ۱/۱۶۳)

ترجمہ: "مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی وہ نماز میں صرف پہلی تکبیر (یعنی تکبیر اولیٰ) کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔"

اخبرنی نعیم المجمر القاری ان اباھریرۃ کان یصلی بھم فیکبر کلما خفض ورفع وکان یرفع یدیہ حین یکبر ویفتتح الصلوۃ (المؤطا للامام محمد ص۹۰)

Marfat.com

ترجمہ:"(ابوجعفر) قاری فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو نماز پڑھاتے تھے تو جب بھی اوپر ہوتے اور نیچے ہوتے (یعنی انتقال کرتے وقت) تکبیر کہتے تھے اور رفع یدین نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت کرتے تھے۔

عن ابی اسحاق قال کان اصحاب عبداللہ واصحاب علی لا یرفعون ایدیھم الافی افتتاح الصلوۃ قال وکیع ثم لا یعودون۔(مصنف لابن ابی شیبۃ ۳۹۴/۱)

ترجمہ:"ابواسحاق فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود کے اصحاب اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اصحاب صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔"

یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک رفع یدین ثابت ہے اسی طرح کبار صحابہ کرام وتابعین عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ترک رفع یدین کا عمل متواتر ہے۔اب ذیل میں اس ترک رفع یدین کی وجہ بھی ذکر کی جاتی ہے تاکہ مسئلہ خوب واضح ہوجائے۔

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ جو عمل اوفق بالقرآن ہو وہ راجح ہوتا ہے۔قرآن کریم میں ان مومنین کی مدح بیان فرمائی گئی ہے جو نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیۡنَ ھُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خَاشِعُوۡنَ۔(المؤمنون:۲)

ترجمہ:"وہ لوگ جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں خشوع وخضوع مطلوب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی خشوع کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الخشوع تارۃ من فعل القلب کالخشیۃ وتارۃ من فعل البدن کالسکون قیل لابد من اعتبارھما۔(فتح الملھم ۳۱۹/۳)

ترجمہ:"خشوع کبھی دل کا فعل ہوتا ہے جیسا کہ خشیت اور کبھی بدن کا جیسا کہ سکون بعض حضرات کہتے ہیں کہ خشوع کیلئے دونوں ضروری ہیں۔"جیسا کہ ایک حدیث میں بھی وارد ہے

لو خشع ھذا خشعت جوارحہ۔

ترجمہ:"اگر یہ خشوع اختیار کرتا تو اس کے اعضاء وجوارح سکون سے ہوتے۔"

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا ظاہر باطن کی ترجمانی کرتا ہے گویا نماز میں جس قدر ظاہری سکون ہوگا اسی قدر خشوع ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ ترک رفع اوفق بالقرآن ہے۔

نیز احادیث کے تعارض کے وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعامل کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے جب ہم اس پہلو کو دیکھتے ہیں تو حضرات شیخین، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، سیدنا ابوہریرہ، حضرت براء بن عازب اور حضرت کعب بن عجرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل ترک رفع کا ہے، اور یہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علوم کا خلاصہ ہیں ان کے مقابلے میں جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے رفع یدین

Marfat.com

منقول ہے وہ زیادہ تر کمسن صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں یا قلیل صحبت یافتہ ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہم۔ لہٰذا اس اعتبار سے بھی ترک رفع یدین راجح ہوا۔ بعض نادان اس مسئلہ میں صحابی رسول صاحب النعلین و وسادہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نامناسب الفاظ کہہ جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو بڑی شان ہے، علامہ ذھبی ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

ابن مسعود الامام الربانی صاحب رسول اللہ ﷺ وخادمہ واحد السابقین الاولین ومن کبار البدریین ومن نبلاء الفقہاء والمقرئین، وکان ممن یتحری فی الاداء ویشدد فی الروایۃ ویزجر تلامذتہ عن التہاون فی ضبط الالفاظ... وکان ابن مسعود یقل من الروایۃ للحدیث ویتورع ......وکان سادۃ الصحابۃ واوعیۃ العلم وائمۃ الھدی (تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۶، ۱۷)

ترجمہ: "ابن مسعود امام ربانی صحابی رسول اور خادم، سابقین اولین اور اکابر اہل بدر میں سے تھے ان کا شمار بلند پایہ فقہاء اور قراء میں تھا۔ الفاظ حدیث کے اختیار کرنے میں بڑی احتیاط کرتے تھے۔ روایت میں بڑی سختی فرماتے تھے اپنے تلامذہ کو ضبط الفاظ میں سستی کرنے پر ڈانٹ پلاتے تھے۔ حدیث کی روایت بہت کم کرتے تھے۔ اور اس بارے میں خاص احتیاط وورع سے کام لیتے تھے۔ ان کا شمار سادات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، خزانہ علم اور ائمہ ہدی میں ہوتا تھا۔"

نیز ترک رفع یدین کو اختیار کرنے کی ایک معقول وجہ بھی موجود ہے۔ جس سے تمام متعارضہ روایات کی توجیہ بھی ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ افعال صلوۃ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازوں کے احکام حرکت سے سکون کی طرف منتقل ہوتے رہے مثلاً پہلے نماز میں کلام جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ پہلے عمل کثیر مفسد صلوۃ نہیں تھا بعد میں اس کو مفسد صلوۃ قرار دے دیا گیا۔ پہلے نماز میں ادھر ادھر دیکھنا جائز تھا بعد میں اس کی ممانعت وارد ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں رفع یدین بکثرت ہوتا تھا اور ہر انتقال کے وقت مشروع تھا پھر رفتہ رفتہ اس میں کمی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رہ گیا۔ معلوم ہوا کہ رفع یدین ابتداء مشروع تھا اور بعد میں اس کو ترک کر دیا گیا تو اس اعتبار سے بھی ترک رفع یدین راجح ہوا۔

"مذکورہ مسئلہ کی احادیث پر ایک تحقیقی نظر"

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین کی احادیث ترک رفع یدین کی احادیث سے زیادہ ہیں معارف السنن (۲/۴۶۰) پر اس سے متعلق یہ بحث ہے کہ ان روایات پر اگر تحقیقی نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ترک رفع یدین کی احادیث کی تعداد زیادہ ہے وہ اس طرح کہ کتب حدیث میں رفع یدین کے متعلق ذکر کی جانے والی احادیث تین طرح کی ہیں۔

۱۔ وہ احادیث جن میں رفع یدین کا ذکر ہے۔ پھر ان میں بعض احادیث ایسی ہیں جن میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں جن میں ہر انتقال کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں جن میں رکوع کیلئے جاتے وقت

Marfat.com

اور رکوع سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کیلئے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر ہے۔

۲۔ وہ احادیث جن میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ تمام ارکان کیلئے رفع یدین کی نفی کا ذکر ہے۔

۳۔ وہ احادیث جو صفت صلوٰۃ کو بیان کرتی ہیں لیکن ان میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی ارکان کیلئے رفع یدین کا نہ ہی اثبات ہے اور نہ ہی نفی ہے۔

اب جو حضرات رفع یدین کے قائل ہیں۔ ان کا مستدل صرف وہ احادیث ہیں جن میں رکوع کیلئے جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کیلئے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر ہے۔

احناف کا مستدل ایک تو وہ احادیث ہیں جن میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی تمام ارکان میں رفع یدین کی نفی کا ذکر ہے اسی طرح وہ احادیث بھی احناف کا مستدل ہیں جو صفت صلوٰۃ کو تو بیان کرتی ہیں لیکن ان میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی ارکان کیلئے نہ ہی رفع یدین کا اثبات ہے اور نہ ہی نفی ہے۔ اس لیے کہ اگر رفع یدین ہوا ہوتا تو صفت صلوۃ کو بیان کرتے وقت راوی اس رفع یدین (یعنی رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت) کو بیان کرتا یہ احادیث رفع یدین کے ذکر سے ساکت نہ ہوتیں لہٰذا یہ احادیث بھی احناف کا مستدل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ترک رفع یدین کی احادیث کی تعداد رفع یدین کی احادیث سے زیادہ ہے۔

Marfat.com

(۹۴) ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے اور عدم رفع یدین کے ثبوت پر ایک تفصیلی فتویٰ

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ثابت ہے؟ اور کیا کسی حدیث میں عدم رفع یدین ثابت ہے؟ احادیث سے مسئلہ کو واضح فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جی ہاں احادیث مبارکہ میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ثابت ہے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۳۲۰، طبع ادارۃ القرآن) میں ہے: عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال رأيت رسول الله ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلوة تحت السرة۔

(ترجمہ): حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ نے نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا ہوا تھا۔

اسی طرح مسند امام احمد (۱/۱۷۷) میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے جو دار قطنی (۱/۲۸۹) اور بیہقی (۲/۳۱) اور ابوداؤد مع بذل المجہود (۲/۲۳)، المنھل العذب المورود شرح ابوداؤد (۳/۱۶۳، حصہ ۵)، وابوداؤد طبع دار ابن حزم (۱/۲۳۸)، شرح العینی لابی داؤد (۳/۳۳۷) اور مصنف لابن ابی شیبۃ (۳/۲۲۴)، اسی طرح حضرت ابو ہریرۃ کی روایت ابوداؤد مع البذل (۲/۲۳)، المنھل العذب المورود (۳/۱۶۳، حصہ ۵) وابوداؤد طبع دار ابن حزم (۱/۲۳۸) میں موجود ہے جس کو ابن حزم نے محلی بالآثار (۳/۳۰) میں بھی نقل فرمایا ہے۔ اور مغنی لابن قدامۃ (۱/۵۱۵) اور مجموع للنووی (۳/۲۵۹) میں بھی ہے اور امام اعظم، سفیان ثوری، ابومجلز، ابراہیم نخعی، اسحاق بن راہویہ، ابواسحاق مروزی شافعی، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں۔

(۲)۔ باقی رہا عدمِ رفع یدین تو خوب سمجھ لیا جائے کہ احناف عدمِ رفع یدین کے قائل نہیں بلکہ ترک رفع یدین کے قائل ہیں یعنی پہلے نبی اکرم ﷺ رفع یدین، رکوع اور سجود میں جاتے وقت اور رکوع اور سجود سے اٹھتے وقت فرماتے تھے پھر رکوع اور سجود کے وقت رفع یدین کو ترک کر دیا صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے اس کے بعد رکوع اور سجود کے وقت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بالکل واضح ہے: عن ابن مسعود الا اصلی بکم صلاۃ رسول اللہ ﷺ فصلی فلم یرفع یدیہ الامرۃ، ترمذی (۱/۵۹) وفی النسائی (۱/۱۸۲) فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد، وفی ابی داؤد (۱/۱۰۹)، مسند احمد (۱/۶۴۱) یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تم کو نبی اکرم ﷺ والی نماز نہ پڑھاؤں؟ تو آپ نے نماز پڑھائی اور صرف پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے پھر نہیں اٹھائے۔

اسی طرح حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ابوداؤد (۱/۱۰۹) میں ہے، جس کو امام طحاوی نے شرح معانی الآثار (۱/۱۶۳) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۴۱۴) اور مصنف عبدالرزاق (۲/۷۲) اور دار قطنی (۱/۲۹۵) نے نقل کیا ہے۔

Marfat.com

قال: کان النبی ﷺ اذا کبر لا فتتاح الصلوۃ رفع یدیہ... ثم لا یعود۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے، اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث دار قطنی نے (۱/ ۲۹۵) اور بیہقی نے نقل فرمائی۔ عن عبداللہ قال صلیت مع النبی ﷺ و مع ابی بکر و مع عمر رضی اللہ عنہما فلم یرفعوا ایدیھم الاعند التکبیرۃ الاولی فی افتتاح الصلوۃ۔ یعنی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی وہ حضرات صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عمل منقول ہے چنانچہ شرح معانی الآثار (۱/ ۱۶۳) اور مشکل الآثار (۱۵/ ۵۰) مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۱۸) میں ہے: عن الاسود قال رأیت عمر بن الخطاب یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود یعنی میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھائے پھر نہیں اٹھائے۔

اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے موطا میں امام محمد نے نقل کیا جس کو طحاوی نے شرح معانی الآثار (۱/ ۱۶۳) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۱۶) نے نقل کیا اور مسند الامام زید میں بھی (صفحہ ۸۹) میں مذکور ہے: واللفظ لہ حدثنی زید بن علی عن أبیہ عن جدہ عن علی رضی اللہ عنہ انہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولی الی فروع اذنیہ ثم لا یرفعھما حتی یقضی صلاتہ یعنی سیدنا زید رحمہ اللہ اپنے والد علی بن حسین وہ اپنے والد حسین رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں وہ اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز کے اختتام تک نہیں اٹھاتے تھے۔

اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل موطا (صفحہ ۹۳) پر منقول ہے: عن عبدالعزیز بن حکیم قال رأیت ابن عمر رضی اللہ عنہ یرفع یدیہ حذاء اذنیہ فی اول تکبیرۃ افتتاح الصلوۃ ولم یرفعھما فیما سوی ذلک یعنی عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ فقط تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے علاوہ کہیں بھی نہیں اٹھاتے تھے۔ اس کو امام طحاوی نے مجاہد رحمہ اللہ سے بھی نقل کیا (۱/ ۱۶۳) اور یہ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۱۷) میں بھی مذکور ہے۔

یہ بطور نمونہ کے چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے احادیث نقل کردیں، اس کے علاوہ تابعین و تبع تابعین اور فقہاء و محدثین میں جماعت کثیرہ کا یہی مسلک ہے جو احناف کا ہے یعنی رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے، اس کے علاوہ نہیں۔ چنانچہ علامہ عینی نے عمدۃ القاری (۳/ ۲۷۲، حصہ ۵) میں چند کبار تابعین اور محدثین کے اسماء گرامی ذکر کئے مثلاً سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، ابن ابی لیلی، علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید، عامر شعبی، ابو اسحاق سبیعی، مغیرہ، وکیع، عاصم بن کلیب اور زفر رحمہم اللہ وغیرہم حضرات۔

جن میں اکثر کا ذکر شرح معانی الآثار (۱/ ۱۶۴) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۱۷) و مصنف عبدالرزاق (۲/ ۷۱)، و بیہقی میں ہے۔ اس کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۱۶) میں مذکور ہے کہ عن ابی اسحاق قال: کان أصحاب عبداللہ رضی اللہ عنہ و اصحاب علی رضی اللہ عنہ لا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوۃ قال وکیع ثم لا یعودون۔ یعنی سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے ساتھی اور تلامذہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔ شیخ الاسلام ابوبکر بن عیاش (جو کہ

Marfat.com

امام ابوداؤد اور احمد بن حنبل کے استاذ ہیں) فرماتے ہیں میں نے کسی فقیہ کو تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کرتے نہیں دیکھا، شرح معانی الآثار (۱/۱۶۵)۔

یہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور محدثین اور تابعین کی جماعت جو رفع یدین رکوع اور سجود کے وقت ترک کر رہے ہیں یقیناً ان کے ہاں نسخ ثابت ہو چکا ہے ورنہ کیسے ممکن ہے کہ نبی علیہ السلام کو تو انہوں نے رفع یدین عند الرکوع کرتے دیکھا ہو لیکن خود عمل اس کے خلاف کریں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں اس طرح کا گمان محال ہے۔

نیز اصول حدیث کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ راوی جب اپنی روایت کی ہوئی حدیث کے خلاف عمل کرے تو اس کی روایت کو منسوخ مانا جائے گا (حسامی صفحہ ۷۶، توضیح، ۲/۴۸۶) پس عبداللہ بن عمر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم جو رفع یدین بوقت رکوع نقل کرتے ہیں اور ان حضرات کا عمل اس کے خلاف ہے تو رفع یدین بوقت رکوع کا منسوخ ہونا اس اصول کی روشنی میں ثابت ہو گیا۔

نیز امام نسائی رحمہ اللہ کے صنیع سے بھی رفع یدین عند الرکوع کا نسخ ثابت ہوتا ہے چنانچہ امام نسائی رحمہ اللہ نے اولاً باب رفع الیدین للرکوع قائم کیا اس کے بعد عنوان قائم کیا "ترک ذلک" یعنی رفع الیدین بوقت رکوع ثابت ہے لیکن اس کا ترک بھی ثابت ہے۔

نسخ کی ایک اور دلیل جس کو امام ابوداؤد نے (۱/۱۰۸) میں نقل فرمایا: عن میمون المکی انه رأی عبدالله بن الزبیر وصلی بهم یشیر بکفیه حین یقوم وحین ینهض للقیام فیقوم فیشیر بیدیه فانطلقت الی ابن عباس فقلت انی رأیت ابن الزبیر صلی صلاة لم أر أحداً یصلیها فوصفت له الاشارة فقال: ان احببت ان تنظر الی صلاة رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فاقتد بصلاة عبدالله۔

یعنی حضرت میمون مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ رکوع کے وقت بھی رفع یدین فرما رہے تھے تو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ میں نے ابن زبیر کو ایسی نماز پڑھتے دیکھا کہ کسی کو بھی ایسی نماز پڑھتے نہیں دیکھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تجھے یہ پسند ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز دیکھے تو ان کی نماز کی اقتداء کر۔ حضرت میمون مکی کا یہ فرمانا کہ "میں نے کسی کو ایسی نماز پڑھتے نہیں دیکھا" دلیل ہے اس بات کی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عام معمول رفع یدین بوقت رکوع نہ تھا باقی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس کو صلاۃ الرسول فرمانا اس وجہ سے تھا کہ یہ ان سے ثابت ہے اور میمون مکی کا اس سے متوحش ہونا صحیح نہ تھا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ

ترک رفع یدین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور فقہاء ومحدثین سے بھی ثابت ہے اور اسی پر ان کا عمل ہے لہٰذا اس کا انکار غلط ہے اور خلفاء راشدین، صحابہ کرام، فقہاء عظام، ائمہ مجتہدین اور محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

Marfat.com

رسالة

كشف القناع عن مسئلة اتيان المسبوق بالثناء

مسبوق کا بوقت شرکت ثناء پڑھنے یا نہ پڑھنے کا بیان

نیز فقہاء کا مسئلہ ھذا کے ذیل میں انصات کو مسنون قرار دینے پر مفصل فتوی

(۹۵) امام کے قرأت شروع کرنے کے بعد شریک ہونے والے کا ثناء پڑھنا

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مدرک اور مسبوق نماز میں امام کی قرأت شروع ہونے کے بعد شریک ہو تو اس کو ثناء پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں آیات واحادیث اور اقوال فقہاء کرام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے قرأت شروع کرنے کے بعد مقتدی اور مسبوق وغیرہ کیلئے قرأت یا ثناء یا تعوذ وغیرہ پڑھنا ناجائز ہے خاموشی اختیار کر کے قرآن کا سننا اس کے لئے لازم ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَه وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الاعراف:۲۰٤)

وفی قاضیخان (۱/۵۱): المسبوق اذا ادرك الامام فی القراءة التی فیها یجهر فیها لا یأتی بالثناء فاذا قام الی قضاء ماسبق یاتی بالثناء ویتعوذ للقراءة الخ۔

وفی التاتارخانیة(۱/۵۵۷): اذا انتهی الی الامام وقد سبقه الامام بشیٔ من صلوته هل یأتی بالثناء؟ فهذا علی وجوه: الاول اذا ادرك فی حال القیام فی الرکعة الاولیٰ اوفی الثانیة وفی هذا الوجه کان القاضی الامام ابو علی النسفی یحکی عن استاذه: لا یأتی بالثناء وقال غیره من اصحابنا یأتی وذکر شیخ الاسلام المعروف بخواهرزاده ان کانت الصلوة صلاة یخافت فیها بالقراءة یأتی بالثناء لامحالة وفی النصاب وعلیه الفتوی: وأما اذا کانت صلوة یجهر فیها بالقراءة ان ادرك الامام فی الرکعتین الاخریین فکذلك الجواب یشتغل بالثناء واذا کان فی الرکعتین الاولیین فقد اختلف المشایخ: منهم من یقول یشتغل بالثناء ومنهم من یقول لا یشتغل بالثناء الخ۔

Marfat.com

وفی الشامیة (۱/۵۴۶): وفی شرح المنیة: والاصل ان الاستماع للقران فرض کفایة لانه لاقامة حقه بان یکون ملتفتا الیه غیر مضیع وذلك یحصل بانصات البعض۔

وفی الدر المختار (۱/۵۴۶): یجب الاستماع للقراءة مطلقا لان العبرة لعموم اللفظ الخ۔

(۹۶) ظہر اور عصر میں مسبوق ثنا کب پڑھے گا؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ظہر اور عصر کی نماز میں تلاوت زور سے نہیں ہوتی اگر کسی کی ایک رکعت نکل گئی ہو، اور وہ اس نماز میں شامل ہو جائے تو ثناء کب پڑھی جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... مذکورہ صورت میں نیت باندھتے ہی تو ثناء نہیں پڑھ سکتے البتہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد جو رکعت ادا کی جائے گی وہ پہلی رکعت ہو گی اس میں ہر نماز کی پہلی رکعت کی طرح ابتداً ثناء پھر اعوذ باللہ پھر بسم اللہ...... اس طرح آخر تک پڑھیں گے۔

لمافی الھندیة (۱/۹۱): فاذا قام الی قضاء ماسبق یأتی بالثناء ویتعوذ للقرآءة کذا فی فتاوی قاضیخان والخلاصة والظھیریة... ومنھا انه یصلی اولاً ما ادرك مع الامام ثم یقضی ما سبق کذا فی محیط السرخسی...

(۹۷) گزشتہ دو فتاوی پر ایک فاضل کے اشکال کا مفصل جواب

سوال...... جناب مفتی صاحب! مجھے آپ کی فتاویٰ کی کتاب نجم الفتاویٰ میں موجود ایک مسئلے سے متعلق چند سوالات کرنے ہیں مسئلہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ پر موجود ہے اور وہ مسئلہ ہے مسبوق کے ثناء پڑھنے سے متعلق۔ مذکورہ صفحے پر دو مسئلے ہیں دونوں میں مسبوق کو ثناء پڑھنے سے منع کیا گیا ہے لیکن پہلے فتوے میں جو تاتارخانیہ کا حوالہ ہے اس کے مطابق مفتی بہ قول یہی لکھا ہے کہ سری نمازوں میں مسبوق ثناء پڑھے گا اور جہری کی بھی آخری دو میں ملنے پر ثناء پڑھے گا البتہ جہری کی پہلی دو میں اختلاف ہے دونوں قول موجود ہیں...... مسبوق کا سرّی نمازوں میں ثناء پڑھنا دیگر بھی بہت سی کتب میں موجود ہے نیز احسن الفتاویٰ (۳/۳۸۲) پر یہی فتویٰ تحریر ہے اس کے علاوہ خیر الفتاویٰ، فتاوی دار العلوم دیوبند اور فتاویٰ حقانیہ میں بھی سرّی نمازوں میں ثناء پڑھنے کا حکم ذکر ہے۔ آپ سے صرف ان سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔ اگر نجم الفتاویٰ میں موجود فتوے کو لیا جائے تب بظاہر کوئی اشکال تو نہیں ہوتا لیکن حوالے اس کے مخالف ہیں جو سرّی میں ثناء پڑھنے کا بتا رہے ہیں لہٰذا اگر سرّی نماز میں ثناء مسبوق پڑھتا ہے تو درج ذیل سوالات اٹھتے ہیں:

۱)۔ استماع قرآن تو جہری اور سرّی دونوں نمازوں میں ضروری ہے تو کیا سرّی نمازوں میں جو حکماً استماع ہوتا ہے وہ مسبوق کے ثناء پڑھنے سے متاثر نہ ہوگا؟

Marfat.com

۲)۔ اگر ثناء پڑھ سکتا ہے تو پھر قراءت کرنا کیوں منع ہے؟ وجہ فرق کیا ہے؟ بظاہر استماع قرآن کا حکم ہی قراءت سے منع کی علت ہے تو یہ علت تو ثناء پڑھنے میں بھی ہے اگر چہ ثناء دعاء ہو لیکن استماع تو متاثر ہو رہا ہے فما ہو وجہ الفرق بین الثناء والفاتحۃ؟

۳)۔ مسبوق نے جب دوبارہ پڑھنا ہی ہے تو پھر تحریمہ کے بعد پڑھنے کی کیا خاص ضرورت یا فائدہ ہے؟

۴)۔ مسبوق کی رکعت چھوٹ گئی ہے لہٰذا اسے تو دوبارہ پہلی رکعت پڑھنے کا موقع ملے گا لیکن ایک شخص پہلی رکعت میں قراءت شروع ہونے کے بعد پہنچا تو اسے تو دوبارہ رکعت پڑھنے کا موقع ملے گا نہیں اب سرّی نماز میں تو وہ ثناء پڑھ رہا ہے لیکن جہری میں نہیں جبکہ آگے مافات کا بدلہ نہیں اتارا جا سکتا تو یہاں جہری میں پڑھنے کی بھی گنجائش ہونی چاہیے۔

۵)۔ تاتارخانیہ وغیرہ میں ایک قول جہری نماز میں بھی ثناء پڑھنے کا ذکر ہے تو کیا اس قول کے مطابق استماع متاثر نہیں ہوگا؟

از راہِ کرم ہمارے پانچوں سوالات کے جوابات تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں آپ نے "نجم الفتاویٰ" میں موجود ایک فتوے سے متعلق اتنا تفصیلی استدراک فرمایا اور احقر سے مراجعت فرمائی اس پر بندہ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ آئندہ بھی اس طرح کے مقامات کی نشاندہی فرماتے رہیں گے۔

مسبوق جب اپنی فوت شدہ رکعت کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرے گا تو اس میں بالاتفاق اولاً ثناء پڑھے گا البتہ جب مسبوق درمیانِ نماز امام کے ساتھ شریک ہوگا اس وقت ثناء پڑھے گا یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے جہری نماز میں امام قراءت کر رہا ہو تو اسمیں بھی تقریباً اتفاق ہے کہ مسبوق ثناء نہیں پڑھے گا بلکہ خاموشی سے قراءت سنے گا بعض فقہاء نے جہری نمازوں میں بھی سکتات میں ثناء پڑھ لینے کا قول کیا ہے جو مرجوح ہے البتہ جہری نمازوں کی آخری رکعتیں اور سری نمازوں میں جب مسبوق شریک ہوگا تو ثناء پڑھے گا یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض فقہاء پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض فقہاء نے نہ پڑھنے کو ترجیح دی ہے۔ محیط برھانی، خانیہ، تاتارخانیہ، البحر الرائق، ہندیہ اور شامیہ میں اس بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ مسبوق سری نمازوں میں اور جہری نمازوں کی آخری رکعات میں ثناء پڑھے گا اس کے بالمقابل صاحب نہر، مراقی الفلاح میں علامہ شرنبلالی، کبیری، درمختار، طحطاوی علی المراقی اور طحطاوی علی الدر المختار ان حضرات نے مطلقاً ثناء نہ پڑھنے کے قول کو اختیار کیا ہے چاہے جہری نماز ہو یا سرّی، ہر حال میں جب امام قراءت کر رہا ہو تو مسبوق مطلقاً خاموش رہے گا۔

نجم الفتاویٰ میں اس دوسرے قول کے مطابق فتویٰ دیا گیا تھا یہی قول نقلاً و عقلاً راجح معلوم ہوتا ہے۔ علامہ طحطاوی، درمختار کے حاشیے پر فرماتے ہیں:

قال الحصكفي في الدر: (وقرأ) كما كبر (سبحانك اللهم) .... (إلا إذا) شرع الإمام في القراءة سواء (كان مسبوقا) أو مدركا (و) سواء كان (امامه يجهر بالقراءة) أو لا (فإنه) (لا يأتي به) لما في النهر عن الصغرى أدرك الإمام في القيام يثني ما لم يبدأ بالقراءة وقيل في المخافتة يثني۔

Marfat.com

وقال الطحطاوی فی حاشیته: (قوله: وقیل فی المخافتة یثنی) وجه ضعف هذا القیل انه اذا امتنع علی المامور قراءة القرآن التی هی فرض فی الصلاة عند قراءة الامام القرآن سرا او جهرا فلان یمتنع علیه الثناء وهو نفل اولی بجامع التخلیط والتغلیط فی کل۔

امام حصکفی درمختار میں فرماتے ہیں: اور تکبیر کہتے ہی سبحانک اللھم پڑھے گا...... الّا یہ کہ امام قراءت شروع کر چکا ہو چاہے یہ شخص مسبوق ہو یا مدرک ہو اور چاہے امام جہراً قراءت کر رہا ہو یا سراً دونوں صورتوں میں یہ شخص ثناء نہیں پڑھے گا جیسا کہ نہر میں صغریٰ سے نقل ہے کہ امام کو قیام میں پالے تو یہ ثناء پڑھے گا جب تک امام قراءت شروع نہ کر چکا ہو اور کہا گیا ہے کہ آہستہ یعنی سرّی نمازوں میں ثناء پڑھے گا علامہ طحطاوی اس کے حاشیے پر فرماتے ہیں: (وقیل فی المخافتة یثنی) اس قول کے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ جب مامور کو امام کی قراءت کے وقت قراءت سے ہی منع کر دیا گیا جو کہ نماز میں فرض ہے چاہے نماز سرّی ہو یا جہری تو پھر ثناء سے تو بطریقہ اولیٰ منع کیا جائے گا کیونکہ یہ تو نفل ہے کیونکہ خلط اور غلطی کا سبب بننا دونوں میں مشترک ہے۔" (طحطاوی علی الدر ۱/۲۱۸)

النہر الفائق میں ہے:

"اطلقه فشمل الامام والماموم الا المسبوق اذا کان الامام یجهر بالقراءة کما صححه فی الذخیرة کذا فی البحر والاولی ان یقال الا اذا شرع الامام فی القراءة مسبوقا کان او مدرکا جهرا اولا لما فی الصغری ادرك الامام فی القیام او الرکوع یثنی مالم یبدا الامام بالقراءة وقیل فی المخافتة یثنی (النهر الفائق ۱/۲۰۸)

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے سرّی نماز میں بھی ثناء نہ پڑھنے کی عقلی وجہ بھی بیان فرمادی کہ مقتدی کو جب قراءت کرنے سے منع کیا گیا ہے تو پھر بدرجہ اولیٰ ثناء پڑھنا منع ہونا چاہیے اور یہ واضح بات ہے کہ وہ قراءت جو بعض فقہاء کے نزدیک وجوب تک کا درجہ رکھتی ہے ہمارے نزدیک منع ہے تو پھر ثناء کا درجہ تو نفل یا استحباب کا ہے اس کا جواز بے معنی اور خلافِ قیاس ہے اور یہی علامہ طحطاویؒ کے نزدیک اس قول (سرّی نماز میں مسبوق کا ثناء پڑھنا) کی ضعف کی وجہ ہے۔

البتہ بندہ یہاں مسئلہ اور اختلاف کی بنیادی وجہ پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالنا چاہتا ہے۔

احقر کے نزدیک کتب کے تتبع کے بعد جو وجہِ اختلاف سامنے آئی وہ یہ ہے کہ وہ حضرات جنہوں نے سرّی نمازوں میں اور جہری نمازوں کی آخری رکعات میں ثناء کے جواز کا قول کیا ہے ان کے نزدیک جہری نمازوں کے علاوہ میں استماع (سننا) فرض نہیں اور نہ انصات واجب ہے بلکہ غیر جہری نمازوں میں انصات (خاموش رہنا) ان کے نزدیک قراءت کی تعظیم کی وجہ سے فقط مسنون ہے اسی لیے شامیہ میں اسے سنتِ غیر مقصودہ قرار دیا ہے یعنی فقط قراءت کی تعظیم میں (جو امام سراً کر رہا ہے) خاموش رہنا مسنون ہے خود اس کے مسنون ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کے برخلاف ثناء کو سنت مقصودہ قرار دیا گیا ہے اور امام کی ثناء کو مقتدی کیلئے کافی نہیں قرار دیا گیا

Marfat.com

اس لیے ایک سنت مقصودہ (ثناء) کو دوسری سنت جو کہ غیر مقصودہ (انصات) ہے کی وجہ سے ترک کرنا لازم آئے گا لہذا سری نمازوں میں انصات کے بجائے مسبوق وغیرہ قراءت کے شروع ہوجانے کے بعد بھی ثنا پڑھیں گے اس استدلال پر تفصیلی بحث سے قبل ہم ان حضرات کی عبارت من وعن نقل کردیتے ہیں [جنہوں نے یہ وجہ بیان فرمائی ہے] محیط برھانی میں ہے:

إن كانت الصلاة صلاة يخافت فيها بالقراءة يأتي بالثناء لا محالة؛ لأنه لو لم يأت بالثناء إنما لا يأتي كيلا يفوته الاستماع. فإذا كانت الصلاة مما يخافت فيها بالقراءة لا يلزمه الاستماع والثناء ذكر مقصود بنفسه. فيأتي به.فإن قيل:ان كان لا يفوته الاستماع متى يشتغل بالثناء. فإنه يفوت فريضة الإنصات.قلنا: الإنصات إنما يفرض حالة استماع القراءة؛ لأن الاستماع إنما يتحقق بالإنصات، والاستماع فرض فما لا يتحقق الاستماع إلا به يصير فرضاً تبعاً له. فأما في حالة غير الاستماع فالإنصات إنما شرع سنيته تعظيماً لا مر القراءة بقدر الإمكان لا سنّة مقصودة بنفسها، والثناء ذكر مقصود بنفسه فكان مراعاة الثناء أهم من مراعاة الإنصات. (المحيط البرهاني ۱۳۳/۲)

شامیہ میں ہے:

"الاستماع في غير حالة الجهر ليس بفرض بل يسن تعظيما للقراءة فكان سنة غير مقصودة لذاتها وعدم قراءة المؤتم في غير حالة الجهر لا لوجوب الإنصات بل لأن قراءة الإمام له قراءة وأما الثناء فهو سنة مقصودة لذاتها وليس ثناء الإمام ثناء للمؤتم فإذا تركه يلزم ترك سنة مقصودة لذاتها للإنصات الذي هو سنة تبعا بخلاف تركه حالة الجهر"

(شامية ۴۸۸/۱)

محیط اور شامیہ کی یہ تفصیلی عبارات ذکر کردی گئیں جن میں تفصیلاً وہی بات ذکر ہے جو ہم نے بیان کردی اسی طرح جو حضرات بھی مسبوق وغیرہ کے ثناء پڑھنے کے قائل ہیں ان کے نزدیک مسئلے کی علت یہی ہے اور اس سب کی بنیاد اس بات پر ہے کہ سری نمازوں میں انصات (خاموش رہنا) واجب نہیں بلکہ سنت غیر مقصودہ ہے البتہ جہری نمازوں میں انصات واجب ہے لہذا جہری نمازوں میں مسبوق ثناء نہیں پڑھے گا۔

احقر کو اس بنیاد پر تردد ہے انصات کو سرّی نمازوں میں مسنون اور وہ بھی سنت غیر مقصودہ قرار دینا قابلِ تامل ہے مشہور اور مختار قول کے مطابق سرّی اور جہری دونوں نمازوں میں انصات مطلقاً واجب ہے۔

چنانچہ فتح القدیر میں علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ قراءت کی بحث میں انصات سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"قوله بالنص يعني قوله تعالى { وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا } والإنصات لا يخص

Marfat.com

الجهرية لأنه عدم الكلام لكن قيل إن السكوت للاستماع لا مطلقا وحاصل الاستدلال بالآية أن المطلوب أمران الاستماع والسكوت فيعمل بكل منهما والأول يخص الجهرية والثاني لا فيجري على إطلاقه فيجب السكوت عند القراءة مطلقا"

"(قولہ بالنص) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا قول ہے "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ" یہ انصات جہری نمازوں کے ساتھ خاص نہیں ہے کیونکہ وہ کلام کا نہ ہونا ہے لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ خاموش رہنا سننے کیلئے ہے نہ کہ مطلقاً۔ آیت سے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ مطلوب دو چیزیں ہیں سننا اور خاموش رہنا پس دونوں پر عمل کیا جائے گا پس پہلا (استماع) تو جہری کے ساتھ خاص ہوگا لیکن دوسرا (یعنی سکوت) جہری کے ساتھ خاص نہیں پس وہ اپنے اطلاق پر رہے گا قراءت کے وقت مطلقاً خاموش رہنا واجب ہوگا" (سری اور جہری دونوں میں)

(فتح القدیر ۱/۳۴۲)

اسی بنیاد پر علامہ رافعیؒ نے "التحریر المختار لرد المحتار" (جو کہ شامیہ پر استدراک حاشیہ ہے) میں شامیہ میں اسی مقام پر جو ہم نے نقل کیا [جس میں علامہ شامیؒ نے ذخیرہ کے حوالہ سے انصات کو سری نمازوں میں مسنون قرار دیا ہے] اس پر استدراک فرمایا ہے:

"(وعلله في الذخيره بما حاصله الخ) خلاف المشهور فان المشهور ان السكوت في السريه والجهرية واجب لا سنة"

"(وعلله في الذخيره بما حاصله الخ) یہ مشہور قول کے خلاف ہے کیونکہ مشہور قول یہ ہے کہ سکوت سری اور جہری دونوں نمازوں میں واجب ہے نہ کہ سنت۔" (التحریر المختار ۱/۶۰)

نیز علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی شامیہ میں قراءت کی بحث میں خود بحر کے حوالے سے انصات کو مطلقاً واجب قرار دیا ہے معلوم نہیں ثناء کی بحث میں انصات کو کیوں مسنون قرار دیا گیا ہے شامیہ میں قراءت کی بحث میں تحریر ہے:

قوله: (بل يستمع) إذا جهر (وينصت إذا أسر).. وكذا إذا جهر بالأولى قال في البحر وحاصل الآية أن المطلوب بها أمران الاستماع والسكوت فيعمل بكل منهما والأول يخص الجهرية والثاني لا فيجري على إطلاقه فيجب السكوت عند القراءة مطلقا۔

(مصنف کا قول: مقتدی سنے گا جب جہر ہو اور خاموش رہے گا جب سری نماز ہو) اور اسی طرح جہری نماز میں بدرجہ اولیٰ خاموش رہنا ہوگا۔ بحر میں ہے: کہ آیت کا حاصل یہ ہے کہ اس سے مطلوب دو چیزیں ہیں ایک سننا اور دوسرا خاموش رہنا پس دونوں پر عمل کیا جائے گا اور پہلا جہری نمازوں کے ساتھ خاص ہوگا اور دوسرا جہری کے ساتھ خاص نہ ہوگا بلکہ مطلق رہے گا پس قراءت کے وقت مطلقاً سکوت خاموش رہنا واجب ہوگا۔ (شامیہ ۱/۵۴۵)

جب علامہ شامی رحمہ اللہ خود سکوت اور انصات کو مطلقاً سری اور جہری نمازوں میں بحر کے حوالے سے واجب قرار دے رہے ہے

Marfat.com

ہیں تو گویا کہ فتح القدیر میں علامہ ابن الہمامؒ، البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم اور ردالمحتار میں علامہ شامی رحمہم اللہ خود انصات کے مطلقاً وجوب کا قول کر رہے ہیں تو پھر بحر اور شامیہ میں ثناء کی بحث میں سری نمازوں میں ثناء کے پڑھنے کا قول کرنے پر بطور اصل کے سری نمازوں میں انصات کو مسنون قرار دینا محل نظر اور تعارض ہے اسی وجہ سے ثناء کی بحث میں علامہ شامی رحمہ اللہ کے مسنون قرار دینے پر علامہ رافعیؒ نے التحریر المختار میں استدراک فرمایا ہے اور مشہور قول مطلقاً انصات کے وجوب کا ہونا قرار دیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک قراءۃ خلف الامام کے منع کی وجہ انصات اور استماع کا وجوب ہی ہے جو کہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ ہم نے دلائل سے انصات کا وجوب مطلقاً ثابت کر دیا لہٰذا ثناء کی بحث میں ان حضرات کا انصات کو مسنون اور وہ بھی قراءتِ سریہ کی تعظیم میں غیر مقصودی طور پر مسنون قرار دینا ہی محل نظر ہے اس کے بعد ثناء کو سنتِ مقصودہ قرار دینا اور آخر میں یہ نتیجہ نکال لینا کہ سنتِ غیر مقصودہ کیلئے سنت مقصودہ کو نہیں چھوڑا جائے گا لہٰذا سری نمازوں میں ثناء پڑھی جائے گی۔ یہ قول نقلاً وعقلاً ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ علامہ طحطاوی رحمہ اللہ کے حوالے سے تو اس کے ضعف کی انتہائی معقول وجہ ذکر کر دی گئی کہ اگر آپ نے مقتدی کیلئے کچھ پڑھنے کا قول ہی کرنا ہے تو ثناء کے بجائے قراءت خلف الامام کا قول کریں کیونکہ قراءت بعض ائمہ کے نزدیک تو واجب بھی ہے اس واجب کے پڑھنے کا تو آپ قول نہیں کرتے لیکن ایک ثناء جو کہ نفل ہے اسے پڑھنا ضروری قرار دے رہے ہیں۔ باقی اس بات کے جواب میں یہ کہنا کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے لہٰذا وہ سرّی میں بھی قراءت نہیں کرے گا لیکن امام کی ثناء مقتدی کی ثناء نہیں لہٰذا سری نمازوں میں مقتدی ثناء پڑھے گا یہ بات بھی قابلِ تامل ہے کیونکہ ثناء تو بعد از قیام مسبوق پڑھ لے گا اور نہ بھی پڑھے تو ایک استحباب کا ترک ہو رہا ہے جبکہ دوسری طرف انصات جو کہ نص قرآنی سے فقہاء خود مطلقاً واجب قرار دے رہے ہیں اس میں خلل واقع ہو رہا ہے تو خلل کا دفع ضروری ہے اس خلل کی وجہ سے ہی آپ علیہ السلام نے قراءت خلف الامام سے منع فرمایا ایک حدیث میں ہے:

"عن أبي هريرة ﷺ أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- انصرف من صلاة جهر فيها بالقراءة فقال هل قرأ معي أحد منكم آنفا. فقال رجل نعم يا رسول الله. قال إني أقول ما لي أنازع القرآن. قال فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فيما جهر فيه رسول الله -صلى الله عليه وسلم- من الصلوات بالقراءة حين سمعوا ذلك من رسول الله صلى الله عليه وسلم" (جامع الترمذی ۷۱/۱) باب ماجاء فی ترک القراءۃ خلف الامام

یہی علامہ طحطاوی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں:

"بجامع التخليط والتغليط في كل" (طحطاوی علی الدر ۲۱۸/۱)

یعنی دونوں جگہ ثناء اور قراءت خلف الامام میں علت مشترک ہے اور وہ ہے امام پر خلط کے وقوع کا امکان۔ اسی لیے مقتدیوں کو انصات خاموش رہنے کا حکم ہے۔ گویا کہ سری نمازوں میں قراءت کی طرح ثناء نہ پڑھنے کی دو وجہیں ہیں:

۱) انصات کا وجوب ۲) تخلیط علی الامام (امام کا غلطی میں پڑ جانا)۔

Marfat.com

ان حوالجات کی بنیاد پر احقر کے نزدیک وہی بات راجح ہے جسے النہر الفائق، مراقی الفلاح، طحطاوی علی المراقی، درمختار اور طحطاوی علی الدر میں اختیار کیا گیا ہے۔ نیز انصات سے متعلق مختار اور مشہور قول ہی راجح ہے جسے علامہ ابن الہمام، علامہ ابن نجیم، تبیین الحقائق میں علامہ زیلعی اور اس کے حاشیے پر علامہ چلپی اور شامیہ کے باب القراءۃ میں علامہ شامی رحمہم اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ سری اور جہری دونوں نمازوں میں انصات واجب ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مسبوق چاہے سری نماز ہو یا جہری نماز کی آخری رکعات بعد از تکبیر تحریمہ ثناء نہیں پڑھے گا امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر اولاً ثناء پڑھے گا اور پہلی رکعت مکمل طور پر پڑھے گا۔ یہی قراءت خلف الامام کے مسئلے سے نزدیک اور موافق ہے۔ نیز مسئلہ ہذا میں انصات کو مسنون قرار دینے کا ایک مفسدہ یہ ہے کہ آیت "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ" سے ثابت انصات کے وجوب کا حکم جو کہ مطلقاً واجب ہے جسے علامہ ابن الہمام، علامہ زیلعی، علامہ ابن نجیم اور علامہ شامی رحمہم اللہ اس آیت سے استدلال کر کے مطلقاً واجب قرار دے رہے ہیں اسے مسئلہ ہذا میں مسنون بنا دیا گیا اور پھر اصل قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ قراءت خلف الامام پر ثناء کو قیاس کر کے ثناء کے بھی نہ پڑھنے کا قول کیا جائے جیسا کہ علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے قیاس فرمایا ہے لیکن انصات کو مسنون قرار دینے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ قیاس یوں کیا جائے کہ سری نمازوں میں جب انصات مسنون ہونے کی بناء پر ثناء پڑھی جاسکتی ہے تو پھر قراءت خلف الامام ہی کر لی جائے کیونکہ قراءت خلف الامام بعض ائمہ کے نزدیک تو فرض تک ہے بالخصوص قراءتِ فاتحہ خلف الامام۔ جبکہ ثناء تو فقط استحباب یا سنیت کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب قائلینِ جوازِ ثناء کے نزدیک انصات مسنون ہے تو پھر لازماً ان کے نزدیک قراءت خلف الامام بھی سری نمازوں میں ہونی چاہیے حضرت ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی عبارت درج ذیل ہے:

"ویؤید ما فی غنیة المصلی (ص:۲۹۷) واذا ادرك الشارع فی الصلوة عند شروعه الامام وهو ای والحال ان الامام یجهر بالقراءة لایأتی بالثناء بل یستمع وینصت للآیة وقال بعضهم یأتی بالثناء عند سکتات الامام حال کون الثناء کلمة کلمة او کلمتین کلمتین بحسب ما یمکنه لانه امکنه الاتیان بالسنة مع مراعاة مقتضی الامر۔

قلت: وکذا اذا امکنه الاتیان بالفاتحة مع مراعاة مقتضی الامر بل هی اولی واهم من الثناء لقول الشافعیة بفرضیتها والخروج من الخلاف حسن فینبغی القول بجواز قراءتها فی الجهریة ان وجد فرصة بین السکتات والا لالئلا یخل بالاستماع المفروض وقال فی رد المحتار: قضیة المتن الاتیان بالثناء فی المخافتة وان بدا الامام بالقراءة...... قلت: وهذا یؤید ما روی عن محمد من استحسان قراءة الماموم فی السریة فان امر القراءة اهم من الثناء فلما جاز الاتیان به فی السریة مع اشتغال الامام بالقراءة فاولی ان یجوز الاتیان بها ایضا وما ذکره الشامی من الفرق بین الثناء والقراءة ناقلا عن الذخیرة بمانصه: وعدم قراءة الماموم ......

Marfat.com

ففیه ان غایة ما یستفاد منه الفرق بینهما بالاستحباب وعدمه لا بالجواز وعدمه لانه حدیث قراءة الامام قراءة للمقتدی لا یدل علی منع الماموم عن القراءة بل علی جواز اکتفاء بقراءة الامام والمفید للمنع انما هو الامر بالانصات فحسب وقد اعترف المجیب بعدم وجوبه فی السریة وما ذکره ابن الهمام انه لو ...... فالحق ان القول بجواز قراءة الماموم فی السریة لازم علی من جوّز الاتیان بالثناء فیها وکذا بجوازها فی سکتات الجهریة علی من جوزه فیها فافهم. والله اعلم (اعلاء السنن ۴/۱۰۰)

اس عبارت میں تصریح ہے کہ قراءۃ خلف الامام فی السریۃ کے منع کی وجہ ہی انصات کا وجوب ہے اور جب آپ نے سری میں انصات کو مسنون قرار دے دیا تو پھر منع کی کوئی وجہ نہیں رہی باقی شامیؒ کا یہ کہنا کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے اس لیے نہ کرے یا علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ مقتدی اگر قراءت کرے گا تو یہ دو قراءتیں ہو جائیں گی ایک امام اس کی جگہ کر رہا ہے اور دوسرا خود یہ کرے گا لہٰذا مقتدی قراءت نہ کرے اس سب کا بھی علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے جواب دیا ہے فرماتے ہیں:

"وما ذکره ابن الهمام انه لو قرأ کان له قراءتان فی صلاة واحدة وهو غیر مشروع ففیه ان قراءة الامام لیست بقراءة الماموم حقیقة لا عرفا ولا شرعا وانما هی قراءة له حکما فلو قرأ لا یلزم الا ان تکون له قراءتان حقیقیة وحکمیة ولا عائبة فی اجتماعهما ولا دلیل یدل علی قبحه فالحق ان القول بجواز قراءة الماموم فی السریة لازم علی من جوز الاتیان بالثناء فیها الخ

(اعلاء السنن ۴/۱۰۰)

بہر حال مسئلہ ہذا میں اس سب تفصیل کے ذکر کرنے کی وجہ کوئی بحث برائے بحث یا تنقید مقصود نہیں کتبِ فقہ کی مراجعت سے جو کچھ سامنے آیا تحریر کر دیا گیا ہے مسئلہ زیرِ بحث میں انصات کو مسنون قرار دینے پر چونکہ علامہ رافعیؒ کے علاوہ کسی نے استدراک نہیں کیا نیز اعلاء السنن میں ذکر کردہ تفریعات بھی قابلِ غور وفکر ہیں۔ احقر نے ان سب کا تتبع کرتے ہوئے حتی المقدور امانت و دیانت کے ساتھ تحقیق نقل کر دی ہے۔ قراءت خلف الامام چاہے جہری نماز میں ہو یا سرّی دونوں میں مکروہ ہے اور کراہت کی وجہ انصات کا وجوب ہے۔ یہی آیتِ قرآنیہ سے ثابت ہوتا ہے، چاہے وہ جہری نماز ہو یا سری انصات بہر حال واجب ہے، اسی لئے مسئلہ ھذا میں پائی جانے والی بعض نقول جن میں جہری نمازوں میں بھی مسبوق کے ثناء پڑھنے کا ذکر ہے اس پر رد کرتے ہوئے کبیری میں ہے:

وهو بعید اذ لا فصل فی قوله تعالی واذا قریء القرآن فاستمعوا له الآیة بین الفاتحة وغیرها بل الأصح انه لا یأتی به مطلقا لاطلاق النص. (کبیری، ۲۹۷)

ثناء سے متعلق مسئلہ ہذا میں اس انصات کو مسنون قرار دینا فقہ حنفی کے اتنے اہم مسئلے قراءت خلف الامام کی بنیاد (وجوبِ انصات) کو اپنی زد میں لے رہا ہے جس کا دفاع یا توجیہ احقر اپنا فرض سمجھتا ہے نیز مسئلہ ھذا پر علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تفریعات کو بجا

Marfat.com

سمجھتا ہے اور اصل سبب اشکال انصات کو مسنون قرار دینے کو سمجھتا ہے۔

لیکن مسئلہ میں چونکہ اعلام فقہاء اور اکابر کا اختلاف ہے لہٰذا دونوں آراء پر عمل کیا جا سکتا ہے مسئلہ مجتہد فیھا ہے البتہ ثناء نہ پڑھنے کی صورت میں صرف استحباب کا ترک ہے جو کہ اھون اور ایسر ہے بنسبت ثناء پڑھنا وجوب انصات میں مخل اور کراہت کا سبب ہے اس قاعدے کے مطابق بھی سری نمازوں میں ثناء نہ پڑھنا ہی مسبوق کیلئے بہتر معلوم ہوتا ہے نیز بعد از سلام کھڑے ہو کر اس نے ثناء پڑھنی ہی ہے جس طرح پہلی رکعت کی قراءت وغیرہ کی قضاء کرے گا ویسے ہی ثناء کو بھی اس وقت پڑھ لے گا۔

مسئلہ ہذا میں اکابرین کے فتاویٰ میں درج ذیل مقامات پر یہ مسئلہ درج ہے:

۱)۔امداد الفتاویٰ (۱/ ۴۰۳) عنوان: حکم ثناء وتعوذ درحق مسبوق

۲)۔کتاب الفتاویٰ (۲/ ۲۸۸) عنوان: مقتدی مسبوق اور ثناء

۳)۔خیر الفتاویٰ (۲/ ۴۰۷) عنوان: امام جہراً قراءت کر رہا ہو تو مسبوق ثناء نہ پڑھے

۴)۔فتاویٰ دار العلوم دیوبند (۳/ ۲۵۷) مسبوق ثناء کب پڑھے گا

۵)۔فتاویٰ حقانیہ (۳/ ۱۸۰) مسبوق کیلئے ثناء پڑھنے کا حکم

۶)۔فتاویٰ عثمانی (۱/ ۴۲۰) عنوان: مسبوق کی ثناء سے متعلق شرح وقایہ کی ایک عبارت کی تحقیق۔

۷)۔احسن الفتاویٰ (۳/ ۳۸۲)

درج بالا فتاویٰ میں امداد الفتاویٰ اور کتاب الفتاویٰ کے علاوہ پانچوں مقامات پر سری نمازوں میں مسبوق کیلئے ثناء پڑھنے کا قول اختیار کیا گیا ہے البتہ ان دو میں مطلقاً انصات کے قول کو لیا گیا ہے۔

آخر میں مسک الختام کے طور پر امداد الفتاوی سے حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ اس ذیل میں مکمل سوال وجواب کے ساتھ نقل کئے جا رہے ہیں۔

عنوان: حکم ثناء وتعوذ درحق مسبوق

سوال: فتاویٰ اشرفیہ میں ایک شخص نے سوال مسبوق کے متعلق کیا کہ جماعت سے رہی ہوئی باقی رکعتیں کس طرح پوری کرے حضور نے جواب میں فرمایا کہ بعد سلام امام وہ مسبوق اٹھے اور ثناء وتعوذ بسم اللہ پڑھ کر الحمد وسورۃ پڑھے نیز بہشتی گوہر کے تتمہ میں حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسبوق کسی وقت یعنی بعد جماعت کے ثناء وتعوذ وبسم اللہ نہ پڑھے ثناء ساقط ہوگئی اس میں کیا مصلحت ہے؟

الجواب: معلوم ہوتا ہے آپ نے بہشتی زیور کے ضمیمہ کو بالکل نہیں سمجھا اور افسوس ہے کہ عبارت بھی اس کی بعینہ نقل نہیں کی اپنی طرف سے غلط سمجھ کر خلاصہ نکال کر نقل کر دیا ایسا تصرف نقل میں گناہ بھی ہے میں نے جو ثناء کا نہ پڑھنا لکھا ہے تو امام کے ساتھ شریک ہونے کی حالت میں لکھا ہے یعنی نہ نیت باندھ کر پڑھے اور نہ امام کی قراءت کے وقفات میں پڑھے یہ کہاں لکھا

Marfat.com

ہے کہ جب اپنی بقیہ نماز پڑھنے کھڑا ہو تب بھی نہ پڑھے سائل نے اس کو پوچھا ہی نہیں۔"

(امداد الفتاویٰ ۱/۴۰۳)

دوسرا فتویٰ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا اس ذیل میں یہ ہے:

سوال: مسبوق رکعات جہریہ وخفیہ میں ثناء وتعوذ وتسمیہ تینوں پڑھے یا نہیں اور جب بعد فراغت کے اپنی بقیہ رکعتیں ادا کرنے کیلئے کھڑا ہو تو اس وقت ثناء وتعوذ وتسمیہ تینوں پڑھے یا صرف تعوذ وتسمیہ پر قناعت کرے جو کچھ فرق اس مسئلے کے متعلق رکعات جہریہ وسریہ میں ہو مطلع فرمائیے گا۔

الجواب: فی الدر المختار قبل باب الاستخلاف۔ والمسبوق منفرد حتی یثنی ویتعوذ ویقرأ وإن قرأ مع الإمام لعدم الاعتداد بها لکراهتها۔ اس روایت سے دو امر مستفاد ہوئے ایک یہ کہ مسبوق امام کے ساتھ ثناء وتعوذ وتسمیہ نہ پڑھے دوسرے یہ کہ بعد فراغ امام کے جب اپنی بقیہ نماز پڑھنے کیلئے کھڑا ہو سب چیزیں اور قراءت پڑھے اور جہری وسری اس حکم میں دونوں برابر ہیں لا طلاق الدلیل۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امداد الفتاویٰ ۱/۴۰۳)

لہٰذا صورت مسئولہ میں یہی قول عقلاً ونقلاً راجح معلوم ہوتا ہے کہ سری اور جہری کسی نماز میں مسبوق بوقت شرکت ثناء نہ پڑھے تمام دلائل اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ درج کر دیئے گئے ہیں آخر میں آپ کے سوالوں کے بالترتیب جواب یہ ہیں:

۱)۔ استماعِ قرآن تو صرف جہری نمازوں میں واجب ہے سری میں نہیں کیونکہ سری میں تلاوتِ قرآن جہراً نہیں تو استماع (سننا) ممکن نہیں البتہ انصات (خاموش رہنا) راجح اور مشہور قول کے مطابق دونوں (جہری اور سری) میں واجب ہے لہٰذا مسبوق کے ثناء پڑھنے سے وہ متاثر ہوگا۔

۲)۔ ثناء پڑھنے کے جواز سے قراءت خلف الامام فی السریہ کے جواز کے قیاس کا اشکال ہم پر وارد نہیں ہوتا جن حضرات نے سری نمازوں میں ثناء کے جواز اور انصات کے مسنون ہونے کا قول کیا ہے یہ اشکال ان پر وارد ہوتا ہے ہمارے نزدیک ثناء پڑھنے سے واجب انصات متاثر ہو رہا ہے لہٰذا ثناء نہ پڑھی جائے۔

۳)۔ یہ بات بھی قابلِ تفکر ہے کہ مسبوق نے جب بعد از سلام امام کے ثناء پڑھنی ہی ہے تو ابھی ثناء پڑھنا بے محل ہے۔

۴)۔ ایسا شخص جو مسبوق تو نہ ہو لیکن پہلی رکعت میں امام کی قراءت شروع کرنے کے بعد اس کی شمولیت ہو وہ بھی ثناء نہیں پڑھے گا اگرچہ اسے قضاء کا موقع نہیں ملے گا لیکن ثناء نہ پڑھنے سے صرف ایک مستحب کا ترک لازم آ رہا ہے جبکہ ثناء پڑھنے کی صورت میں واجب انصات میں خلل واقع ہو رہا ہے۔

۵)۔ تاتارخانیہ وغیرہ میں موجود جہری نمازوں میں بھی سکتات وغیرہ میں ثناء پڑھ لینے کا قول مخدوش ہے کیونکہ جہری نمازوں میں بھی مسبوق کا ثناء پڑھنا صرف انصاتِ واجب ہی میں مخل نہیں بلکہ استماع واجب (سننے) میں بھی مخل ہے یعنی یہاں تو دو واجب استماع (سننا) اور انصات (خاموش رہنا) دونوں میں خلل آ رہا ہے لہٰذا اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

Marfat.com

لما فی عمدة القاری:(١٤/٦) وقال النووي وهذا يؤيد وجوب قراءة الفاتحة على المأموم ومعناه اقرأها سرا بحيث تسمع نفسك قلت هذا لا يدل على الوجوب لأن المأموم مأمور بالإنصات لقوله تعالى وأنصتوا (الأعراف) والإنصات الإصغاء والقراءة سرا بحيث يسمع نفسه تخل بالإنصات فحينئذ يحمل ذلك على أن المراد تدبر ذلك وتفكره ـ

وفی المحيط البرهانی (١٣٣/٢) كتاب الصلاة: إذا انتهى إلى الإمام وقد سبقه الإمام بشيء من صلاته، هل يأتي بالثناء؟ فهذا على وجوه: الأول: إذا أدركه في حالة القيام في الركعة الاولى اوفی الثانية؟ وفي هذا الوجه كان القاضي الإمام أبو علي النسفي رحمه الله يحكي عن استاذه الشيخ الإمام أنه كان يقول: لا يأتي بالثناء، قال: وقال غيره من أصحابنا رحمهم الله يأتي، وذكر شيخ الإسلام المعروف بخواهر زاده رحمه الله: أنه إن كانت الصلاة صلاة يخافت فيها بالقراءة يأتي بالثناء لا محالة؛ لأنه لو لم يأت بالثناء إنما لا يأتي، كيلا يفوته الاستماع، فإذا كانت الصلاة مما يخافت فيها بالقراءة لا يلزمه الاستماع والثناء ذكر مقصود بنفسه، فيأتي به.

فإن قيل: ان كان لا يفوته الاستماع متى اشتغل بالثناء، فإنه يفوت فريضة الإنصات قلنا: الإنصات إنما يفرض حالة استماع القراءة لأن الاستماع إنما يتحقق بالإنصات، والاستماع فرض فما لا يتحقق الاستماع إلا به يصير فرضاً تبعاً له، فأما في حالة غير الاستماع فالإنصات إنما شرع سنيته تعظيماً لامر القراءة بقدر الإمكان لا سنّة مقصودة بنفسها، والثناء ذكر مقصود بنفسه فكان مراعاة الثناء أهم من مراعاة الإنصات. فإن قيل: الإنصات فرض، وإن كان لا يستمع القراءة حتى سقطت عن المقتدى القراءة التي هي ركن في الصلاة لأجل الإنصات.

قلنا: القراءة ما سقطت عن المقتدي لمكان الإنصات، لكن إنما سقطت لأن قراءة الإمام جعلت قراءة له متى شارك الإمام في القيام الذي هو محل قراءة الإمام. ألا ترى أنه متى أدركه في حالة الركوع صار مدركاً لهذه الركعة، وإن لم يوجد منه إنصات لقراءة الإمام؛ لأنه شاركه في القيام، فجعل قراءة الإمام له قراءة لمشاركته في القيام، فأما ثناء الإمام لم يجعل ثناء من المقتدي، فإذا لم يشتغل بالثناء يفوته الثناء أصلاً، وأما إذا كانت صلاة يجهر فيها بالقراءة إن أدرك الإمام في الركعتين الأخريين، فكذلك الجواب يشتغل بالثناء لأن الإمام يخافت بالقراءة في الأخريين. وإن كان في الركعتين الأولين، فقد اختلف فيه المشايخ، منهم من يقول: يشتغل بالثناء، ومنهم من يقول: لا يشتغل بالثناء، بل يستمع القراءة، وإليه كان يميل

Marfat.com

الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل وهو الأصح،

وفی اعلاء السنن (١٠٤/٤) النهى عن القراءة خلف الامام: وظنى ان اقوى المسالك فى المسئلة هو ماروى عن محمد واختاره بعض المشايخ الاعلام وهو وان كان ضعيفا رواية فهو قوى دراية وبه يجتمع الآثار المروية كلها فى هذا الباب ولما جوز محمد القراءة فى السرية فارجوان تجوز عنده فى الجهرية ايضا فى حالة السكتات اذا وجدها الماموم لعدم الفرق بينهما قال العلامه الشهير والعابد الكبير شيخ وقته واوانه مولانا شيخ رشيد احمد الكنكوهى فى رسالة سبل الرشاد بالهندية ماتعريبه: واماما ثبت فى المرفوعات او الموقوفات من اباحة قراءة الفاتحة للمقتدى فهو رخصة للخواص المراعين للسكتات ...... وقال فى ردالمحتار قضية المتن الاتيان بالثناء فى المخافتة وان بدأالامام بالقراءة ...... قلت وهذا يويد ماروى عن محمد من استحسان قراءة الماموم فى السرية فان امر القراءة اهم من الثناء فلما جاز الاتيان به فى السرية مع اشتغال الامام بالقراءة فاولى ان يجوز الاتيان بها ايضا وما ذكره الشامى من الفرق بين الثناء والقراءة ناقلا عن الذخيرة بما نصه وعدم قراءة الماموم فى غير حالة الجهر لالوجوب الانصات بل لان قراءة الامام له قراءة واما الثناء فهو سنة مقصودة لذ اتها۔۔ففيه ان غاية ما يستفاد منه الفرق بينهما بالاستحباب وعدمه لا بالجواز وعدمه لان حديث قراءة الامام قراءة للمقتدى لايدل على منع الماموم عن القراءة بل على جواز اكتفاء بقراءة الامام والمفيد للمنع انما هو الامر بالانصات فحسب وقد اعترف المجيب بعدم وجوبه فى السرية ...... فالحق ان القول بجواز قراءة الماموم فى السرية لازم على من جوز الاتيان بالثناء فيها وكذا بجوازها فى سكتات الجهرية على من جوزه فيها فافهم۔

وفی الكبيری (٢٩٧): وروى عن الفقيه ابى جعفر الهندوانى انه قال اذا ادرك الامام فى الفاتحة يثنى بالاتفاق وان ادركه فى السورة يثنى عند ابى يوسف لا عند محمد ذكره فى الذخيرة وهو بعيد اذ لا فصل فى قوله تعالى واذا قرىء القرآن فاستمعوا له الآية، بين الفاتحة وغيرها بل الأصح انه لا يأتى به مطلقا لاطلاق النص۔

وفی تبيين الحقائق (٣٣٨/١): حظ المقتدى الانصات وقراءة الامام وقع عنهما فيجزيه ولهذا يجزيه اذاكان مسبوقا بالاجماع۔۔الاستماع والانصات فرض بالنص وهوعام فى جميع اوقات القراءة وقال الشلبى تحت هذه العبارة (٣٨٨/١) : (والانصات فرض بالنص الى آخره) يعنى قوله تعالىٰ

Marfat.com

''وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا '' والانصات لا يخص الجهرية لانه عدم الكلام لكن قيل انه السكوت للاستماع لا مطلقا وحاصل الاستدلال بالآية ان المطلوب امران الاستماع والسكوت فيعمل بكل منهما والاول يخص الجهرية والثانى لا فيجرى على اطلاقه فيجب السكوت عند القراءة مطلقا۔

وفى الدر المختار(۴۸۸/۱)(إلا إذا) شرع الإمام في القراءة سواء (كان مسبوقا) أو مدركا (و) سواء كان (إمامه يجهر بالقراءة) أو لا (فإنه) (لا يأتي به) لما في النهر عن الصغرى أدرك الإمام في القيام يثني ما لم يبدأ بالقراءة وقيل في المخافتة يثني ۔

وتحته فى الشامية: قوله (لما في النهر إلخ) تعليل لتحويل الشارح عبارة المصنف لأن قضية المتن الإتيان بالثناء في المخافتة وإن بدأ الإمام بالقراءة وهو ضعيف لتعبير الصغرى عنه بقيل ووجهه أنه إذا امتنع عن القراءة فبالأولى أن يمتنع عن الثناء وأقول ما ذكره المصنف جزم به في الدرر ۔ وقال في المنح وصححه في الذخيرة وفي المضمرات وعليه الفتوى اهـ ۔ ومشى عليه في منية المصلي والشارح في الخزائن وشرح الملتقى ۔ واختاره قاضيخان حيث قال ولو أدرك الإمام بعدما اشتغل بالقراءة قال ابن الفضل لا يثني وقال غيره يثنى۔ وينبغي التفصيل إن كان الإمام يجهر لا يثني وإن كان يسر يثني اهـ ۔ وهو مختار شيخ الإسلام خواهر زاده۔ وعلله في الذخيرة بما حاصله أن الاستماع في غير حالة الجهر ليس بفرض بل يسن تعظيما للقراءة فكان سنة غير مقصودة لذاتها وعدم قراءة المؤتم في غير حالة الجهر لا لوجوب الإنصات بل لأن قراءة الإمام له قراءة ۔ وأما الثناء فهو سنة مقصودة لذاتها وليس ثناء الإمام ثناء للمؤتم فإذا تركه يلزم ترك سنة مقصودة لذاتها للإنصات الذي هو سنة تبعا بخلاف تركه حالة الجهر اهـ فكان المعتمد ما مشى عليه المصنف فافهم ۔[1]

---

[1] مسئلے کے مزید حوالے درج ذیل ہیں:

(۱) فیض الباری: (۲۷۲/۲) (۲) فتح الملہم: (۲۵۴/۳) (۳) فتح القدیر: (۳۴۲/۱)

(۴) خانیۃ: (۴۲/۱) (۵) مراقی الفلاح: (۲۸۱) (۶) تبیین الحقائق: (۳۳۸/۱)

(۷) حاشیۃ الشلبی علی التبیین (۲۸۹/۱) (۸) ملتقی البحر (۱۴۲/۱) (۹) تاتارخانیۃ (۱۹۵/۲)

(۱۰) منحۃ الخالق علی حاشیۃ البحر الرائق (۵۴۰/۱) (۱۱) طحطاوی علی الدر (۲۱۸/۱) (۱۲) ھندیۃ (۹۰/۱)۔

Marfat.com

(۹۸) رکوع وغیرہ میں ترک رفع یدین افضل ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے کی مسجد میں اکثر رفع یدین کے متعلق لوگوں کے درمیان جھگڑا رہتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ رفع یدین مسنون ہے رکوع وغیرہ میں، اور بعض کہتے ہیں کہ ترک رفع یدین مسنون ہے۔ شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......خیر القرون سے لے کر دور حاضر تک رکوع وغیرہ میں رفع یدین اور ترک رفع یدین کے متعلق اختلاف چلا آ رہا ہے دونوں طریقے مسنون ہیں لہٰذا جس فریق کے نزدیک جو راجح طریقہ ہے اس کو سنت سمجھ کر اختیار کرے، رفع یدین کو شرارت اور جھگڑے کا ذریعہ نہ بنائے کہ رفع یدین کو اختیار کر کے دوسرے فریق کی نمازوں کو فاسد بتائے۔ تاہم علماء احناف کے نزدیک قرآن وحدیث کی نصوص سے ترک رفع یدین کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

لمافی الهندية (۱/۷۳): والرفع قبل التكبير هو الاصح هكذا فی الهداية وهكذا تكبيرات القنوت وصلوة العيدين ولايرفعهما فی تكبيرة سواها كذا فی الاختيار شرح المختار فلو رفع عندنا لاتفسد صلوته علی الصحيح۔

وفی الشامية (۱/۵۶۳): واما الاقتداء بالمخالف فی الفروع كالشافعی فيجوز مالم يعلم منه مايفسد الصلاة علی اعتقاد المقتدی عليه الاجماع... ذهب عامة مشايخنا الی الجواز اذا كان يحتاط فی موضع الخلاف والا فلا والمعنی انه يجوز فی المراعی بلاكراهة وفی غيره معهاثم المواضع المهملة للمراعاة ان يتوضأ من الفصد والحجامة والقیء والرعاف ونحو ذلك لافيما هو سنة عنده مكروه عندنا كرفع اليدين فی الانتقالات وجهر البسملة واخفائها۔

(۹۹) حالت رکوع میں "الصاق کعبین" کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک چیز کے بارے میں متردد ہوں وہ یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں الصاق الکعبین یعنی پاؤں کے ملا کر رکھنے کا کیا حکم ہے اب اس کے متعلق فتاویٰ شامیہ میں میں نے یہ عبارت پڑھی ہے:

(تنبيه) تقدم فی الركوع انه يسن الصاق الكعبين ولم يذكروا ذلك فی السجود وقدمنا انه ربما يفهم منه ان السجود كذالك اذالم يذكروا تفريجهما بعد الركوع فالأصل بقاؤهما هنا كذلك تأمل۔ شامی (۱/۵۰۴)

Marfat.com

اسی طرح طحطاوی میں ہے "ویسن الصاق الکعبین فی الرکوع والمجود" (طحطاوی علی الدرا/۲۲۰)

اب مذکورہ بالا عبارت سے رکوع اور سجدہ میں الصاق الکعبین یعنی پاؤں کا ملا کر رکھنا مسنون ہونا معلوم ہوتا ہے، جبکہ آج تک کسی معتبر عالم دین سے یہ مسئلہ نہیں سنا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ الصاق الکعبین سنت ہے یا نہیں ہے مذکورہ بالا عبارات کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا یا نہیں؟ براہِ مہربانی میرے اشکال کو حل فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں ذکر کی گئی عبارت سے اگرچہ رکوع وسجود میں الصاق الکعبین یعنی پاؤں کا ملا کر رکھنا مسنون معلوم ہوتا ہے لیکن درج ذیل وجوہ کی بنا پر اس عبارت کے مطابق فتویٰ نہیں دیا جائے گا لہٰذا راجح اور صحیح قول یہی ہے، کہ رکوع وسجود میں الصاق کعبین مسنون نہیں ہے۔

(۱)......پہلی وجہ الصاق الکعبینؔ کے مسنون نہ ہونے کی یہ ہے کہ جمہور فقہاء کرام نے اس کے مسنون ہونے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ متون وشروح کی معتبر کتب جیسے قدوری، کنز، ہدایہ، بنایہ، فتح القدیر وغیرہ اسی طرح دیگر کتب معتبرہ میں اس کے مسنون ہونے کا ذکر نہیں ملتا۔

(۲)......صرف متاخرین کی چند کتب میں اس کے مسنون ہونے کا ذکر ملتا ہے ان کے بارے میں بھی یہ صراحت ملتی ہے کہ انہوں نے صاحب مجتبیٰ کی اتباع میں لکھا ہے اور اس مسئلے کو فقہاء نے صاحب مجتبیٰ کے اوہام میں سے قرار دیا ہے۔

(۳)......متاخرین کی کتب میں اعلاء السنن (۳/۱۰، ۴۳) میں رکوع وسجود دونوں میں الصاق الکعبین کے مسنون ہونے کا قول کیا گیا ہے جبکہ خود مصنفؒ نے امداد الاحکام (۱/۷۷۴) میں فتویٰ اس کے برعکس دیا ہے یعنی الصاق الکعبین کے مسنون ہونے کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس مسئلے پر کوئی صحیح وصریح روایت دال نہیں ہے۔ لہٰذا جب مصنف کا اپنا فتویٰ روایت کے مخالف ہے تو ان کی اعلاء السنن والی عبارت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(۴)......امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار (صفحہ ۱۶۶) میں بذریعہ نظر کے الصاق الکعبین کے مسنون ہونے کی تردید کی ہے۔

(۵)......جب تطبیق وتفخیذ بالاتفاق منسوخ ہوگئے تو اب الصاق الکعبین کو مسنون قرار دینا بظاہر بہت مشکل ہے اور خشوع کے خلاف ہے اسی بات کی طرف طحطاوی علی الدر میں اشارہ کیا گیا ہے اس عبارت میں قولہ والصاق کعبیه) حالة الرکوع هذا ان تیسر له والا کیف تیسیر له علی الظاهر۔ (طحطاوی۱/۲۱۳) الغرض مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر راجح یہی ہے کہ الصاق الکعبین رکوع و سجود میں مسنون نہیں ہے۔

لمافی الصحیح للبخاری(۱/۱۰۹): عن ابی یعفور قال سمعت مصعب بن سعد صلیت الی جنب أبی فطبقت بین کفی ثم وضعتهما بین فخذی فنهانی ابی وقال کنا نفعلهٔ فنهینا عنه وامرنا ان نضع ایدینا علی الرکب۔

وفی مصنف ابن أبی شیبة (۲/۱۱۰): عن ابی عبیدة قال: خرج عبدالله من داره الی المسجد واذا رجل یصلی صافاً بین قدمیه فقال عبدالله اماهذا فقد اخطأ السنة ولو راوح بین قدمیه کان احبّ إلی۔

Marfat.com

وفی تقریرات الرافعی (۶۱/۱): (قول الشارح ویسن ان یلصق کعبیه) قال الشیخ ابو الحسن السندی الصغیر فی تعلیقته علی الدر هذه السنة انما ذکرها من ذکرها من المتأخرین تبعاً للمجتبیٰ ولیس لها ذکر فی الکتب المتقدمة کالهدایة وشروحها و کان بعض مشایخنا یری أنها من اوهام صاحب المجتبیٰ ولم ترد فی السنة علی ماوقفنا علیه وکأنهم توهموا ذالك مما ورد أن الصحابة کانوا یهتمون بسدّ الخلل فی الصفوف حتی یضمون الکعاب والمناکب ولا یخفی ان المراد هنا الصاق کعبه بکعب صاحبه لا کعبه مع کعبه الاخر۔قلت ولعل الشیخ أبا الحسن لحظ الی الآثار الواردة فی ان التراوح بین القدمین فی الصلوٰة مطلقا افضل من الصاقهما اهـ۔

(۱۰۰) اگر امام جہراً تکبیر کہنا بھول جائے تو پھر کیا کرے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی امام رکوع میں جاتے وقت یا سجدہ سے اٹھتے وقت جہراً تکبیر کہنا بھول جائے تو اب وہ مقتدیوں کو کس طرح متنبہ کرے گا آیا دوبارہ تکبیر کہے گا یا کوئی اور طریقہ اپنائے گا؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں امام صاحب کو چاہیئے کہ جب بھولی ہوئی تکبیر یاد آجائے تو مقتدیوں کو متنبہ کرنے کیلئے دوبارہ جہراً تکبیر کہہ دے۔

لمافی التاتارخانیة(۷۲۰/۱): ولو ترك تکبیرات الرکوع والسجود وتسبیحاتهما فلا سهو فیهما۔

وفیه ایضا(۴۳۵/۲)لو شك هل کبر؟قیل ان کان فی الرکعة الاولی یعید التکبیر وان کان فی الرکعة الثانیة لا یعید۔

وفی رد المحتار(۲/۱): (قوله وتسمیع) أی اذا ترکه الامام لا یترك المؤتم التحمید۔

(۱۰۱) ''سمع اللہ لمن حمدہ ربنالک الحمد'' کے ساتھ کچھ کلمات بڑھا کر پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک امام مسجد فرض نماز میں رکوع کے بعد قیام میں سمع اللہ لمن حمدہ ربنالک الحمد کے بعد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ پڑھتا ہے تو ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ یہ صحیح نہیں ہے اس طرح کرنے سے ایک رکن کی زیادتی ہوتی ہے اور اس پر سجدہ سہو لازم ہے۔اب پوچھنا یہ ہے کہ مولوی صاحب کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں اور اس امام کا اس طرح کرنے سے نماز میں کوئی اثر تو واقع نہیں ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوهاب......سوال میں مذکورہ کلمات حدیث سے ثابت ہیں۔احناف کے ہاں یہ منفرد کیلئے ہیں۔لہٰذا امام کو چاہیے کہ مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے یہ کلمات نہ پڑھے البتہ اگر یہ کلمات پڑھ لے تو سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا۔

Marfat.com

لمافی شرح الکبیر(ص۳۱۸): (وان کان المصلی مقتدیا) فانه (یأتی بالتحمید) بان یقول اللّٰھم ربنا ولك الحمد او اللّٰھم ربنا لك الحمد او ربنا ولك الحمد او ربنا لك الحمد وافضلیتها علی ترتیبها کذا فی الکافی۔

وفیه ایضاً(ص۳۱۶): (ولا ینبغی للامام ان یطیل التسبیح) أو غیره (علی وجه یمل به القوم) اذا اتی بقدر السنة (لانه) ای التطویل المذکور (سبب التنفیر) عن الجماعة (وانه) ای التنفیر عن الجماعة (مکروه) لانه مؤد الی حرمان المسلمین الثواب الموعود علی الصلوۃ بالجماعة۔

وفی الدر المختار(۱/۵۶۴): یکره تحریما(تطویل الصلاة) علی القوم زائدا علی قدر السنة فی قرائة وأذکار رضی القوم أو لا لإطلاق الأمر بالتخفیف نهر وفی الشرنبلالیة ظاهر حدیث معاذ أنه لایزید علی صلاة أضعفهم مطلقا ولذاقال الکمال إلا لضرورة...اھ

(۱۰۲)رکوع سجدہ میں تسبیح پڑھنے کی مسنون مقدار نیز نماز میں درودِ ابراہیمی کی جگہ کوئی دوسرا مختصر درود پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کے رکوع اور سجود میں عام طور پر کم از کم تین بار سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا جاتا ہے اگر کوئی شخص جلدی میں ہوتو کیا وہ صرف ایک بار یہ تسبیح پڑھ سکتا ہے، کیا اس کی نماز ہو جائے گی نماز میں زیادہ سے زیادہ کتنی بار تسبیح پڑھی جائے گی؟ نماز کی آخری رکعت میں نمازی سلام پھیرنے سے پہلے تین دعائیں پڑھتا ہے پہلے التحیات پھر درود ابراہیمی اور آخر میں ایک دعا، ان امور کے جواب مطلوب ہیں:

(i) کیا آخر میں جو دعا پڑھتا ہے وہ مخصوص ہے یا علماء نے جو چند بتائی ہیں ان میں سے کوئی ایک پڑھ سکتا ہے؟

(ii) اگر ایک شخص جلدی میں ہے تو نماز مختصر کرنے کی نیت سے وہ آخری دعا نہیں پڑھتا اور درود ابراہیمی کے بعد سلام پھیر لیتا ہے کیا اس کی نماز درست ہے؟

(iii) اگر کوئی شخص جلدی کی وجہ سے پورا درود ابراہیمی کے بجائے صرف اللھم صلّ علی محمد و بارک وسلّم پڑھ لے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......رکوع اور سجدے میں تین تین دفعہ تسبیح پڑھنے سے سنت کی ادائیگی ہوجاتی ہے جبکہ منفرد کیلئے کمالِ سنت یہ ہے کہ رکوع اور سجدے میں تسبیح سات یا نو دفعہ پڑھے، البتہ امام تین تین دفعہ تسبیح پڑھنے پر اکتفا کرے اگر مقتدیوں کے اُکتا جانے کا اندیشہ ہو، نیز رکوع یا سجدے میں اگر کوئی شخص ایک ہی دفعہ تسبیح پڑھتا ہے تو ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن نماز ہو جائے گی۔

Marfat.com

(i) آخری قعدہ میں درود شریف پڑھنے کے بعد ہر ایسی دعا پڑھ سکتے ہیں جو کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہو، کوئی خاص دعا متعین نہیں البتہ وہ دعا جو نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تعلیم فرمائی جو کہ صحیح بخاری شریف (۱/ ۱۱۵) میں بھی موجود ہے اس کے پڑھنے کا معمول بنالینا بہتر ہے وہ دعا یہ ہے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْماً کَثِیْراً وَّ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

(ii) آخری قعدہ میں تشہد کا پڑھنا واجب ہے جبکہ درود شریف اور اس کے بعد دعا کا پڑھنا مسنون ہے، آخر میں دعا کا ترک کردینا مکروہ ہے، لیکن نماز ہوجائے گی تاہم اگر کوئی عذر ہو جیسا کہ بیماری وغیرہ تو پھر کوئی حرج نہیں۔

(iii) مذکورہ درود شریف پڑھ لے تو بھی نماز ہوجائے گی البتہ درود ابراہیمی پڑھنا بہتر ہے جو کہ صحیح بخاری ومسلم وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہے۔

لما فی الشامیۃ(۱/۴۹۴): (قولہ کرہ تنزیھا) أی بناء علی أن الامر بالتسبیح للاستحباب بحر... والحاصل أن فی تثلیث التسبیح فی الرکوع والسجود ثلاثۃ اقوال عندنا، ارجحھا من حیث الدلیل الوجوب تخریجا علی القواعد المذھبیۃ، فینبغی اعتمادہ کما اعتمد ابن الھمام ومن تبعہ روایۃ وجوب القومۃ والجلسۃ والطمانینۃ فیھما کما مر وأما من حیث الروایۃ فالأرجح السنیۃ لأنھا المصرح بھا فی مشاھیر الکتب وصرحوا بأنہ یکرہ أن ینقص عن الثلاث وان الزیادۃ مستحبۃ بعد أن یختم علی وتر خمس أو سبع أو تسع مالم یکن اماما فلا یطول وقد منا فی سنن الصلاۃ عن أصول أبي الیسر أن حکم السنۃ أن یندب الی تحصیلھا ویلام علی ترکھا مع حصول اثم یسیر، وھذا یفید أن کراھۃ ترکھا فوق التنزیہ وتحت المکروہ تحریما. وبھذا یضعف قول البحر ان الکراھۃ ھنا للتنزیہ لانہ مستحب وان تبعہ الشارح وغیرہ فتدبر۔

وفی الھدایۃ(۱/۱۱۵): ودعا بما یشبہ الفاظ القرآن والادعیۃ المأثورۃ لما روینا من حدیث ابن مسعود۔

وفی الھندیۃ (۱/۷۶): ومن الادعیۃ المأثورۃ ماروی عن أبي بکر رضی اللہ عنہ انہ قال لرسول اللہ ﷺ علمنی دعاء أدعو بہ فی صلاتی فقال قل اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا وانہ لا یغفر الذنوب الا أنت فاغفر لی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک أنت الغفور الرحیم۔

وفی الشامیۃ(۱/۶۵۳): (قولہ وترک کل سنۃ ومستحب) السنۃ قسمان: سنۃ ھدی وھی المؤکدۃ۔ وسنۃ زوائد۔ والمستحب غیرہ وھو المندوب، اوھما قسمان وقد یطلق علیہ سنۃ. وقدمنا تحقیق ذلک کلہ فی سنن الوضوء۔ قال فی البحر عند قولہ وعلی بساط فیہ تصاویر: الحاصل أن

Marfat.com

السنة ان كانت مؤكدة قوية لايبعد كون تركها مكروها تحريما، وان كانت غير مؤكدة فتركها مكروه تنزيها، وأما المستحب او المندوب فينبغي أن يكره تركه أصلا... الخ۔

وفی الشامية (۱/۵۱۲): (قوله وصل على النبی ﷺ) قال فی شرح المنية: والمختار فی صفتها مافی الكفاية والقنية والمجتبی قال: سئل محمد عن الصلاة على النبی ﷺ فقال يقول: اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد، وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد وهی الموافقة لمافی الصحيحين وغيرهما الخ۔

(۱۰۳) سجدہ میں زمین پر پاؤں رکھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ سجدہ میں سات اعضاء کا زمین پر لگنا ضروری ہے جن میں پاؤں بھی شامل ہیں۔ آجکل بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ سجدہ کی حالت میں ان کے دونوں پاؤں زمین سے اوپر اٹھے ہوتے ہیں، کیا ان لوگوں کی نماز صحیح ہو جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... جن حضرات کے حالتِ سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اوپر اٹھے ہوتے ہیں ان کی نماز درست نہیں ہوتی اس لئے کہ وضع القدمین واجب ہے البتہ دونوں پاؤں میں سے کسی ایک کا کوئی جز بقدر تسبیحہ واحدہ رکھنا صحت صلاۃ کیلئے کافی ہے، پس اگر پورے سجدہ میں بقدر ایک تسبیح کے دونوں پاؤں میں سے کسی کا کوئی جز زمین پر رکھ لیا تو واجب ادا ہو جائے گا اگر اتنی مقدار بھی نہیں رکھا تو ترک واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ واضح رہے کہ صرف ایک قدم کو زمین پر بغیر عذر رکھنا مکروہ ہے۔

لمافی شرح العينی (۱/۳۰): الخامس السجود لقوله تعالى اركعوا واسجدوا وفی حاشية العينی السجود بجبهته وقدميه ووضع اصبع واحدة شرط۔

الخامس تعديل الاركان وهو تسكين الجوارح فی الركوع والسجود حتى تطمئن مفاصله وادناه مقدار تسبيحة وفی حاشية العينی ای تسكين الجوارح فی الركوع والسجود بقدر تسبيحة۔

وفی فتح القدير (۱/۳۰۵): وأما افتراض وضع القدم فلأن السجود مع رفعهما بالتلاعب أشبه منه بالتعظيم والاجلال، ويكفيه وضع اصبع واحدة وفی الوجيز وضع القدمين فرض فإن وضع إحداهما دون الاخرى جازويكره۔

وفی الشامية (۱/۴۴۷): لو لم يضع شيئاً من القدمين لم يصح السجود۔

وفی الدر المختار (۱/۴۶۴) (وتعديل الاركان) أی تسكين الجوارح قدر تسبيحة فی الركوع

Marfat.com

والسجود وكذا فى الرفع منهما۔

وفى الشامية(۱/۵۰۴): وان ابن اميرحاج رجح فى الحلية الثانية وصرح هنا بأن توجيه الاصابع نحو القبلة سنة فثبت ماقدمناه من ان الخلاف السابق فى اصل الوضع لافى التوجيه وأن التوجيه سنة عندنا قولا واحداً... ويؤيد ماقلناه أن المحقق ابن الهمام قال فى زاد الفقير ومنها: اى من سنن الصلاة توجيه اصابع رجليه الى القبلة الخ۔

(۱۰۴) مقتدی نے ابھی رکوع یا سجدہ کی تسبیحات ختم نہیں کیں کہ امام نے سر اٹھالیا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مقتدی نے ابھی تین تسبیحات پوری نہیں پڑھی تھیں کہ امام نے رکوع سے یا سجدے سے سر اٹھالیا تو مقتدی ساتھ ہی سر اٹھائے یا تین تسبیحات پوری کرنے کے بعد اٹھائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مقتدی پر تین تسبیحات پوری کرنی ضروری نہیں بلکہ امام کی متابعت ضروری ہے اس لئے کہ امام کی متابعت فرض ہے۔

لمافى قاضيخان(۱/۴۷): ولو رفع الامام رأسه من الركوع او السجود قبل ان يسبح المقتدى ثلاثاً تكلموا فيه والصحيح انه يتابع الامام لأن متابعة الامام فرض فلا يتركها بالسنة...الخ۔

وفى الهندية(۱/۹۰): ولو رفع الامام رأسه من الركوع أو السجود قبل ان يسبح المقتدى ثلاثاً الصحيح انه يتابع الامام...الخ۔

(۱۰۵) فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورت ملانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر نمازی فرض میں تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد اگر کوئی سورۃ ملالے تو آیا اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......فرض نماز کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملانے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔

لمافى الهندية(۱/۱۲۶): ولو قرأ فى الأخريين الفاتحة والسورة لايلزمه السهو وهو الأصح۔

وفى الدر المختار(۱/۵۱۱): (واكتفى) المفترض (فيما بعد الأوليين بالفاتحة) فإنها سنة على الظاهر ولو زاد لابأس به۔

وفى الشامية تحته : (قوله ولو زاد لابأس) أى لو ضمّ اليها سورة لابأس به لأن القرائة فى

Marfat.com

الأخريين مشروعة من غير تقدير۔

(۱۰۶) قعدہ اولیٰ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قعدہ اولیٰ میں بیٹھنا واجب ہے یا نہیں؟ میرا ایک دوست ہے جس نے تبلیغی جماعت میں بھی وقت لگایا ہے وہ کہتا ہے کہ سنت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......قعدہ اولیٰ واجب ہے۔آپ کے دوست کو مغالطہ ہوا ہے اور اس طرح بلا تحقیق شرعی احکام کو بیان نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے معاشرے میں دینی مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

وفی الهندية(۱/۷۱): وتجب القعدة الاولیٰ قدر التشهد اذا رفع راسه من السجدة الثانية فی الركعة الثانية فی ذوات الاربع والثلاث هو الاصح هكذا فی الظهيرية۔

وفی الدر المختار (۱/۴۶۵):(والقعود الاوّل) ولو فی نفل فی الأصح وكذا ترك الزيادة فيه على التشهد وأراد بالأول غير الاخير۔

(۱۰۷) تشہد میں اشارہ بالسّبابہ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ کا کیا حکم ہے؟ ہمارے محلے میں ایک امام صاحب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنا بدعت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز کے اندر تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنا بدعت نہیں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

لمافي سنن أبي داؤد(۱/۱۴۲): عن عبدالله بن الزبير انه ذكر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم كان يشير باصبعه اذا دعا ولا يحركها۔

وفی الدر المختار(۱/۵۰۸،۵۰۹): وشيخ الاسلام الجد وغيرهم انه يشير لفعله عليه الصلاة والسلام ونسبوه لمحمد والامام بل فی متن درر البحار وشرحه غرر الاذكار المفتی به عندنا انه يشير باسطا اصابعه كلها وفی الشرنبلالية عن البرهان الصحيح انه يشير بمسبحته وحدها يرفعها عند النفی ويضعها عند الاثبات واحترز بالصحيح عما قيل لايشير لانه خلاف الدراية والرواية وبقولنا بالمسبحة عما قيل يقعد عند الاشارة وفی العينی عن التحفة الاصح انها مستحبة۔

وفی الشامية (۱/۵۰۹): وفی القهستانی: وعن اصحابنا جميعاً انه سنة فيحلق ابهام اليمنی ووسطها

Marfat.com

ملصقا رأسها برأسها ويشير بالسبابة فهذه النقول كلها صريحة بان الاشارة المسنونة انما هي على كيفية خاصة الخ۔

(۱۰۸)''اشارہ بالسبابة فی الصلوٰۃ''عندالاحناف مکروہ ہے یاسنت؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ احادیث مبارکہ سے نماز کے اندر تشہد کی حالت میں انگلی سے اشارہ کرنے کا جواز بلکہ سنیت واضح طور پر ثابت ہے اور احناف رحمہم اللہ بھی اس کے قائل ہیں لیکن احناف پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ''خلاصہ کیدانی''والے نے اس کو مکروہ لکھا ہے، پھر جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس کتاب کے مصنف معلوم نہیں لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے مگر سوال یہ ہے کہ فتاویٰ سراجیہ نے بھی''اشارہ بالسبابہ''کو مکروہ لکھا ہے، چنانچہ لکھا ہے (صفحہ:۱۱): ويكره ان يشير بالسبابة فی الصلوة عند قوله''اشهد ان لا إله الا الله''وهو المختار۔

اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ کیا احناف کی دیگر کتابوں میں بھی اس طرح حوالہ ملتا ہے یا نہیں، اگر ہے جیسا کہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے تو احناف کی دیگر کتابوں نے اس کا کوئی جواب یا رد لکھا ہے یا نہیں؟ فقط واللہ اعلم اللہ تعالیٰ

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں فتاویٰ سراجیہ کے علاوہ احناف کی دیگر کتابوں میں بھی نماز کے اندر حالت تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کی کراہت کا قول موجود ہے۔لیکن ائمہ احناف کے متاخرین حضرات (علامہ عینی، علامہ ابن ہمام، علامہ سید احمد طحطاوی، علامہ شامی رحمہم اللہ) اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ کراہت کا قول روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے۔ ہمارے ہاں مفتی بہ قول جواز اور سنت کا ہے۔

لمافی حاشية الطحطاوی علی المراقی (ص۲۶۹): (و) تسن (الاشارة فی الصحيح) لانه صلى الله عليه وسلم رفع اصبعه السبابة وقد أحناها شيئا ومن قال انه لا يشير أصلا فهو خلاف الرواية والدراية۔

وقال الطحطاوی رحمه الله تحته: (قوله فهو خلاف الرواية) لانه روى عن عدة اخبار منها ما أخرجه ابن السكن فی صحيحه عن ابن عمر...... (قوله والدراية) لان الفعل يوافق القول فكما ان القول فيه النفی والاثبات يكون الفعل كذلك

وفی الشامية (۱/۵۰۹): وعن كثير من المشائخ لايشير اصلا وهو خلاف الدراية والرواية فعن محمد ان ما ذكر فی كيفية الاشارة قول أبي حنيفة ومثله فی فتح القدير۔ وفی القهستانی: وعن اصحابنا جميعا انه سنة......وهذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبی صلى الله عليه وسلم بالاحاديث الصحيحة ولصحة نقله عن ائمتنا الثلاثة فلذا قال فی الفتح ان الأول خلاف الدراية والرواية۔

وفی الموطا للامام محمد (ص۱۰۸): عن علی ابن عبدالرحمن المعاوی انه قال رانی عبد الله بن عمر

Marfat.com

وانا اعبث بالحصى فی الصلوة فلما انصرفت نهانی وقال اصنع كما كان رسول الله ﷺ يصنع فقلت كيف كان رسول الله ﷺ يصنع قال كان رسول الله ﷺ اذا جلس فی الصلوة وضع كفه اليمنى على فخذه اليمنى وقبض اصابعه كلها واشارباصبعه التي تلى الابهام ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى قال محمد وبصنيع رسول الله ﷺ ناخذ وهو قول ابي حنيفة رحمه الله۔

وفی حاشية للامام الهمام ابی الحسنات محمد عبدالحی اللكنوی۔

(قوله وهو قول ابي حنيفة)... وقد ذكر ابن الهمام فی فتح القدير والشمنی فی شرح النقاية وغيرهما انه ذكر ابو يوسف رحمه الله فی الامالی مثل ما ذكر محمد فظهر ان اصحابنا الثلثة اتفقوا على تجويز الاشارة لثبوتها عن النبی ﷺ واصحابه بروايات متعددة وطرق متكثرة لا سبيل الى انكارها ولا الى ردها وقد قال به غيرهم من العلماء حتى قال ابن عبدالبر انه لا خلاف فی ذلك والى الله المشتكى من صنيع كثير من اصحابنا من اصحاب الفتاوى كصاحب الخلاصة والبزازية والكبرى و العتابية والغياثية والولوالجية وعمدة المفتي والظهيرية وغيرها حيث ذكروا ان المختار هو عدم الاشارة بل ذكر بعضهم انها مكروهة والذى حملهم على ذلك سكوت ايمتنا عن هذه المسالة فی ظاهر الرواية ولم يعلموا انه قد ثبت عنهم بروايات متعددة ولا انه ورد فی احاديث متكثرة فالحذر الحذر من الاعتماد على قولهم فی هذه المسالة مع كونه مخالفا لما ثبت عن النبی ﷺ واصحابه بل وعن ايمتنا ايضاً بل لوثبت عن ايمتنا التصريح بالنفی وثبت عن رسول الله ﷺ واصحابه الاثبات لكان فعل الرسول واصحابه احق والزم بالقبول فكيف وقد قال به ايمتنا ايضاً۔

(۱۰۹) تشہد میں انگلی اٹھانے کا مسنون طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ تشہد میں انگلی اٹھانے کی کیفیت، طریقہ اور اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟ پھر اسکو ہلاتے رہنا چاہیئے یا نہیں؟ نیز کب اٹھانا چاہیئے اور کب رکھنا چاہیئے؟ آخر میں یہ بھی بتادیں کہ یہ طریقہ کسی حدیث شریف میں مذکور ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......تشہد میں انگلی اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نمازی کلمہ شہادت پر پہنچتے وقت چھنگلی اور اس سے ملحقہ انگلی بند کرلے اور درمیانی انگلی کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی ''لا الہ'' پر اٹھائے اور ''الا اللہ'' پر چھوڑ دے مگر حلقہ کی ہیئت کو آخر تک باقی رکھے......مذکورہ بالا طریقہ سنت ہے اور یہ طریقہ ابن ماجہ کی حدیث (ص ۶۵) اور ابوداؤد کی حدیث (۱/ ۱۴۲)

Marfat.com

میں مذکور ہے۔ نیز انگلی کو اٹھانے کے بعد ہلاتے رہنا مکروہ ہے، جو کہ نماز کے اندر سکون ووقار کے خلاف ہے جبکہ نماز میں سکون مطلوب ہے۔

لمافی سنن ابی داؤد(۱/۱۴۲):عن عبدالله بن الزبیرانه ذکرأن النبی ﷺ کان یشیرباصبعه اذا دعا ولا یحرکها۔

وفی اعلاء السنن(۳/۱۱۲):قال الطحطاوی فی حاشیته علی مزاقی الفلاح:قوله،وتسن الاشارة،أی من غیرتحریك فانه مکروه عندنا۔

وفی رسائل ابن عابدین(۱/۱۳۴): والصحیح المختار عند جمهور اصحابنا انه یضع کفیه علی فخذیه ثم عند وصوله الی کلمة التوحید یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطی والإبهام ویشیر بالمسبحة رافعا لها عند النفی وواضعا لها عند الاثبات ثم یستمر علی ذلك الخ۔

(۱۱۰) تشہد میں انگلیوں کا حلقہ کب تک بنائے رکھا جائے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حالتِ تشہد میں اشارہ بالسبابہ کے وقت انگلیوں کا جو حلقہ بنایا جاتا ہے یہ کس وقت تک رکھنا چاہیئے، اشهد ان محمدعبده ورسوله پر ختم کردینا چاہیئے یا اخیر سلام تک رکھنا چاہیئے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......حالتِ تشہد میں اشارہ بالسبابہ کے وقت انگلیوں کا جو حلقہ بنایا جاتا ہے وہ تشہد کے بعد اخیر سلام تک اسی طرح برقرار رکھنا چاہیئے۔

لمافی رسائل ابن عابدین(۱/۱۲۷): وروی عن أئمتنا الثلاثة ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد انه یشیر عند التشهد وانه یعقد اصابعه علی مامر من اختلاف الکیفیة وظاهر کلامهم انه لا ینشرها بعد العقد بل یبقیها کذلك لان المذکور فی هذه الروایة العقد ولم یذکروا النشر بعده، ورجح المتأخرون هذه الروایة لتأیدها بالمروی عن نبی الله ﷺ۔

وفی رسائل ابن عابدین(۱/۱۳۴): والصحیح المختار عند جمهور اصحابنا انه یضع کفیه علی فخذیه ثم عند وصوله الی کلمة التوحید یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطی والابهام ویشیر بالمسبحة رافعا لها عند النفی وواضعاً لها عند الاثبات ثم یستمر علی ذلك لانه ثبت العقد عند الاشارة بلاخلاف ولم یوجدأمر بتفییره فالأصل بقاء الشئ علی ماهو علیه واستصحابه الی اخر أمره۔

Marfat.com

(۱۱۱) شہادت کی انگلی نہ ہونے کی صورت میں دوسری انگلی سے اشارہ کرنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی کی شہادت کی انگلی نہیں ہے تو تشہد میں شہادت کے دوران کونسی انگلی اٹھائے گا یا نہیں اٹھائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر کسی کی شہادت کی انگلی نہیں ہے تو وہ تشہد میں شہادت کے وقت کوئی دوسری انگلی نہ اٹھائے۔

لمافی الفقه الاسلامی(۷۱۵/۱): بحيث تكون رؤوس أصابعهما على الركبتين ورفع الاصبع السبابة من اليمنى فقط عند الشهادة فی التشهد۔

وفی حاشية الطحطاوی(۲۲۴/۱): (قوله أنه يشير) بيان لما فی قوله ماصححه۔(قوله المفتی به عندنا أنه يشير) ای بمسبحته ای وحدها۔

وفی الدر المختار(۵۰۹/۱): الصحيح أنه يشير بمسبحته وحدها يرفعها عند النفی ويضعها عند الاثبات۔

قال الشامی تحته: (قوله بمسبحته وحدها) فيكره أن يشير بالمسبحتين كما فی الفتح وغيره۔

(۱۱۲) امام مقتدی کے درود شریف پڑھنے سے قبل سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تراویح میں امام کے پیچھے تراویح پڑھی جاتی ہے جب التحیات پر بیٹھتے ہیں تو پیچھے والے درود تک پڑھتے ہیں اور امام صاحب سلام پھیر دیتے ہیں یہ پورا کرنا چاہیئے یا امام کے ساتھ سلام پھیر دینا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اس صورت میں آپ کو امام کے ساتھ سلام پھیر دینا چاہیئے۔

وفی الھندية (۹۰/۱): ولو سلم الامام قبل ان يفرغ المقتدی من الدعاء الذی يكون بعد التشهد أو قبل أن يصلی على النبی ﷺ فانه يسلم مع الامام۔

(۱۱۳) مقتدی کا التحیات کے شروع میں اور ہر رکن میں بسم اللہ پڑھنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کل عشاء کی نماز میں میرے برابر ایک معمر نمازی تھے۔ جب امام صاحب نے قعدۂ اولیٰ کیا تو انہوں نے التحیات الخ پڑھنے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی، کیا اس طرح کرنے سے نماز میں کچھ حرج تو نہیں ہوتا؟ اور ہر رکن میں اگر بسم اللہ پڑھی جائے تو شرعاً یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... مذکورہ صورت میں معمر شخص کی نماز درست ہے اور اس پر مقتدی ہونے کی وجہ سے سجدہ سہو بھی

Marfat.com

نہیں، البتہ رکوع، سجود اور تشہد کے شروع وغیرہ میں جو قرأت کا محل نہ ہو، قرأت نہ کرنی چاہیئے کیونکہ اس سے تاخیر واجب یا تاخیر رکن لازم آتا ہے جس سے سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ بسم اللہ صرف ہر رکعت کے شروع میں سنت ہے اور ہر رکن میں اس کا پڑھنا کہیں بھی ثابت نہیں لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لما في الهندية(۱/۱۲۷): وذكر هنالك اذا بدأ في موضع التشهد بالقرائة ثم تشهد فعليه السهو ولو بدأ بالتشهد ثم بالقراءة فلا سهو عليه۔

وفي الشامية(۲/۸۱): (قوله وتأخير قيام الخ) أشار إلى أن وجوب السجود ليس لخصوص الصلاة على النبي ﷺ بل لترك الواجب وهو تعقيب التشهد للقيام بلا فاصل حتى لوسكت يلزمه السهو كما قدمناه في فصل اذا أراد الشروع، قال المقدسي وكما لوقرأ القرآن هنا أو في الركوع يلزمه السهو مع أنه كلام الله تعالى، وكما لو ذكر التشهد في القيام مع أنه توحيد الله تعالى۔

(۱۱۴) نماز کے درود میں لفظِ سیدنا کا اضافہ اور مختلف ارکان میں دعائیں پڑھنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز میں پڑھے جانے والے درود شریف میں لفظ محمد سے پہلے سیدنا کا اضافہ کرنا درست ہے؟ نیز ادعیہ ماثورہ جو کہ مختلف ارکان میں پڑھی جاتی ہیں کیا فرضوں میں ان کا پڑھنا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... نماز میں پڑھے جانے والے درود شریف میں لفظ ''محمد'' اور لفظ ''ابراہیم'' (علیہما الصلاۃ والسلام) سے پہلے سیدنا کا اضافہ کرنا افضل ہے اور ادعیہ ماثورہ فرض نماز کے مختلف ارکان میں امام کو نہ پڑھنا چاہیئے اس لئے کہ امام کو تخفیف (ہلکی) نماز پڑھانے کا حکم دیا گیا ہے البتہ منفرد کیلئے ان ادعیہ ماثورہ کا نماز کے مختلف ارکان میں پڑھنا درست ہے چاہے نماز فرض ہو یا نفل۔

لما في الهندية (۱/۸۷): وينبغي للإمام أن لايطول بهم الصلاة بعد القدر المسنون وينبغي له أن يراعي حال الجماعة هكذا في الجوهرة النيرة۔

وفي الطحطاوي (۱/۲۲۶): (قوله وندب) يحتمل أن يقرأ بصيغة المصدر عطفاً على فاعل صح أو بصيغة المجهول وظاهر الشرح طلبها في نبينا و أبيه الخليل عليهما الصلاة والسلام لاشتراكهما فيها وصيغة الصلاة على هذا ''اللهم صل على سيدنا محمد وعلى آل سيدنا محمد كما صليت على سيدنا ابراهيم وعلى آل سيدنا ابراهيم في العالمين انك حميد مجيد وبارك على سيدنا محمد وعلى آل سيدنا محمد كما باركت على سيدنا ابراهيم وعلى آل سيدنا ابراهيم في العالمين انك حميد مجيد وترحم على سيدنا محمد وعلى آل سيدنا محمد كما ترحمت على سيدنا ابراهيم وعلى آل

Marfat.com

سیدنا ابراهیم فی العالمین انك حمید مجید ولا یخفی أن هذه الزیادة مستحبة حلبی بزیادة (قوله لان زیادة الاخبار) الاولی حذف زیادة (قوله نقله الرملی) فیه أنه لیس من أهل المذهب۔

وفی الدر المختار(۱/۵۱۴،۵۱۳): وندب السیادة لأن زیادة الاخبار بالواقع عین سلوك الأدب فهو أفضل من ترکه ذکره الرملی الشافعی وغیره ومانقل لا تسودونی فی الصلاة فکذب و قولهم لا سیدونی بالیاء لحن أیضا والصواب بالواو۔

وفی الشامیة تحته : (قوله ذکره الرملی الشافعی) ای فی شرحه علی منهاج النووی ونصه: والأفضل الإتیان بلفظ السیادة کما قاله ابن ظهیریة وصرح به جمع وبه أفتی الشارح لأن فیه الاتیان بما أمرنا به وزیادة الاخبار بالواقع الذی هو أدب فهو أفضل من ترکه وإن تردد فی أفضلیته الأسنوی، وأما حدیث ''لاتسیدونی فی الصلوٰة' فباطل لا أصل له کما قاله بعض متأخری الحفاظ وقول الطوسی إنها مبطلة غلط واعترض بأن هذا مخالف لمذهبنا لما مر من قول الإمام من أنه لوزادفی تشهده أو نقص فیه کان مکروهاً قلت فیه نظر فإن الصلاة زائدة علی التشهد لیست منه نعم ینبغی علی هذا عدم ذکرها فی وأشهد أن محمداً عبده ورسوله وأنه یأتی بها مع ابراهیم علیه السلام (قوله لحن أیضاً) ای مع کونه کذباً (قوله والصواب بالواو) لأنه واوی العین من سادیسود۔

(۱۱۵) نماز میں سلام پھیرنے کی کیفیت

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ نماز میں سلام پھیرتے وقت چہرہ قبلہ کی جانب ہو، اور دلیل میں ''تلقاء وجہہ'' والی روایت پیش کرتا ہے۔ آیا زید کا یہ قول درست ہے اگر نہیں تو سلام پھیرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز میں سلام کی ابتداء چونکہ قبلہ رخ ہی ہوتی ہے اور یہی حال دوسرے سلام کا ہے، باقی راوی کا سلام کو تلقاء وجہہ سے تعبیر کرنا بیانِ حال کیلئے ہے کہ عموماً جیسے پہلا سلام کرتے وقت رخ قبلہ جانب ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرے سلام میں بھی لفظ ''السلام علیکم'' کے وقت عموماً رخ خودبخود قبلہ جانب ہوجاتا ہے۔ نیز تکلفات میں پڑنا مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔ خصوصاً عوام الناس کیلئے اور یہ ایسا اختلافی مسئلہ بھی نہیں کہ صحت وفساد صلاۃ اس پر موقوف ہوں لہٰذا بحث ومباحثہ سے گریز کرنا بہتر ہے۔

لمافی معارف السنن(۳/۱۱۰): وتاوّل فیه بعض المتاوّلین بان البداء ة کان به من تلقاء الوجه ممتداً به إلی الیمین و مثله ذکره فی الکوکب الدری، ولا ادری لمن هو؟ ولعله یرید ان المقصود

Marfat.com

بیان کیفیة السلام هکذا لابیان العدد، والکیفیة هذه من ابتداء تلقاء الوجه وانتہائه فی جانب الیمین، ذکره فی المجموع والمغنی وهو المعمول به عندنا۔

(۱۱۶) دعا کرتے وقت ہاتھ کیسے اور کہاں تک اٹھانے چاہئیں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ مطلقاً دعا کرتے وقت خواہ نماز کے بعد ہو یا تلاوت کے بعد جب بھی کوئی دعا مانگے تو ہاتھ کاندھوں تک سیدھے سامنے رکھے اور دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں ملالے، یہی طریقہ مسنون ہے، اس کے برعکس عمر کہتا ہے کہ ہتھیلیوں کو ملائے نہ رکھے بلکہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تین انگل کا فاصلہ رکھے، کونسا طریقہ صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... بوقت دعا دونوں ہتھیلیوں کے درمیان فاصلہ مستحب اور راجح ہے لیکن دونوں ہاتھ ملا کر بھی دعا کرنے کی اجازت ہے، کیونکہ دونوں طریقے منقول ہیں۔ہم دونوں طریقوں سے متعلق احادیث ذکر کرتے ہیں۔

حسب ذیل احادیث سے بوقت دعا دونوں ہاتھوں کو ملا کر رکھنے کی تائید ہوتی ہے۔

لما فی مجمع الزوائد(۱۰/۱۶۹): عن انس بن مالك رضی الله عنه قال رفع رسول الله ﷺ یدیه بعرفة یدعو فقال اصحاب النبی ﷺ هذا الابتهال ثم حاصت الناقه ففتح احدی یدیه فاخذها وهو رافع الاخری رواه البزار والطبرانی فی الاوسط بنحوه الا انه قال فرفع یدیه فسقط زمام الناقه فتناوله ورفع یدیه وزاد هذا الابتهال والتفرع ورجال البزار رجال الصحیح غیر احمد بن یحییٰ الصوفی وهو ثقه ولکن لاعمش لم یسمع من انس رضی الله تعالیٰ عنه۔

وعن سلمان رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ مارفع قوم اکفهم الی الله عزوجل یسئلونه شیئاً الا کان حقا علی الله ان یضع فی ایدیهم ماسألوا قلت له حدیث فی السنن غیر هذا رواه الطبرانی ورجاله رجال الصحیح۔

وفی مرقاة المفاتیح(۵/۴۷): وقدوردانه ﷺ فی الدعا یوم عرفة جمع بین کفیه وجعلهما مقابل صدره کاستطعام المسکین(قال الحافظ نور الدین رحمه الله علیه فی مجمع الزوائد) ''رواه الطبرانی فی الاوسط وفیه الحسین بن عبدالله بن عبید الله وهو ضعیف'' قال ملا علی قاری فی المرقاة (۵/۴۴) ان الضعیف حجة فی الفضائل اتفاقا۔

حسب ذیل عبارات سے فرجہ بین الیدین کے استحباب کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔

لما فی حاشیة الطحطاوی علی المراق(ص۲۵۷): وفی النهر من فعل کیفیته المستحبة ان یکون بین الکفین فرجة وان قلت الخ۔ لکن فی شرح الحصن الحصین والظاهر ان من الادب ایضا

Marfat.com

ضم اليدين وتوجيه اصابعهما نحوالقبلة وفى شرح المشكوة وردانه ﷺ يوم عرفة جمع بين كفيه فى الدعاء وان اريد بالضم فى الكلام القرب التام لا ينافى وجود الفرجة القليلة، واما قوله جمع بين كفيه لاينا فيه ايضاً لان المعنى جمع بينهما فى الرفع ولم يفرد احدهما به۔

وفى الهندية(۵/۳۱۸): والافضل فى الدعاء ان يبسط كفيه ويكون بينهما فرجة وان قلت... والمستحب ان يرفع يديه عند الدعاء بحذاء صدره كذا فى القنية۔

وفى الشامية(۱/۵۰۷): (فيبسط يديه) حذاء صدره (نحو السماء) لانها قبلة الدعاء ويكون بينهما فرجة ''وايضاً فى رد المحتار (قوله ويكون بينهما فرجة) أى وان قلت قنية۔

(۱۱۷) مردوں اورعورتوں کی نمازوں میں فرق

سوال.....کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے میں ایک قاری صاحب فرماتے ہیں کہ عورتیں مردوں کے طریقہ نماز کی طرح نماز پڑھ سکتی ہیں۔توکیااس قاری صاحب کی بات درست ہے؟ یاعورتوں اور مردوں کے طریقہ نماز میں فرق ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......احادیث مبارکہ اور عبارات فقہ کی رو سے مردوں اورعورتوں کی نمازوں میں مکمل طور پر یکسانیت نہیں ہے۔ بلکہ بعض مواقع پرعورتوں کی نماز مردوں سے مختلف ہے۔مثلاً (۱)۔تکبیر تحریمہ کے وقت عورتیں کاندھوں تک ہاتھ اٹھائیں گی۔جبکہ مرد کانوں تک اٹھاتے ہیں۔(۲)۔عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں گی،جبکہ مرد زیرِ ناف باندھتے ہیں۔(۳)۔رکوع میں عورتوں کیلئے مکمل جھکنا ضروری نہیں جبکہ مرد خوب جھکتے ہیں۔(۴)۔سجدے میں عورتوں کیلئے رانوں کو پیٹ سے اور ہاتھوں کو بغلوں سے ملانے کا حکم ہے جبکہ مرد جدا رکھتے ہیں۔(۵)۔قعدہ میں عورتیں سرین کے بل بیٹھیں گی جبکہ مرد بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہیں۔(۶)۔اسی طرح عورتیں الگ جماعت نہیں کراسکتیں اگر کرالیں تو ان کی امام کو صف اول کے بیچ میں ہی کھڑا ہونا ہوگا۔

الحاصل.....عورتیں نماز میں وہ طریقہ اختیار کریں گی کہ جو حالت ستر کے زیادہ قریب ہو۔

لمافى الشامية(۱/۵۰۴): (قوله وحررنا فى الخزائن الخ) وذلك حيث قال تنبيه ذكر الزيلعى أنها تخالف الرجل فى عشر وقد زدت اكثر من ضعفها۔ ترفع يديهاحذاء منكبيها۔ ولا تخرج يديها من كميها۔ وتضع الكف على الكف تحت ثديها۔ وتنحنى فى الركوع قليلا ولا تعقد ولا تفرج فيه أصابعها بل تضمها وتضع يديها على ركبتيها ولا تحنى ركبتيها۔ وتنضم فى ركوعها وسجودها۔ وتفترش ذراعيها۔ وتتورك فى التشهد وتضع فيه يديها تبلغ رؤوس أصابعها ركبتيها۔ وتضم فيه أصابعها۔ واذا نابها شيئ فى صلاتها تصفق ولا تسبح۔ ولا تؤم الرجل وتكره جما عتهن ويقف

Marfat.com

الامام وسطهن ويكره حضورها الجماعة وتؤخر مع الرجال ولا جمعة عليها۔ لكن تنعقد بها۔ ولا عيد ولا تكبير تشريق۔ ولا يستحب أن تسفر بالفجر ولا تجهر فی الجهرية بل لوقيل بالفساد بجهرها لامكن بناء على ان صوتها عورة۔

(۱۱۸) عورتوں کی نماز کے طریقے کا احادیث سے ثبوت

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حنفی عورتیں جس طرح نماز پڑھتی ہیں اس کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر اس طریقے کا ثبوت احادیث سے ہے تو ان احادیث کو پیش کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... بعض لوگوں کا حنفی عورتوں کی نماز کے طریقے پر اعتراض کرنا کہ یہ طریقہ احادیث سے ثابت نہیں، درست نہیں ہے اس لئے کہ حنفی عورتوں کی نماز کا طریقہ احادیث طیبہ سے ثابت ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ عورتیں نماز میں ہاتھ سینے کے برابر اٹھاتی ہیں جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ (۴۲۱/۱) میں علامہؒ نے روایت ذکر کی ہے: عن عبد ربه بن زيتون قال رأيت ام الدرداء ترفع يديها حذو منكبيها حين تفتتح الصلوة... الخ اور اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ اعلاء السنن کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے اور صراحتاً اس سے ہاتھوں کا سینے کے برابر اٹھانا ثابت ہو رہا ہے، عن وائل بن حجر رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ يا ابن حجر اذا صليت فاجعل يديک حذاء اذنيک والمرأة تجعل يديها حذاء ثدييها (اعلاء السنن، ۱۸۱/۲، بحواله مجمع الزوائد)

اسی طرح عورت کی نماز میں سب سے زیادہ ستر کا خیال رکھا جاتا ہے لہٰذا جو طریقہ سب سے زیادہ ستر کا باعث ہو، اسی کے مطابق پڑھے یہ طریقہ کنز العمال کی روایت سے ثابت ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً اذا جلست المرأة فی الصلوة وضعت فخذها على فخذها الاخرىٰ فاذا سجدت الصقت بطنها فی فخذيها كاستر مايكون لها، (كنز العمال، ۵۴۹/۷) یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس طریقہ کے مطابق نماز میں ستر زیادہ ہو عورت اسی طرح سے نماز پڑھے، اس وجہ سے نماز میں ہاتھ باندھتے وقت بھی اس کا خاص خیال رکھا جائے گا اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ عورت سینے کے اوپر ہاتھ رکھے چنانچہ صاحب اعلاء السنن فرماتے ہیں، فقلنا به فی هذه الحالة فی حق الرجل بخلاف المرأة فانها تضع على صدرها لانه استر لها فيكون فی حقها أولىٰ... الخ۔ (اعلاء السنن، ۱۹۹/۲) لہٰذا اس صورت میں استر یہ ہے کہ عورت حالت قیام میں ہاتھ سینے کے اوپر رکھے، مذکورہ روایت پر اسی صورت میں عمل کرنا ممکن ہے نیز مذکورہ روایت کی تائید روایت تصفیق سے بھی ہوتی ہے جس میں عورت کو تصفیق کا حکم ہے جیسا کہ جامع الترمذی کی صحیح روایت میں ہے: عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ التسبيح للرجال والتصفيق للنساء... الخ (جامع الترمذی، ۸۵/۱) اس حکم کی علت اور بناء ستر پر ہے کہ عورت ہر حال میں ستر کا لحاظ کرے گی اس لئے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ حالت رکوع میں بھی اس علت کی وجہ سے عورت زیادہ نہ جھکے گی اس لئے کہ زیادہ جھکنے کی

Marfat.com

صورت میں ستر کا لحاظ نہیں ہوتا لہٰذا رکوع میں صرف گھٹنوں پر ہاتھ رکھے گی اور انگلیاں مردوں کی طرح کھول کر نہیں رکھے گی۔ قال العلامة ابن عابدين علیہ الرحمہ (وإلصاق كعبيه) أي حيث لا عذر (قوله للرجل) اى سنة للرجل فقط وهذا قيد للأخذ والتفريج لأن المرأة تضع يديها على ركبتيها وضعاً ولا تفرج أصابعها (ردالمحتار، ۱/۴۷۶، ط ایچ ایم سعید) اس عبارت سے عورت کے رکوع کی کیفیت استر معلوم ہوتی ہے۔ کنز العمال کی روایت میں بھی صراحت کے ساتھ منقول ہے، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ... اذا سجدت... کاستر مایکون لها اس بناء پر اس کو استر طریقہ سے نماز کی پابندی کا حکم ہے۔

اسی طرح سجدہ بھی اس طریقہ سے کرے گی جس سے زیادہ ستر پوشی ہو مثلاً عورت اپنے پورے جسم کو سمیٹ لے اور جسم کے بعض اعضاء کو دوسرے اعضاء کے ساتھ ملا لے، کہنیوں کو پہلوؤں کے ساتھ اور رانوں کو پیٹ کے ساتھ ملا لے اور مرد کی طرح سجدہ نہ کرے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے عن يزيد بن ابى حبيب رضى الله عنه ان النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرّ على امرأتين تصليان فقال اذا سجدتما فضمّا بعض اللحم الى الأرض فإن المرأة ليست كالرجل (مراسيل أبى داؤد، ص۔۸) اسی طرح روایت مصنف ابن ابی شیبہ اور اعلاء السنن میں وارد ہے، عن الحارث عن على رضى الله عنه قال اذا سجدت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذيها... (مصنف ابن ابى شيبة، ۲/۵۰۴، اعلاء السنن، ۳/۳۰) ان روایات سے معلوم ہوا کہ سجدہ کرنے سے پہلے عورت اپنے کو پوری طرح سے سمیٹ لے گی اور پھر سجدہ کرے گی لیکن سجدہ کرنے سے پہلے دائیں ران کو بائیں ران پر رکھ کر پیروں کو ایک طرف نکال کر سجدہ کرے گی جیسا کہ کنز العمال کی روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ثابت ہے اذا جلست المرأة فى الصلوة وضعت فخذها على فخذها الاخرىٰ فاذا سجدت ألصقت بطنها فى فخذيها كاستر مايكون لها (كنز العمال، ۷/۵۴۹) اور اس کے مشابہ مضمون امام اعظم رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے، ابو حنيفة عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنه أنه سئل كيف كن النساء يصلين على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال كن يتربعن ثم امرن أن يحتفزن (مسند الامام اعظم، ۱/۷۳) اس سے ماقبل والے مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ عورتیں خوب سمٹ کر پردے کے ساتھ نماز پڑھیں اور پھر حالت تشہد میں عورت کو مرد کی طرح بیٹھنے کا حکم نہیں بلکہ اپنے پاؤں کو دائیں طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھ جائے سنن کبری کی روایت میں مذکور ہے: عن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه صاحب النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أنه قال... وكان يأمر الرجال أن يتجافوا فى سجودهم ويأمر النساء يتخفضن فى سجودهن وكان يأمر الرجال أن يفرشوا اليسرى وينصبوا اليمنى فى التشهد ويأمر النساء أن يتربعن... الخ (السنن الكبرى للامام البيهقى، ۲/۲۲۲) اس روایت میں عورت کو مرد سے مختلف نماز پڑھنے کا حکم ہے اور اسکی ہم معنی روایت مصنف ابن أبی شیبہ کی ہے عن خالد بن اللجلاج قال كن النساء يؤمرن أن يتربعن اذا جلسن فى الصلاة ولا يجلسن جلوس الرجال على أوراكهن يتقى ذلك على المرأة مخافة أن يكون منها الشئ (مصنف ابن ابى شيبه، ۲/۵۰۶) ان احادیث و روایات سے معلوم ہوا کہ عورت حالت تشہد میں بائیں سرین پر بیٹھے گی اور پیروں کو دائیں طرف نکالے گی یہ تمام روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عورت کی نماز کا فرق جو احناف کرتے ہیں روایات سے ثابت ہے اور ان لوگوں

Marfat.com

کا یہ کہنا کہ عورت کی نماز کا یہ طریقہ کسی حدیث سے ثابت نہیں غلطی پر مبنی ہے جیسا کہ اوپر کی روایات سے معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

لمافی اعلاء السنن(۳/۳۰): عن علی رضی اللہ عنہ قال اذا سجدت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذیها...

وقال رحمه الله فی اعلاء السنن فی شرح حدیث علی رضی الله عنه والقیاس أیضا یقتضی مخالفة هیئة المرأة فی جلوسها وسجودها عن هیئة الرجال لکون مبنی احوالهن علی التستر والاحادیث المذکورة مویدة له... الخ۔

وفی الهندیة(۱/۷۵): والمرأة لا تجافی فی رکوعها وسجودها وتقعد علی رجلیها وفی السجدة تفترش بطنها علی فخذیها... الخ۔

وفی الدرالمختار(۱/۵۰۴): (والمرأة تخفض) فلا تبدی عضدیها(وتلصق بطنها بفخذیها) لانه استر وحررنا فی الخزائن انها تخالف الرجل فی خمسة وعشرین...

وفی الشامیة: وتضع یدیها علی رکبتیها ولا تحنی رکبتیها وتنضم فی رکوعها وسجودها وتفترش ذراعیها... وذکر فی البحر انها لا تنصب اصابع القدمین... الخ۔

(۱۱۹) ٹوپی کیسی ہو؟ آپ ﷺ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت اور بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز اور غیر نماز میں آپ ﷺ سے ٹوپی پہننا ثابت ہے یا نہیں؟ ٹوپی کس قسم کی ہونی چاہیئے؟ بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا یعنی ننگے سر نماز پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......حضور اقدس جناب رسول اللہ ﷺ اور حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نماز اور غیر نماز میں ٹوپی اور عمامہ یعنی پگڑی کا پہننا ثابت ہے۔ آپ ﷺ کی ٹوپیاں تین طرح کی تھیں ایک وہ تھی جو سر کے ساتھ چپکی ہوئی ہوتی تھی دوسری وہ تھی جو سر سے کسی قدر اونچی ہوتی تھی تیسری بڑی ٹوپی تھی جس میں کان بھی ڈھک جاتے تھے اور بغیر ٹوپی کے ننگے سر نماز پڑھنا خلافِ سنت ہے اس لئے ٹوپی پہننے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

لما فی شمائل الترمذی(ص۸): عن جابر قال دخل النبی ﷺ مکة یوم الفتح علیه عمامة سوداء۔

وفی الصحیح للبخاری(۱/۵٦):وقال الحسن کان القوم یسجدون علی العمامة والقلنسوة ویداه فی کمه۔

وفی کنز العمال(۷/۱۲۱): کان یلبس قلنسوة بیضاء(طب عن ابن عمر)۔۔۔کان یلبس القلانس تحت العمائم وبغیر العمائم ویلبس العمائم بغیر القلانس وکان یلبس القلانس الیمانیة

Marfat.com

وهن ابيض المضرّبة ويلبس ذوات الآذان فی الحرب وكان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بين يديه وهو يصلی الخ۔

وفی بذل المجهود (۵/۵۲): ولأبي الشيخ عن ابن عباس كان لرسول الله ﷺ ثلث قلانس الحديث۔

(۱۲۰) مسجد میں رکھی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ ٹوپی نہ ہونیکی صورت میں مسجد میں پڑی ہوئی ٹوپی کا استعمال یا چھوٹا رومال سر پر رکھ کر نماز پڑھنا جائز ہے؟ میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ ان دونوں صورتوں سے بہتر ہے کہ ننگے سر نماز پڑھ لی جائے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ٹوپی نہ ہونے کی صورت میں مسجد میں رکھی ہوئی ٹوپی کو استعمال کرنا یا چھوٹا رومال سر پر رکھنا درست ہے البتہ اسکی عادت نہ بنائی جائے، اور آپ کے دوست کی بات درست نہیں ہے کیونکہ سر ڈھانپنا نماز کے آداب میں سے ہے۔

لمافی الشامية(۱/۶۴۱): (قوله ولابأس به للتذلل) قال فی شرح المنية : فيه اشارة الی أن الاولی ان لايفعله وأن يتذلل ويخشع بقلبه فانهما من أفعال القلب وتعقبه فی الامداد بمافی التجنيس من أنه يستحب له ذالك لان مبنی الصلاة علی الخشوع۔

(۱۲۱) ننگے سر نماز پڑھنے سے متعلق مکروہ تنزیہی اور تحریمی کی تحقیق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کچھ لوگ جب نماز کو آتے ہیں تو ٹوپی نہیں پہن کر آتے بلکہ مساجد میں جو پلاسٹک کی ٹوپیاں یا لکڑی کی چھال کی ٹوپی بنی ہوتی ہے وہ پہن لیتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ تو اپنی جیب سے ناک صاف کرنے والا رومال باندھ لیتے ہیں کیا ایسی صورت میں نماز ہوجاتی ہے کیونکہ میں نے کسی دینی کتاب میں یہ بات پڑھی تھی کہ ان ٹوپیوں میں نماز نہیں ہوتی۔ براہ کرم جلد از جلد قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......سب سے پہلے چند امور قابل ذکر ہیں۔

(۱)۔اکثر فقہاء نے ننگے سر نماز پڑھنے کو مطلق مکروہ کہا ہے۔

(۲)۔جب کبھی مطلق کراہت کا ذکر ہو تو اس سے مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے الّا یہ کہ کراہت تنزیہی کی کوئی دلیل وہاں موجود ہو جیسا کہ الشامیہ (۱/۲۲۴) پر مذکور ہے کہ ''الكراهة حيث اطلقت فالمراد منها التحريم''

(۳)۔بعض فقہاء نے ننگے سر نماز پڑھنے کو وازار واحد میں نماز پڑھنے پر قیاس کیا ہے جیسا کہ البحر الرائق (۲/۴۴) پر مذکور ہے ''واذ

Marfat.com

صلّی فی ازار واحدیجوز ویکرہ... وکذا مکشوف الرأس للتهاون والتکاسل" اور ازار واحد میں نماز (باوجود قمیص یا چادر وغیرہ پر قدرت کے) مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ حاشیۃ الطحطاوی (صفحہ ۳۴۹) پر مذکور ہے "وصلاته فی السراویل اوفی ازار مع قدرته علی لبس القمیص لما فیه من التهاون والتکاسل۔ وفی شرحه (لما فیه من التهاون هذا یفید کراهة التحریم" لہٰذا مقیس (ننگے سر نماز پڑھنا) بھی مکروہ تحریمی ہوگا۔

(۴)۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے الشامیہ (۱/ ۶۵۳) میں فرمایا ہے کہ اگر سنت، سنت مؤکدۃ قویۃ ہوتو اس کا ترک مکروہ تحریمی ہے اور سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ ملتقی الابحر (۱/ ۱۰۸۔۱۰۹) پر ملا علی قاری رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام کے علاوہ کبھی بھی ننگے سر نماز ادا نہیں فرمائی لہٰذا اس سے بھی ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہی ثابت ہوتا ہے۔

(۵)۔ بعض فقہاء کی عبارات میں اس کی صراحت ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ شرح الوقایۃ (۱/ ۱۶۸) کے حاشیۃ پر اور الفقہ الاسلامی وادلتہ (۲/ ۹۷۲) میں مذکور ہے لہٰذا عبارات مذکورہ کے پیش نظر اگر کبھی کبھار کسی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی گئی تو مکروہ تنزیہی ہوگی اور اگر ننگے سر نماز پڑھنے کو مستقل عادت بنالیا گیا ہو تو اس صورت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا نیز ٹوپی اچھی اور صاف ہونی چاہیئے اور ٹوپی نہ ہو تو مسجد میں رکھی ہوئی ٹوپی پہن کر نماز ادا کرنا درست ہے البتہ رومال وغیرہ سے سر باندھنے میں سر کا درمیانی حصہ چھپانا ضروری ہے ورنہ اس صورت میں بھی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا۔

لما فی شرح الوقایة (۱/۱۶۸): وصلاته حاسرا راسه للتکاسل او للتهاون بها۔ لیس المراد بالتهاون الاهانة بالصلاة فانها کفر بل المراد قلة رعایتها ومحافظة حدودها۔ و فی حاشیته (صلاته حاسرا راسه) والظاهر ان الکراهة ههنا تنزیهیة۔

وفی فتاوی سراجیة (ص۱۱): اذا صلی حاسر الرأس کره۔

وفی الشامیة (۱/۱۳۲): اذا ذکروا مکروهاً فلا بد من النظر فی دلیله فان کان نهیا ظنیا یحکم بکراهة التحریم الالصارف النهی عن التحریم الی الندب فان لم یکن الدلیل نهیا بل کان مفیداً للترك الغیر الجازم فهی تنزیهیة۔

وفی الشامیة (۱/۲۲۴): واعلم ان المکروه اذا اطلق فی کلامهم فالمراد منه التحریم الا ان ینص علی کراهة التنزیه۔ فقد قال المصنف فی المصفی: لفظ الکراهة عند الاطلاق یراد بها التحریم۔ قال ابو یوسف قلت لابی حنیفة: اذا قلت فی شئ اکرهه فما رأیك فیه؟ قال: التحریم۔

وفی الشامیة (۱/۶۵۲): (والاعتجار) لنهی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنه، وهو شد الرأس او تکویر عمامته علی

Marfat.com

راسه وترك وسطه مكشوفاً......وكراهته تحريمية۔

وفي الشامية (۱/۶۵۳): ان السنة ان كانت مؤكدة قوية لا يبعد كون تركها مكروهاً تحريماً وان كانت غير مؤكدة فتركها مكروه تنزيهاً۔ واما المستحب او المندوب فينبغي ان يكره تركه اصلاً۔

(۱۲.۲) سلام کا کتنا لفظ کہنے سے نماز سے خارج ہوجائے گا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز سے خروج کے لئے السلام علیکم کہنا واجب ہے تو قابل دریافت امر یہ ہے کہ پورا سلام کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے یا نصف سلام یا اس سے بھی کم الفاظ کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......دائیں طرف سلام کرتے وقت لفظ ''السلام'' کے میم کے ختم ہوتے ہی نمازی نماز سے خارج ہوجاتا ہے۔

لمافي الطحطاوي على الدر (۱/۲۱۰): لفظ السلام مرتين فالثاني واجب على الاصح برهان دون عليكم وتنقضي قدوة بالاول قبل عليكم على المشهور وعليه الشافعية۔

وفي الدر المختار(۱/۴۶۸): (ولفظ السلام) مرتين والثاني واجب على الاصح برهان دون عليكم وتنقضي قدوة بالاول قبل عليكم على المشهور عندنا وعليه الشافعية

قال الشامي تحته: (قوله وتنقضي قدوة بالاول) اي بالسلام الاول قال في التجنيس الامام اذا فرغ من صلوته فلما قال السلام جاء رجل و اقتدى به قبل ان يقول عليكم لايصير داخلا في صلاته۔

Marfat.com

فصل فی الامامة والجماعة

(امامت اور جماعت کے مسائل کا بیان)

(۱۲۳) نابالغ کی امامت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چھوٹا بچہ بڑوں کی امامت کرسکتا ہے یا نہیں، نیز چھوٹا بچہ اگر چھوٹے بچوں کی امامت کرے تو اسکا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... نابالغ بچے کی امامت بڑوں کیلئے مطلقاً ناجائز ہے چاہے فرائض ہوں یا نوافل بڑوں کی نماز ادا نہ ہوگی البتہ اگر بچہ بچوں کی امامت کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

لمافی الشامیة(۱/۵۵۰): وشروط الامامة للرجال الاصحاء ستة اشياء الاسلام والبلوغ والعقل والذكورة والقراءة والسلامة من الاعذار...احترزبالرجال الاصحاء...عن الصبيان فلايشترط فی امامهم البلوغ۔

(۱۲۴) نابالغ بچہ کا نابالغ بچوں کی امامت کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مدارس میں یہ رواج پایا جاتا ہے کہ بچوں کو جب چھٹی ہوتی ہے تو ان میں سے ایک نابالغ بچہ نابالغ بچوں کی جماعت کراتا ہے شرعی طور پر یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... نابالغ بچہ نابالغ بچوں کی امامت کراسکتا ہے۔

لمافی الدر المختار(۱/۵۷۸): وصح لو توضأعلى الانقطاع وصلى كذلك كاقتداء بمفتصد أمن خروج الدم وكاقتداء امرأة بمثلها وصبی بمثله ومعذور بمثله الخ۔

وفی الهندية(۱/۸۵): وامامة الصبی المراهق لصبيان مثله يجوز كذا فی الخلاصه اھ۔

وفی الشامية(۱/۵۷۷): وامّا غير البالغ فان كان ذكراً تصح امامته لمثله من ذكر وأنثى وخنثى اھ۔

Marfat.com

(۱۲۵) ۱۶ سالہ لڑکے کی امامت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک مسجد کا امام ہوں، اور الحمد للہ پانچوں وقت پابندی سے نماز پڑھاتا ہوں، میرا ایک بیٹا (عبدالحمید) ہے جس کی عمر سولہ، سترہ سال ہے اور وہ حافظ قرآن بھی ہے۔ کبھی کبھی میری عدم موجودگی میں وہ نماز پڑھا دیتا ہے۔ اسی طرح ابھی رمضان میں آخری دنوں میں تراویح بھی اس نے پڑھائی تھی۔ میری مسجد کے بعض نمازی حضرات اس کی امامت پر اعتراض کرتے ہیں کہ ابھی یہ چھوٹا ہے۔ آپ حضرات سے شریعت کی روشنی میں یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا میرا یہ بیٹا فرض نمازوں میں، میری عدم موجودگی میں امام بن سکتا ہے یا نہیں؟ اور لوگوں کا اس پر اعتراض درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں اگر آپ کے بیٹے (عبدالحمید) کو نماز کے ضروری مسائل سے بخوبی واقفیت ہے اور امامت سے متعلق کوئی قابل اعتراض بات اس میں نہیں پائی جاتی تو شرعاً اس کے لئے نماز کی امامت کرانا درست ہے اور نمازیوں کا بلاوجہ اس کی امامت پر اعتراض کرنا شرعاً درست نہیں۔

لمافی الهندية (۸۶،۸۷/۱): رجل ام قوما وهم له كارهون ان كانت الكراهة لفساد فيه أولانهم أحق بالامامة يكره له ذلك وان كان هو أحق بالامامة لايكره هكذا فى المحيط۔

وفى الشامية (۵۶۲/۱): (قوله وكذا تكره خلف أمرد) الظاهر أنها تنزيهية أيضاً والظاهر أيضاً كماقال الرحمتى ان المراد به الصبيح الوجه لأنه محل الفتنة... سئل العلامة الشيخ عبدالرحمن بن عيسى المرشدى عن شخص بلغ من السن عشرين سنة وتجاوز حد الانبات ولم ينبت عذاره فهل يخرج بذلك عن حد الأمردية وخصوصا قد نبت له شعرات فى ذقنه تؤذن بأنه ليس من مستديرى اللحى، فهل حكمه فى الإمامة كالرجال الكاملين أم لا، أجاب: سئل العلامة الشيخ أحمد بن يونس المعروف بابن الشلبى من متأخرى علماء الحنفية عن هذه المسألة فأجاب بالجواز من غير كراهة وناهيك به قدوة۔

(۱۲۶) غیر شادی شدہ شخص کی امامت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ہے جس کا تعلق اونچے خاندان سے ہے اور وہ درجہ سادسہ میں پڑھتے ہیں اور ان کے والد کا تعلق علماء اور مشائخ کے ساتھ ہے اور وہ طالبعلم ایک بڑی جامع مسجد کے امام بھی ہیں لیکن وہ غیر شادی شدہ ہیں جس کی وجہ سے اکثر مقتدی اعتراض کرتے ہیں تو اس صورت میں ان کے لئے نماز پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......شریعت میں امامت کیلئے امام کا اعلم بالسنۃ ہونا ضروری ہے (یعنی نماز کے مسائل پر عبور ہو کہ صحت نماز کیلئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں اور کن چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے وغیرہ) اسی طرح امام کا فواحش ظاہرہ سے اجتناب کرنا بھی ضروری ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں جیسا کہ واضح ہے کہ مذکورہ امام وہ درجہ سادسہ کے طالب علم ہیں تو یقیناً نہ صرف نماز کے مسائل پر بلکہ دیگر مسائل پر بھی انکو عبور حاصل ہوگا اور بظاہر وہ نیک وصالح بھی ہوں گے لہٰذا ایسے شخص کا نمازیں پڑھانا اور امامت کے منصب پر فائز ہونا جائز ہے اور مقتدیوں کا صرف ''غیر شادی شدہ'' ہونے کی بناء پر مذکورہ امام پر اعتراض کرنا صحیح نہیں۔

لمافی جامع الترمذی(۱/۵۵): عن اوس بن ضمعج قال سمعت ابا مسعود الانصاری رضی الله عنه یقول قال رسول الله ﷺ یؤم القوم اقرؤھم لکتاب الله فان کانوا فی القراء ة سواء فاعلمھم بالسنة فان کانوا فی السنة سواء فاقدمھم ھجرة فان کانوا فی الھجرة سواء فاکثرھم سنا ولا یؤم الرجل فی سلطانه ولا یجلس علی تکرمته فی بیته الا باذنه۔

وفی الھندیة(۱/۸۳): الاولی بالامامة اعلمھم باحکام الصلاة ھکذا فی المضمرات وھو الظاھر ھکذا فی البحر الرائق ھذا اذا علم من القراء ة قدرما تقوم به سنة القراء ة ھکذا فی التبیین ولم یطعن فی دینه کذا فی الکفایة وھکذا فی النھایة ویجتنب الفواحش الظاھرة وان کان غیره اورع منه کذا فی المحیط وھکذا فی الزاھدی وان کان متبحرا فی علم الصلاة لکن لم یکن له حظ فی غیره من العلوم فھوا ولی کذا فی الخلاصة۔

وفی الشامیة(۱/۵۵۷): (والاحق بالامامة)... (الاعلم باحکام الصلاة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاھرة وحفظه قدر فرض(قوله باحکام الصلاة فقط) ای وان کان غیر متبحر فی بقیة العلوم وھو اولی من المتبحر کذا فی زاد الفقیر عن شرح الارشاد (قوله بشرط اجتنابه الخ) کذا فی الدارية عن المجتبی وعبارة الکافی وغیره: الاعلم بالسنة اولی الا ان یطعن علیه فی دینه لان الناس لا یرغبون فی الاقتداء به... وفی (ص۵۵۹) (ولو ام قوما وھم له کارھون، ان) الکراھة (لفساد فیه اولانھم احق بالامامة منه کره) له ذلک تحریما لحدیث ابی داؤد ''لایقبل الله صلاة من تقدم قوما وھم له کارھون (وان ھو احق لا) والکراھة علیھم۔

(۱۲۷) جس امام کی قرأت صحیح نہ ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے قرآن غلط سلط پڑھ رکھا تھا لیکن اللہ کی توفیق سے

Marfat.com

چار ماہ لگائے اس میں قرآن بھی سیکھا جب واپس کالونی کی مسجد میں آیا تو اب امام صاحب کا قرآن غور سے سنا تو ان کی قرأت درست نہ تھی مثلاً اللہ اکبر کو (اَللّٰهُوْ اَكْبَرْ) کہتے ہیں اور الحمدللہ رب العلمین ٥ الرحمن الرحیم ٥ درمیان میں نہ وقف کرتے ہیں اور نہ ملا کر پڑھتے ہیں بلکہ ایک سانس میں پڑھتے ہیں اور الرحمن الف پر زبر کو ظاہر کرتے ہیں اور ' اَلْعٰلَمِيْنَ کا زبر جو نون پر ہے کھا جاتے ہیں۔ کیا اس سے نماز میں خلل آتا ہے یا نہیں؟ ہم تو ۱۸ سال سے ان کے پیچھے نمازیں پڑھ رہے ہیں گذشتہ نمازوں کا کیا حکم ہے؟ مہربانی فرمائی جائے کہ بندہ بہت زیادہ پریشان ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... امام ایسے شخص کو مقرر کرنا چاہیے جو بقدرِ ضرورت تجوید (وقف، وصل، تشدید، تخفیف وغیرہ) کو جانتا ہو، اور قرآن پاک کو صحیح پڑھ سکتا ہو۔ صورت مسئولہ میں جس امام صاحب کے پیچھے اب تک آپ نے نمازیں پڑھی ہیں وہ تو ٹھیک ہیں، ان کی قضاء کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ امام صاحب نے ایسی غلطی نہیں کی ہے جس سے نماز فاسد ہو جائے البتہ آئندہ کیلئے ان امام کے بجائے کسی ایسے امام کو مقرر اور متعین کرنا چاہیے جو بقدرِ ضرورت تجوید سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کو بھی صحیح پڑھ سکتا ہو۔

لمافی حاشية الطحطاوی(ص۲۷۹): قوله: (بلا مدّ) الحاصل ان المد فی التكبير إما ان يكون فی لفظ الله او فی لفظ اكبر، فان كان فی لفظ الله فاما ان يكون فی اوله اوفی وسطه او فی آخره...

وان كان فی آخره بان اشبع حركة الهاء فهو خطأ من حيث اللغة ولا تفسد به الصلاة، وكذا تسكينها كذا فی الحلبی۔

وفی الهندية (۸۱/۱): (ومنها الوقف والوصل والابتداء فی غير موضعها) اذا وقف فی غير موضع الوقف أو ابتدأ فی غير موضع الابتداء ان لم يتغير به المعنى تغيرا فاحشا... لا تفسدبا لاجماع بين علمائنا هكذا فی المحيط۔ وكذا ان وصل فی غير موضع الوصل كمالو لم يقف عند قوله أصحاب النار بل وصل بقوله الذين يحملون العرش لاتفسد...

وفی الدر المختار(۴۸۰/۱): (واذا أراد الشروع فی الصلاة كبر)... (للافتتاح)... (بالحذف) اذ مد احد الهمزتين مفسد وتعمده كفر وكذا الباء فی الاصح۔ وفی الشامية تحته اعلم ان المد ان كان فی الله فاما فی اوله اووسطه او آخره... وان كان فی آخره فهو خطأ ولا يفسد ايضا، وقياس عدم الفساد فيهما صحة الشروع بهما

وفی الشامية(۶۳۲/۱): تحت (قوله أو بوقف وابتداء) قال فی البزازية الابتداء ان كان لا يغير المعنى تغيرا فاحشا لايفسد...

Marfat.com

وفى الهندية(۱/۸۳): الاولىٰ بالامامة أعلمهم باحكام الصلوة هكذا فى المضمرات وهو الظاهر هكذا فى البحر الرائق، هذا اذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا فى التبيين... فان تساووا فأقرؤهم اى اعلمهم بعلم القراءة يقف فى موضع الوقف ويصل فى موضع الوصل ونحو ذالك من التشديد والتخفيف وغيرهما كذا فى الكفاية۔

(۱۲۸) تعویذ گنڈہ اور جھاڑ پھونک کرنے والے کی امامت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلہ میں ایک امام صاحب ہیں جو تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کرتے ہیں ان کے پاس عورتیں تعویذات کیلئے آتی رہتی ہیں اس امام صاحب کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بکثرت روکنے کے باوجود اس کام سے باز نہیں آ رہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جائز طریقہ سے تعویذ، گنڈے اور جھاڑ پھونک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جائز طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ تعویذ گنڈہ اور جھاڑ پھونک قرآن وحدیث اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ذریعے یا ایسے کلام کے ذریعے کیا جائے جس میں شرکیہ کلمات نہ ہوں اور وہ عربی زبان میں ہو یا ایسی زبان میں ہو جس کے معنی معلوم ہوں اور اس کو مؤثر بالذات سمجھنے کا اعتقاد نہ ہو بلکہ اسکا اعتقاد یہ ہو کہ مؤثر حقیقی فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور تعویذ گنڈہ دوسرے اسباب کی طرح ایک سبب ہے جو نفع ونقصان دینے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا محتاج ہے۔ لہٰذا جو امام صاحب جائز طریقہ سے تعویذ گنڈے کرتے ہوں ان کی امامت درست ہے البتہ نامحرم عورتوں کو پردہ کے اہتمام کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، براہ راست تعویذ نہ دینا چاہیئے، بلکہ ان کے کسی محرم یا خاوند کے ذریعے ان کو تعویذ دینا چاہیئے۔

وفى الدر المختار(۶/۳۶۳): (فرع) فى المجتبى: التميمة المكروهة ماكان بغير العربية۔

(وفى الشامية تحته): ولاباس بالمعاذات اذا كتب فيها القرآن او اسماء الله تعالىٰ ويقال رقاه الراقى رقيا ورقية اذا عوذه ونفث فى عوذته قالوا وانما تكره العوذة اذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدرى ما هو ولعله يدخله سحر أو كفر أو غير ذالك، واما ما كان من القرآن او شى من الدعوات فلا باس به اھ۔

(۱۲۹) بریلویوں کی اقتداء میں نماز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے میں بریلویوں کی مساجد ہیں، دیوبندیوں کی ذرا دور ہیں، تو کیا ہم بریلویوں کی مساجد میں ان کی اقتداء میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا محلے سے دور دیوبندیوں کے پیچھے جا کر نمازیں

Marfat.com

پڑھیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ایسا مبتدع امام جس کے عقائد کفریہ ہوں تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا ناجائز ہے۔اور اگر اس کے عقائد کفریہ نہ ہوں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔صورت مسئولہ میں اگر بریلوی ایسے ہیں کہ ان کے عقائد کفریہ ہیں تو ان کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی اور اگر ان کے عقائد کفریہ نہیں تو ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔لہٰذا بریلویوں کی مساجد کے علاوہ دوسری مساجد دیوبندیوں کی ہیں ان میں جا کر نماز پڑھنا چاہیئے۔البتہ اگر آپ (کسی عذر کی وجہ سے) وہاں نہیں جاسکتے تو اکیلے نماز پڑھنے سے (ان بریلویوں کے پیچھے جن کے عقائد کفریہ نہیں) انکے پیچھے نماز پڑھ لینا بہتر ہے۔

لمافی خلاصة الفتاویٰ(۱/۱۵۰): والفاسق اذا کان یؤم الجمعة وعجز القوم عن منعه قال بعضهم یقتدی به فی الجمعة ولا یترك الجماعة بامامة وفی غیر الجمعة یستقبل من ان یتحول الی مسجد آخر ولا یاثم بذلك ولوصلی خلف مبتدع اوفاسق فهو محرز ثواب الجماعة لكن لاینال مثل ما ینال خلف تقی۔

وفی الهندیة(۱/۸۶): الفاسق اذا کان یؤم یوم الجمعة وعجز القوم عن منعه قال بعضهم یقتدی به فی الجمعة ولا تترك الجمعة بامامته وفی غیر الجمعة یجوز ان یتحول الی مسجد آخر ولا یأثم به۔

(۱۳۰) غیر مقلد کی امامت کا شرعی حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن میں سفر پر جا رہا تھا تو راستے میں ہم نے ایک مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جو غیر مقلدین کی تھی تو کیا ہماری نماز غیر مقلد کے پیچھے صحیح ہوگئی یا دوبارہ اعادہ واجب ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......فقہاء کرام نے مخالف مذہب والے امام کی اقتداء کے بارے میں تمام کتب معتبرہ ومستندہ میں یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ اگر مخالف مذہب والا امام (مثلاً غیر مقلد ہو) اگر وہ ان مسائل میں جو ہمارے علماء احناف اور ان کے مابین مختلف فیہا ہوں ان میں ہمارے اصول کی رعایت رکھتا ہو، مثلاً غیر سبیلین سے کسی شے کے خارج ہونے پر وضو کرتا ہو، کپڑوں پر بقدر درہم منی لگ جانے پر دھوتا ہو، خون کے نکلنے پر وضو کرتا ہو، تو اس صورت میں اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر رعایت نہ کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور آج کل کے غیر مقلدین کا ان مسائل میں ہمارے اصول کی رعایت نہ کرنا روز روشن کی طرح عیاں ہے لہٰذا اب ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور احتیاطاً واجب الاعادہ ہے لہٰذا آپ نے جو نماز غیر مقلد امام کی اقتداء میں ادا کی ہے احتیاطاً اس نماز کا اعادہ کر لیجئے۔

لمافی الشامیة(۱/۵۶۳): وأما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز مالم یعلم منه مایفسد

Marfat.com

الصلاۃ علی اعتقاد المقتدی علیہ الاجماع، انما اختلف فی الکراھۃ اھ فقید بالمفسد دون غیرہ کما تری فی رسالۃ [الاھتداء فی الاقتداء] لملاعلی القاری: ذھب عامۃ مشایخنا إلی الجواز اذا کان یحتاط فی موضع الخلاف والا فلا۔ والمعنی أنہ یجوز فی المراعی بلا کراھۃ وفی غیرہ معھا ثم المواضع المھملۃ للمراعاۃ ان یتوضأ من الفصد والحجامۃ والقیٔ والرعاف ونحو ذالک لا فیما ھو سنۃ عندہ مکروہ عندنا کرفع الیدین فی الانتقالات وجھر البسملۃ واخفائھا فھذا وأمثالہ لایمکن فیہ الخروج عن عھدۃ الخلاف فکلھم یتبع مذھبہ ولا یمنع مشربہ اھ۔

وفی الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیۃ (۲/۲۸۵): یکونون فی وقت یقلدون من یفسدہ وفی وقت یقلدون من یصححہ بحسب الغرض والھویٰ ومثل ھذا لایجوز باتفاق الامۃ۔

(۱۳۱) جو شخص مرغ لڑاتا، نسوار اور سگریٹ استعمال کرتا ہو، اس کی امامت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نسوار کھاتا ہے اور سگریٹ کثرت سے پیتا ہے اور مرغ لڑاتا ہے تو ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں جبکہ وہ قاری ہے اور منزل بھی یاد ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی امام نسوار یا سگریٹ استعمال کرتا ہو تو اس کو چاہیئے کہ انکا استعمال ترک کردے اور اگر اس کے لئے ان چیزوں کا ترک کرنا مشکل ہو تو پھر جب بھی مسجد آئے تو نسوار اور سگریٹ کی بدبو کو زائل کر کے آئے کیونکہ حدیث میں بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے سے منع کیا گیا ہے اور اگر امام مرغ لڑاتا ہو تو اس کو اس سے بچنا چاہیئے کیونکہ مرغ لڑانا ناجائز ہے اور اسی طرح مرغ لڑانے پر جوا لگانے سے اس فعل کی شناعت اور بڑھ جاتی ہے مرغ لڑانے اور اس پر جوا لگانے سے آدمی فاسق ہوجاتا ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے۔

لمافی الشامیۃ(۱/۵۵۹): (ویکرہ تنزیھا الخ) لقولہ فی الاصل امامۃ غیرھم احب الی، بحر عن المجتبیٰ والمعراج ثم قال فیکرہ لھم التقدم ویکرہ الاقتداء بھم تنزیھا فان امکن الصلوۃ خلف غیرھم فھو افضل والا فالاقتداء اولی من الانفراد ... (ص۵۶۰) (قولہ و فاسق) من الفسق وھو الخروج عن الاستقامۃ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر، والزانی وآکل الربا ونحو ذلک کذا فی البرجندی اسمعیل وفی المعراج قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعۃ لانہ فی غیرھا یجد اماما غیرہ اھ قال فی الفتح وعلیہ فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھا فی المصری علی قول محمد المفتی بہ لانہ بسبیل الی التحول۔

Marfat.com

(۱۳۲) داڑھی پر سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علما کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص داڑھی پر سیاہ خصاب لگاتا ہو تو اس کو امام بنانا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......داڑھی پر سیاہ خضاب لگانا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا مرتکب فاسق ہے اور فاسق کا امام بنانا مکروہ ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص اپنے اس فعل کو چھوڑ کر توبہ نہیں کرتا تو اس کو امام نہ بنایا جائے بلکہ کسی متقی شخص کو امامت کیلئے منتخب کرنا چاہیئے۔

لمافی الهندیه(۳۵۹/۵): أما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلك من الغزاة ليكون اهيب فى عين العدوّ فهو محمود منه اتفق عليه المشايخ ومن فعل ذلك ليزين نفسه للنساء وليحبب نفسه اليهن فذلك مكروه وعليه عامة المشايخ۔ وبعضهم جوز ذلك من غير كراهة۔ وروى عن أبي يوسف أنه قال: كما يعجبنى ان تتزين لى يعجبها أن أتزين لها۔

وفى الشامية(۷۵۶/۶): ومذهبنا استحباب خضاب الشيب للرجل والمرأة بصفرة أوحمرة۔ وتحريم خضابه بالسواد على الاصح۔

وفى التاتارخانية (۶۰۳/۱): ويكره ان يكون الامام فاسقا... وفى الكافى: وان تقدم الفاسق جاز... يجوز الاقتداء بمن كان معروفا بأكل الربا ولكن يكره۔

(۱۳۳) مسجد کا مقرر شدہ امام امامت کیلئے حقدار ہے یا دوسرا شخص؟

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر مسجد میں کوئی بڑا عالم دین اور بزرگ بھی آجائے تو نماز کون پڑھائے، امامِ مسجد یا مذکورہ بزرگ؟ بعض مقتدیوں کی خواہش ہوتی ہے کہ مذکورہ بزرگ نماز پڑھائے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......مسجد کا جو مقرر امام ہے وہی مستحق ہے کہ امامت کرائے اگرچہ آنے والا بزرگ اور بڑا عالم کیوں نہ ہو۔

لمافی الدر المختار والشامية (۵۵۹/۱): واعلم أن صاحب البيت ومثله امام المسجد الراتب اولىٰ بالإمامة من غيره مطلقا۔ (قوله مطلقا) اى وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه۔

وفى الهندية(۸۳/۱): دخل المسجد من هو أولىٰ بالإمامة من إمام المحلة فإمام المحلة اولىٰ كذا فى

Marfat.com

القنية۔

(۱۳۴) امامت میں وراثت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے میں ایک مسجد ہے جہاں پر ایک امام کے مرنے پر اس کا بیٹا امام بن جاتا ہے، اس کے مرنے پر پھر اس کا بیٹا امام بن جاتا ہے اور اکثر بات لڑائی جھگڑے تک پہنچ جاتی ہے، تو کیا امامت میں اس طرح کی وراثت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......امامت میں وراثت جاری نہیں ہوتی بلکہ بانی مسجد اور محلہ والے جس کو بھی امام بنائیں وہی امام ہوگا، چاہے وہ امام کا بیٹا ہو یا کوئی اور ہو، بشرطیکہ اس میں امامت کی شرائط اور صلاحیت موجود ہو۔

لمافی الهندية(۸۳/۱): الاولى بالامامة أعلمهم بأحكام الصلاة هكذا فى المضمرات وهو الظاهر هكذا فى البحر الرائق هذا اذا علم من القراءة قدرما تقوم به سنة القراءة هكذا فى التبيين ولم يطعن فى دينه كذا فى الكفاية وهكذا فى النهاية ويجتنب الفواحش الظاهرة وان كان غيره اورع منه كذا فى المحيط وهكذا فى الزاهدى وان كان متبحرا فى علم الصلاة لكن لم يكن له حظ فى غيره من العلوم فهو أولى كذا فى الخلاصة فان تساووا فاقرء هم أى اعلمهم بعلم القراءة۔

وفى تنوير الابصار مع الدر(۵۵۷/۱): (والأحق بالامامة) تقديما بل نصبا مجمع الانهر (الاعلم باحكام الصلاة)فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة وحفظه قدر فرض وقيل واجب وقيل سنة (ثم الاحسن تلاوة) وتجويداً (للقراة ثم الاورع) الاكثر اتقاء للشبهات والتقوى اتقاء المحرمات (ثم الاسن) اى الاقدم اسلاما فيقدم شاب على شيخ اسلم وقالوا يقدم الاقدم ورعا وفى النهر عن الزاد وعليه يقاس سائر الخصال فيقال يقدم اقدمهم علما ونحوه وحينئذ فقلما يحتاج للقرعة (ثم الاحسن خلقا) بالضم الفة بالناس (ثم الاحسن وجها)۔

وفى الدرالمختار(۴۰۰/۱): ولاية الاذان والاقامة لبانى المسجد مطلقا وكذا الامامة لوعدلاً

وفى الشامية تحته:(قوله مطلقا)اى عدلا أولا۔ وفى الأشباه: ولد البانى وعشيرته اولى من غيرهم اهـ

Marfat.com

(۱۳۵) حضور ﷺ سے وتر کی امامت کا ثبوت اور مسبوق کا اپنی چھوٹی ہوئی رکعت کو پورا کرنے کا ثبوت

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک شخص نماز میں کچھ تاخیر سے پہنچا اور اس کی کچھ رکعت امام کے پیچھے چھوٹ گئی تو وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کرلیتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ طریقہ کب سے شروع ہوا کیا یہ طریقہ جو آجکل معمول ہے حدیث میں آیا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اسے مدینہ منورہ میں شروع کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا پھر رائج کیا؟ تفصیلی جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۲)۔ کیا وتر کی امامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... مسبوق کی نماز کا طریقہ اصل میں سنت سے ثابت ہے البتہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اکثر رکعت رہ جاتی تھی ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا کہ وہ اپنی فوت شدہ نماز پوری کررہے ہیں تو آپ علیہ السلام نے تاکید کے طور پر فرمایا کہ تم میں سے جب کسی کی رکعت چھوٹ جائے تو تم بھی ایسا ہی کرلیا کرو جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کررہے ہیں۔

(۲)...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر کی امامت ثابت نہیں ہے کیونکہ آپ علیہ السلام وتر ہمیشہ گھر میں پڑھا کرتے تھے البتہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے صرف رمضان المبارک میں وتر باجماعت پڑھنا ثابت ہے اس لئے فقہاء کرام نے غیر رمضان میں وتر باجماعت نہ پڑھنے پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔

لمافی مسند امام احمد بن حنبل(۳۲۶/۶): حدثنا عبدالله... عن معاذ بن جبل قال احیلت الصلوۃ ثلاثة احوال... قال وکانوا یأتون الصلوۃ وقد سبقهم ببعضها النبی ﷺ قال فکان الرجل یشیر الی الرجل ان جاء کم صلی فیقول واحدۃ أو اثنتین فیصلیها ثم یدخل مع القوم فی صلاتهم قال: فجاء معاذ فقال لا اجده علی حال أبدا الاکنت علیها ثم قضیت ماسبقنی قال فجاء وقد سبقه النبی ﷺ ببعضها قال فثبت معه فلما قضی رسول الله ﷺ صلاته قام فقضی فقال رسول الله ﷺ انه قد سن لکم معاذ فهکذا فاصنعوا...

وفی اعلاء السنن(۳۳/۵،۶): وروی ابن مسعود مرفوعا قال رسول الله ﷺ وتر اللیل ثلاث کوتر النهار صلاة المغرب، واسناده حسن کما سیأتی...(ص ۳۴) ولان عائشة رضی الله عنها کانت تری وتره ﷺ اکثر مما یراه ابن عمر لانه ﷺ کان یوتر فی بیته دائما وفی آخر اللیل غالبا...

Marfat.com

وفیہ ایضاً(۳۶/۵،۶): حدثنا ابو النضر... عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ ﷺ کان اذا صلی العشاء دخل المنزل ثم صلی رکعتین ثم صلی بعدھما رکعتین اطول منھما ثم اوتر بثلاث لا یفصل بینھن۔

وفی الھدایة(۱/۱۵۸): ولا یصلی الوتر بجماعة فی غیر شھر رمضان علیه اجماع المسلمین۔

(۱۳۶) فجر اور ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر امامت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد کے امام صاحب فجر اور ظہر کی نمازیں بسا اوقات تاخیر سے آتے ہیں اور جلدی سے وضو کر کے سنت ادا کئے بغیر نماز پڑھاتے ہیں جبکہ بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ فجر یا ظہر کی سنتیں پڑھنے سے پہلے امام کا جماعت کرانا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......فجر کی سنتیں پڑھے بغیر امامت کرنا مکروہ ہے کیونکہ فرض کے بعد وقت کے اندر ان کی قضاء نہیں ہوسکتی، اس لئے کراہت زیادہ ہے البتہ ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر امامت کرنا جائز ہے لیکن بلا عذر ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ یہاں امام کو بھی احتیاط سے کام لینا چاہیئے اور اگر کبھی بالعذر تاخیر ہو جائے تو جس طرح جنازے کی نماز کیلئے امام وضو کی غرض سے جنازے کو مؤخر کرسکتا ہے اسی طرح پہلے سنتیں اداء کرلے پھر نماز پڑھائے نیز مقتدیوں کو بھی امام کی رعایت کرنی چاہیئے اور امام پر تنقید سے اجتناب کریں۔

لما فی الترمذی (۱/۹۷): عن عائشة رضی اللہ عنہا ان النبی ﷺ کان اذا لم یصل اربعا قبل الظھر صلاھن بعدھا۔

وفی اعلاء السنن(۷/۷): عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت لم یکن النبی ﷺ علی شیء من النوافل اشد تعاھداً منه علی رکعتی الفجر۔ قوله عن عائشة رضی اللہ عنہا الخ، قال المؤلف دلالته علی تاکید سنة الفجر ظاھرة۔

(۱۳۷) فجر کی سنت ادا کئے بغیر امامت کرانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے امام صاحب کو اگر کبھی فجر کی جماعت کے وقت پہنچنے میں دیر ہو جاتی ہے تو وہ بغیر سنت پڑھے نماز فجر پڑھا دیتے ہیں۔ میں نے کسی سے سنا ہے کہ فجر کی سنت جس نے نہ پڑھی ہو، اسے فجر کے فرض پڑھانا مکروہ ہے۔ کیا یہ بات درست ہے؟ براہِ کرم صحیح بات سے مجھے جلد از جلد مطلع فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......فجر کی سنت تمام سنتوں میں مؤکد ترین اور اقوی سنت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے پڑھنے پر مداومت فرمائی ہے اور سفر و حضر، صحت و بیماری کسی حال میں ترک نہیں فرمایا ہے لہٰذا اس کا ترک کرنا درست نہیں۔ البتہ اگر کسی نے عذر

Marfat.com

کی بناء پر چھوڑ دی تو اس پر گناہ نہیں۔
صورت مسئولہ میں اگر امام صاحب کو جماعت کے وقت پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی ہے اور وہ سنت پڑھے بغیر فجر کی نماز پڑھا دیں تو نماز پڑھانا درست ہے البتہ بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

لمافی البخاری(۱/۱۵۶): عن عائشة رضی الله عنها قالت لم یکن النبی ﷺ علی شئ من النوافل اشد تعاهدا منه علی رکعتی الفجر۔

وفی الفتاوی التاتارخانیة(۱/۶۴۱): یجب ان یعلم ان التطوع قبل الفجر رکعتان اتفقت الاثار علیهما وانهما من اقوی السنن، وفی المنافع: سنة الفجر اقوی السنن حتی لو انکرها یخشی علیه الکفر، ولا یجوز ان یصلیها قاعدا مع القدرة علی القیام، ولهذا قیل انها قریب من الواجب،

وفیه ایضاً (۱/۶۴۴): وفی النوازل: اذا ترك السنن ان ترکها بعذر فهو معذور، وان ترکها بغیر عذر لایکون معذورا فیها ویسأل الله تعالیٰ یوم القیامة عن ترکها۔ (وفی الصفحة ۶۴۲) وفی الکافی: وقالوا لو کان العالم مرجعا للفتوی له ترك سائر السنن لحاجة الناس الیه الاسنة الفجر۔

(۱۳۸) اقامت کے وقت امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں؟ اور امام کب تکبیر تحریمہ کہے؟

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری فقہ کی کتابوں میں موجود ہے کہ جماعت کے وقت امام اور مقتدی حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں اور امام قد قامت الصلوٰۃ کے وقت نماز شروع کر دے۔ عبارت یہ ہے والقیام حین قیل حی علی الفلاح وشروع الامام مذ قیل قد قامت الصلوٰۃ کنز الدقائق (۱/۲۴) آجکل ہماری مساجد میں اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے کہ امام اور مقتدی اقامت سے پہلے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اقامت ختم ہو جانے کے بعد امام نماز شروع کرتا ہے۔ آیا ہماری مساجد میں یہ عمل خلاف سنت ہو رہا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس عبارت کا کیا مقصد ہے اور آپ ﷺ کا کیا معمول تھا؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....امام اور مقتدی کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱)۔ کہ مقتدی مسجد میں ہو، اور امام خارج مسجد سے داخل ہو رہا ہو۔ اگر امام سامنے محراب کی طرف سے داخل ہو رہا ہو تو مقتدی ان کو دیکھتے ہی نماز کیلئے کھڑے ہو جائیں۔ (۲)۔ اگر امام صف کے پیچھے سے آ رہا ہو، تو امام جس صف سے گزرتا جائے اس صف والے مقتدی کھڑے ہوتے جائیں۔ (۳)۔ امام اور مقتدی مسجد کے اندر ہوں تو اس بارے میں ہماری کتب میں جو تصریح ہے۔ جیسا کہ کنز الدقائق (۱/۲۴) پر ہے "والقیام حین قد قیل حی علی الفلاح" اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے بعد امام اور مقتدی نہ بیٹھے جیسا کہ البحر الرائق (۱/۵۳۱) میں اس کی علت یہ بیان کی ہے "لانه

Marfat.com

أمر فیستحب المسارعة الیه'' تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بیٹھنا مسارعت إلی الطاعت کے خلاف ہے نہ کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا بلکہ اس میں مسارعت زیادہ پائی جاتی ہے اور یہ کہ کنز کی اس عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعامل بھی یہ تھا کہ ابتداء اقامت سے کھڑے ہوتے تھے۔ لہٰذا ہماری مساجد میں ائمہ اور مقتدیوں کا اقامت کی ابتداء سے کھڑا ہونا خلاف سنت نہیں ہے اور امام کے شروع فی الصلوٰۃ کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ جب مؤذن اقامت سے فارغ ہو جائے تو امام تکبیر کہے تا کہ مؤذن امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ اور امام کے ساتھ نماز شروع کرنے کی فضیلت سے محروم نہ ہو جائے۔

لما فی الصحیح لمسلم (۲۲۰/۱): عن أبي هريرة رضي الله عنه ان الصلوة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبی صلى الله عليه وسلم مقامه۔

وفي فيض الباری(۱۸۷/۲): باب (متى يقوم الناس'' ويعلم من بعض الأحاديث أنهم كانوا يقومون لها بعد تمام الإقامة ومن بعضها أنهم كانوا يقومون فی خلالها وهكذا فی كتبنا... والمسألة فيه أن الامام إن كان خارج المسجد ينبغي للمقتدين أن يقوموا لتسوية الصفوف إذا دخل فی المسجد، وإن كان فی المسجد فالمعتبر قيامه من موضعه وكيف ما كان ليست المسألة من نفس الصلاة بل من الآداب فان قام أحدٌ قبله لا يكون عاصياً۔

''فلا تقوموا حتى ترونی'' قال العلماء إن بلالاً رضی الله عنه كان يراقب النبی صلى الله عليه وسلم فاذا رآه أقام وأما سائر الناس فكانوا لايرونه إلا بعد أن يصل إلى الصف وكان المسجد من بيته بحيث لوخرج قدمه منها وقع فی المسجد فكان بلال رضی الله عنه يقيم إذا خرج فاذا وصل موضع الإقامة وجد الصفوف قد سويت والاقامة قد تمت۔

وفي البحر الرائق(۵۳۱/۱): قوله: (والقيام حين قيل حيّ على الفلاح) لانه أمر به فيستحب المسارعة إليه أطلقه فشمل الإمام والمأموم إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا فيقوم كل صف ينتهی اليه الإمام وهو الأظهر... (وشروع الإمام مذقيل قدقامت الصلاة) عند أبی حنيفة و محمدرحمهما الله و قال أبو يوسف رحمه الله: يشرع إذا فرغ من الإقامة محافظة على فضيلة متابعة المؤذن وإعانة للمؤذن على الشروع معه ولهما أن المؤذن أمين، وقد أخبر بقيام الصلاة فيشرع عنده صوناً لكلامه عن الكذب وفيه مسارعة إلى امناجات وقد تابع المؤذن فی الأكثر فيقوم مقام الكل على أنهم قالوا المتابعة فی الأذان دون الاقامة كذا ذكره الشارح وفيه نظر لما نقلناه فی باب الأذان أن اجابة الاقامة مستحبة وفی الظهيرية: ولو أخر حتى يفرغ المؤذن من الاقامة لا بأس به فی قولهم جميعا والله اعلم۔

Marfat.com

وفى الهندية(۱/۵۷): وإن كان المؤذن غير الإمام وكان القوم مع الإمام فى المسجد فانه يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن حيّ على الفلاح عند علمائنا الثلاثة وهو الصحيح * فاما إذا كان الإمام خارج المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف فكلما جاوز صفا قام ذلك الصف واليه مال شمس الائمة الحلوانى والسرخسى وشيخ الإسلام خواهرزاده وإن كان الإمام دخل المسجد من قدامهم يقومون كمارأوالامام وإن كان المؤذن والإمام واحدا فإن أقام فى المسجد فالقوم لا يقومون مالم يفرغ من الإقامة وإن أقام خارج المسجد فمشائخنا اتفقوا على أنهم لا يقومون مالم يدخل الإمام المسجد۔

وفى الدر المختار(۱/۴۷۹): (قوله وشروع الإمام) فى الصلوة (مذقيل قد قامت الصلوة) ولو أخّر حتى اتمها لا بأس بهٖ إجماعاً وهو قول الثانى والثلاثة۔ وهو أعدل المذاهب كمافى شرح المجمع لمصنفه وفى القهستانى معزيا للخلاصة وهو الأصح (وتحته فى الشامية) ...(قوله لا بأس به إجماعاً) أى لأن الخلاف فى الأفضلية فنفى البأس اى الشدة ثابت فى كلا القولين وإن كان الفعل أولى فى أحدهما (قوله وهو) أى التأخير المفهوم من قوله أخر (قوله أنه الأصح) لأنه فيه محافظة على فضيلة متابعة المؤذن وإعانة له على الشروع مع الإمام۔

(۱۳۹) امام کامحراب میں کھڑے ہونے کاحکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام کومحراب میں کس جگہ کھڑا ہونا چاہیئے۔اگرکوئی امام محراب سے بالکل باہر کھڑا ہو،لیکن سجدہ محراب میں ادا کرتا ہو،کیااس طرح کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......محراب اگراتنی چھوٹی ہوکہ اُس میں امام کے کھڑے ہونے سے اُس کی حالت مقتدیوں پرمشتبہ ہوتی ہوتومکروہ ہے،البتہ اگراتنی بڑی محراب ہوکہ اُس میں کھڑے ہونے سے امام کی حالت مقتدیوں پرمشتبہ نہ ہوتی ہوتوامام کامحراب میں کھڑاہونابلاکراہت جائز ہے۔

لمافى الهندية (۱/۱۰۸): ويكره قيام الامام وحده فى الطاق وهو المحراب ولايكره سجوده فيه اذا كان قائما خارج المحراب هكذا فى التبيين وإذا ضاق المسجد بمن خلف الامام فلابأس بأن يقوم فى الطاق كذا فى الفتاوىٰ البرهانية۔

وفى الطحطاوى تحته (قوله لاشتباه الحال على القوم) فان انتفى الاشتباه انتفت الكراهة وهذا التعليل لجماعة منهم الفقيه أبوجعفر الهندوانى۔

Marfat.com

وفی الشامية (۱/۶۴۵): وحاصله أنه صرح محمد فی الجامع الصغير بالكراهة ولم يفصل، فاختلف المشايخ فی سببها، فقيل كونه يصير ممتازا عنهم فی المكان لأن المحراب فی معنی بيت آخر وذلك صنيع أهل الكتاب، واقتصر عليه فی الهداية واختاره الامام السرخسی رحمه الله و قال إنه الأوجه، وقيل اشتباه حاله علی من فی يمينه ويساره فعلی الاول يكره مطلقا وعلی الثانی لايكره عند عدم الاشتباه ، وأيد الثانی فی الفتح بأن امتياز الامام فی المكان مطلوب، وتقدمه واجب وغايته اتفاق الملتين فی ذلك، وارتضاه فی الحلية وأيده لكن نازعه فی البحر بأن مقتضی ظاهر الرواية الكراهة مطلقاً، وبأن امتياز الامام المطلوب حاصل بتقدمه بلاوقوف فی مكان اخر ولهذا قال فی الولوالجية وغيرها إذا لم يضق المسجد بمن خلف الامام لاينبغی له ذلك لأنه يشبه تباين المكانين......

قلت: ای لأن المحراب إنما بنی علامة لمحل قيام الامام ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة، لا لأن يقوم فی داخله فهو وإن كان من بقاع المسجد لكن أشبه مكانا اخر فأورث الكراهة۔

(۱۴۰) امام اور مقتدیوں میں تعداد رکعات میں اختلاف کی صورت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر امام اور مقتدی میں تعدادِ رکعات پر اختلاف ہوجائے تو کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب امام اور مقتدیوں کو تعدادِ رکعات میں اختلاف ہوجائے مثلاً مقتدی کہیں کہ تین رکعات پڑھائی ہیں جبکہ امام کہتا ہو کہ میں نے پوری چار رکعات پڑھائی ہیں تو اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱)......اگر امام کو اپنی بات کا پورا یقین ہے تو اس صورت میں امام کا قول معتبر ہوگا۔

(۲)......اگر امام کو اپنی بات کا پورا یقین تو نہیں ہے مگر مقتدیوں میں سے کوئی ایک بھی اس کا حامی ہے تو اس صورت میں بھی امام کا قول معتبر ہوگا۔

(۳)......امام کو اپنی بات کا پورا یقین بھی نہیں ہے، اور تمام مقتدی بھی اس کی رائے کے مخالف ہیں تو اس صورت میں مقتدیوں کا قول معتبر ہوگا، اور نماز دوبارہ لوٹائی جائے گی۔

لمافی الهندية(۱/۱۳۱): إذا شك الإمام فأخبره عدلان يأخذ بقولهما رجل صلی وحده أوصلی بقوم۔ فلما سلم، أخبره رجل عدل، إنك صليت الظهر ثلاث ركعات۔ قالوا إن كان عند

5

Marfat.com

المصلی أنه صلی أربع رکعات لا یلتفت إلی قول المخبر۔

وفی الدر المختار(۲/۹۴): ولو اختلف الإمام والقوم فلو الإمام علی یقین لم یعد وإلا أعاد بقولهم۔

وفی الطحطاوی(۱/۳۱۷):(قوله ولو اختلف الإمام والقوم)۔ أی کل القوم، أما لو إختلف القوم وقال بعضهم صلی ثلاثاً وقال بعضهم صلی أربعا۔ والإمام مع أحد الفریقین یؤخذ بقول الامام وإن کان معه واحد۔

(۱۴۱) گرمی کی وجہ سے مسجد کے ہال کو چھوڑ کر مسجد کی چھت پر جماعت کرنے کا حکم

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں ایک مسجد ہے جس میں رمضان المبارک میں ماشاء اللہ تراویح مع ختم قرآن ہوتی ہے لیکن بعض اوقات موسم گرما میں نماز عشاء اور تراویح وغیرہ مسجد کی چھت پر پڑھی جاتی ہے۔ خصوصاً جب بجلی موجود نہ ہو سخت پریشانی ہوتی ہے تو کیا جماعت خانہ خالی ہوتے ہوئے مسجد کی چھت پر نماز عشاء وتراویح ادا کرنا مکروہ ہے یا جائز؟ حالانکہ مسجد کی چھت تو مسجد ہی کے حکم میں ہوا کرتی ہے۔ جیسے معتکف اگر مسجد کی چھت پر چڑھ جائے تو اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوتا سوال یہ ہے کہ مسجد کی چھت پر جماعت خانہ کے خالی ہوتے ہوئے نماز عشاء وتراویح ادا کرنا ازروئے شرع کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... مسجد کے ہال کو چھوڑ کر چھت پر بغیر عذر نمازِ عشاء یا تراویح کی جماعت مکروہ ہے۔ اور فقہاء کرام کی عبارات گرمی کی وجہ سے چھت پر با جماعت نماز کی کراہت پر واضح ہیں لہٰذا گرمی کوئی ایسا عذر نہیں جس کی وجہ سے مسجد کے ہال کو چھوڑ دیا جائے البتہ مسجد کے صحن میں نماز ادا کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔

جہاں تک معتکف کی بات ہے، معتکف کے چھت پر چڑھنے کی وجہ سے اعتکاف اس لئے نہیں ٹوٹتا کہ چھت مسجد کے حکم میں ہے اور جماعت اس لئے مکروہ ہے کہ چھت جماعت خانے کے حکم میں نہیں ہے اسلئے اگر کسی مسجد کی دو منزلیں ہیں تو دوسری منزل میں ہال کو چھوڑ کر نماز یا جماعت بلا کراہت جائز ہے کیونکہ وہ جماعت خانے کے حکم میں ہے۔

لما فی کبیری(ص۳۹۲): وفی القنیة امام یصلی التراویح علی سطح المسجد اختلف فی کراهته والاولی ان لایصلی فیه عند العذر فکیف بغیره۔

وفی التاتارخانیة(۱/۶۷۰): وکذا اذا غلبه النوم یکره له أن یصلی مع القوم بل ینصرف حتی یستیقظ وکذا لو صلی علی السطح من شدة الحر۔

وفی الهندیة(۵/۳۲۲): الصعود علی سطح کل مسجد مکروه لهذا اذا اشتد الحر یکره ان یصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکره الصعود علی سطحه للضرورة۔

وفی الشامیة(۱/۶۵۶): ثم رأیت القهستانی نقل عن المفید کراهة الصعود علی سطح المسجد اهـ

Marfat.com

ویلزمه کراهة الصلاة ایضاً فوقه۔ فلیتامل(قوله لانه مسجد) علة لکراهة ماذکر فوقه قال الزیلعی، ولهذا یصح اقتداء من علی سطح المسجد بمن فیه اذا لم یتقدم علی الامام ولا یبطل الاعتکاف بالصعود الیه۔

(۱۴۲) بیمار کی تیمارداری کیلئے جماعت کی نماز چھوڑنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر گھر والوں کی طبیعت سخت خراب ہو، ان کے پاس گھر میں کوئی اوران کی تیمارداری کرنے والا نہ ہو، اور مسجد میں نماز پڑھنے جانے کی صورت میں گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہو، تو کیا ایسی صورت میں جماعت کی نماز چھوڑنا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر بیمار آدمی کے ساتھ تیمارداری کرنے والا کوئی اور نہ ہو، اور مسجد میں چلے جانے کی صورت میں بیمار کو تکلیف ہوتی ہو، تو اس صورت میں جماعت چھوڑنا درست ہے۔

لمافی الهندیة(۱/۸۳): تسقط الجماعة بالاعذار حتی لاتجب علی المریض ...أن تفوته قافلة أو کان قیما لمریض الخ۔

وفی الشامیة (۱/۵۵۶): (قوله وقیامه بمریض)أی یحصل له بغیبته المشقة والوحشة۔

(۱۴۳) فرض نماز کا ''جماعت سے'' اور ''مسجد میں جا کر'' پڑھنا الگ الگ واجب ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا صرف جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے؟ یا مسجد کی طرف جماعت کی نماز پڑھنے کیلئے جانا بھی واجب ہے؟ جبکہ علامہ طحطاویؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے جیسا کہ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے ''الأصح أن اقامتها فی البیت کاقامتها فی المسجد وان تفاوتت الفضیلة(ص ۲۸۶)'' اوراعلاء السنن کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے کیلئے مسجد کی طرف جانا بھی واجب ہے ''فثبت ان اتیان المسجد ایضا واجب کوجوب الجماعة(اعلاء السنن، ۴/۱۷۳)'' اب ان دونوں قولوں میں سے راجح کون سا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ مسجد کی طرف جانا جماعت سے نماز پڑھنے کیلئے اگر واجب ہو، تو پنج وقت نماز کیلئے جانا واجب ہے، یا اکثر اوقات، یا بعض اوقات جانا واجب ہے، اور بعض اوقات جانے سے وجوب ساقط ہوجائے گا جیسا کہ علامہ شامی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''فالواجب الحضور احیاناً(الشامیة، ۱/۵۵۲)'' کبھی کبھی جانے سے وجوب ساقط ہوجائے گا۔ قول فیصل بیان فرما کر مشکور فرمائیں۔ نیز یہ کہ بعض حضرات سے سنا ہے، کہ اگر کسی شخص نے تین نمازیں باجماعت ادا کیں تو وہ شخص تارک جماعت شمار نہ ہوگا آیا یہ

Marfat.com

بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....فرض نمازوں کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مستقل طور پر واجب ہے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کیلئے مسجد میں آنا یہ الگ واجب ہے اور ہر ایک کے ترک کرنے پر احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ چند جوانوں سے کہوں کہ بہت سا ایندھن اکٹھا کر کے لائیں پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بلا عذر گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور جا کر ان کے گھروں کو جلا دوں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ کل قیامت کے دن اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں مسلمان بن کر حاضر ہو وہ ان نمازوں کو ایسی جگہ ادا کرنے کا اہتمام کرے جہاں اذان ہوتی ہے یعنی مسجد میں اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے تمہارے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کیلئے ایسی سنتیں جاری فرمائی ہیں جو سراسر ہدایت ہیں انہیں میں سے یہ جماعت کی نمازیں بھی ہیں اگر تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ فلاں شخص پڑھتا ہے تو تم نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت کے چھوڑنے والے ہو گے اور یہ سمجھ لو کہ اگر نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور جو شخص اچھی طرح وضوء کرے اس کے بعد مسجد کی طرف جائے تو ہر ہر قدم پر ایک ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک ایک درجہ بلند ہو گا اور ایک ایک خطا معاف ہو گی اور ہم تو اپنا یہ حال دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلم کھلا منافق ہو، وہ تو جماعت سے رہ جاتا تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عام منافقوں کی بھی جماعت چھوڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی یا کوئی سخت بیمار ہو ورنہ جو شخص دو آدمیوں کے سہارے سے گھسٹتا ہوا جا سکتا تھا وہ بھی صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

رہی یہ بات کہ صاحب حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی نے صاحب قنیہ کے حوالے سے جو مطلقاً لکھا ہے الاصح ان اقامتھا فی البیت کاقامتھا فی المسجد وان تفاوتت الفضیلۃ اس کے متعلق صاحب اعلاء السنن نے تصریح کی ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ اصحاب مذہب کی تصریحات اس کے خلاف ہیں اور صاحب قنیہ کی نقل ضعیف ہے اور یہ قول احادیث صحیحہ کے بھی خلاف ہے اور جہاں تک علامہ شامی کا قول ہے "فالواجب الحضور أحیانا" تو یہ اس صورت پر محمول ہو سکتا ہے جب کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں جماعت رہ گئی ہو، ورنہ بعض فقہاء نے تو یہاں تک تصریح کی ہے کہ بغیر عذر کے کبھی کبھار بھی گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بدعت اور مکروہ ہے اور بعض حضرات سے سنی ہوئی بات کہ "اگر کسی شخص نے تین نمازیں با جماعت ادا کیں تو وہ شخص تارک جماعت شمار نہ ہوگا" درست نہیں ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۱۸۶/۴): قلت دلالته علی الجزء الاول ظاهرة حیث بولغ فی تهدید من تخلف عنها وحکم علیه بالنفاق ومثل هذا التهدید لا یکون الا فی ترك الواجب ولا یخفی ان وجوب الجماعة لو کان مجردا عن حضور المسجد لما هم رسول الله ﷺ باضرام البیوت علی المتخلفین لاحتمال انهم صلوها بالجماعة فی بیوتهم فثبت ان اتیان المسجد ایضا واجب

Marfat.com

كوجوب الجماعة فمن صلاها بجماعة فى بيته اتى بواجب وترك واجبا آخر۔

وفيه ايضاً(۱۸۸/۴): قلت: وهذا صريح فى ان وجوب الجماعة انما يتأدى بجماعة المسجد لا بجماعة البيوت ونحوها فما ذكره صاحب القنية اختلف العلماء فى اقامتها فى البيت والاصح انها كاقامتها فى المسجد الا فى الفضيلة وهو ظاهر مذهب الشافعي اھ۔ كذا فى حاشية البحر لابن عابدين لا يصح مالم ينقل نقلا صريحا عن اصحاب المذهب ويرده ماذكرنا من الاحاديث فى المتن فالصحيح ان الجماعة واجبة مع وجوب اتيانها فى المسجد ومن اقامها فى البيت وهو يسمع النداء فقد أساء وأثم والله سبحانه وتعالىٰ أعلم۔

وفى البحر الرائق(۶۰۶/۱): وسئل الحلوانى عمن يجمع بأهله أحيانا.هل ينال ثواب الجماعة أو لا؟ قال: لا ويكون بدعة ومكروها بلاعذر۔

(۱۴۴) جماعت ثانیہ میں تعدد کی صورت میں شرکت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں مدنی مسجد شب جمعہ کو چلا گیا۔ مغرب میں تھوڑی دیر سے پہنچا۔ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ہو چکی تھی۔ برآمدے میں دوجگہ جماعت کے ساتھ نماز ہو رہی تھی۔ ایک جماعت میں نمازیوں کی تعداد کافی زیادہ تھی جبکہ دوسری جماعت میں نمازیوں کی تعداد کم تھی۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ جس جماعت میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہے ان کی آخری رکعت ہے۔ اور جس جماعت میں تھوڑے سے حضرات ہیں ان کی پہلی رکعت ہے۔ اب میں سخت متردد ہوا کہ کس جماعت میں شامل ہو جاؤں؟ آخر کار اس جماعت میں شریک ہوا جس کی پہلی رکعت تھی۔ لیکن دل میں ابھی تک یہ تردد ہے کہ کون سی جماعت میں شریک ہو جانا چاہیے تھا؟ اب آپ حضرات رہنمائی فرمائیں کہ اگر ایسا معاملہ پیش آجائے تو کیا کرنا چاہیے؟ آیا ثواب میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......احادیث مبارکہ میں بکثرت نماز باجماعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور باجماعت نماز نہ پڑھنے والوں کیلئے وعیدیں بھی بیان فرمائی گئی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نماز ہمیشہ باجماعت ادا کی جائے۔ اور تکبیر اولیٰ کے حصول کی بھی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے۔ احادیث میں اس کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ نیز اگر کوئی شخص جماعت کی نماز میں ایک رکعت یا چند رکعات ہونے کے بعد شریک ہوتا ہے تو بلاشبہ وہ بھی جماعت کو پانے والا ہے لیکن اس شخص کا ثواب اس آدمی سے کم ہوگا جو شروع سے امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔

صورت مسئولہ میں آپ نے جو عمل کیا کہ اس جماعت میں شریک ہوئے جن کی ابھی پہلی رکعت تھی یہ بالکل درست ہے جس سے یقیناً آپ تکبیر اولیٰ اور باجماعت نماز پڑھنے کے ثواب کے مستحق ہوں گے جبکہ دوسری جماعت میں شریک ہونے سے آپ ان

Marfat.com

فضائل سے محروم ہو جاتے۔ لہٰذا جہاں ایسی صورتحال ہو کہ دو جماعتیں ہو رہی ہوں اور ایک کی پہلی رکعت ہو، اور دوسری جماعت کی اکثر رکعات ہو چکی ہوں تو اس جماعت میں شریک ہونا چاہیے جن کی پہلی رکعت ہو یا کم رکعات ادا ہوئی ہوں، بشرطیکہ دوسری جماعت مسجد کے احاطہ سے باہر ہو رہی ہو۔ اگر مسجد کے احاطے ہی میں دوسری جماعت ہو رہی ہے تو یہ درست نہیں ہر ایک کو انفرادی نماز ادا کرنی چاہیے۔

لمافی الترمذی(۱/۵۲): عن ابن عمررضی الله عنهماقال قال رسول الله ﷺ :صلوة الجماعة تفضل علی صلوة الرجل وحده بسبع وعشرین درجة۔

وفی الشامیة(۱/۳۹۶): الراجح عند اهل المذهب وجوب الجماعة وانه یاثم بتفویتها اتفاقاً: وحینئذ یجب السعی بالقدم لا لاجل الاداء فی اول الوقت اوفی المسجد بل لأجل اقامة الجماعة والا لزم فوتها اصلاً او تکرارها فی مسجد ان وجد جماعة اخری وکل منها مکروہ۔

(۱۴۵) بار بار وضو ٹوٹنے، ٹانگوں میں درد جیسے عذر کی بنا پر مسجد میں آ کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک سال پہلے اپنی مقامی مسجد (جامع مسجد گول مارکیٹ) میں وضو کے بعد اچانک پیر پھسلنے کے بعد گر پڑا اور اس حادثے کے بعد سے مستقل طور پر بیمار آدمی کی زندگی گزار رہا ہوں، اس حادثے کے کچھ عرصے بعد جسم کے بائیں طرف فالج کا حملہ ہوا اور حالت مزید خراب ہوگئی۔ اب اللہ کے فضل سے بذریعہ علاج کچھ افاقہ ہوا۔ میری روٹین کچھ اس طرح ہے کہ میں عصر کی نماز میں باجماعت شریک ہو جاتا ہوں اور پھر تلاوت کر کے مغرب باجماعت پڑھ کر گھر لوٹتا ہوں۔ مسلسل گرم دواؤں کے استعمال سے مجھے قبض اور گیس کی شکایت رہتی ہے۔ میں عصر کی جماعت کیلئے گرم پانی کا وضو بنا کر گھر سے چلتا ہوں مگر وضو ۱۵ منٹ یا آدھا گھنٹے میں ٹوٹ جاتا ہے اکثر نماز شروع کرنے سے پہلے ہی ٹوٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے مسجد میں ٹھنڈے یا گرم جو بھی میسر ہو دوبارہ وضو بنانا پڑتا ہے، مسجد میں گرم پانی ہر وقت دستیاب نہیں ہوتا، لہٰذا مجبوراً ٹھنڈے پانی سے وضو بنانے پر میری انگلیوں میں اور پیروں میں کھنچاؤ اور تکلیف ہونے لگتی ہے۔ ڈاکٹر نے رمضان کے روزے رکھنے اور نماز پڑھنے سے بھی منع کیا ہے۔ اب اس مسئلے کے حل کی جتنی بھی شرعی صورتیں ہوسکتی ہیں بیان فرمادیں۔ ان میں سے مناسب اور آسان صورت کو اختیار کرلوں گا۔ مسجد ۱۰ منٹ کی مسافت پر ہے اور بڑھاپے کی وجہ سے زیادہ نہیں چلا جاتا۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں اگر بار بار وضو کرنے سے آپ کو تکلیف ہوتی ہو، اور گھر سے وضو کر کے مسجد تک جاتے جاتے یا نماز شروع ہوتے ہوتے وضو ٹوٹ جاتا ہو، یا بڑھاپے کی وجہ سے مسجد تک چلنے میں تکلیف ہوتی ہو، تو ایسی صورت میں اگر آپ جماعت میں شریک ہونے کی بجائے گھر میں ہی وضو کر کے جلدی جلدی نماز پڑھ لینا چاہتے ہیں تو آپ کیلئے شرعاً اجازت ہے کہ آپ گھر میں ہی پڑھ لیں۔ کذا فی نفع المفتی والسائل بحوالہ فتاوی رحیمیہ (۱/ ۱۹۵)۔ کیونکہ بیماری اور ایسے

Marfat.com

بڑھاپے میں جس کی وجہ سے مسجد تک چلنا مشکل ہو جائے اس سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے۔

دوسری صورت آپ کیلئے یہ ہے کہ اگر پانی کے استعمال سے بیماری میں اضافہ ہونے یا بیماری کے طول پکڑنے کا خوف ہو تو ایسی صورت میں آپ تیمم کر کے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن یہ خوف غلبہ ظن یا تجربہ یا کسی مسلمان غیر فاسق حاذق طبیب کی خبر سے معلوم ہو سکتا ہے۔

رہا ڈاکٹر کا روزہ رکھنے سے منع کرنا، تو اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے بیماری میں اضافہ ہونے کا یا بیماری کے طول پکڑنے کا خوف ہو، اور کوئی مسلمان غیر فاسق حاذق طبیب آپ کو روزہ نہ رکھنے کا مشورہ دے تو آپ کو شرعاً روزے فی الحال نہ رکھنے کی اجازت ہے البتہ بعد صحت قضاء کرنا ضروری ہوگا۔

رہا نماز کا مسئلہ، تو اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں تکلیف ہوتی ہو، اور بیماری میں اضافہ یا بیماری کے طول پکڑنے کا خوف ہو تو بیٹھ کر ہی رکوع وسجدہ کے ساتھ نماز پڑھ لیا کریں۔ اور اگر رکوع وسجدہ میں بھی تکلیف ہوتی ہو تو اشارہ کر کے نماز پڑھ لیا کریں اور اگر بیٹھنے میں بھی تکلیف ہوتی ہو تو لیٹ کر اشارتاً رکوع وسجدہ کرتے ہوئے نماز پڑھ لیا کریں۔ اور اگر بیماری کی شدت کی وجہ سے اشارہ کرنے پر بھی قادر نہ ہوں تو فی الحال نماز کو موخر کر دیں۔

لما فی الهندية (١/٨٣): وتسقط الجماعة بالاعذارحتی لا تجب علی المريض والمقعد والزمن ومقطوع اليد والرجل من خلاف ومقطوع الرجل والمفلوج الذی لا يستطيع المشی والشيخ الكبير العاجز والاعمیٰ عند ابی حنيفة رحمه الله تعالیٰ۔

وفی الطحطاوی(ص٢٩٨): قوله وشيخوخة، مصدر شاخ يشيخ اذا استبان منه السن قاموس۔ ای اذا صار شيخا كبيرا لايستطيع المشی سقطت عنه الجماعة۔

وفی الهندية (١/٢٨): ولو كان يجد الماء الا انه مريض يخاف ان استعمل الماء اشتد مرضه او ابطأبرء ه يتيمم ...... ويعرف ذلك الخوف اما بغلبة الظن عن امارة او تجربة او اخبار طبيب حاذق مسلم غير ظاهر الفسق كذا فی شرح منية المصلی لابراهيم الحلبی۔

(١٤٦) راستوں وغیرہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محلہ کی مسجد میں جماعت ثانی ہیئت اولیٰ کی تبدیلی کے باوجود درست نہیں ہے آیا یہ حکم صرف محلہ والوں کے لئے ہے یا مسافر بھی اس میں داخل ہیں، مثلاً تبلیغی جماعت والے محلہ کی مسجد میں اس وقت آئے جبکہ محلہ والے جماعت سے نماز پڑھ چکے تھے آیا یہ تبلیغی جماعت والے یعنی کوئی بھی مسافر ہیئت اولیٰ بدل کر مسجد میں جماعت ثانی کروا سکتے ہیں یا نہیں؟

اڈے کی مساجد مثلاً جو بس اسٹاپ پر ریلوے اسٹیشن پر یا سڑک کے کنارے پر بنی ہوئی ہوتی ہیں ان مساجد میں امام و

Marfat.com

مؤذن متعین ہوں جو پانچ وقت اذان دیتا ہو، اور نماز پڑھاتا ہو تو کیا اس صورت میں اسٹاپ وغیرہ کی مساجد میں جماعت ثانی کروانا درست ہے یا نہیں، درست ہونے کی صورت میں ہیئت اولیٰ بدلنی ہوگی یا نہیں؟ یا اسٹاپ وغیرہ کی مساجد میں اس وقت جماعت ثانی کروانا درست ہوگی جب ان مساجد میں امام ومؤذن متعین نہ ہوں کیا اس صورت میں بھی ہیئت اولیٰ بدلنی ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... مسجد محلہ جس میں امام ومؤذن مقرر ہوں اس میں جماعت ثانی مکروہ ہے اور یہ حکم صرف محلہ والوں کے لئے نہیں ہے بلکہ جو بھی جماعت ہوجانے کے بعد آئیں وہ سب اس حکم میں شامل ہیں لہٰذا جو بعد میں آئیں اور اگر وہ جماعت ثانی کرانا چاہتے ہیں تو کسی ایسی جگہ میں جو مسجد کی حدود سے خارج ہو وہاں جماعت کراسکتے ہیں اور اسی طرح ان مساجد میں بھی جماعت ثانی مکروہ ہے جن میں امام ومؤذن اور مقتدی معین ہوں، البتہ وہ مساجد جن میں امام ومؤذن اور مقتدی معین نہ ہوں تو ان میں جماعت ثانی مکروہ نہیں ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں بس اڈے، ریلوے اسٹیشن اور سڑک کے کنارے جو مساجد ہیں اگر ان میں امام ومؤذن اور مقتدی معین ہیں تو ان مساجد میں جماعت ثانی مکروہ ہوگی اور اگر معین نہیں ہیں تو جماعت ثانی جائز ہوگی۔

لمافی الدر المختار(۱/۵۵۲): ویکرہ تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة لافی مسجد طریق او مسجد لا إمام له ولا مؤذن۔ وفی الشامیة تحته (قوله یکرہ) أی تحریما لقول الکافی لایجوز، والمجمع لایباح، وشرح الجامع الصغیر إنه بدعة کمافی رسالة السندی (قوله بأذان و اقامة الخ)...یکرہ تکرار الجماعة فی مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذاصلی بهما فیه أولا غیر أهله أو أهله لکن بمخافتة الأذان، ولو کرر أهله بدونهما أو کان مسجد طریق جاز اجماعا، کمافی مسجد لیس له إمام ولا مؤذن ویصلی الناس فیه فوجا فوجا، فإن الأفضل ان یصلی کل فریق بأذان وإقامة علی حدة کمافی امالی قاضیخان ونحوہ فی الدرر، والمراد بمسجد المحلة ماله إمام وجماعة معلومون کمافی الدرر وغیرها، قال فی المنبع: والتقیید بالمسجد المختص بالمحلة احتراز من الشارع، وبالأذان الثانی احتراز عما اذ اصلی فی مسجد المحلة جماعة بغیر اذان حیث یباح اجماعا، ... وأما مسجد الشارع فالناس فیه سواء لا اختصاص له بفریق دون فریق۔

(۱۴۷) بدعتیوں کی جماعت کے بعد جماعت ثانی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسجد میں جب اہل بدعت میں سے مثلاً بریلوی عقائد کا حامل شخص جماعت کرائے تو کیا اس مسجد میں دوبارہ صحیح العقیدہ شخص جماعت کراسکتا ہے یا نہیں اور یہ تکرارِ جماعت میں داخل ہوگا یا نہیں؟ اور دوسری جماعت کا کیا حکم ہے، آیا وہ درست ہے یا نہیں؟ یا مکروہ ہے۔

Marfat.com

علامہ شامی رحمہ اللہ کی عبارت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک مسجد میں جماعت کراہت کے ساتھ کروائی گئی ہو تو دوسری جماعت کرائی جاسکتی ہے۔اور وہ عبارت یہ ہے: لان تکرار الجماعۃ فی مسجد واحد مکروہ عندنا علی المعتمد الا اذا کانت الجماعۃ الاولی غیر اہل ذلک المسجد او ادیت الجماعۃ علی وجہ مکروہ۔(شامیۃ: ۱/۵۶۴)

المطلوب: ۱)۔بریلویوں کی جماعت کا کیا حکم ہے؟

۲)۔جب ایک دفعہ بریلوی عقائد کا حامل شخص جماعت کروادے تو کیا دوسری جماعت اسی مسجد میں کروائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۳)۔دوسری جماعت میں کراہت تو نہیں ہوگی؟ وہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جب محلے والے اپنی مسجد میں اذان اور اقامت کے ساتھ ایک مرتبہ نماز ادا کرلیں تو وہاں جماعت ثانیہ کروانا شرعاً مکروہ ہے۔جماعت ثانیہ کا ادا کرنا چونکہ جماعت اولیٰ کی سستی کا سبب ہے اور لوگوں کے دلوں سے فوتِ جماعت کا خوف نکل جانے کا سبب ہے اس لئے جماعت ثانی مکروہ ہے۔لہٰذا صورت مسئولہ میں بریلویوں کی جماعت بشرطیکہ ان کے عقائد کفر تک نہ پہنچے ہوں کراہت کے ساتھ جائز ہے اس لئے اگر ایک دفعہ بریلویوں نے جماعت کرالی تو دوسری جماعت اسی مسجد میں کرانا جائز نہیں ہے۔علامہ شامی رحمہ اللہ کی عبارت سے یہ مراد نہیں کہ جب ایک مسجد میں جماعت کراہت کے ساتھ کروائی گئی ہو تو دوسرے لوگ دوسری جماعت کراسکتے ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی ایسے فعل میں کراہت ہے جس کا تعلق ماہیت صلوۃ کے ساتھ ہے تو اس جماعت کا اعادہ واجب ہے۔

لما فی الکبیری(ص۴۷۶): یکرہ تقدیم المبتدع ایضا لانہ فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئاً علی خلاف ما یعتقدہ اھل السنۃ والجماعۃ وانما یجوز الاقتداء بہ مع الکراھۃ اذا لم یکن مایعتقدہ یودی الی الکفر عند اھل السنۃ اما لو کان مؤدیا الی الکفر فلا یجوز اصلا۔

وفی الشامیۃ(۱/۴۵۷): فیخالف تلک القاعدۃ الا ان یدعی تخصیصھا بان مرادھم بالواجب والسنۃ التی تعادبترکہ ما کان من ماھیۃ الصلاۃ واجزائھا فلا یشمل الجماعۃ لانھا وصف لھا خارج عن ماھیتھا۔

وفی اعلاء السنن(۴/۳۳۲): عن عبید اللہ بن عدی بن الخیار انہ دخل علی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ وھو محصور، فقال: انک امام عامۃ، ونزل بک ما تری، ویصلی لنا امام فتنۃ، ونتحرج. فقال: الصلاۃ احسن ما یعمل الناس، فاذا احسن الناس فاحسن معھم، واذا اساؤوا فاجتنب اساء تھم اخرجہ البخاری(۱/۹۶)

Marfat.com

قوله عن عبيد الله بن عدى الخ- دلالته على صحة الصلاة خلف الفاسق من قول عثمان رضى الله عنه، ظاهرة، والمراد بامام الفتنة هو كنانة بن بشر البلوى احد رؤوس المصريين، فان سيف ابن عمر روى حديث الباب فى كتاب الفتوح من طريق اخرى عن الزهرى بسنده فقال فيه: دخلت على عثمان رضی اللہ عنہ وهو محصور وكنانة يصلى بالناس فقال: كيف ترى؟ الحديث-

كذا قال الحافظ فى الفتح(۱۵۹/۷): وفيه دليل على كراهة الصلاة خلفه ايضاً لما فيه من قول عبيد الله بن عدى: ''ونتحرج'' ولما فى رواية سيف بن عمر من قول يوسف الانصارى ''كره الناس الصلاة خلف الذين حصروا عثمان رضی اللہ عنہ'' ولكن عثمان رضى الله عنه، انما حضهم على الصلاة خلفهم لما علم من عجز القوم عن عزلهم وبذلك تزول الكراهة عمن يقتدى به-

(۱۴۸) اہل حق کی مسجد نہ ہونے کی صورت میں بدعتیوں کے پیچھے نماز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ کے رشتہ دار کراچی کے ایک علاقہ میں رہتے ہیں وہاں قریب میں کوئی مسجد اہل حق کی نہیں ہے بلکہ تمام مساجد بدعتیوں کی ہیں۔اب نماز کا کیا حکم ہے گھر میں پڑھ لیں یا ان کی اقتداء میں مسجد جا کر پڑھیں نیز بندہ کا وہاں کبھی کبھی جانا ہوتا ہے تو بندہ کیلئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بندہ آخری سال کا طالب علم ہے۔تفصیلاً وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......بہتر یہ ہے کہ اہل حق کی مساجد میں نماز ادا کی جائے اور اگر اہل حق کی مساجد وہاں قریب میں نہیں ہیں تو اس صورت میں اکیلے نماز پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ بدعتیوں کی مساجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں۔

لما فى كنز العمال(۱۴۸۱۵،۵۴/۶): صلوا خلف كل بر وفاجر-

وفى نصب الراية(۲۸/۲): قال عليه السلام: ((من صلى خلف عالم تقى، فكأنما صلى خلف نبى))-

وفى الدر المختار(۵۶۲/۱): وفى النهر عن المحيط، صلى خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة، وفى الشامية(قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد، لكن لا ينال، كما ينال خلف تقى ورع-

(۱۴۹) تبلیغی جماعتوں کا بریلوی ائمہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغی حضرات کی جماعتیں جب سہ روزہ یا چلہ وغیرہ کیلئے نکلتی ہیں تو ہر مسجد میں دن گزارتے ہیں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ جماعتیں بریلوی حضرات کی مسجدوں میں چلی جاتی ہیں تو وہاں پر جماعت

Marfat.com

کے ساتھ فرض نمازیں ان کے پیچھے باجماعت نماز ادا کرتے ہیں اس وجہ سے کہ جوڑ پیدا ہوا گر علیحدہ اپنی نماز ادا کریں تو توڑ پیدا ہوگا اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے اگر کسی شخص کو معلوم ہو کہ یہ شرک وبدعات کا ارتکاب کرتے ہیں اس کے باوجود بھی وہ شخص ان کے پیچھے نماز ادا کرے تو اس شخص کو چاہیے کہ دوبارہ کلمہ پڑھے اور اگر شادی شدہ ہے تو تجدید نکاح کرے تو آپ حضرات رہنمائی فرمائیں کہ واقعی ایسا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... بدعتی آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، جبکہ اس کے عقائد کفر تک نہ پہنچے ہوں اور لوگ اس کے معزول کرنے پر قادر ہوں لیکن اگر لوگ اس کے معزول کرنے پر قادر نہیں اور اس مسجد کے علاوہ کوئی دوسری مسجد بھی گاؤں اور محلے میں نہیں ہے تو پھر ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر بدعتی کے عقائد کفر تک پہنچے ہوں تو پھر ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں تبلیغی حضرات کی نمازیں بریلوی ائمہ کے پیچھے جائز تو ہیں لیکن اس سے از حد اجتناب کرنا چاہیئے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ ان کے عقائد کفریہ حد تک نہ پہنچے ہوں ورنہ ان کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

لما فی اعلاء السنن(۲۳۲/۴): کرہ الناس الصلاۃ خلف الذین حصروا عثمان، ولکن عثمان رضی اللہ عنہ إنما حضھم علی الصلاۃ خلفھم لما علم من عجز القوم عن عزلھم وبذالك تزول الکراھة عمن یقتدی بہ۔

وفی البحر الرائق(۶۱۱/۱): وأطلق المصنف فی المبتدع فشمل کل مبتدع ھو من أھل قبلتنا، وقیدہ فی المحیط والخلاصة والمجتبی وغیرھا بان لا تکون بدعته تکفرہ فان کانت تکفرہ فالصلاۃ خلفه لا تجوز۔

وفی الدر المختار(۵۶۲/۱): وفی النھر عن المحیط: صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة قال فی الشامیة (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاۃ خلفھما أولی من الانفراد لکن لا ینال کما ینال خلف تقی ورع، لحدیث ''من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی''۔

وفی کبیری(ص۴۷۶): ویکرہ تقدیم المبتدع ایضاً لانه فاسق من حیث الاعتقاد وھو أشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانه فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئاً علی خلاف ما یعتقدہ أھل السنة والجماعة ......أما لو کان مؤدیا إلی الکفر فلا یجوز أصلا کالغلاۃ من الروافض۔

Marfat.com

(۱۵۰) بدعتی اور فاسق کے پیچھے پڑھی گئی نماز کے بارے میں فقہاء کرام کے اقوال (مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی) میں تطبیق

سوال...... مفتی صاحب درج ذیل امور سے متعلق دریافت کرنا ہے (۱)۔ بدعتی، فاسق وفاجر مثلاً شرابی، زانی، ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے والے، مماتی، بلاوجہ دوسرے پر لعن طعن کرنے والے، سودخور الغرض کسی بھی قسم کے گناہ کبیرہ میں مبتلا شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ مکروہ تحریمی یا تنزیہی؟ جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز یا مکروہ تحریمی ہے تو ذمہ سے فرضیت صلاۃ ساقط ہوگی یا واجب الاعادہ ہے؟ اگر واجب الاعادہ نہیں تو فقہاء کرام کی اس عبارت کا کیا مطلب: وكل صلاة اديت مع كراهة التحريم تعاد (الدر المختار، ۶۴/۲) نیز کتب فقہاء کی عبارت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ فساق کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارات میں ہے کہ:

قال (ويجوز امامة الاعمى والاعرابى... والفاسق، وغيرهم احب الى) (المبسوط السرخسى: ۴۰/۱)

فالحاصل انه يكره لهولاء التقدم ويكره الاقتداء بهم كراهة تنزيهة الخ۔ (البحر الرائق، ۶۱۱/۱)

(ويكره) تنزيها (امامة عبد)... (وفاسق واعمى) الخ۔ (الدر المختار، ۵۶۰،۵۵۹/۱)

دوسری بات یہ ہے کہ فقہاء احناف نے ان حضرات مذکورہ کے پیچھے نماز پڑھ لینے کو جائز قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ فساق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی نہیں مثلاً منقول ہے: باب امامة المفتون والمبتدع، وقال الحسن صل، وعليه بدعته ...... عن عبيد الله بن عدى بن الخيار انه دخل على عثمان بن عفان وهو محصور فقال انك امام عامة، ونزل بك ماترى! ويصلى لنا امام فتنة، ونتحرج فقال الصلوة... الخ۔ (صحيح البخارى، ۹۶/۱)

ويكره تقديم العبد... والفاسق... فان تقدموا جاز۔ (مختصر القدورى، ص۳۵)

ويكره تقديم العبد... والفاسق... وان تقدموا جاز۔ (الفقه النافع، ۲۱۵/۱)

حتى تجوز امامة العبد والاعرابى... والفاسق وهذا قول عامة العلماء۔ (بدائع الصنائع، ۶۶۶/۱)

قال اما الفاسق فتجوز الصلاة خلفه لقوله عليه السلام "صلوا خلف كل بر وفاجر"۔ (المحيط البرهانى، ۱۴۸/۲)

قال المرغينانى: تجوز الصلاة خلف صاحب هوى وبدعة۔ (تبيين الحقائق، ۳۴۵/۱)

قوله: (ويكره تقديم العبد والاعرابى)... قوله (والفاسق)... (فان تقدموا جاز) لقوله عليه السلام صلوا خلف كل بر و فاجر۔ (الجوهرة النيرة، ۱۵۹/۱)

وفى الفتاوى لو صلى خلف فاسق او مبتدع ينال فضل الجماعة الخ۔ البحر الرائق (۶۱۰/۱)

Marfat.com

الصلاۃ خلف اھل الھواء والبدعۃ ان کان ھوی لا یکفر...وھو من اھل ملّتنا یجوز۔ (الفتاویٰ الولوالجیۃ،۱/۱۲۰)

ویصح الاقتداء باھل الھواء الخ۔ (الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ،۱/۹۱)

الاقتداء باھل الھواء جائزۃ الخ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ،۱/۱۴۹)

اذا صلی رجل خلف فاسق او مبتدع ینال فضل الجماعۃ الخ۔ (کتاب التجنیس والمزید،۲/۳)

الصلوۃ خلف المبتدع تجوز الا فی روایۃ عن ابی حنیفۃ (الفتاوی السراجیۃ:ص۱۵)

والمصلی خلف مبتدع او فاسق ینال ثواب الجماعۃ۔ (البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ:۱/۵۵)

قال المرغینانی تجوز الصلاۃ خلف صاحب ھوی وبدعۃ۔ (الھندیۃ المعروف بالفتاویٰ العالمگیریۃ:۱/۸۴)

ان مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق، بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور جماعت کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے اگرچہ مکروہ ہے، پس اس کراہت کو کراہت تنزیہہ پر محمول کرنا چاہیئے ورنہ اگر مکروہ تحریمی پر محمول کیا جائے گا تو ''کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تعاد'' کے خلاف ہونا لازم آئے گا، کیونکہ نماز کا واجب الاعادہ ہونا بظاہر جواز صلاۃ خلف الفاسق کے منافی معلوم ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ حاشیہ نمبر ۸ صفحہ نمبر ۱۵۲ پر فاسق وبدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ قولہ کرہ: الکراھۃ فی تقدیم الفاسق تحریمیۃ، وکذا المبتدع فانہ اشد من الفاسق من حیث العمل الخ۔ (شرح الوقایۃ مع عمدۃ الرعایۃ، ۱/۱۵۲) اور علامہ طحطاویؒ نے بھی اسی کے موافق لکھا۔

(فتجب إھانتہ شرعا فلا یعظم بتقدیمہ للإمامۃ) تبع فیہ الزیلعي ومفادہ کون الکراھۃ فی الفاسق تحریمیۃ۔(حاشیۃ الطحطاوی، ص۳۰۳، طبع قدیمی کتب خانہ)

الحاصل: حضرت علامہ عبدالحی لکھنوی وعلامہ طحطاوی رحمہما اللہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق وبدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، پس اگر اس قول کو لیا جائے تو قاعدہ ''وکل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تعاد'' کے مطابق نماز واجب الاعادہ ہونی چاہیئے، نیز یہ کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا بھی ناجائز ہو، اور فضیلت جماعت بھی حاصل نہ ہو۔

باقی دیگر فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق وبدعتی کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے، بناء بریں ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز بھی ہوگا اور فضیلت جماعت بھی حاصل ہوجائے گی، اب آپ یہ بتائیں کہ ان میں کونسا قول درست ہے؟ اگر نماز مکروہ تحریمی ہے تو واجب الاعادہ ہے یا نہیں، اگر نہیں تو مذکورہ قاعدہ ''وکل صلاۃ ادیت الخ'' کا کیا مطلب ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......فقہاء کرام کی عبارات پر آپ کے پیش کردہ اشکالات بادی النظر میں تو درست معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر کچھ غور وفکر کریں اور تمام عبارتوں پر نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کرام کی عبارتوں میں حقیقتاً کوئی تعارض نہیں ہے۔

دفع تعارضِ اوّل:...... جہاں فقہاء کرام نے فاسق وبدعتی کے پیچھے نماز کے مکروہ تحریمی ہونے کا قول کیا ہے وہاں فقہاء کرام۔

Marfat.com

''تقدیم'' استعمال فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے قصد واختیار سے کسی فاسق وبدعتی کو امامت کیلئے آگے کرنا، جس سے معلوم ہوا کہ کراہتِ تحریمی ''تقدیم'' کی صورت میں ہے اور جہاں مکروہ تنزیہی کا قول کیا ہے وہاں لفظ ''اقتداء یا تقدم'' استعمال فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پہلے سے فاسق وبدعتی امام موجود ہو یا خود ہی آگے بڑھ جائے جس کو ہٹانے میں فتنہ وفساد کا خوف ہو، اور پھر اس کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے، جس سے واضح ہوا کہ کراہت تنزیہی محض ''اقتداء'' کی صورت میں ہے تو دونوں صورتیں الگ ہیں جس کی وجہ سے دونوں کا حکم بھی الگ ہے فلا تعارض بینهما۔

دفع تعارضِ ثانی:...... قاعدہ "کل صلوۃ ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها" عام ہے۔ ہر نماز جو کراہت تحریم کے ساتھ اداء ہو اس کا اعادہ واجب ہے۔ اس میں علامہ شامیؒ نے اگرچہ ماہیت اور خارج از ماہیتِ صلوۃ سے اعادے اور عدم اعادے کا فرق کیا ہے اور اسے ''الاقرب'' قرار دیا ہے اگرچہ آخر میں وہ خود اس پر مطمئن نہیں۔ بہرحال یہ فرق تسامح ہے اور اس پر بہت سے دلائل موجود ہیں لہذا یہ قاعدہ عام ہے اور ہر مکروہِ تحریمی کے ساتھ اداء نماز کا اعادہ واجب ہے۔

لیکن یہاں آپ کا وارد کردہ اشکال لازم آئیگا کہ اگر فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہے تو پھر واجب الاعادہ کیوں نہیں؟؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں نص موجود ہے "صلوا خلف کل بر وفاجر" (کنز العمال ۱/۹۶) اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امام الفتنہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا (بخاری ۱/۹۶) تاکہ امت انتشار وافتراق سے بچی رہے، وفی هذا الاثر لحض علی شهود الجماعة ولا سیما فی زمن الفتنة لئلا یزداد تفرق الکلمة (فتح الباری ۲/۱۵۱) لہذا فاسق ومبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہونے کے باوجود واجب الاعادہ نہیں اور یہ اس قاعدے کے اطلاق سے مستثنیٰ ہے۔ فاندفع الاشکال

لما فی الشامية (۱/۵۶۰): بل مشی فی شرح المنية علی أن کراهة تقديمه کراهة تحريم لما ذکرنا قال: ولذا لم تجز الصلاة خلفه أصلاً عند مالك ورواية عن أحمد۔

وفی الشامية (۱/۴۵۷): مطلب کل صلاة أديت مع کراهة التحريم تجب إعادتها قوله (وکذا کل صلاة الخ) الظاهر أنه يشمل نحو مدافعة الأخبثين مما لم يوجب سجودا أصلا وأن النقص إذا دخل في صلاة الإمام ولم يجبر وجبت الإعادة على المقتدي أيضا وأنه يستثنى منه الجمعة والعيد إذا أديت مع کراهة التحريم إلا إذا أعادها الإمام والقوم جميعا فليراجع ح ۔ أقول: وقد ذکر فی الامداد بحثا ان کون الإعادة بترك الواجب واجبة لا يمنع أن تکون الإعادة مندوبة بترك سنة ا هـ ونحوه في القهستاني بل قال فی فتح القدير: والحق التفصيل بين کون تلك الکراهة کراهة تحريم فتجب الإعادة أو تنزيه فتستحب۔ بقی هنا شئی وهو أن صلاة الجماعة واجبة على الراجح فی المذهب أو سنة مؤکدة فی حکم الواجب کما فی البحر وصرّحوا بفسق تارکها وتعزيره وأنه يأثم ومقتضی هذا أنه لو صلی منفرداً يؤمر بإعادتها بالجماعة وهو مخالف لما

Marfat.com

صرّحوا به فی باب ادراك الفريضة من أنه لوصلى ثلاث ركعات من الظهر ثم اقيمت الجماعة يتم ويقتدى متطوعاً، فإنه كالصريح فی أنه ليس له إعادة الظهر بالجماعة مع أن صلاته منفرداً مكروهة تحريماً أو قريبة من التحريم فيخالف تلك القاعدة إلا أن يدعى تخصيصها بأن مرادهم بالواجب والسنة التی تعاد بتركه ما كان من ماهية الصلاة وأجزائها فلا يشمل الجماعة لأنها وصف لها خارج عن ماهيتها۔ أو يدعى تقييد قولهم يتم ويقتدى متطوعاً بما إذا كانت صلاته منفرداً لعذر كعدم وجود الجماعة عند شروعه فلا تكون صلاته منفرداً مكروهة۔ والأقرب الأول ولذا لم يذكروا الجماعة من جملة واجبات الصلاة لأنها واجب مستقل بنفسه خارج عن ماهية الصلاة و يؤيده أيضاً أنهم قالوا يجب الترتيب فی سور القرآن فلو قرأ منكوساً أثم لكن لا يلزمه سجود السهو لأن ذلك من واجبات القراءة لامن واجبات الصلاة كما ذكره فی البحر فی باب السهو لكن قولهم كلّ صلاة اديت مع كراهة التحريم يشمل ترك الواجب وغيره، ويؤيده ماصرّحوا به من وجوب الإعادة بالصلاة فی ثوب فيه صورة بمنزلة من يصلی وهو حامل الصنم۔

وفی حاشية الطحطاوی(ص۳۰۳): (قوله:فتجب إهانته شرعاً فلا يعظم بتقديمه للإمامة) تبع فيه الزيلعی: ومفاده كون الكراهة فی الفاسق تحريمية۔

وفی البحرالرائق(۱/۶۱۱): فالحاصل أنه يكره لهؤلاء التقدم ويكره الاقتداء بهم كراهة تنزيهة فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد، وينبغی أن يكون محل كراهة الاقتداء بهم عند وجود غيرهم وإلا فلاكراهة كما لا يخفى۔

وفی التحرير المختار(۱/۵۷): (قوله : ويؤيده ما صرّحوا الخ) قد يقال ان ذلك ليس من واجبات اللباس بل يقال خلوّ المصلی عن ثوب فيه صورة أو عن حمله صنماً من واجبات الصلاة۔[1]

---

[1] نوٹ: مسئلہ ھذا کی مکمل تحقیق نجم الفتاوی، کتاب الصلوۃ کے مسئلہ ۱۸۷ میں مدلل فتوے" الافاضة فی قاعدة الفقهاء كل صلوة اديت مع الكراهة تجب الاعادة" کے ذیل میں دیکھی جاسکتی ہے۔(از مرتب)

Marfat.com

فصل فی المسبوق واللاحق

مسبوق اور لاحق کے مسائل کا بیان

(۱۵۱) امام کے رکوع سے سر اُٹھا لینے کے بعد جماعت میں شامل ہونے کا حکم

سوال......مفتی صاحب درج ذیل امور سے متعلق استفسار کرنا تھا:

(۱)۔امام جب رکوع سے قومہ کی طرف آجائے اور اب تک تکبیر نہ کہی ہو اسی دوران کوئی مقتدی آکر نماز کی نیت کر کے رکوع بھی امام کے تکبیر کہنے سے قبل ادا کر کے قومہ کی طرف آجائے تو یہ کیسا ہے؟

(۲)۔مقتدی (مسبوق) کے رکوع کا وقت امام کے رکوع سے اٹھنے پر ختم ہوتا ہے یا تکبیر کہنے پر یا دونوں کے جمع ہونے پر؟

الجواب بعون الملک الوھاب......مقتدی کے رکوع کا وقت امام کے رکوع سے اٹھنے پر ختم ہوجاتا ہے۔امام جب رکوع سے قومہ کی طرف آجائے اس وقت مقتدی رکوع میں شامل ہوا تو مقتدی کی اس رکعت کو شمار نہیں کیا جائے گا،مقتدی مسبوق کہلائے گا،کیونکہ امام کے ساتھ افعال میں مشارکت ضروری ہے،اور امام کے رکوع سے سر اٹھانے کی وجہ سے مشارکت نہیں پائی گئی۔

لمافی الدر المختار(۶۰/۲): (ولو اقتدی بإمام راكع فوقف حتى رفع الإمام رأسه لم يدرك المؤتم (الركعة) لأن المشاركة في جزء من الركن شرط ولم توجد فيكون مسبوقا فياتي بها بعد فراغ الامام بخلاف مالو أدركه في القيام ولم يركع معه فإنه يصير مدركاً لها فيكون لاحقاً۔

(۱۵۲) امام کو آخری رکعت میں پالینے والے شخص کیلئے بقیہ نماز پڑھنے کا طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱)۔اگر کوئی شخص امام کے ساتھ آخری رکعت پالے چار رکعت والی نماز میں،تو نماز پورا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

(۲)۔اگر کوئی شخص اس کے بعد والی رکعت پر نہ بیٹھے بلکہ دو رکعت کے بعد بیٹھے اور تشہد پڑھ کر آخری رکعت کے لئے اٹھے تو اس کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)۔جو شخص چار رکعت والی نماز میں امام کے ساتھ ایک رکعت پائے وہ باقی نماز اس طرح ادا

Marfat.com

کرے کہ پہلی رکعت میں ثناء، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ پڑھے اور ساتھ سورت ملائے اس رکعت میں دوسرے سجدہ کے بعد قعدہ اولیٰ میں بیٹھے اور تشہد پڑھے۔ پھر دوسری رکعت میں تسمیہ پڑھے قرأت کرے پہلی رکعت کی طرح لیکن قعدہ نہ کرے، تیسری رکعت میں صرف فاتحہ پڑھے اور باقی نماز پوری کرے۔

(۲)۔اگر کوئی بعد والی رکعت پر نہ بیٹھے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا اگر سجدہ سہو ترک کر دیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

لما فی بدائع الصنائع(۱۶۵/۲): ولو ادرك مع الامام ركعة فی ذوات الأربع، فقام إلى القضاء۔ قفی ركعةً يقرأ فيها بفاتحة الكتاب وسورة ويتشهد ثم يقوم فيقفى ركعةً أخرى يقرأ فيها بفاتحة الكتاب وسورة،ولوترك القراء ة فی إحداهما تفسد صلاته لما قلنا وفی الثالثة هو بالخيار والقراء ة أفضل لما عرف۔

وفی الشامية(۵۹۷/۱): وفی الفيض عن المستصفی: لو أدركه فی ركعة الرباعی يقضی ركعتين بفاتحة وسورة ثم يتشهد ثم يأتی بالثالثة بفاتحة خاصة اھ عند أبی حنيفة وقالا: ركعة بفاتحة وسورة وتشهد ثم ركعتين اولاهما بفاتحة وسورة و ثانيتهما بفاتحة خاصة اھ وظاهر كلامهم اعتماد قول محمد۔

(قوله وتشهد بينهما): قال فی شرح المنية ولو لم يقعد جاز استحساناً لا قياساً ولم يلزمه سجود السهو لكون الركعة أولى من وجه۔

وفی تقريرات الرافعی على الشامية (۷۷/۱): (قوله ولو لم يقعد جاز الخ) المراد بالجواز الصحة بلا اثم نظراً لكون الركعة التی صلاها أولى من وجه لا أصل الصحة اذهی قياس أيضا اذ التشهد واجب ولا الحل بلا كراهة أصلا اذ هی متحققة ثم ظهر أن المراد أنه ترك القعود بينهما اصلا لا التشهد فقط فالقياس الفساد عندهما لأنه هو القعود الأخير۔

(۱۵۳) مسبوق کا امام کے سجدہ سہو کرنے کے بعد نماز میں شریک ہونا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کل رات نماز عشاء میں ہمارے امام صاحب نے کسی غلطی کی بنا پر سجدۂ سہو کیا تو اس وقت ایک آدمی نماز میں شریک ہوا لیکن وہ شخص سجدۂ سہو میں شریک نہیں ہوسکا بلکہ سجدۂ سہو ہوجانے کے بعد نماز میں آکر ملا، آیا اس طرح اس کی نماز ہوگئی؟ اور کیا مسبوق آدمی سجدۂ سہو کے بعد بھی جماعت میں شرکت کرسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کی نماز ہوجائے گی اور مسبوق آدمی سجدۂ سہو کے بعد بھی جماعت میں شرکت کرسکتا ہے۔

Marfat.com

لمافی الهندية(۱/۱۲۸): ولا يشترط ان يكون مقتديا به وقت السهو حتى لوأدرك الامام بعدما سها يلزمه ان يسجد مع الامام تبعاله ولودخل معه بعدما سجد سجدة السهو يتابعه فی الثانية ولا يقضی الأولى وان دخل معه بعد ما سجدهما لا يقضيهما كذا فی التبيين۔

وفی الدر المختار (۸۲/۲):(والمسبوق يسجد مع امامه مطلقا) سواء كان السهو قبل الاقتداء أوبعده (ثم يقضی مافاته)۔

(وفی الشامية تحته): (قوله سواء كان السهو قبل الاقتداء أو بعده) بيان للاطلاق وشمل أيضا ماإذا سجد الامام واحدة ثم اقتدى به قال فی البحر فانه يتابعه فی الاخرى ولا يقضی قضاء الاولى كما لا يقضيهما ولو اقتدى به بعدما سجدهما۔

(۱۵۴)مسبوق کیلئے امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں درودشریف پڑھنے کاحکم

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسبوق درودشریف وغیرہ بھی پڑھے گا یاصرف تشہد پڑھے گا؟

الجواب بعون الملک الوهاب......مسبوق کوقعدہ اخیرہ میں درودشریف اوردعاوغیرہ نہیں پڑھنا چاہیئے، بلکہ تشہدکواس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھے کہ امام کے سلام تک اس سے فارغ ہو، اگر پہلے فارغ ہوجائے توکلمۂ شہادت کومکرر پڑھتارہے یاپھرخاموش بیٹھارہے۔

لمافی الهندية(۹۱/۱): ان المسبوق ببعض الركعات يتابع الامام فی التشهد الاخير واذا أتم التشهد لايشتغل بما بعده من الدعوات ثم ماذا يفعل تكلموا فيه ومن ابن شجاع انه يكرر التشهد ای قوله اشهد والصحيح ان المسبوق يترسل فی التشهد حتى يفرغ عند سلام الامام۔

وفی الدر المختار(۵۱۱/۱): واما المسبوق فيترسل ليفرغ عند سلام امامه۔ وقيل يتم، وقيل يكرر كلمة الشهادة۔

(وفی الشاميه تحته) : (قوله فيترسل) ای يتمهل وهذاماصححه فی الخانية وشرح المنية فی بحث المسبوق من باب السهو وباقی الاقوال مصحح ايضاً۔ قال فی البحر وينبغی الافتاء بما فی الخانية كما لا يخفى۔۔۔۔۔۔وهذا فی قعدة الامام الاخيرة كما هو صريح۔قوله: ليفرغ عند سلام امامه واما فيما قبلها من القعدات فحكمه السكوت كما لايخفى۔

Marfat.com

(۱۵۵) تشہد میں مسبوق کا درود شریف پڑھنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسبوق قعدہ میں تشہد پڑھنے کے بعد خاموش رہے یا درود شریف وغیرہ پڑھے۔ نیز اگر قدیم اور جدید قضاء نمازیں جمع ہوں تو کیا ترتیب ساقط ہوگی۔ مثلاً زید دس سال سے مسلسل نماز پڑھ رہا ہے جبکہ اس سے پہلے اس کے ذمے بہت سی قضاء نمازیں ہیں۔ اب پھر اس سے ایک نماز چھوٹ گئی تو اس پر صاحب ترتیب کے احکام تو لاگو نہیں ہوں گے؟ شریعت اس بارے میں کیا کہتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مسبوق امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد درود شریف نہ ملائے بلکہ بہتر یہ ہے کہ تشہد کو اتنا آہستہ پڑھے کہ امام کے سلام پھیرنے تک مکمل کرے اور اگر پڑھ چکا ہے تو شہادتین کو لوٹا تا رہے۔ ایسا شخص جس کی قدیم نمازیں باقی ہوں تو ایسے شخص کو سب سے پہلے اپنی فوت شدہ نمازوں کی فکر کرنی چاہیئے جتنا جلد ممکن ہو فوت شدہ نمازوں کو ادا کر لے۔ تاہم ایسا شخص صاحب ترتیب نہیں کہلائے گا۔

لما فی الھندیة(۱/۹۱): ومنھا ان المسبوق ببعض الرکعات یتابع الامام فی التشھد الاخیر واذا اتم التشھد لا یشتغل بما بعده من الدعوات ثم ما ذا یفعل تکلموا فیه وعن ابن شجاع انه یکرر التشھد ای قوله أشھد ان لا اله الا الله وھو المختار کذا فی الغیاثیة والصحیح أن المسبوق یترسل فی التشھد حتی یفرغ عند سلام الامام کذا فی الوجیز للکردری وفتاویٰ قاضی خان وھکذا فی الخلاصة وفتح القدیر۔

وفی الشامیة(۲/): (قوله أوقدیمة علی المعتمد الخ) کما لو ترک صلاة شھر نسقا ثم أقبل علی الصلاة ثم ترک فائتة حادثة فان الوقتیة جائزة مع تذکر الفائتة الحادثة لانضمامھا إلی الفوائت القدیمة وھی کثیرة فلم یجب الترتیب وقال بعضھم إن المسقط الفوائت الحدیثة لا القدیمة ویجعل الماضی کأن لم یکن زجراً له عن التھاون بالصلوات فلا تجوز الوقتیة مع تذکرھا وصححه الصدر الشھید۔ وفی التجنیس وعلیه الفتوی وذکر فی المجتبی ان الأول أصح وفی الکافی والمعراج وعلیه الفتویٰ فقد اختلف التصحیح والفتوی کما رأیت والعمل بما وافق إطلاق المتون اولیٰ۔

(۱۵۶) مسبوق کا غلطی سے سلام پھیر دینا اور گھر سے نماز کی نیت کا حکم

سوال......مفتی صاحب درج ذیل امور سے متعلق استفسار کرنا تھا:

Marfat.com

(۱)۔ مسبوق اگر امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیر دے تو اسے سجدہ سہو کرنا ہوگا یا نہیں؟ یعنی ایک سلام پھیرے اور پھر یاد آتے ہی کھڑا ہو جائے تو سجدہ سہو کرے گا یا نہیں؟ اس مسئلے کی تین صورتیں ہیں:

> امام کے پیچھے مقتدی کی غلطی مطلقاً معاف ہے لہٰذا بھول کر اگر درود اور دعا بھی پڑھ لی اور پھر سلام پھیرا (ایک سلام) اور یاد آنے پر کھڑا ہو گیا تو سجدہ سہو کرے گا یا نہیں؟

> درود وغیرہ تو نہ پڑھا ہو مگر غلطی سے سلام پھیر دے تو سجدہ سہو کرے گا یا نہیں؟

> سلام تو نہ پھیرے صرف درود (آدھا یا پورا) پڑھ لے اور پھر یاد آجائے کہ میں مسبوق ہوں۔

مفتی صاحب! آپ تو عالم اور مسائل سے واقف ہیں ہم جاہل لوگ اکثر اس طرح بھول جاتے ہیں اور کشمکش میں پڑ جاتے ہیں برائے مہربانی ہمیں ہر صورت کا حکم بتائیں تینوں صورتوں کا۔ یا اگر خطا مطلقاً آخر تک معاف ہے تو بھی بتائیں کیونکہ ہم مسبوق ہوتے ہیں اور یہ بھولنے کا معاملہ بہت ہوتا ہے۔ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمارا معاملہ حل فرمائیں۔

(۲)۔ دوسرا مفتی صاحب یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم گھر سے آتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم عصر کی نماز پڑھنے جارہے ہیں مگر مسجد جا کر جب نماز کی تکبیر کہنے لگتے ہیں تو چند سیکنڈ کو تو کچھ نیت نہیں ہوتی اور تکبیر کے تقریباً تین سیکنڈ بعد ہمیں استحضار ہوتا ہے کہ ہم عصر کی نماز میں ہیں۔

مفتی صاحب کیا گھر سے نکلتے وقت کی نیت کافی ہے یا ہر نماز کیلئے کھڑے ہو کر تکبیر سے پہلے دل میں نیت کرنا ضروری ہے۔ مفتی صاحب ضرور بتائیں کیونکہ ہم بہت سی نمازیں ایسے ہی پڑھتے ہیں کہ تکبیر کے بعد ہاتھ باندھنے کے چند سیکنڈوں کے بعد ہمیں یاد آتا ہے۔ کیا ہماری نمازیں ہوگئیں؟ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

الجواب حامداً ومصلیاً...... جواب سے پہلے اصولاً دو باتیں سمجھ لیں۔ (۱) امام کے پیچھے مقتدی کی غلطی معاف ہے جب تک کہ آدمی امام کی اقتداء میں رہے۔ (۲) مسبوق قعدۂ اخیرہ میں تشہد اس قدر ٹھہر کر پڑھے کہ امام کے سلام تک فارغ ہو جائے۔

اصول مذکورہ کے پیشِ نظر (جواب یہ ہے) اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیرا۔ یا امام سے پہلے، تو سجدہ سہو لازم نہ ہوگا۔ چونکہ امام کے پیچھے مقتدی کی غلطی ہے۔ یہی حکم "درود ودعا" پورا یا آدھا پڑھنے کا ہے۔ اور اگر امام کے بعد سلام پھیرا تو سجدہ سہو لازم ہوگا۔ کیونکہ وقتِ خطا امام کی اقتداء نہیں تھی۔ سلام سے اقتداء ختم ہوگئی البتہ عموماً مقتدی امام کے سلام کے بعد ہی سلام پھیرتا ہے نیز حتمی تعین مشکل ہے لہٰذا مسبوق اگر غلطی سے سلام پھیر لے تو اسے سجدہ سہو کر لینا چاہیے۔ جہاں تک نیت کا تعلق ہے۔ تو نیت "دل کے ارادہ" کا نام ہے۔ جب آپ نے گھر سے نکلتے ہوئے عزم کر لیا اور جا کر نماز میں شریک ہو گئے۔ اور کوئی منافی صلوٰۃ کام نہیں کیا۔ مثلاً کھانا، پینا وغیرہ، تو تجدیدِ نیت کی ضرورت نہیں۔ اسی نیت سے نماز ہو جائے گی، واضح رہے کہ چلنا، پھرنا، وضو بنانا وغیرہ "منافی نماز" نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ افعال مانع بنا نہیں۔ امید ہے کہ تقریر مذکورہ سے آپ کے سوالات کا جواب مل گیا ہوگا۔

لما فی صحیح البخاری (۱/۲): سمع علقمة بن وقاص الليثي، يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي

Marfat.com

الله عنه على المنبر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو إلى امرأة ينكحها، فهجرته إلى ما هاجر إليه۔

وفی جامع الترمذی (۱/۵۱): باب ما جاء أن الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن: حدثنا هناد حدثنا أبو الأحوص و أبو معاوية عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن۔

وفی الشامية (۱/۵۹۹): قوله (وإلا لا) أي وإن سلم معه أو قبله لا يلزمه لأنه مقتد في هاتين الحالتين ح وفي شرح المنية عن المحيط إن سلم في الأولى مقارنا لسلامه فلا سهو عليه لأنه مقتد به وبعده يلزم لأنه منفرد اهـ ثم قال فعلى هذا يراد بالمعية حقيقتها وهو نادر الوقوع اهـ۔

وفی الدر مع الرد (۱/۴۱۶): وفي البدائع خرج من منزله يريد الجماعة فلما انتهى إلى الإمام كبر ولم تحضره النية جاز ومفاده جواز تقديم الاقتداء أيضا فليحفظ

وفی الشامية (۱/۴۱۶): قوله (جاز) وأما اشتراطهم عدم الفاصل بين النية والتكبير فالمراد به ما كان من أعمال الدنيا كما في التاترخانية وفي البحر المراد به الفاصل الأجنبي وهو ما لا يليق بالصلاة كالأكل والشرب والكلام لأن هذه الأفعال تبطل الصلاة فتبطل النية وأما المشي والوضوء فليس بأجنبي ألا ترى أن من أحدث في صلاته له أن يفعل ذلك ولا يمنعه من البناء

(۱۵۷) ایک یا دو رکعات نکل جانے کی صورت میں تلاوت والی رکعت کس طرح ادا کی جائے؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ہم فرض نماز امام کے ساتھ پڑھیں، اور ہماری ایک یا دو رکعت نکل جائے تو اب تلاوت والی رکعت کس طرح ادا کی جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد آپ کی بقیہ نماز ''تلاوت'' کے بارے میں شروع کی نماز ہوگی اور ''قعدہ وتشہد'' کے سلسلے میں آخری نماز ہوگی یعنی آپ امام کے سلام کے بعد جو رکعت پڑھیں گے اس میں پہلی رکعت کی طرح تلاوت کریں گے پھر دوسری رکعت میں دوسری رکعت کی طرح تلاوت کریں اور امام کے بعد جو آپ نے دو رکعتیں ادا کیں ہیں اس کے بعد جو قعدہ کریں گے (تشہد پڑھیں گے) وہ آخری ہوگا۔

لمافی الهندية (۱/۹۱): ومنها أنه يقضى أول صلاته فى حق القراء ة وآخرها فى حق التشهد حتى

Marfat.com

لوادرك ركعة من المغرب قضى وفصل ركعتين بقعدة فيكون بثلاث قعدات وقرأ في كل فاتحة وسورة۔

(۱۵۸) مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی رکعات میں قراءت کیوں کرتا ہے؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض کی آخری دو رکعت میں سورۃ کی قرأت نہیں کی جاتی، لیکن جب کوئی امام کے ساتھ دو رکعت کے بعد شریک ہوتا ہے اور جب وہ اپنی اگلی دو رکعت امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھتا ہے تو اسے حکم دیا جاتا ہے کہ سورت بھی پڑھو، اور اگر کوئی سورت پڑھنا بھول جاتا ہے تو اسے سجدۂ سہو کا حکم ہوتا ہے۔ براہ کرم اس کی وجہ ذرا وضاحت کے ساتھ بتادیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنے دین کی خدمت میں لگائے رکھے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر کوئی شخص امام کے ساتھ دو رکعت کے بعد شریک ہوتا ہے تو اس کی یہ دو رکعتیں آخری دو رکعتیں شمار ہوتی ہیں اس لئے امام کے سلام کے بعد جو دو رکعت وہ پڑھتا ہے یہ اس کی پہلی دو رکعتیں شمار ہوتی ہیں، اور فرض کی پہلی دو رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت ملانا واجب ہے اس لئے ان دو رکعتوں میں اس کو سورت پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے اور اگر سورت پڑھنا بھول جائے تو چونکہ ان دو رکعتوں میں سورت فاتحہ کے ساتھ سورت کا ملانا واجب ہے تو اس واجب کو چھوڑنے کی وجہ سے اس کو سجدۂ سہو کا حکم دیا جاتا ہے۔

لمافی الهندية (۷۱/۱): الفصل الثاني في واجبات الصلاة۔ يجب تعيين الاولين من الثلاثية والرباعية المكتوبتين للقراء ة المفروضة حتى لوقرأ في الاخريين من الرباعية دون الاولين اوفي احدى الاولين واحدى الاخريين ساهياً وجب عليه سجود السهو كذا في البحر الرائق: وتجب قرائة الفاتحة وضم السورة أوما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصاراو آية طويلة في الاولين بعد الفاتحة كذا في النهر الفائق . . . وكذا ما يقضيه المسبوق بعد فراغ الامام أول صلاته عندنا۔

وفي الشامية(۴۴۶/۱): (قوله ومنها القراء ة) اى قراء ة آية من القرآن وهى فرض عملى في جميع ركعات النفل والوتر وفي ركعتين من الفرض . . . واما تعيين القراء ة في الاولين من الفرض فهو واجب . . . واما قراء ة الفاتحة والسورة أو ثلاث آيات فهى واجبة ايضاً۔

وفي الدر المختار(۵۹۶/۱): (والمسبوق من سبقه الامام بها أو ببعضها وهو منفرد) حتى يثنى ويتعوذ ويقرأ . . . (فيما يقضيه) اى بعد متابعته لامامه، فلو قبلها فالاظهر الفساد ويقضى اول صلاته في حق قراء ة، وآخرها في حق تشهد،

Marfat.com

وفیه ایضاً(۸۳/۲): (ثم یقضی مافاته) ولو سها فیه سجد ثانیاً۔

(قوله ولو سها فیه) ای فیما یقضیه بعد فراغ الامام یسجد ثانیاً لانه منفرد فیه والمنفرد یسجد لسهوه۔

(۱۵۹) مسبوق کو بھی سجدہ سہو میں امام کے ساتھ شریک ہونا ضروری ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص یعنی مسبوق امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے، امام نے جیسے ہی سجدہ سہو کیلئے دائیں طرف سلام پھیر لیا تو وہ فوراً کھڑا ہوگیا، لیکن امام بائیں طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو میں چلا گیا تو کیا یہ مسبوق بھی امام کے ساتھ سجدہ سہو میں چلا جائے؟ اور مسبوق پر اس طرح فعل کرنے سے سجدہ سہو لازم آتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مسبوق کو بھی سجدہ سہو میں امام کے ساتھ شریک ہونا ضروری ہے۔ البتہ اس کے کھڑے ہونے اور بیٹھنے کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا۔

لمافی الهندية(۱۲۸/۱): ولوسلم الامام فقام المسبوق ثم تذکر الامام ان علیه سهواً فسجد له قبل ان یقید المسبوق الرکعة بسجدة فعلیه ان یرفض ذلك ویعود الی متابعته ثم اذا سلم الامام قام الی القضاء۔ولا یعتد بما فعل من القیام والقراءة والرکوع ولو لم یعد الی متابعة الامام ومضی علی قضائه فانه تجوز صلوته ویسجد للسهو بعد فراغه استحسانا۔

وفی الشامیة (۵۹۸/۱) : والحاصل انه اذا لم یقید ماقام الیه بسجدة لم یصر منفردا ویرتفض فلولم یتابع امامه فسدت صلوته وقد اطلق الفساد هنا فی الفتح وغیره لکن فصل فی الذخیرة فی تذکر التلاوية بانه ان لم یتابع الامام فیها ینظران وجد منه قیام وقراءة بعد فراغ الامام من القعدة الثانية مقدار ماتجوز به الصلوة جازت صلوته والا فلا۔

وفی الدر المختار (۵۹۸/۱) وهذا کله قبل تقیید ماقام الیه بسجدة اما بعده فتفسد فی صلبية مطلقا وکذا فی تلاویة وسهو ان تابع والا لا۔

(۱۶۰) مسبوق اپنی بقیہ رکعات کیلئے کب کھڑا ہو؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک دوست ہے جب وہ کبھی مسبوق ہوتا ہے تو امام کے سلام پھیرتے ہی وہ فوراً کھڑا ہو جاتا ہے تو امام کے سلام کے کتنی دیر بعد مسبوق کو اٹھنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......آپ کے دوست کو امام کے سلام پھیرتے ہی فوراً کھڑا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ امام کی فراغت کا

Marfat.com

انتظار کرے تاکہ امام پر سجدہ سہو ہونے کی صورت میں یہ اس میں شریک ہو سکے۔

لمافی الهندية (۱/۹۱): انه لايقوم الى القضاء بعد التسليمتين بل ينتظر فراغ الامام۔

وفی الدر المختار (۱/۵۹۷): وينبغي أن يصبر حتى يفهم أنه لاسهو على الامام۔

وفی الشامية تحته: (قوله وينبغي أن يصبر الخ) أى لايقوم بعد التسليمة أو التسليمتين بل ينتظر فراغ الامام بعدهما كما فى الفيض والفتح والبحر: قال الزندويستى فى النظم يمكث حتى يقوم الامام الى تطوعه أويستند الى المحراب ان كان لاتطوع بعدها، قال فى الحلية: وليس هذا بلازم بل المقصود مايفهم أن لاسهو على الامام أو يوجد له مايقطع حرمة الصلاة۔

(۱۶۱) مسبوق پر امام کی سورتوں کی ترتیب کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی جماعت میں شامل ہوا اس وقت ایک رکعت مکمل ہو چکی تھی، امام نے پہلی رکعت میں سورۃ الشمس اور دوسری میں سورۃ واللیل پڑھی ہے یہ شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رکعت پوری کرے گا، اب اس مسبوق کیلئے سورتوں کی ترتیب ضروری ہے کہ نہیں یا یہ کوئی بھی سورت مثلاً اخلاص، کافرون وغیرہ پڑھ سکتا ہے؟ ترتیب کو الٹنے سے کراہت آئے گی یا نہیں جبکہ مکمل نماز میں سورتوں کی ترتیب ضروری ہے ورنہ کراہت آتی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب……مسبوق پر امام کی سورتوں کی ترتیب ضروری نہیں ہے اس لئے کہ مسبوق اپنی بقیہ نماز میں منفرد کے حکم میں ہوتا ہے۔

لمافی المبسوط (۱/۱۸۶): لان المسبوق فيمايقضى كالمنفرد حتى تلزمه القراءة وسجود السهو اذا سها

وفی الدر المختار (۱/۵۹۶): والمسبوق من سبقه الامام بها او ببعضها وهو منفرد۔

(۱۶۲) مسبوق اگر اپنی پہلی رکعت میں سورت نہ ملائے تو اس کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن میں ظہر کی نماز میں تاخیر سے پہنچا اور جماعت کھڑی تھی، میں جماعت میں شریک ہوا، اور ایک رکعت مل گئی امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد میں نے بقایا تین رکعات اس طرح پڑھیں کہ پہلی رکعت میں صرف الحمد شریف پڑھی اور قعدہ کر لیا اس کے بعد دو رکعات میں الحمد کے ساتھ سورۃ بھی ملالی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طریقے سے میری نماز ادا ہو گئی ہے یا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے نیز اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب……صورت مسئولہ میں جب آپ امام کے ساتھ آخری رکعت میں شریک ہوئے تو بقیہ نماز ادا کرنے کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ آپ امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلی اور دوسری رکعت میں الحمد شریف کے ساتھ دوسری کوئی سورت

Marfat.com

ملاتے اور اگر پہلی رکعت میں ملانا بھول گئے تو آخر میں سجدہ سہو کرتے لیکن چونکہ آپ نے اس طرح نہیں کیا، لہٰذا آپ پر دوبارہ نماز پڑھنا واجب اور ضروری ہے اگر آپ دوبارہ نماز نہیں لوٹائیں گے تو گناہگار ہوں گے۔

لمافی خلاصة الفتاوی(۱/۱۶۶،۱۶۵): والمسبوق فیما یقضی یقضی اول صلاته فی حق القرائة واخر صلوته فی حق التشهد حتی لو ادرك مع الامام رکعة من المغرب ثم قام الی قضائه بعد تسلیم الامام فانه یقضی رکعتین ویقرأ فی رکعة بالفاتحة والسورة ولو ترك القراءة فی احداهما تفسد صلوته وعلیه ان یقضی رکعة ویتشهد ثم رکعة اخری ویتشهد ویسلم۔

وفی الشامیة(۱/۴۵۹): اعلم ان فی محل القرائة المفروضه فی الفرض ثلاثة اقوال الاول ان محلها الرکعتان الاولیان عینا وصححه فی البدائع۔ الثانی ان محلها رکعتان منها غیر عین: ای فیکون تعیینها فی الاولیین واجبا وهو المشهور فی المذهب الثالث ان تعیینها فیهما افضل وعلیه مشی فی غایة البیان وهو ضعیف والقولان الاولان اتفقا علی ان لو قرأ فی الاخریین فقط یصح ویلزمه سجود السهو لو ساهیا لکن سببه علی الاول تغییر الفرض عن محله وتکون قراء ته قضاء عن قرأته فی الاولیین وسببه علی الثانی ترك الواجب و تکون قرائته فی الاخریین اداء... والحاصل انه قیل ان محل القراء ة رکعتان من الفرض غیر عین وکونها فی الاولیین افضل وقیل ان محلها الاولیان منه عینا فیجب کونها فیهما وهو المشهور فی المذهب الذی علیه المتون وهو المصحح وعلمت تأییده بما مرفی عبارة البحر عن البدائع من مسألة المسافر والمسبوق وقال القهستانی: انه الصحیح من مذهب اصحابنا۔

وفیه ایضاً(۱/۴۵۶): (ولها واجبات) لا تفسد بترکها وتعاد وجوبا فی العمد والسهو ان لم یسجد له وان لم یعدها یکون فاسقا آثما وکذا کل صلاة ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها۔

(۱۶۳) مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے گا یا نہیں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ایک یا دو رکعات کے بعد امام کیساتھ شریک ہوا امام نے آخری رکعت میں سجدہ سہو کیلئے سلام پھیرا اور سجدہ سہو کیا تو پیچھے اس مسبوق نے بھی امام کیساتھ سلام پھیر دیا اور بعد میں کھڑے ہو کر اپنی نماز پوری کر لی، اب سوال یہ ہے کہ مسبوق کے امام کیساتھ سلام پھیرنے سے مسبوق کی نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ اور اس پر سجدۂ سہو واجب تو نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ مسبوق سجدہ سہو میں تو امام کی متابعت کریگا یعنی سجدہ

Marfat.com

سہوا امام کیساتھ ادا کریگا البتہ سلام میں امام کی متابعت نہیں کریگا یعنی بغیر سلام پھیرے امام کیساتھ سجدہ میں جائیگا، اب صورت مسئولہ کو سمجھے، اگر مسبوق نے امام کیساتھ سلام پھیر لیا تو پھر اگر قصداً سلام پھیرا ہے (یہ بات یاد ہو کہ میری نماز باقی ہے) تو اسکی نماز فاسد ہوگئی اور اگر قصداً سلام نہیں پھیرا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور سجدہ سہو بھی لازم نہ ہوگا، اسی طرح جب امام نماز ختم کرنے کیلئے سلام پھیرے تو اس سلام میں بھی مسبوق امام کی متابعت نہ کرے اگر اس آخری سلام میں مسبوق نے امام کیساتھ قصداً سلام پھیر لیا (یہ بات یاد ہو کہ میری نماز باقی ہے) تو اسکی نماز فاسد ہو جائیگی اور اگر سہواً سلام پھیرا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور یہ سلام جو مسبوق نے سہواً پھیرا ہے اگر یہ سلام، امام کے سلام سے کچھ پہلے یا متصل واقع ہوا ہو تو مسبوق پر اپنی نماز کے آخر میں سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا کیونکہ مسبوق مقتدی کے حکم میں ہے اور امام کے ساتھ مقتدی جب سہو کرلے تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا البتہ اگر مسبوق نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد سلام پھیرا تو اپنی نماز کے آخر میں اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا کیونکہ اب یہ منفرد ہو گیا۔

لمافی الشامیة (۲/۸۲): (قوله، والمسبوق یسجدمع امامه) قیدبالسجودلانه لایتابعه فی السلام بل یسجدمعه ویتشهدفاذاسلم الامام قام الی القضاء فان سلم فان کان عامدافسدت والافلاولاسجود علیه ان سلم سهواقبل الامام اومعه وان سلم بعده لزمه لکونه منفردا حینئذ۔

(۱۶۴) مسبوق کا اپنی بقیہ رکعات میں قرأت بھول جانے پر سجدۂ سہو نہ کرنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ظہر کی نماز میں دو رکعت کے بعد آ کر جماعت میں شریک ہوا، اور جب امام نے سلام پھیر دیا تو کھڑے ہو کر اپنی بقیہ دو رکعت پڑھنے لگا، ان دو رکعت میں وہ سورۂ فاتحہ کے بعد سورت پڑھنا بھول گیا۔ لیکن چونکہ اس نے آخری دو رکعت امام کے ساتھ پڑھیں تھیں اس وجہ سے اس نے ان دو رکعتوں میں چھوٹنے والی سورت کی وجہ سے سجدۂ سہو نہیں کیا تو آیا اس کی نماز ہوگئی؟ یا اس کا اعادہ کرنا لازم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... مسبوق آدمی (جس کی ابتداء امام سے کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں) وہ بقیہ رکعتوں کی ادائیگی میں منفرد یعنی اکیلے نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہوتا ہے اور جب وہ بقیہ رکعتوں کی ادائیگی کرے تو اس کے ذمہ پہلی دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورۃ ملانا واجب ہے اسی طرح اگر اس سے کچھ سہو ہو جائے اپنی بقیہ رکعتوں کی ادائیگی میں تو اس پر سجدہ سہو کرنا بھی لازم ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص پر واجب کے ترک یعنی پہلی دو رکعتوں میں سورت چھوڑنے کی بناء پر نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے اور مذکورہ شخص کا اس بات کو علت ومدار بنانا کہ میں نے چونکہ آخری دو رکعتیں امام کے ساتھ پڑھی تھیں اس لئے سجدہ سہو نہیں کیا یہ بات صحیح نہیں۔

لمافی المبسوط للامام السرخسی (۱/۲۲۰): قال وان سها عن القراء ة فی الاولیین فعلیه سجود

Marfat.com

السهو لان القراءة ركن والاوليان تعينتا لاداء هذا الركن واجبا وبترك الواجب يتمكن النقصان في الصلاة۔

وفي الهندية (۹۱/۱): ولو ادرك ركعتين فقضى ركعتين بقراءة ولو ترك في احدهما فسدت، وفي (ص۱۲۶): ولا يجب السجود الا بترك واجب او تاخيره...... ولو قرأ الفاتحة وحدها وترك السورة يجب عليه سجود السهو وكذا لو قرأ مع الفاتحة آية قصيرة كذا في التبيين۔

(۱۶۵) سجدہ میں سوجانے اور نیند یا کسی اور وجہ سے مقتدی کے لاحق ہوجانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں دکان پر کام کرتا ہوں اور رات دیر تک دکان کھلی رہتی ہے اس لئے صبح کبھی کبھی نیند کا غلبہ ہوتا ہے آج صبح کی نماز میں میں پہلے سجدہ میں سوگیا اور جب آنکھ کھلی تو امام صاحب کھڑے تھے میں بھی کھڑا ہوگیا اور آخر میں امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرکے نماز پوری کرلی تو میری یہ نماز ہوئی یا نہیں؟ نہیں ہوئی تو کس طرح ادا کروں از سرنو ادا کروں یا آخر میں امام کے سلام کے بعد سجدہ سہو کرکے ادا کروں۔ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں جب آپ سجدہ میں سوگئے، اگر اس حالت میں سجدہ کی مسنون کیفیت برقرار نہ رہی تو اس سے آپ کا وضو ٹوٹ گیا، اور نماز بھی جاتی رہی۔ سجدہ کی مسنون کیفیت سے مراد یہ ہے کہ حالت سجدہ میں انسان کا پیٹ رانوں سے اور بازو پہلوؤں سے الگ رہیں اور اگر سجدہ کی مسنون کیفیت برقرار رہی، تو آنکھ کھلنے پر آپ کو چاہیئے تھا کہ پہلے دوسرا سجدہ جو آپ سے چھوٹ گیا تھا، ادا کرتے اور پھر امام کے ساتھ رکعت میں شریک ہوجاتے، تو آپ کی نماز درست ہوجاتی، لیکن آپ نے ایسا نہ کیا۔ پھر بھی اگر آپ امام کے سلام پھیرنے کے بعد چھوٹا ہوا سجدہ ادا کرکے سلام پھیر دیتے، تب بھی آپ کی نماز درست ہوجاتی۔ لیکن چونکہ آپ نے ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار نہ کی بلکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کیا، حالانکہ سجدہ سہو سے فرض کا تدارک نہیں ہوتا، اور نہ ہی لاحق (جو شروع سے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو، اور بیچ میں نماز کا کچھ حصہ عذر کی بنا پر چھوٹ جائے) پر سجدہ سہو آتا ہے۔ اور فرض کے رہ جانے سے نماز نماز ہی نہیں رہتی لہٰذا اب آپ کو چاہیے کہ اپنی نماز کی از سرنو قضا کریں۔

لما في الهندية (۹۲/۱): واذا كبر مع الامام ثم نام حتى صلى الامام ركعة ثم انتبه فانه يصلي الركعة الاولى وان كان الامام يصلي الركعة الثانية هكذا في الذخيرة ولو لم يشتغل بقضاء ما سبقه الامام ولكن يتابع الامام اولا ثم قضى ما سبقه الامام بعد تسليم الامام جازت صلاته عندنا۔

وفي الشامية (۱۴۱/۱): (قوله وساجدا) وكذا قائما وراكعا بالاولى والهيئة المسنونة بان يكون رافعا بطنه عن فخذيه مجافيا عضديه عن جنبيه كما في البحر، قال ط: وظاهره ان المراد الهيئة المسنونة في حق الرجل لا المرأة۔

Marfat.com

فصل فی القراءۃ

(نماز میں قرأت اور پڑھنے والے کی غلطیوں سے متعلق مسائل کا بیان)

(۱۶۶) نماز میں منہ ہی منہ میں قراءت کا حکم

سوال......سری نماز میں صحت نماز کیلئے صرف حروف کا تلفظ کافی ہے یا آواز کا سنائی دینا بھی ضروری ہے؟ اکثر لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ منہ ہی منہ میں قرأت کرتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سری نمازوں میں صحتِ نماز کیلئے تصحیح حروف ضروری ہے اگرچہ نمازی کو اپنی آواز سنائی نہ دے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ قرأت اتنی بلند آواز سے ہو کہ خود نمازی کو اپنی آواز سنائی دے سکے۔

لمافی الهندية(۷۲/۱): اختلفوا فی حد الجهر والمخافتة قال الفقيه ابو جعفر والشيخ الامام ابو بكر... ادنى الجهر ان يسمع غيره وادنى المخافتة ان يسمع نفسه وعلى هذا يعتمد كذا فی المحيط۔ وهو الصحيح كذا فی الوقاية والنقاية۔ وبه اخذ عامة المشايخ، ولو كان بحيث تجاوز شفتيه حتى لو قرب انسان صماخه من فمه يدخل صوته فی اذنه وفهم مايقرأ فهذه مجمجة (۱) كذا فی الخلاصة۔

وفی الشامية (۵۳۴/۱): فشرط الهندوانی والفضلی لوجودها خروج صوت يصل الى اذنه وبه قال الشافعی وشرط بشر المريسی واحمد خروج الصوت من الفم وان لم يصل الى اذنه... ولم يشترط الكرخی وابوبكرالبلخی السماع واكتفيابتصحيح الحروف۔ واختار شيخ الاسلام۔ وقاضيخان وصاحب المحيط والحلوانی قول الهندوانی... وان ما قاله الهندوانی اصح وارجح لاعتماد اكثر علمائنا عليه۔

(۱۶۷) نماز میں دل ہی دل میں تلاوت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں الحمد للہ ایک عرصہ سے نماز پابندی سے پڑھ رہا ہو

Marfat.com

میں نے اپنی قضائے عمری بھی پوری کرلی ہے۔ایک صاحب سے ایک دن باتوں باتوں میں اس مسئلے کا پتا چلا کہ نماز میں تلاوت زبان سے کرنا ضروری ہے، حالانکہ میں تو اب تک ساری نمازوں میں تلاوت وغیرہ دل ہی دل میں کرتا ہوں۔ میں اس سلسلے میں بڑا پریشان ہوں کہ میری گزشتہ نمازوں کا کیا ہوگا؟ کیا دل ہی دل میں تلاوت کرنے سے نماز نہیں ہوتی؟ مہربانی فرما کر اس مسئلے کا حل جلد مرحمت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز میں تلاوت زبان سے کرنا ضروری ہے اور دل ہی دل میں تلاوت کرنے سے نماز نہیں ہوتی لہٰذا جتنی نمازیں آپ نے اس طرح اکیلے پڑھی ہیں وہ ادا نہیں ہوئیں لہٰذا ان نمازوں کا اعادہ کرنا لازم ہے۔

لمافی بدائع الصنائع (۱/۱۶۲،۱۶۱): ثم المنفرد اذا خافت واسمع أذنيه يجوز بلا خلاف لوجود القرائة يقين اذ السماع بدون القرائة لا يتصور وأما اذا صحح الحروف بلسانه وأداها على وجهها ولم يسمع أذنيه ولكن وقع له العلم بتحريك اللسان وخروج الحروف من مخارجها فهل تجوز صلاته اختلف فيه ذكر الكرخي أنه يجوز وهو قول أبي بكر البلخي المعروف بالأعمش وعن الشيخ أبي القاسم الصفار والفقيه أبي جعفر الهندواني والشيخ الامام أبي بكر محمد بن الفضل البخاري انه لا يجوز مالم يسمع نفسه و عن بشر بن غياث المريسي انه قال ان كان بحال لو أدنى رجل صماخ أذنيه الى فيه سمع كفى وإلا فلا ومنهم من ذكر في المسئلة خلافاً بين أبي يوسف ومحمد فقال على قول أبي يوسف يجوز وعلى قول محمد لا يجوز وجه قول الكرخي أن القراءة فعل اللسان وذلك بتحصيل الحروف ونظمها على وجه مخصوص وقد وجد فأما اسماعه نفسه فلا عبرة به لأن السماع فعل الأذنين دون اللسان... وما قاله الكرخي أقيس وأصح۔

وفي الشامية(۱/۵۳۴): اعلم انهم اختلفوا في حد وجود القرائة على ثلاثة أقوال فشرط الهندواني والفضلي لوجودها خروج صوت يصل إلى أذنه وبه قال الشافعي۔ وشرط بشر المريسي وأحمد خروج الصوت من الفم وإن لم يصل إلى أذنه لكن بشرط كونه مسموعاً في الجماة حتى لو أدنى أحد صماخه إلى فيه يسمع ولم يشترط الكرخي وأبو بكر البلخي السماع واكتفيا بتصحيح الحروف... وذكر أن كلامن قولي الهندواني والكرخي مصححان وأن ما قاله الهندواني أصح وأرجح لاعتماد أكثر علمائنا عليه۔

(۱۶۸) سری نمازوں میں قرأت میں تصحیح حروف ضروری ہے یا پھر آواز کا سنائی دینا بھی؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سری نماز میں صحت نماز کیلئے صرف حروف کا تلفظ کافی ہے یا

Marfat.com

آواز کا سنائی دینا بھی ضروری ہے؟ اکثر لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ منہ ہی منہ میں تلاوت کرتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......سری نمازوں میں صحتِ نماز کیلئے تصحیح حروف ضروری ہے اگرچہ نمازی کو اپنی آواز سنائی نہ دے۔ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ قرأت اتنی بلند آواز سے ہو کہ خود نمازی کو اپنی آواز سنائی دے سکے۔

لمافی الهندية(۷۲/۱): اختلفوا فی حد الجهر والمخافتة قال الفقيه ابو جعفر والشيخ الامام ابو بكر محمد بن الفضل ادنی الجهر ان يسمع غيره وادنی المخافتة ان يسمع نفسه وعلی هذا يعتمد كذا فی المحيط۔ وهو الصحيح كذا فی الوقاية والنقاية۔ وبه اخذ عامة المشايخ كذا الزاهدی ولو كان بحيث تجاوز شفتيه حتی لو قرب انسان صماخه من فمه يدخل صوته فی اذنه وفهم مايقرأ فهذه مجمجه كذا فی الخلاصة۔

وفی الشامية (۵۳۴/۱): فشرط الهندوانی والفضلی لوجودها خروج صوت يصل الی اذنه وبه قال الشافعی وشرط بشر المريسی واحمد خروج الصوت من الفم وان لم يصل الی اذنه... ولم يشترط الكرخی وابوبكرالبلخی السماع واكتفيابتصحيح الحروف۔ واختار شيخ الاسلام وقاضيخان وصاحب المحيط والحلوانی قول الهندوانی.... وأن ما قاله الهندوانی اصح وارجح لاعتماد اكثر علمائنا عليه۔

(۱۶۹) ”ض“ کی ادائیگی کا طریقہ اور اس میں تعامل عرب

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ”ض“ کی ادائیگی میں جو اختلاف ہے براہ کرم اس کی صحیح وضاحت فرمادیں کہ کونسا طریقہ افضل ہے ”دال“ کی آواز میں پڑھنا افضل ہے یا ”ظا“، ”ذال“ کی آواز میں پڑھنا افضل ہے اور یہ بھی وضاحت سے بتادیں کہ تعامل عرب کیا ہے؟ کیونکہ حدیث میں ہے کہ قرآن کو عرب کے طرز میں پڑھیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......جمہور قراء اور فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ حرف ضاد کا مخرج اصلی حافہ لسان یعنی زبان کی دائیں، بائیں کروٹ اور اس کی متصل داڑھیں ہیں۔ جس کی آواز ظاء معجمہ کے مشابہ ہے البتہ دال کے مشابہ نہیں ہے جیسا کہ بعض کتب فقہ اور قرأت کی کتابوں میں اس کی تشریحات موجود ہیں اور چونکہ حرف ضاد، ظا کے مشابہ ہے تو قراء کرام نے ضاد کو صحیح طور پر ادا کرنے کیلئے یہ فرمایا ہے کہ اس کو بذریعہ استطالت اور ظاء سے ممتاز کرکے پڑھا جائے تاکہ ہر ایک میں امتیاز ہو سکے۔ البتہ اگر کوئی قاری کوشش کے باوجود بھی حرف ضاد کو صحیح طور پر ادا نہ کر سکے تو پھر فقہاء کرام نے گنجائش رکھی ہے کہ اگر دال یا ذال، یا ظا میں سے جس کے مشابہ بھی پڑھا جائیگا عموم بلویٰ کے تحت اس کی نماز درست قرار دی جائے گی، البتہ اگر کوشش ہی نہیں کرتا بلکہ جان بوجھ کر غلط پڑھتا ہے تو پھر نماز فاسد ہو جائے گی۔

Marfat.com

لما فی الشامية (۱/۶۳۳): وفی التاتارخانية عن الحاوی حكی عن الصفار انه كان يقول الخطأ اذا دخل فی الحروف لايفسد لان فيه بلوی عامة الناس لانهم لايقيمون الحروف الا بمشقة. اهـ وفيها اذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج ولا قربه الا ان فيه بلوی العامة كا لذال مكان الصاد أو الزای المحض مكان الذال والظاء مكان الضاد لاتفسد عند بعض المشايخ۔

وفيه ايضاً(۱/۶۳۳): ان تعمد ذلك تفسد وان جری علی لسانه أو لايعرف التميز لاتفسد وهو المختار حلية وفی البزازية وهو أعدل الاقاويل وهو المختار۔

(۱۷۰) ظہر وعصر کی نمازوں میں آہستہ قرأت کرنے کی وجہ

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ظہر اور عصر کی نمازوں میں قرأت آہستہ کیوں کی جاتی ہے جبکہ دیگر نمازوں میں قرأت زور سے کی جاتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... نبی کریم ﷺ ابتداء میں تمام نمازوں کے اندر قرأت جہر (اونچی آواز) کے ساتھ پڑھتے تھے یہاں تک کہ کفار نے مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے اور ان کی نمازوں میں خلل ڈالنے کیلئے قرأت کے دوران شور مچانے کا مشورہ کیا۔ ظہر اور عصر ان دو اوقات میں یہ لوگ فارغ ہوتے تھے، اس لئے ان اوقات میں تکلیف پہنچانے اور اپنے مذموم ارادوں کو پورا کرنے کیلئے تیار بیٹھے رہتے تھے بخلاف باقی تین اوقات کے کہ ان میں یہ لوگ مصروف رہتے تھے اس وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان کے ضرر سے بچنے کیلئے ظہر اور عصر کی نمازوں کی قرأت آہستہ پڑھنا شروع کی اور چونکہ اسی پر آپ ﷺ نے تاحیات مواظبت اختیار کی اس وجہ سے یہ عمل واجب قرار پایا۔ جمعہ اور عیدین میں چونکہ مسلمانوں کی کثرت ہوتی تھی اور یہ نمازیں شہر میں ادا ہوتی تھیں اور کفار کو شہر میں مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کی قوت حاصل نہیں تھی اس لئے جمعہ اور عیدین میں قرأت جہراً ہوا کرتی تھی۔

اب بھی ظہر اور عصر میں آہستہ قرأت پڑھنا حکمت اور فائدے سے خالی نہیں۔ یہ کہ قرأت رکن ہے جس کو امام قوم کی طرف سے ادا کرتا ہے تو جہر اس لئے کرتا ہے کہ اس میں فکر کریں اور ان کو بھی فائدہ حاصل ہو، لیکن ظہر اور عصر کی نمازوں میں لوگوں کے دل عموماً اپنے کاموں کی طرف مائل ہوتے ہیں جن کو چھوڑ کر لوگ نماز کیلئے آئے ہوتے ہیں اس وجہ سے حقیقی معنوں میں قرأت میں فکر کرنا مشکل ہے۔ اس لئے ظہر اور عصر میں قرأت جہراً مفید نہیں بلکہ سراً مفید ہے بخلاف دوسری نمازوں کے کہ ان میں لوگ فارغ ہو چکے ہوتے ہیں اور پوری توجہ قرأت کی طرف یکسوئی کے ساتھ مبذول کی جاسکتی ہے اس لئے اس میں قرأت جہراً مفید ہے جمعہ اور عیدین کا خاص دن ہونے کی وجہ سے ان میں تیاری کر کے اہتمام کے ساتھ آتے ہیں۔ اور فارغ البال ہو کر توجہ کے ساتھ سنتے ہیں۔

لمافی بدائع الصنائع(۱/۶۸۳،۶۸۲): ويجب عليه المخافتة فيما يخافت وانما كان كذلك لأن القراءة ركن يتحمله الامام عن القوم فعلا فيجهر ليتأمل القوم ويتفكروا فی ذلك فتحصل

Marfat.com

ثمرة القراء ة وفائدتها للقوم فتصير قراء ة الامام قراء ة لهم تقديرا كأنهم قرؤوا وثمرة الجهر تفوت فی صلوة النهار لأن الناس فی الاغلب يحضرون الجماعات فی خلال الكسب والتصرف والانتشار فی الارض فكانت قلوبهم متعلقة بذلك فيشغلهم ذلك عن حقيقة التأمل فلا يكون الجهر مفيداً بل يقع تسبيباً الى الاثم بترك التأمل۔

وفی المبسوط للسرخسی(۱/۱۷):وقد كان النبی ﷺ فی الابتداء يجهر بالقرآن فی الصلاة كلها وكان المشركون يؤذونه ويسبون من أنزل ومن أنزل عليه فأنزل الله تعالیٰ ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلا فكان يخافت بعد ذلك فی صلاة الظهر والعصر لأنهم كانوا مستعدين للأذی فی هذين الوقتين ويجهر فی صلاة المغرب لأنهم كانوا مشغولين بالأكل وفی صلاة العشاء والفجر لأنهم كانوا نياما ولهذا جهر فی الجمعة والعيدين لأنه اقامها بالمدينة وما كان للكفار بها قوة الأذی۔

وفی الدر المختار(۱/۵۳۳): وكان عليه الصلاة والسلام يجهر فی الكل ثم تركه فی الظهر والعصر لدفع أذی الكفار۔

(۱۷۱) قراتِ شاذہ سے تلاوت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قرأت شاذہ سے تلاوت کرنا کیسا ہے اور اگر نماز میں پڑھے تو پھر کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز میں قرأت شاذہ سے تلاوت کرنا بذات خود تو منع نہیں ہے، مگر عام مجمعوں میں اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ یہ طریقہ ناواقف لوگوں میں شکوک وشبہات کا باعث بن سکتا ہے۔ اس لئے عام مجمعوں میں قرأتِ حفص سے ہی تلاوت کرنی چاہیئے۔

لمافی الهندية(۱/۷۹): فی الحجة قراء ة القران بالقراء ات السبعة والروايات كلها جائزة۔ ولكنی أری الصواب أن لايقرأ القراء ة العجيبة بالامالات والروايات الغريبة۔

وفی الطحطاوی علی الدر (۱/۲۰۳) : (قوله ومنها القراء ة) أی من القرآن المنقول عن الرسول عليه الصلاة والسلام متواترا فلا يقرأ بالشواذ وان قرأ بها لا تفسد ولا يعتد بها۔

وفی الشامية(۱/۵۴۴):۔ حاصل معنی كلام هذ ين الشيخين بيان وجه الكراهة فی المداومة وهو أنه ان رأی ذالك حتماً يكره من حيث تغيير المشروع، وإلايكره من حيث إيهام

Marfat.com

الجاہل۔

(۱۷۲) قراءۃ سبعہ أوعشرۃ کی نماز میں تلاوت اور مخفف کو مشدد یا برعکس پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ''مسجد خالد بن ولید'' میں امام ہے یہ مسجد چونکہ ہمارے گھر کے قریب ہے اس لئے میں اکثر نمازیں وہاں پڑھتا ہوں، لیکن امام صاحب عام طور پر مشدد الفاظ کو غیر مشدد کر کے پڑھتے ہیں کبھی کبھی غیر مشدد الفاظ کو مشدد کر کے ادا کرتے ہیں، ایک دن میرے ایک دوست (جو کہ حافظ قرآن اور اچھے قاری ہیں) تشریف لائے تھے جب ہم مغرب کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے تو حافظ صاحب نے کہا کہ تمہارے امام صاحب تو قرآن بہت غلط پڑھتے ہیں شاید اس سے نماز فاسد ہوتی ہو۔لہٰذا آپ کسی مفتی صاحب سے معلوم کرلیں، لیکن پہلے میں نے جا کر اپنے امام صاحب سے پوچھ لیا تو انہوں نے کہا کہ قرآن مجید کی ایک ہی قرأت نہیں بلکہ بہت ساری قرائتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو نماز میں پڑھنا جائز ہے۔لیکن مجھے بہت تعجب ہوا۔کہ اب تک یہ بات ہم نے کسی سے نہیں سنی تھی۔لہٰذا مفتی صاحب برائے مہربانی آپ فرمائیں کیا اس طرح قرأت کرنے سے نماز ہوجاتی ہے؟ کیا امام صاحب کا یہ کہنا کہ قرآن پڑھنے کی بہت سی قرأتیں ہیں یہ بات صحیح ہے اور جتنی نمازیں اب تک ہم نے پڑھی ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... قراءۃ سبعہ او عشرہ (جو کہ مشہور ''سبعہ عشرہ'' سے ہیں) اگرچہ نماز میں پڑھنا درست ہے لیکن أئمہ کرام کیلئے بہتر یہی ہے کہ جو مشہور روایت (امام حفصؒ کی روایت) عام طور پر پڑھی جاتی ہے اس کی تلاوت کریں کیونکہ عوام دوسری روایات کے متعلق علم نہیں رکھتے اس لئے وہ بعض اوقات ان روایات کو صحیح نہیں سمجھتے حالانکہ ان کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا کوئی تردد نہیں۔لہٰذا مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ عوام کو گناہ گار ہونے سے بچانے کیلئے روایت حفص میں ہی قرأت کی جائے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر امام صاحب قراءۃ سبعہ اور عشرۃ کا علم رکھتے ہیں اور پھر کسی روایت کے تحت مشدد کو غیر مشدد اور غیر مشدد کو مشدد پڑھ رہے ہیں تو ان کیلئے اس طرح پڑھنا جائز ہوگا گو مصلحت کے تحت مناسب نہیں۔لیکن اگر وہ قراءۃ سبعہ اور عشرۃ کا علم نہیں رکھتے بلکہ مشہور قرأت حفص میں ہی تلاوت کرتے ہوئے مشدد کو غیر مشدد اور غیر مشدد کو مشدد پڑھتے ہیں تو اب دیکھا جائے گا اگر اس سے معنی میں تغیر فحش پیدا نہیں ہوا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

لما فی الصحیح للبخاری(۲/۷۴۷): حدثاہ انھما سمعا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ... ثم قال اقرأ یاعمر فقرأت القرائۃ التی اقرأنی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذلک انزلت ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا ماتیسر منہ۔

Marfat.com

وفی التاتارخانية(۱/۴۹۲): فی ترك المد والتشديد فی موضعهما والاتيان بهما فی غير موضعهما ان كان لا يغير المعنی ولا يقبح الكلام لايوجب فساد الصلوة وان كان يغير المعنی ويقبح الكلام اختلف المشائخ: قال بعضهم: لا تفسد الصلوٰة: وقال عامتهم تفسد صلاته، وفی النصاب وعليه الفتوی۔

مثال الاول فی ترك التشديد اذا قرا ''ملعونين اينما ثقفوا اخذوا وقتلوا'' بغير تشديد لا تفسد صلوته لانه قريب من ''قتّلوا'' بالتشديد... المثال الثانی... ولو قرا ''فمن اظلم ممن كذب علی الله شدد الذال فی ''كذب'' اختلف المشائخ فيه وفی الغياثيه قال بعضهم لاتفسد، وعليه الفتوٰی۔

ولو قرأ ''فاولئك هم العادون' وشدد الدال تفسد صلاته بلا خلاف......

وفی الهندية (۱/۷۹): فی الحجة قرائة القران القرائات السبعة والروايات كلها جائز ولكنی اری الصواب ان لا يقرأ القرائة العجيبة بالامالات والروايات الغريبة كذا فی التاتارخانية۔

وفی الشامية(۱/۵۴۱): (قوله ويجوز بالروايات السبع) بل يجوز بالعشر ايضاً كما نص عليه اهل الاصول (قوله بالغريبة) ای بالروايات الغريبة والامالات، لأن بعض السفهاء يقولون مالا يعلمون فيقعون فی الاثم والشقاء، ولا ينبغی للأمة ان يحملوا العوام علی مافيه نقصان دينهم ولا يقرأ عندهم مثل قراءة ابی جعفر وابن عامر وعلی بن حمزة والكسائی صيانة لدينهم فلعلهم يستخفون او يضحكون وان كان كل القرائات والروايات صحيحة فصيحة، ومشايخنا اختاروا قراءة ابی عمر وحفص عن عاصم من التاتارخانية عن فتاوٰی الحجة۔

(۱۷۳) نماز میں قرأت کے چند متفرق مسائل

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز میں ترتیب سورۃ (مثلاً اگر پہلی رکعت میں سورۃ فیل پڑھی ہے تو دوسری رکعت میں سورۃ قریش پڑھیں نہ کہ سورۃ ہمزہ) کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور بصورت عدم لحاظ ترتیب شرعی حکم کیا ہوگا؟ اسی طرح ہر رکعت میں ایک ہی سورت پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ اسی طرح پہلی رکعت میں سورۃ نصر اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟ نیز پہلی رکعت میں طویل قرأت اور دوسری رکعت میں مختصر قرأت کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ اور اس کا لحاظ نہ کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ ان تمام مسائل میں فرض، سنن اور نوافل کے اعتبار سے کوئی فرق ہے؟ اگر کسی شخص کو وتر میں یہ ہی یاد نہ ہو کہ اس نے دعائے قنوت پڑھی یا نہیں تو ایسے شخص پر سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ چار رکعت والی نماز میں اگر کوئی غلطی سے تیسری رکعت میں قعدہ کرلے پھر یاد آئے

Marfat.com

پر اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو یا بغیر تکبیر کہے کھڑا ہو کر چوتھی رکعت مکمل کرے۔ آیا اس کی نماز ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......فرض نماز میں سورتوں کی ترتیب بلحاظ قراءت ملحوظ رکھنی چاہیئے اگر کوئی عدم ترتیب کو عادت بنائے گا تو گناہ گار ہوگا اور قصداً منکوس قراءت کرنا (یعنی پہلی رکعت میں بعد والی سورت اور دوسری رکعت میں اس سے اوپر والی سورت پڑھنا) مکروہ ہے۔ البتہ اگر نفل میں کوئی اس طرح کرے تو کوئی حرج نہیں۔ نیز فرض کی ہر رکعت میں ایک ہی سورت پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، نفل میں نہیں۔ اسی طرح فرض نماز میں چھوٹی سورتوں میں بیچ میں ایک سورت چھوڑنا مکروہ ہے، دو یا دو سے زیادہ یا ایک بڑی سورت چھوڑے تو یہ مکروہ نہیں۔ پہلی رکعت میں طویل قراءت اور دوسری میں مختصر قرأت کرنا فجر میں سنت ہے اور باقی نمازوں میں اولیٰ ہے اور اس کے برعکس کرنے میں اگر دوسری رکعت تین آیات کی مقدار سے زیادہ طویل ہو جائے تو یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اگر کسی کو وتر میں یہ یاد ہی نہ ہو کہ قنوت پڑھی ہے یا نہیں تو اس کو آخر میں سجدہ سہو کر لینا چاہیئے۔ چار رکعت والی نماز میں اگر کوئی تیسری رکعت میں قعدہ کرلے تو پھر یاد آنے پر بغیر تکبیر کہے کھڑا ہو جائے اور اگر تین تسبیح کے بقدر بیٹھا ہو تو آخر میں سجدہ سہو کرنا ضروری ہے۔

لما فی صحیح البخاری(۱/۱۰۷): عن عبداللہ بن ابی قتادۃ عن ابیہ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرء فی الظھر فی الاولیین بام الکتاب وسورتین وفی الرکعتین الاخریین بام الکتاب ویسمعنا الآیۃ ویطول فی الرکعۃ الاولیٰ مالا یطیل فی الرکعۃ الثانیۃ وھکذا فی العصر وھکذا فی الصبح۔

وفی حاشیۃ الطحطاوی (۴۷۴): (قولہ: وجب علیہ سجود السھو) إذا شغلہ التفکر عن اداء واجب بقدر رکن... ...وھو مقدر بثلاث تسبیحات. ثم ان محل وجوب سجود السھو إذا لم یشتغل حالۃ الشك بقرأۃ ولا تسبیح اھ۔

وفی الدر المختار(۱/۵۴۲،۵۴۱):(وتطال اولی الفجر علی ثانیتھا) بقدر الثلث وقیل النصف ندبا فلوفحش لابأس بہ (فقط) وقال محمد: ولی الکل حتی التراویح قیل وعلیہ الفتوی (واطالۃ الثانیۃ علی الاولی یکرہ) تنزیھا(اجماعا ان بثلث آیات) ان تقاربت طولا وقصرا والاعتبر الحروف والکلمات .... (ص۵۴۲) (وان باقل لا) یکرہ۔

وفی الدر المختار(۱/۵۴۶،۵۴۷): لابأس ان یقرأ سورۃ ویعید ھافی الثانیۃ وان یقرأ فی الاولی من محل وفی الثانیۃ من آخر ولومن سورۃ ان کان بینھما ایتان فاکثر ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسا الا اذا ختم فیقرأ من البقرۃ وفی القنیۃ قرأ فی الاولی الکافرون وفی الثانیۃ الم تر أوتبت، ثم ذکر یتم وقیل یقطع ویبدء ولایکرہ فی النفل شئ من ذلك

وفی الشامیۃ تحتہ: (قولہ ثم ذکر یتم) افادان التنکیس أو الفصل بالقصیرۃ انما یکرہ اذا کان عن قصد فلوسھوا فلا کمافی شرح المنیۃ۔

Marfat.com

وفیه ایضاً(۹/۲): (ولو نسیه) أی القنوت (ثم تذکرہ فی الرکوع لا یقنت) فیه لفوات محله (ولا یعود الی القیام) فی الاصح لان فیه رفض الفرض للواجب (فان عاد الیه وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلاته) لکون رکوعه بعد قراءۃ تامة (ص۱۰) (وسجد للسهو) قنت اولا لزواله عن محله۔

(۱۷۴) مسئلہ زلۃ القاری

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱)......مسئلہ زلۃ القاری میں فتویٰ طرفین رحمہما اللہ کے قول پر ہے یا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر؟

(۲)......طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک فساد وعدم فساد کا مدار دو لفظوں کے آپس میں قریب المعنی اور بعید المعنی ہونے پر ہے، کسی لفظ کے قریب المعنی اور بعید المعنی ہونے کی کیا تحدید اور ضابطہ ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......زلۃ القاری کے مسئلے میں طرفین (امام صاحب، امام محمد رحمہما اللہ) اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔ طرفین کے نزدیک مدار معنی میں تغیر فاحش ہونے یا نہ ہونے پر ہے، جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لفظ کے مثل کے قرآن میں موجود ہونے نہ ہونے پر مدار ہے البتہ متاخرین نے دونوں روایتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کافی وسعت سے کام لیا ہے۔ متاخرین کی ذکر کردہ تفصیل ہی مفتی بہ ہے، جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) اگر غلطی اعراب میں ہو تو خواہ معنی کفر تک پہنچ جائیں نماز فاسد نہ ہوگی۔ تخفیف المشدد وادو ترک المد بھی خطاء فی الاعراب میں شامل ہیں۔

(۲) وقف، وصل یا وصل حرف بکلمہ (ایا کنعبد) ان صورتوں میں بھی نماز مطلقاً فاسد نہیں ہوگی۔

(۳) زیادتی حرف، نقص حرف، تقدیم وتاخیر یا زیادتی کلمہ، ان تمام صورتوں میں اگر معنی میں اس قدر تغیر ہوگیا کہ تعمداً اس معنی کا کہنا کفر ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۴) اگر معنی اس قدر متغیر ہو کہ کفر تک نہ پہنچے، مگر آیت کے مفہوم کے مخالف ہو جائے تو احتیاط اسی میں ہے کہ نماز کا اعادہ کر لے۔ اگر اعادہ نہیں کرتا تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

(۵) ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دینے سے اگر مفہوم تبدیل نہ ہوتا ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ جیسے ''ان المسلمین'' کی جگہ ''المسلمون'' پڑھنا۔ اگر مفہوم تبدیل ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ دونوں حرفوں میں بلا تکلف فرق ہو سکتا ہے یا نہیں اگر ہو سکتا ہے جیسے ''الصالحات'' کی جگہ ''الطالحات'' اس سے نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ (۶) اگر پورا کلمہ چھوڑ دیتا ہے یا بڑھا دیتا ہے تو تغیر معنی کی صورت میں احوط یہی ہے کہ نماز کا اعادہ کر لے۔ اگر کلمہ کی زیادتی ایسی ہے کہ قرآن کریم میں وہ کلمہ ہی نہیں اور معنی بھی متغیر ہو جائے تو

Marfat.com

اعادہ بھی ضروری ہے۔

سؤال کی دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ بعید المعنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس تغیر سے معنی ایسے ہوجائیں کہ اگر عمداً کہا جائے تو کفر لازم آئے یا کفر تو لازم نہ آئے مگر آیت کے مفہوم کے مخالف ہوجائے۔ اگر آیت کا مفہوم تبدیل نہ ہوتا ہو تو اسے قریب المعنی شمار کیا جائیگا۔

لما فی الشامية (۱/۶۳۰): مطلب مسائل زلة القارىء۔۔۔ان الخطاء اما فی الاعراب أی الحركات والسكون ويدخل فيه تخفيف المشدد وقصر الممدود وعكسهما أو فی الحروف بوضع حرف مكان اخر، أو زيادته أو نقصه أو تقديمه أو تأخيره أو فی الكلمات أو فی الجمل كذلك أو فی الوقف ومقابله والقاعدة عند المتقدمين ان ماغير المعنى تغييراً يكون اعتقاده كفراً يفسد فی جميع ذلك سواء كان فی القرآن أولا۔ الا ما كان من تبديل الجمل مفصولا بوقف تام وان لم يكن التغيير كذلك فان لم يكن مثله فی القرآن والمعنى بعيد متغير تغيراً فاحشاً يفسد ايضاً كهذا الغبار مكان هذا الغراب، وكذا اذا لم يكن مثله فی القرآن ولا معنى له كالسرائل باللام مكان السرائر وان كان مثله فی القرآن والمعنى بعيد ولم يكن متغيرا فاحشا تفسد أيضا عند ابی حنيفة و محمد. وهو الاحوط. وقال بعض المشايخ: لاتفسد لعموم البلوى، وهو قول أبی يوسف وان لم يكن مثله فی القرآن ولكن لم يتغير به المعنى نحو قيامين مكان قوامين فالخلاف على العكس. فالمعتبر فی عدم الفساد عند عدم تغير المعنى كثيراً وجود المثل فی القرآن عنده والموافقة فی المعنى عندهما. فهذه قواعد الائمة المتقدمين. واما المتأخرون كابن مقاتل وابن سلام واسمعيل الزاهد وابی بكر البلخی والهندوانی وابن الفضل والحلوانی. فاتفقوا على ان الخطأ فی الاعراب لايفسد مطلقاً ولو اعتقاده كفرا لان اكثر الناس لايميزون بين وجوه الاعراب. قال قاضيخان: وما قاله المتأخرون أوسع وما قاله المتقدمون أحوط. وان كان الخطأ بابدال حرف بحرف. فان امكن الفصل بينهما بلا كلفة كالصاد مع الطاء بأن قرء الطالحات مكان الصالحات فاتفقوا على انه مفسد. ۔۔۔(أو تخفيف مشدد) قال في البزازية إن لم يغير المعنى نحو { وقتلوا تقتيلا } لا يفسد وإن غير نحو { برب الناس } الناس۔۔الخ

Marfat.com

(۱۷۵) قرأت میں حرکات واعراب کی تبدیلی سے نماز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد کے امام صاحب صبح کی نماز پڑھا رہے تھے انہوں نے سورۃ النمل کا آخری رکوع تلاوت کیا جب اس آیت پر پہنچے "وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ٥ (سورۃ نمل: ۹۲) تو انہوں نے مِنَ الْمُنْذِرِيْن کو مِنَ الْمُنْذَرِيْنَ پڑھا جب نماز ہوگئی سارے مقتدی چلے گئے تو بعد میں امام صاحب کو خیال آیا کہ میں نے تو قرأت میں غلطی کی ہے۔ آیا اس طرح قرأت کرنے سے نماز ہوگئی یا اعادہ ضروری ہوگا نیز اعادہ کرنے میں انتشار کا بھی قوی اندیشہ ہے۔ مہربانی فرما کر کوئی آسان سا حل اس مسئلے کا نکالدیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز کے دوران قراءت کرتے وقت حرکات اور اعراب میں غلطی کرنے سے نماز میں کسی قسم کی خرابی اور نقصان واقع نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ حرکات اور اعراب میں غلطی کرنے سے معنی ومطلب میں تبدیلی اور فساد واقع ہوجائے۔ صورت مسئولہ میں اس غلطی سے نماز فاسد نہیں ہوئی لہٰذا اس نماز کا دوبارہ اعادہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

لمافی الهندية (۸۱/۱): (ومنها اللحن فی الاعراب) اذا لحن فی الإعراب لحنا لايغير المعنى بأن قرأ "لاترفعوا اصواتكم" "برفع التاء" لاتفسد صلاته بالاجماع وان غير المعنى تغيراً فاحشا بأن قرأ "وعصى آدم ربه" "بنصب الميم" ورفع الرب" وما اشبه ذلك ممالو تعمد به يكفر اذا قرأ خطأ فسدت صلاته فى قول المتقدمين واختلف المتأخرون "إلى ان قال" لاتفسد صلاته وما قاله المتقدمون احوط لانه لو تعمد يكون كفراً وما يكون كفراً لا يكون من القرآن۔ وما قاله المتأخرون اوسع لان الناس لايميزون بين اعراب واعراب كذا فى فتاوىٰ قاضى خان۔ وهو الأشبه كذا فى المحيط، وبه يفتى كذا فى العتابية، وهكذا فى الظهيرية۔

وفى الدر المختار(۶۳۱،۶۳۲/۱): "ومنها زلة القارى"۔ فلو فى اعراب او تخفيف مشدد وعكسه او بزيادة حرف فأكثر نحو الصراط الذين، او بوصل حرف بكلمة نحو إياك نعبد، أو بوقف و ابتداء لم تفسد وإن غير المعنى به يفتى بزازية الخ۔

وفى الشامية: (قوله فلو فى اعراب) ككسر قواما مكان فتحها وفتح باء تعبد مكان ضمها، ومثال ما يغير، إنما يخشى الله من عباده العلماء۔ بضم الجلالة وفتح همزة العلماء، وهو مفسد عند المتقدمين۔

واختلف المتأخرون، فذهب ابن مقاتل ومن معه الى انه لايفسد والاول أحوط وهذا أوسع۔

Marfat.com

کذا فی زاد الفقیر لابن الھمام، وکذا۔ وعصٰی آدم ربه۔ بنصب الاول ورفع الثانی یفسد عند العامة، وکذا۔ فساء مطر المنذرین۔ بکسر الذال۔ وإیاك نعبد۔ بکسر الکاف و۔ المصور۔ بفتح الواو إلا اذا نصب الراء أو وقف علیھا وفی النوازل: لا تفسد فی الکل، وبه یفتی بزازیة وخلاصة۔

(۱۷۶) آیت کا کچھ حصہ چھوٹنے پر نماز کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ امام سے دوران قرأت ایک آیتِ شریفہ کا کچھ حصہ چھوٹ گیا اس سے آگے کی آیات پڑھ لیں، ایسی صورت میں نماز کا اعادہ کرنا پڑیگا یا نہیں؟ اور اگر امام نے نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرلیا ہو تو نماز ہوجائیگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....صورت مسئولہ میں اگر امام سے دوران قرأت آیت شریفہ کا کچھ حصہ چھوٹ گیا اور اسکی وجہ سے معنی میں تغیرِ فاحش واقع ہوگیا ہو تو نماز فاسد ہوجائیگی چاہے سجدہ سہو بھی کرلیا ہو، اور اگر معنی میں تغیرِ فاحش واقع نہیں ہوا تو نماز بغیر سجدہ سہو کے ہوجائیگی اگر سجدۂ سہو کرلیا تو بھی نماز میں کوئی فرق نہیں پڑیگا۔ نیز اگر ایک آیت کو مکمل کرنے کے بعد عمداً ایک یا چند آیات کو چھوڑ کر آگے سے پڑھ لیا تو یہ مکروہ ہے۔

لما فی الحلبی الکبیر(۱/۴۹۴): لوانتقل فی الرکعة الواحدة من اٰیة الی اٰیة یکرہ وان کان بینھما اٰیات بلاضرورة۔

وفی الدر المختار(۱/۶۳۳،۶۳۲): ولوزادکلمة اونقص کلمة۔۔۔لم تفسدمالم یتغیرالمعنی۔

(۱۷۷) آیات کے کلمات میں تقدیم وتاخیر کردینے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج ہمارے امام صاحب مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے تو انہوں نے پہلی رکعت میں سورۃ الغاشیہ کی آخری آیات تلاوت کیں لیکن اس میں تقدیم وتاخیر کردی مثلاً اَفَلَا یَنظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَاِلَی السَّمَاءِ کَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ قرآن میں اس طرح ہے لیکن انہوں نے خُلِقَتْ کی جگہ رُفِعَتْ پڑھا، رُفِعَتْ کی جگہ خُلِقَتْ پڑھا، نُصِبَتْ کی جگہ سُطِحَتْ پڑھا اور سُطِحَتْ کی جگہ نُصِبَتْ پڑھا آیا اس صورت میں نماز ہوگئی یا واجب الاعادہ ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....دورانِ نماز اگر غلطی سے ایک کلمہ کی جگہ پر دوسرا کلمہ پڑھ لیں اور اس سے معنی میں تغیر فاحش لازم آتا ہو، تو نماز فاسد ہوجاتی ہے لیکن اگر معنی میں فساد زیادہ لازم نہ آتا ہو، اور دوسرا کلمہ قرآن میں موجود بھی ہو تو امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی نماز فاسد ہوجاتی ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی۔

Marfat.com

صورت مسئولہ میں اگرچہ احتیاط طرفین کے قول پر عمل کرنے ہی میں ہے کہ نماز کا اعادہ کیا جائے البتہ اس نماز کی ادائیگی کو چند دن گزر چکے ہیں اور اعادہ کا حکم کرنے سے فساد اور حرج کا اندیشہ ہے لہٰذا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

لمافی المحیط البرھانی(۲/٦٧): وان كان اختلافاً متباعداً نحو أن يختم اية الرحمة باية العذاب أو اية العذاب باية الرحمة، أو اراد أن يقرء الرحمن علم القران فجرى على لسانه الشيطان... فعلى قول أبي حنيفة ومحمد تفسد صلاته وأما على قول ابي يوسف: فقد اختلف المشايخ. قال بعضهم لا تفسد اذا لم يقصد ذلك، ومر على لسانه غلطا، ويجعل كأنه ابتدا بكلمة من كلمات القراءة وهذا لأنه قصد قرائة القران على ما أنزل، فيجعل في التقدير كأنه ترك القرائة من هذا الموضع وأخذ بالقرائة من ذلك الموضع، وهو في ذلك الموضع قرآن فلا تفسد صلاته وبه كان يفتي الشيخ الامام الفقيه ابو الحسن وهو اختيار محمد بن مقاتل الرازى وقيل في المسئلة عن ابي يوسف روايتان۔

وفي خلاصة الفتاوى(۱/۱۱۵): ولو قرء أفلا ينظرون الى قوله والى الجبال كيف سطحت مكان نصبت فعلى قياس قول ابي يوسف لايفسد وكذا نصبت مكان سطحت وخلقت مكان رفعت وعلى قولهما ينبغي أن يفسد۔

وفي الفقه الاسلامي وادلته(۲/۱۰۳۷): تبطل الصلوة بكل ما غير المعنى تغيراً يكون اعتقاده كفراً. وبكل مالم يكن مثله في القرآن، والمعنى بعيد متغير تغيراً فاحشاً، كهذا الغبار مكان ''هذا الغراب'' (المائدة،٥/٣١) وبكل مالم يكن له مثل في القران ولا معنى له كالسرائل مكان ''السرائر'' (الطارق : ۸٦/۹) وتبطل ايضاً عند ابي حنيفة ومحمد بما له مثل في القران والمعنى بعيد ولم يكن متغيرا تغيّراً فاحشاً ولا تبطل عند ابي يوسف لعموم البلوى۔

وفي الشامية(۱/٦۳۱): فالمعتبر في عدم الفساد عند عدم تغير المعنى كثيرا وجود المثل في القران عنده والموافقة في المعنى عندهما فهذه قواعد الائمة المتقدمين۔

وفي الشامية(۱/٦۳۳): وهذا كله قول المتأخرين، وقد علمت أنه أوسع، وأن قول المتقدمين أحوط، قال في شرح المنية: وهو الذى صححه المحققون وفرعوا عليه، فاعمل بما تختار، والاحتياط أولى سيما في أمر الصلوة التي هي أول ما يحاسب العبد عليها۔

Marfat.com

(۱۷۸) اس آدمی کی نماز کا حکم جو قرأت پر قدرت نہ رکھتا ہو

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک بھائی ہے جس کی زبان میں زبردست قسم کی لکنت ہے۔ ایک ایک حرف کو کئی کئی بار ادا کرتا ہے اور لفظوں کو خوب کھینچ تان کر پڑھتا ہے، مثلاً اگر اس نے یہ پوچھنا ہو (یہ کون ہے) تو کہے گا اے اے اے کون (میں ک ک ک) واو کو بھی خوب کھینچتا ہے تین چار واو بن جاتے ہیں۔ (ہے) کو عجوبہ بنا تا ہے۔ وہ بالغ ہے اب نماز کا اس کیلئے مسئلہ ہے سوچتے ہیں قرآن نہ پڑھائیں بگاڑے گا تو گناہگار ہوگا۔ مسجد میں آتا ہے امام کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے لیکن پڑھتا نہیں اور جب سنتیں پڑھتا ہے تو ہم کہتے ہیں، اللہ اللہ، پڑھتا رہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی نماز بغیر قرأت درست ہے یا نہیں؟ یا ہم اس کو لازمی غلط سلط قرآن سکھوائیں یا یوں ہی رہنے دیں اصل بات یہ ہے کہ ہم نے ابتداء میں قرآن پڑھوانے کی کوشش کی امام صاحب بیچارے نے بہت زور لگایا مگر وہ بھی تھک گئے کہنے لگے یہ نہیں پڑھ سکتا اور جو چند جملے سیکھے گا وہ بھی قرآن کی بجائے کوئی لطیفہ نظر آئے گا۔ مہربانی کریں کہ شرعی حکم سے آگاہ کریں تا کہ بیچارا جہنم سے بچ جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... نماز میں قرأت کرنا اُس آدمی پر فرض ہے جو قرأت قرآن پر قادر ہو۔ صورت مسئولہ میں اگر آپ کا بھائی اس طریقہ پر قرآن پڑھتا ہو جس سے معنی میں فساد لازم آتا ہے اور وہ کسی بھی سورت کے صحیح پڑھنے پر قدرت نہیں رکھتا، بہت کوشش کرنے کے بعد وہ سیکھنے سے مایوس ہو جائے، اور کوئی معتبر قاری اس کی تصدیق بھی کرے کہ یہ کبھی بھی درست نہیں پڑھ سکتا تو اس کی نماز بغیر قرأت قرآن کے درست ہے۔

لمافی الشامیة(۱/۵۸۲): (قوله دائماً) ای فی آناء اللیل وأطراف النهار، فمادام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر علیه فصلاته جائزة وان ترك جهده فصلاته فاسدة کما فی المحیط وغیره، قال فی الذخیره، وانه مشکل عندی، لان ما کان خلقة فالعبد لا یقدر علی تغییره اهـ وتمامه فی شرح المنیة۔

وفی اعلاء السنن(۴/۱۴۸): عن رفاعة بن رافع رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم علم رجلاً الصلوة فقال ان کان معك قران فاقرأ والا فاحمدالله، وکبره، وهلله، ثم ارکع، رواه ابو داؤد، والترمذی، وأخرجه النسائی، ایضاً وقال الترمذی: حدیث رفاعة رضی الله عنه حسن، کذا فی النیل (۲/۱۱۸) قوله عن رفاعة بن رافع رضی الله عنه الخ، قلت فیه دلالة علی أن العاجز عن قرائة القران تسقط عنه القرائة مادام عاجزا، ویکفیه الذکر عوضا عنها، ولا یخفی أن الذکر لا یتقید بالعربیة ولا ینحصر فیها بل یحصل بأی لسان کان، کالایمان فانه لو آمن بغیر العربیة جاز اجماعاً لحصول المقصود، کذا فی البحر(۱/۲۰۷)۔

Marfat.com

وفيه ايضاً(۴/۱۶۳): قلت وقد صرح بوجوب التجويد وتصحيح الحروف فقهاء نا الحنفية ايضاً. قال فی غنية المستملی: وقال صاحب المحيط: والمختار للفتوی فی جنس هذه المسائل انه إن كان يجتهد آناء الليل وأطراف النهار فی التصحيح ولا يقدر عليه فصلاته جائزة وان ترك جهده فصلاته فاسدة وان ترك جهده فی بعض عمره لا يسعه أن يتركه فی باقی عمره ولو ترك تفسد صلاته. انتهی۔

وقال صاحب الذخيرة: وانه مشكل عندی (۱) لان ماكان خلقة فالعبد لا يقدر علی تغييره "انتهی"۔

وعلی هامشها(۴/۱۶۳): (۱) ای الحكم بفساد صلاة بترك الجهد بعد ما اجتهد مدة وصرف فيها برهة من الزمان... مشكل يفضی إلی الحرج ولذا قال شيخ فی بعض تصانيفه إن تصحيح الحروف وبذل الجهد فيه واجب مالم يحصل اليأس منه. واذا أيس سقط الجهد وتجوز صلاته دائماً. والمعتبر فی حصول اليأس شهادة حاذق من القراء بان ذالك لا يرجی منه أن يصح الحروف ابداً لا مجرد زعم المتعلم ۔فافهم فان هذا لا تجده فی كتاب ولكنه هو الأولی بالصواب۔

(۱۷۹) سورۃ "الم السجدة" اور "هل اتی علی الانسان" جمعہ کو فجر کی نماز میں پڑھنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک چچا زاد بھائی ہے جو گلشن اقبال میں پڑھتا ہے ایک دن اس سے ملنے کسی کام کی وجہ سے جانا ہوا تو رات وہیں رہا صبح کی نماز جماعت سے پڑھی امام نے بہت طویل قرأت کی دونوں رکعتوں میں لمبی لمبی سورتیں پڑھیں جب نماز ختم ہوگئی تو میں نے کہا بھائی تمہارا امام تو بہت طویل قرأت کرتا ہے کہنے لگا اصل میں آج جمعہ ہے اور جمعہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح میں الم السجدہ اور سورۃ هل اتی علی الانسان، پڑھتے تھے۔ میں نے کہا ہمارے امام صاحب نے تو کبھی نہیں پڑھی پھر جب میں اپنے محلے میں آیا امام صاحب کو بتایا کہ یوں معاملہ ہوا اس نے کہا ہمارے فقہ میں ان کو پڑھنا منع ہے، اس لئے میں نہیں پڑھتا میرے ذہن میں خیال آیا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے تھے پھر ہمارے فقہ میں کیوں منع ہے مجھے اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ برائے مہربانی رہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... یہ بات تو احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعۃ المبارک کے دن فجر کی نماز میں سورۃ "الم السجدہ" اور سورۃ "هل اتی علی الانسان" کی تلاوت فرمایا کرتے تھے البتہ یہ سورتیں ہمیشہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پڑھنے سے ہمارے فقہاء کرام نے منع فرمایا ہے کیونکہ ہمیشہ پڑھنے سے صرف ان سورتوں کی فضیلت اور دوسری سورتوں سے اعراض لازم آتا ہے اور چونکہ ان سورتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ نہیں پڑھا اس لئے ان پر مداومت اختیار کرنے سے کراہت ثابت ہوتی ہے،

Marfat.com

لہٰذا جو کام شریعت میں جس طرح ثابت ہے اسی کے مطابق عمل کیا جائے تو وہ باعث ثواب ہوگا وگرنہ باعث عقاب، آجکل تو یہ سنت بالکل ہی متروک ہوکر رہ گئی ہے لہٰذا ائمہ مساجد کو کبھی کبھی ان سورتوں کے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے تا کہ یہ سنت زندہ ہوسکے۔

خلاصہ یہ کہ یہ سورتیں کبھی کبھی چھوڑ دینی بھی چاہئیں دوام اختیار نہیں کرنا چاہیے البتہ ان ائمہ کرام کا عمل بھی درست نہیں جو ان سورتوں کو کبھی نہیں پڑھتے سب کو اعتدال سے کام لینا چاہیے۔

لمافی سنن ابی داؤود (۱/۱۵۴): عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان يقرأ فی صلوة الفجر يوم الجمعة تنزيل السجدة وهل اتى على الانسان حين من الدهر۔

وفی فتح القدير(۱/۳۳۷): والحق أن المداومة مطلقاً مكروهة سواء رآه حتما يكره غيره أولا لأن دليل الكراهة لا يفصل وهو ايهام التفضيل وهجر الباقی لكن الهجران إنما يلزم لو لم يقرأ الباقی فی صلوة أخرىٰ فالحق أنه ايهام التعين ثم مقتضى الدليل عدم المداومة لا المداومة على العدم كما يفعله حنفية العصر بل يستحب أن يقرأ بذلك أحياناً تبركاً بالمأثور فإن لزوم الايهام ينتفی بالترك أحياناً۔

وفی الهندية (۱/۷۸): ويكره أن يوقت شيئاً من القرآن لشئ من الصلوات قال الطحاوی والاسبيجابی هذا اذا رآه حتماً واجباً بحيث لا يجوز غيره أو رأى قراء ة غيره مكروهة وأما اذا قرأ لاجل اليسر عليه أو تبركاً بقراء ته صلی اللہ علیہ وسلم فلا كراهية فی ذلك ولكن يشترط أن يقرأ غيره أحياناً لئلا يظن الجاهل أن غيره لا يجوز هكذا فی التبيين۔

وفی الشامية(۱/۵۴۴): هذا. وقيد الطحاوی والاسبيجابی الكراهة بما اذا رأى ذلك حتماً لا يجوز غيره أما لو قرأ للتيسير عليه أو تبركاً بقراء ته عليه الصلاة والسلام فلا كراهة لكن بشرط أن يقرأ غيرها أحيانا لئلا يظن الجاهل أن غيرها لا يجوز واعترضه فی الفتح بأنه لا تحرير فيه لأن الكلام فی المداومة اهـ۔

وأقول: حاصل معنى كلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة فی المداومة وهو أنه إن رأى ذلك حتماً يكره من حيث تغيير المشروع والا يكره من حيث ايهام الجاهل وبهذا الحمل يتايد أيضا كلام الفتح السابق ويندفع اعتراضه اللاحق فتدبر۔

(۱۸۰) آیت سجدہ کو بطور مذاق پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم ایک مدرسہ میں پڑھتے ہیں جب کھانے کیلئے جمع ہوتے

Marfat.com

ہیں تو ایک ساتھی کی عادت ہے کہ وہ سجدہ والی آیت پڑھ دیتا ہے سب ساتھی سجدہ کرتے اور اس کو منع کرتے ہیں مگر وہ باز نہیں آیا اس کی پٹائی بھی لگائی لیکن وہ باز نہ آیا، اب ہم نے کہا ہم سجدہ نہیں کریں گے اور گناہ تم کو ہوگا کیونکہ تم جان بوجھ کر ہمیں تنگ کرتے ہو، سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح دوسروں کو تنگ کرنے کیلئے جو پڑھے اس سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ ہم سجدہ چھوڑ دیں تو وہ گناہگار ہوگا یا ہم بھی گناہگار ہوں گے کیونکہ اس کا قصد تلاوت نہیں بلکہ ہمیں تنگ کرنا مقصود ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......آیت سجدہ کی تلاوت کرنے سے یا سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے تلاوت کرنے والے یا سننے والے کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ لوگوں پر آیت سجدہ سننے سے سجدہ کرنا واجب ہے اگرچہ آیت سجدہ تلاوت کرنے والا تنگ کرنے کی نیت سے تلاوت کرے البتہ اس طرح کرنے والا لوگوں کو تنگی میں مبتلا کرنے والا ہے جس کی وجہ سے وہ سخت گنہگار ہوگا، نیز آیات قرآنیہ کو بطور مذاق پڑھنے پر فقہاء نے ایسے شخص کے متعلق کفر کا حکم لکھا ہے۔ مذکورہ صورت میں بھی مذاق کی سی صورت پائی جارہی ہے اس لئے اس شخص کو اپنے اس فعل شنیع سے خوب توبہ واستغفار کرنا چاہیے اور آئندہ ایسی نازیبا حرکت سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لما فی الھندیۃ(۱/۱۳۲): والسجدۃ واجبۃ فی ھذہ المواضع علی التالی والسامع سواء قصد سماع القرآن اولم یقصد۔

وفی الدرالمختار مع الشامیۃ(۲/۱۰۴): (بشرط سماعھا) فالسبب التلاوۃ وان لم یوجد السماع کتلاوۃ الاصم والسماع شرط فی حق غیر التالی ولو بالفارسیۃ...

وفی الشامیۃ تحتہ: وذکر فی المجتبی ان الموجب للسجدۃ احد ثلاثۃ التلاوۃ والسماع والائتمام... وصرح ایضا بان السماع شرط فی حق غیر التالی۔

وفی الفقہ الاسلامی وادلتہ(۲/۱۱۲۶): سجدۃ التلاوۃ واجبۃ بالتلاوۃ علی القاری والسامع عند الحنفیۃ، سنۃ عند بقیۃ الفقھاء سواء عند الحنفیۃ والشافعیۃ قصد السامع سماع القرآن اولم یقصد ای فتطلب من القاری والمستمع (وھو قاصد السماع) والسامع (وھو من لم یقصد السماع)... استدل الحنفیۃ علی الوجوب بحدیث (السجدۃ علی من سمعھا وعلی من تلاھا) وفیہ ایضاً(ص۱۱۴۱) یستحسن اخفاء ایۃ السجدۃ عن سامع غیر متھئ للسجود۔

وفی الھندیۃ(۲/۲۶۶): اذا انکر الرجل آیۃ من القرآن او تسخر بآیۃ من القرآن وفی الخزانۃ اوعاب کفر کذا فی التاتارخانیۃ۔

وفی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ(۶/۳۳۸): قرأ القرآن علی ضرب الدف والقضیب یکفر لاستخفافہ وأدب القرآن ان لا یقرأ فی مثل ھذہ المجالس۔ والمجلس الذی اجتمعوا فیہ

Marfat.com

للغنا والرقص لا يقرأ فيه القرآن كما لا يقرأ في البيع والكنائس لانه مجمع الشيطان قال من ذكر الله كبر يكفر۔ ادخال اية القرآن في المزاح والدعا به كفر لانه استخفاف به وكذا المزاح به مثل ان يقول قل هو الله احد راپوست بردی۔ الخ۔

(۱۸۱) نماز میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے غلطی کرنا

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پچھلے سال مدرسہ کی سالانہ چھٹیوں میں، میں چلے میں گیا تھا، ہماری تشکیل بلوچستان کے پہاڑی علاقے ڈیرہ بگٹی میں ہوئی وہاں مسجد کے جو امام صاحب تھے قرآن پڑھتے ہوئے تلفظ صحیح طریقے سے ادا نہیں کر سکتے تھے اور ایک بڑی غلطی یہ کرتے کہ الحمد للہ میں الحمد کے الف کو کھینچ کر پڑھتے، تو میں نے ان سے کہا کہ اس طرح پڑھنے سے معنی غلط ہو جاتا ہے اور اس سے نماز بھی مکروہ ہو جاتی ہے تو امام صاحب نے کہا کہ میرے پیچھے کئی مرتبہ علماء نے نماز پڑھی ہے مگر کسی نے اعتراض نہیں کیا ہے تم تبلیغی لوگ ویسے علماء پر اعتراضات کرتے ہو۔ تو میں خاموش ہو گیا کہ جب علماء کرام نے کچھ نہیں فرمایا ہے تو شاید نماز اس سے فاسد نہ ہوتی ہو، مگر دل پھر بھی مطمئن نہ ہوا، لہٰذا مفتی صاحب آپ فرمائیں قرآن وسنت کی روشنی میں کیا اس طریقے سے قرآن پڑھنا جائز ہے؟ کیا اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی؟

الجواب بعون الملک الوھاب..... نماز میں قرآن شریف کو صحیح نہ پڑھنا اور تلفظ ادا کرنے میں ایسی غلطی کرنا جس سے معنی میں بگاڑ لازم آتا ہو ایسی غلطی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور جس غلطی سے معنی میں بگاڑ لازم نہ آتا ہو، تو ایسی غلطی سے نماز فاسد نہیں ہوتی لہٰذا صورت مسئولہ میں امام صاحب کا الحمد کے الف کو کھینچ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہو گی۔ کیونکہ الف کو کھینچ کر پڑھنے سے ہمزہ استفہام بن کر الحمد للہ کا معنی بگڑ جاتا ہے۔

لما في الهندية(۱/۶۸): ولو قال الله اكبر مع الف الاستفهام لا يصير شارعاً بالاتفاق۔

وفيه ايضاً(ص۷۹): ان ذكر حرفاً مكان حرف ولم يغير المعنى... لم تفسد صلوته، وان غير المعنى فان امكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلوته عند الكل وان كان لايمكن الفصل بين الحرفين الا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشائخ قال اكثرهم لاتفسد صلاته هكذا في فتاوى قاضيخان وكثير من المشايخ افتوابه۔

وفي الدر المختار (۱/۶۳۰): ومنها مد الهمزة في التكبير كما مر. ومنها القراءة بالالحان ان غير المعنى والا لا، الا في حرف مدّ ولين اذا فحش والا لا بزازية۔

وفي الشامية تحته: (قوله والا لا الخ) اى وان لم يغير المعنى فلا فساد الا في حرف مدّ ولين ان

Marfat.com

فحش فانه یفسد، وان لم یغیر المعنٰی۔

(۱۸۲) دورانِ نماز سورتوں کے درمیان قصداً ترتیب نہ رکھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے میں مسجد کا جو امام ہے وہ ایک نوجوان آدمی ہے جو کہ صرف حافظ قرآن ہے اب تک اُس نے عالم کا کورس نہیں کیا ہے، بعض اوقات یہ حافظ صاحب نمازوں میں پہلی رکعت میں کوئی سورت پڑھ لیتا ہے پھر دوسری رکعت میں اُس سے پیچھے والی سورت پڑھ لیتا ہے تو ایک دن عشاء کی نماز میں جب اس نے اسی طرح کیا تو نماز کے بعد میں نے کہا کہ حافظ صاحب اس طرح پڑھنا جائز نہیں ہے اور اِس سے نماز فاسد ہوتی ہے تو حافظ صاحب نے کہا کہ قرآن پاک میں اللہ پاک کا ارشاد مبارک ہے ''فَاقْرَؤُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ'' (قرآن مجید میں سے جو آسان ہو پڑھ لو) لہٰذا جس طرح بھی پڑھ لیں نماز ہو جاتی ہے مگر حافظ صاحب چونکہ عالم یا مفتی نہیں ہیں لہٰذا اس کی بات پر مجھے اطمینان نہیں ہوا، لہٰذا مفتی صاحب آپ بتائیں، کیا اس طرح جان بوجھ کر نماز میں قرأت جائز ہے؟ کیا اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سورتوں کے درمیان ترتیب کی رعایت رکھنا یہ قرآن مجید کی تلاوت کے واجبات میں سے ہے اگر کسی شخص سے غیر ارادی طور پر کبھی سورتوں میں تقدیم اور تاخیر ہو جائے تو نماز بلا کراہت ادا ہو جاتی ہے البتہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ایسا فعل کرے تو فرض نماز مکروہ ہوتی ہے نفل نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں حافظ صاحب کا قصداً اس طرح کرنا اور اس بات کو اپنی عادت بنا لینا ٹھیک نہیں کیونکہ اس صورت میں فرض نماز کی ادائیگی کراہت کے ساتھ ہوتی ہے البتہ آپ کا یہ کہنا کہ اس طرح سورتوں میں تقدیم وتاخیر کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ سورتوں کے درمیان ترتیب کی رعایت یہ قرآن کی تلاوت کے واجبات میں سے ہے نہ کہ نماز کے واجبات میں سے لہٰذا نماز فاسد نہیں ہوتی مگر قصداً اس طرح کرنے سے فرض نماز مکروہ ضرور ہوتی ہے، لہٰذا حافظ صاحب کو احسن طریقے سے مسئلہ بتا دیا جائے۔

لمافی البحر الرائق(۱۶۵/۲): ... لو قرأ سورة ثم قرأ فی الثانیة سورة قبلها ساهیا لا یجب علیه السجود لان مراعاة ترتیب السور من واجبات نظم القران لا من واجبات الصلاة فترکها لا یوجب سجود السهو۔

وفی الهندیة(۷۸/۱): واذا قرأ فی رکعة سورة وفی الرکعة الاخری اوفی تلك الرکعة سورة فوق تلك السورة یکره... هذا کله فی الفرائض واما فی السنن فلا یکره۔

وفی الدرالمختار (۵۴۶/۱): ویکره الفصل بسورة قصیرة وان یقرأ منکوسا الا اذا ختم فیقرأ من البقرة وفی القنیة قرأ فی الاولی الکافرون وفی الثانیة الم تر او تبت ثم ذکر یتم وقیل یقطع ویبدأ

Marfat.com

وفی الشامیة تحته: (قوله وان یقرأ منکوسا) بان یقرأ فی الثانیة سورة اعلی مما قرأ فی الاولی، لان ترتیب السور فی القراءة من واجبات التلاوة وانما جوز للصغار تسهیلا لضرورة التعلیم...(قوله ثم ذکریتم) افاد ان التنکیس او الفصل بالقصیرة انما یکره اذا کان عن قصد فلو سهوا فلا کما فی شرح المنیة۔

وفیه ایضاً(۱/۴۵۷) ویؤیده ایضا انهم قالوا یجب الترتیب فی سور القران فلو قرأ منکوسا اثم لکن لا یلزمه سجود السهو لان ذلک من واجبات القراءة لا من واجبات الصلوة کما ذکره فی البحر فی باب السهو لکن قولهم کل صلوة ادیت مع کراهة التحریم یشمل ترک الواجب وغیره ویؤیده ماصرحوا به من وجوب الاعادة بالصلاة فی ثوب فیه صورة بمنزلة من یصلی وهو حامل الصنم۔

(۱۸۳) دورانِ تلاوت سورتوں کے درمیان ترتیب قائم رکھنا کیوں واجب ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن ہمارے امام صاحب غائب تھے تو ایک بوڑھے آدمی کو لوگوں نے نماز کیلئے آگے کر دیا اس نے پہلی رکعت میں ارأیت الذی (سورۃ الماعون) پڑھی، دوسری رکعت میں الم تر (سورۃ الفیل) پڑھی مسجد میں شور شروع ہو گیا قرآن الٹا پڑھا نماز نہیں ہوئی، متولی صاحب کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو خاموش کرایا اور کہا نماز ہو جاتی ہے پھر ہم دو آدمی دوسری مسجد کے امام کے پاس چلے گئے ان سے سوال کیا انہوں نے فرمایا کہ نماز ہو گئی البتہ اس طرح پڑھنا مکروہ ہے وہاں سے تو ہم خاموشی سے چلے آئے مگر میرے ذہن میں یہ بات آتی رہی مکروہ کیوں ہے؟ سارا قرآن ہے جہاں سے پڑھو پھر یہ کراہت کیوں؟ جبکہ بی اے کے نصاب میں ہم نے پڑھا تھا کہ قرآن کی ترتیب نزولی اور ہے جب نازل ہونے میں کسی ترتیب کی ضرورت نہیں پھر بغیر ترتیب کے پڑھنے سے کیوں کراہت آتی ہے؟ مہربانی فرما کر تشفی فرمائیں تاکہ میرے عقائد میں اس وجہ سے کوئی خلل نہ آئے اور اکابر پر بدگمانی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزاء عطا فرمائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ امام صاحب کا یہ کہنا کہ نماز ہو گئی البتہ اس طرح پڑھنا مکروہ ہے تو یہ بات ٹھیک ہے مگر یہ بات جان لیجئے کہ سورتوں کے درمیان ترتیب کی رعایت یہ تلاوتِ قرآن مجید کے واجبات میں سے ہے نہ کہ نماز کے واجبات میں سے لہٰذا اگر کسی شخص سے بغیر قصد کے اس طرح ہو جائے تو نماز بلا کراہت درست ہے ہاں اگر قصداً اس طرح تقدیم و تاخیر کرے تو فرض نماز مکروہ ہوتی ہے نفل نہیں، جہاں تک آپ کی یہ بات رہی کہ سارا قرآن ہے جہاں سے دل چاہے پڑھو اور آپ کا ''بی اے'' کے نصاب میں یہ بات پڑھنا کہ ترتیب نزولی کچھ اور تھی تو جہاں سے دل چاہے پڑھو اور نماز میں اس طرح کرنے سے کراہت کیوں آتی ہے تو یہ بات سمجھ لیں کہ اگرچہ ترتیب نزولی قرآن مجید کی کچھ اور تھی اور وجہ اس کی موقع ومحل کی مناسبت اور ضرورت تھی کہ جب

Marfat.com

جس مسئلہ کی ضرورت ہوئی تو اللہ رب العزت نے وحی کے ذریعے اسی کو نازل کر دیا مگر جب وحی نازل ہوتی تھی تو حضرت جبریل علیہ السلام آ کر آپ ﷺ سے فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے بعد رکھیں اور آپ ﷺ اپنے کاتبین وحی کو اسی طرح حکم فرمایا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اسی طرح قرآن کو لکھا جس طرح آپ سے سنا اگرچہ قرآن مجید کو مصحف میں آپ ﷺ کے دار فانی سے پردہ فرما جانے کے بعد جمع کیا گیا لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے صرف جمع کرنے میں حق کی ترتیب میں نہیں ترتیب وہی تھی جس کو انہوں نے آپ ﷺ سے بطور تلاوت کے سنا تھا یا آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا کہ اس ترتیب سے رکھو اور مصحف میں اس ترتیب کے ساتھ رکھنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع ہے اس وجہ سے سورتوں کے درمیان ترتیب قائم رکھنا دوران قرات تلاوت کے واجبات میں سے ہے لہٰذا اس واجب کے ترک کی بناء پر (جو کہ آپ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اجماع سے ثابت ہے) کراہت آتی ہے۔

لما فی البحر الرائق (٢/١٦٥): الرابع سببه ترك واجب من واجبات الصلاة الاصلية سهوا وهو المراد بقوله "بترك واجب" "لأي واجب" بدليل ما سنذكره من انه ترك ترتيب السور لا يلزمه شيء مع كونه واجبا وهو اجمع ما قيل فيه...... لو قرأ سورة ثم قرأ في الثانية سورة قبلها ساهيا لا يجب عليه السجود لان مراعاة ترتيب السور من واجبات نظم القران لا من واجبات الصلاة فتركها لا يوجب سجود السهو۔

وفی البناية (١/٨٠): واذا قرأ في ركعة سورة وفي الركعة الاخرى اوفي تلك الركعة سورة فوق تلك السورة يكره... هذا كله في الفرائض واما في السنن فلا يكره۔

وفی الشامية (١/٥٣٦): ويكره الفصل بسورة قصيرة وان يقرأ منكوسا الا اذا ختم فيقرأ من البقرة وفي القنية قرأ في الاولى الكافرون وفي الثانية الم تر أو تبت ثم ذكر يتم وقيل يقطع ويبدأ (قوله وان يقرأ منكوسا) بان يقرأ في الثانية سورة اعلى مما قرأ في الاولى لان ترتيب السور في القراءة من واجبات التلاوة وانما جوز للصغار تسهيلا لضرورة التعليم (قوله ثم ذكر يتم) افاد ان التنكيس او الفصل بالقصيرة انما يكره اذا كان عن قصد فلو سهوا فلا كما في شرح المنية. وفيه ايضاً (١/٢٥٧): ويؤيده ايضا انهم قالوا يجب الترتيب في سور القران فلو قرأ منكوسا اثم لكن لا يلزمه سجود السهو لان ذلك من واجبات القراءة لا من واجبات الصلوٰة كما ذكره في البحر في باب السهو۔

Marfat.com

(۱۸۴) ایک رکعت میں دو سورتیں ملا کر پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جمعرات کی رات کو چونکہ مدرسہ میں چھٹی ہوتی ہے میں اپنے گھر کو چلا گیا مغرب کو جب نماز پڑھنے کیلئے مسجد گیا تو امام صاحب نے نماز پڑھانے کیلئے مجھے کہا، تو میں نے مغرب کی نماز میں پہلی رکعت میں الم ترکیف اور سورۃ قریش دونوں پڑھیں اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی، سلام پھیرنے کے بعد امام صاحب نے کہا کہ جماعت پڑھاتے ہوئے دو سورتیں ایک رکعت میں نہیں پڑھنا چاہیے میں نے کچھ نہیں کہا اور سوچا کہ مدرسہ جا کر مفتی صاحب سے پوچھ لیں گے۔ لہٰذا مفتی صاحب آپ بتلائیں کہ مذکورہ امام کا یہ کہنا کہ ''فرض نماز کی جماعت کراتے ہوئے دو سورتوں کو ملا کر ایک رکعت میں نہیں پڑھنا چاہیے'' صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......بہتر یہ ہے کہ فرض نماز کی ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ایک سورت پڑھی جائے دو سورتیں نہ پڑھے اگر دو سورتیں پڑھ لیں، جیسا کہ صورت مذکورہ میں ہے تو بھی بلا کراہت نماز جائز ہے لہٰذا امام صاحب کی بات درست ہے۔

لما فی بدائع الصنائع (۴۴/۲): ولو جمع بین السّورتین فی رکعة لا یکره لما روی أنّ النبی ﷺ اوتر بسبع سور من المفصّل والافضل الّا یجمع۔

وفی الهندیة (۷۸/۱): واذا جمع بین سورتین بینهما سور أو سورة واحدة فی رکعة واحدة یکره وأمّا فی الرّکعتین ان کان بینهما سور لا یکره الخ...

وفی الشامیة(۵۴۶/۱): وفی التاتارخانیة: اذا جمع بین سورتین فی رکعة رایت فی موضع انّه لا بأس به وذکر شیخ الاسلام لاینبغی له ان یفعل علی ما هو ظاهرالروایة اهـ وفی شرح المنیة: الاولی ان لا یفعل فی الفرض ولو فعل لا یکره إلّا ان یترك بینهما سورة أو أکثر۔

Marfat.com

فصل فیما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا

(نماز کے مفسدات اور مکروہات کا بیان)

(۱۸۵) دورانِ نماز ستر کھل جانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک بچہ ہے جس کی عمر دو تین سال ہے میں جب نماز پڑھتی ہوں تو میرے پاس آ کر میرا دوپٹہ اتار لیتا ہے جس کی وجہ سے میرا سر ننگا ہو جاتا ہے بسا اوقات میرے آگے آ کر بیٹھ جاتا ہے میں اس کو ایک طرف کر کے سجدہ کر لیتی ہوں اب سر ننگا ہونے کی وجہ سے یا بچہ کو ہٹانے کی وجہ سے میری نماز میں فساد آئے گا یا نماز درست ہو جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوهاب......عورت کا نماز کے اندر سوائے چہرہ، ہتھیلی اور قدموں کے تمام بدن کا چھپانا فرض ہے۔ بدن کے جو اعضاء ستر میں داخل ہیں اگر ان میں سے کسی ایک کا چوتھائی یا اس سے زیادہ حصہ نماز پڑھتے وقت کھل جائے اور اتنی دیر کھلا رہے کہ اس دوران میں تین مرتبہ تسبیح پڑھی جا سکتی ہو تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر کھلتے ہی فوراً کھلے ہوئے حصے کو عمل قلیل کے ساتھ چھپالیں تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ عمل قلیل سے مراد وہ کام ہے جو ایک ہاتھ کے ذریعے سے کیا جا سکے اور اس میں تکرار بھی نہ ہو۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر آپ کا سر اتنی دیر تک ننگا رہے کہ اس دوران میں تین مرتبہ تسبیح پڑھی جا سکتی ہے تو آپ کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ البتہ اگر سر کھلتے ہی فوراً عمل قلیل کے ساتھ سر کو دوبارہ چھپالیں تو آپ کی نماز درست ہو جائے گی اسی طرح سجدہ کرنے کیلئے سامنے بیٹھے ہوئے بچے کو عمل قلیل کے ذریعے ایک طرف ہٹا دینے سے بھی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

لمافی الهندیة(۱/۵۸): بدن الحرة عورة الا وجهها وکفیها وقدمیها کذا فی المتون وشعر المرأة ماعلی راسها عورة واما المسترسل ففیه روایتان الاصح انه عورة کذا فی الخلاصة وهو الصحیح وبه اخذ الفقیه ابو اللیث و علیه الفتوی کذا فی معراج الدرایة... وان انکشف عورته فی الصلاة فسترها بلا مکث جازت صلاته اجماعا وان ادی رکنا مع الانکشاف فسدت اجماعاً... والعمل القلیل ان تاخذه بیدواحدة کذا فی السراج الوهاج۔

وفی الدر المختار(۱/۴۰۵): (وللحرة) ولو خنثی (جمیع بدنها) حتی شعرها النازل فی الاصح (خلا

Marfat.com

الوجه والكفين) فظهر الكف عورة على المذهب (والقدمين)

وفيه ايضاً(۱/۴۰۸): (ويمنع)حتى انعقادها(كشف ربع عضو)قدر اداء ركن بلاصنعه (من عورة غليظة او خفيفة على المعتمد(والغليظة قبل ودبر وماحولهما والخفيفة ماعدا ذلك) من الرجل والمرأة

وفى الشامية (۱/۴۰۸): (قوله حتى انعقادها)... اى ويمنع صحة الصلاة حتى انعقادها. والحاصل انه يمنع الصلاة فى الابتداء ويرفعها فى البقاء ح (قوله قدر اداء ركن) اى بسنته منية قال شارحها وذلك قدر ثلاث تسبيحات اهـ.

وفى الهندية(۱/۱۰۱): العمل الكثير يفسد الصلاة والقليل لاكذا فى محيط السرخسى... وفيه ايضاً (صـ۱۰۲) وكل ما يقام بيد واحدة فهو يسير مالم يتكرر كذا فى فتاوى قاضيخان... (والثالث) انه لو نظر اليه ناظر من بعيد ان كان لا يشك انه فى غير الصلاة فهو كثير مفسد وان شك فليس بمفسد وهذا هو الاصح هكذا فى التبيين وهو احسن كذا فى المحيط السرخسى وهو اختيار العامة كذا فى فتاوىٰ قاضيخان والخلاصة۔

وكذا اذا تردى برداء اوحمل شيئا خفيفا يحمل بيد واحدة او حمل صبيا او ثوباً على عاتقه لم تفسد صلاته كذا فى فتاوى قاضيخان۔ وان حمل شيئا بحيث يتكلف بحمله وله مؤنة فسدت صلاته كذا فى الظهيرية۔

Marfat.com

رسالة

الافاضة فی قاعدة الفقهاء

"کل صلوۃ ادیت مع الکراھۃ تجب الاعادۃ"

فقہاء کا بیان کردہ قاعدہ "ہر وہ نماز جو مکروہ تحریمی کے ساتھ اداء ہو وہ واجب الاعادہ ہے"،

اس میں بعض محققین کی ماہیت اور غیر ماہیت کی قید سے متعلق تفصیلی فتوی

(۱۸۶) عورت کا سر پر کوہان نما جوڑے میں پڑھی نماز کے اعادے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی عورت سر کے اوپر کوہان نما جوڑا باندھ کر نماز پڑھے تو شرعاً کیا حکم ہے؟ جبکہ حدیث شریف میں اس طرح جوڑا باندھنے پر وعید وارد ہوئی ہے کہ ایسی عورتوں کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی (تکملہ فتح الملہم، ۴/ ۱۹۹)

عورت کا کوہان نما جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے یا مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ؟

بندہ نے اس مسئلہ کو عربی، اردو کتب فتاویٰ میں تلاش کیا لیکن کہیں کوئی واضح تصریح نہیں ملی۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے (رد المحتار ۱/ ۶۴۲ کراچی) میں عقص شعر کی مختلف صورتیں ذکر فرما کر کراہت کا قول تحریر فرمایا ہے۔ جیسا کہ تصریح حسب ذیل ہے:

(قوله وعقص شعره اھ) ای ضفره وفتله. والمراد به ان یجعله علی ھامته ویشده او ان یلف ذوائبه حول راسه کما یفعله النساء فی بعض الاوقات ...... وجمیع ذلك مكروه اھ

امداد الاحکام (۱/ ۵۵۷) میں بعنوان "عورتوں کیلئے نماز میں عقص شعر مکروہ ہے یا نہیں" ایک سوال و جواب ہے۔ لیکن وہ بھی مردوں سے متعلق ہے۔ عورت کے بالوں سے متعلق کسی بھی صورت کی تصریح نہیں، خاص کر مذکورہ صورت جس پر وعید ہے۔ نیز امداد الاحکام (۱/ ۵۱۳) میں بعنوان کراہت عقص شعر نماز میں مرد وعورت کیلئے عام ہے یا صرف مردوں کیلئے خاص ہے" کے تحت بھی تقریباً وہی بات ذکر کی گئی ہے جو امداد الاحکام (۱/ ۵۵۷) پر مذکور ہے۔

احسن الفتاویٰ (۸/ ۷۴) میں بعنوان "عورتوں کا جوڑا باندھنا" میں صرف اتنی بات ملتی ہے کہ "البتہ گدی پر جوڑا باندھنا شر

Marfat.com

جائز ہے بلکہ نماز میں افضل ہے۔ اس لیے کہ اس سے بالوں کے پردے میں سہولت ہوتی ہے" البتہ اسی جواب میں حضرتؒ نے عورتوں کا سر کے اوپر جوڑا باندھنے کو ناجائز فرمایا ہے۔

اسی طرح احسن الفتاویٰ (۳۱۸/۱۰) پر بعنوان "جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا" کے تحت ایک سوال کا جواب مذکور ہے لیکن وہاں بھی عورت کا کوہان نما جوڑا باندھ کر نماز ادا کرنے کے بارے میں جواز یا عدم جواز کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔

۲۔ حدیث مبارکہ میں کوہان نما جوڑا باندھنے کی جو وعید بیان کی گئی ہے۔ اس کی علت کیا ہے؟

بندہ رہنمائی کا طالب ہے۔ امید ہے باحوالہ جواب دے کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱)۔ گدی پر جوڑا باندھنا جیسے کہ عام طور پر عورتیں باندھتی ہیں۔

(۲)۔ سر کے اوپر کوہان نما جوڑا باندھنا۔

پہلی صورت کا حکم تمام عربی اردو کتب میں موجود ہے کہ یہ صورت مردوں کیلئے ناجائز ہے۔ ایسی حالت میں مردوں کیلئے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "نھی ان یصلی الرجل وراسه معقوص" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ عمل عورتوں کیلئے جائز ہے اور البحر الرائق (۴۱/۱) پر عقص شعر کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا "ان یلف ذوائبه حول رأسه کما یفعله النساء" یفعله النساء سے معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف مردوں کیلئے خاص ہے ورنہ تعریف الشئی بالشئی لازم آئے گی۔ حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے بھی احسن الفتاویٰ میں یہ بات ذکر فرمائی ہے۔ اور (۷۴/۸) میں فرمایا کہ یہ صورت یعنی (عقص شعر) عورتوں کیلئے نماز میں زیادہ بہتر ہے کہ اس میں بالوں کا ستر ہے۔

دوسری صورت کہ "کوہان نما جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا" اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ عربی و اردو کتب میں اس کی تصریح نہیں تو عربی کتب میں اس کی ممانعت و کراہت اصول و قواعد سے معلوم ہوتی ہے اور اردو کتب میں سے احسن الفتاویٰ (۳۱۸/۱) میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے صلوٰۃ کے ابواب میں تصریح فرمائی ہے کہ کوہان نما جوڑا باندھنا عورتوں کیلئے جائز نہیں اور یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ بات تو چل رہی ہو نماز کی اور حکم بیان کیا جا رہا ہو نماز کے باہر کا۔ اب مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ کوہان نما جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے کیونکہ اس طرح جوڑا باندھنے کی سخت وعید آئی ہے ان کو اہل نار میں سے فرمایا گیا ہے لہٰذا یہ گناہ کبیرہ ہے اور نماز کے اندر تو اس کی قباحت اور بھی بڑھ جائے گی۔ کیونکہ اس طرح کے کئی افعال جس پر نماز کے اندر یا خارج صلوٰۃ میں نہی وارد ہوئی ہو یا اس پر سخت وعید وارد ہوئی ہو نماز کے اندر ایسے افعال پائے جانے کی وجہ سے فقہاء ایسی نماز کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں جیسے کہ البحر الرائق (۳۶/۲) میں ہے: قوله (والتخصر) وهو وضع اليد على الخاصرة...... أنه فعل المتكبرين ولا يليق بالصلاة أو أنه فعل الشيطان حتى قيل إن إبليس اهبط من الجنة لذلك فلهذا قال في المبسوط والمجتبى ويكره التخصر خارج الصلاة أيضا والذي يظهر أنها تحريمية فيها للنهي المذكور الخ۔۔

Marfat.com

اسی طرح شامی میں ہے "یکرہ اشتمال الصماء لنھیہ علیہ الصلوۃ والسلام عنھا وظاھر التعلیل بالنھی ان الکراھۃ تحریمیۃ کمامر فی نظائرہ" (۶۵۲/۱) لہٰذا جس طرح حالت نماز میں تخصر اور اشتمال صماء کے پائے جانے سے نماز مکروہ تحریمی ہے بوجہ نہی اور متکبرین کا طریقہ ہونے کے اسی طرح حالت نماز میں کوہان نما جوڑا باندھنے سے نماز مکروہ تحریمی ہونی چاہیے کیونکہ اس پر بھی سخت وعید وارد ہوئی ہے اور شرح نووی وغیرہ نے اس کو فاسقات فاجرات کا طریقہ بتلایا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کی عقص شعر کے تحت یہ عبارت "والاشبہ بسیاق الحدیث انھا تحریم الا ان تثبت علی التنزیہ اجماع فتعین القول بہ" (۶۴۲/۱) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مکروہ تحریمی کے خلاف جب تک مکروہ تنزیہی کے اثبات پر اجماع نہ ہو جائے تو وہ مکروہ تحریمی ہی رہتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے (۶۳۹/۱) پر فرمایا: جب بھی کسی فعل پر مکروہ کا اطلاق ہو تو اس کی دلیل پر نظر کی جائے گی اگر اس پر وارد ہونے والی نہی ظنی الثبوت ہو تو مکروہ تحریمی ہوگا جب تک کہ نہی کیلئے صارف عن النہی کوئی قرینہ نہ پایا جائے" إذا ذکروا مکروھا فلا بد من النظر في دلیلہ فإن کان نھیا ظنیا یحکم بکراھۃ التحریم إلا لصارف للنھي عن التحریم إلی الندب "(شامیۃ ۱۳۲/۱) ان تمام اصولوں سے اتنی بات تو واضح ہوگئی کہ یہ فعل نماز کے اندر مکروہ تحریمی ہے اور ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ لازم ہے۔

(۲)۔ حدیث مبارکہ میں کوہان نما جوڑا باندھنے کی جو وعید ہے شرح نووی اور مرقاۃ وغیرہ میں اس کی کئی علتیں بیان کی گئی ہیں کہ یہ متکبرانہ انداز ہے ایسی عورتیں قلباً وجسماً اپنے آپ کو مردوں کی طرف مائل کرتی ہیں اس طرح کے بال بنانا فاجرات فاسقات عورتوں کا شیوہ ہے ایسی عورتیں اپنی آنکھوں کو اور اپنے سر کو نیچے نہیں کرتیں بے جا زینت کا اظہار ہے بنی اسرائیل کی عورتوں کیلئے بھی اس کی ممانعت تھی وغیرہ وغیرہ۔

وفی شرح النووی (۳۸۳/۲) باب جھنم اعاذنا اللہ منھا: واما مائلات ممیلات فقیل زائغات عن طاعۃ اللہ تعالی وما یلزمھن من حفظ الفروج وغیرھا وممیلات یعلمن غیرھن مثل فعلھن وقیل مائلات متبخترات فی مشیتھن ممیلات أکتافھن وقیل مائلات یتمشطن المشطۃ المیلاء وھي مشطۃ البغایا معروفۃ لھن ممیلات یمشطن غیرھن تلک المشطۃ وقیل مائلات إلی الرجال ممیلات لھم بما یبدین من زینتھن وغیرھا وأما رؤوسھن کأسنمۃ البخت فمعناہ یعظمن رؤوسھن بالخمر والعمائم وغیرھا مما یلف علی الرأس حتی تشبہ أسنمۃ الابل البخت ھذا ھو المشھور فی تفسیرہ قال المازری ویجوز أن یکون معناہ یطمحن إلی الرجال ولا یغضضن عنھم ولا ینکسن رؤوسھن واختار القاضي أن المائلات تمشطن المشطۃ المیلاء قال وھی ضفر الغدائر وشدھا إلی فوق وجمعھا فی وسط الرأس فتصیر کأسنمۃ البخت۔

Marfat.com

(۱۸۷) مذکورہ فتوے پر ایک استدراک

سوال......عرض یہ ہے کہ بندہ کی نظر سے آنجناب کے دارالافتاء سے منسوب ایک فتویٰ گزرا جس میں یہ درج تھا کہ عورت کا کوہان نما جوڑا باندھ کرنماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور ایسی نماز واجب الاعادۃ ہے جبکہ علامہ شامیؒ نے اس نماز کو واجب الاعادہ قرار دیا ہے جس میں ماہیت صلوٰۃ میں کراہت پائی جائے (۱/۴۵۷ شامی) اور بندہ کی ناقص سمجھ کے مطابق کوہان نما جوڑا باندھ کر نماز پڑھنے سے ماہیت صلوٰۃ میں کراہت نہیں پائی جارہی اس کے باوجود نماز کو واجب الاعادہ تحریر کیا گیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے وہ واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں اس کیلئے فقہاء کرام کا یہ اصول ہے کہ "کل صلوۃ ادیت مع الکراھۃ تجب اعادتھا" اور فقہاء نے یہ قاعدہ عام اور مطلق رکھا ہے اس میں کسی قسم کی کوئی تخصیص اور قیود نہیں لگائیں علامہ شامی رحمہ اللہ کا اس قاعدہ میں تخصیص کرنا (بان مرادھم بالواجب والسنۃ التی تعاد بترکہ ما کان من ماھیۃ الصلوۃ واجزائھا ۱/۴۵۷) محل نظر ہے کیونکہ اول تو خود علامہ شامی اس تخصیص پر مطمئن نہیں جیسا کہ فرماتے ہیں "لکن قولھم کل صلوۃ ادیت مع کراھۃ التحریم یشمل ترک الواجب وغیرہ ویویدہ ما صرحوا بہ من وجوب الاعادۃ بالصلوۃ فی ثوب فیہ صورۃ بمنزلۃ من یصلی وھو حامل الصنم (۱/۴۵۷)" نیز بعض مقامات پر علامہ خود اپنی اس تخصیص کی مخالفت فرمارہے ہیں اور فقہاء کے مذکورہ قاعدہ اور اصول کو مطلق رکھ کر حکم لگارہے ہیں جیسا کہ "صلوۃ مع مدافعۃ الاخبثین" پر اعادہ کا حکم صادر فرمایا قولہ وکذا کل صلوۃ الخ الظاھر انہ یشمل نحو مدافعۃ الاخبثین (۱/۴۵۷) اسی طرح تصویر والے کپڑوں میں نماز پڑھنے پر اعادہ کا حکم فرمایا: وقال فی المعراج وفی جامع التمرتاشی لو صلی فی ثوب فیہ صورۃ یکرہ وتجب الاعادۃ قال ابو الیسر ھذا ھو الحکم فی کل صلوۃ ادیت مع الکراھۃ (۲/۶۳) اسی طرح "صلوۃ الی وجہ انسان" کے اعادہ کے حکم کو بھی اسی قاعدہ کی اطلاقیت پر محمول فرمایا قولہ وصلوۃ الی وجہ انسان... ویکون الامر بالاعادۃ لازالۃ الکراھۃ لانہ الحکم فی کل صلوۃ ادیت مع الکراھۃ (۱/۶۴۴)

حالانکہ یہ تمام افعال ماہیت اور اجزاء صلوۃ میں سے نہیں ہیں اس کے باوجود اعادہ کا حکم فرمایا، معلوم ہوا کہ فقہاء کا مذکورہ قاعدہ مطلق اور عام ہے (البتہ بعض جزئیات میں فقہاء نے اتفاقاً اعادہ کی صراحت کردی ہے اور اکثر جزئیات کو مطلق ہی رکھا ہے اور ان تمام جزئیات کیلئے اصول ذکر فرمایا) لہٰذا اسی اصول وقاعدہ کے تحت عورت کو کوہان نما جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہونا چاہیے۔

رہا علامہ شامیؒ کا یہ کہنا کہ چونکہ جماعت واجب یا سنت مؤکدہ فی حکم الواجب ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی بلا جماعت انفراداً نماز پڑھ لے تو اس کے اعادہ کا حکم دینا چاہیے حالانکہ فقہاء اسکے اعادہ کا حکم نہیں دیتے، کیونکہ "باب ادراک الفریضۃ" میں صراحت فرماتے ہیں کہ "انہ لو صلی ثلاث رکعات من الظھر ثم اقیمت الجماعۃ یتم ویقتدی متطوعاً" (اگر کوئی شخص ظہر کی تین رکعت پڑھ لے اور پھر جماعت کھڑی ہوجائے تو اسے چاہیے کہ اپنی نماز پوری کر کے جماعت میں نفل کی نیت سے شامل ہوجائے) اس

Marfat.com

سے تقریباً صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ظہر کی نماز کا جماعت کے ساتھ اعادہ نہیں ہے، حالانکہ اس کی نماز مکروہ تحریمی یا قریب من التحریم ہے اور یہ مذکورہ قاعدہ کے مخالف ہے لہٰذا اس قاعدہ میں تخصیص کا دعویٰ کرنا پڑے گا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کا دعویٰ تخصیص کا دارومدار فقہاء کے اس قول پر ہے کہ "ویقتدی متطوعاً" اور اس کو "کالصریح" فرمایا حالانکہ اس "متطوعاً" میں بھی اعادہ کا احتمال ہوسکتا ہے کیونکہ واجب الاعادہ نماز بھی درحقیقت نفل ہی ہوتی ہے جو فرض کی کوتاہی کے تدارک کیلئے پڑھی جاتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیمؒ الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں "واما الصلاۃ المعادۃ لارتکاب مکروہ او ترک الواجب فلا شک انہا جابرۃ لا فرض لقولهم بسقوط الفرض بالاولی، فعلی هذا ینوی کونها جابرۃ لنقص الفرض علی انها نفل تحقیقاً" (۱۳۷ القاعدۃ الثانیۃ، ط: میر محمد کتب خانہ کراچی) لہٰذا اس "یقتدی متطوعاً" کو صریح کہہ کر اس سے فقہاء کے عمومی قاعدہ میں تخصیص کرنا محل نظر ہے، اور جہاں تک تعلق ہے انفرادی نماز کے واجب الاعادہ نہ ہونے کا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انفرادی نماز کے واجب الاعادہ نہ ہونے کی تخصیص نص سے ثابت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں جس شخص نے انفرادی نماز پڑھ لی تھی، تو اسے ترک جماعت کی وجہ سے اعادہ کا حکم نہیں دیا گیا (بخاری ۱/۹۷، ۹۸) اسی طرح جس حدیث مبارکہ میں جماعت میں حاضر نہ ہونے والوں کے گھروں کے جلانے کا ذکر ہے اس میں بھی ایسے لوگوں کو اعادہ کا حکم نہیں دیا گیا (مسلم، ۱/۲۳۲) نیز فقہاء کی صراحت کے مطابق فاسق و مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے فی الدر المختار ویکرہ امامۃ عبد... وفاسق... ومبتدع... وقال ابن عابدین علیہ الرحمۃ تحته واما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بانه لا یهتم لامر دینه...... فهو کالمبتدع تکرہ امامته فی کل حال بل مشی فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم (۱/۵۶۰)

لیکن واجب الاعادہ نہیں ہے بلکہ تنہا پڑھنے سے ان کی اقتداء میں پڑھنا بہتر ہے فی الدر المختار: صلی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة..... قال الشامی تحته: افاد ان الصلوۃ خلفهما اولی من الانفراد کیونکہ یہاں نص موجود ہے "صلوا خلف کل بر وفاجر" (کنز العمال ۱/۹۶) اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امام الفتنہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا (بخاری ۱/۹۶) تاکہ امت انتشار وافتراق سے بچی رہے، وفی هذا الاثر لحض علی شهود الجماعة ولا سیما فی زمن الفتنة لئلا یزداد تفرق الکلمة (فتح الباری ۲/۱۵۱) تو جس طرح فاسق و مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہونے کے باوجود واجب الاعادہ نہیں نص کے باعث تو اسی طرح انفرادی نماز پڑھنا بھی ترک جماعت کی وجہ سے واجب الاعادہ نہیں نص کے پائے جانے کی وجہ سے نیز اگر انفرادی نماز کو ترک جماعت کی وجہ سے واجب الاعادہ کہا جائے تو چونکہ اکثر اوقات با جماعت اعادہ متعذر رہتا ہے کہ اگر جماعت کا وقت نکل جانے کے بعد پڑھی تو اب یا تو دیگر مساجد میں جماعت ڈھونڈتا پھرے یا ایسے اشخاص کو جمع کرے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تو اس میں حرج ہے اور اگر کہیں جماعت یا ایسے اشخاص میسر نہ ہوئے تو پھر با جماعت اعادہ کے حکم سے تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی اور اگر انفراداً ہی اعادہ کرے تو اس صورت میں دور لازم آئے گا لہٰذا علامہ شامیؒ کا انفرادی نماز کے ترک جماعت کی وجہ سے واجب الاعادہ نہ ہونے پر قیاس کرتے ہوئے فقہاء کے عام اور مطلق قاعدے واصول میں تخصیص کرنا ان کا تفرد معلوم ہوتا ہے نیز اگلی سطر میں وہ خود اس پر

Marfat.com

مطمئن نہیں اس لئے قاعدہ کو عموم پر رکھنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں نماز کا واجب الاعادہ ہونا ہی راجح معلوم ہوتا ہے یہ ہماری ناقص رائے ہے لہٰذا اس مسئلہ کی تحقیق دوسرے مفتیان کرام سے بھی کر لی جائے ہذا ما ظہر لی من الفتاح الوہاب۔

Marfat.com

رسالة

الکلمات الھندیة

فی الاجابة عن الدعاء بغیر العربیة

غیر عربی میں دعا، قراءت اور شروع فی الصلوۃ کا حکم

اس میں امام صاحب ؒ کا مذہب اور رجوع کی تحقیق نیز ایسی نماز کے اعادے کا حکم

(۱۸۸) غیر عربی میں دعا کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نفل نماز کے سجدوں میں ایسی چیزیں جو مخلوق سے نہیں مانگی جاتی بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جاتی ہوں ایسی چیزوں کا عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں مانگنا کیسا ہے؟ مثلاً اردو، انگلش، گجراتی میں کرنا اس میں امام صاحب کا مذہب کیا ہے بعض حضرات سے سنا ہے کہ امام صاحب پہلے جواز کے قائل تھے پھر سب میں رجوع کرلیا پہلے فارسی میں قرآن کے پڑھنے کے بھی قائل تھے نیز یہ بھی بتادیں کہ امام صاحب کے نزدیک اب اس کا کیا حکم ہے اگر نماز صحیح ہو تو کراہت ہوگی یا نہیں؟ نماز کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟ میں بھی عالم ہوں میں نے کتب کی مراجعت کی تو متفرق کتب کی بکھری ہوئی عبارتیں اور نقل مذاہب میں شبہات مجھے سمجھ نہ آسکے آپ سے مسئلے کی مکمل تشریح مطلوب ہے نیز ایسی چیزیں جو بندوں سے مانگی جاتی ہوں انہیں عربی میں ہی نماز میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... مسئولہ صورت میں کتب فقہ اور اکابرین کی تحریرات کا تفصیلی مطالعہ اور جائزہ لینے کے بعد بندہ نے جو نتائج اخذ کئے ہیں مفید ہوگا کہ اولاً ان کا نمبروار ذکر کردیا جائے۔ مسئلہ چونکہ نماز میں دعاء بغیر العربیہ سے متعلق ہے اور ساتھ ایسی چیزیں جو بندوں سے بھی مانگی جاسکتی ہوں ان کی نماز میں دعا کرنے سے بھی متعلق ہے لیکن دعاء بغیر العربیہ کا مسئلہ چند دوسرے اہم مسائل پر موقوف ہے ان مسائل کا سمجھنا اور تنقیح کا سامنے آنا ضروری ہے ورنہ یہ مسئلہ تشنہ ہی رہے گا اس لیے بندہ ترتیب وار چند مسائل کا ذکر کرکے آپ کے مسئلے کی طرف آئے گا۔

(۱)۔ پہلا مسئلہ نماز میں قراءت بغیر العربیہ کا ہے مثلاً فارسی یا اردو زبان میں قرآن پاک کا پڑھنا اس کا کیا حکم ہے؟ یہاں امام

Marfat.com

صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف تھا اختلاف کی نوعیت جاننا ضروری ہے اتنی بات واضح رہے کہ اس بات میں تو ائمہ ثلثہ کا اتفاق ہے کہ قراءت بالفارسیہ وغیرھا سے نماز مطلقاً فاسد نہیں ہوتی۔ یہ قراءت مطلقاً مفسد نہیں۔ اختلاف یہ ہے کہ کیا قراءت بغیر العربیہ صحت صلوۃ کیلئے کافی ہوگی یا نہیں امام صاحب کا قول یہ ہے کہ قراءت بالفارسیہ وغیرھا بھی کافی ہیں اور نماز اداء ہوجائے گی جبکہ صاحبین کے مذہب میں تفصیل ہے جس کی مختصر تنقیح یہ ہے کہ اگر قصے یا امرونہی سے متعلق آیات پڑھتا ہے تو یہ تو مطلقاً مفسد ہیں لیکن ذکر یا تنزیہ سے متعلق آیات غیر عربی میں پڑھنے سے نماز میں فساد نہ آئے گا البتہ اس پر اکتفاء جائز نہیں بلکہ قدر ما تجوز بہ الصلاۃ (یعنی اتنی آیات کا پڑھنا جس سے نماز درست ہوجائے) جو کہ تین چھوٹی یا ایک بڑی آیت ہے اگر پڑھ لی جائیں اور ذکر اور تنزیہ سے متعلق آیات بھی پڑھ لے تو صاحبین کے نزدیک بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔

گویا امام صاحب کے نزدیک قراءت بغیر العربیہ مطلقاً صحیح ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک قصص امرونہی کی آیات کا غیر عربی میں پڑھنا تو مفسد ہے لیکن ذکر وتنزیہ کی آیات پر غیر عربی میں اکتفاء جائز نہیں البتہ اگر تین چھوٹی آیات وغیرہ عربی میں پڑھ لی جائیں جس سے نماز درست ہوجائے تو اس سے زائد ذکر وتنزیہ کی آیات غیر عربی میں پڑھنا صحیح ہے۔ امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ دونوں کے دلائل کتب فقہ میں مفصلاً اور مبسوطاً ذکر ہیں بندہ یہاں ان سے بحث نہیں کرتا۔ بدائع الصنائع میں علامہ کاشانی رحمہ اللہ نے امام صاحب کے مذہب کو ترجیح دی ہے لیکن عامۃ الکتب اور رؤساء فقہاء حنفیہ نے امام صاحب کا صاحبین کی طرف رجوع ثابت کیا ہے کیونکہ صاحبین کی دلیل (لأن المأمور به قراءة القرآن وهو اسم للمنزل باللفظ العربي المنظوم الخاص المكتوب في المصاحف المنقول إلينا نقلا متواترا والأعجمي إنما يسمى قرآنا مجازا ولذا يصح نفي اسم القرآن عنه فلقوة دليل قولهما رجع إليه۔ شامیہ ۱/۴۸۴) اس دلیل کی قوت کی بناء پر امام صاحب نے مسئلہ قراءت بالفارسیہ وغیرھا میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا ہے اور اب اتفاقی قول یہی ہے کہ قراءت بغیر العربیہ جائز نہیں۔ باقی امام صاحب کا اصل مذہب ہو یا صاحبین کے مذہب میں ذکر وتنزیہ کی آیات کا مع تین آیات کے پڑھنے کی گنجائش یہ سب جوازِ صلوۃ اور صحت کی حد تک ہے ورنہ مکروہ تحریمی تو یہ بہرحال ہے اور بغیر عذر کے ایسا کرنے والے کی نماز ادا تو ہوجائے گی لیکن کراہتِ تحریمی کے ساتھ جو کہ واجب الاعادہ ہوگی۔ نیز یہاں یہ بات بھی واضح ہو کہ یہ اختلاف غیر عاجز (یعنی جو شخص عربی میں تلاوت کرسکتا ہے) کے بارے میں تھا عاجز کے بارے میں اتفاقاً یہ مذہب ہے کہ وہ قراءت بغیر العربیۃ کرسکتا ہے۔ اس سے متعلق اختلاف نہیں۔ قراءت سے متعلق یہ تمام تفصیلات بحر (۱/۵۳۶)، بدائع (۱/۵۲۷) اور شامیہ میں ذکر ہیں شامیہ کی عبارت درج ذیل ہے:

قال الحصكفي في الدر: (وصح شروعه) أيضا مع كراهة التحريم (بتسبيح وتهليل) وتحميد وسائر كلم التعظيم الخالصة له تعالى ولو مشتركة كرحيم و كريم في الأصح وخصه الثاني بأكبر و كبير منكرا ومعرفا زاد في الخلاصة والكبار مخففا ومثقلا (كما صح لو شرع بغير عربية) أي لسان كان (أو قرأ بها عاجزا) فجائز إجماعا قيد القراءة بالعجز لأن الأصح رجوعه إلى

Marfat.com

قولهما وعليه الفتوى .. فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل إن قصة تفسد وإن ذكرا لا۔

وقال ابن عابدين تحتها: قوله (قرأ بالفارسية) أي مع القدرة على العربية ... قوله (إن قصة الخ) اختار هذا التفصيل في الفتح توفيقا بين القولين وهما ما قاله في الهداية من أنه لا خلاف في عدم الفساد إذا قرأ معه بالعربية ما تجوز به الصلاة وما قاله النجم النسفي وقاضيخان من أنها تفسد عندهما فقال في الفتح والوجه إذا كان المقروء من مكان القصص والأمر والنهي أن تفسد بمجرد قراءته لأنه حينئذ متكلم بكلام غير القرآن بخلاف ما إذا كان ذكرا أو تنزيها فإنها تفسد إذا اقتصر على ذلك بسبب إخلاء الصلاة عن القراءة اھ وتبعه في البحر وقواه في النهر فلذا جزم به الشارح۔

(۲)۔ دوسرا مسئلہ شروعِ صلوٰۃ کا ہے یعنی نماز کی ابتداء میں موجود تحریمہ سے متعلق ہے۔ یعنی اللہ اکبر کہنا ضروری ہے یا دیگر کوئی لفظ عربی یا غیر عربی میں بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس میں ایک اختلاف تو اللہ اکبر کے علاوہ عربی میں ہی تعظیم پر دال کوئی لفظ کہنے میں اس میں امام صاحب اور امام محمد رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر تعظیم پر دال لفظ کہا جاسکتا ہے مثلاً اللہ اجل، اللہ اعظم، اللہ الکبار وغیرہ جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف پانچ الفاظ (اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ کبیر، اللہ الکبیر اور اللہ الکبار) سے نماز کی ابتداء ہوسکتی ہے یعنی تکبیر کا لفظ اس میں کسی بھی درجے میں موجود ہے جبکہ طرفین ہر تعظیم پر دال لفظ سے آغاز کے جواز کے قائل ہیں۔ البتہ مکروہ تحریمی ان کے ہاں بھی ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو نماز کی ابتداء ہی ان پانچ الفاظ کے علاوہ سے نہ ہوگی۔ بعض حضرات نے ایک چھٹا لفظ "اللہ کبار" بھی بتایا ہے۔ یہاں یہ بات بالخصوص ذہن نشین رہے کہ تکبیر میں لفظ "اللہ اکبر" کی تاکید آئی ہے لہٰذا چاہے طرفین کے ہاں مطلقاً گنجائش ہو امام ابو یوسفؒ کے بقیہ چار الفاظ ہوں سب کا استعمال "اللہ اکبر" کے علاوہ مکروہ تحریمی ہے۔ "الراجح انه مکروه تحریما" (شامی ۱/ ۴۸۳)۔ اس باب میں طرفین کا قول راجح ہے کہ نماز کا آغاز مع کراهة التحریم ہوجائے گا۔ شامیہ میں نہر اور حلیہ کے حوالے سے نقل ہے "والصحیح قولهما کما فی النهر والحلیة عن التحفة والزاد" (شامیہ ۱/ ۴۸۳)

لیکن شروع فی الصلوٰۃ میں ذکر کردہ یہ اختلاف ہمارا موضوع بحث نہیں۔ شروع فی الصلاۃ میں ایک اور اختلاف شروع بغیر العربیۃ کا ہے وہ ہمارا موضوع بحث ہے اس میں امام صاحب کے نزدیک عربی کے علاوہ فارسی وغیرہ ہر زبان میں تعظیم پر دال الفاظ سے نماز کی ابتداء ہوجاتی ہے مثلاً "اللہ بزرگ است" وغیرہ سے جبکہ صاحبین کے نزدیک غیر عربی میں تکبیر کہنے سے نماز کی ابتداء ہی نہیں ہوتی۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ امام صاحب کے نزدیک بھی یہ عمل مکروہ تحریمی ہے البتہ صحت کے وہ قائل ہیں جبکہ صاحبین صحت کے بھی قائل نہیں۔ گویا امام محمد شروع فی الصلاۃ کے پہلے اختلاف یعنی "اللہ اعظم" وغیرہ پڑھنے کے جواز میں امام صاحب کے ساتھ جبکہ غیر عربی میں "اللہ اکبر" وغیرہ کہنے کے عدم جواز میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں۔ نیز قراءت قرآن بغیر العربیۃ کی طرح شروع فی الصلوٰۃ

Marfat.com

العربیہ میں بھی امام صاحب اور صاحبین کا بعینہ اختلاف ہے اور یہاں بھی اختلاف غیر عاجز سے متعلق ہے عاجز کے لیے تو امام صاحب، صاحبین سب بالاتفاق جوازِ شروع بغیر العربیہ کے قائل ہیں۔

البتہ ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے کہ کیا قراءت بغیر العربیہ کی طرح شروع بغیر العربیہ میں بھی امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا ہے اور اب وہ عدمِ صحت کے قائل ہیں یا نہیں؟ اس پر ہم چند سطر بعد مفصل کلام کریں گے۔

(۳)۔ تیسرا مسئلہ یہاں دعاء بغیر العربیۃ، خطبہ، اور جمیع اذکارِ صلاۃ سے متعلق ہے کہ ان کے غیر عربی میں پڑھنے کا کیا حکم ہے تو یہاں ذہن نشین رہے کہ فقہاء کی تصریح کے مطابق ان سب میں شروع فی الصلاۃ کی طرح ہی امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے امام صاحب کراہت تحریم کے ساتھ صحت کے قائل اور صاحبین کے نزدیک دعاء، خطبہ یا کوئی بھی ذکر غیر عربی میں صحیح نہیں۔

گویا شروع فی الصلاۃ، دعاء بغیر العربیہ، خطبہ اور جمیع اذکار الصلاۃ کا غیر عربی میں پڑھنا امام صاحب اور صاحبین کے نزدیک مختلف فیہ ہے امام صاحب صحت مع الکراھۃ التحریم کے قائل ہیں جبکہ صاحبین عدمِ صحت کے قائل ہیں۔ اب اس بات پر ہم روشنی ڈالیں گے کہ کیا قراءت کی طرح ان دیگر مسائل میں بھی امام صاحب نے رجوع کیا ہے تو یہاں یہ بات واضح رہے کہ قراءت کے علاوہ اشیاء میں امام صاحب نے رجوع نہیں کیا بلکہ فقہاء نے ان سب میں امام صاحب کے مذہب کو ہی معتمد، مختار اور اقوی قرار دیا ہے۔ شامیہ میں علامہ طحطاوی سے نقل ہے "والمعتمد قولہ، ط "نیز منحۃ الخالق میں ہے" المختار فی الشروع مذھب الامام فی انہ یصح بالفارسیۃ بدون العجز" (منحۃ ۱/۵۳۵)۔ البتہ علامہ عینیؒ نے کنز الدقائق کی شرح میں ان تمام میں بھی امام صاحب کا صاحبینؒ کی طرف رجوع ذکر کیا ہے علامہ عینیؒ پر قراءت اور دیگر اشیاء میں فرق سے متعلق اشتباہ ہو گیا ہے۔ اس پر فقہاء نے علامہ عینی پر سخت استدراک فرمایا ہے بلکہ درمختار میں تو تاتارخانیہ کی ایک عبارت سے صاحبین کا ان اشیاء میں امام صاحب کی طرف رجوع ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاتارخانیہ میں تکبیر بالفارسیہ کو تلبیہ کی طرح اتفاقاً غیر عربی میں جائز قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین نے رجوع کیا ہے نہ کہ امام اعظمؒ نے۔ لیکن علامہ شامیؒ نے یہاں وضاحت فرمائی ہے کہ تاتارخانیہ میں ذکر "ولو کبر بالفارسیۃ اولبی بالفارسیۃ ...... جاز بالاتفاق" میں کبر سے تکبیر تحریمہ مراد ہونا واضح نہیں لہٰذا صاحبین کا رجوع کا دعویٰ کرنا محل نظر ہے کیونکہ کبر سے مراد تکبیر تشریق یا تکبیر ذبح ہے نہ کہ تکبیر تحریمہ۔ نیز تمام دیگر اذکار جو تاتارخانیہ میں ذکر ہیں وہ غیر نماز کے ہیں تو کبر سے بھی تکبیر ذبح مراد لینا اولیٰ ہے لہٰذا صاحبین کا رجوع اتنی مبہم عبارت سے ثابت کرنا محل نظر ہے۔

درمختار کی طرف سے علامہ شامی کو یہ جواب دیا جا سکتا ہے جیسا کہ علامہ رافعیؒ نے دیا بھی ہے کہ درمختار میں "فظاھرہ" کے الفاظ ہیں کہ تاتارخانیہ کی عبارت سے بظاہر صاحبین کا امام کی طرف رجوع ثابت ہوتا ہے اور درمختار میں یہ بات علامہ عینی کے امام صاحب کے اثباتِ رجوع پر استدراک کا ذکر ہے نیز "بظاہر" کا لفظ بھی جزم کے منافی ہے لہٰذا درمختار میں جزماً رجوع ثابت نہیں کیا گیا بلکہ ایک احتمال ظاہر کیا گیا ہے کہ صاحبین کا رجوع تو بظاہر ثابت کیا جا سکتا ہے امام کا نہیں۔ لہٰذا استدراک کی ضرورت نہیں۔

الغرض اس تمام تفصیل سے قطع نظر قراءت کے علاوہ دعاء، خطبہ اور جمیع اذکار الصلاۃ میں امام صاحب کا رجوع ثابت نہیں

Marfat.com

آمیں: تا حال امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے نیز امام کا مذہب اور اس کے دلائل یہاں قوی ہیں لہٰذا یہی معتمد اور مختار ہے کہ دعاء، خطبہ اور جمیع اذکار الصلاۃ کا عربی کے علاوہ میں پڑھنا کراہتِ تحریمی کے ساتھ درست ہے یہ بحث بحر (۵۳۵/۱) منحۃ علی البحر (۵۳۵/۱) تبیین (۲۸۵/۱) طحطاوی اور شامیہ میں ہے شامیہ کی بحث نقل کی جا رہی ہے:

قال الحصكفي في الدر: (وصح شروعه) أيضا مع كراهة التحريم (بتسبيح وتهليل) وتحميد وسائر كلم التعظيم الخالصة له تعالى ولو مشتركة كرحيم وكريم في الأصح وخصه الثاني بأكبر وكبير منكرا ومعرفا زاد في الخلاصة والكبار مخففا ومثقلا (كما صح لو شرع بغير عربية) أي لسان كان وخصه البردعي بالفارسية لمزيتها بحديث لسان أهل الجنة العربية والفارسية الدرية بتشديد الراء قهستاني. وشرطا عجزه وعلى هذا الخلاف الخطبة وجميع أذكار الصلاة وأما ما ذكره بقوله أو آمن أو لبى أو سلم أو سمى عند ذبح أو شهد عند حاكم أو رد سلاما ولم أر لو شمت عاطسا (أو قرأ بها عاجزا) فجائز إجماعا قيد القراءة بالعجز لأن الأصح رجوعه إلى قولهما وعليه الفتوى. قلت وجعل العيني الشروع كالقراءة لا سلف له فيه ولا سند له يقويه بل جعله في التاترخانية كالتلبية يجوز اتفاقا فظاهره كالمتن رجوعهما إليه لا هو إليهما فاحفظه فقد اشتبه على كثير من القاصرين .... فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل إن قصة تفسد وإن ذكرا لا.

وقال ابن عابدين تحتها في رد المحتار: (أيضا الخ) أي كما صح شروعه بالتكبير السابق صح أيضا بالتسبيح ونحوه لكن مع كراهة التحريم لأن الشروع بالتكبير واجب وقدمنا أن الواجب لفظ الله أكبر من بين ألفاظ التكبير الآتية

وقال في الخزائن هنا وهل يكره الشروع بغير الله أكبر تصحيحان. والراجح أنه مكروه تحريما وأن وجوبه عام لا خاص بالعيد كما حرره في البحر للمواظبة التي لم تقترن بترك.....قوله (وخصه الثاني) فلا يصح الشروع عنده إلا بهذه الألفاظ المشتقة من التكبير والصحيح قولهما كما في النهر والحلية عن التحفة والزاد قوله (والكبار) أي بضم الكاف بمعنى الكبير كما في القاموس والظاهر أنه يجوز تنكيره عند أبي يوسف كما جاز في الأكبر والكبير فليراجع ح .... قوله (وشرطا عجزه) أي التكبير بالعربية والمعتمد قوله ط ... قوله (وجميع أذكار الصلاة) في التاترخانية عن المحيط وعلى هذا الخلاف لو سبح بالفارسية في الصلاة أو دعا أو أثنى على الله تعالى أو تعوذ أو هلل أو تشهد أو صلى على النبي ﷺ بالفارسية في الصلاة أي يصح

Marfat.com

عنده لکن سیأتی کراهة الدعاء بالأعجمية .... قوله (ولا سند له يقويه) أی ليس له دليل يقوی مدعاه لأن الإمام رجع إلى قولهما فی اشتراط القراءة بالعربية لأن المأمور به قراءة القرآن ..... قوله (بل جعله فی التاترخانية كالتلبية) نص عبارتها وفی شرح الطحاوی ولو كبر بالفارسية أو سمى بالفارسية عند الذبح أولبى عند الإحرام بالفارسية أو بأی لسان سواء كان يحسن العربية أو لا جاز بالاتفاق اھ قوله (كالمتن) حيث لم يقيد الشروع بالعجز كما قيد به القراءة قوله (رجوعهما إليه الخ) أی إنهما رجعا إلى قوله بصحة الشروع بالفارسية بلا عجز كما رجع هو إلى قولهما بعدم الصحة فی القراءة فقط لا فی الشروع أيضا كما توهمه العينی لكن كونهما رجعا إلى قوله فی الشروع لم ينقله أحد وإنما المنقول حكاية الخلاف كما قدمناه وأما ما فی التاترخانية فغير صريح فی تكبير الشروع بل هو محتمل لتكبير التشريق أو الذبح بل هذا أولى لأنه قرنه مع الأذكار الخارجة عن الصلاة وأما عبارة المتن فهی مبنية على قول الإمام فالحاصل أن ما أورده على العينی فی دعوى رجوعه إلى قولهما يرد عليه فی دعواه رجوعهما إلى قوله۔ (شامية ۱/۴۸۴)

وقال الرافعی فی التحرير المختار تحت قول ابن عابدين (واما ما فی التتارخانية فغير صريح الخ): هو كذلك لكن الشارح لم يدع الصراحة فی ذلك بل الظهور فقط۔ (التحرير المختار ۱/۵۹)

الغرض خلاصہ یہ نکلا کہ قراءت کے علاوہ شروع، خطبہ، اذکار صلاۃ تمام میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف باقی ہے امام صاحب یا صاحبین کسی نے دوسرے کی طرف رجوع نہیں کیا ہے علامہ عینیؒ سے تمام میں امام صاحب کے رجوع کا دعویٰ محل نظر ہے بعد میں علامہ شرنبلالی، شیخ زادہ (صاحب مجمع الانہر) وغیرہ کو عینی کی طرح یہ اشتباہ ہوگیا اور انہوں نے تمام میں امام اعظم کے رجوع کا قول کیا ہے البتہ علامہ حصکفیؒ نے چونکہ علامہ عینیؒ اور ان کے متبعین پر کچھ سخت الفاظ میں رد کیا ہے لہٰذا علامہ شامی رحمہ اللہ علامہ حصکفی کے ردّ میں کچھ تاویل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ علامہ حصکفیؒ سے خود ملتقی کی شرح در منتقی میں یہ تسامح ہوا ہے اور علامہ حصکفیؒ نے در منتقی میں خود علامہ عینیؒ کی اتباع کی ہے شامیہ مع الدر کی عبارت یہ ہے:

قال الحصكفی فی الدر: قلت وجعل العينی الشروع كالقراءة لا سلف له فيه ولا سند له يقويه بل جعله فی التاترخانية كالتلبية يجوز اتفاقا فظاهره كالمتن رجوعهما إليه لا هو إليهما فاحفظه فقد اشتبه على كثير من القاصرين حتى الشرنبلالی فی كل كتبه فتنبه

وقال ابن عابدين تحتها: قوله (حتى الشرنبلالی) أی اشتبه عليه ذلك أيضا فحتى ابتدائية والخبر محذوف لا عاطفة لأنا لم نعهد من هذا الشارح الفاضل قلة الأدب مع العلماء حتى

Marfat.com

یجعل الشرنبلالی من القاصرین۔۔۔۔واعلم أن الشارح نفسه خفی علیه ذلك فتبع العینی فی شرحه علی الملتقی ،وفی الخزائن بل خفی أیضا علی البرهان الطرابلسی فی متنه مواهب الرحمن حیث قال والأصح رجوعه إلیهما فی عدم جواز الشروع والقراءة بالفارسیة لغیر العاجز عن العربیة۔ (شامیه ۴۸۵/۱)

بندہ ناچیز عرض کرتا ہے اس تمام بحث میں کچھ مخفیات ہیں جنہیں واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اولاً تو علامہ عینیؒ سے متعلق یہ بات کہ انہوں نے تمام مسائل میں امام کے رجوع کا قول کیا ہے کچھ درست معلوم نہیں ہوتا۔ علامہ عینی کی کنز الدقائق کی شرح رمز الحقائق میں موجود عبارت سے یہ دعویٰ اخذ کیا گیا ہے وہ عبارت یہ ہے:

"اما الشروع بالفارسیة او القراءة بها فهو جائز عند ابی حنیفه مطلقا وقالا لا یجوز الا عند العجز وبه قالت الثلاثة وعلیه الفتوی وصح رجوع ابی حنیفه الی قولهما کما لو قرأبها ای بالفارسیة حال کونه عاجزا عن العربیة فانه یجوز بلا خلاف (رمز الحقائق ۳۲/۱)

علامہ عینی کی اس عبارت میں اگرچہ قراءت اور شروع دونوں کے ذکر کے بعد امام کے رجوع کا ذکر ہے جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عینی دونوں میں رجوع کا دعویٰ ذکر کررہے ہیں لیکن اس "صح رجوع ابی حنیفه "کو صرف قراءت کے ساتھ بھی خاص کیا جاسکتا ہے اولاً تو اس لیے کے علامہ عینی نے ہی ہدایہ کی شرح بنایہ میں فقط قراءت میں رجوع کا ذکر کیا ہے ثانیاً "کما لو قرأبها الخ" میں مشبہ بہ میں اتفاق بھی قراءت للعاجز کے بارے میں ذکر ہے تو مشبہ میں بھی فقط قراءت میں عدمِ جواز پر اتفاق مراد لیا جاسکتا ہے۔ علامہ عینی کی بنایہ میں عبارت یہ ہے:

(ویروی رجوعه) ای رجوع ابی حنیفه (فی اصل المسألة) یعنی القراءة بالفارسیة (الی قولهما) ای الی قول ابی یوسف ومحمد رواه ابو بکر الرازی وغیره (وعلیه الاعتماد) ای علی القول بالرجوع الاعتماد ولتنزیله منزلة الاجماع فان القرآن اسم للنظم والمعنی جمیعا بالاجماع۔

(البنایة ۱۲۹/۲)

اسی بنیاد پر علامہ عبدالحی لکھنویؒ مسئلہ ہذا سے متعلق اپنے شہرہ آفاق رسالہ "آکام النفائس فی اداء الاذکار بلسان الفارس" میں فرماتے ہیں:

"والحق انه لم یرو رجوعه فی مسئلة الشروع بل هی علی الخلاف فان اجلة الفقهاء منهم صاحب الهدایة وشراحها العینی والسغناقی الخ" (آکام النفائس ص۱۵)

نیز علامہ عینی کی کنز الدقائق کی شرح سے متعلق عبارت ذکر کرکے علامہ عبدالحیؒ فرماتے ہیں:

"لکنه لیس صریحا فی اثبات الرجوع فیما نحن فیه بل یحتمل تعلق الرجوع بالقراءة فقط دون

Marfat.com

مانحن فیه۔" (آکام النفائس ص۱۴)

لہٰذا علامہ عینی" کی ایک غیر صریح عبارت کو لے کر اس کی بناء پر انہیں تنقید کا نشانہ بنانا درست معلوم نہیں ہوتا جبکہ بنایہ میں وہ خود تصریح فرمارہے ہیں نیز یہاں ایک اور بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے علامہ حصکفیؒ صاحب درمختار سے متعلق جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے خود "درمنتقی" میں علامہ عینی کی اتباع کرکے تمام مسائل میں رجوع کا قول کیا ہے یہ بھی محل نظر معلوم ہوتا ہے۔

"واعلم ان الشارح نفسه خفی علیه ذلك فتبع العینی فی شرحه علی الملتقی" (شامیه ۴۸۵/۱)

اس کے محل نظر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ "درمنتقی" میں علامہ حصکفیؒ نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا بلکہ صرف قراءت میں علامہ عینی کے حوالے سے امام کا رجوع ذکر کرکے شروع میں علامہ عینی کے رجوع کے دعویٰ پر ردّ فرمایا ہے بلکہ تقریباً درمختار کے اسلوب میں ہی علامہ حصکفی نے درمنتقی میں بھی علامہ عینی پر ردّ فرمایا ہے پھر یہ دعویٰ کرنا کہ علامہ حصکفی پر معاملہ خفی رہ گیا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ درمنتقی کی عبارت یہ ہے:

(لو قرأبها) وهذا اذا کبر وقرأ بالفارسیة (عاجزا عن العربیة) بأن کان لا یحسن العربیة بشرط ان لا یخل بالمعنی وهذا قولهما وبه قالت الثلاثة والیه صح رجوع الامام وعلیه الفتویٰ قاله العینی وغیره (قلت) ولم اره سندا فی رجوع الامام فی التکبیر بل فی التتارخانیه جوازه بالفارسیة اتفاقا احسن العربیة ام لا (الدر المنتقی المطبوع مع مجمع الانهر ۱۴۰/۱)

بظاہر "قاله العینی" سے جو کہ قراءت سے متعلق تھا علامہ شامیؒ کو اشتباہ ہوگیا ہے۔ الغرض ان تمام باتوں سے قطع نظر خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظمؒ نے قراءت بالفارسیہ کے جواز والے قول سے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا ہے البتہ شروع اور جمیع اذکارِ صلوۃ میں اختلاف بدستور باقی ہے صاحبین کے نزدیک نماز کی ابتداء ہی غیر عربی میں نہ ہوگی اور جمیع اذکارِ صلوۃ درست ہی نہ ہوں گے (بلکہ منافی صلوۃ قرار دیئے جائیں گے) لیکن امام صاحبؒ کے نزدیک کراہت کے ساتھ نماز ادا ہوجائے گی۔ قراءت میں فقط امامؒ کی دلیل میں کچھ ضعف تھا اور صاحبین کی دلیل قوی تھی لہٰذا فقط قراءت میں امام صاحبؒ نے رجوع کیا ہے دیگر مسائل میں نہیں اور یہ بڑوں کی شان ہے کہ جب انہیں غیر کی دلیل زیادہ قوی معلوم ہو تو اس کی طرف رجوع فرمالیتے ہیں۔ حرص کرنے والوں کو ان باتوں میں آگے بڑھنے کی حرص کرنی چاہیئے۔

"دلله علی مذهبه دلائل شافیة ومقدمات کافیه وان کانت عند غیره مجروحة ومقدوحة ولله دره وعلی مقلده شکره حیث رجع عن قوله الی قولهما اذ لاح له ضعف دلیله وقوة دلیلهما وبمثل هذا فلیعمل العاملون ولمثل هذا فلیتنافس المتنافسون" (آکام النفائس ص۳۳)

نیز یہ بھی ذکر کردیا گیا کہ شروع، خطبہ اور جمیع اذکارِ صلوۃ میں امام نے رجوع نہیں فرمایا اور امام کا مذہب ہی بتصریح فقہاء راجح اور مختار ہے اس میں یسر (سہولت) ہے۔ نماز صحیح ہوجائے گی البتہ یہ تصریح بھی ذکر کردی گئی کہ نماز کراہتِ تحریمی کے ساتھ اداء ہوگی،

Marfat.com

جو کہ واجب الاعادہ ہوگی، شروع سے متعلق شامیہ میں ہے:

"(وصح شروعه) ایضا مع کراهة التحریم

وقال ابن عابدین تحتها: (أیضا الخ) أی کما صح شروعه بالتکبیر السابق صح أیضا بالتسبیح ونحوه لکن مع کراهة التحریم. (شامیة ۱/۴۸۳)

نیز خطبہ اور جمیع اذکارِ صلوۃ سے متعلق اولاً تو فقہاء "شروع" میں اختلاف ذکر کر کے یہ بتا دیتے ہیں کہ خطبہ اور جمیع اذکارِ صلوۃ میں بھی شروع فی الصلوۃ کی طرح اختلاف ہے یہی اختلاف ان تمام کے امام صاحبؒ کے نزدیک صحیح مع کراہۃ التحریم ہونے پر دال ہے:

قال الحصکفی فی الدر: وعلی هذا الخلاف الخطبة وجمیع أذکار الصلوة.

وقال ابن عابدین تحتها: قوله (وجمیع أذکار الصلاة) فی التاترخانیة عن المحیط وعلی هذا الخلاف لو سبح بالفارسیة فی الصلاة أو دعا أو أثنی علی الله تعالی أو تعوذ أو هلل أو تشهد أو صلی علی النبی بالفارسیة فی الصلاة أی یصح عنده لکن سیأتی کراهة الدعاء بالأعجمیة. (شامیة ۱/۴۸۴)

امام صاحب کے نزدیک شروع، خطبہ اور جمیع اذکارِ صلاۃ کے صحیح مع کراہۃ التحریم ہونے کیلئے یہی دلیل کافی تھی لیکن نہر اور درمختار، شامیہ وغیرہ میں صراحۃً بھی ان کے مکروہ تحریمی ہونے کا ذکر ہے:

قال الحصکفی فی الدر: (ودعا) بالعربیة، وحرم بغیرها، نهر

وقال ابن عابدین تحتها: مطلب فی الدعاء بغیر العربیة قوله (وحرم بغیرها)...هذا وقد تقدم أول الفصل أن الإمام رجع إلی قولهما بعدم جواز الصلاة بالقراءة بالفارسیة إلا عند العجز عن العربیة، وأما صحة الشروع بالفارسیة وکذا جمیع أذکار الصلاة فهی علی الخلاف فعنده تصح الصلاة بها مطلقا خلافا لهما کما حققه الشارح هناك، والظاهر أن الصحة عنده لا تنفی الکراهة وقد صرحوا بها فی الشروع، وأما بقیة أذکار الصلاة فلم أر من صرح فیها بالکراهة سوی ما تقدم ولا یبعد أن یکون الدعاء بالفارسیة مکروها تحریما فی الصلاة وتنزیها خارجها فلیتأمل ولیراجع. (شامیة ۱/۵۲۱)

وقال الرافعی تحت قول ابن عابدین: (قوله: والظاهر ان الصحة عنده لا تنفی الکراهة) بعد وجود التصریح بالکراهة فی الشروع فهو کاف ولا حاجة لهذا الاستظهار"

(التحریر المختار ۱/۶۴)

Marfat.com

علامہ شامی اور علامہ رافعی دونوں کے اتفاق اور نہر اور درمختار کی حرام کی تصریح کے بعد واضح ہوگیا کہ شروع فی الصلاۃ میں کراہتِ تحریمی کی صراحت ہی بقیہ تمام میں امام کے نزدیک کراہتِ تحریمی ہونے کیلئے کافی تھی لیکن علامہ شامی نے پھر بھی یہاں تصریح کردی کہ یہ کراہت تحریمی کے ساتھ امام کے نزدیک صحیح ہیں۔ نیز یہ اشکال بھی مدفوع ہے کہ صحیح ہیں تو پھر کراہت کیوں؟ اس لیے کہ صحیح ہوجانا نفسِ صحت کا حکم ہے جبکہ کراہت امرِ آخر ہے۔ علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

"قلت نفس الجواز امر آخر و الجواز بلا کراھۃ امر آخر واحدھما لا یستلزم ثانیھما وھم انما یکتفون بنفس الجواز من غیر نفی الکراھۃ وھو لا یستلزم انتفاء الکراھۃ"

(آکام النفائس ص ۴۸)

الغرض نماز میں تکبیر تحریمہ، اذکار وغیرہ کا عربی میں اداء کرنا امام اعظمؒ کے مذہب کے مطابق صحیح مع کراھۃ التحریم ہے نیز خطبہ بھی غیر عربی میں ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور یہ سب اختلاف قادر شخص کے بارے میں ہے عاجز کیلئے جواز میں اختلاف نہیں۔

یہاں آخر میں بندہ ناچیز ایک انتہائی اہم بات پر بھی روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہے وہ یہ کہ خطبہ تو نماز سے خارج ہے اگر ایک عربی پر قادر شخص غیر عربی میں خطبہ دیدیتا ہے تو خطبہ درست ہوجائے گا کراہتِ تحریمی کے ساتھ اور اعادہ کی ضرورت نہیں کیونکہ خطبہ کا اعادہ نہیں ہوتا جیسا کہ تلبیہ، تسمیہ وغیرہ بھی ادا ہوجاتے ہیں۔ (صاحبین کے مذہب کے مطابق دوبارہ خطبہ دینا ہوگا لیکن وہ اعادہ نہیں استیناف ہی ہوگا)۔ نماز سے متعلق یہ بات واضح کردینا مناسب ہے کہ فقہاء نے یہ اصول تحریر فرمایا ہے:

"کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا" (الدر المختار ۴۵۷/۱)

ہر وہ نماز جو مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا ہو وہ واجب الاعادۃ ہے اس میں ماہیت اور غیر ماہیتِ صلوۃ میں مکروہ تحریمی کے ارتکاب کے فرق والے قول کو اگر لے بھی لیا جائے تو بھی نماز میں غیر عربی میں تکبیر یا دعاء واذکار بہرحال ماہیتِ صلوۃ میں داخل ہیں لہٰذا نماز امام صاحبؒ کے مذہب کے مطابق واجب الاعادہ ہوگی۔ بہرحال یہ اصولی مسئلہ ہے جس میں کوئی تردد نہیں کہ کراہتِ تحریمی کے ساتھ اداء نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے لہٰذا ہر وہ نماز جس میں غیر عربی میں تکبیر یا اذکار ادا کئے گئے ہوں اس نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔ اور امام صاحب کے مذہب کے مطابق ان سب کا نماز میں مکروہ تحریمی ہونا مصرح ہے۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ یہاں مسئلہ کراہتِ تحریمی کے ارتکاب کا ہے جس سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے ترکِ واجب یا ترکِ سنت کا نہیں بعض حضرات نے مسئلے کا عنوان ہی ترکِ واجب اور ترکِ سنت پر رکھ لیا ہے جس سے اشتباہ پیدا ہوا ہے مثلاً یہ فرمانا کہ

"مکروہ جب مطلق بولا جائے تو مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہوا کہ ان اذکار کو غیر عربی زبان میں اداء کرنا مکروہ تحریمی یعنی ناجائز ہوا لیکن اگر کسی شخص نے اس ناجائز کام کا ارتکاب کرتے ہوئے یہ اذکار غیر عربی زبان میں ادا کرلیے تو وہ اس معنی میں شرعاً معتبر ہوں گے کہ اگر وہ ذکر فرض ہے تو فریضہ ساقط ہوجائے گا لیکن اللہ اکبر کے الفاظ چونکہ واجب ہیں اس لیے ترکِ واجب کا ارتکاب لازم آئے گا جس کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوگی اور اگر وہ ذکر واجب ہے مثلاً

Marfat.com

تشہد اور قنوت ان کو غیر عربی میں اداء کرنے سے واجب ساقط ہو جائے گا اگرچہ ترکِ سنت کا گناہ ہوگا لہٰذا خطبہ جمعہ کے بارے میں بھی امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ غیر عربی میں خطبہ دینا مکروہ تحریمی یعنی ناجائز ہے لہٰذا لوگوں کو اس سے منع کیا جائے گا لیکن اگر کسی نے اس مکروہ تحریمی کا ارتکاب کرلیا تو کراہت کے باوجود صحت جمعہ کی شرط پوری ہو جائے گی اور اس کے بعد ادا کیا ہوا جمعہ صحیح ہو جائے گا۔" (فقہی مقالات ۳/۱۲۶)

اس عبارت میں کراہتِ تحریمی کا اعتراف کرتے ہوئے مسئلے کا عنوان بدل دیا گیا ہے تکبیر تحریمہ فارسی میں کہنے پر ترک واجب کی بنیاد پر وجوبِ اعادہ کا حکم لگایا گیا ہے جبکہ تشہد اور قنوت غیر عربی میں پڑھنے پر ترکِ سنت کا حکم لگا دیا گیا ہے اور وجوبِ اعادہ کا حکم نہیں لگایا گیا۔ اس کے بعد خطبہ جمعہ کے مکروہ تحریمی اور ادا ہو جانے کا ذکر ہے۔

بندہ ناچیز عرض کرتا ہے خطبہ میں تو مسلم ہے کیونکہ خطبہ کا کوئی بدل نہیں اور یہ نماز نہیں لہٰذا یہ تو کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا ہو جائے گا جیسا کہ تلبیہ وغیرہ ادا ہو جاتی ہیں لیکن تکبیر، تشہد اور قنوت میں ترک واجب اور ترکِ سنت کا فرق تسلیم کرنے سے بندہ عاجز ہے کیونکہ مسئلہ ترک واجب یا ترک سنت کا نہیں ارتکابِ مکروہ تحریمی کا ہے جس سے بہر صورت نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے مثلاً تصویر والے کپڑے میں نماز، مدافع الاخبثین کی نماز، انسان کے چہرے کے سامنے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہیں جبکہ یہاں کوئی ترک واجب وغیرہ نہیں۔ لہٰذا بندے کے نزدیک تکبیر تحریمہ، تشہد، قنوت [illegible]ت یا کوئی بھی نماز کا ذکر غیر عربی میں ادا کرنے سے بتصریحِ فقہاء نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی اس میں ترک سنت اور ترکِ واجب کا فرق محل نظر معلوم ہوتا ہے۔

لہٰذا جواب کا قدرے تفصیلی خلاصہ یہ ہے کہ قراءت اور شروع فی الصلوٰۃ وغیرہ میں امام صاحب اور صاحبین کا غیر عربی میں اداء کرنے سے متعلق اختلاف تھا امام صاحب صحت جبکہ صاحبین عدم صحت کے قائل تھے لیکن غیر عاجز سے متعلق یہ اختلاف فقط مسئلہ قراءت میں ختم ہو گیا کیونکہ امام نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا البتہ شروع فی الصلوٰۃ، خطبہ اور جمیع اذکارِ صلوۃ میں بدستور یہ اختلاف باقی ہے امام کے نزدیک یہ افعال صحیح مع کراھۃ التحریم ہیں اور ان میں امام کی دلیل قوی ہے اور امام کا مذہب ہی معتمد اور مختار ہے قراءت کے علاوہ امام کے رجوع کا دعویٰ یا بعض کا صاحبین کے امام کی طرف رجوع کا دعویٰ محل نظر ہے بلکہ اختلاف باقی ہے۔ نیز امام صاحبؒ کے نزدیک خطبہ تو کراہتِ تحریم کے ساتھ ادا ہو جائے گا لیکن یہ شخص گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ یہ عربی میں خطبہ دینے پر قادر ہے البتہ نماز مطلقاً چاہے تکبیر تحریمہ غیر عربی میں کہے یا کوئی اور ذکر غیر عربی میں ادا کرے یہ نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی اس میں بعض حضرات کا فرق کرنا محل نظر ہے۔ تمام تحقیق کا خلاصہ اور ماحصل یہی ہے۔

نیز آپ کا دوسرا مسئلہ نماز میں عربی میں ہی دعاؤں کے مانگنے سے متعلق ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دعائیں جو قرآن وحدیث میں منقول و ماثور ہوں چاہے وہ کسی بھی نوعیت کی ہوں ان کا نماز میں مانگنا درست ہے اور جن دعاؤں کا قرآن وحدیث میں ذکر نہیں اگر وہ بندوں سے مانگنا محال ہوں تو ان سے بھی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا مثلاً اللھم اغفرلی (اے اللہ میری مغفرت کردے) یا اللھم ارزقنی الحج (اے اللہ مجھے حج کی توفیق عطا فرما) البتہ وہ دعائیں جن کا قرآن وحدیث میں ذکر نہیں اور وہ بندوں سے مانگی جا سکتی ہوں تو

Marfat.com

ان سے نماز فاسد ہوجائے گی مثلاً ارزقنی التفاحۃ (مجھے سیب عطا کر) وغیرہ ایسی دعائیں جو مخلوق سے مانگنا محال نہ ہوں ان سے نماز فاسد ہوجاتی ہے کیونکہ یہ بماشبہ کلام الناس دعائیں ہیں البتہ یہ فاسد کا حکم تشہد سے قبل ہے تشہد کے بعد اگر بماشبہ کلام الناس دعائیں عربی میں مانگتا ہے تو نماز کراہتِ تحریم کے ساتھ ادا ہوجائے گی۔ الغرض قرآن وحدیث میں منقول دعائیں مانگنا مطلقاً درست ہے غیر منقول دعاؤں میں جن کا بندوں سے مانگنا محال ہو وہ درست ہیں اور جن کا مانگنا محال نہ ہو وہ قبل التشہد مفسد ہیں اور بعد التشہد مفسد تو نہیں البتہ کراہت تحریم کے ساتھ نماز ادا ہوجائے گی۔

لمافی شرح العینی علی کنز الدقائق (۳۲/۱): فلو شرع المصلی فی صلاته بالتسبیح بان قال سبحان الله عوض الله اکبر او التهلیل بان قال لا انه الا الله او شرع بالفارسیة بان قال خدا بزرگ بمعنی الله اکبر وکذا سائر لغات العجم مثل السریانیة والعبرانیة والهندیة والترکیة صح شروعه فی هذه الصور اما الافتتاح بالتسبیح والتهلیل فهو قول ابی حنیفة ومحمد وکذلك یجوز عندهما کل ما یدل علی التعظیم وقال ابو یوسف ان کان یحسن التکبیر لم یجز الا الله اکبر والله الاکبر والله کبیر والله الکبیر ولهما قوله تعالی وذکر اسم ربه فصلی نزلت فی تکبیرة الافتتاح فقد اعتبر مطلق الذکر والمقصود التعظیم وقد حصل ولکن قیل یکره للشروع بغیر لفظ التکبیر لاجل الاخبار وقال السرخسی الاصح انه لا یکره واما الشروع بالفارسیة او القراءة بها فهو جائز عند ابی حنیفة مطلقا وقالا لا یجوز الا عند العجز وبه قالت الثلاثة وعلیه الفتوی وصح رجوع ابی حنیفة الی قولهما کما لو قرأبها ای بالفارسیة حال کونه عاجزا عن العربیة فانه یجوز بلا خلاف او ذبح حیوانا وسمی بها ای بالفارسیة جاز ایضا بلا خلاف وکذا التلبیة فی الحج والسلام۔

وفی الدر المختار (۵۲۱/۱): ودعا بالعربیة وحرم بغیرها نهر۔

وفی الشامیة (۵۲۱/۱): مطلب في الدعاء بغیر العربیة قوله (وحرم بغیرها) أقول نقله في النهر عن الإمام القرافي المالكي معللا باحتماله علی ما ینافي التعظیم، ثم رأیت العلامة اللقاني المالكي نقل في شرحه الکبیر علی منظومته المسماة جوهرة التوحید کلام القرافي وقید الأعجمیة بالمجهولة المدلول أخذا من تعلیله بجواز اشتمالها علی ما ینافي جلال الربوبیة ثم قال واحترزنا بذلك عما إذا علم مدلولها فیجوز استعماله مطلقا في الصلاة وغیرها لأن الله تعالی قال { وعلم آدم الأسماء کلها } البقرة ۳۱ { وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه } إبراهیم ۴ ا هـ لکن المنقول عندنا الکراهة فقد قال في غرر الأفکار شرح درر البحار في هذا المحل وکره الدعاء

Marfat.com

بالعجمية لأن عمر نهى عن رطانة الأعاجم اهـ والرطانة كما في القاموس الكلام بالأعجمية ورأيت في الولوالجية في بحث التكبير بالفارسية أن التكبير عبادة لله تعالى والله تعالى لا يحب غير العربية ولهذا كان الدعاء بالعربية أقرب إلى الإجابة فلا يقع غيرها من الألسن في الرضا والمحبة لها موقع كلام العرب اهـ وظاهر التعليل أن الدعاء بغير العربية خلاف الأولى وأن الكراهة فيه تنزيهية هذا وقد تقدم أول الفصل أن الإمام رجع إلى قولهما بعدم جواز الصلاة بالقراءة بالفارسية إلا عند العجز عن العربية۔ وأما صحة الشروع بالفارسية وكذا جميع أذكار الصلاة فهي على الخلاف فعنده تصح الصلاة بها مطلقا خلافا لهما كما حققه الشارح هناك والظاهر أن الصحة عنده لا تنفي الكراهة وقد صرحوا بها في الشروع۔

وأما بقية أذكار الصلاة فلم أر من صرح فيها بالكراهة سوى ما تقدم ولا يبعد أن يكون الدعاء بالفارسية مكروها تحريما في الصلاة وتنزيها خارجها فليتأمل وليراجع

وفي الدر المختار(٤٥٧/١) مطلب واجبات الصلاة : وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها والمختار أنه جابر للأول۔

وفيه ايضاً(٥٢٣/١): (بالأدعية المذكورة في القرآن والسنة لا بما يشبه كلام الناس) اضطرب فيه كلامهم ولا سيما المصنف والمختار كما قاله الحلبي أن ما هو في القرآن أو في الحديث لا يفسد وما ليس في أحدهما إن استحال طلبه من الخلق لا يفسد وإلا يفسد لو قبل قدر التشهد وإلا تتم به ما لم يتذكر سجدة فلا تفسد بسؤال المغفرة مطلقا ولو لعمي أو لعمرو وكذا الرزق ما لم يقيده بمال ونحوه لاستعماله في العباد مجازا۔

Marfat.com

(۱۸۹) نماز میں قرآن یا کوئی لکھی ہوئی تحریر دیکھ کر پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے کمرے میں مغرب کی جانب دیوار میں ایک بڑا سا چارٹ لگا ہوا ہے جس میں آپ ﷺ کا شجرہ نسب تفصیل سے لکھا ہوا ہے جب میں کمرے میں نماز پڑھتا ہوں تو بعض اوقات میری نظر اس پر پڑ جاتی ہے کبھی تو الفاظ بھی پڑھ لیتا ہوں تو کیا میری نماز صحیح ہوجائیگی یا دوبارہ لوٹانا لازم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی شخص نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھتا ہے تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی تھوڑا پڑھا ہو یا زیادہ لہٰذا نماز دوبارہ پڑھے گا اگر اس نے قرآن میں دیکھا اور سمجھ گیا لیکن زبان سے نہیں پڑھا تو اس کی نماز درست ہے لیکن مکروہ ہے لہٰذا اگر آپ نے آپ ﷺ کا شجرہ مبارک زبان سے پڑھ لیا تو آپ کی نماز فاسد ہے دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

لما فی الدر المختار (۱/۶۲۳): وقراء ته من مصحف ای مافیه قرآن مطلقا لانه تعلم وفی الشامية قوله ای مافیه قرآن عممه لیشمل المحراب فانه اذا قرأ مافیه فسدت فی الصحیح (قوله مطلقا) ای قلیلا او کثیرا اماماً أو منفردا امیا لا یمکنه القراء ة الا منه اولا۔

وفی الفقه الاسلامی (۲/۱۰۲۴): ولا تفسد الصلوة بالنظر الی مکتوب وفهمه غیر انه مکروه اما القراء ة من المصحف فتفسد الصلوة عند ابی حنیفة لان حمل المصحف والنظر فیه وتقلیب الاوراق عمل کثیر ولانه یشبه التلقین من الآخرین۔

(۱۹۰) نماز کے اندر سونے کی حالت میں ہنسنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، اور نماز کی حالت میں اس کو نیند آجائے تو کیا اس سے نماز میں کچھ خلل پڑے گا یا نہیں؟ نیز اگر نیند کے اندر وہ ہنسنے لگ جائے تو پھر اس کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......قہقہہ وہ ہنسی ہے جو دوسرے کو بھی سنائی دے اس سے بیداری کی حالت میں وضو اور نماز دونوں فاسد ہوجاتے ہیں۔ ضحک وہ ہنسی ہے جس کی آواز اپنے تک محدود رہے اس سے بیداری کی حالت میں نماز فاسد ہوتی ہے، نہ کہ وضو۔ اور تبسم وہ مسکراہٹ ہے جس میں کوئی آواز نہ ہو۔ اس سے نہ نماز فاسد ہوتی ہے نہ وضو۔ اور نماز کی حالت میں نیند آنے سے نماز میں کچھ خلل نہیں پڑتا۔ بشرطیکہ نماز ہیئت مسنونہ پر ہو، اور نماز کے اندر سونے کی حالت میں ہنسنے یعنی ضحک سے نہ نماز فاسد ہوتی ہے نہ وضو، اور سونے کی حالت میں قہقہہ لگانے سے صرف نماز فاسد ہوجاتی ہے وضو نہیں ٹوٹتا۔

لما فی التاتارخانیه (۱/۱۳۸): وکذلك القهقهة من النائم فی الصلاة لاینقض الوضوء... هکذا وقع فی بعض الکتب وذکر الزندویسی فی نظمه، اذا نام فی صلوته قائماً او ساجداً ثم قهقه لا روایة

Marfat.com

لهذا فی الاصول قال شداد بن اوس (قال ابو حنيفة تفسد صلوته ولا يفسد وضوء ه وهكذا افتی الفقيه عبدالواحد۔

وفی الهندية(۱/۱۲): ومنها النوم. ينقضه النوم مضطجعاً فی الصلوة وفی غيرها بلاخلاف بين الفقهاء وكذا النوم متورّكاً بأن نام علی احدوركيه هكذا فی البدائع ... ولا ينقض نوم القائم والقاعد ولو فی السرج او المحمل ولا الراكع ولا الساجد مطلقاً ان كان فی الصلوة وان كان خارجها فكذلك۔

وفی الشامية(۱/۱۴۱): قال فی شرح الوهبانية، ظاهر الرواية ان النوم فی الصلوة قائماً او قاعداً او ساجداً لا يكون حدثاً سواء غلبه النوم او تعمده، وفی جوامع الفقه انه فی الركوع والسجود لاينقض ولو تعمده ولكن تفسد صلوته۔

وفی تبيين الحقائق(۱/۵۶): ثم القهقهة ما يكون مسموعاً له ولجيرانه بدت اسنانه اولا وقد تقدم حكمها، والضحك مايكون مسموعاً له دون جيرانه وهو مبطل للصلوة دون الوضوء والتبسم مالاصوت فيه ولا تأثير له فی واحد منهما۔

(۱۹۱) عورت اگر مرد کے محاذاۃ میں کھڑی ہو اور دونوں نماز میں مشترک ہوں تو اس کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن میں گھر میں ظہر کی نماز ادا کر رہا تھا دو رکعت فرض ادا کئے تھے کہ میری بیوی نے اسی مصلّٰی پر میرے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دی اسی دوران میری بیوی کے بڑے بھائی آ گئے جو کہ عالم ہیں انہوں نے دیکھ کر فرمایا آپ کی نماز فاسد ہوگئی ہے کیونکہ آپ نے عورت کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھی ہے اب آپ حضرات سے معلوم یہ کرنا ہے کہ واقعی میری نماز فاسد ہوگئی ہے یا نہیں؟ دوبارہ لوٹانے کی ضرورت ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... جب کوئی عورت نماز میں مرد کے ساتھ یا آگے اس طرح کھڑی ہو جائے کہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، اور نہ دونوں میں ایک آدمی کے کھڑے ہونے کے بقدر فاصلہ ہو، اور دونوں ایک ہی نماز میں شریک ہوں، یعنی ایک امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہوں، تو مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ صورت مسئولہ میں چونکہ یہ صورت نہیں پائی گئی لہٰذا آپ کی نماز صحیح ہے۔ دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں، مگر اس طرح عورت کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لمافی الهندية(۱/۸۹): محاذاة المرأة الرجل مفسدة لصلاته... والمسبوق بان فی حق التحريمة منفرد فيما يقضيه فلو حاذت الرجل المرأة فيما يقضيان لاتفسد صلوته۔ كذا فی التبيين۔

وفی الدر المختار مع الشامية(۱/۵۷۴): (مشتركة) فمحاذاة المصلية لمصل ليس فی صلاتها مكروهة

Marfat.com

لا مفسد۔

وفي الشامية تحته: (قوله ليس في صلاتها) بأن صليا منفردين أو مقتديا أحدهما بامام لم يقتدبه الآخر شرح المنية (قوله مكروهة) الظاهر انها تحريمة لانها مظنة الشهوة والكراهة على الطارئ ط، قلت: وفي معراج الدراية: وذكر شيخ الاسلام مكان الكراهة الاساءة، والكراهة أفحش اهـ۔

وفي الشامية(۱/۵۷۳): فالتفسير الصحيح للمحاذاة مافي المجتبى: المحاذاة المفسدة ان تقوم بجنب الرجل من غير حائل او قدامه۔

(۱۹۲) مرد کا عورت کے پیچھے کھڑے ہو کر اپنی نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گھر پر عورت مرد سے آگے نماز پڑھ رہی ہے۔یعنی مرد اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر دل میں یہ خیال آجائے کہ عورت امامت کر رہی ہے جبکہ وہ امامت نہیں کر رہی ہوتی، اس صورت میں مرد کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......اصل حکم یہ ہے کہ مرد عورت سے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھے تا کہ نماز میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ تاہم گھر وغیرہ پر محرم عورت یا بیوی آگے نماز پڑھ رہی ہے اور مرد اس کے پیچھے کھڑا ہو کر نماز پڑھ لے اس طور پر کہ نماز میں یکسوئی برقرار رہے اور کوئی خلل بھی واقع نہ ہو تو نماز پڑھ سکتا ہے اور دل میں صرف یہ خیال آنا کہ "عورت امامت کرا رہی ہے" نماز کیلئے مخل نہیں جبکہ حقیقت میں وہ امامت کرا بھی نہیں رہی ہے۔

لمافي صحيح البخاري(۱/۷۴): عن عائشة رضي الله عنها قالت بئسما عدلتمونا بالكلب و الحمار لقد رأيتني ورسول الله ﷺ يصلي وانا مضطجعة بينه وبين القبلة فاذا اراد ان يسجد غمز رجلي فقبضتهما۔

وفي الشامية(۱/۶۳۴): (قوله ولو امرأة او كلبا) بيان للاطلاق، واشار به إلى الرد على الظاهرية بقولهم۔ يقطع الصلاة مرور المرأة والكلب والحمار۔

(۱۹۳) تعدادِ رکعات میں شک کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ میرے ایک عزیز ہیں جنہیں نماز کے دوران اکثر شک پڑ جاتا ہے کہ دو رکعتیں پڑھیں یا تین، ایسی صورت میں انہیں کیا کرنا چاہیے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......دورانِ نماز اگر رکعتوں کی تعداد میں اکثر شک ہوتا ہو تو تحری، غور و فکر کے ذریعے جس جانب ظن غالب ہو اس کے مطابق نماز پوری کرلیں اور اگر کسی ایک جانب ظن غالب نہ ہو تو کم رکعتوں پر بنا کریں اور ہر رکعت پر قعدہ کر کے آخر میں سجدہ سہو کرلیں۔

لمافی الدر المختار (۲/۹۳،۹۲): (اذاشك) فی صلاته.........(وان كثر) شكه (عمل بغالب ظنه ان كان) له ظن للحرج (والا اخذبالاقل) لتيقنه (وقعدفی كل موضع توهمه موضع قعوده) ولو واجبالئلا يصير تاركافرض القعود او واجبه۔

وفی الشامية تحته: ولوشك انها الثانية او الثالثة اتمها وقعد ثم صلى اخرى وقعد ثم الرابعة وقعد وتمامه فی البحر۔

(۱۹۴) نماز میں قطرہ کا وہم اور تعداد رکعات میں شک کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی کو تقریباً ڈیڑھ سال ہو گیا ہے شادی سے پہلے میں بہت دین کا کام کرتی تھی اور بہت زیادہ عبادت کرتی تھی گھر کے تمام کام خود کرتی تھی اور جو بھی حدیث پڑھتی تھی اُس پر عمل کرتی تھی۔ پھر دوسری حدیث پڑھتی تھی۔

(۱)۔ بہر حال مسئلہ یہ ہے کہ میں آپ کو زیادہ تفصیل نہیں بتا سکتی بس اتنا بتا سکتی ہوں کہ جتنا نماز کو اچھا اور خوبصورت بنانا چاہتی ہوں اتنی ہی نماز میں بھولتی ہوں میں اول وقت میں نماز پڑھتی تھی اللہ کی توفیق سے اور اب بھی میری یہی کوشش ہوتی ہے مگر مجھے بیماری ایسی ہے کہ پیشاب نکل جاتا ہے وہ بھی صرف قطرہ اور کبھی وہم ہوتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ نکل گیا۔ پوری نماز میں مجھے یہی ہوتا ہے کہ نکل گیا جب دیکھتی ہوں تو بعض دفعہ تو ایک قطرہ ہوتا ہے یا نقطہ بعض دفعہ کچھ نہیں مگر نماز میں یہی خیال ہوتا ہے کہ نکل گیا نماز پڑھنے کھڑی ہوتی ہوں۔ چار رکعت کی نیت کرتی ہوں اور آرام سے صحیح صحیح پڑھتی ہوں اور پھر بھول جاتی ہوں کہ کتنی رکعت پڑھی پھر دوبارہ پڑھتی ہوں اور کہیں جاتی ہوں وضو کر کے کہ اگر اذان ہو گی تو فوراً نماز پڑھ لوں گی تو یہی خیال ہوتا ہے کہ پہلے پیشاب کرلوں وضو ٹوٹ گیا نماز کو دیر ہو جاتی ہے اور جب کھڑی ہو جاؤں جلدی تو بھول جاتی ہوں کہ کیا پڑھا اور سوچتی ہوں کہ نفل پڑھوں گی قرآن پڑھوں گی بعض دفعہ تو پڑھ لیتی ہوں اور بعض دفعہ وقت نہیں رہتا اسی میں تھک جاتی ہوں جب باتھ روم جاتی ہوں تو اتنی دیر ہو جاتی ہے پیشاب رک رک کے آتا ہے بار بار دھوتی ہوں پہلے ہر وقت وضو رہتا تھا۔

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)۔ ہر وہ شخص جس کو قطروں کی بیماری ہو، اور اس کے پیشاب سے قطرے ہر وقت ٹپکتے رہتے ہوں اور اس کو نماز پڑھنے کے وقت کے بقدر بھی قطروں سے افاقہ نہ ہوتا ہو تو وہ شخص معذور ہے اور اگر یہ کیفیت اور حالت نہ ہو بلکہ پوری نماز بغیر قطروں کے ٹپکنے کے پڑھی جا سکتی ہو تو وہ شخص معذور شمار نہیں ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ معذور کے حکم میں نہیں ہیں اس

Marfat.com

لئے اچھے طریقے سے وضوء کرکے نماز شروع کریں۔ دورانِ نماز قطرے گرنے کے جو خیالات آتے رہتے ہیں ان کی طرف توجہ نہ دیں بلکہ اپنی نماز پوری کرلیں لیکن اگر قطرے گرنے کا یقین ہوجائے تو پھر نماز توڑ کر وضو کرکے دوبارہ پڑھ لیں۔ بغیر یقین کے جتنے بھی وہم اور خیال قطروں کے گرنے کے آئیں تو نماز نہ توڑیں بلکہ اپنی نماز کو اسی حالت میں پوری کرلیں۔ رہا نماز میں بھول جانے کا مسئلہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ جب آپ نماز میں بھول جائیں تو غور وفکر کرکے جتنی رکعت پڑھنے کا ظن غالب ہوجائے اسی رکعت سے آگے پڑھ لیں مثلاً دو اور تین رکعت میں اگر ظن غالب تین رکعتوں کا ہے تو تیسری رکعت سے آگے پڑھنا شروع کریں اور اگر ظن غالب دو رکعتوں کا ہے تو دوسری رکعت سے آگے پڑھنا شروع کریں۔ اور اگر تحری کے باوجود ظن غالب کسی رکعت کا حاصل نہیں ہوتا ہو تو پھر بناء علی الاقل کریں۔ یعنی مثلاً تین اور چار میں تین رکعت پر اکتفاء کرکے مزید ایک رکعت اور ساتھ ملالیں۔ اور پھر آخر میں سجدہ سہو کرلیں۔

لمافی البخاری(۱/۲۵): عن عباد بن تميم عن عمه انه شكى الى رسول الله ﷺ الرجل الذى يخيل اليه انه يجد الشئ فى الصلاة فقال لا ينفتل اولاينصرف حتى يسمع صوتا او يجد ريحا۔

وفى الدر المختار (۲/۹۲.۹۳.۹۴): (واذاشك) فى صلاته (من لم يكن ذلك) اى الشك (عادة له) وقيل من لم يشك فى صلاة قط بعد بلوغه وعليه اكثر المشائخ بحر عن الخلاصة (كم صلى استأنف) بعمل مناف و بالسلام قاعدا اولى لانه المحل (وان كثر) شكه (عمل بغالب ظنه ان كان) له ظن للحرج (والا اخذ بالاقل) لتيقنه (وقعد فى كل موضع توهمه موضع قعوده) ولو واجبا لئلا يصير تاركا فرض القعود او واجبه (و) اعلم انه (اذا شغله ذلك) الشك فتفكر (قدر اداء ركن ولم يشتغل حالة الشك بقرائة ولا تسبيح) ذكره فى الذخيرة (وجب عليه سجود السهوفى) جميع (صور الشك) سواء عمل بالتحرى اوبنى على الاقل فتح لتاخير الركن لكن فى السراج انه يسجد للسهو فى اخذ الاقل مطلقا وفى غلبة الظن ان تفكر قدر ركن۔

(۱۹۵) رکوع وسجود اور سلام میں امام کی متابعت

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مقتدی قعدہ اولی میں اپنا تشہد پورا کرکے اٹھے گا یا امام کی اطاعت کرتے ہوئے اسکے ساتھ اٹھے گا اسی طرح رکوع اور سجدے میں تسبیحات مکمل کرکے اٹھے یا امام کے ساتھ ہی اٹھ جائے؟ نیز قعدہ اخیرہ میں مقتدی کے درود شریف پڑھنے سے پہلے ہی امام نے سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب..... صورت مسئولہ میں تین مسئلے ہیں (۱) پہلے مسئلہ میں مقتدی کو چاہیئے کہ قعدہ اولی میں اپنا تشہد پورا کرکے پھر اٹھ جائے، اگر تشہد پورا کئے بغیر اٹھ جائے تو یہ بھی جائز ہے لیکن علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق اسطرح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (۲)(۳) دوسرے اور تیسرے مسئلہ میں مقتدی کو چاہیئے کہ رکوع اور سجدے کی تسبیحات کو چھوڑ کر اسی طرح درود شریف

Marfat.com

کو چھوڑ کر امام کی اتباع کرے کیونکہ تسبیحات اور درود شریف نماز میں پڑھنا سنت ہے جبکہ امام کی اتباع واجب ہے چنانچہ امام کی اتباع میں مقتدی کو رکوع وسجدے سے اٹھ جانا اور درود شریف چھوڑ کر امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیر دینا چاہیئے۔

لمافی الشامیة(۱/۴۷۰): ...فإن عارضها واجب لاینبغی أن یفوته بل یأتی به ثم یتابع، کما لو قام الإمام قبل أن یتم المقتدی التشهد فإنه یتمه ثم یقوم لان الاتیان به لایفوت المتابعة بالکلیة وانما یؤخرها، والمتابعة مع قطعه تفوته بالکلیة، فکان تأخیر أحد الواجبین مع الاتیان بهما أولی من ترك أحدهما بالکلیة بخلاف ماإذاعارضهاسنةکمارفع الامام قبل تسبیح المقتدی ثلاثافالاصح انه یتابعه لان ترك السنة اولی من تاخیر الواجب...

(۱۹٦) سجدہ کی حالت میں پیر کی انگلیوں کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند دن پہلے ہماری مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص ظہر کی سنتیں ادا کر رہا تھا کہ سجدہ کی حالت میں اسکے پاؤں کی انگلیاں اٹھ گئیں، بعد نماز ایک صاحب نے ان سے کہا کہ آپکی نماز ادا نہیں ہوئی دوبارہ ادا کریں یہ بات ہم نے امام صاحب سے دریافت کی تو وہ ہمیں اسکا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے، برائے مہربانی صحیح جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... حالت سجدہ میں دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرنا سنت ہے، دونوں پاؤں زمین سے لگانا واجب ہے اور بلا عذر ایک پاؤں کا زمین سے اٹھائے رکھنا مکروہ تحریمی ہے اور دونوں میں سے ایک پاؤں کا کچھ حصہ زمین پر لگانا فرض ہے چاہے ایک انگلی ہی کیوں نہ ہو اور اگر دونوں پاؤں زمین سے اٹھائے اور تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار اٹھائے رکھے تو نماز فاسد ہو جائیگی۔

لمافی البحر الرائق(۲/۱۴): ... أو سقوط الثوب عن عورته مع التعمد مطلقا ومع اداء رکن ان لم یتعمد علم أو یعلم ومع المکث قدره ان لم یؤد عند أبی حنیفة ومحمد رحمهما الله۔

وفی الدر المختار(۱/٦۲۵،٦۲٦): (و) یفسدها (أداء رکن) حقیقة اتفاقا (أو تمکنه) منه بسنة، وهو قدر ثلاث تسبیحات... الخ۔

وفی الشامیة(۱/۴۴۷):(قوله وقدمیه) یجب اسقاطه لان وضع اصبع واحدةمنهمایکفی کما ذکره بعد۔ح۔وافادانه لولم یضع شیأمن القدمین لم یصح السجودوهومقتضی ماقدمناه انفا۔

Marfat.com

(۱۹۷) دوسرے شخص کا نمازی کو نماز میں یاد دلانا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک عزیز ہیں جنکی عمر بھی زیادہ ہوگئی ہے اور بیماری کی وجہ سے اکثر باتیں بھول جاتے ہیں، چونکہ وہ نماز کے بہت پابند ہیں اگر کوئی نماز ایسی حالت میں قضا ہوجائے تو سب پر ناراض ہوتے ہیں، چنانچہ جب وہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو انہیں رکعات کی تعداد بلکہ بعض دفعہ دو سجدوں میں بھی غلطی ہوجاتی ہے، ایسی صورت میں انکے ساتھ ایک آدمی بیٹھتا ہے جو انہیں یاد دلاتا رہتا ہے کہ ابھی کھڑے ہوجائیں اور اب بیٹھ جائیں وغیرہ، کیا ایسی صورت میں انکی نماز ہوجاتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......خارج صلوٰۃ سے کسی شخص کا نمازی کو یاد دلانے سے نماز درست نہیں ہوتی بلکہ جو شخص تعداد رکعات وغیرہ میں بھول کے عارضہ میں مبتلاء ہو اور یہ عارضہ اسے کثرت سے پیش آتا ہو تو اسکے لئے حکم یہ ہے کہ ایسا شخص نماز میں غور و فکر کرے اور جس طرف غالب گمان ہوجائے اسی رکن سے نماز پوری کرے اور اگر کسی ایک جانب غالب گمان نہ ہو رہا ہو تو بنا علی الاقل یعنی جو کم رکن ہو اس سے نماز پوری کرے مثلاً پہلی یا دوسری رکعت میں شک واقع ہوگیا تو غور و فکر کے بعد اگر غالب گمان یہ ہو کہ دوسری رکعت ہے تو اسی سے نماز جاری رکھے اور اگر غالب گمان نہ ہو تو پہلی رکعت ہی سمجھے کیونکہ یہ صورت یقینی ہے، اسیطرح سجدوں کی تعداد میں کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرلے۔

لما فی الشامیة (۶۲۲/۱): (قوله الااذاسمعه المؤتم الخ) فی البحرعن القنیة ولوسمعه المؤتم ممن لیس فی الصلاة ففتح به علی امامه یجب ان تبطل صلاة الکل لان التلقین من خارج۔

وفی الشامیة ایضاً(۹۳/۲): (قوله وان کثرشکه) بان عرض له مرتین فی عمره علی ماعلیه اکثرهم اوفی صلا ته علی مااختاره فخرالاسلام... (وقوله والا) ای وان لم یغلب علی ظنه شئ۔

وفیه ایضاً(ص۹۴): (قوله سواء عمل بالتحری) ای بأن غلب علی ظنه انها الرکعة الثانیة مثلا. وقوله اوبنی علی الاقل ای بأن لم یغلب علی ظنه شئ واخذ بالاقل۔

(۱۹۸) فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر چار رکعت والی فرض نماز میں کوئی تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی فاتحہ کے بعد بھی سورت پڑھ لے تو سجدہ سہو لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی فاتحہ کے بعد سورت ملالے تو سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا۔

Marfat.com

لمافی الهندية(۱/۱۲۶): ولو قرأفی الاخريين الفاتحة والسورة لايلزمه السهو وهو الاصح۔

وفی الشامية (۱/۵۱۱): (قوله ولو زاد ولابأس) ای لوضم إليها سورة لابأس به لأن القراءة فی الاخريين مشروعة من غير تقدير۔

(۱۹۹) نمازی کاکسی دوسرے کوسبحان اللہ کہہ کرتنبیہ کرنے کاحکم

سوال.....کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نماز پڑھ رہاہو۔تو خارج عن الصلوٰۃ کوتنبیہ کرنے کیلئے ''سبحان اللہ'' کہتاہے اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہوگی یانہیں؟ اگر فاسد ہوتی ہے تو صاحب ہدایہؒ کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے:''أو يدفع بالتسبيح لمارويناه من قبل'' (الہدایہ،۱/۹۹)

الجواب بعون الملک الوھاب.....فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ اگرنمازی نماز میں قرآن کی آیت یالا الٰہ الا اللہ یا سبحان اللہ یا الحمدللہ وغیرہ کسی کو جواب دینے کی نیت سے پڑھے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز فاسد ہوئے گی اوراگرکوئی نمازی مذکورہ کلمات بطورِ اعلام (کہ میں نماز میں ہوں) یاامام دورانِ نماز قرأت وغیرہ میں غلطی کرے اور مقتدی نے یہ کلمات پڑھے تونماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ نماز فاسد ہوجائے لیکن یہاں پر حدیث کی وجہ سے قیاس کوترک کیا گیا ہے اور یہی مقصد صاحب ہدایہ کی اس عبارت کا ہے۔

لمافی البخاری(۱/۱۶۲،۱۶۵،۳۷۰): من نابه شئ فی صلاته فليقل سبحان الله۔

وفی الهداية(۱/۱۳۸): (فلو اجاب فی الصلوة رجلا بلا إله الا الله فهذا كلام مفسد عند ابی حنيفة ومحمد وقال ابو يوسف لا يكون مفسدا) وهذا الخلاف فيما اذا اراد به جوابه له أنه ثناء بصيغته فلا يتغير بعزيمته ولهما أنه اخرج الكلام مخرج الجواب وهو يحتمله فيجعل جوابا كالتشميت والاسترجاع على الخلاف فی الصحيح(وان اراد به اعلامه انه فی الصلوة لم تفسد بالاجماع) لقوله عليه السلام اذا نابت احدكم نائبة فی الصلوٰة فليسبح۔

وفی الدر المختار (۱/۶۲۱،۶۲۰): (وجواب خبر) سوء (بالاسترجاع على المذهب) لانه بقصد الجواب صار ككلام الناس (وكذا) يفسدها (كل ما قصدبه الجواب) كأن قيل أمع الله اله فقال لا اله الا الله... (أو الخطاب ك) قوله لمن اسمه يحيى أو موسى (يا يحيى خذ الكتاب بقوة) أو، وما تلك بيمينك يا موسى (مخاطبا لمن اسمه ذلك)... الخ۔

وقال فی الشامية(۱/۶۲۱): واحترز بقصد الجواب عما لو سبح لمن استأذنه فی الدخول على قصد اعلامه أنه فی الصلاة كما يأتی أو سبح لتنبيه إمامه فانه وان لزم تغييره بالنية عندهما إلا أنه خارج عن

Marfat.com

القياس بالحديث الصحيح ((اذا نابت أحدكم نائبة وهو فى الصلاة فليسبح))

(۲۰۰) امام کے پیچھے نیت میں غلطی کا حکم

سوال......کیافرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نے ظہر کی نماز میں امام کے پیچھے ظہر کی جگہ عصر کی نماز کی نیت کر لی تو کیاانکی نماز صحیح ہوگئی اگر صحیح ہوگئی تو ظہر کی ہوئی یا عصر کی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جس شخص نے امام کے پیچھے ظہر کے بجائے عصر کی نیت کی تو نہ ظہر ادا ہوگی نہ ہی عصر البتہ اگر مقتدی کے دل میں نیت ظہر پڑھنے کی تھی لیکن غلطی سے زبان سے عصر کے الفاظ نکل گئے تو اس صورت میں ظہر ہی کی نماز ادا ہوگی۔

لما فی الھندیۃ(۸۶/۱): لایصح اقتداء مصلی الظھر بمصلی العصر۔

وفی الشامیۃ(۵۷۹/۱): (قوله وبمفترض فرضا اخر) سواء تغاير الفرضان اسما او صفة كمصلى ظهر امس بمصلى ظهر اليوم۔

وفى الدر المختار(۴۱۵/۱): فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب لأنه كلام لانية

وقال ابن عابدين رحمه الله تحته: (قوله إن خالف القلب) فلو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهوا أجزأه۔

(۲۰۱) عمداً واجب کو ترک کرنے سے نماز کا لوٹانا واجب ہے

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کل میری والدہ گھر میں عصر کی نماز ادا کر رہی تھیں کہ بھول کر پہلی رکعت میں التحیات پر بیٹھ گئیں اور التحیات پوری پڑھنے کے بعد انہیں یاد آیا کہ یہ تو پہلی رکعت ہے تو فوراً کھڑی ہوگئیں اور دوسری رکعت میں التحیات پر نہیں بیٹھیں اور آخری رکعت میں التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کیا۔انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ بیٹا کیا اس طرح میری نماز ہوگئی ہے تو میں نے امی سے کہا کہ آپ کو دوسری رکعت میں بھی التحیات میں بیٹھنا چاہیے تھا تو امی کہنے لگیں وہ تو میں پہلی رکعت میں پڑھ چکی تھی اسلئے نہیں بیٹھی لیکن آخر میں سجدہ سہو تو کرلیا ہے۔کیا میری نماز ہوگئی۔تو میں نے امی سے کہا کہ میں اپنے مدرسے میں مفتی صاحب سے پوچھ کر آپ کو بتاؤں گا۔اب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح میری والدہ کی نماز درست ہے یا دوبارہ ادا کریں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں چونکہ آپ کی والدہ پہلی رکعت کے بعد بیٹھ گئی تھیں،جس سے تاخیر رکن لازم آیا،اب اگر وہ دوسری رکعت کے بعد بھی بیٹھ جاتیں،اور تشہد پڑھ لیتیں،تو سہواً تاخیر رکن کی وجہ سے سجدہ سہو کر لینے سے نماز درست ہوجاتی،لیکن چونکہ انہوں نے قعدہ اولیٰ قصداً ترک کر دیا اور واجب کو قصداً ترک کرنے سے تو صرف سجدہ سہو کر لینا کافی نہیں بلکہ اعادہ صلوۃ (نماز کا لوٹانا) واجب ہے،لہٰذا آپ کی والدہ پر اس نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے۔

Marfat.com

لمافی الهندية(۱۲۶/۱): وفي الولوالجية: الأصل في هذا أن المتروك ثلاثة أنواع فرض وسنة، وواجب ... وفي الثالث ان ترك ساهياً يجبر بسجدتي السهو وان ترك عامداً لا كذا في التاتارخانية وظاهر كلام الجم الغفير أنه لا يجب السجود في العمد وانما تجب الاعادة جبراً لنقصانه، كذا في البحر الرائق۔

وفي البحر الرائق(۱۶۱/۲): وظاهر كلام الجم الغفير أنه لا يجب السجود في العمد وانما تجب الاعادة اذا ترك واجباً عمدا جبر النقصانه. وذكر الولوالجي في فتاواه أن الواجب اذا تركه عمدا لا ينجبر بسجدتي السهو لانها عرفتا جابرتين بالشرع والشرع ورد حالة السهو وجعلها مثلاً لهذا الفائت لا فوقه۔

وفي الشامية(۷۹/۲): ولو بنى على الفرض تطوعاً وقد سها في الفرض لا يسجد اهـ... لان النفل صلاة أخرى غير الفرض ولا يمكن ان يكون سجود السهو لصلاة واقعاً في صلاة أخرى مقصودة وان كانت تحريمة الفرض باقية فلذا لا يسجد، أو لانه لما بنى النفل عمدا صار مؤخراً للسلام عن محله عمدا. والعمد لا يجبره سجود السهو بل تلزم فيه الاعادة. وحيث كانت الاعادة واجبة لم يبق السجود واجبا عن سهوه في الفرض لانه بالاعادة يأتي بماساها فيه، والسجود جابر عما فات قائم مقام الاعادة، فاذا وجبت الاعادة سقط السجود۔

(۲۰۲) امام نے پانچ رکعت پڑھیں اعادۂ نماز کے وقت دیگر لوگ شامل ہو گئے انکی نماز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے میں مولوی صاحب نے عصر کی نماز چار رکعات کے بجائے پانچ رکعات پڑھائیں اور قعدہ اخیرہ میں نہیں بیٹھے تھے۔ سلام کے بعد مقتدیوں نے یاد دلایا کہ پانچ رکعتیں ہو گئیں لہٰذا مولوی صاحب نے نماز دوبارہ لوٹا دی اور دوسری جماعت کے بعد یہ اعلان کیا کہ جو حضرات پہلی جماعت میں شریک نہیں تھے وہ دوبارہ نماز دھرائیں ان کی نماز نہیں ہوئی۔ کیا ان کا یہ اعلان کرنا درست ہے یا نہیں، اگر درست ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب امام صاحب نے پانچ رکعات نماز پڑھائی تو ان کی فرض نماز باطل ہوگئی لہٰذا جب دوبارہ نماز لوٹانے کیلئے دوبارہ جماعت کرائی گئی تو گویا وہ پہلی بار نماز پڑھ رہے تھے لہٰذا وہ لوگ جو پہلی جماعت میں شریک نہیں تھے لیکن دوسری جماعت میں شریک ہو گئے ان کی نماز درست ہے۔ اور امام صاحب کا اعلان کرنا غلط ہے۔

لمافی الهداية(۱ ۔ ۔): وان سها عن القعده الأخيرة حتى قام الى الخامسة رجع الى القعدة مالم

Marfat.com

يسجد... والغى الخامسة... وان قيّد الخامسة بسجدة بطل فرضه عندنا۔

وفی الهندية(۱/۱۰۴): ولو زاد فيها ركعةً تامةً قبل إتمام صلوته فسدت صلوته۔

(۲۰۳) سنت کے فساد پر اعادہ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ اگر عشاء کی نماز میں وتر پڑھنے کے بعد معلوم ہو کہ سنتیں پڑھتے ہوئے کوئی ایسی غلطی ہوگئی تھی جسکی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی تھی یا صرف فساد کا شک ہو تو یہ سنتیں دوبارہ پڑھی جائینگی یا نہیں؟ اگر دوبارہ پڑھی جائینگی تو آیا وتر بھی دوبارہ پڑھے جائینگے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر سنتوں کے فساد کا یقین ہو تو انکا اعادہ ضروری ہے البتہ وتر دوبارہ پڑھنا ضروری نہیں اگر فساد میں صرف شک ہو پھر ظنِ غالب کو ترجیح دی جائیگی اگر فساد کا ظنِ غالب ہو تو پھر بھی صرف سنتوں کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے نہ کہ وتر اور اگر فساد کا ظن غالب نہیں ہے تو نہ سنتوں کا اعادہ کرنا ہوگا اور نہ وتر کا۔

وفی الشامية(۲/۲۸): ولوصلی العشاء بلاوُضوء والوتروالسنة به يعيدالعشاء والسنة لا الوتر ---والله اعلم بالصواب۔

(۲۰۴) نماز کے فساد کا اعلان امام پر لازم ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ ایک گاؤں کی مسجد میں امام ہے امسال رمضان المبارک سے پہلے یہ مسئلہ پیش آیا کہ بندہ نے مغرب کی نماز بغیر وضو کے پڑھادی۔اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... امام اگر کسی خاص محلہ کا ہے یا معین لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ کسی بھی طریقہ سے مقتدیوں کو اطلاع کردے کہ وہ اپنی نماز کا اعادہ کرلیں،اور اگر بعض مقتدی معین ہوں اور بعض غیر معین ہوں تو جن کو جانتا ہے انکو اطلاع کرنا لازم ہوگا۔البتہ غیر معین حضرات کو اطلاع کرنا لازم نہ ہوگا۔

لما فی الشامية (۱/۵۹۲): (قوله لومعينين) ای معلومين وقال:ح:وان تعين بعضهم لزمه اخباره (قوله والا) ای وان لم يكونوامعينين كلهم اوبعضهم لايلزمه۔

(۲۰۵) پہلے سے نماز میں شامل فرد کا امام کے رکوع کے بعد رکوع کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں رمضان المبارک میں وتر کی نماز پڑھا رہا تھا تو آخری رکعت میں بجائے قنوت کے میں تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا گیا مقتدیوں نے لقمہ دیا میں نے نہیں لیا چونکہ میں رکوع میں پہنچ گیا تھا بعد میں

Marfat.com

کچھ مقتدی تو میرے ساتھ رکوع میں شامل ہوگئے اور بعض نے میرے اٹھنے کے بعد رکوع کیا، میں نے سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر لی اب جن حضرات نے میرے بعد رکوع کیا ہے، ان کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جن مقتدیوں نے امام کے ساتھ رکوع نہیں کیا لیکن امام کے بعد کرلیا ہے، تو ان کی نماز بھی درست ہوگئی، ایسے لوگ لاحق کے حکم میں داخل ہوتے ہیں۔

لمافی الھندیة(۱/۱۲۰): ''اجمعوا أنّه لو انتھی الی الامام وھو قائم فکبّر ولم یرکع مع الامام حتی رکع الامام، ثم رکع أنّه یصیر مدرکا لتلك الرکعة۔''

وفی الشامیة(۱/۵۹۴): قال فی الدر المختار: (واللاحق من فاتته) الرکعات (کلھا أو بعضھا) لکن (بعد اقتدائه بعذر کغفلة وزحمة... وکذا بلا عذر... ویبدأ بقضاء ما فاته عکس المسبوق ثم یتابع امامه إن امکنه ادراکه والا تابعه۔

وفی الشامیة(ص۵۹۵/۱): وحق التعبیر أن یقول: ویبدأ بقضاء ما فاته بلا قراءة عکس المسبوق ثم یتابع امامه ان ادرکه ثم ما سبق به۔

وفیه ایضاً(۱/۴۷۱،۴۷۰): ''والحاصل ان متابعة الامام فی الفرائض والواجبات من غیر تاخیر واجبة. فان عارضھا واجب لاینبغی أن یفوته بل یاتی به ثم یتابع...... نعم تکون المتابعة فرضاً، بمعنی أن یأتی بالفرض مع امامه او بعده، کما لو رکع امامه فرکع معه مقارناً او معاقباً او شارکه فیه او بعد مارفع منه، فلو لم یرکع اصلاً او رکع ورفع قبل ان یرکع امامه ولم یعده معه او بعده بطلت صلاته۔

(۲۰۶) نماز پڑھتے ہوئے کسی کی آمد پر دروازہ کھولنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک شخص کسی کا انتظار کر رہا ہو، اور اسے نماز بھی پڑھنی ہے تو وہ نماز شروع کر دیتا ہے اب نماز کے دوران آنے والا آجاتا ہے تو پھر نمازی کو کیا کرنا چاہیئے، کیا نماز توڑ کر دروازہ کھولنا چاہیئے یا اگر وہ دروازے کے قریب ہی ہے تو وہ بغیر نیت توڑے جا کر دروازہ کھول دے اور پھر نماز پوری کرے، کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز چونکہ ایک اہم ترین عبادت ہے بندہ کو چاہیئے کہ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرے اور دھیان صرف اللہ کی طرف ہو، کسی دوسری طرف دھیان نہ جائے اور کوئی منافی صلوٰۃ کام سرزد نہ ہو، لہٰذا جب کوئی شخص نماز کو شروع کرے اور کوئی نماز کے دوران آجائے تو اگر آنے والے کے بارے میں غالب گمان یا یقین ہو کہ اسے کوئی جلدی یا اشد ضرورت نہیں تو نماز مکمل کر کے ہی دروازہ وغیرہ کھولنا چاہیئے، تاہم اگر دوران نماز آنے والا بہت جلدی میں ہو، یا اسے کوئی سخت حاجت ہو تو نمازی آدمی کیلئے

Marfat.com

دورانِ نماز دروازہ کھولنے کی صرف ان شرائط کے ساتھ گنجائش ہے کہ نمازی دروازے کے قریب ہو، اور تھوڑے سے عمل سے دروازہ کھول سکتا ہو۔ اور ایک دو قدم سے زیادہ چلنا پھرنا لازم نہ آتا ہو۔ اور قبلہ سے انحراف بھی لازم نہ آتا ہو، تب اگر ایک دو قدم چل کر دروازہ کھول دے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی جب تک کہ عمل کثیر کا ارتکاب نہ کرے، (عمل کثیر یہ ہے کہ اگر نمازی کوئی عمل کرتا ہو، اور نماز سے باہر کوئی اس کو دیکھ لے تو وہ یہ یقین کرے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا)۔

لمافی مشکوۃ المصابیح(۹۲/۱): وعن عائشةرضی الله عنها قالت کان رسول الله ﷺ یصلی تطوعاً والباب مغلق علیه فجئت فاستفتحت فمشی ففتح لی ثم رجع الی مصلاه وذکرت ان الباب کان فی القبلة۔ (رواه احمد وابو داؤد والترمذی وروی النسائی نحوه)

و فی الشامیة (۶۲۸/۱): هذا وذکر فی الحلیة ایضاً فی فصل المکروهات أن الذی تقتضیه القواعد المذهبیة المستندة الی الادلة الشرعیة ووقع به التصریح فی بعض الصور الجزئیة ان المشی لا یخلوا ما ان یکون بلا عذر او بعذر فالاول ان کان کثیراً متوالیاً تفسد وان لم یستدبر القبلة وان کان کثیراً غیر متوال بل تفرق فی رکعات او کان قلیلاً فان استدبرها فسدت صلاته للمنافی بلا ضرورة والا فلا وکره لما عرف ان من افسد کثیره کره قلیله بلا ضرورة وان کان بعذر فان کان للطهارة عند سبق الحدث او فی صلاة الخوف لم یفسدها ولم یکره قل او کثر استدبر اولا وان کان لغیر ماذکر فان استدبر معه فسدت قل اوکثر وان لم یستدبر فان قل لم یفسد ولم یکره وان کان کثیرا متلاحقاً افسد واما غیر المتلاحق ففی کونه مفسداً او مکروها خلاف وتأمل اهـ ملخصاً۔ وقال فی هذا الباب والذی یظهر ان الکثیر الغیر المتلاحق غیر مفسد ولا مکروه اذا کان لعذر مطلقاً اهـ

(۲۰۷) ایک نیت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ کتنی رکعات پڑھی جاسکتی ہیں؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نیت کے ساتھ گیارہ رکعات نماز بھی پڑھی ہیں، یہ کب اور کس سلسلے میں ہوا، کیا یہ صرف حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا یا امت کیلئے بھی حسب ضرورت ایسا کرنا ممکن ہے؟ زیادہ سے زیادہ ایک نیت کے ساتھ کتنی رکعات پڑھی جاسکتی ہیں؟ نفل یا سنت؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... یہ جو کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی نیت سے گیارہ رکعات پڑھی ہیں اس کی صراحت تو ہم کو نہیں ملی البتہ بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رات کو گیارہ رکعات پڑھی ہیں، لیکن اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ایک نیت سے پڑھیں اور اس میں بھی فقہاء حضرات یہ فرماتے ہیں کہ دو دو رکعت ایک نیت سے پڑھی ہیں اور آخر

Marfat.com

میں تین رکعت وتر ایک نیت سے پڑھی ہیں۔ لہٰذا گیارہ رکعات نماز ایک نیت سے پڑھنا کہیں صراحتاً ثابت نہیں ہے لہٰذا ایک نیت سے گیارہ رکعات نہیں پڑھنی چاہئیں اور دن میں ایک نیت سے چار رکعات نفل ادا کی جاسکتی ہیں اور اس سے زیادہ مکروہ ہے اور رات میں زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات نفل ایک نیت سے ادا کی جاسکتی ہیں اور اس سے زیادہ مکروہ ہے۔ البتہ افضل دونوں میں یہ ہے کہ چار رکعات نفل ایک نیت سے ادا کرے۔

لما فی اعلاء السنن(۷/۶۰): والاصل فی ذالک ان النوافل شرعت تبعا للفرائض والتبع لا یخالف الاصل فلوزید علی الاربع فی النهار لخالفت الفرائض وهذا هو القیاس فی اللیل الا ان الزیادة علی الاربع الی الثمان او الی الست عرفناه بالنص وهو ماروی عن النبی علیه الصلوة والسلام انه کان یصلی باللیل خمس رکعات، سبع رکعات تسع رکعات، احدی عشرة رکعة ثلاث عشرة رکعة والثلاث من کل واحد من هذه الاعداد الوتر (والظاهر لفظ الحدیث وان کان یشعر بوصل الوتر بالتطوع وانه صلاهما جمیعاً بتسلیمة واحدة ولکن حدیث عائشة رضی الله عنها عن احمد وابی داؤد (کان علیه الصلوة والسلام یوتر باربع وثلاث وست وثلاث، وثمان وثلاث وعشرة وثلاث" صریح فی انه کان یفصل ثلاث الوتر عن التطوع وقد مرانه حسن الاسناد ورکعتان من ثلاثة عشر سنة الفجر...الخ۔

وفی الهندیة (۱/۱۱۳): وکره الزیادة علی أربع فی نوافل النهار وعلی ثمان لیلاً بتسلیمة واحدة والافضل فیهما رباع لانه ادوم تحریمة فیکون اکثر مشقة وازید فضیلة ولهذا لونذر ان یصلی اربعاً بتسلیمة لایخرج عنه بتسلیمتین وعلی القلب یخرج کذا فی التبیین۔

(۲۰۸) پیشاب کی تھیلی جسم پر بندھے ہونے کی حالت میں مریض کا نماز پڑھنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے مثانہ کا آپریشن ہوا ہے اور پیشاب کیلئے ایک نلکی لگی ہوئی ہے۔ جس کے ذریعے سے پیشاب جا کر ایک تھیلی میں جمع ہوجاتا ہے اور وہ تھیلی جسم کے کسی حصے کے ساتھ باندھی ہوئی ہوتی ہے۔ زید نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اس کیلئے کیا حکم ہے؟ مع اس تھیلی کے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں کیونکہ تھیلی کو نکالنا ممکن نہیں، اگر پڑھ سکتا ہے تو تھیلی کو پیشاب سے خالی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں جب تھیلی کو جسم سے ہٹانا ممکن نہیں اور حرج لازم آتا ہے تو اسی لگی ہوئی تھیلی کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن نماز سے پہلے اس کو پیشاب سے خالی کرنا ضروری ہے کیونکہ عذر کی وجہ سے نجاست کو معاف قرار دیا گیا ہے اور عذر میں نجاست کو جس قدر کم کرنا ممکن ہو تو وہ ضروری ہے۔

Marfat.com

لما فی الدر المختار (۱/۳۰۷): وکذا مریض لایبسط ثوبا الاتنجس فوراً له ترکه۔

وفی الدر المختار (۱/۳۰۷): یجب ردّ عذرہ أو تقلیله بقدر قدرته۔

(۲۰۹) گندگی اور نجاست کا جیب میں موجود ہونا اور اسی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں کچھ عرصہ پہلے بیمار ہوگیا ڈاکٹر نے کہا کہ کل صبح جب نیند سے بیدار ہوتو اس وقت پیشاب ایک بوتل میں لے آنا تاکہ ٹیسٹ کر کے بیماری کا پتہ چلایا جاسکے صبح میں نے شیشی میں پیشاب کر کے بند کردیا اور پھر جیب میں ڈال کر ہسپتال آیا لیکن کافی دیر ہوگئی اتنے میں ظہر کا وقت ہوگیا۔ میں نے نماز ظہر پڑھ لی اور پیشاب والی شیشی میری جیب میں تھی کیا میری نماز صحیح ہوگئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب……کسی نجاست اور گندگی کا اپنی جگہ اور محل میں موجود ہونے سے اُس کو اپنے محل کے اندر نجاست کے حکم میں شمار نہیں کیا جاتا ہے، جیسا کہ دورانِ نماز جیب میں انڈا ہو، جس کا پانی خون میں تبدیل ہوگیا ہو، اُس کی موجودگی میں نماز درست ہوجاتی ہے، اگر وہ نجاست اپنے غیر محل اور غیر جگہ میں ہوتو اس نجاست کو اپنے غیر محل کے اندر نجاست کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ دورانِ نماز جیب میں شیشی ہو، اور اُس میں خون یا شراب وغیرہ ہوتو اُس شیشی کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اس نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا۔ مذکورہ مسئلہ میں جیب میں پیشاب والی شیشی کی موجودگی میں نماز ادا نہیں ہوئی، لہٰذا اس نماز کا دوبارہ اعادہ کرنا ضروری ہے۔

لما فی التاتارخانیة (۱/۲۰۴): وهذه المسائل یبتنی علی اصل ان الحیوانات التی لا تعیش الا فی الماء… فالماء معدن هذه الحیوانات ومکانها والشئ فی معدنه ومکانه لا یعطی له حکم النجاسة. الاتری ان الرجل اذا صلی وفی کمه بیضة حال محها دماً فصلاته جائزة. ولو صلی وفی کمه قارورة بول لایجوز۔

وفی الهندیة (۱/۶۲): إذا صلی وفی کمه بیضة مذرة قد حال محها دماً جازت صلاته وکذا البیضة التی فیها فرخ میت کذا فی فتاویٰ قاضیخان۔ رجل صلی وفی کمه قارورة فیها بول لا تجوز الصلوة سواء کانت ممتلئة اولم تکن. لان هذا لیس فی مظانه ومعدنه بخلاف البیضة المذرة لانه فی معدنه ومظانه وعلیه الفتویٰ۔

وفی الشامیة (۱/۴۰۳): ونجاسة باطنه فی معدنها فلا یظهر حکمها کنجاسة باطن المصلی. کما لو صلی حاملا بیضة مذرة صار محها دما جاز. لأنه فی معدنه، والشی مادام فی معدنه لا یعطی له حکم النجاسة. بخلاف مالو حمل قارورة مضمومة فیها بول فلا تجوز صلاته لانه فی غیر معدنه کمافی

Marfat.com

البحر عن المحيط۔

(۲۱۰) امام کے بھول جانے پر لقمہ دینے کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن میں نے ایک مسجد میں نماز پڑھی اور نماز میں امام صاحب قراءت میں بھول گئے اب نہ وہ پڑھ سکتے تھے اور نہ ہی رکوع کرتے تھے تو میں نے لقمہ دیا پھر امام صاحب نماز مکمل کرنے کے بعد مجھ پر غصہ ہوئے اور مجھ سے کہا کہ تم اپنی نماز کا اعادہ کرو تمہاری نماز فاسد ہوگئی ہے۔قریب میں ایک اور صاحب بھی کھڑے تھے جو بظاہر عالم لگتے تھے انہوں نے کہا کہ نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن امام صاحب ماننے کو تیار نہیں۔اب آپ فیصلہ فرمائیں کہ امام صاحب کی یہ بات درست ہے یا نہیں؟ کیا میرے لئے نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہے یا نماز ادا ہوگئی نیز نماز میں امام کو لقمہ دینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب……جب امام نماز پڑھاتے ہوئے قراءت میں بھول جائے اور مقتدی لقمہ دے تو مقتدی کے لقمہ دینے سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی لہٰذا صورت مسئولہ میں امام صاحب کا مقتدی سے یہ کہنا کہ وہ نماز کا اعادہ کرے درست نہیں، بلکہ دونوں کی نماز ادا ہوگئی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں البتہ مقتدیوں کو چاہیئے کہ وہ بلاضرورت امام کو لقمہ نہ دیں۔ہاں اگر نماز کے فساد کا اندیشہ ہو یا امام دوران قراءت بالکل رک جائے اور رکوع میں بھی نہ جاتا ہو جیسا کہ صورت مسئولہ میں تو لقمہ دینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔اور امام صاحب کو بھی چاہیئے کہ وہ مقتدیوں کو لقمہ دینے کا موقع نہ دیں، دوران نماز ان سورتوں کی قراءت کریں جو اچھی طرح یاد ہوں اور اگر امام قراءت میں بھول جائے اور اتنی مقدار قراءت کرلی ہے کہ جس سے نماز ادا ہوجائے تو رکوع کرلینا چاہیئے۔

لمافی الهداية (۹۶،۹۷/۱): وإن فتح على امامه لم يكن كلاما استحسانا لانه مضطر الى اصلاح صلاته فكان هذا من اعمال صلاته معنى وينوى الفتح على امامه دون القراءة هو الصحيح لانه مرخص فيه وقراءته ممنوع عنها۔

وفي الهندية (۹۹/۱): وأما اذ اقرأ أو تحول ففتح عليه تفسد صلاة الفاتح والصحيح انها لا تفسد صلاة الفاتح بكل حال ولا صلاة الامام لو أخذ منه على الصحيح، هكذا في الكافي۔

وفي الدر المختار مع رد المحتار(۶۲۲/۱):(بخلاف فتحه على امامه) فانه لا يفسد (مطلقا) لفاتح وآخذ بكل حال۔

قال الشامي رحمه الله: (قوله مطلقا) فسره بما بعده (قوله بكل حال)اى سواء قرأ الامام قدر ما تجوز به الصلاة أم لا انتقل الى آية اخرى ام لا تكرر الفتح ام لا هو الاصح۔

Marfat.com

(۲۱۱) مقتدی اگر نماز میں اللہ اکبر کہہ دے تو اس کی نماز کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک مسجد میں عصر کی نماز پڑھی امام صاحب قعدہ اولی میں بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہوگئے تو پیچھے سے ایک شخص نے آواز دی ''اللہ اکبر'' بعد میں جب امام نے سلام پھیرا تو کہا کہ جس شخص نے آواز دی تھی وہ اپنی نماز دوبارہ پڑھ لے۔ یہ کہاں تک درست ہے تفصیل سے جواب مطلوب ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب..... اگر امام سے نماز میں سہو ہو جائے مثلاً چار رکعت یا تین رکعت والی نماز میں امام قعدہ اولی میں بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہو جائے اور مقتدی پیچھے سے اصلاح نماز کیلئے تسبیح پڑھتا ہے تو اس صورت میں مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی بالکل یہی صورت آپ کے اس مسئلہ میں ہے کہ امام صاحب قعدہ کئے بغیر تیسری رکعت میں کھڑے ہو گئے مقتدی نے پیچھے سے اللہ اکبر کہا تو اس سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوئی، لہٰذا دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ مقتدی کیلئے بہتر یہ تھا کہ ''اللہ اکبر'' کے بجائے ''سبحان اللہ'' کہتا۔

لمافی البخاری(۹۴/۱): فقال رسول اللہ ﷺ مالی رأیتکم اکثر تم التصفیق من نابه شئ فی صلوته فلیسبح فانه اذا سبح التفت الیه وانما التصفیق للنساء۔

وفی الھندیة (۹۹/۱) : ولو عرض للامام شئ فسبح الماموم لاباس به لان القصد به اصلاح الصلوة ولا یسبح للامام اذا قام الی الأخریین لانه لا یجوز له الرجوع اذا کان الی القیام اقرب فلم یکن التسبیح مفیداً۔

وفی الشامیة(۶۲۱/۱):لو سبح لمن استاذنه فی الدخول علی قصد اعلامه انه فی الصلوة کما یأتی او سبح لتنبیه امامه فانه وان لزم تغییره بالنیة عندهما الا انه خارج عن القیاس بالحدیث الصحیح ((اذا نابت احدکم نائبة وهو فی الصلوة فلیسبح۔

(۲۱۲) پہلے بائیں طرف سلام پھیرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دفعہ میں نے غلطی سے پہلے بائیں طرف سلام پھیر لیا اب میں بہت پریشان ہوں کہ میری وہ نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب..... سلام پھیرنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے دائیں طرف سلام پھیرا جائے پھر بائیں طرف اور اگر کسی نے بھول کر پہلے بائیں طرف سلام پھیر لیا۔ پھر دائیں طرف تو اسے دوبارہ بائیں طرف سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں تاہم قصداً ایسا کرنا اور اس کی عادت بنالینا خلاف سنت ہے۔

Marfat.com

لمافي الهنديه(۱/۷۷): ولوسلم اولاعن يساره فانه يسلم عن يمينه مالم يتكلم ولا يعيد السلام عن يساره۔

وفي الدرالمختار(۱/ ۵۲۴): ثم يسلم عن يمينه ويساره حتي يرى بياض خده، ولوعكس سلم عن يمينه فقط۔

وفي الشامية تحته: (قوله ولوعكس) بأن سلم عن يساره أولا عامدا أوناسيا بحر(قوله فقط) اى فلايعيد التسليم عن يساره۔

(۲۱۳)امام کے سلام سے پہلے سلام پھیرنے والے کاحکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ اگر امام کے سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے الفاظ پورے ہونے سے پہلے مقتدی نے سلام کے الفاظ پورے کر لیے تو اس کی جماعت سے نماز ادا نہ ہوگی گویا اس نے اکیلے نماز پڑھی ہے اور عمرو کہتا ہے کہ اگر مقتدی نے امام کے سلام کے الفاظ پورے ہونے سے پہلے اپنے سلام کے الفاظ پورے کر لئے تو اس کی نماز فاسد ہے دوبارہ نماز پڑھے گا۔ مولوی صاحب ان دونوں مسئلوں کے بارے میں معلوم کرنا تھا دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......مقتدی اگر امام کے سلام اوّل کے لفظ ''السلام'' سے قبل اپنے سلام کے الفاظ پورے کرلے تو بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ مقتدی کی اقتداء امام کے سلام اوّل کے لفظ ''السلام'' تک کہنے پر پوری ہوتی ہے البتہ اس صورت میں اس کی نماز جماعت سے ہی ادا ہوگی۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ دونوں قول زید وعمرو کے کہ اس کی نماز اکیلے ادا ہوگی یا فاسد ہوجائے گی درست نہیں ہیں۔

لمافي الدر المختار (۱/۵۲۵): ولو أتمه قبل امامه فتكلم جاز وكره۔ وفي الشامية (تحت قوله ولوأتمه الخ) أى لو أتم المؤتم التشهد، بأن أسرع فيه وفرغ منه قبل إتمام امامه فأتى بما يخرجه من الصلاة كسلام أو كلام أو قيام جاز: أى صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان، لأن الإمام وإن لم يكن أتم التشهد لكنه قعد قدره، لأن المفروض من القعدة قدر أسرع ما يكون من قراءة التشهد وقد حصل، وانما كره للمؤتم ذالك لتركه متابعة الإمام بلا عذر۔

وفي الدر المختار (۱/۴۶۸): وتنقضي قدوة باالأول قبل عليكم على المشهور عندنا۔ وفي الشامية (قوله وتنقضي قدوة بالأول) أى باالسلام الأول۔ قال في التجنيس: الإمام اذا فرغ من صلاته فلما قال السلام جاء رجل واقتدىٰ به قبل أن يقول عليكم لا يصير داخلاً في صلاته، لأن هذا سلام، ألا ترى أنه لو أراد أن يسلم على احد في صلاته ساهياً فقال السلام ثم علم فسكت

Marfat.com

تفسد صلاته۔

(۲۱۴) مکہ مکرمہ میں زوال کے وقت نماز پڑھنے کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب میں عمرہ کے لیے گیا تھا وہاں کوئی ایسا وقت نہیں جاتا تھا کہ نماز نہ پڑھتے ہوئے دیکھا گیا جیسے ہمارے یہاں زوال کا وقت ہے لیکن وہاں پر ان کے کسی بھی نماز کے نقشے میں زوال کا وقت نہیں ہے۔ اب ہم وہاں پر زوال کا وقت کس طرح معلوم کریں یا وہاں پر زوال کا وقت نہیں ہوتا۔

الجواب بعون الملک الوھاب……سورج جب بالکل آسمان کے بیچ میں آجائے تو اس وقت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یہاں تک کہ زوال ہوجائے اور یہ حکم احناف کے نزدیک عام ہے تمام نمازوں کیلئے اور تمام مقامات کیلئے لیکن دیگر ائمہ کرام اس حکم سے چند نمازوں کا استثناء کرتے ہیں مثلاً فرض نمازوں کی قضاء کرنا، طواف کی دو رکعت پڑھنا اور نذر کی نماز وغیرہ اور اسی طرح شوافع مکہ مکرمہ کی تخصیص بھی کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں اوقات مکروہہ میں نوافل بھی پڑھنا جائز ہے اس لیے لوگ وہاں اس وقت میں بھی نماز پڑھتے ہیں البتہ ہمارے نزدیک مکہ مکرمہ میں بھی اس وقت نماز پڑھنا جائز نہیں اور اس کے تعین کا طریقہ یہ ہے کہ وقتِ زوال طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب کے کل وقت کا نصف ہے اس سے پانچ منٹ پہلے اور پانچ منٹ بعد تک نماز نہ پڑھے تاکہ مکروہ وقت نکل جائے۔

لمافی جامع للترمذی(۱/۲۰۰): عن عقبة بن عامر الجهنی رضی اللہ عنہ قال ثلث ساعات كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ينهانا أن نصلی فيهن أو نقبر فيهن موتاناحين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل وحين تضيف للغروب حتى تغرب۔

وفی عمدة القاری(۵/۷۸،۷۷): احتج به ابو حنيفة على انه يكره أن يتنفل بعد صلاة الفجر حتى تطلع الشمس وبعد صلاة العصر حتى تغرب الشمس... وزعم ابن العربي أن الصلاة فی هذين الوقتين تؤدى فيهما فريضة دون النافلة عند مالك وعند الشافعي تؤدى فيهما الفريضة والنافلة التي لها سبب ومذهب آخر لا يصلى فيهما بحال لا فريضة ولانافلة ومذهب آخر تجوز بمكة دون غيرها وزعم الشافعي فی كتاب اختلاف الحديث و ذكر الصلاة التي لها سبب وعددها ثم قال وهذه الصلاة واشباهها تصلى فی هذه الأوقات بالدلالة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حيث قال من نسی صلاة فليصلها اذا ذكرها وصلى ركعتين كان يصلّيهما بعد الظهر شغل عنهما بعد العصر وأمرأن لايمنع أحد طاف بالبيت أی ساعة شاء والاستثناء الوارد فی حديث عقبة الابمكة وله فی الجمعة حديث أبي سعيد انه صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن الصلاة فی نصف النهار الا يوم الجمعة... الخ۔

وفی الشامية (۱/۳۵۹): (ووقت الظهر من زواله أی ميل ذكاء عن كبد السماء) ای وسطها بحسب

Marfat.com

مايظهر لنا۔

وفی الشامية (۳۷۲/۱): وقد قال أصحابنا: ان الصلاة فی هذه الاوقات ممنوع منها بمكة وغيرها اهـ ورأيت فی البدائع ايضاً مانصه: ما ورد من النهی إلا بمكة شاذ لا يقبل فی معارضة المشهور، وكذا رواية استثناء يوم الجمعة غريب فلا يجوز تخصيص المشهور به اهـ۔

(۲۱۵) دوسورتوں کے درمیان سورت چھوڑنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں درجہ خامسہ میں پڑھتا ہوں ہمارے اساتذہ نے مسئلہ بیان کیا جب آدمی ایک سورت پڑھ لے تو اس کے بعد ایک سورت چھوڑ کر دوسری سورت شروع نہ کرے یعنی درمیان میں ایک سورت کا فرق نہ کرے۔ یہ مسئلہ میرے ذہن پر نہیں لگتا کہ پڑھنا تو قرآن ہی ہے پھر اس کی کیا وجہ ہے معاذ اللہ جب آدمی ایک سورت پڑھ لے تو پھر دوسری سورت چھوڑ کر تیسری پڑھتا ہے قرآن ہی تو پڑھتا ہے کوئی ناجائز کام تو نہیں کرتا پھر منع کیوں؟ پھر بڑی اور چھوٹی سورتوں میں کوئی فرق ہے مثلاً بقرہ پڑھ کر سورۂ نساء پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر فرق ہے تو کتنی آیت والی سورت پڑھ سکتا ہے کتنی والی نہیں پڑھ سکتا۔ میں اس مسئلہ کے بارے میں کافی پریشان ہوں۔ مہربانی فرما کر ضرور ایسا حل عنایت فرمائیں کہ میرے تردد کو دفع کردے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بعض حضرات کے نزدیک مطلقاً کراہت نہیں ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ ترتیب سے پڑھے اور درمیان میں کوئی سورت نہ چھوڑے۔

لمافی المحيط البرهانی (۴۷/۲): وأما فی ركعتين فإن كان بينهما سور لا يكره وإن كان بينهما سورة واحدة هل يكره؟ اختلف المشائخ فيه قال بعضهم يكره وقال بعضهم ان كانت السورة طويلة لا يكره وقال بعضهم لايكره أصلاً۔

وفی مراقی الفلاح (ص۲۸۷): (و) يكره (فصله بسورة بين سورتين قرأهما فی ركعتين) لمافيه من شبهة التفضيل والهجر وقال بعضهم لا يكره إذا كانت السورة طويلة كما لوكان بينهما سورتان قصيرتان۔

وفی الهندية (۷۸/۱): وأما فی ركعتين إن كان بينهما سور لا يكره وإن كان بينهما سورة واحدة قال بعضهم يكره وقال بعضهم إن كانت السورة طويلة لا يكره هكذا فی المحيط كما اذا كان بينهما سورتان قصيرتان كذا فی الخلاصة، وقال بعضهم لايكره أصلاً۔

وفی الشامية (۵۴۶/۱): (قوله ويكره الفصل بسورة قصيرة) أما بسورة طويلة بحيث يلزم منه إطالة

Marfat.com

الرکعة الثانیة إطالة کثیرة فلایکره شرح المنیة کما اذا کانت سورتان قصیرتان وهذا لو فی رکعتین أما فی رکعة فیکره الجمع بین سورتین بینهما سور أو سورة فتح۔

(۲۱۶) دورانِ نماز انگڑائی یا جمائی لینے سے نماز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر امام یا مقتدی نماز میں انگڑائی اور جمائی کثرت کے ساتھ لیں تو ان کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں نماز میں انگڑائی اور جمائی لینا ویسے بھی مکروہ ہے اس لئے اس کو حتی الامکان دفع کیا جائے اور اگر اتنی زیادہ ہو جائے کہ عمل کثیر بن جائے تو اس وقت نماز فاسد ہو جائے گی۔

لمافی خلاصة الفتاوی(۱/۵۷): وقوله اذا تثاؤب احدکم فی الصلاة فلیغط فاه دلیل علی انه لا یباح فی غیر تلك الحالة وهذا اذاکان بحال لایمکنه الامتناع عن التثاؤب اما اذا امکنه ان یاخذ شفتیه باسنانه فلم یفعل وغطی فاه بیده او بثوبه یکره۔

وفی الهندیة(۱/۱۰۷):ویکره التلثم وهو تغطیة الانف والفم فی الصلاة والتثاؤب فان غلبه فلیکظم ما استطاع فان غلبه وضع یده او کمه علی فیه۔

وفی الهندیة(۱/۱۰۲): انه لو نظر الیه ناظر من بعید ان کان لا یشك انه فی غیر الصلاة فهو کثیر مفسد وان شك فلیس بمفسد وهذا هو الاصح هکذا فی التبیین وهو احسن کذا فی محیط السرخسی وهو اختیار العامة۔

(۲۱۷) پینٹ شرٹ میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل جدید دور ہے لوگ جدت کی طرف مائل ہیں حتیٰ کہ لباس میں بھی جدت ہے شہروں میں لوگ پینٹ شرٹ پہنتے ہیں اور اس کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں تو کیا پینٹ شرٹ پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......پینٹ اگر چست ہونے کی بنا پر مخفی اعضاء کو ظاہر کرتی ہے تو اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اگر چست اور باریک نہ ہو، اور پائنچے ٹخنوں سے نیچے نہ ہوں، تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے مگر ایک مسلمان کو صلحاء کا لباس ہی اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ وہی سنت ہے۔

لمافی الدر المختار(۱/۴۱۰،۴۰۹): (والشرط سترها عن غیره) ولو حکماً کمکان مظلم (لا) سترها

Marfat.com

(عن نفسه) به يفتى فلو رآها من زيقه لم تفسدو.ان كره (وعادم ساتر) لايصف ماتحته ولا يضر التصاقه وتشكله... (ص۴۱۱) (يصلى قاعداً)۔

وفى الشامية تحته : (قوله ولا يضر التصاقه) اى بالالية مثلا وقوله وتشكله من عطف المسبب على السبب وعبارة الشرح المنية أما لو كان غليظاً لايرى منه لون البشرة إلا أنه التصق بالعضو وتشكل بشكله فصار شكل العضو مرئياً فينبغى أن لا يمنع جواز الصلوٰة لحصول الستر۔ اھ۔

(۲۱۸) دورانِ نماز شلوار یا پینٹ وغیرہ ٹخنوں سے نیچے رکھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران نماز شلوار یا پینٹ وغیرہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا کیسا ہے اور نماز کے علاوہ عام حالت میں نیچے رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ آیا شلوار کو اوپر سے اور پینٹ کو نیچے سے فولڈ کرنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور پینٹ کو باہر کی طرف فولڈ کریں یا اندر کی طرف؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

الجواب بعون الملک الوھاب......مردوں کیلئے شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا جائز نہیں۔ خواہ نماز کی حالت ہو یا نماز کے علاوہ۔ احادیث میں شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنے والوں سے متعلق بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ لہٰذا مردوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی شلوار یا پینٹ وغیرہ ٹخنوں سے اوپر رکھیں خواہ اوپر سے فولڈ کریں یا نیچے سے، باہر کی طرف کریں یا اندر کی طرف دونوں طرح درست ہے یہ حکم نماز اور خارج نماز دونوں کیلئے ہے۔

لمافى صحيح البخارى(۸۶۱/۲): عن ابى هريرة (رضى الله عنه) عن النبى ﷺ قال ما اسفل من الكعبين من الازار فى النار۔

وفى تكملة فتح الملهم(۱۲۳/۴): والحاصل عند هذا العبد الضعيف عفا الله عنه ۔ ان العلة الاصلية من وراء تحريم الاسبال هى الخيلاء كما صرح به رسول الله ﷺ فى حديث الباب ولكن تحقق الخيلاء أمر مخفى ربما لا يطلع عليه من ابتلى به فأقيم سببه مقام العلة وهو الاسبال الى ان قال۔ كلما تحقق الاسبال تحت الكعبين جاء المنع الافى غير حالة الاختيار فان انتفاء الخيلاء فى ذلك متيقن۔

(۲۱۹) محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر امام محراب کے اندر کھڑا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

Marfat.com

(۲)۔نماز کتنے سال میں فرض ہوتی ہے اس میں مردوعورت کا کوئی فرق ہے یا نہیں؟

(۳)میں ۱۱/سال کی عمر سے نماز پڑھ رہا ہوں کیا میرے اوپر قضائے عمری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اصل حکم یہ ہے کہ دورانِ امامت امام ایسی جگہ کھڑا ہو کہ صف کی دونوں طرفیں برابر ہوں۔اور اکثر محراب مسجدوں کے درمیان ہی میں بنے ہوئے ہوتے ہیں۔اور محراب مسجد ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔امام کو عام حالات میں محراب سے باہر ہی کھڑے ہو کر نماز پڑھانی چاہیے اور اگر ضرورت ہو جیسے جمعہ کے دن میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے تو محراب کے اندر بھی امام کھڑا ہو سکتا ہے۔لیکن امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا خلاف اولیٰ ہے، بہرصورت ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے۔

۲)۔مرد اور عورت جب پندرہ سال کے ہو جائیں اگر چہ ان میں بلوغت کی علامات (مثلاً مرد میں احتلام کا ہو جانا،عورت کو حاملہ کر دینا، اور بیداری کی حالت میں انزال ہو جانا اور لڑکی میں حیض کا آنا،احتلام کا ہو جانا،حاملہ ہو جانا) نہ پائی جائیں تو پندرہ سال کی عمر میں ان پر نماز فرض ہو جاتی ہے اور اگر پندرہ سال سے پہلے لڑکے یا لڑکی میں مذکورہ علامات ظاہر ہو گئیں تو جس وقت بلوغت کی علامت ظاہر ہوگی اس وقت سے ان پر نماز فرض ہو جائے گی۔

۳)۔نماز کے فرض ہونے کیلئے بلوغت شرط ہے اور لڑکے کے بالغ ہونے کی کم سے کم عمر ۱۲ سال ہے اور زیادہ سے زیادہ عمر ۱۵ سال ہے۔اگر پندرہ سال سے پہلے لڑکے میں بلوغت کی علامات ظاہر ہو جائیں تو اسی وقت سے نماز فرض ہو جاتی ہے لہٰذا اگر بالغ ہونے کے بعد آپ کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی تو آپ پر قضاء عمری نہیں ہے۔

لمافی الهندية(۱/۱۰۸): ويكره قيام الامام وحده فی الطاق وهو المحراب ولايكره سجوده فيه اذا كان قائما خارج المحراب هكذا فی التبيين، واذا ضاق المسجد بمن خلف الامام فلا بأس بان يقوم فی الطاق كذا فی فتاوى البرهانية۔

وفی الشامية(۱/۶۴۷): وحكى الحلوانی عن ابی الليث: لايكره وقيام الامام فی الطاق عند الضرورة بأن ضاق المسجد على القوم...

وفی الدر المختار(۶/۱۵۴،۱۵۳): (بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شئ(فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) لقصر أعمار أهل زماننا

وفی الشامية تحته: (قوله به يفتى) هذا عندهما وهو رواية عن الإمام وبه قالت الأئمة الثلاثة۔ (وأدنى مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين) هو المختار كمافی أحكام الصغار۔

Marfat.com

(۲۲۰) آستینیں چڑھا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال ...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آستینیں اگر کہنیوں سے اوپر چڑھی ہوئی ہوں تو اس حالت میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نیز اگر کہنیوں سے تو نیچے ہوں لیکن کلائیوں سے اوپر ہوں تو اس صورت میں بھی کیا نماز میں کراہت آئے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب ...... آستینیں اگر کہنیوں سے اوپر چڑھی ہوئی ہوں تو اس حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ لیکن اگر کہنیوں سے تو نیچے ہوں لیکن کلائیوں سے اوپر ہوں تو اس صورت میں نماز میں کراہت نہیں آئے گی۔ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ آستینوں کو کلائیوں سے بھی اوپر نہ چڑھائے۔

لما فی الدر المختار (۱/۶۴۰): (و) کرہ (کفہ) أی رفعه ولو لتراب کمشمر کم أوذیل۔

وفی الشامیة تحته: (قوله کمشمر کم أوذیل) أی کما لو دخل فی الصلوۃ وھو مشمر کمه أوذیله واشار بذالك الی ان الکراھة لاتختص بالکف وھو فی الصلوۃ کما افادہ فی شرح المنیة لکن قال فی القنیة۔ واختلف فیمن صلی و قد شمر کمیه لعمل کان یعمله قبل الصلوۃ او ھیئته ذالك ومثله مالو شمر للوضوء ثم عجل لادراك الرکعة مع الامام: واذا دخل فی الصلوۃ کذالك وقلنا بالکراھة فھل الأفضل ارخاء کمیه فیھا بعمل قلیل اوترکھما؟ لم ارہ والاظھر الاول بدلیل قوله الاتی ولو سقطت قلنسوته فاعادتھا افضل تامل ھذا وقید الکراھة فی الخلاصة و المنیة بان یکون رافعا کمیه الی المرفقین وظاھرہ انه لایکرہ الی مادونھما قال فی البحر والظاھر الاطلاق لصدق کف الثوب علی الکل ونحوہ فی الحلیة وکذا قال فی شرح المنیة الکبیر ان التقیید بالمرفقین اتفاقی۔ قال: وھذا لوشمرھما خارج الصلوۃ ثم شرع فیھا کذالك اما لو شمر وھو فیھا تفسد لانه عمل کثیر۔

(۲۲۱) نماز میں کہنیوں کو کھلا رکھنے اور مچھروں کی وجہ سے ٹخنے ڈھانپنے کا حکم

سوال ...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دورانِ نماز کہنیوں کو کھلا رکھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی شخص مچھروں سے بچاؤ کے لئے اپنے ٹخنوں کو ڈھانپے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح نماز کیلئے کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو کس حد تک؟ مدلل طور پر جواب دے کر مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب ...... نماز کے دوران کہنیوں کا ڈھانپنا سنت ہے اور ان کو کھلا رکھنا مکروہ ہے۔ مردوں کیلئے ٹخنوں سے

Marfat.com

نیچے اپنی شلوار وغیرہ کا کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں کیونکہ احادیث میں اس کے بارے میں بہت سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ البتہ مچھروں سے بچنے کیلئے جرابوں وغیرہ کا استعمال کریں۔

نماز کے درست ہونے کیلئے کپڑوں کا مکمل پاک ہونا ضروری ہے البتہ اگر کسی شخص نے نماز پڑھی اور اس کے کپڑوں میں نجاست غلیظہ (مثلاً پیشاب، منی، پاخانہ، شراب، خون وغیرہ) لگی ہوئی تھی اب اس نجاست کو دیکھا جائے گا کہ کونسی نجاست ہے اگر ذو جرم (یعنی جسم والی) جیسے پاخانہ وغیرہ نجاست لگی ہوئی ہے اور مبتلی بہ کا گمان یہ ہے کہ اس کا وزن ایک درہم کے وزن کے برابر یا اس سے کم ہوگا جو گراموں کے اعتبار سے تقریباً 4.374 گرام بنتا ہے تو نماز ہوگئی ہے اور اگر وزن درھم سے زائد ہے تو نماز درست نہیں ہے۔

اور اگر کپڑے پر لگی ہوئی نجاستِ غلیظہ ذو جرم (جسم والی) نہیں ہے بلکہ مائع نجاست ہے جیسے پیشاب وغیرہ تو اس میں مساحتِ درھم کا اعتبار ہوگا لہٰذا اگر اس نجاست کی مقدار مساحتِ درھم (جو تقریباً ہتھیلی کے بقدر ہوتا ہے) کے برابر یا کم ہے تو نماز ہوگئی ہے اور اگر زیادہ ہے تو نماز درست نہیں ہے۔

واضح رہے کہ اس مقام پر (یعنی نجاست کے معاملہ میں) درھم سے درھم کبیر مراد ہے جو ۲۰ قیراط کے برابر ہوتا ہے اور یہ عام درھم شرعی سے ۶ قیراط بڑا ہوتا ہے یعنی درھم شرعی ۱۴ قیراط کے برابر ہوتا ہے۔

اور اگر کپڑے پر لگی ہوئی نجاست، خفیفہ ہے (مثلاً ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے جیسے گائے، بکری وغیرہ) تو اس کی مقدار اس مخصوص حصے مثلاً آستین پر نجاست خفیفہ لگی ہے اگر اس کے چوتھائی سے کم ہے تو نماز ہوگئی ہے اور اگر زیادہ ہے تو نماز نہیں ہوئی ہے۔

لمافی مشکوۃ المصابیح(۲۴۳/۱): عن النبی ﷺ قال: ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا ينظر اليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب اليم قال ابو ذر: خابوا وخسروا من هم؟ يا رسول الله! قال. المسبل، والمنان. والمنفق سلعته بالحلف الكاذب۔

وفی الدر المختار (۶۴۰/۱): وكره كفه أى رفعه ولو لتراب كمشمركم أو ذيل

وفی الشامية تحته: اى كما لو دخل فى الصلاة وهو مشمركمه أو ذيله وأشار بذلك الى ان الكراهة لاتختص بالكف وهو فى الصلاة كما أفاده فى شرح المنية لكن قال فى القنية واختلف فى من صلى وقد شمر كميه لعمل كان يعمله قبل الصلاة او هيئته ذلك اهـ ومثله ما لو شمر للوضوء ثم عجل لادراك الركعة مع الامام واذادخل فى الصلاة كذلك وقلنا بالكراهة فهل الأفضل ارخاء كميه فيها بعمل قليل أو تركهما؟ لم أره: والاظهر الأول بدليل قوله الاتى ولو سقطت قلنسوته فإعادتها أفضل۔

هذا وقيد الكراهة فى الخلاصة والمنية بأن يكون رافعا كميه الى المرفقين وظاهره أنه لا

Marfat.com

يكره الى مادونهما قال فى البحر: والظاهر الاطلاق لصدق كف الثوب على الكل اهـ ونحوه فى الحلية وكذا قال فى شرح المنية الكبير: ان التقييد بالمرفقين اتفاق

قال: وهذا لوشمرهما خارج الصلاة ثم شرع فيها كذلك أما لو شمر وهو فيها تفسد لانه عمل كثير۔

وفى الدرالمختار(۱/۳۲۱):(وعفى دون ربع)جميع بدن و(ثوب) ولوكبيرا هو المختار ذكر الحلبى، ورجحه فى النهر على التقدير بربع المصاب كيد وكم، وان قال فى الحقائق وعليه الفتوىٰ۔ (من) نجاسة (مخففة كبول مأكول)ومنه الفرس وطهره محمد۔

(۲۲۲)نجاست غلیظہ میں خشک اور تر میں فرق کا بیان

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نجاست غلیظہ اگر جسم یا کپڑے پر لگی ہوتو درہم کی مقدار سے زیادہ ہوتو نماز جائز نہیں ورنہ معفوعنہ ہے یہ مائع نجاست سے متعلق ہے یا خشک سے بھی؟ ہماری معلومات کے مطابق تو مائع میں مساحتِ درہم اور خشک میں وزنِ درہم کا اعتبار ہے؟ کیا یہ درست ہے؟ نیز درہم کا وزن کتنا ہوتا ہے؟ کیسے اندازہ لگایا جائے؟ کیونکہ مساحتِ درہم کا تو پانچ کے سکے یا ہتھیلی کے وسط سے اندازہ لگایا جاتا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں معفوعنہ نجاست کی مقدار فقہاء کی تصریحات کے مطابق مائع نجاست غلیظہ میں مساحت درہم اور ذی جرم (جسم والی) نجاست غلیظہ میں وزن درہم کا اعتبار ہے لہٰذا آپ کی معلومات بالکل درست ہیں۔

جہاں تک وزن درہم کا تعلق ہے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اس مقام پر فقہاء نے صراحت کی ہے کہ درہم سے درہمِ کبیر مراد ہے جو ۲۰ قیراط کے برابر ہو حساب سے معلوم ہو کہ ۲۰ قیراط گراموں کے اعتبار سے 4.374 گرام اور ماشہ کے اعتبار سے 4.5 ماشہ اور رتی کے اعتبار سے 36 رتی بنتے ہیں۔

یہ مطلوبہ درہم عام درہم شرعی سے ٦ قیراط بڑا ہوتا ہے کیونکہ عام درہم شرعی ١٤ قیراط کے برابر ہوتا ہے جو گراموں کے اعتبار سے 3.0618 گرام اور ماشہ کے اعتبار سے 3.15 ماشہ اور رتی کے اعتبار سے 25.2 رتی کے برابر ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر ذو جرم (یعنی جسم والی) نجاست کا وزن مبتلی بہ کے گمان کے مطابق 4.374 گرام سے زائد بن رہا ہو تو معاف نہیں ہے ورنہ معاف ہے۔ اسی طرح اگر مائع نجاست میں مبتلی بہ کا گمان یہ ہو کہ یہ مساحت درہم سے زیادہ ہوگی تو معاف نہیں ورنہ معاف ہے۔

لمافى المحيط البرهانى (۱/۳۷۱) كتاب الطهارة/الفصل السابع الخ /النوع الثانى، ادارة القران والمجلس العلمى: ۷۵۵- يجب ان يعلم بان القليل من النجاسة عفو عندنا لما روى عن عمر

Marfat.com

رضى الله تعالىٰ عنه سئل عن قليل النجاسة فى الثوب فقال: اذا كان ظفرى هذا لا يمنع جواز الصلوة . . . فالغليظة: اذا كانت قدر الدرهم او اقل، فهى قليلة لاتمنع جواز الصلوة . . . ويعتبر الدرهم الكبير، دون الدرهم الصغير۔ قال محمد رحمه الله تعالىٰ فى "الجامع الصغير" الدرهم الكبير اكبر ما يكون من الدراهم، ولم يبين انه اراد به الكبير من حيث العرض والمساحة او من حيث الوزن، وزكر فى النوادر ان الدرهم الكبير اكبرما يكون من الدراهم، كالدراهم الزبرقانية درهم اسود كبير، ضربه الزبرقان۔

۷۵۷۔ وقال فى موضع آخر الدرهم الكبير ما يكون عرض الكف كالدرهم الشهليلى وهذا اعتبار التقدير من حيث العرض۔ ومن المشائخ من قال: انما يعتبر اكبر ما يكون من الدراهم من نقودزمانهم۔ اما ما كان من النقود وانقطع لا يعتبر وذكر فى كتاب الصلوة واعتبر الكبير من حيث الوزن

۷۵۸۔ قال الشيخ ابو جعفر رحمه الله: يوفق بين الفاظ محمد رحمه الله تعالىٰ فنقول: اراد بالتقدير من حيث العرضى تقدير النجاسة الرقيقة، واراد بالتقدير من حيث الوزن تقدير النجاسة الغليظة وهو الصحيح من المذهب ان فى الرقيقة يعتبر الدرهم من حيث العرض، وفى الغليظة يعتبر الدرهم من حيث الوزن۔

وفى ردالمحتار (۳۱۸/۱) باب الانجاس(ايچ ايم سعيد):قوله (وهو مثقال) هذا هو الصحيح وقيل يعتبر في كل زمان درهمه بحر وأفاد أن الدرهم هنا غيره في باب الزكاة فإنه هناك ما كان كل عشرة منه وزن سبعة مثاقيل قوله (في نجس كثيف) لما اختلف تفسير محمد للدرهم فتارة فسره بعرض الكف وتارة بالمثقال اختلف المشايخ فيه ووفق الهندواني بينهما بما ذكره المصنف واختاره كثير منهم وصححه الزيلعي والزاهدي وأقره في الفتح أن إعمال الروايتين إذا أمكن أولى وتمامه في البحر والحلية ومقتضاه أن قدر الدرهم من الكثيفة لو كان منبسطا في الثوب أكثر من عرض الكف لا يمنع كما ذكره سيدي عبد الغني قوله (له جرم) تفسير للكثيف وعد منه في الهداية الدم وعده قاضيخان مما ليس له جرم ووفق في الحلية بحمل الأول على ما إذا كان غليظا والثاني على ما إذا كان رقيقا۔

Marfat.com

(۲۲۳) سود کے پیسوں سے بنائے ہوئے مکان میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال ......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ایک دوست سود کا کاروبار کرتے ہیں اور سودی رقم سے مکان بنایا ہے تو اب پوچھنا یہ ہے کہ سود کی رقم سے بنے ہوئے مکان میں نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں سودی کاروبار کرنے والا گناہ کبیرہ میں مبتلا ہے، اسے چاہیئے کہ کوئی جائز کاروبار شروع کرے۔اوران پیسوں سے جو مکان بنایا ہے اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔

لمافی الهندية(۱۴۲/۵): فی المنتقی قال ابو یوسف رحمه الله اذا غصب رجل أرضاوبناها حوانيت و حماما و مسجدا فلا بأس بالصلوة فی ذلك المسجد فأما الحمام فلا يدخل ولا يستأجر الحوانيت قال ولابأس بان يدخل الحوانيت لشراء المتاع قال هشام وأنا أكره الصلوة فيه حتى يطيب بذلك اربابه۔

وفی الفقه الاسلامی(۹۸۴/۲): الصلوة فی الارض المغصوبة حرام بالاجماع لان اللبث فيها يحرم فی غير الصلاة فلان يحرم فی الصلوة اولی۔ والله اعلم بالصواب۔

(۲۲۴) ٹی وی اور آلات موسیقی والے کمرے میں نماز کا حکم

سوال ......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گھر کے ایک کمرے میں ٹی وی رکھا ہوا ہے اس کمرے میں کوئی اور سامان نہیں ہے بالکل خالی ہے تو ہمارے گھر والے اور ہم لوگ اس کمرے میں نماز پڑھتے رہتے ہیں۔آیا جس کمرے میں ٹی وی رکھا ہو، اس میں نماز پڑھنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں اگر ٹی وی چل رہا ہو پھر تو یہ انتہائی مکروہ فعل ہے کیونکہ اس میں تصویروں کی عبادت کرنے والوں سے مشابہت لازم آئے گی لیکن نماز کراہت کے ساتھ ہوجائے گی اور اگر ٹی وی بند ہو تو پھر بھی نماز ہوجائے گی لیکن خلاف اولیٰ ہے کیونکہ عموماً ایسی جگہوں پر نماز میں اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا۔

لما فی الهندية(۶۳/۱): وتكره الصلاة فی تسع مواطن فی قوارع الطريق ومعاطن الابل والمزبلة والمجزرة والمخرج والمغتسل والحمام والمقبرة وسطح الكعبة ولا بأس بالصلاة والسجود على الحشيش والحصير والبسط والبوارى هكذا فی فتاویٰ قاضيخان۔

وفيه ايضاً(۹۸۱/۲): الكنيسة(معبد النصارى) والبيعة (معبد اليهود) ونحوهما من أماكن الكفر تكره الصلاة فيها عند الجمهور وابن عباس مطلقا عامرة أو دارسة الا لضرورة كحر أو برد أو مطر

Marfat.com

أو خوف عدّو او سبع فلا كراهة. وحكمة الكراهة إنها ماوى الشياطين لأنها لا تخلو من التماثيل والصور ولأنها موضع فتنة وأهواء مما يمنع الخشوع... قال النووى فى المجموع- وتكره الصلاة فى مأوى الشياطين كالخمارة وموضع المكس ونحو ذلك من المعاصى الفاحشة۔

(۲۲۵) آئینہ کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ ایسی جگہ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے جہاں نمازی کے سامنے بڑا سا آئینہ ہو جس میں اسکی تصویر دکھائی دے رہی ہو، نیز اندھیرے کمرے میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... آئینہ کے سامنے نماز پڑھنا جائز ہے البتہ اگر اسکی وجہ سے خشوع وخضوع میں خلل واقع ہو رہا ہو تو آئینے کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ ہوگا، نیز اندھیرے کمرے میں نماز پڑھنا بھی درست ہے جبکہ استقبال قبلہ درست ہو، اگر قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو تو کسی سے پوچھ کر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے اور اگر کوئی بتانے والا نہ ہو تو خود تحری کر کے نماز پڑھ لے۔

لمافی مراقی الفلاح(صـ۲۹۳): (و)تكره بحضرة كل (مايشغل البال) كزينة (و) بحضرة ما (يخل بالخشوع) كلهو ولعب ولذانهى النبى ﷺ عن الاتيان للصلاة سعيا بالهرولة۔

وفى الشامية(۱/۴۳۱):فان كان عاجزا بالاشتباه وهوان يكون فى المفازة فى ليلة مظلمة ولا علم له بالامارات الدالة على القبلة فان كان بحضرته من يسئله عنها لايجوز له ان يتحرى بل يجب ان يسئل لما قلنا اى من ان السوال أقوى من التحرى۔

(۲۲۶) آئینے کے سامنے نماز پڑھنا تصویر کے حکم میں نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کے سامنے بڑا آئینہ لگا ہوا ہو تو وہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں جبکہ اس کی تصویر آئینے میں مکمل طور پر نظر آتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......آئینے میں جو چیز نظر آتی ہے اس کو تصویر نہیں کہا جاتا بلکہ عکس کہا جاتا ہے اس لئے یہ تصویر کے حکم میں نہیں ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آئینے کے سامنے نماز پڑھنے میں فی نفسہ کوئی کراہت نہیں جیسا کہ مصلی کا سایہ بحالت نماز سامنے پڑنا موجب کراہت نہیں البتہ آئینہ اور اس جیسی اشیاء جن سے نمازی کے خشوع وخضوع میں خلل آتا ہو سامنے کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لمافى الخانية(۱/۱۶۸): ولو نظر فى مرأة ورأى فيها فرج امرأة فنظر عن شهوة لا يحرم عليه أمها وابنتها لانه لم ير فرجها وإنما رأى عكسها- ولو كانت المرأة على شط حوض او على قنطرة فنظر

Marfat.com

الرجل فی الماء فرأى الرجل فرجها فنظر عن شهوة لا يثبت الحرمة۔

وفی الشامية(۱/۶۵۸): قوله لانه يلهى المصلى: أى فيخل بخشوعه من النظر الى موضع سجوده ونحوه، وقد صرح فی البدائع فی مستحبات الصلوة أنه ينبغی الخشوع فيها ويكون منتهى بصره إلى موضع سجوده الخ وكذا صرح فی الاشباه أن الخشوع فی الصلوة مستحب والظاهر من هذا ان الكراهة هنا تنزيهية فافهم۔

وفيه ايضاً(صـ۴۰۳): وفی القنية: لو صلّى على زجاج يصف ماتحته قالوا جميعا يجوز۔

وفی المفصل فی احكام المرأة والبيت المسلم(۱/۲۲۹): مايكره فی الصلاة: يكره للمصلى فی صلوته العبث بثوبه او بدنه او... يرفع بصره الى السماء أو... إلى ما يشغله عن الصلوة أو... ان يصلى بحضرة الطعام أو... ان يترك شيأً من سنن الصلوة۔

(۲۲۷) اندھیرے میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے بڑے فرماتے ہیں کہ جب نماز پڑھی جائے تو روشنی کا انتظام پہلے کرلینا ضروری ہے، اندھیرے میں نماز نہیں ہوتی۔ کیا ان حضرات کی بات صحیح ہے یا اندھیرے میں بھی نماز ہوجاتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......آپ کے بڑوں کا یہ کہنا کہ ”اندھیرے میں نماز نہیں ہوتی“ صحیح نہیں ہے۔ اندھیرے میں نماز بلاکراہت درست ہے۔

لمافی الهندية(۱/۶۴): رجل صلى فی المسجد فی ليلة مظلمة بالتحرى فتبيّن انه الى غير القبلة جازت صلوته۔

وفی الطحطاوی على الدر(۱/۱۹۲): اما بالليل فيصلى قائماً لان ظلمة الليل تستر عورته۔

وفی الدر المختار(۱/۴۳۳): وان علم به فی صلوته او تحول رايه ...... ولو بمكة او مسجد مظلم ولا يلزمه قرع ابواب ومس جدران۔

وفی الشامية تحته: وفی الخلاصة اذا لم يكن فی المسجد قوم والمسجد فی مصرٍ فی ليلةٍ مظلمةٍ (قوله ومس جدران) لان الحائط لو كانت منقوشة لا يمكنه تمييز المحراب من غيره وعسى ان يكون ثم هامة مؤذيةً ......وهذا انما يصح فی بعض المساجد فاما فی الاكثر فيمكن تمييز المحراب من غيره فی الظلمة بلا ايذاء۔

Marfat.com

(۲۲۸) سامنے موم بتی یا لالٹین وغیرہ رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ موم بتی اور لالٹین وغیرہ سامنے رکھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نماز میں کراہت تو نہیں آتی ؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی شخص موم بتی یا لالٹین وغیرہ سامنے رکھ کر نماز پڑھے تو نماز درست ہے اور نماز میں کوئی کراہت نہیں آتی ۔البتہ بہتر یہ ہے کہ نماز کی حالت میں موم بتی یا لالٹین وغیرہ جانبین میں سے کسی جانب رکھیں۔

لمافی الهندیة (۱/۱۰۸): ولو توجه الی قندیل أو الی سراج لم یکره۔

وفی الدر المختار (۱/۶۵۱):(و) لایکره (صلاة الی ظهر قاعد) أو قائم ولو (یتحدث) الااذا خیف الغلط بحدیثه (و) لا الی (مصحف أو سیف مطلقا أو شمع أو سراج) أونار توقد لأن المجوس انما تعبد الجمر لا النار الموقدة۔

(۲۲۹) چشمہ لگا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کل ایک صاحب مجھ سے الجھ پڑے کہ نماز چشمہ اتار کر پڑھنا چاہیئے، یہی اولیٰ اور افضل ہے۔آنجناب سے گذارش یہ ہے آپ میری صحیح بات کی طرف راہنمائی فرمادیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں فی نفسہٖ چشمہ لگانا جائز ہے البتہ اگر سجدہ وغیرہ کرتے وقت ڈھیلا ہونے سے الجھنے کا گمان ہو یا اس سے خشوع وخضوع میں خلل آتا ہو تو چشمہ لگانا نماز میں مکروہ ہے،اس کو اتار دینا افضل ہے اور اگر اس کی وجہ سے خشوع وخضوع میں اضافہ ہوتا ہو تو چشمہ لگا کر نماز ادا کرنا بلا کراہت درست ہے۔نیز ایسے امور میں آپس میں بحث ومباحثہ اور الجھنا اچھا نہیں۔

وفی الهندیة(۱/۱۰۹): ولا بأس ان یصلی متقلداً للقوس والجعبة الا ان یتحرکا علیه حرکة تشغله فحینئذ مکروه ویجزیه۔

وفی الدر المختار(۱/۶۴۰):(و) کره(کفه)أی رفعه ولولتراب کمشمرکم أوذیل (وعبثه به) ای بثوبه (وبجسده) للنهی الالحاجة ولا بأس به۔

وفی الشامیة تحته:(قوله وعبثه) هو فعل لغرض غیر صحیح قال فی النهایة :وحاصله ان کل عمل هو مفید للمصلی فلا بأس به اصله ماروی ان النبی ﷺ عرق فی صلاته فسلت العرق عن

Marfat.com

جبينه اى مسحه لانه كان يؤذيه فكان مفيداً۔ وفى زمن الصيف كان اذاقام من السجود نفض ثوبه يمنة أو يسرةً لانه كان مفيدا كى لاتبقى صورة فأما ما ليس بمفيد فهو العبث۔

وفى فتاوىٰ اللجنة(۱۷۳/۶): س: ماحكم الصلاة فى النظارات الطبية:

ج: يجوز للانسان ان يصلى بالنظارات الطبية الا اذا كان استعمالها يمنع من تمكين المصلى جبهته او انفه من الارض فلا يجوز۔

(۲۳۰)بغیر عمامہ نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا پڑھانا کیسا ہے،آیا رسول اللہ ﷺ سے کوئی نماز بغیر عمامہ کے پڑھنا ثابت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......عمامہ باندھنا حضور ﷺ کی مبارک سنت ہے اور احادیث مبارکہ میں عمامہ باندھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اور عمامہ باندھنا اجر وثواب کا باعث ہے۔ چنانچہ بغیر عمامہ نماز پڑھنا اور پڑھانا اگرچہ جائز ہے لیکن (بعض روایات کے مطابق اگرچہ وہ ضعیف ہیں) عمامہ باندھ کر پڑھی گئی نماز کا ثواب بغیر عمامہ پہنے پڑھی گئی نماز کے مقابلے میں پچیس گنا زیادہ ہے لہٰذا بغیر عمامہ کے پڑھی گئی نماز میں پچیس گنا ثواب سے محرومی ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ سے بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا تتبع کے باوجود نہ مل سکا البتہ ننگے سر آپ ﷺ نے سوائے حالت احرام کے کبھی نماز نہیں پڑھی۔

لمافى المرقاة (۲۵۰/۸): وروى ابن عساكرعن ابن عمرمرفوعاصلاة تطوع او فريضة بعمامة تعدل خمسا وعشرين صلاة بلاعمامة وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بلا عمامة فهذاكله يدل على فضيلة العمامة مطلقا۔

وفى حاشية ملتقى الابحر(۲۲۲/۲):العمامة سنة نبوية شريفة غفل عنهاكثيرمن العلماء بل زهدواحتى فى تغطية الرأس مماليس من شعار الكفرةوقدقال على القارى رحمه الله ان رسول الله ﷺ ماصلى حاسرالرأس الافى احرامه۔

Marfat.com

فصل فی السنن والنوافل

(سنن اور نفل نمازوں کا بیان)

(۲۳۱) سنتوں کو اذان سے پہلے پڑھ لینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ظہر کی اذان سے قبل چار سنتیں پڑھنا کیسا ہے چاہے بعض مساجد میں اذان ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، یہ سنتیں وقت کی تابع ہیں یا اذان کے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اذان شریعت میں فرض نماز کیلئے مشروع ہوئی ہے اور یہ نماز کے دخول وقت کی علامت ہے البتہ نوافل اور سنتیں فرائض کے تابع ہیں لہٰذا ان کو فرض نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد ادا کیا جاسکتا ہے اگر چہ ابھی اذان نہ ہوئی ہو۔

لما فی الدر المختار(۱/۳۸۴): (و) سببه (بقاء دخول الوقت،وهو سنة) للرجال فی مكان عال (مؤكدة) هی كالواجب فی لحوق الاثم (للفرائض) الخمس(فی وقتها ولوقضاء) لأنه سنة للصلاة حتى يبرد به لا للوقت (لا) يسن (لغيرها) كعيد۔

(۲۳۲) صبح صادق کے بعد "نفل" سنت فجر شمار ہوگی

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تہجد کی نیت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ صبح صادق طلوع ہوگئی ہے تو کیا یہ دو رکعت سنت فجر سے کفایت کرے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی شخص تہجد کی نفل کی نیت کر کے نماز شروع کر دے بعد میں معلوم ہو جائے کہ صبح صادق طلوع ہو چکی ہے تو یہ دو رکعت فجر کی سنت ہی شمار ہوگی۔

لمافی الهندية(۱/۱۱۲): لوصلى ركعتين وهو يظن أن الليل باق فاذا تبين أن الفجر قد كان طلع ... قال المتأخرون يجزيه عن ركعتى الفجر ذكر الشيخ الامام الاجل شمس الائمة الحلوانى فى شرح كتاب الصلاة ظاهر الجواب أنه يجزيه عن ركعتى الفجر لان الاداء حصل فى الوقت۔

Marfat.com

(۲۳۳) اگر جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو سنت فجر کب پڑھی جائے؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اور امام نماز پڑھا رہا ہو تو بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی طرح یہ یقین یا ظن غالب ہو جائے کہ ایک رکعت جماعت سے مل جائے گی تو پھر فجر کی سنتوں کو پڑھ لینا چاہیے اور بعض فرماتے ہیں کہ اگر تشہد ہی مل جانے کی امید ہو تو پھر بھی پڑھ لینا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں اقوال میں سے کونسا قول راجح ہے تاکہ اس پر عمل کیا جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... آپ کے ذکر کردہ اقوال میں دوسرا قول راجح ہے یعنی اگر مقتدی کو صرف تشہد مل جانے کی امید ہو، تب بھی فجر کی سنتیں پڑھ لینی چاہئیں نیز اس صورت میں اس کو دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں گی، سنت فجر کی بھی اور جماعت کی بھی لہٰذا یہی بہتر ہے۔

لمافی الهندية(۱/۱۲۰): ولم يذكر في الكتاب أنه ان كان يرجو ادراك القعدة كيف يفعل فظاهر ما ذكر في الكتاب أنه ان خاف أن تفوته الركعتان يدل على أنه يدخل مع الامام وحكى عن الفقيه أبي جعفر أنه قال على قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ يصلى ركعتي الفجر لأن ادراك التشهد عندهما كادراك الركعة كذا في الكفاية۔

وفي الشامية(۲/۵۶): (وقيل التشهد) أى اذا رجا ادراك الامام في التشهد لا يتركها بل يصليها وان علم أن تفوته الركعتان معه ... قلت: لكن قواه في فتح القدير بما سيأتي من أن من ادرك ركعة من الظهر مثلا فقد أدرك فضل الجماعة وأحرز ثوابها كما نص عليه محمد وفاقا لصاحبيه وكذا لو ادرك التشهد يكون مدركا لفضيلتها على قولهم قال: وهذا يعكر على ماقيل إنه لورجا ادراك التشهد لايأتي بسنة الفجر على قول محمد والحق خلافه لنص محمد على ما يناقضه أى لان المدار هنا على ادراك فضل الجماعة وقد اتفقوا على ادراكه بادراك التشهد فيأتي بالسنة اتفاقا كما أوضحه في الشرنبلالية ايضا وأقره في شرح المنية الخ۔

(۲۳۴) فجر کی سنت کس وقت چھوڑ سکتا ہے

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فجر کی سنتیں کس وقت چھوڑنا جائز ہے نیز اگر مقتدی کو معلوم نہ ہو کہ کونسی رکعت ہے تو اس وقت سنت چھوڑنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... فجر کی سنت اس وقت چھوڑ سکتا ہے جبکہ فرض کی دونوں رکعات فوت ہو جانے کا خدشہ ہو، اور اگر

Marfat.com

یہ یقین ہو کہ امام کے ساتھ تشہد میں شریک ہو سکتا ہوں تو سنت چھوڑنا درست نہیں ہے۔

لمافی التاتارخانیة(۱/۶۴۷): اذا کان یرجوا دراك القعدة مع الامام صریحا انه یشتغل برکعتی الفجر: واشار الی انه یدخل مع الامام فانه قال: اذا خشی ان تفوته الرکعتان مع الامام دخل فی صلاة الامام وبه اخذ بعض المشایخ... ومنهم من قال علی قیاس قول ابی حنیفة و ابی یوسف رحمهما الله یجب ان یشتغل برکعتی الفجر اذا کان یرجوادراك الامام فی التشهد۔

وفی حلبی کبیر(ص۳۹۷): بخلاف سنة الفجرالفجر فانه یجوز اداؤها اذا علم انه یدرکه فی التشهد عندهما وعند محمد اذا علم انه یدرك الرکعة الثانیة۔

(۲۳۵) سنتِ فجر کی انفراداً قضاء کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک کارخانے میں ملازمت کرتا ہوں اللہ کے فضل سے نمازوں کی پابندی کرتا ہوں کبھی میری صبح جلدی آنکھ نہیں کھلتی جس کی وجہ سے صبح کی سنت رہ جاتی ہیں دن میں مصروفیت کی وجہ سے قضاء بھی نہیں کر پاتا تو کیا صبح کے فرائض کے فوراً بعد میرے لیے سنت پڑھنے کی گنجائش ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سنت فجر کی احادیث میں بہت تاکید وارد ہوئی ہے، اور سنن نماز میں سب سے زیادہ مؤکد سنت ہے۔اس لیے سنتِ فجر کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے۔اگر امام کے ساتھ تشہد ملنے کی امید ہو، اور جماعت فوت ہونے کا خوف نہ ہو تو سنت ادا کر کے جماعت میں شامل ہونا چاہیے، تاہم اگر کبھی سنت فجر قضاء ہو جائے تو اصولی طور پر سنت کی قضاء نہیں ہے۔البتہ سنت فجر کی تاکید بہت زیادہ وارد ہونے کی وجہ سے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر سنت فجر فرض کے ساتھ رہ جائے تو طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے پہلے اس کی قضاء بالاتفاق درست ہوگی۔اور اگر فجر کی سنتیں انفراداً بغیر فرض کے قضاء ہو جائیں تو بھی زوال سے قبل اسکی قضاء کر لینا بہتر ہے اور بعد از زوال صرف فرض کی قضاء ہوگی، سنت کی قضاء ساقط ہو جائے گی۔

لمافی الهندیة(۱/۵۳): ومنها ما بعد صلاة الفجر قبل طلوع الشمس هکذا فی النهایة والکفایة ولو افسد سنة الفجر ثم قضاها بعد صلوة الفجر لم یجزه الخ۔

(۱/۱۱۲)اقوی السنن رکعتا الفجر... والسنن اذا فاتت عن وقتها لم یقضها الا رکعتی الفجر اذا فاتتا مع الفرض یقضیهما بعد طلوع الشمس الی وقت الزوال ثم یسقط هکذا فی محیط السرخسی وهو الصحیح هکذا فی البحرالرائق، واذا فاتتا بدون الفرض لایقضی عندهما خلافا لمحمد رحمه الله تعالیٰ

وفی المراقی(ص۲۱۴): رکعتان قبل صلوة الفجر وهی اقوی السنن. وفی حاشیة الطحطاوی

Marfat.com

(ص۳۱۵) لكثرة ما ورد فيها من المرغبات ... وتقضى اذا فاتت مع الفرض دون غيرها الخ۔

وفی الشامية على الدر المختار(۱۴/۲): والسنن آكدها سنة الفجر اتفاقاً. فيه ايضاً(ص۱۵) ولا يجوز تركها لعالم صار مرجعاً فی الفتاویٰ ... وتقضى اذا فاتت معه۔

وفی الشامية تحته: (قوله فله تركها الخ) الظاهر ان معناه انه يتركها وقت اشتغاله بالافتاء ... وظاهر التفرقة بين سنة الفجر وغيرها. انه ليس له ترك الجماعة لانها من الشعائر فهی آكد من سنة الفجر ولذا يتركها لوخاف فوت الجماعة۔

وفی الشامية تحته: (قوله وتقضى) ای الى قبيل الزوال وقوله معه تنازعه قوله تقضى وفاتت فلا تقضى الامعه حيث فات وقتها. أما اذا فاتت وحدها فلا تقضى ولا تقضى قبل الطلوع ولا بعد الزوال ولو تبعاً على الصحيح۔

(۲۳۶) ظہر اور جمعہ سے پہلے کی سنتوں کی قضاء کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اردو فتاویٰ کا ایک دن مطالعہ کررہا تھا۔اس میں جمعہ کی سنت قبلیہ کے بارے میں لکھا تھا کہ اگر یہ کسی عذر کی بناء پر نماز جمعہ پڑھنے سے پہلے کوئی نہ پڑھ سکا تو وہ ساقط ہوجائیں گی۔ان کی قضاء نہیں۔اس لئے کہ اس بارے میں کوئی نص وارد نہیں اور ظہر کی سنت قبلیہ فوت ہونے کی صورت میں قضاء کرنے کے بارے میں روایت سے صراحت ثابت ہے جبکہ بعض دوسرے فتاویٰ میں قضاء کرنے کی ترتیب لکھی ہے کہ جمعہ کے فرض پڑھنے کے بعد پہلے چار سنتیں پڑھ لے پھر وہ شروع والی فوت شدہ چار سنتیں پڑھ لے جبکہ شروع میں بندہ نے خود اس پہلے قول کے مطابق عمل شروع کیا اب دوسرے فتاویٰ دیکھنے سے تردد میں پڑگیا کیونکہ دوسرے قول سے قضاء کرنا معلوم ہوتا ہے۔آپ سے درخواست ہے کہ قول راجح اور مفتی بہ کی طرف رہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔بینوا توجروا

الجواب بعون الملک الوھاب......فقہاء کرام کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی نماز کا قضا کرنا فرض یا واجب کے ساتھ مختص ہے۔اس لئے اگر سنن اپنے محل سے فوت ہوجائیں تو ان کی قضاء نہیں ہے۔تاہم صبح کی سنتیں زوال تک تبعاً للفرض قضاء کرنا درست ہے اسی طرح اگر کوئی شخص ظہر سے قبل کی چار رکعت سنت جماعت سے پہلے نہ پڑھ سکے تو جماعت کے بعد ان کی قضاء درست ہے۔ان دو وقت کی سنتوں کو نص کی وجہ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، جمعہ سے قبل کی سنتوں کے متعلق بھی بعض فقہاء کی یہی رائے ہے چنانچہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وحكم الاربع قبل الجمعة كالاربع قبل الظهر "بعض دوسرے فقہاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب وہ اپنے وقت سے فوت ہوجائیں تو جمعہ پڑھنے کے بعد نہیں پڑھی جائیں گی۔علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ ظہر کی سنتوں کی قضاء کے بارے میں نص موجود ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "كان رسول الله ﷺ اذا فاتته الاربع قبل الظهر

Marfat.com

صلاها بعد الرکعتین بعد الظهر'' (ابن ماجه، ص۸۰) ''یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ظہر سے پہلے کی چار سنتیں رہ جاتیں تو ان کو ظہر کے بعد کی دو رکعتوں کے بعد پڑھتے تھے'' جبکہ جمعہ سے قبل کی سنتوں کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے کہ وہ جمعہ کے بعد پڑھی گئی ہیں اور سنتوں میں اصل یہ ہے کہ ان کی قضاء نہ کی جائے اس لئے جمعہ سے پہلے کی سنتیں اگر فوت ہو جائیں تو نماز جمعہ پڑھنے کے بعد ان کی قضاء نہ کی جائے لہٰذا جن مفتیان کرام نے قضاء کا فتویٰ دیا ہے انہوں نے ظہر سے قبل کی چار سنتوں پر قیاس کیا ہے اور بعض فقہاء کرام کا یہ قول بھی ہے اور جن حضرات نے عدم قضاء کا فتویٰ دیا ہے انہوں نے اصول کو پیش نظر رکھا ہے البتہ احتیاط اس میں ہے کہ پڑھ لی جائیں۔

لمافی البحر الرائق(۲/۷۵):(وقضى التى قبل الظهر فى وقته قبل شفعه) بيان لشيئين احدهما القضاء والثانى محله اما الاول ففيه اختلاف والصحيح انها تقضى كما ذكره قاضيخان فى شرحه مستدلا بما عن عائشة رضى الله عنها ان النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا فاتته الاربع قبل الظهر قضاهن بعده وظاهر كلام المصنف انها سنة لا نفل مطلق الى ان قال وحكم الاربع قبل الجمعة كالاربع قبل الظهر كما لا يخفى۔

وفى الدرالمختار(۲/۵۸،۵۷): ولا يقضيها الا بطريق التبعية لقضاء فرضها قبل الزوال لا بعده فى الاصح لورود الخبر بقضائها فى الوقت المهمل، بخلاف القياس فغيره عليه لا يقاس بخلاف سنة الظهر وكذا الجمعة فانه ان خاف فوت ركعة يتركها ويقتدى ثم ياتى بها على انها سنة فى وقته اى الظهر.

وفى الشامية تحته: (قوله وكذا الجمعة) اى حكم الاربع قبل الجمعة كالاربع قبل الظهر كما لا يخفى بحر. وظاهره انه لم يره فى البحر منقولا صريحاً وقد ذكره القهستانى لكن لم يعزه الى احد. وذكر السراج الحانوتى ان هذا مقتضى مافى المتون وغيرها لكن قال فى روضة العلماء انها تسقط لما روى انه عليه الصلاة والسلام قال ''اذا خرج الامام فلا صلاة الا المكتوبة'' اقول وفى هذا الاستدلال نظر لانه انما يدل على انها لا تصلى بعد خروجه لاعلى انها تسقط بالكليه ولا تقضى بعد الفراغ من المكتوبة والالزم ان لا تقضى سنة الظهر ايضاً۔ فانه ورد فى حديث مسلم وغيره اذا اقيمت الصلوة فلا صلاة الا المكتوبة نعم قد يستدل للفرق بينهما بشى اخر وهو ان القياس فى السنن عدم القضاء كما مر وقد استدل قاضيخان لقضاء سنة الظهر بما عن عائشة رضى الله عنها ''ان النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا فاتته الاربع قبل الظهر قضاهن بعده'' فيكون قضاؤها ثبت بالحديث على خلاف القياس كمافى سنة الفجر، كماصرح به فى الفتح فالقول بقضاء سنة الجمعة يحتاج الى دليل خاص، وعليه فتنصيص المتون على سنة الظهر ينبئ على ان سنة

Marfat.com

الجمعۃ لیست کذالک فتأمل۔

(۲۳۷) تحیۃ المسجد سنتوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، سنت ظہر کی قضاء کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی ظہر یا جمعہ کی چار رکعات، فرضوں سے پہلے نہ پڑھ سکے تو آیا فرضوں کے بعد کی دو سنتوں کے بعد پڑھے گا یا پہلے؟ اسیطرح اگر کوئی شخص ظہر کی چار رکعات کی جگہ تحیۃ المسجد پڑھ لے تو یہ سنتوں کے قائم مقام ہو جائینگی؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ظہر کی چار سنتوں اور تحیۃ المسجد میں سے چار سنتوں کا مرتبہ اعلیٰ ہے اور یہ اصول ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ کی طرف سے قائمقام ہو سکتا ہے لیکن ادنیٰ اعلیٰ کی طرف سے قائمقام نہیں بن سکتا لہٰذا تحیۃ المسجد کی نیت سے ادا کی گئی نماز سے ظہر کی چار سنتیں ادا نہ ہوں گی البتہ اگر ظہر کی چار سنتوں کی نیت سے نماز پڑھتا ہے تو اس سے تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گی۔ نیز اسی طرح اگر چار رکعات سنتیں فرضوں سے پہلے رہ جائیں تو ان کو فرضوں کے بعد ادا کیا جائے گا البتہ دو سنتوں کے بعد ادا کرنا بہتر ہے۔

لمافی الشامیة(۵۹/۲): قوله وبه یفتی (اقول وعلیه المتون لکن رجح فی فتح القدیرتقدیم الرکعتین وقال وفی الامداد، فی فتاوی العتابی أنه المختار، وفی مبسوط شیخ الاسلام أنه الاصح لحدیث عائشة رضی الله عنها(انه علیه الصلاۃ والسلام کان اذا فاتته الاربع قبل الظهریصلیهن بعد الرکعتین) وهوقول الامام الاعظم ابی حنیفة رحمه الله تعالی۔

(۲۳۸) فجر، ظہر اور عصر کی سنتوں کا فرض کے بعد پڑھنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص کی فجر کی سنتیں رہ جائیں اور وہ فرض با جماعت پڑھ لے تو یہ سنتیں بعد میں پڑھی جا سکتی ہیں یا نہیں، اگر ادا کی جا سکتی ہیں تو کب تک؟ نیز ظہر، عصر کی چار رکعات جو پہلے ادا کی جاتی ہیں اگر ادا نہ ہو سکیں تو انہیں بعد میں ادا کیا جا سکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......اگر کسی کی فجر کی صرف سنتیں رہ جائیں تو طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک انکی قضا کر لینا بہتر ہے اسی طرح اگر ظہر سے پہلے کی چار سنتیں رہ جائیں تو ان کو ظہر کے وقت میں پڑھ سکتا ہے البتہ اگر عصر سے پہلے کی چار سنتیں رہ جائیں تو انہیں ادا نہیں کریگا کیونکہ عصر کی نماز کے بعد نوافل مکروہ ہیں۔

لمافی الشامیة(۵۷/۲): (قوله ولایقضیهاالابطریق التبعیة الخ) ای لایقضی سنة الفجرالااذافاتت مع الفجر فیقضیها تبعالقضائه لو قبل الزوال واماذافاتت وحدهافلا تقفی قبل طلوع الشمس

Marfat.com

بالاجماع لکراهة النفل بعدالصبح واما بعد طلوع الشمس فکذالك عندهما وعند محمدرحمه الله احب الیّ ان یقضیها إلی الزوال کمافی الدرر. قیل هذاقریب من الاتفاق۔

وفی الدر المختار(۲/۵۸): (بخلاف سنة الظهر) وکذا الجمعة (فإنه) إن خاف فوت رکعة (یترکها) ویقتدی (ثم یأتی بها) علی أنها سنة (فی وقته) ای الظهر (قبل شفعه) عند محمد وبه یفتی

وفی الشامیة تحته: (قوله فی وقته) فلا تقضی بعده لا تبعا ولا مقصودا بخلاف سنة الفجر۔

وفی الشامیة (۱/۳۷۵): (قوله بعد صلوة فجر وعصر) متعلق بقوله وکره ای وکره نفل الخ بعد صلاة فجر وعصر أی إلی ما قبیل الطلوع والتغیر الخ۔

(۲۳۹) فجر کی سنتوں کی قضا کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فجر کی سنتوں سے متعلق مسئلہ دریافت کرنا ہے۔اس سلسلے میں راجح اور مفتی بہ کیا ہے؟ شیخین اور امام محمد رحمہم اللہ میں کیا اختلاف ہے؟ اگر شیخینؒ کے نزدیک قضاء نہیں تو پھر شامیہ میں" وھذا قریب من الاتفاق " کیسے کہا گیا ہے؟ کیونکہ اگر قضاء نہیں تو پھر یہ تو صریح اختلاف ہی ہے۔ازراہِ کرم فجر کی سنتوں کی انفراداً قضاء سے متعلق مسائل کی مفصل تشریح فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں فجر کی سنتیں اگر فجر کے فرضوں کے ساتھ رہ جائیں تو بالاتفاق زوال سے قبل تک ان سنتوں کو مع الفرض قضاء کیا جاسکتا ہے۔اصولاً تو سنتوں کی قضاء نہیں اسی لیے فجر کے علاوہ اور کسی نماز کی سنتیں قضاء نہیں ہوتیں البتہ فجر کی سنتوں کی تاکید زیادہ ہے نیز لیلۃ التعریس میں آپ نے فجر کی نماز کی قضاء میں فرض کے ساتھ ساتھ سنتیں بھی قضاء فرمائی تھیں۔ لہٰذا یہ فجر کی سنتوں کی خصوصیت ہے کہ وہ اسی دن کے زوال تک مع الفرائض بالاتفاق قضاء کی جاسکتی ہیں۔

البتہ اگر صرف فجر کی سنتیں قضاء ہو جائیں اور فرض کو وقت کے اندر ہی ادا کرلیا جائے تو طلوعِ آفتاب کے بعد زوال تک اس کی قضاء ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلے میں شیخین اور امام محمد رحمہم اللہ کا اختلاف ہے شیخینؒ کے نزدیک فجر کی سنتوں کی انفراداً قضاء نہیں امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک انفراداً بھی زوال تک قضاء کرنا بہتر ہے۔

شیخین اور امام محمد رحمہم اللہ کے اس اختلاف کو ذکر کرکے ہی علامہ شامی رحمہ اللہ نے "وھذا قریب من الاتفاق "یعنی" یہ اختلاف اتفاق کے قریب ہے" کے الفاظ استعمال کئے ہیں اسے اتفاق کے قریب ہونے کی وجہ بھی خود علامہ رحمہ اللہ نے تحریر فرمائی ہے:

"قیل هذا قریب من الاتفاق لان قوله "احب الی" دلیل علی انه لو لم یفعل لا لوم علیه وقالا لا یقضی وان قضی فلا باس به کذا فی الخانیة"

Marfat.com

"کہا گیا ہے کہ یہ اتفاق کے قریب ہے کیونکہ امام محمدؒ کا قضاء کر لینے کو زیادہ بہتر کہنا اس بات پر دلیل ہے کہ اگر قضاء نہیں کی تو کوئی ملامت نہیں اور شیخین کا یہ کہنا کہ "قضاء نہیں کی جائے" اور اگر قضاء کر لی تو کوئی حرج نہیں یہی خانیہ میں ہے۔"

(شامیۃ ۲/۵۷)

یعنی شیخین کے نزدیک اصل یہ ہے کہ انفراداً فجر کی سنتیں قضاء نہ کی جائیں لیکن اگر کر لے تو کوئی حرج نہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک انفراداً قضاء کر لینا بہتر ہے لیکن اگر قضاء نہ کی تو کوئی ملامت نہیں یعنی اختلاف فرض اور حرام کا نہیں فقط اولیٰ اور خلافِ اولیٰ کا ہے لہٰذا یہ اختلاف تقریباً لفظی ہے اور نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ انفراداً بھی قضاء کر لینا ہی بہتر ہے کیونکہ یہ شیخینؒ کے نزدیک بھی حرام فعل نہیں لہٰذا قضاء ہی بہتر ہے۔

گویا فجر کی سنتوں کی قضاء سے متعلق چار صورتیں ہیں تین اتفاقی ہیں اور ایک میں صورتاً اختلاف ہے تین اتفاقی صورتیں یہ ہیں:

(۱)۔ طلوعِ آفتاب سے قبل بالاتفاق قضاء جائز نہیں چاہے فرض کے ساتھ ہوں یا انفراداً۔ کیونکہ طلوع سے قبل تو نوافل وغیرہ مکروہ ہیں۔

(۲)۔ زوال کے بعد بھی بالاتفاق ان سنتوں کی قضاء نہیں چاہے فرض کے ساتھ قضاء ہو یا انفراداً اس دن کے زوال کے بعد قضاء نہ ہوگی۔

(۳)۔ طلوعِ آفتاب کے بعد اور زوال سے قبل تبعاً للفرض بالاتفاق قضاء ہوگی۔ یعنی فجر کی سنتیں اگر فرض کے ساتھ قضاء ہو جائیں تو طلوع کے بعد اور زوال سے قبل بالاتفاق ان سنتوں کی قضاء ہوگی۔ یہ تین صورتیں اتفاقی ہیں۔ چوتھی صورت میں صورتاً اختلاف ہے۔

(۴)۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ فجر کی سنتیں انفراداً قضاء ہو جائیں۔ یعنی فرض وقت میں ادا کر لیا جائے سنتیں فقط قضاء ہو جائیں اور ان سنتوں کو طلوع کے بعد، زوال تک قضاء کیا جائے تو اس میں اختلاف ہے شیخینؒ کے نزدیک زوال سے قبل بھی ان کی قضاء نہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک طلوع کے بعد اور زوال سے قبل تک انفراداً بھی ان سنتوں کی قضاء کر لینا بہتر ہے۔ لیکن شیخینؒ کے نزدیک اگر قضاء کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر قضاء نہیں کی تو کوئی ملامت نہیں۔ لہٰذا یہ صورت بھی اتفاقی ہی ہے اور بہر حال انفراداً سنتوں کو بھی زوال سے قبل قضاء کر لینا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

لما فی الهندیة (۱/۱۱۲) (الباب التاسع فی النوافل): "والسنن اذا فاتت عن وقتها لم یقضها الا رکعتی الفجر اذا فاتتا مع الفرض یقضیهما بعد طلوع الشمس الی وقت الزوال ثم یسقط هكذا فی محیط السرخسی وهو الصحیح هكذا فی البحر الرائق" واذا فاتتا بدون الفرض لا یقضی عندهما خلافا لمحمد رحمه الله كذا فی محیط السرخسی۔

Marfat.com

وفی الشامیة (۲/۵۷) باب ادراك الفریضة :(قوله: ولا یقضیها الا بطریق التبعیة الخ) ای لا یقضی سنة الفجر الا اذا فاتت مع الفجر فیقضیها تبعا لقضائه لو قبل الزوال واما اذا فاتت وحدها فلا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع لکراهة النفل بعد الصبح واما بعد طلوع الشمس فکذا عندهما وقال محمد احب الی ان یقضیها الی الزوال کما فی الدرر قیل هذا قریب من الاتفاق لان قوله احب الی دلیل علی انه لو لم یفعل لا لوم علیه وقالا لا یقضی وان قضی فلا باس به کذا فی الخانیة۔ومنهم من حقق الخلاف وقال الخلاف فی انه لوقضی کان نفلا مبتدا او سنة کذا فی العنایة یعنی نفلا عندهما سنة عنده کذا ذکره فی الکافی اسماعیل۔

(۲۴۰) سنتوں کی تیسری رکعت میں خطبہ شروع ہو جائے تو کیا کرے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے چار رکعت سنتیں پڑھ رہا تھا۔جب وہ تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا، تو امام صاحب نے خطبہ شروع کیا۔تو اس نے فوراً قعدہ کی طرف واپس آ کر سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دیا۔تو ایک مولوی صاحب اس کے قریب کھڑے تھے۔انہوں نے دیکھا تو بعد میں اس سے کہا۔ایسی صورت میں آپ پر سجدہ سہو واجب نہیں ہے کیونکہ یہاں آپ سے سہو نہیں ہوا تھا بلکہ یہ تو شریعت کی طرف سے آپ کو حکم ہے۔تو کیا مولوی صاحب کی یہ بات صحیح ہے یا ایسے آدمی پر سجدہ سہو لازم ہو گا؟ دلائل کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......کوئی شخص جمعہ کے دن چار رکعت سنتیں پڑھ رہا ہو، اسی دوران خطبہ شروع ہو جائے تو اگر وہ ایک رکعت پڑھ چکا ہے تو دوسری رکعت ملا کر دو رکعت مکمل کر کے سلام پھیر دے اگر تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا تو اس صورت میں چار رکعت پوری پڑھنا لازم ہے۔لہٰذا مذکورہ شخص کو چار رکعت سنت پوری کرنی چاہیے تھی جو کہ اس نے پوری نہیں کی اس لئے اس کے ذمے اس کی قضاء لازم ہو گی۔

لمافی المحیط البرهانی(۲/۴۶۴): وان افتتح الصلاة بعد ما خرج الامام خففها و اتمها قال الشیخ الامام الاجل شمس الائمة الحلوانی رحمه الله ابهم الجواب فی الاصل فسره فی النوادر فقال ان کان صلی رکعة اضاف الیها اخری وسلم وان کان نوی اربعا عند التکبیر فان قید الثالثة بالسجدة اضاف الیها الرابعة وسلم وخفف القراءة فیها فیقرأ بفاتحة الکتاب وسورة قصیرة وان کان له ورد فی القراءة ترك الورد فی هذه الصورة واذا لم یقید الثالثة بالسجدة ماذا یصنع؟ لم یذکر هذا الفصل فی النوادر والمتاخرون فی هذا علی قولین منهم من قال یمضی فیها ویتمها اربعا ویخفف القراءة ومنهم من قال یعود الی القعدة وکان هذا القائل قاس هذه

Marfat.com

لسنة بمسئلة باب الخنثٰی۔

وفی الشامیة (۲/۲۶): (قوله ولا یصلی الخ) أقول قال فی البحر فی باب صفة الصلاة: إن ما ذکر مسلم فیما قبل الظهر، لما صرحوا به من أنه لا تبطل شفعة الشفیع بالانتقال إلی الشفع الثانی منها ولو أفسدها قضی أربعا الخ۔

وفی الدر المختار (۲/۱۵۹): (اذا خرج الامام) من الحجرة ان کان، والافقیامه للصعود شرح المجمعة (فلا صلاة ولا کلام الی تمامها) وان کان فیها ذکر الظلمة فی الاصح (خلا قضاء فائتة لم یسقط الترتیب بینها وبین الوقتیة) فانها لاتکره سراج وغیره لضرورة صحة الجمعة والا لا ولو خرج وهو فی السنة او بعد قیامه لثالثة النفل یتم فی الاصح ویخفف القراءة۔

وفی الشامیة (۲/۱۵۹): عزاه فی البحر الی الولوالجیة والمبتغی ولم یذکر مسئلة النفل فی الشرنبلالیة عن الصغری وعلیه الفتوی۔ قال فی البحر وما فی الفتح من أنه لو خرج وهو فی السنة یقطع علی رأس رکعتین ضعیف وعزاه قاضیخان الی النوادر۔

(۲۴۱) شرعی سفر میں سنت ونوافل کا حکم

سوال ..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے اکثر سفر پر جانا ہوتا ہے تو مجھ پر فرائض کے علاوہ سفر کے دوران سنتیں اور نوافل بھی پڑھنا ضروری ہے یا صرف فرائض پر اکتفاء کرنا کافی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب ..... شرعی سفر میں گاڑی وغیرہ کے نکلنے کا خوف ہو، یا جلدی ہو یا حالت سیر (یعنی چلنے کی حالت) ہو تو پھر صرف فرائض کی ادائیگی کافی ہے اور اگر حالت نزول (یعنی ٹھہرنے کی حالت) اور امن ہو، جلدی بھی نہ ہو تو اس حالت میں سنت مؤکدہ کا حکم وہی ہے جو حالت اقامت میں ہے۔ البتہ سنن غیر مؤکدہ اور نوافل پڑھ لینا افضل ہے۔

وفی الهندیة (۱/۱۳۹): وبعضهم جوزوا للمسافر ترک السنن والمختار انه لایاتی بها فی حال الخوف ویاتی بها فی حال القرار والامن۔

وفی الدر المختار (۲/۱۳۱): (ویاتی المسافر (بالسنن) ان کان (فی حال امن وقرار والا) بأن کان فی خوف وفرار (لا) یاتی بها هو المختار لانه ترک لعذر۔ تجنیس، قیل الاسنة الفجر۔

وفی الشامیة تحته: (قوله ویاتی المسافر بالسنن) ای الرواتب... (قوله هو المختار) وقیل الافضل الترک ترخیصا۔ وقیل الفعل تقربا۔ وقال الهندوانی: الفعل حال النزول والترک حال السیر... قلت: والظاهران مافی المتن هو هذا وان المراد بالامن والقرار النزول وبالخوف والفرار

Marfat.com

السير لكن قدمنا فی فصل القراءة أنه عبر عن الفرار بالعجلة لانها فی السفر تكون غالبا من الخوف تامل۔

(۲۴۲) سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ماموں کے گھر کے پاس جو مسجد ہے اس میں ہر نماز کے بعد خصوصاً جن نمازوں کے بعد سنتیں وغیرہ پڑھی جاتی ہیں۔ان نمازوں میں امام صاحب سنتوں سے فارغ ہوکر اجتماعی دعا کرواتے ہیں اور سب لوگ ان کے ساتھ شریک ہوکر آمین آمین باآواز بلند کہتے ہیں، آنجناب سے اسی مسئلہ کے متعلق یہ معلوم کرنا تھا کہ سنتوں کے بعد اس طرح اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کا مروجہ طریقہ کہ امام باآواز بلند دعا کرتا ہے اور سارے مقتدی آمین آمین کہتے ہیں اور بعض جگہ اس کو واجب اور اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ اگر امام سے دعا میں تاخیر ہوجائے تو اس پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے اور اس کے نہ کرنے والے پر ملامت کی جاتی ہے یہ بدعت کے زمرے میں آتا ہے۔لہٰذا شرعاً سنتوں کے بعد دعا کا اس طرح التزام درست نہیں اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لمافی اعلاء السنن (۳/۲۰۵): ورحم الله طائفة من المبتدعة فی بعض اقطار الهند حيث واظبوا على ان الامام ومن معه يقومون بعد المكتوبة بعد قرائتهم اللهم انت السلام ومنك السلام الخ۔

ثم اذا فرغوا من فعل السنن والنوافل يدعوالامام عقب الفاتحة جهراً بدعاء مرة ثانيةً والمقتدون يؤمنون على ذلك وقد جرى العمل منهم بذلك على سبيل الالتزام والدوام حتى ان بعض العوام اعتقدوا ان الدعاء بعد السنن والنوافل باجتماع الامام والمأمومين ضرورى واجب حتى انهم اذا وجدوا من الامام تاخيراً لاجل اشتغاله بطويل السنن والنوافل اعترضوا عليه قائلين: انا منتظرون للدعاء ثانياً وهو يطيل صلاته وحتى ان متولى المساجد يجبرون الامام الموظف على ترويج هذا الدعاء المذكور بعد السنن والنوافل على سبيل الالتزام ومن لم يرض بذلك يعزلونه عن الامامة ويطعنونه ولا يصلون خلف من لايصنع بمثل صنيعهم، وايم الله! ان هذا امر محدث فی الدين... وايضاً ففی ذلك من الحرج مالا يخفى وايضاً فقد مرّ ان المندوب ينقلب مكروهاً اذا رفع عن رتبته لأن التيمن مستحب فی كل شئ من امور العباداة لكن لماخشى ابن مسعودؓ ان يعتقدوا وجوبه اشار الى كراهته۔

Marfat.com

فکیف بمن اصرّ علی بدعة اومنکر؟... کان ذلك بدعة فی الدین محرمة... (وفی ص ۲۰۷) ویستحب ان یستقبل بعده ای بعد التطوع الناس ویستغفرون الله ثلاثاً۔۔۔۔۔ ثم یدعون لانفسهم وللمسلمین رافعی ایدهم الخ فانه لادلالة فیه علی قرائةکل ذلك والدعاء بعدهامجتمعین۔

وفی مرقاة المفاتیح(۲۶/۳): وقال الطیبی:وفیه ان من اصر علی امر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعة او منکر۔

(۲۴۳)دن اور رات میں نفل نمازیں،ان کی تعدادِ رکعات اوران کے اوقات کا بیان

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک مزدور آدمی ہوں اور پہلے نمازوں میں بہت کوتاہی کرتا تھا اب ایک دوست کی دعوت پر تبلیغ میں ایک چلہ لگایا جس سے زندگی میں کافی تبدیلی رونما ہوئی چنانچہ اب پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہوں اور چلہ کے دوران امیر صاحب نے دو نفل نمازیں بتائی تھیں،اشراق اور تہجد اس کے پڑھنے کی بھی کوشش کرتا ہوں۔سوال یہ ہے کہ فرض نمازوں کے علاوہ دن رات میں کتنی نفل نمازیں ہوتی ہیں اوران کے کیا اوقات ہیں اور کتنی کتنی رکعات ادا کی جاتی ہیں؟جواب مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......دن ورات میں فرض نمازوں کے علاوہ آپ نفل نمازیں جتنی چاہیں پڑھ سکتے ہیں ان کی کوئی تعداد متعین نہیں ہے بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہوالبتہ چند نفل نمازیں مخصوص ہیں ان میں:

(۱)۔نماز تہجد ہے اس کی کم سے کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں ہیں اس کا وقت نصف شب کے بعد شروع ہوتا ہے(سویا ہو یا نہ سویا ہو،ہاں سو کر اٹھنے کے بعد پڑھنا بہتر ہے)صبح صادق تک رہتا ہے۔

(۲)۔اشراق کی نماز ہے اس کی کم سے کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ چار رکعتیں ہیں اس کا وقت طلوعِ آفتاب ہونے کے بعد احتیاطاً پندرہ منٹ بعد شروع ہوتا ہے اور چاشت کی نماز تک رہتا ہے۔

(۳)۔چاشت کی نماز ہے اس کی کم سے کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں اس کا وقت بھی مکروہ وقت کے بعد سے شروع ہو کر زوال تک رہتا ہے لیکن افضل ومختار یہ ہے کہ ایک چوتھائی دن گزرنے کے بعد پڑھی جائیں۔

(۴)۔زوال کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعت

(۵)۔عصر کی فرض نماز پڑھنے سے پہلے چار رکعت

(۶)۔مغرب کی سنتیں پڑھنے کے بعد اوابین کی چھ رکعت

(۷)۔عشاء کی فرض نماز پڑھنے سے پہلے چار رکعت

Marfat.com

(۸)۔صلوۃ التسبیح کی چار رکعت روزانہ دن میں مکروہ وقت کے علاوہ اور رات میں جب بھی پڑھ لی جائیں ورنہ ہفتے یا مہینے یا سال یا زندگی میں ایک مرتبہ پڑھ لی جائیں۔

(۹)۔دورکعت تحیۃ الوضو

(۱۰)۔دورکعت تحیۃ المسجد

(۱۱)۔عشاء کے بعد صلوٰۃ التوبہ دورکعت

(۱۲)۔صلوٰۃ الحاجات دورکعت

(۱۳)۔دورکعت صلوٰۃ الاستخارہ

لمافی الھندیۃ(۱/۱۱۲): ومن المندوبات صلوۃ الضحیٰ واقلھا رکعتان واکثرھا ثنتا عشرۃ رکعۃ ووقتھا من ارتفاع الشمس الی زوالھا۔

وفی الدر المختار(۲/۲۲): وندب اربع فصاعدا فی الضحیٰ علی الصحیح من بعد الطلوع الی الزوال ووقتھا المختار بعد ربع النھار وفی المنیۃ اقلھا رکعتان واکثرھا اثنی عشر واوسطھا ثمان وھو افضلھا کما فی الذخائر الاشرفیۃ الخ۔

وفی الھندیۃ (۱/۱۱۲): وندب الاربع قبل العصر والعشاء وبعدھا والست بعد المغرب کذا فی الکنز... ومنھا (ای المندوبات) تحیۃ المسجد وھی رکعتان ومنھا رکعتان عقب الوضوء ومنھا صلاۃ الاستخارۃ وھی رکعتان ومنھا صلاۃ الحاجۃ وھی رکعتان ......واما صلوۃ التسبیح فذکرھا فی الملتقط یکبر ویقرأ الثناء ثم یقول سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر خمس عشرۃ الخ۔

وفی الدر المختار (۲/۱۳): ویستحب اربع قبل العصر وقبل العشاء وبعدھا بتسلیمۃ ... وست بعد المغرب لیکتب من الاوابین بتسلیمۃ اوثنتین او ثلاث والاول ادوم واشق:

وفی الشامیۃ تحتہ: (قولہ من الاوابین) جمع اواب: ای رجاع الی اللہ تعالیٰ بالتوبۃ والاستغفار (قولہ بتسلیمۃ اوثنتین او ثلاث) جزم بالاول فی الدرر، وبالثانی فی الغزنویۃ و بالثالث فی التجنیس کمافی الامداد لکن الذی فی الغزنویۃ مافی التجنیس ... فکان المستحب فیہ ثلاث تسلیمات لیکون علی نسق واحد قال ھذا ماظھرلی ولم ارہ لغیری۔

وفی الشامیۃ (۱/۳۷۳): واعلم ان الاوقات المکروھۃ نوعان الاول الشروق والاستواء والغروب والثانی مابین الفجر والشمس وما بین صلوۃ العصر الی الاصفرار: فالنوع الاول

Marfat.com

لاينعقد فيه شئ من الصلوات التى ذكرناها اذا شرع بها فيه وتبطل ان طرأ عليها الا صلاة جنازة حضرت فيها وسجدة تليت آيتها فيها وعصر يومه والنفل والنذر المقيدبها وقضاء ماشرع به فيها ثم افسده فتنعقد هذه الستة بلا كراهة اصلا فى الاولى منها ومع الكراهة التنزيهية فى الثانية والتحريمية فى الثالثة وكذا فى البواقى لكن مع وجوب القطع والقضاء فى وقت غير مكروه: والنوع الثانى ينعقد فيه جميع الصلوات التى ذكرناها من غير كراهة الاالنفل والواجب لغيره فانه ينعقد مع الكراهة فيجب القطع والقضاء فى وقت غير مكروه اهـ۔

وفى الدر المختار (۲/۲۴): وصلاة الليل واقلها على مافى الجوهرة ثمان ولو جعله اثلاثا فالاوسط افضل ولو انصافا فالاخير افضل

وفى الشامية تحته: (قوله ولو جعله اثلاثا الخ) اى لو اراد ان يقوم ثلثة وينام ثلثيه فالثلث الاوسط افضل من طرفيه لان الغفلة فيه اتم والعبادة فيه اثقل ولو اراد ان يقوم نصفه وينام نصفه فقيام نصفه الاخير افضل لقلة المعاصى فيه غالبا الخ۔

(۲۴۴) میت کیلئے بطور ایصالِ ثواب نوافل پڑھنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱)۔میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے ان کے جو کپڑے وغیرہ ہیں یہ کپڑے کن کو دینا جائز ہیں مؤذن یا مدرسہ میں اوران کیلئے نوافل پڑھی جائے تو اس کی کیا نیت ہوگی؟

(۲)۔جس وقت یہ نوافل پڑھی جاتی ہے تو اسی وقت کی نسبت ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)۔آپ کے والد صاحب کے کپڑے ان کے ترکے میں شامل ہوں گے یہ تمام ورثاء کی ملکیت ہوں گے البتہ اگر سب ورثاء اپنی رضامندی سے کسی ضرورت مند کو صدقہ کردیں تو درست ہے بشرطیکہ ورثاء میں کوئی نابالغ نہ ہو۔

(۲)۔عام نفل کی طرح نیت کر کے میت کو ایصالِ ثواب کریں، اس وقت کی طرف منسوب کرنا ضروری نہیں، اس کے علاوہ کسی مدرسہ میں یا محتاج کو صدقہ وغیرہ کر کے بھی ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔

لمافى الفقه الاسلامى وادلته (۷۷۴۲۶/۱): التركة لغة مايتركه الشخص ويبقيه، واصطلاحاً عند الحنفية الاموال والحقوق المالية التى كان يملكها الميت فتشمل الاموال المادية من عقارات ومنقولات وديون على الغير .والحقوق العينية التى ليست مالاً، ولكنها تقوم بمال أو تتصل به۔

Marfat.com

وفی الشامية (۲/۲۴۳): تنبيه: صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغير بان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أوغيرها كذا فی الهداية، بل فی زكاة التتارخانية عن المحيط: الافضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات لانها تصل اليهم ولا ينقص من أجره شئ اهـ هو مذهب اهل السنة والجماعة۔

وفی الدرالمختار (۱/۴۱۷): ولا عبرة بنية متأخرة عنها على المذهب وجوزه الكرخی رحمه الله الى الركوع و كفى مطلق نية الصلاة وان لم يقل لله لنفل وسنة راتبة وتراويح على المعتمد اذ تعيينها بوقوعها وقت الشروع، والتعيين احوط، ولا بد من التعيين عند النية

وفی الشامية تحته:(قوله وكفى الخ) أی بان يقصد الصلوة بلا قيد نفل أو سنة أو عدد (قوله لنفل) هذا بالاتفاق۔

(۲۴۵) نفل کی نیت سے فرض نماز پڑھنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دفعہ میں نے غلطی سے نفل کی نیت سے فرض نماز پڑھ لی تو اب میں کیا کروں، نماز کو دوبارہ لوٹا دوں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نیت کہتے ہیں دل کے ارادے کو، اور زبان سے تلفظ کرنا اگرچہ مستحسن ہے مگر نماز کے صحیح ہونے کیلئے شرط نہیں، اس لئے دل کے ارادے کا اعتبار ہوگا۔ لہٰذا اگر نیت سے مقصود فرض نماز تھی لیکن غلطی سے زبان سے نفل نکل گیا تو اس سے نماز کی صحت میں کوئی فرق نہیں آئے گا بلکہ دل کے قصد کا اعتبار کر کے نماز کو درست کہا جائے گا۔

لمافی الهندية (۱/۶۵): (الفصل الرابع فی النية)النية ارادة الدخول فی الصلواة والشرط ان يعلم بقلبه ای صلاة يصلی وادناها مالو سئل لامكنه ان يجيب على البديهة وان لم يقدر على ان يجيب الابتامل لم تجزصلاته ولا عبرة للذكر باللسان۔

وفی الشامية (۱/۴۱۵): (قوله ان خالف القلب) فلو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهواً اجزأه كما فی الزاهدی قهستانی۔

(۲۴۶) سنت نماز یا دوگانہ نماز کے تحیۃ المسجد وتحیۃ الوضو کے قائم مقام ہونے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ظہر کی چار سنتیں پڑھ کر مسجد میں جائے تو تحیۃ المسجد پڑھنا کیسا ہے؟ اور ان چار رکعت کے بعد تحیۃ الوضو پڑھنا کیسا ہے؟ اسی طرح تحیۃ الوضو وتحیۃ المسجد دونوں کی نیت کر کے صرف دو رکعت پر

Marfat.com

اکتفا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ظہر کی سنتیں پڑھ کر مسجد پہنچنے کے بعد اگر وقت باقی ہو تو تحیۃ المسجد پڑھنا درست ہے۔ تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو دونوں کے لئے ایک نماز کافی ہے، بلکہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد جو بھی نماز پڑھی جائے گی تحیۃ المسجد ادا ہو جائے گی اسی طرح وضو کرنے کے بعد جو بھی نماز پڑھی جائے گی تحیۃ الوضو ادا ہو جائے گی۔

لمافی الدر المختار(۲۲/۲): (وندب رکعتان بعد الوضوء) یعنی قبل الجفاف، کما فی الشرنبلالیة عن المواهب۔

وفی الشامية تحته: (قوله وندب رکعتان بعد الوضو)... وانظر هل تنوب عنهما صلاة غيرهما كالتحية ام لا؟ ثم رأيت فی شرح لباب المناسك ان صلاة ركعتی الاحرام سنة مستقلة كصلاة استخارة وغيرها مما لا تنوب الفريضة منا بها بخلاف تحية المسجد وشكر الوضوء فانه ليس لهما صلاة على حدة كما حققه فی الحجة۔

(۲۴۷) سنت اور نفل نماز گھر میں پڑھنا لازمی نہیں، بلکہ افضل ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم چار بھائی ہیں سب سے بڑا بھائی سعودیہ میں رہتا ہے اور سال، دو سال بعد گھر آتے ہیں حال ہی میں وہ سعودیہ سے آئے جب نماز کا وقت ہو گیا ہم مسجد چلے گئے جماعت سے فارغ ہو کر وہ گھر واپس آئے اور میں نے سنت اور نفل وہاں مسجد میں پڑھی جب میں گھر آیا تو اس نے مجھے تاکید کی کہ فرض نماز مسجد میں ادا کیا کریں اور باقی تمام سنت اور نوافل گھر پر ادا کیا کرو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور اپنے گھروں میں نماز ادا کرو، لہٰذا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اپنے بھائی جان کی زبانی سنا تو میں بھی اسی پر عمل کرتا ہوں جس کا مجھے حکم ملا، اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا سنت اور نفل نماز گھر پر پڑھنا لازمی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سنت اور نفل نماز گھر پر پڑھنا لازمی نہیں بلکہ افضل ہے حدیث شریف میں ہے کہ "آدمی کا سوائے فرض نمازوں کے باقی نمازیں گھر میں پڑھنا میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے" بشرطیکہ سنت اور نفل پڑھنے کیلئے گھر لوٹ کر جانے سے نمازی کو کسی کام میں مشغول ہو جانے کا خوف نہ ہو، گھر میں نماز پڑھنے سے نمازی کے خشوع وخضوع میں کمی واقع ہونے کا خوف نہ ہو تو گھر میں پڑھنا افضل ہے ورنہ مسجد ہی میں پڑھنا چاہیے۔

لمافی اعلاء السنن(۶۵/۷): والامر للاستحباب لان الاجازة وردت فی التطوع فی المسجد ايضاً كما يدل عليه الحديث الثانی من الباب وسيأتی تقريره قال المؤلف: النوافل التی فيها الجماعة مستثناة من هذا العموم. وكذلك تحية المسجد للاحاديث التی وردت فيها۔

Marfat.com

قولہ عن انس الخ' قال المؤلف دلالته على الجزء الثانى من الباب كماقرره النووى ونصه: وفيه جواز النفل فى المسجد. فانها كانت تصلى النافلة فيه فلم ينكر عليها۔(۱/۲۶۶)

وفى الهندية(۱/۱۱۳): الافضل فى السنن والنوافل المنزل لقوله عليه السلام صلاة الرجل فى المنزل افضل الا المكتوبة الخ۔

وذكر الحلوانى الافضل ان يودّى كله فى البيت الا التراويح ومنهم من قال يجعل ذلك احيانا فى البيت والصحيح ان كل ذلك سواء فلا تختص الفضيلة بوجه دون وجه ولكن الافضل ما يكون ابعد من الرياء واجمع للاخلاص والخشوع كذا فى النهاية۔

وفى الشامية(۲/۲۲): (قوله والافضل فى النفل الخ) شمل ما بعد الفريضة وما قبلها، لحديث الصحيحين ''عليكم الصلاة فى بيوتكم فان خير صلاة المرء فى بيته الا المكتوبة'' واخرج ابو داؤد ''صلاة المرء فى بيته افضل من صلاته فى مسجدى هذا الا المكتوبة'' وتمامه فى شرح المنية وحيث كان هذا افضل يراعى مالم يلزم منه خوف شغل عنها لوذهب لبيته، او كان فى بيته ما يشغل باله ويقلل خشوعه فيصليها حينئذ فى المسجد لان اعتبار الخشوع ارجح

(قوله غير التراويح) اى لانها تقام بالجماعة ومحلها المسجد. واستثنى فى شرح المنية ايضا تحية المسجد وهو ظاهر۔

(۲۴۸)نفل نماز میں قراءۃ سبعہ پڑھنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ الحمدللہ میں نے لاہور سے قرأت سبعہ مکمل پڑھ لی جس میں ہمیں بعض قرأت شاذہ بتاتے ہیں بعض مشہورہ اور بعض متواترہ میرا ارادہ ہوا کہ ہر ایک قرأت میں نوافل میں ختم کروں لیکن مسائل سے ناواقف ہوں میں نے کہا کہیں ایسا نہ ہو کہ نیکی کے بجائے گناہ سرلوں، اس لئے آپ سے التماس ہے کہ میری رہنمائی فرمائیں کہ میں اس طرح پڑھ سکتا ہوں میری نماز میں تو کوئی خلل نہ آئے گا اس لئے کہ اگر ان کو نماز میں پڑھنا گناہ ہو، اس سے باز رہوں لیکن ساتھ ذہن میں خدشہ ہوتا ہے جب ان سے نماز فاسد ہوتی پھر ان کو پڑھنا کیسے جائز ہوگا قراء اس کی تعلیم بھی نہ دیں؟ اسی طرح قاری عاصم کوفی کے علاوہ دیگر ائمہ کی قرأت کو پڑھنا نماز میں کیسا ہے؟ جلد جواب عنایت فرمائیں بندہ اپنے معمولات شروع کرنے کیلئے آپ کے جواب کا منتظر ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب.....قراءۃ سبعہ نماز میں پڑھنا جائز ہے۔البتہ جماعت کی نماز میں امام نہ پڑھے اور یہ کہ جماعت کی نماز میں عام لوگوں کا قرأت کے بارے میں تشویش میں پڑھنے کا قوی اندیشہ ہے عام لوگ اس بارے میں جاہل ہوتے ہیں۔ایک

Marfat.com

قرأت مشہورہ کے علاوہ دوسری قراءتوں کا ان کو پتہ ہی نہیں ہوتا۔ اگر وہ دوسری قرأت سنیں گے۔ تو بعض مرتبہ جہالت کی وجہ سے بعض لوگ اس کے قرأت ہونے کا انکار کردیتے ہیں، یا مذاق اڑانا شروع کردیتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ عوام کو گناہ گار ہونے سے بچانے کیلئے جماعت کی نماز میں قرأت مشہورہ (روایت حفصؒ) میں تلاوت کرے۔ ہاں اگر دوسری قرأت پڑھنا چاہے تو نفل نماز میں پڑھ سکتے ہیں، ان قرأت کے پڑھانے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ اس کے پڑھانے پر ان شاء اللہ تعالیٰ اجر وثواب ملے گا اور یہ قرأت سبعہ فصیح اور صحیح ہیں۔

لمافی الهندية(۷۹/۱): وفی الحجة قرائة القرآن بالقرا آت السبعة والروايات كلها جائزة ولكنی أرى الصواب أن لا يقرأ القرأة العجيبة بالإمالات والروايات الغريبة۔

وفی الدر المختار (۵۴۱/۱): ويجوز بالروايات السبع، لكن الأولى ان لا يقرأ بالغريبة عند العوام صيانةً لدينهم

وفی الشامية تحته: أی بالروايات الغريبة والإمالات، لأن بعض السفهاء يقولون مالا يعلمون فيقعون فی الإثم والشقاء ولا ينبغی للأئمة أن يحملوا العوام على مافيه نقصان دينهم، ولا يقرأ عندهم مثل قرائة ابي جعفر وابن عامر وعلى بن حمزة والكسائی صيانة لدينهم فلعلهم يستخفون أو يضحكون وإن كان كل القراء ات والروايات صحيحة: فصيحة ومشائخنا اختاروا قراء ة أبي عمرو حفص عن عاصم۔

وفی حاشية الطحطاوی على الدر (۲۳۶/۱): (قوله ويجوز بالروايات السبع) لا وجه للتقييد بالسبع بل يجوز الى العشر كما نص عليه اهل الأصول (قوله صيانةً لدينهم) لأن بعض السفهاء ربما يقع فی الإثم فلا يقرأ عند العوام بقرائة أبي جعفر وابن عامر وحمزة و الكسائی صيانةً لدينهم فربما يستخفون أو يضحكون وإن كانت كلها صحيحة فصيحة ومشائخنا اختار واقراء ة أبي عمرو وحفص عن ابن عامر أبو السعود عن شارح المنية۔

(۲۴۹) بغیر عذر کے نوافل نہ پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری دلی خواہش تھی کہ میرا کوئی بیٹا عالم بن جائے تو میں نے ایک بیٹے کو پڑھنے کیلئے کراچی بھیج دیا وہ اس سال فراغت حاصل کرکے مفتی بن رہا ہے جب وہ گھر آتا ہے تو نمازوں کے وقت صرف فرائض وسنن پڑھ کر چلا جاتا ہے نوافل نہیں پڑھتا اور کہتا ہے نوافل لازمی نہیں ہیں پڑھو تو ثواب ہے نہ پڑھو تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ کیا واقعی اس کی بات صحیح ہے کہ نوافل لازم نہیں اگر کوئی بغیر عذر کے نوافل چھوڑ دے تو گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......نوافل اور مستحبات کی دین میں بڑی اہمیت ہے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ روز قیامت فرائض کی کمی بیشی کو پورا فرمادیں گے اور ان میں سستی بھی نہیں کرنی چاہیے تاہم اگر کوئی نوافل کو بغیر عذر کے بھی ترک کرتا ہے تو وہ قابل عتاب اور مواخذہ نہیں۔لہٰذا آپ کے بیٹے کی بات درست ہے۔

لمافی ردالمحتار(۱/۱۰۲): اعلم ان المشروعات اربعة اقسام. فرض وواجب وسنة ونفل فما كان فعله اولى من تركه مع منع الترك ان ثبت بدليل قطعي ففرض او بظني فواجب. وبلا منع الترك ان كان مما واظب عليه الرسول ﷺ أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة والا فمندوب ونفل والسنة نوعان: سنة الهدى، وتركها يوجب اساءة وكراهية كالجماعة والاذان والاقامة ونحوها۔ وسنة الزوائد وتركها لايوجب ذالك كسير النبى عليه الصلوٰة والسلام فى لباسه وقيامه وقعوده. والنفل ومنه المندوب يثاب فاعله ولا يسيئ تاركه، قيل وهو دون سنن الزوائد۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته(۲/۱۰۵۵): ''فصلاة التطوع: هى ما طلب فعلها من المكلف زيادة على الفرائض طلباً غير جازم، وتكمل به صلاة الفرض يوم القيامة. ان لم يكن المصلى اتمها. وفيه حديث صحيح مرفوع رواه احمد فى المسند...وحكمها: أنه يثاب على فعلها ولايعاقب على تركها''۔

(۲۵۰)اشراق اور چاشت ایک وقت میں پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک طالبعلم ہوں درجہ ثانیہ میں پڑھتا ہوں اللہ کے فضل سے تہجد، اشراق اور اوابین کا اہتمام کرتا ہوں لیکن پڑھائی کی وجہ سے چاشت ادا نہیں کرپاتا چونکہ اساتذہ کرام چھٹی نہیں دیتے۔ جمعرات اپنے شیخ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا آپ چاشت کو اشراق کے ساتھ ادا کرلیا کرو۔ چونکہ وہ عالم نہیں ہیں اس لئے ان کی بات سے دل مطمئن نہیں ہوا، اب آپ حضرات میری رہنمائی کریں کہ اشراق اور چاشت ایک وقت میں پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اشراق اور چاشت دونوں نمازوں کا وقت ایک ہے، البتہ سورج نکلنے کے فوراً بعد جو نماز پڑھی جاتی ہے بعض حضرات نے اس کو اشراق کہا ہے۔اور جو تھوڑی دیر بعد جبکہ سورج بلند ہوجائے پڑھی جاتی ہے اس کو چاشت کہا ہے۔لہٰذا اشراق اور چاشت کو ایک وقت میں پڑھنا صحیح ہے۔

لمافی الهندية (۱/۱۱۲): (ومن المندوبات صلوة الضحى) واقلها ركعتان واكثرها ثنتا عشرة ركعة ووقتها من ارتفاع الشمس الى زوالها۔

Marfat.com

وفی الدر المختار(۲/۲۲): (و) ندب (اربع فصاعدا فی الضحی) علی الصحیح من بعد الطلوع الی الزوال، ووقتها المختار بعد ربع النهار۔

وفی الشامیة تحته: (قوله من بعد الطلوع) عبارة شرح المنیة من ارتفاع الشمس۔ (قوله ووقتها المختار) ای الذی یختار ویرجح لفعلها وهذاعزاه فی شرح المنیة الی الحاوی، وقال: لحدیث زید بن ارقم ان رسول الله ﷺ قال ((صلاة الاوابین حین ترمض الفصال'' رواه مسلم۔ وترمض بفتح التاء والمیم ای تبرک من شدة الحر فی اخفافها اهـ۔

(۲۵۱) کیا عورت اپنے گھر میں تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھ سکتی ہے؟

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مولانا صاحب نے اس جمعرات کو ہمارے محلے کی مسجد میں بیان فرمایا جس کے اندر مرد اور خواتین کی اکثریت نے شرکت کی مولانا صاحب نے فرمایا کہ جب انسان مسجد آئے تو وضو کرنے کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد پڑھ لے۔ اس کے انہوں نے کافی فضائل سنائے تو محلے کی عورتیں فضائل سن کر پڑھنے کو تیار ہوگئیں لیکن ان کو علم نہیں کہ عورتیں بھی تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ یا صرف یہ نمازیں مردوں کیلئے ہیں۔ آپ حضرات صحیح رہنمائی فرمائیں کہ عورتیں تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب……جس طرح مرد تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح عورتیں بھی تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھ سکتی ہیں البتہ خوف وفتنہ کی وجہ سے عورت کا مسجد میں جانا ممنوع قرار دیا گیا ہے تو گھر میں جو جگہ نماز کیلئے مخصوص کی ہو جس طرح اس میں اعتکاف کیلئے بیٹھ سکتی ہے اسی طرح اگر اس جگہ میں تحیۃ المسجد بھی پڑھ لیں تو انشاء اللہ اجر ملے گا اور تحیۃ الوضوء کسی جگہ کے ساتھ خاص نہیں ہے اس لئے عورت بھی تحیۃ الوضوء پڑھ سکتی ہے۔

لمافی مسند احمد(۷/۴۲۱): عن ام سلمة (رضی الله تعالیٰ عنها) عن رسول الله ﷺ أنه قال ''خیر مساجد النساء قعر بیوتهن''۔

وفی الهندیة(۱/۱۱۲): (ومن المندوبات صلاة الضحی) الی ان قال (ومنها) تحیة المسجد وهی رکعتان (ومنها) رکعتان عقیب الوضوء۔

وفی الدر المختار مع الشامیة(۲/۱۸،۱۹): (ویسن تحیة) رب (المسجد وهی رکعتان وأداء الفرض) أو غیره وکذا دخوله بنیة فرض أو اقتداء وتکفیه لکل یوم مرة ولا تسقط بالجلوس عندنا بحر۔

وفیه ایضاً(۲۲): (قوله وندب رکعتان بعد الوضوء) لحدیث مسلم ''مامن أحد یتوضاء فیحسن الوضوء ویصلی رکعتین یقبل بقلبه ووجهه علیهما الا وجبت له الجنة'' خزائن۔

Marfat.com

(۲۵۲) بیٹھ کر نوافل پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہو کر؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر پرانے وقت کے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ ظہر کے بعد مغرب کے بعد اسی طرح عشاء کے بعد کے نوافل بیٹھ کر پڑھتے ہیں جب ان سے پوچھا جائے تو کہتے ہیں نوافل بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے اب معلوم یہ کرنا ہے کہ واقعی نوافل بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے؟ کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے یا بیٹھ کر پڑھنے میں ثواب برابر ملے گا؟ حالت صحت اور بیماری میں حکم یکساں ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نفل نماز میں شرعاً قاعدہ یہ ہے کہ عام حالات میں کھڑے ہو کر پڑھنے میں پورا ثواب ملتا ہے اور بغیر کسی عذر کے بیٹھ کر پڑھنے میں ثواب کم ہوگا۔ اس کے برخلاف بیماری کی حالت میں آدمی کو اپنی عبادت کا پورا ثواب ملتا ہے۔ خواہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرے یا بیٹھ کر یا جس طرح ممکن ہو، اور اگر مریض تحمل مشقت کرتے ہوئے کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے تو ایسی صورت میں اس مریض کو مشقت برداشت کرنے پر جو کامل اجر وثواب ملے گا، اسی طرح کا مریض اگر رخصت پر عمل کرتے ہوئے بیٹھ کر نماز پڑھ لیتا ہے تو اس کو کھڑے ہونے والے مریض کی بہ نسبت آدھا ثواب ملے گا جو کہ عام تندرست آدمی کی کامل نماز کے پورے ثواب کے برابر ہوگا۔ اور عذر کی وجہ سے اس کے ثواب میں کمی نہ ہوگی۔

لمافی فتح الباری (۴۶۷/۲): قال: قال الخطابی کنت تأولت هذاالحدیث علی ان المراد به صلاة التطوع یعنی للقادر لکن قوله من صلی نائما یفسده لان المضطجع لایصلی التطوع کما یفعل القاعد، لانی لا احفظ عن احد من اهل العلم انه رخص فی ذلك... وقد رأیت الآن ان المراد بحدیث عمران المریض المفترض الذی یمکنه ان یتحامل فیقوم مع مشقة فجعل اجر القاعد علی النصف من اجر القائم ترغیباً له فی القیام مع جواز قعوده... فمن صلی فرضا قاعدا وکان یشق علیه القیام اجزأه وکان هو ومن صلی قائما سواء کما دل علیه حدیث انس رضی الله عنه وعائشة رضی الله عنها فلو تحامل هذا المعذور وتکلف القیام ولو شق علیه کان أفضل لمزید اجر تکلف القیام فلا یمتنع ان یکون اجره علی ذلك نظیر اجره علی الصلاة فیصح ان اجر القاعد علی النصف من اجر القائم ومن صلی النفل قاعدا مع القدرة علی القیام اجزأه وکان اجره علی النصف من اجر القائم بغیر اشکال الخ۔

وفی اعلاء السنن(۱۲۵،۱۲۶،۱۲۷/۶): اجعلوا اخر صلوتکم من اللیل وترا الخ... وقد ورد مایخالفه ایضاً ففی صحیح مسلم فی حدیث طویل ثم یصلی النبی صلی الله علیه وسلم بعد الوتر رکعتین بعد ما یسلم وهو قاعد۔ واخرج الدار قطنی فی سننه عن ام سلمة رضی الله عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلی

Marfat.com

رکعتین خفیفتین بعد الوتر وھو جالس... واخرج الدارمی والطحاوی والدار قطنی واللفظ لھما عن ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ قال کنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فقال ''ان السفر جھد وثقل فاذا اوتر احد کم فلیرکع رکعتین فان استیقظ والا کانتالہ، وفی التعلیق المغنی اسنادہ جید وفی آثار السنن اسنادہ حسن... وأخرج الطحاوی عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ''ان النبی ﷺ کان یصلیھما بعد الوتر وھو جالس یقرأ فیھما، اذا زلزلت وقل یآیھا الکفرون، واسنادہ حسن:

والتطبیق بینھما وبین حدیث الباب بوجوہ منھا ماذکرہ الحافظ فی الفتح بما نصہ، وقد ذھب الیہ (ای الی مشروعیۃ التنفل بعد الوتر)بعض اھل العلم وجعلوا الامر فی قولہ اجعلوا اخرصلاتکم من اللیل وتراً۔ مختصاً بمن اوتر آخر اللیل۔ وقال العبد الضعیف: معناہ اوتروا فی اللیل مرۃ لامرتین لتکون اخر صلوتکم باللیل وترا فان من اوتر مرتین فقد جعل آخر صلاتہ باللیل شفعاً... وحمل بعضھم حدیث الرکعتین بعد الوتر علی الجواز، وامر الایتار اخر اللیل علی الاستحباب...

قال النووی فی شرح مسلم ھذا الحدیث (ای حدیث الرکعتین بعد الوتر) اخذ بظاھرہ الاوزاعی واحمد فیما حکاہ القاضی عنھما۔ فأباحا رکعتین بعد الوتر جالساً... قلت والصواب ان ھاتین الرکعتین فعلھما علیہ السلام بعد الوتر جالسا لبیان جواز الصلاۃ بعد الوتر، وبیان جواز النفل جالسا، ولم یواظب علی ذلک بل فعلہ مرۃ او مرتین او مرات قلیلۃ۔ وانما تأولنا حدیث الرکعتین جالسا لان الروایات المشھورۃ فی الصحیحین وغیرھما عن عائشۃ مع روایۃ خلائق من الصحابۃ فی الصحیحین مصرحۃ بان اخر صلاتہ ﷺ فی اللیل کان وتراً۔ وفی الصحیحین احادیث کثیرۃ مشھورۃ بالامر بجعل اخر صلاۃ اللیل وترا فکیف یظن بہ علیہ السلام مع ھذہ الاحادیث واشباھھا انہ یداوم علی الرکعتین بعد الوتر ویجعلھما اخر صلاۃ اللیل؟ وانما معناہ ماقدمناہ من بیان الجواز وھذا الجواب ھو الصواب۔

(۲۵۳)بیٹھ کرنماز پڑھنے میں آدھے ثواب کا حکم فرائض یانوافل سب میں ہے یاصرف نوافل میں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کہا جاتا ہے کہ بیٹھ کرنماز پڑھنے سے ثواب آدھا ملتا ہے اگر معذوری نہ ہوتو؟ مثلاً ایک شخص بخار کی حالت میں ہے یابدن، ہاتھ میں اچھا خاصا درد ہو، یا تھکاوٹ بہت لگ رہی ہو، اس صورت میں

Marfat.com

بھی نماز کھڑے ہو کر پڑھنی چاہیئے، کیا صرف فرض نماز میں ثواب آدھا ہوجاتا ہے یا سنت اور نفل میں بھی آدھا ہوجاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......فرض نماز میں رکوع اور سجدہ کی طرح قیام بھی فرض ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص بغیر عذر کے فرض نماز بیٹھ کر پڑھے گا تو اس کی نماز ہی نہ ہوگی اور اگر کوئی شخص معذور ہو، مثلاً قیام پر قدرت نہ رکھتا ہو، یا قیام کرنے سے بیماری بڑھنے کا خدشہ ہو تو اس صورت میں اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو اس کو نماز کا پورا ثواب ملے گا، البتہ نوافل میں قیام فرض نہیں ہے اس لئے اگر کوئی شخص بغیر عذر کے بیٹھ کر نفل پڑھے گا تو اس کو نماز کا آدھا ثواب ملے گا اور اگر کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھے گا تو پورا ثواب ملے گا۔

لما فی الصحیح لمسلم(۱/۲۵۳): وعن عبدالله بن عمرو رضی الله عنه قال: حدثت أن رسول الله ﷺ قال صلوۃ الرجل قاعداً نصف الصلاۃ، قال فأتیته فوجدته یصلی جالسا فوضعت یدی علی رأسه فقال: مالك یا عبدالله بن عمرو قلت حدثت یا رسول الله أنك قلت ''صلوۃ الرجل قاعدا علی نصف الصلاۃ'' وأنت تصلی قاعدا قال اجل ولکنی لست کأحد منکم

وفی جامع الترمذی(۱/۸۵): (باب ماجاء ان صلاۃ القاعد علی النصف من صلاۃ القائم) عن عمران بن حصین قال سألت رسول الله ﷺ عن صلاۃ الرجل وهو قاعد فقال من صلی قائما فهو افضل ومن صلاها قاعدا فله نصف أجر القائم ....وقال سفیان الثوری فی هذا الحدیث من صلی جالسا فله نصف أجر القائم قال هذا للصحیح ولمن لیس له عذر فأما من کان له عذر من مرض أوغیره فصلی جالسافله مثل أجر القائم۔

وفی الشامیة (۱/۴۴۵): (قوله القادر علیه) فلو عجز عنه حقیقة وهو ظاهر أو حکما کما لو حصل له به ألم شدید أوخاف زیادۃ المرض وکالمسائل الآتیة فی قوله وقد یتحتم القعود الخ فإنه یسقط۔

(۲۵۴) سنت فجر گھر میں پڑھ کر آنے والے کیلئے تحیۃ المسجد کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص فجر کی سنتیں گھر میں پڑھے اور پھر مسجد میں آئے تو کیا وہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تمام سنتوں کی طرح سنت فجر بھی گھر میں پڑھنا افضل ہے اور طلوع فجر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ لہٰذا جو شخص گھر میں سنت فجر پڑھ کر مسجد آئے تو اس کے لئے تحیۃ المسجد پڑھنا درست نہیں بلکہ اسے چاہیئے کہ تیسرا کلمہ اور درود شریف پڑھے یہ پڑھنے سے اسے تحیۃ المسجد پڑھنے کا ثواب مل جائے گا اور اگر مسجد میں آتے ہی فرض نماز میں مشغول ہوگیا تو پھر فرض نماز تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوجائے گی اگرچہ اس نے تحیۃ المسجد کی نیت نہ کی ہو۔

لما فی قاضی خان(۱/۳۶): ورکعتی الطواف وتحیة المسجد أولم یکن لها سبب بعد طلوع الفجر

Marfat.com

قبل صلوة الفجر لايجوز إلا سنة الفجر وبعد الفريضة قبل طلوع الشمس۔

وفی الهندية(۱/۵۲): منها مابعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر كذا فی النهاية والكفاية يكره فيه التطوع بأكثر من سنة الفجر۔

وفی الشامية(۲/۱۸): وركعتان أو اربع وهی أفضل لتحية المسجد الا اذا دخل فيه بعد الفجر أو العصر فإنه يسبح ويهلل ويصلی علی النبی ﷺ فإنه حينئذ يؤدی حق المسجد كما اذا دخل للمكتوبة فانه غير ماموربها حينئذ كمافی التمرتاشی۔

(۲۵۵) تہجد کی کم سے کم مقدار کیا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تہجد کی کم تعداد کتنی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ نے کم سے کم تہجد کتنی رکعات پڑھیں، دو یا چار رکعات تہجد ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... تہجد کی اقل مقدار کی احادیث میں کوئی تصریح موجود نہیں ہے البتہ فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اقل مقدار دو رکعت ہے۔

لمافی الشامية(۲/۲۵): وهذا بناء علی ان اقل تهجده ﷺ كان ركعتين وان منتهاه كان ثمانی ركعات الی ان قال اقول فينبغی القول بان اقل التهجد ركعتان واوسطه اربع واكثره ثمان۔

(۲۵۶) صلاۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ ان سے اصلاحی تعلق قائم کرلوں انہوں نے میری درخواست قبول کرلی اور مجھے کچھ معمولات بتائے جن میں سے ایک صلوٰۃ التسبیح بھی ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ صلوٰۃ التسبیح ضرور پڑھا کرو اب مجھے معلوم نہیں ہے کہ یہ کیسے پڑھی جاتی ہے۔ اب آپ حضرات اس کے پڑھنے کا طریقہ بتادیں نیز یہ بھی بتائیں کہ صلوٰۃ التسبیح پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صلاۃ التسبیح بڑی اہم نماز ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ نماز بڑی تاکید کے بعد بطور تحفہ سکھائی تھی۔ امام حاکم نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے صحیح ہونے پر یہ دلیل ہے کہ تبع تابعین کے زمانہ سے ہمارے زمانہ تک مقتداء حضرات اس پر مداومت کرتے اور لوگوں کو تعلیم دیتے رہے ہیں جن میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ یہ چار رکعات والی نماز ہے جس میں تین سو مرتبہ تسبیحات پڑھی جاتی ہیں۔

Marfat.com

۱...... نیت: چار رکعت صلوۃ التسبیح کی نماز پڑھ رہا ہوں ''اللہ اکبر'' پھر ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لے اور حسب معمول ثناء پڑھے، ثناء یہ ہے:

"سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك وتعالى جدُّك، ولا إله غيرك"

پھر أعوذ بالله من الشيطان الرجيم اور بسم الله الرحمٰن الرحيم پڑھ کر سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے پھر پندرہ مرتبہ یہ تسبیح پڑھے:

"سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر"

۲...... رکوع میں جانے کے بعد حسب معمول تین مرتبہ "سبحان ربي العظيم" پڑھے پھر دس مرتبہ مذکورہ بالا تسبیح پڑھے اس کے بعد رکوع سے اٹھے۔

۳...... رکوع سے اٹھتے ہوئے پہلے حسب معمول "سمع الله لمن حمده" کہے اور کھڑا ہو کر "ربنا لك الحمد" کہے پھر کھڑے کھڑے دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھے۔

۴...... پھر "الله أكبر" کہتے ہوئے سجدے میں جائے اور حسب معمول "سبحان ربي الأعلى" تین مرتبہ پڑھے پھر سجدے میں دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھے اس کے بعد "الله أكبر" کہہ کر سجدے سے اٹھے۔

۵...... سجدے سے اٹھ کر بیٹھے اور بیٹھے بیٹھے دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھے پھر "الله أكبر" کہہ کر دوسرے سجدے میں جائے۔

۶...... دوسرے سجدے میں جا کر حسب معمول پہلے "سبحان ربي الأعلى" تین مرتبہ پڑھے پھر سجدے میں دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھے۔

۷...... دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر مذکورہ بالا تسبیح دس مرتبہ پڑھے، پھر دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے۔

اس طرح ایک رکعت میں پچھتر (۷۵) مرتبہ یہ تسبیحات پڑھی گئیں اسی طرح باقی تین رکعتیں بھی پڑھ لے۔ یوں چار رکعتوں میں کل تین سو تسبیحات ہو جائیں گی دوسری اور چوتھی رکعت کے قعدے میں یہ تسبیحات التحیات پڑھنے کے بعد پڑھے۔

*...... حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور طریقہ بھی ثابت ہے، وہ طریقہ یہ ہے:

''نیت باندھنے کے بعد ثناء پڑھے اور اس کے بعد پندرہ مرتبہ یہ تسبیحات پڑھے پھر اعوذ باللہ، بسم اللہ، سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کی قراءت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے ان تسبیحات کو دس مرتبہ پڑھے پھر دوسرے سجدے تک دس دس مرتبہ پڑھتا رہے، دوسرے سجدے سے اٹھتے ہوئے ان تسبیحات کو نہ پڑھے بلکہ سجدے سے براہ راست ''اللہ اکبر'' کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان دونوں طریقوں سے صلوۃ التسبیح پڑھنی چاہیئے کبھی پہلے طریقے سے کبھی دوسرے طریقے سے۔ یہ نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سکھائی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھی ہے یا نہیں یہ بات تتبع کے باوجود نہیں مل سکی۔

Marfat.com

لمافی المشکوۃ (ص۱۱۷): صلوۃ التسبیح ۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال للعباس بن عبدالمطلب یا عباس یا عماہ الا اعطیك الا امنحك الا اخبرك الا افعل بك عشر خصال اذا انت فعلت ذالك غفراللہ لك ذنبك اوله واخره قدیمه وحدیثه خطأه وعمده صغیره وكبیره سره وعلانیته ان تصلی اربع ركعات تقرء فی كل ركعة فاتحة الكتاب وسورة فاذا فرغت من القرائة فی اول ركعة وانت قائم قلت سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر خمس عشرة مرة ثم تركع فتقولها وانت راكع عشرا ثم ترفع راسك من الركوع فتقولها عشرا ثم تهوی ساجدا فتقولها وانت ساجد عشراً ثم ترفع راسك من السجود فتقولها عشرا ثم تسجد فتقولها عشرا ثم ترفع راسك فتقولها عشرا فذالك خمس وسبعون فی كل ركعة تفعل ذالك فی اربع ركعات ان استطعت ان تصلیها فی كل یوم مرة فافعل۔۔الخ۔

وفی مرقاة المفاتیح(۳/۲۷۷): وینبغی للمتعبد ان یعمل بحدیث ابن عباس تارة ویعمل بحدیث ابن مبارك أخرى۔

(۲۵۷) صلوٰۃ التسبیح میں چھوٹ جانے والی تسبیح کو دوسرے رکن میں پڑھنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مولانا صاحب نے مجھے فرمایا کہ آپ ہفتہ میں ایک مرتبہ صلوٰۃ التسبیح پڑھا کرو میں نے معمول بنالیا کہ جمعہ والے دن اذان کے فوراًبعد پڑھا کروں گا اس جمعہ کو میں نے پڑھنا شروع کی تو پہلی رکعت میں رکوع سے اٹھنے کے بعد کی تسبیحات بھول گیا پھر میں نے سجدے میں دوگنی پڑھ دیں گویا کہ تین سوتعداد مکمل ہوگئی آیا میری نماز صحیح ہوگئی یادوبارہ لوٹانا ضروری ہوگا صلوٰۃ التسبیح میں تسبیحات پڑھنا واجب ہیں یا مسنون یا مستحب ان کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صلوٰۃ التسبیح پڑھنا مستحب ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے اس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی ہر رکعت میں ۷۵ مرتبہ تسبیح پڑھی جاتی ہے جن کی تعداد چار رکعات میں ۳۰۰ بنتی ہے اور اس میں اصل مطلوب ۳۰۰ کا عدد پورا کرنا ہے اور ان تسبیحات کا پڑھنا مسنون عمل ہے اگر کسی سے ایک رکن میں تسبیح ادا کرنا رہ گئی تو وہ دوسرے رکن میں دگنی ادا کر کے تعداد پوری کر سکتا ہے پس صورت مسئولہ میں جب آپ نے رکوع سے اٹھنے کی تسبیحات کو سجدے میں ادا کرلیا تو تسبیحات کی تعداد مکمل ہوگئی اس لیے آپ کی نماز درست ہے دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

لمافی الهندیة(۱/۱۱۲): (ومن المندوبات)... واما صلوة التسبیح فذکرها فی الملتقط یكبر ویقرأ الثناء ثم یقول سبحان الله والحمدلله ولا اله الا الله والله اكبر خمس عشر مرة ثم یتعوذ ویقرأ فاتحة الكتاب وسورة ثم یقرأ هذه الكلمات عشرا وفی الركوع عشرا وفی القیام عشرا وفی كل

Marfat.com

سجدة عشرا وبین السجدتین عشرا ویتمها اربع رکعات۔

وفی الشامیة(۲/۲۷): والطعن فی ندبها بأن فیها تغییرا لنظم الصلوة انما یتاتی علی ضعف حدیثها فاذا ارتقی الی درحة الحسن اثبتها... قال الملا علی فی شرح المشکاة مفهومه انه سها ونقص عددا من محل معین یاتی به فی محل آخر تکملة للعدد المطلوب قلت و استفید انه لیس له الرجوع الی المحل الذی سها فیه وهو ظاهر وینبغی کما قال بعض الشافعیة ان یاتی بما ترك فیما یلیه ان کان غیر قصیر فتسبیح الاعتدال یاتی به فی السجود اما تسبیح الرکوع فیاتی به فی السجود ایضا لافی الاعتدال لانه قصیر قلت وکذا تسبیح السجدة الاولیٰ یاتی به فی الثانیة لافی الجلسة لان تطویلها غیر مشروع عندنا علی مامر فی الواجبات۔

(۲۵۸) مغرب کی دوسنتوں کے بعد نوافل کا حکم

سوال......کیافرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱)......اکثر لوگ عموماً مغرب کی دوسنت کے بعد دورکعت نفل پڑھتے ہیں، آیا مغرب کی دوسنت کے بعد دورکعت نفل پڑھنا مسنون ہے حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

(۲)......صلوٰۃ الاوابین کی کل کتنی رکعت ہیں فرض کے بعد والی دورکعت سنت کو بھی صلوٰۃ الاوابین میں شمار کرسکتے ہیں یا نہیں مثلاً دورکعت سنت کے ساتھ چاررکعت اور ملالیں تو چھ رکعت صلوٰۃ الاوابین بن گئی یا دورکعت سنت کے علاوہ چھ رکعت پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)۔نمازِ مغرب کی دوسنتوں کے بعد نوافل کا پڑھنا یقیناً باعث اجر وثواب ہے، جیسا کہ متعدد روایات میں اس کی تصریح موجود ہے لیکن سنتوں کی ادائیگی کے بعد دورکعت نفل پڑھنے کو مسنون قرار دینے کی صراحت بندہ کو نہ مل سکی البتہ مستحب کہہ سکتے ہیں۔

(۲)۔متعدد روایات میں صلاۃ الاوابین کی رکعات کی تعداد چھ(۶) ملتی ہے اگرچہ اس سے کم وبیش کی بھی صراحت موجود ہے۔ چنانچہ افضل صورت یہی ہے کہ دورکعت سنت مؤکدہ کی ادائیگی کے بعد چھ(۶) رکعت صلاۃ الاوابین کی مستقل ادائیگی کی جائے البتہ مشاغل کی کثرت کی وجہ سے چاررکعت پر اکتفا کرکے دورکعت سنت مؤکدہ کو بھی ساتھ شمار کیا جاسکتا ہے۔

لما فی کنزالعمال(۷/۳۸۶): ۱۹۴۲۱۔ من صلی بعد المغرب رکعتین قبل أن یتکلم کتبتا فی علیین۔

وفیه ایضاً(۷/۳۹۲): ۱۹۴۵۱۔ من صلی أربع رکعات بعد المغرب کان کمن عقب غزوة بعد غزوة فی سبیل الله عزوجل (أبو الشیخ عن ابن عمر)۔

وفی الشامیة(۲/۱۴): (قوله وهل تحسب المؤکدة) أی فی الأربع بعد الظهر وبعد العشاء والست بعد المغرب بحر (قوله إختار الکمال) نعم ذکر الکمال فی فتح القدیر أنه وقع إختلاف بین أهل

Marfat.com

عصره فی أن الأربع المستحبة هل هی أربع مستقلة غیر رکعتی الراتبة أو أربع بهما؟ وعلی الثانی هل تؤدی معهما بتسلیمة واحدة أو لا، فقال جماعة لا، واختار هو أنه إذا صلی أربعا بتسلیمة أو تسلیمتین وقع عن السنة والمندوب. وحقق ذلك بما لا مزید علیه وأقره فی شرح المنیة والبحر والنهر۔

(۲۵۹) دو رکعت نماز نفل میں متعدد نوافل کی نیت کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ساتھی نے بتایا نفل دو رکعت میں جتنے دوسرے نوافل کی نیت کرو سب ادا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً دو رکعت نفل نماز میں اگر کوئی شخص حاجت کی نماز، توبہ کی نماز، شکرانے کی نماز، اشراق چاشت کی نماز کی نیت کرتا ہے تو دو رکعت نفل پڑھنے سے سب نمازیں ادا ہو جائیں گی۔ کیا ان کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہے تو دو رکعت نفل مطلقاً ادا ہو جائیگی یا ان میں سے جس کی نیت پہلے کی ہوگی وہ ادا ہوگی یا کوئی بھی ادا نہ ہوگی۔ کیا اس طرح نیت کرنا صحیح ہے زیادہ ادا نہ ہوں ایک دو ادا ہو جائے مثلاً دو رکعت میں توبہ شکرانے کی نماز کی نیت کرلے یا توبہ حاجت کی نماز کی نیت کرلے۔ جلدی جواب دیں اللہ آپ کو ثواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......آپ کے ساتھی کی بات صحیح ہے کہ دو رکعت نفل میں جتنی نوافل کی نیت کرو سب ادا ہو جاتی ہیں۔ البتہ وہ نوافل جو کسی وقت کے ساتھ موقت ہیں یا ذوات الاسباب ہیں تو ان کے ادا ہونے کیلئے وقت اور سبب کا پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً دو رکعت نفل میں اشراق کی نیت کی جائے تو اشراق تب ادا ہوگی جب اشراق کا وقت موجود ہو یا دو رکعت نفل میں تحیۃ المسجد کی نیت کی جائے تو تحیۃ المسجد تب ادا ہوگی جب دخول مسجد ہو۔

لما فی الصحیح للبخاری(۱/۲): .... علقمة ابن وقاص اللیثی یقول سمعت عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه علی المنبر یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ مانوی۔

وفی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح(ص۲۱۶): ثم انه ان جمع بین عبادات الوسائل فی النیة صح کما لو اغتسل لجنابة وعید وجمعة اجتمعت ونال ثواب الکل وکما لو توضا لنوم وبعد غیبة وأکل لحم جزور وکذا یصح لو نوی نافلتین او اکثر کما لو نوی تحیة مسجد وسنة وضوء وضحی وکسوف۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته(۱/۶۶۹): وان کانت الصلاة نافلة: فیجب تعیینها ان کانت معینة او موقتة بوقت کصلوة الکسوف والاستسقاء والتراویح والوتر والسنن الرواتب۔

Marfat.com

(۲۶۰) موٹر سائیکل پر نفل پڑھنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے مطالعہ کا بہت شوق ہے چند روز قبل دوران مطالعہ میں نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے حالات میں پڑھا ہے کہ انہوں نے دوران سفر سواری پر بیٹھے بیٹھے نفل ادا کئے تو کیا آج بھی سواری پر بیٹھ کر اشارہ سے نوافل پڑھنا جائز ہے؟ میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے روزانہ دو ڈھائی گھنٹے سفر کرنا پڑتا ہے اگر میں بھی دوران سفر سواری پر نفل نماز اشارے سے پڑھتا رہوں تو میرے لئے جائز ہوگا؟ نیز اگر میں موٹر سائیکل خود چلاؤں تو پھر نفل پڑھ سکتا ہوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....صورت مسئولہ میں نفل نماز حالتِ سفر میں سواری پر پڑھنا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے لہٰذا ہمارے فقہاء کرام نے شہر سے باہر نفل نماز اشارہ سے پڑھنے کے جواز کے قول کو اختیار کیا ہے۔البتہ اگر سواری خود چلا رہا ہے تو شرط یہ ہے کہ عمل کثیر نہ پایا جائے اگر سواری چلاتے وقت عمل کثیر پایا گیا تو نماز درست نہ ہوگی۔اور چونکہ موٹر سائیکل چلاتے وقت عام طور سے عمل کثیر پایا جاتا ہے اس لیے موٹر سائیکل چلاتے ہوئے نماز پڑھنا درست نہیں۔

لما فی الشامية (۳۸/۲): (قوله خارج المصر) هذا هو المشهور، وعندهما یجوز فی المصر. لکن بکراهة عند محمد لانه یمنع من الخشوع وتمامه فی الحلیة۔

(قوله محل القصر) : بالنصب بدل من خارج المصر وفائدته شمول خارج القریة وخارج الاخبية ح ای المحل الذی یجوز للمسافر قصر الصلاة فیه وهو الصحیح بحر......

(قوله ولو سیرها):ذکره فی النهر بحثا اخذا من قولهم اذا حرك رجله أو ضرب دابته فلا بأس به اذا لم یکن کثیرا۔

(۲۶۱) وتروں کے بعد دو رکعت کا مخصوص سورتوں کے ساتھ ثبوت

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وتروں کے بعد دو رکعت مخصوص سورتوں کے ساتھ ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہو تو ان کی ترتیب اور فضیلت بھی بیان فرمادیں۔بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب.....وتروں کے بعد دو رکعت مخصوص سورتیں، سورۃ الزلزال اور سورۃ الکافرون کے ساتھ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے۔البتہ ان کو لازم نہ سمجھا جائے۔کبھی کبھار ترک بھی کر دینا چاہیئے تا کہ واجب کا اعتقاد نہ رہے۔ابن خزیمہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ تم رات کے قیام کو لازم پکڑو کیونکہ بے شک یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ رہا ہے اور قربت کا ذریعہ ہے اور گناہوں کا کفارہ ہے اور گناہوں سے روکنے کا ذریعہ ہے اور طبرانی میں ہے کہ جو نماز، نمازِ عشاء کے بعد سونے سے پہلے پڑھی جائے وہ صلوۃ اللیل میں شمار ہوتی ہے۔

Marfat.com

لما فی مشکوۃ المصابیح (ص۱۱۳): عن ام سلمة ان النبی ﷺ کان یصلی بعد الوتر رکعتین۔

وفیه ایضاً: عن ثوبان عن النبی ﷺ قال ان هذا السهر جهد وثقل فاذا اوتر احدکم فلیرکع رکعتین فان قام من اللیل والا کانتا له۔

وفیه ایضاً: عن ابی امامة (رضی الله عنه) ان النبی ﷺ کان یصلّیهما بعد الوتر وهو جالس یقرأ فیهما اذا زلزلت وقل یایها الکفرون۔

وفی الشامیة(۲/۲۴): قال فی البحر، فمنها مافی صحیح مسلم مرفوعاً افضل الصلاة بعد الفریضة صلاة اللیل، وروی الطبرانی مرفوعاً ((لابد من صلاة بلیل ولو حلب شاة وما کان بعد صلاة العشاء فهو من اللیل)) وهذا یفید ان هذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلاة العشاء قبل النوم۔

وفیه ایضاً(۶/۳۸۱): وکذا قالوا بسنیة قرائة السور الثلاثة فی الوتر مع الترك احیاناً لئلا یعتقد وجوبها۔

(۲۶۲) فوت شدہ نماز کے بارے میں یاد نہیں کہ کونسی تھی تو اس کی قضا کرنے کا حکم

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چار سال قبل میں ساتھیوں کے ساتھ کسی تفریحی مقام پر پکنک منانے گیا تھا اور میں نے قصداً اور سستی کی وجہ سے نماز نہیں پڑھی، لیکن اب میں اس پر بہت نادم ہوں اور مجھے وہ نماز بھی یاد نہیں ہے کہ ظہر کی نماز چھوڑی تھی یا عصر کی تو اب میں کیا کروں کوئی شرعی حل بتائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب..... اگر کسی سے کوئی نماز فوت ہوجائے لیکن اس کو یہ یاد نہ ہو کہ کونسی نماز فوت ہوئی ہے تو یہ آدمی پورے دن کی نمازوں کی قضا کرے۔ صورت مسئولہ میں آپ کو چونکہ صرف ظہر اور عصر میں تردد ہے اس لئے صرف ان دونوں کی قضاء کر لیں۔

لما فی فتاویٰ سراجیة(ص۱۶): رجل فاتته صلاة من یوم ولیلة ولا یدری ایة صلاة هی اعاد صلاة یوم ولیلة احتیاطاً۔

وفی الهندیة(۱/۱۲۴): رجل نسی صلاة ولا یدریها ولم یقع تحرّیه علی شئ یعید صلاة یوم ولیلة عندنا کذا فی الظهیریة۔

(۲۶۳) چھوڑی ہوئی نمازوں اور روزوں کی قضاء کا حکم

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری عمر پچاس سال ہے اللہ پاک نے کافی مال سے

Marfat.com

نوازا ہے اور اولاد بھی دی ہے لیکن آج تک میں احکام خداوندی سے دور تھا نماز اکثر چھوڑ دیتا تھا روزے بھی کبھی رکھ لیے اور کبھی چھوڑ دیے اب سے کچھ عرصہ پہلے ایک جماعت والے آئے وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے میں نے ایک چلہ جماعت کے ساتھ لگایا تو اب ندامت ہوتی ہے میں نے ساری عمر ضائع کی ہے تو اسی وقت اللہ پاک سے توبہ کرلی اور آئندہ نماز نہ چھوڑنے کا عزم کیا ہے۔ کیا جتنے روزے اور نمازیں چھوڑ دیں معاف ہوجائیں گی یا ان کیلئے مزید کوئی اور حکم ہے؟ مہربانی فرماکر میری رہنمائی کریں میں انتہائی پریشان ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جتنے روزے اور نمازیں آپ نے چھوڑی ہیں ان سب کی قضاء آپ پر لازم ہے۔ قضاء کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت سے استغفار بھی کریں اس لیے کہ بغیر عذر نماز، روزہ، وغیرہ کو چھوڑنا بہت سخت گناہ ہے۔

لمافی مصنف ابن ابی شیبه(۲/۳۴۷): عن سعید بن المسیب قال جاء رجل النبی ﷺ فقال انی افطرت یوماً فی رمضان۔ فقال له النبی ﷺ تصدق واستغفرالله وصم یوماً مکانه۔

وفی الدر المختار(۲/۶۵): والقضاء فعل الواجب بعد وقته۔ (وفیه ،۶۲/۲) اذ التاخیر بلا عذر کبیرة لاتزول بالقضاء بل بالتوبة او الحج

وفی الشامیة تحته: قوله (لاتزول بالقضاء) وانما یزول اثم الترك فلا یعاقب علیها اذا قضاها واثم التاخیر باق بحر۔

(۲۶۴) وقتی اور فوت شدہ نمازوں میں ترتیب کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کی فجر، ظہر، عصر، مغرب کی نمازیں قضا ہوجائیں تو ترتیب کے ساتھ یہ نمازیں پڑھنا ضروری ہے یا بغیر ترتیب بھی پڑھنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی سے فجر کی نماز رہ گئی تو ظہر کی جماعت کا وقت ہوجانے پر کیا پہلے فجر کی نماز پڑھنا ضروری ہے یا ظہر کی نماز پڑھ کر پھر فجر پڑھ لیں، امام ومقتدی کے اعتبار سے اس مسئلے میں کچھ فرق ہے یا دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... (۱)۔ کسی کی فجر، ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں قضاء ہوجائیں، اگر وہ شخص صاحب ترتیب ہے (صاحب ترتیب اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ذمے چھ نمازیں باقی نہ ہوں، چاہے پرانی ہوں یا نئی مسلسل ہوں یا متفرق، اگر کسی کے ذمے چھ نمازوں کی قضاء باقی ہو تو وہ صاحب ترتیب نہیں) تو ترتیب کے ساتھ ان نمازوں کو ادا کرنا اس کیلئے ضروری ہے۔ اگر صاحب ترتیب نہیں تو ترتیب کا لحاظ رکھنا بہتر ہے اور بغیر ترتیب کے پڑھنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح کسی کی فجر کی نماز رہ گئی ابھی تک ادا نہیں کرسکا تھا کہ ظہر کی جماعت کا وقت ہوگیا اگر وہ امام ہے اور صاحب ترتیب بھی ہے تو اس صورت میں اگر مقتدی حضرات امام کے قضاء نماز ادا کرنے تک انتظار کو گوارا کرتے ہوں تو امام پہلے قضاء نماز پڑھے بعد میں جماعت کرائے، اگر مقتدی حضرات انتظار کو گوارا نہیں کرتے تو

Marfat.com

کسی اور شخص سے جماعت کروائے اور خود پہلے قضاء نماز پڑھے بعد میں وقتی نماز، اگر وہ شخص امام نہیں بلکہ عام آدمی ہے تو صاحب ترتیب ہونے کی صورت میں اس کیلئے بھی پہلے قضاء نماز ادا کرنا ضروری ہوگا بعد میں وقتی نماز پڑھے گا۔ صاحب ترتیب نہ ہونے کی صورت میں پہلے وقتی نماز پڑھ سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صاحب ترتیب آدمی کیلئے وقتی نمازوں اور فوت شدہ نمازوں میں ترتیب قائم رکھنا ضروری ہے، غیر صاحب ترتیب کے لئے ضروری نہیں۔

لمافی الدر المختار(۲/۶۸،۶۹): (اوفاتت ست اعتقادية) لدخولها في حد التكرار المتقضي للحرج (بخروج وقت السادسة) على الاصح ولو متفرقة او قديمة على المعتمد۔

وفي الشامية تحته: ولا يسقط الترتيب الا بفوت ست صلوات......... (قوله ولو متفرقة) اى يسقط الترتيب بصيرورة الفوائت ستا ولو كانت متفرقة۔

(۲۶۵) امدادی کاروائیوں کی وجہ سے نماز قضاء کرنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں زلزلہ آ گیا تھا اور اکثر آبادی اپنے گھروں میں دب گئی تھی (تقریباً ۳۰۰/افراد) لیکن ہم ۸ دوست زلزلے میں دبنے سے رہ گئے تو کیا ہم امدادی کارروائیوں کی وجہ سے نماز قضاء کر سکتے ہیں کیونکہ ہم نے لوگوں کو ملبے سے نکالنے کیلئے اپنی کافی ساری نمازیں قضا کر دی تھیں اور کافی لوگوں کو ملبے سے زندہ نکالنے میں کامیاب ہو گئے تھے؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام نمازیں بروقت باجماعت ادا کرے تاہم اگر کسی عذر شرعی کی بناء پر نماز میں تاخیر ہو جائے اور وقت میں ادا نہ ہو سکے تو اس کی قضاء کرنے میں تاخیر نہ کرنی چاہیئے لہٰذا آپ سے اگر امدادی کارروائیوں میں شریک ہو کر دوسرے مسلمانوں کی جان بچاتے ہوئے نمازیں قضاء ہو گئی ہیں تو امید ہے کہ عنداللہ مؤاخذہ نہ ہوگا البتہ آپ کیلئے ضروری ہے کہ آپ ان نمازوں کی جلد از جلد قضاء کریں۔

لمافی البخاری(۱/۷۶): سألت النبی ﷺ ای العمل احب الی الله قال الصلوٰة علی وقتها قال ثم ای قال ثم بر الوالدین قال ثم ای قال الجهاد فی سبیل الله قال حدثنی بهن ولو استزدته لزادنی۔

وفی الدر المختار مع الشامية(۲/۶۲): ومن العذر العدو وخوف القابلة موت الولد لأنه عليه الصلاة و السلام اخرها يوم الخندق۔

قال الشامی رحمه الله تعالیٰ تحته: قوله ومن العذر ای لجواز تأخير الوقتية عن وقتها ...قوله العدو کما اذا خاف المسافر من اللصوص او قطاع الطريق جاز له أن يؤخر الوقتية لأنه بعذر۔

وفی مراقی الفلاح(صـ۳۷۱): من تأخير الصلوٰة وتركها (يجب قطع الصلوٰة) ولو فرضاً باستغاثة

Marfat.com

شخص ملهوف لمهم أصابه كما لو تعلق به ظالم أو وقع فی ماء أو صال عليه حيوان فاستغاث بالمصلی۔

(۲۶۶) دورانِ نماز دورہ پڑ جائے تو اس نماز کی قضاء کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا چھوٹا بھائی اسلم جس کی عمر تقریباً ۲۰ سال ہے گزشتہ رات عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک دورہ پڑ گیا اور گر گیا تقریباً ۲۴ گھنٹے بعد بحمد اللہ ہوش میں آ گیا۔ اب جو نمازیں اس کی رہ گئی ہیں ان کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟ اگر نہیں، تو کیا وہ نماز جس کو شروع کیا تھا دورہ پڑ گیا تو اس کی قضاء بھی واجب نہیں یا اس کی قضاء واجب ہے؟ اس لئے کہ اس کو شروع کیا تھا، اور جب نماز کو شروع کرنے کے بعد توڑ دیا جائے تو احناف کے نزدیک اس کی قضاء واجب ہے لہٰذا مفتی صاحب آپ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......اگر کوئی شخص دورانِ نماز بے ہوش ہو جائے اور پانچ نمازوں تک بے ہوش رہے تو قضاء واجب ہوگی۔ البتہ اگر پانچ نمازوں سے زائد وقت گزر جائے تو قضاء واجب نہ ہوگی۔ صورت مسئولہ میں آپ کے بھائی اسلم اگر پانچ نمازوں کے مکمل وقت بے ہوش رہے تو ان پر قضاء واجب نہ ہوگی اور اگر پانچ نمازوں کے مکمل وقت میں یا اس سے کم بے ہوش رہے تو شروع کی ہوئی نماز سمیت تمام نمازوں کی قضاء واجب ہوگی۔

لما فی الهندية (۱/۱۳۷): ومن أغمی عليه خمس صلوات قضی ولو أكثر لا يقضی والجنون كالإغماء وهو الصحيح ثم الكثرة تعتبر من حيث الاوقات عند محمد رحمه الله تعالیٰ وهو الاصح۔

وفی الدرالمختار (۲/۱۰۲): (ومن جن أو اغمی عليه) ولو بفزع من سبع أو ادمی (يوما وليلة قضی الخمس وإن زاد وقت صلوٰة) سادسة (لا) للحرج۔

وفی الشامية تحته: (ومن جن أو أغمی عليه) الجنون افة تسلب العقل والاغماء أفة تستره الی ان قال: واعتبر الزيادة بالأوقات علی قول الثالث وهو الأصح۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۱/۶۲۸،۶۲۷): فلو جن البالغ أو أغمی عليه أو حاضت المرء ة أو نفست فی أول الوقت أو أثناء ه بحيث يمكنه أداء الصلاة وجب عليه عند الجمهور غير الحنفية قضاء تلك الصلوٰة ان مضی قدر الفرض مع الطهر، ولا تجب الصلاة الثانية التی تجمع معها لأن وقت الاولی لا يصلح للثانية الا اذا صلاهما جمعاً بخلاف العكس الی ان قال: وقال الحنفية لا تجب صلاة ذلك الوقت علی أصحاب الأعذار هؤلاء۔ لأن سبب ايجاب الصلوة: هو الجزء الذی يتصل به الأداء من الوقت فان لم يؤد تعين الجزء الاخير الذی يسع الواجب للسببية. وبعد خروج الوقت تضاف السببية الی جملة الوقت۔

Marfat.com

فصل فی التراویح

(تراویح سے متعلق مسائل کا بیان)

(۲۶۷) تعدادِ رکعاتِ تراویح کی بحث

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں تراویح صرف آٹھ رکعت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول بھی آٹھ ہی کا تھا بیس تراویح کا ثبوت کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں آٹھ تراویح کے بارے میں کافی روایات ہیں کیا واقعی ان لوگوں کی بات صحیح ہے یا بیس رکعت کا ثبوت احادیث میں ہے اگر ہے تو ان روایات کو ذکر کریں بشرطیکہ وہ روایات صحیح ہوں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت ہو تو اس کو ضرور بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... حدیث مرفوع صحیح سے صرف دو امر ثابت ہیں اول یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو تراویح کی ترغیب فرمایا کرتے تھے۔ دوم یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذاتِ خود تین دن تراویح کی جماعت کا اہتمام فرمایا حتی کہ لوگوں کو اور گھر والوں کو بھی جمع فرمایا لیکن پھر فرضیت کے خوف کی بنا پر جماعت ترک فرمادی، اس سے تراویح کی سنیت اور جماعت کا ثبوت بوجہ احسن ہوتا ہے البتہ تعداد رکعات مذکور نہیں، تعداد رکعات کیلئے حدیث حسن لغیرہ اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بکثرت موجود ہیں بیس رکعاتِ تراویح سے متعلق ایک حدیث سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور چونکہ تراویح کا تعلق فرائض سے تو ہے نہیں تطوعات سے ہے اور تطوعات میں ضعیف روایات بھی قابل قبول ہوتی ہیں جبکہ کوئی اور روایت اس کے معارض نہ ہو خصوصاً جبکہ جمہور صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بیس رکعات پر اتفاق و اجماع ہے۔

اور آٹھ رکعات والی روایات تراویح سے متعلق نہیں ان کا تعلق تہجد سے ہے جیسا کہ فتح الباری میں صراحت مذکور ہے اس لئے ان سے تراویح کی تعداد رکعات پر استدلال کرنا لغو ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے تب بھی ان میں آٹھ رکعات سے زائد کی نفی مذکور نہیں بلکہ یہ احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ رکعات گھر ہی میں ادا فرمائی ہوں اور آٹھ رکعات باہر تشریف لاکر جماعت سے ادا فرمائی ہوں "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال"۔

لمافی السنن الکبریٰ للبیہقی(۴۹۶/۲): عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شہر رمضان فی غیرجماعۃ بعشرین رکعۃ والوترتفردبہ ابو شیبۃ ابراہیم بن عثمان العبسی

Marfat.com

الكوفى وهو ضعيف۔

وفى فتح الملهم (۵/۱۱۵): روى ابن خزيمة وابن حبان عن جابر رضي الله عنه ''صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فى رمضان ثمان ركعات، ثم اوتر، فلما كانت القابلة اجتمعنا فى المسجد ورجونا أن يخرج إلينا حتى اصبحنا ثم دخلنا فقلنا يا رسول الله... فهذا كما تراه ليس فيه الابيان فعله الجزئى فى ليلة واحدة فقط دون سائر الليالى بل ليس فيه التصريح بنفى الزائد على الثمان فى تلك الليلة أيضاً فإنه يمكن ان يكون هو صلى الله عليه وسلم قد صلى قبل الخروج اليهم منفرداً عنهم ماشاء الله من الركعات ثم صلى بهم ثمان ركعات والوتر۔

وفيه ايضاً(۵/۱۱۷): واحاديث الزيادة على فعله فى بعض الاوقات نادراً وحينئذ فلا منافاة بين حديث عائشة وبين ماروى ابن ابي شيبة والطبرانى والبيهقى من حديث ابن عباس رضي الله عنه باسناد ضعيف ''أنه عليه الصلاة والسلام كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة سوى الوتر'' أى فى بعض الليالى، لا فى اكثرها والمسئلة ليست من الفرائض والواجبات بل هى من الفضائل والتطوعات والحديث الضعيف مقبول فيها اذا لم يعارضه حديث صحيح وقدبينا أنه لا معارضة بين حديث العشرين وحديث عائشة اذا حمل حديثها على الاوقات الغالبة والأحوال الاكثرية ولاسيما اذا اتفق جمهور الصحابة والتابعين على العشرين فى اخر الامر قال البيهقى ''ثم استقر الأمر على العشرين فإنه المتوارث۔''

وفى فتح البارى(۳/۱۶): وظهر لى أن الحكمة فى عدم الزيادة على احدى عشرة أن التهجد والوتر مختص بصلاة الليل وفرائض النهار الظهر وهى أربع والعصر وهى أربع والمغرب وهى ثلاث وتر النهار فناسب ان تكون صلوة الليل كصلاة النهار فى العدد جملة وتفصيلاً وأما مناسبة ثلاث عشرة فبضم صلاة الصبح لكونها نهارية إلى ما بعدها۔

(۲۶۸) بغیر روزہ رکھے تراویح کی نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں سانس کا مریض ہوں روزے رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ایک روز تراویح کیلئے چلا گیا تو ایک صاحب نے کہا کہ تراویح اس شخص پر لازم ہے جو روزے رکھ رہا ہو، چونکہ آپ روزے نہیں رکھ رہے اس لئے آپ کو تراویح نہیں پڑھنی چاہیے۔ کیا اس شخص کی بات صحیح ہے؟ اور کیا روزے نہ رکھنے والا تراویح ادا کرسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تراویح سنت مؤکدہ ہے، اس کا چھوڑنا اور بغیر عذر کے چھوڑنے پر اصرار کرنا جائز نہیں اور تراویح

Marfat.com

رمضان کے روزوں کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ بلکہ رمضان کے روزے اور رمضان میں رات کا قیام یعنی تراویح دونوں الگ الگ عبادتیں ہیں۔ لہٰذا جو شخص روزہ رکھنے سے معذور ہے اور تراویح پڑھنے پر قادر ہے، تو اس کو تراویح پڑھنی چاہیے۔ اگرچہ روزہ نہ رکھتا ہو۔

لمافی الهندية(۱/۱۱۶): وهی سنة رسول الله ﷺ وقيل هی سنة عمر رضی الله عنه، والاول اصح كذا فی جواهر الاخلاطی، وهی سنة للرجال والنساء جميعاً، كذا فی الزاهدی ونفس التراويح سنة علی الاعيان عندنا كما روی الحسن عن ابی حنيفة رحمه الله وقيل تستحب والاول أصح۔

وفی الدر المختار(۲/۴۳): (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) اجماعاً۔

وفی الشامية(۲/۱۲): ولهذا كانت السنة المؤكدة قريبة من الواجب فی لحوق الأثم كمافی البحر، ويستوجب تاركها التضليل واللوم كمافی التحرير ای علی سبيل الاصرار بلا عذر۔

(۲۶۹) تراویح میں امام کو کھانسی وغیرہ کے ذریعے غلطی پر متنبہ کرنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید تراویح پڑھاتا ہے اور عمرو سامع ہے، زید عمرو سے کہتا ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی تلاوت میں ہو جائے تو آپ صرف کھانسی یا کھنکارنے کے ذریعے مجھے مطلع کیجئے اگر پھر بھی صحیح نہ کر... پھر بھلے آپ بتا بھی سکتے ہیں، اس کے ساتھ یہ بات یاد رہے کہ یہ ساری کہانی جو حضرت قاری صاحب نے بنا رکھی ہے، اس لئے کہ مقتدیوں کو پتہ نہ چلے کہ کیسا حافظ ہے۔ آپ علماء سے یہ معلوم کرنا ہے کہ اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہوگا آیا نماز میں کچھ فساد تو نہیں آئے گا۔

الجواب بعون الملك الوهاب...... نماز میں کسی عذر (مثلاً گلے میں خراش وغیرہ) کی وجہ سے کھانسنا یا غرض صحیح (مثلاً تحسین صوت یا مقتدی کا امام کو غلطی پر متنبہ کرنے پر) کھانسنا یہ مفسدِ صلوۃ نہیں اور اگر بلا عذر اور بلا وجہ کھانسا جائے تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں سامع کا قاری کی تلاوت میں غلطی آنے پر اس وجہ سے کھنکارنا کہ دوسرے لوگ غلطی پر مطلع نہ ہوں اور قاری صاحب کو پتہ چل جائے اس سے نماز تو فاسد نہ ہوگی البتہ اس طرح کرنا ایک نامناسب حرکت ہے اس سے گریز کرنا چاہیئے۔

لما فی الشامية (۱/۶۱۹): (قوله علی الصحيح) لانه يفعله لاصلاح القراءة فيكون من القراءة معنی كالمشی للبناء فانه وإن لم يكن من الصلاة لكنه لاصلاحها فصار منها معناً شرح المنية عن الكفاية، لكنه لايشمل مالو كان لاعلام انه فی الصلاة اوليهتدی امامه الی الصواب۔ والقياس الفساد فی الكل الافی المدفوع اليه كما هو قول ابی حنيفة ومحمد لانه كلام، والكلام مفسد علی كل حال كما مر وكأنهم عدلوا بذلك عن القياس وصححوا عدم الفساد به اذا كان لغرض صحيح لوجود نص۔

Marfat.com

وفی الفقه الاسلامی (۱۰۲۳/۲): وتبطل بالتنحنح بحرفین بلاعذر. فان وجد عذر. کان نشأ من طبعه فلا تفسد. کمالا تفسد ان کان لغرض صحیح کتحسین الصوت. اولیهتدی امامه الی الصواب، اوللاعلام انه فی الصلاة، فلا فساد علی الصحیح. وهکذا فإن التنحنح عن عذر لا یفسد الصلاة۔

(۲۷۰) نمازِ تراویح کی بیس رکعات کا دو اماموں کا پڑھانا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد میں رمضان المبارک کے مہینے میں تراویح کیلئے دو امام ہوتے ہیں ایک امام صاحب سولہ رکعت پڑھاتے ہیں اور دوسرے چار رکعت پڑھاتے ہیں دونوں مل کر قرآن پاک مکمل سناتے ہیں معلوم یہ کرنا ہے کہ نماز تراویح دو امام پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تراویح کی نماز دو امام پڑھا سکتے ہیں۔

لمافی خلاصة الفتاویٰ (۶۴/۱): اذا صلی الترویحة الواحدة امامان کل امام رکعتین اختلف المشایخ فیه والاصح انه لایستحب لکن کل ترویحة یؤدیها امام واحد۔

وفی الهندیة(۱۱۶/۱): واذا جازت التراویح بامامین علی هذا الوجه جاز ان یصلی الفریضة احدهما ویصلی التراویح الاخروقد کان عمر رضی اللہ عنہ یؤمهم فی الفریضه والوتر وکان اُبیّ رضی اللہ عنہ یؤمهم فی التراویح کذا فی السراج الوهاج۔

(۲۷۱) تراویح میں ایک امام کا بارہ رکعات، دوسرے کا آٹھ رکعات پڑھانا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد میں دو سال سے یہ معمول ہو گیا ہے کہ رمضان المبارک میں تراویح دو امام پڑھاتے ہیں۔ ایک بارہ رکعات اور دوسرا آٹھ رکعات، تو کیا ایک مصلّی پر دو امام ایک قرآن سنا سکتے ہیں؟ یا ایک ہی کو سنانا چاہیئے؟ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے؟ اور افضل صورت کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ایک امام کا بارہ رکعات اور دوسرے کا آٹھ رکعات پڑھانا درست ہے جبکہ ایک امام پورا ایک ترویحہ پڑھائے۔ رہی یہ بات کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں اس کی کوئی مثال تو اس کے متعلق صاحب الجوہرۃ النیرۃ علامہ ابوبکر بن محمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز اور وتر پڑھاتے اور حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ نماز تراویح پڑھاتے تھے۔ لہٰذا دو اماموں کا نماز پڑھانا اور انصراف جائز ہے۔

لمافی الجوهرة النیرة طبع مکتبه رحمانیه(۲۴۶/۱): والأفضل أن یصلّی التراویح بامام واحد

Marfat.com

لأن عمر رضی الله عنه جمع الناس علی قارئ واحد، وهو أبي بن کعب رضی الله عنه، فان صلواها بإمامین فالمستحب ان یکون انصراف کل واحد علی کمال الترویحة فإن انصرف علی تسلیمة، لا یستحب ذلك وکان عمر رضی الله عنه یؤمهم فی الفریضة والوتر، وکان أبي بن کعب رضی الله عنه یؤمهم فی التراویح۔

وفی فتاویٰ قاضی خان(۱/۱۱۲): ولو أقاموا التراویح بإمامین فصلّی کل امام تسلیمة بعضهم جوّزوا ذلك والصحیح أنّه لا یستحب وانما یستحب ان یصلی کل امام ترویحة لیکون موافقا عمل أهل الحرمین۔

وفی الهندیة(۱/۱۱۶): والأفضل أن یصلّی التراویح بإمام واحد فان صلّوها بإمامین فالمستحب ان یکون انصراف کل واحد علی کمال الترویحة فان انصرف علی تسلیمة لا یستحب ذلك فی الصحیح۔

(۲۷۲)فلیٹ میں نماز پنجگانہ اور تراویح پڑھنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم لوگ ماریہ لگژری اپارٹمنٹ میں ابھی حال ہی میں رہائش پذیر ہوئے ہیں یہاں سارے فلیٹ ہیں کیونکہ یہاں نہ کوئی مسجد بنائی گئی ہے اور نہ ہی کوئی مسجد کی جگہ دی ہے لہٰذا ہم لوگ آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ماریہ فلیٹ کے کمپاؤنڈ میں نماز تراویح اور پانچوں وقت کی نماز ادا کرسکتے ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صحت نماز کیلئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں بلکہ زمین کے ہر ہر جزء اور موضع میں نماز جائز ہے اگرچہ مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں فلیٹ کے کمپاؤنڈ میں نماز پنجگانہ اور تراویح جائز ہے۔البتہ اس جگہ کی حیثیت شرعاً مسجد کی نہ ہوگی کیونکہ مسجد کیلئے ضروری ہے کہ مالک اس جگہ میں ہمیشہ کیلئے لوگوں کو نماز کی اجازت دیتے ہوئے اس کو اپنی ملکیت سے خارج کردے چنانچہ پھر یہ جگہ اس کی میراث میں بھی تقسیم نہ ہوگی جبکہ صورت مسئولہ میں ایسا نہیں ہے۔

لمافی البخاری(۱/۶۲): باب قول النبی جعلت لی الارض مسجدا وطهورا۔ عن جابر بن عبدالله رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اعطیت خمسا لم یعطهن احد من الأنبیاء قبلی، نصرت بالرعب مسیرة شهر وجعلت لی الارض مسجدا و طهورا الخ۔

وفی البحر الرائق(۵/۴۱۶): ولا قال المصنف ومن جعل ارضه مسجدا بدل قوله ومن بنی لکان اولی لأنه لو کان له ساحة لابناء فیها فأمر قومه ان یصلوافیها بجماعة قالوا ان امرهم بالصلوة فیها ابدا او أمرهم بالصلوة فیها بالجماعة ولم یذکر ابدا الا أنه ارادبها الأبد ثم مات

Marfat.com

لایکون میراثا عنه وان امرهم بالصلاة شهرا او سنة ثم مات تکون میراثا عنه لأنه لابدمن التابید والتوقیت ینافی التابید کذا فی الخانیة۔

(۲۷۳) نمازتراویح میں ہر چار رکعت کے بعد قہوہ پینا

سوال.....کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد کے امام صاحب نمازِ تراویح میں چار رکعت کے بعد قہوہ پیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس سے میرا گلہ صاف ہوجاتا ہے؟ توکیا تراویح کی نماز کے دوران اس عذر پر قہوہ پینا درست ہے؟ نماز تراویح مکروہ تونہیں ہوتی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگرکوئی میٹھی چیز پی کرنماز کے اندر داخل ہوجائے جبکہ اس کے منہ میں مٹھاس باقی ہو، اوروہ اس کونگلتا ہے تواس سے نماز کی صحت پرکچھ فرق نہیں آئے گا۔لہٰذاصورت مسئولہ میں تراویح کی نماز کے دوران جبکہ عذربھی ہے قہوہ پینا جائز ہے۔

لمافی الهندیة(۱/۱۰۲):اذا کان بین اسنانه شئ من الطعام فابتلعه ان کان قلیلاً دون الحمصة لم تفسد صلوته الا أنه یکره، وان کان مقدار الحمصة فسدت...

...ولو أکل شیأً من الحلاوة وابتلع عینها فدخل فی الصلوٰة فوجد حلاوتها فی فیه فابتلعها لا تفسد صلوته ولو ادخل الفانید او السکر فی فیه ولم یمضغه لکن یصلی والحلاوة تصل الی جوفه تفسد صلاته۔

وفی الشامیة(۱/۶۲۳): قوله کسکر الخ، أفاد ان المفسد اما المضغ الکثیر أو وصول عین المأکول الی الجوف بخلاف الطعم۔ قال فی البحر عن الخلاصة: ولو أکل شیأ من الحلاوة وابتلع عینها فدخل فی الصلاة فوجد حلاوتها فی فیه وابتلعها لاتفسد صلاته، ولو ادخل الفانید او السکر فی فیه ولم یمضغه لکن یصلی والحلاوة تصل الی جوفه تفسد صلاته۔

(۲۷۴) نمازتراویح کے بعداجتماعی دعامانگنے کاحکم

سوال.....کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض نماز اورتراویح اوراسی طرح جب وترنماز جماعت کے ساتھ رمضان المبارک میں ادا کی جاتی ہے۔اس کے بعد دعاانفرادی طورپرکرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔لیکن اس دعاکوایک ہیئت اورجمعیت کے ساتھ لازم سمجھناکہ امام کے ساتھ دعاکے بغیرکوئی بھی نہ اُٹھے تو یہ کام کیساہے؟ شریعت کے موافق ہے یانہیں؟اگرشریعت کے موافق ہے یانہیں تودونوں کی ادلہ اربعہ شرعیہ سے وضاحت فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب...... حضور اکرم ﷺ سے فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا مانگنا ثابت ہے البتہ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا پر ایسا التزام ودوام کرنا کہ جو شخص اس اجتماعی دعا میں شامل نہ ہو رہا ہو اس پر طعن و تشنیع کی جائے درست نہیں نیز تراویح کے بعد اجتماعی طور پر دعا ثابت تو نہیں البتہ تلاوتِ قرآن کے بعد دعا کے قبول ہونے کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں اس لئے کبھی کبھار ترک کے ساتھ سنت سمجھے بغیر اگر تراویح کے بعد دعا کر لی جائے تو حرج نہیں اور اکابرین سے یہ متوارث بھی ہے تاہم رمضان کے وتر کی جماعت کے بعد بھی اسی اجتماعی ہیئت سے دعا مانگنا صحیح نہیں۔

لمافی اعلاء السنن(۱۹۳/۳): واعلم انه قد وقع العرف فی دیارنا ان الامام والقوم یدعون مستقبل القبلة رافعی ایدیهم عقیب السلام معافی الظهر والمغرب والعشاء ولا ینحرف الامام فی هذه الاوقات عن القبلة وبعد العصر والفجر ینحرف یمینا وشمالا ویقرأ شیئاً من الورد جالسا۔ وکذا القوم معه ثم یدعون فانکر بعض الناس علی ذلك بوجهین اما اولا فلعدم انحراف الامام یمینا وشمالا فی الظهر والمغرب والعشاء ودعائه مستدبرا للمأمومین۔ وقد ثبت انه ﷺ کان ینحرف دائما، واما ثانیا فلان الدعاء بعد السلام من الصلاة لم یثبت عنه ﷺ بل عامة الادعیة المتعلقة بالصلاة انما فعلها فیها، وامر بها فیها۔ والجواب عن الاول بانه قد ثبت عنه ﷺ انه دعا فی بعض الاحیان مستقبل القبلة مستدبرا القوم ... وعن الثانی بان الدعاء بعد السلام ثبت عنه ﷺ، قولا وفعلا، وانکار ذلك مکابرة الخ...

وفیه ایضاً(ص۱۹۴): قوله عن ابی امامة الخ، قلت فیه اثبات الدعا بعد الصلاة فاندحض به ما اورده ابن القیم ان الدعاء بعد السلام من الصلاة مستقبل القبلة او المأمومین۔ فلم یکن من هدیه ﷺ اصلا ولا روی عنه باسناد صحیح ولا حسن... قلت قد ثبت ذلك عنه ﷺ قولا وفعلا فهذا حدیث ابی امامة فیه ارشاد الامة بالدعاء بعد الصلوات المکتوبات واما تاویله بان المراد من دبر الصلوات ما قبل السلام کما زعمه ابن القیم فباطل... فان فیه یسبحون دبر کل صلاة وهو بعد السلام جزماً...

وفی سنن الدارمی(۵۶۱/۲): عن مجاهد قال بعث الی قال انما دعونالك انا اردنا ان نختم القرآن وانه بلغنا ان الدعاء یستجاب عند ختم القران قال فدعوا بدعوات۔

(۲۷۵) تراویح کی جماعت ثانی کا حکم

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے چچازاد بھائی امریکہ میں رہتے ہیں انہوں نے ایک

Marfat.com

مسئلہ معلوم کروایا ہے کہ امریکہ میں بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی مسجد میں محراب میں تھوڑے وقفے سے دو الگ تراویح کی جماعت ہوتی ہیں، دراصل لوگوں کی ڈیوٹی ٹائمنگ کچھ ایسی ہے کہ یوں کرنا پڑتا ہے؟ اس میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......فرض نماز میں جماعت ثانی جماعت اولیٰ کی تبدیل ہیئت کے باوجود مکروہ ہے لیکن تراویح میں فرائض کی بہ نسبت توسع ہے اس لئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے تراویح کی جماعت ثانی پہلی جماعت کی ہیئت کی تبدیلی کے ساتھ درست ہے اور ہمارے اسلاف رحمہ اللہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ امداد الاحکام (۱/ ۶۳۴) میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ چونکہ آپ کے مسئلہ میں جماعت ثانی پہلی جماعت کی ہیئت پر ہے اس وجہ سے یہ دوسری جماعت مکروہ ہے نیز اگر پہلا امام اور پہلے مقتدی دوسری مرتبہ تراویح کی جماعت کرواتے ہیں تو یہ جماعت ثانی مکروہ ہے خواہ مسجد میں پڑھیں یا مسجد سے باہر پڑھیں۔

لمافی الشامیة(۱/۵۵۳): عن ابی یوسف رحمه الله انه اذا لم تکن الجماعة علی الهیئة الاولی لا تکره والا تکره وهو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة کذا فی البزازیة۔

وفی کبیری(ص۳۸۹): ولو امّ فی التراویح مرّتین فی مسجد واحد کره۔

وفی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح(ص۳۳۵) : وکره ان یؤم فی التراویح مرّتین فی لیلة واحدة وعلیه الفتوی لان السنة لاتتکرر فی الوقت الواحد فتقع الثانیة نفلا مضمرات۔

وفی قاضی خان(۱/۱۱۲):ولو صلی التراویح مرّتین فی مسجد واحد یکره کما لو اذّن واقام مرّتین فی مسجد واحد واختار الفقیه ابو اللیث قول ابی بکر هذا اذا امّ للناس مرّتین۔

وفی الهندیة(۱/۱۱۶): ولو صلی التراویح مرّتین فی مسجد واحد یکره۔

(۲۷۶) عذر کی وجہ سے تراویح کی جماعت چھوڑنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک بچپن کے دوست ہیں ہم دونوں کلاس فیلو بھی رہے ہیں ان بیچاروں کو ڈکار کا مرض ہے، اور ڈکاریں بھی گیس کی آتی ہیں۔ نماز تراویح میں انہیں بڑی پریشانی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آیا اس صورت میں وہ نماز تراویح چھوڑ سکتے ہیں؟ یا تنہا گھر پر پڑھ لیا کریں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر گیس کی ڈکاریں ایسی ہوں کہ جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہو مثلاً ان میں بدبو ہو یا ڈکاریں ایسی باآواز ہوں کہ جن کی وجہ سے پریشانی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہو، تو ایسی صورت میں تراویح کی نماز گھر پے ادا کر سکتا ہے۔ البتہ بغیر عذر کے تراویح کی نماز کو بالکل چھوڑ دینا جائز نہیں کیونکہ تراویح سنت مؤکدہ ہے اور بغیر عذر کے سنت مؤکدہ کے چھوڑنے پر اصرار کرنے میں گناہ ہے۔

لمافی الشامیة(۲/۱۳): (قوله سن مؤکدا)... زیادة علی بقیة النوافل ولهذا کانت السنة المؤکدة

Marfat.com

قريبة من الواجب فى لحوق الاثم كمافى البحر، ويستوجب تاركها التضليل واللوم... اى على سبيل الاصرار بلا عذر۔

وفى الشامية(١/٦٦١): كل ماله رائحة كريهة مأكولا او غيره... وكذلك الحق بعضهم بذلك من بفيه بخراوبه جرح له رائحة وكذلك القصاب والسماك والمجذوم والابرص اولى بالإلحاق وقال سحنون لاأرى الجمعة عليهما۔

وفى الهندية(١/٨٣): وتسقط الجماعة بالاعذار حتى لا تجب على المريض والمقعد والزمن ومقطوع اليد والرجل من خلاف ومقطوع الرجل والمفلوج الذى لا يستطيع المشى والشيخ الكبير العاجز والاعمى عند ابي حنيفة رحمه الله تعالىٰ والصحيح انها تسقط بالمطر والطين والبرد الشديد والظلمة الشديدة كذا فى التبيين وتسقط بالريح فى الليلة المظلمة... أو كان اذا خرج يخاف أن يحسبه غريمه فى الدين أو يريد سفرا واقيمت صلاة فيخشى ان تفوته القافلة أو كان قيما لمريض أو يخاف ضياع ماله۔

وفى الدر المختار(١/٥٥٦،٥٥٥،٥٥٤): (فتسن أو تجب) ثمرته تظهر فى الإثم بتركها مرة (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج) ولو فاتته ندب طلبها فى مسجد آخر الا المسجد الحرام ونحوه (فلا تجب على مريض ومقعدوزمن ومقطوع يدورجل من خلاف) او رجل فقط... (وبرد شديد وظلمة كذلك) وريح ليلا لانهارا، وخوف على ماله او من غريم او ظالم أو مدافعة أحد الأخبثين الخ۔

(۲۷۷) بیس رکعات تراویح کا دورانیہ کتنا ہو؟

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک میں حفاظ نماز تراویح مختلف انداز اور رفتار سے پڑھاتے ہیں۔کوئی تو ڈیڑھ دو گھنٹے لگا دیتا ہے اور کوئی آدھ پَون گھنٹے میں فارغ کردیتے ہیں۔ مجھے آپ سے یہ پوچھنا تھا کہ بیس رکعات نماز تراویح کتنی دیر میں ختم ہونا چاہیئے؟ اس بارے میں شریعت کا کوئی حکم ہے؟ اگر ہے تو براہ کرم مرحمت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......بیس رکعات نمازِ تراویح ختم کرنے کا کوئی متعین وقت مقرر نہیں قاری کی اس رفتار کا اعتبار ہے جو شریعت میں معتبر ہے لہٰذا شرعاً اتنی مقدار پڑھنے کی اجازت ہے جس سے لوگ تراویح کی جماعت میں آنے سے متنفر نہ ہوں اور اتنی سرعت کے ساتھ پڑھنا کہ الفاظ پوشیدہ رہ جائیں یا اپنے مخارج سے ادا نہ ہوسکیں مکروہ ہے بلکہ بین بین ہو یعنی نہ تو اتنی تیز رفتاری ہو کہ سمجھ میں ہی نہ آئے ،اور نہ اتنی سست روی کہ لوگ اکتا جائیں۔

Marfat.com

لمافی الهندية(۱/۱۱۸): والافضل فی زماننا أن يقرأ بما لا يؤدى إلى تنفير القوم عن الجماعة لكسلهم لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة۔

وفی الشامية(۱/۵۴۱): (قوله وفی الحجة) اسم كتاب من كتب الفتاوى(قوله بين بين) أى بأن تكون بين الترسل والاسراع۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته(۲/۱۰۹۰): قال احمد رحمه الله! يقرأ الامام بالقوم فی شهر رمضان ما يخف علی الناس ولا يشق عليهم۔

(۲۷۸) نمازِ تراویح کے بعد قرآن مجید کا خلاصہ بیان کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اس رمضان میں پورے مہینے میری رات کی ڈیوٹی رہی میں اپنی فیکٹری کے قریب جا کر ہی ایک مسجد میں تراویح پڑھتا تھا۔ چونکہ ڈیوٹی کا وقت تھوڑی دیر میں شروع ہوتا تھا اس لئے تراویح کے بعد کچھ دیر وہیں تلاوت کا معمول بنانے کا سوچا تھا لیکن اس مسجد میں تراویح کے بعد تھوڑی دیر خلاصہ سنایا جاتا تھا، میں بھی اس میں شریک ہوجاتا تھا، مجھے یہ انداز بہت اچھا لگا، لیکن پھر خیال آتا ہے کہ کہیں یہ بدعت میں تو شمار نہیں ہوتا؟ آپ مجھے اس بارے میں صحیح صحیح بتادیں کہ آئندہ میں اسی کے مطابق عمل کروں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... ہر وہ کام جو دین نہ ہو پھر اسے دین سمجھ کر کرنا بدعت کہلاتا ہے۔ لہٰذا تراویح کے بعد خلاصہ بیان کرنا بدعت نہیں۔ بلکہ یہ اشاعت للدین کے زمرہ میں آتا ہے اور اس کے لئے ہر وہ صورت جو کہ قواعد شرع کے خلاف نہ ہو اختیار کرنا جائز ہے۔ جبکہ دیگر موانع موجود نہ ہوں، مثلاً نمازیوں کو اس طور سے پابند کرنا نہ پایا جاتا ہو کہ جس سے وہ دین کی بات سننے سے اکتا جائیں۔ حاصل کلام یہ کہ جو نمازی اپنی خوشی سے آسانی کے ساتھ بیٹھ کر سننا چاہیں ان کیلئے مناسب مقدار میں بیان کر دینا چاہیئے۔

لمافی مرقاة المفاتيح(۱/۲۱۶): قال النووی رحمه الله: البدعة كل شئ عمل علی غير مثال سبق وفی الشرع احداث مالم يكن فی عهد رسول الله ﷺ۔

وفی فتح الباری(۱/۱۳۳): قال: كان عبدالله يذكر الناس فی كل خميس فقال له رجل يا ابا عبدالرحمن لوددت انك ذكرتنا كل يوم قال أما إنه يمنعنى من ذلك أنى أكره أن املكم وإنى أتخولكم بالموعظة كما كان النبی ﷺ يتخولنا بها مخافة السامة علينا۔

ويستفاد من الحديث استحباب ترك المداومة فی الجد فی العمل الصالح خشية الملال وان كانت المواظبة مطلوبة لكنها علی قسمين اما كل يوم مع عدم التكلف واما يوما بعد يوم فيكون يوم الترك لاجل الراحة ليقبل علی الثانی بنشاط واما يوما فی الجمعة ويختلف

Marfat.com

باختلاف الاحوال والاشخاص والضابط الحاجة مع مراعاة وجود النشاط۔

(۲۷۹) تراویح میں دوسرے ختم کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک میں ایک قاری صاحب نے قرآن مجید کا ختم کیا اپنی مسجد میں دوسرا ختم وہ اسی مسجد میں نہیں کرسکتا جبکہ مقتدین حضرات کہتے ہیں کہ دوسرا ختم بھی سناؤ کیونکہ تین ختم مسنون ہوتے ہیں آپ حضرات تفصیل سے آگاہ فرمائیں کہ تین ختم کرنا اس قاری صاحب کیلئے ضروری ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب بعون الملک الوهاب......واضح رہے کہ رمضان المبارک میں ایک مرتبہ تراویح میں قرآن پاک ختم کرنا سنت ہے ایک سے زیادہ مرتبہ افضل ضرور ہے لیکن لازمی اور ضروری نہیں۔لہٰذا صورت مذکورہ میں مقتدین حضرات کا قاری صاحب کے اوپر زبردستی کرنا (کہ آپ دوسرا ختم بھی سنائیں) درست نہیں تاہم اگر وقت ہو، اور قاری صاحب اپنی خوشی سے سنانا چاہیں تو افضل اور بہتر ہے ورنہ ایک ہی ختم کافی ہے۔

لمافی الهندية(۱/۱۱۷):السنة فی التراويح انما هو الختم مرّة فلا يترك لكسل القوم... والختم مرتين فضيلة والختم ثلاث مرات افضل كذا فی السراج الوهاج۔

وفی الدر المختار(۲/۴۶): (والختم) مرّة سنة ومرتين فضيلة وثلاثا افضل (ولا يترك) الختم (لكسل القوم)۔

Marfat.com

فصل فی الوتر

(وتر سے متعلق مسائل کا بیان)

(۲۸۰) دعائے قنوت کے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھانا، اور قنوت نازلہ پڑھنے کا وقت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا قرآن وحدیث میں وتروں میں دعائے قنوت کے وقت رفع یدین کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اور قنوت کے وقت ہاتھ کہاں باندھے؟ اور قنوت نازلہ کن کن نمازوں میں پڑھی جاسکتی ہے، اور قنوت نازلہ کے وقت ہاتھ باندھنے ہیں یا چھوڑنے ہیں؟ کن حالات میں قنوت نازلہ پڑھنی چاہیئے؟ جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......وتروں میں دعائے قنوت کے وقت رفع یدین ثابت ہے البتہ اگر وتر فوت ہوجائے اور اس کو لوگوں کے سامنے پڑھنا ہو تو ہاتھ نہ اٹھانے کی بھی گنجائش ہے تاکہ لوگوں کو اس کی سستی پر علم نہ ہو، اور قنوت کے وقت ہاتھوں کو زیر ناف باندھے اور قنوت نازلہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف نماز فجر میں مسلمانوں پر سخت حالات مثلاً (قحط، وباء، خوف) کے وقت پڑھنی چاہیئے اور قنوت نازلہ کے وقت ہاتھوں کو چھوڑنا بہتر ہے۔

لما فی الھندیۃ (۱/۱۱۱): اذا فرغ من القراءۃ فی الرکعۃ الثالثۃ کبر ورفع یدیہ حذاء اذنیہ ویقنت قبل الرکوع۔۔۔۔۔۔ واختلفوا انہ یرسل یدیہ فی القنوت ام یعتمد و المختار انہ یعتمد۔

وفی الدرالمختار(۲/۶): (ویکبر قبل رکوع ثالثتہ رافعا یدیہ) کما مرثم یعتمد وقیل کالداعی (وقنت فیہ) (فی رد المحتار قولہ رافعایدیہ) ای سنۃ الی حذاء اذنیہ کتکبیرۃ الاحرام وھذا کما فی الامداد عن مجمع الروایات لو فی الوقت اما فی القضاء عند الناس فلا یرفع حتی لایطلع احد علی تقصیرہ... (قولہ ثم یعتمد) ای یضع یمینہ علی یسارہ کما فی حالۃ القراءۃ (قولہ وقیل کالداعی) ای عن ابی یوسف انہ یرفعھما الی صدرہ وبطونھما الی السماء امداد والظاھر انہ یبقیھما کذلک الی تمام الدعاء علی ھذہ الروایۃ تأمل۔

وفی تنویر الابصار مع الدر(۲/۸،۹): (ویاتی الماموم بقنوت الوتر لاالفجر بل یقف ساکتا علی

Marfat.com

الاظھر) مرسلا یدیه قال الشامی تحت(قوله مرسلا ید یه) لان الوضع سنة قیام طویل فیه مسنون وھذا الذکر لیس بمسنون عندنا۔

(۲۸۱) دعائے قنوت سے پہلے رفع یدین کا حدیث سے ثبوت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صلوٰۃ وتر میں دعائے قنوت پڑھتے وقت رفع الیدین کرنا کہاں سے ثابت ہے آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور احادیث نبوی سے مزین جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......وتر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے وقت رفع الیدین کرنا احادیث نبوی اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعامل سے ثابت ہے۔

لمافی السنن الکبری(۲/۲۱۱): عن سلمان الفارسی رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال إن الله حیی کریم یستحیی اذا رفع الرجل إلیه یدیه ان یردھما صفرا خائبتین۔ رفعه جعفر بن میمون ھکذا وقفه سلیمان التیمی عن أبي عثمان فی احدی الروایتین عنه والحدیث فی الدعاء جملة الا ان عددا من الصحابة رضی الله تعالیٰ عنھم رفعوا أیدیھم فی القنوت مع مارویناہ عن انس بن مالك عن النبی ﷺ۔

وفی اعلاء السنن(۶/۸۶): عن أبي عثمان: ''کان عمر رضی الله تعالیٰ عنه یرفع یدیه فی القنوت۔

وفی شرح معانی الآثار(۱/۴۱۷): وقدروی فی ذلك عن ابراھیم النخعی ماحدثنا سلیمٰن بن شعیب بن سلیمٰن عن ابیه عن ابي یوسف عن ابي حنیفة عن طلحة بن مصرف عن ابراھیم النخعی قال ترفع الایدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوۃ وفی التکبیر للقنوت فی الوتر وفی العیدین وعند استلام الحجر وعلی الصفا والمروۃ وبجمع وعرفات وعند المقامین عند الجمرتین۔

(۲۸۲) دعائے قنوت کیلئے ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھنے کا ثبوت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وتر میں دعائے قنوت کے وقت جو ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں آیا یہ کانوں تک اٹھا کر باندھنا کسی حدیث یا نص سے ثابت ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دعا کی صورت میں اٹھانا چاہیے، ان کی بات کہاں تک درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز وتر میں دعائے قنوت پڑھنا واجب ہے، اور دعائے قنوت کیلئے کانوں کی لوتک ہاتھوں کو

Marfat.com

اٹھانا اور پھر دونوں ہاتھوں کو باندھنا سنت ہے۔صورت مسئولہ میں دعائے قنوت کیلئے دونوں ہاتھوں کو اُٹھانا یہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے حدیث مبارکہ یہ ہے:

(۱)۔"عن ابراھیم قال: ارفع یدیک للقنوت"۔(مصنف ابن ابی شیبہ، ۴/۵۳۱)

(۲)۔"عن لیث، عن ابن الاسود، عن ابیہ، عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: أنہ کان یرفع یدیہ إذا قنت فی الوتر"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ۴/۵۳۱)

لیکن ہاتھوں کو اٹھانے میں دوطرح کے احتمال موجود ہیں ایک یہ کہ کانوں کی لوتک ہاتھ اٹھایا جائے دوسرا یہ کہ فقط دعا کی طرح ہاتھ اٹھالیا جائے۔لہٰذا ان مطلق احادیث کو بطور استدلال پیش نہیں کیا جاسکتا البتہ عندالحنفیہ ہاتھوں کے کانوں کی لوتک اٹھانے کا استدلال قیاساً راجح اور ثابت ہے۔احناف اسے تکبیر تحریمہ پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ وہاں رفع یدین سے کانوں کی لوتک ہاتھ اٹھانا مراد ہے اسی طرح قنوت میں بھی واردرفع یدین کے الفاظ سے کانوں کی لوتک ہاتھ اٹھانا مراد ہوگا۔

نیز کانوں کی لوتک ہاتھ اٹھانے کے بعد ہاتھوں کو باندھ لیاجائے گا یا ارسال (باندھے نہ جائیں) کیا جائیگا؟ تو اسے حنفیہ نے قیام پر قیاس کیا ہے۔یعنی جس طرح قیام میں ہاتھ باندھے جاتے ہیں کیونکہ جب قیام میں ذکرِ طویل ہوتو خشوع کا حصول ہاتھ باندھنے میں ہے لہٰذا قنوت میں بھی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیے جائیں گے۔

یہاں یہ اشکال وارد ہوسکتا ہے کہ رکوع کے بعد قومہ وغیرہ میں بھی تو بہت سے ذکر مسنون منقول ہیں جو کہ بہت طویل ہیں تو پھر وہاں بھی قیام للقراءۃ پر قیاس کرکے ہاتھ باندھ لینا چاہیے جبکہ کوئی بھی قومے میں ہاتھ باندھنے کا قائل نہیں۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ قومہ میں ذکر مسنون کا اقل "ربنالک الحمد" ہے جو کہ ذکر طویل نہیں جبکہ قنوت وتر میں مسنون قنوت "اللھم انا نستعینک الخ" ذکر طویل ہے لہٰذا قنوت میں ہاتھ باندھے جائیں گے لیکن قومہ میں نہیں باندھے جائیں گے۔

لمافی المصنف لابن ابی شیبة(۵۳۱/۴): ۵۹۴۔ فی رفع الیدین فی قنوت الوتر۔

۷۰۲۶۔ حدثنا ابو الاحوص، عن مغیرة، عن ابراهیم قال: ارفع یدیك للقنوت۔

۷۰۲۷۔ حدثنا معاویة بن هشام قال: حدثنا سفیان، عن لیث، عن عبدالرحمن بن الأسود، عن ابیه، عن عبدالله بن مسعود: انه کان یرفع یدیه فی قنوت الوتر۔

۷۰۲۸۔ حدثنا عبدالرحمن بن محمد المحاربی: عن لیث: عن ابن الاسود. عن ابیه. عن عبدالله بن مسعود: انه کان یرفع یدیه اذا قنت فی الوتر۔

وفی الدرالمختار (۶/۲): (ویکبر قبل رکوع ثالثته رافعا یدیه) کمامر ثم یعتمد. وقیل کالداعی (وقنت فیه) ویسن الدعاء المشهور. ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم به یفتی۔

وفی الشامیة تحته: (قوله رافعاً یدیه) أی سنة الی حذاء أذنیه کتکبیرة الاحرام وهذا کما فی الامداد

Marfat.com

عن مجمع الروايات لوفى وقت. أما فى القضاء عند الناس فلا يرفع حتى لا يطلع احد على تقصيره اهـ (قوله كما مر) أى فى فصل اذا اراد الشروع فى الصلوٰة عند قوله ولا يسن رفع اليدين الا فى سبع۔ (قوله ثم يعتمد) أى يضع يمينه على يساره كمافى حالة القراءة ح (قوله وقيل كالداعى) أى عن أبي يوسف انه يرفعهما الى صدره وبطونهما الى السماء امداد. والظاهر أنه يبقيهما كذلك الى تمام الدعاء على هذه الرواية تامل (قوله وقنت فيه) اى فى الوتر او الضمير الى ماقبل الركوع۔

وفى اعلاء السنن(۱۲۲/٦): وأما السادس: فلم أرفقهائنا تعرضوا له خصوصاً. نعم مقتضى اطلاقهم ان من محال الرفع القنوت وهو يعم قنوت النوازل أيضاً ان يرفع يديه عنده. ولكن الدليل الذى استدل به الحنفية للرفع فى قنوت الوتر لايعم غيره. بل يختص به. هو أثر ابراهيم النخعى بسند صحيح عند الطحاوى. قال ''ترفع الايدى فى سبع مواطن. فى افتتاح الصلاة وفى التكبير للقنوت فى الوتر الخ۔

وفيه ايضاً(ص۱۲۴. ۱۲۳): بقى أنه لا دليل فيه ولا فى أثر غيره على أنه ﷺ كان يضع يديه بعد رفعهما حيال منكبيه او يرسلهما. فمن اين قال ابو حنيفة وابو يوسف رحمهما الله بالوضع فى القنوت بعده؟ والجواب: أن الوضع والارسال بعد الرفع مسكوت عنهما فى الاحاديث. فجرى محمد رحمه الله على الأصل وهو الإرسال، لأن الوضع عمل حادث يحتاج الى الدليل. وأخذ الشيخان بالقياس وقالا: إن ارسال اليدين زمانا طويلا ينافى الخشوع. وإنما السنة أن نقول وضع الكف على الكف تحت السرة كما مر فى باب صفة الصلاة. وكان مقتضى ذلك ان نقول بالوضع فى القومة بين الركوع والسجدة أيضاً. لكن فى الوضع للقيام اليسير وتركه معا حرج. فقلنا بأن الوضع سنة قيام فيه ذكر مسنون طويل. فيضع يديه فى القنوت للنازلة أيضاً. لكونه ذكرا طويلا. ولا يرفعهما حذاء الوجه. فقدروى مسلم عن حصين عن عمارة بن رويبة: ''رأى بشر بن مروان على المنبر رافعاً يديه. فقال. قبح الله هاتين اليدين. لقد رأيت رسول الله ﷺ مايزيد على أن يقول بيده هكذا. وأشار باصبعة المسبحة اهـ (۲۸۷/۱) فلما أنكر على الرفع فى حال الخطبة التى هى مشابهة بالصلاة فكيف فى عين الصلاة؟ فما ورد عن النبى ﷺ أنه رفع يديه يدعو فى القنوت للنازلة. وما ورد عن عمر مثله محمول على الرفع القصير الذى يكون قبل القنوت وهذا هو الأمر التاسع فافهم۔

...وايضاً(ص۱۲۳): والحاصل: أنه يضع عند الشيخين فى القنوت سواء كان قبل الركوع أو بعده.

Marfat.com

وعند محمد يرسل ولا يرفع يديه فى خلال القنوت حذاء الوجه او الصدر كرفعهما فى الدعاء خارج الصلاة عندهم اتفاقاً. فإن المشروع عندهم بعد رفعهما فى افتتاح الصلاة أو عند القنوت، إما الوضع وإما الإرسال لا إبقائهما مرفوعتين الخ۔

(۲۸۳) قنوت میں ہاتھ باندھنے اور قومہ میں نا باندھنے کا ثبوت

سوال...... مفتی صاحب آپ مسجد اکبری کے بورڈ پر سنت کے مطابق نماز شائع کر رہے ہیں بہت مفید سلسلہ ہے لیکن ایک بات دریافت کرنی ہے کہ قنوت میں ہاتھ باندھنے کا کوئی نص ہے؟ نیز قومہ میں ہاتھ نہ باندھنے کا کسی حدیث سے ثبوت ہے یہ دونوں مسئلے نماز کے انتہائی اہم ہیں لیکن قیاس پر چلتے ہیں آپ نص ذکر کر دیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات ذہن نشین رہے کہ فقہاء مجتہدین نے قرآن وحدیث کے نصوص کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف قواعد بنائے ہیں ان قواعد کے مؤیدات و مستندات نصوص فقہاء کے سامنے ہوتے تھے لہٰذا اس اصول کے مطابق کسی جزیئے کا حکم بیان کرنا قیاس یا عقل نہیں کہلائے گا بلکہ یہ نقل اور منصوص اصول پر تفریع ہوگی لہٰذا زیر بحث مسئلے میں فقہاء کا طے کردہ یہ اصول ہے کہ

"الوضع سنة قيام فيه ذكر مسنون طويل فيضع يديه فى القنوت ايضا لكونه ذكرا طويلا"

(اعلاء السنن ۱۲۳/۶۔۱۲۴)

"یعنی وضع (ہاتھ پر ہاتھ باندھنا) ایسے قیام میں جس میں مسنون طویل ذکر ہو سنت ہے پس قنوت نازلہ میں بھی ہاتھ باندھے جائیں گے کیونکہ اس میں ذکر طویل ہے۔"

یہ اصول نصوص سے مستنبط ہے اس کے نصوص درج ذیل ہیں:

۱)۔"وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ" "یعنی قیام میں خشوع کے ساتھ کھڑے ہو اس آیت قرآنی میں قیام میں خشوع وخضوع کا حکم ہے اب جس قیام میں طویل ذکر ہو وہاں ہاتھ کھولے رکھنا (ارسال) خشوع کے خلاف بلکہ تواضع سے بھی کچھ بعید ہے جبکہ ایسا مختصر قیام جس میں قرار وثبات نہ ہو اس میں ارسال ہاتھ نہ باندھنا خشوع کے خلاف نہیں۔لہٰذا اس قرآنی نص سے بھی یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے۔

۲)۔جنازے کی نماز میں جو قیام ہے اس میں ہاتھ باندھنا صریح منصوص ہے:

"عن سعيد بن المسيب عن ابى هريرة ان النبى ﷺ صلى على جنازة فوضع يده اليمنى على يده اليسرى"

وعن ابى هريرة كان رسول الله ﷺ اذا صلى على الجنازة رفع يديه فى اول تكبيرة ثم وضع يده اليمنى على اليسرى" (دار قطنی ۶۱/۲)

Marfat.com

آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت یہ صریح نصوص بھی اس قاعدے کے مؤید ہیں کیونکہ جنازے میں تکبیر افتتاح کے بعد ذکر مسنون طویل ہے لہٰذا ہاتھ باندھے گئے ہیں اسی وجہ سے سلام سے قبل کی تکبیر کے بعد چونکہ ذکر نہیں لہٰذا ہاتھ چھوڑ دیئے جاتے ہیں گویا کہ جنازے کی نماز میں تکبیر افتتاح کے بعد آپ ﷺ کا ہاتھ باندھ لینا بھی ذکر مسنون طویل اور ذکر قصیر کا فرق اور اس قاعدے کے لیے شاہد ہے۔

۳)۔عمل متوارث بھی ایک بڑی دلیل ہے جمیع امت کا قومہ میں ہاتھ نہ باندھنا متوارث رہا ہے اور اب بھی اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں لہٰذا یہ عمل متوارث بھی قومے میں ہاتھ نہ باندھنے اور اس بیان کردہ قاعدے کیلئے مؤید ہے۔

لہٰذا فقہاء نے اسی قاعدے کی بنیاد پر ثناء، قنوت، نماز جنازہ اور وہ مقامات جہاں ذکر مسنون طویل ہو اس میں ہاتھ باندھنے کو سنت قرار دیا ہے اور قومہ، تکبیرات عیدین کے درمیان اور دیگر وہ مواقع جہاں ذکر مسنون طویل نہ ہو ارسال یعنی ہاتھ چھوڑنے کا حکم مسنون قرار دیا ہے، لہٰذا نصوص، روایت اور درایت کو مدنظر رکھتے ہوئے قومے میں ہاتھ نہ باندھنا ہی سنت ہے اور یہ فقہاء کے ذکر مسنون طویل کے قاعدے پر متفرع ہے جو کہ نصوص کی روشنی میں بنایا گیا چنانچہ قرآنی آیت "وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ" جنازے میں ہاتھ باندھنے کا نص اور امت کا عمل متوارث قومہ میں ہاتھ چھوڑنے کے دلائل ہیں لہٰذا اسے قیاس محض کہنا بے جا اور محل نظر ہے نیز قیام کی طرح قنوت میں ہاتھ باندھنا بھی اس میں موجود ذکر مسنون طویل کی بنیاد پر سنت ہے۔

لما فی الدار القطنی (۶۱/۲): عن ابی هريرة رضی الله عنه ان النبی ﷺ صلی علی جنازة فوضع يده اليمنى على يده اليسرىٰ۔

وفی المحيط البرهانی (۱۰۹/۲۔ ۱۱۰): وكان الشيخ الاجل شمس الائمة الحلوانی يقول: كل قيام فيه ذكر مسنون فالسنة فيه الاعتماد كمافی حالة الثناء والقنوت وصلاة الجنازة وكل قيام ليس فيه ذكر مسنون كمافی تكبيرات العيد فالسنة فيه الارسال وبه كان يفتی الشيخ الامام شمس الائمة السرخسی والصدر الامام الاجل الكبير برهان الدين الاجل الشهيد۔

وفی اعلاء السنن (۱۲۲/۶۔ ۱۲۳): واما الثامن فحكمه ما ذكره الطحطاوی على مراقی الفلاح تحت قول الماتن: ويسن وضع الرجل يده اليمنى على اليسرىٰ بما نصه ولا بدفی ذلك القيام ان يكون فيه ذكر مسنون وما لا فلا ما لم يطل فحينئذ يضع كما فی السراج وغيره وقال محمد لا يضع حتى يشرع فی القراءة فهو عندهما ای الشيخين سنة قيام فيه ذكر مسنون وعنده سنة للقراءة فيرسل عنده حالة الثناء والقنوت وفی صلاة الجنازة وعندهما يعتمد فی الكل واجمعوا على انه يرسل فی القومة بين الركوع والسجود وبين تكبيرات العيدين لعدم الذكر والقراءة فی هذه المواضع فان قيل فی القومة من الركوع ذكر مشروع وهو التسبيح والتحميد فينبغی الوضع فيها

Marfat.com

علی قولهما: اجیب بان المراد قیام له قرار وهذا لا قرارله...... والحاصل انه یضع عند الشیخین فی القنوت سواء کان قبل الرکوع او بعده وعند محمد یرسل ولا یرفع یدیه فی حال القنوت حذاء الوجه او الصدر کرفعهما فی الدعاء خارج الصلوة .... بقی انه لا دلیل فیه ولا فی اثر غیره انه ﷺ کان یضع یدیه بعدرفعهما حیال منکبیه اویرسلهما فمن این قال ابو حنیفة وابو یوسف بالوضع فی القنوت بعده؟ والجواب ان الوضع والارسال بعد الرفع مسکوت عنها فی الحدیث فجری محمد فی الاصل وهو الارسال لان الوضع عمل حادث یحتاج الی الدلیل واخذ الشیخان بالقیاس وقالا ان ارسال الیدین زمانا طویلا ینافی الخشوع وانما السنة ان نقول وضع الکف علی الکف تحت السرة کما مر فی باب صفة الصلاة وکان مقتضی ذلك ان نقول بالوضع فی القومة بین الرکوع والسجود ایضاً لکن فی الوضع للقیام الیسیر وترکه معا حرج فقلنا بان الوضع سنة قیام فیه ذکر مسنون طویل فیضع یدیه فی القنوت النازلة ایضاً لکونه ذکرا طویلاً۔

(۲۸۴) دعائے قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جن عورتوں کو دعائے قنوت نہیں آتی وہ اس کی جگہ ''سورہ اخلاص'' پڑھتی ہیں تو کیا اس سے دعائے قنوت کا وجوب ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو کیا ان عورتوں پر ان سب وتر نمازوں کی قضاء کرنا واجب ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے کوئی مخصوص دعا پڑھنا واجب نہیں بلکہ کوئی بھی دعا پڑھ سکتے ہیں البتہ احنافؒ کے نزدیک مشہور دعا ''اللھم انا نستعینک ونستغفرک ونومن بک . . . الخ'' پڑھنا سنت ہے۔لیکن اگر کسی شخص کو یہ دعا یادنہیں تو اسے چاہیے کہ اس کو یاد کرے اور جب تک یہ دعا یادنہیں ہوتی اس کی جگہ دوسری دعا مثلاً ''رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنیا حَسَنَۃً وَّفِی الآخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار'' یا ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ'' تین مرتبہ پڑھنے سے نماز درست ہوجائے گی۔

لہٰذاصورت مسئولہ میں جن عورتوں کو مذکورہ دعا یادنہیں تو ان کو چاہیے کہ اس کو یاد کرنے کی کوشش کریں اور جب تک یاد نہ ہو تو مذکورہ دعاؤں میں سے کوئی دعا پڑھ سکتی ہیں اس سے نماز درست ہوجائے گی۔عام حالت میں حکم یہی ہے تاہم اگر کسی شخص کو دعائے قنوت یا کوئی دعا یادنہیں تو اگر وہ اس کی جگہ تین مرتبہ ''سورۃ اخلاص'' پڑھ لیتا ہے تو اس کی نماز درست ہوجائے گی۔

لمافی الشامیة (۲/۶۰۷): (قوله ویسن الدعاء المشهور) قد منافی بحث الواجبات التصریح بذلك عن النهر. وذکر فی البحر عن الکرخی انّ القنوت لیس فیه دعاء مؤقت. لانه روی عن الصحابة

Marfat.com

ادعية مختلفة. لان المؤقت من الدعا يذهب برقة القلب... ومن لا يحسن القنوت يقول۔ ربنا اتنا فی الدنيا حسنه۔ الآية۔ وقال ابو ليث يقول: اللهم اغفرلی يكررها ثلاثا. وقيل يقول يارب ثلاثا. ذكره فی الذخيرة۔

وفی السعاية فی كشف مافی شرح الوقاية، باب صفة الصلاة(۲/۱۳۹): وفی مقدمة الغزنوية: ان كان لايحسن القنوت يقرأ ثلاث مرات ''قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ'' او ثلاث مرات ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وِلِلْمُؤمِنِيْنَ وَالْمُؤمِنَاتِ''۔

وفی حاشية الطحطاوی علی الدر المختار (۱/۲۸۰): (وقوله ويسن الدعاء المشهور) وهو اللهم انا نستعينك ونستهديك ونستغفرك ونتوب اليك ونؤمن بك...الخ ويجوز ان يقتصر فی دعا القنوت علی نحو قوله رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ او يقول يا رب ثلاثا او اللهم اغفرلی ثلاثا لانه غير مؤقت فی ظاهر الرواية مطلقا سواء كان يحسن الدعا اولا...

(۲۸۵) وتر کی تیسری رکعت کے رکوع سے قنوت کیلئے لوٹنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے بارے میں کہ ایک شخص وتر کی نماز پڑھ رہا تھا، تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا، جب رکوع میں یاد آیا کہ دعائے قنوت نہیں پڑھی تو وہ واپس کھڑا ہو گیا اور دعائے قنوت پڑھ کر دوبارہ رکوع کیا، اب پوچھنا یہ تھا کہ آیا یہ شخص سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے تو نماز درست ہو جائے گی یا نہیں؟ یا پھر اسے دوبارہ سے نماز پڑھنا چاہیے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر سجدہ سہو کرلیا جائے تو نماز درست ہو جائے گی۔البتہ اس صورت میں قیام کی طرف واپس نہیں آنا چاہیے تھا۔

لمافی الشامية(۲/۸۱): والحاصل ان مايقرؤه يلتحق بما قبل الركوع ويلغو هذا الركوع فتلزم اعادته. حتی لو لم يعده بطلت صلاته بل ذكر فی شرح المنية انه لو قام لاجل القراءة ثم بدا له فسجد ولم يقرأ ولم يعد الركوع قال بعضهم تفسد لانه لما انتصب قائماً للقراءة ارتفض ركوعه وان كان البعض يقول لا تفسد اهـ وهذا كله بخلاف مالو تذكر القنوت فی الركوع فالصحيح انه لايعود. ولو عاد وقنت لا يرتفض ركوعه وعليه السهو لان القنوت اذا اعيد يقع واجباً لا فرضاً۔

Marfat.com

وفی الهندية (۱/۱۲۷): وكذا اذا سجد فی موضع الركوع أو ركع فی موضع السجود أو كرّر ركناً أو قدم الركن أو أخره ففی هذه الفصول كلها يجب سجود السهو۔

(۲۸۶) رمضان میں عشاء کی نماز باجماعت نہ پڑھنے والے کا وتر باجماعت پڑھنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے رمضان المبارک میں نماز عشاء جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی آیا یہ آدمی وتر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ مفتی بہ قول ذکر کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جس آدمی نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھی ہو، وتر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرسکتا ہے۔ یہی مفتی بہ قول ہے۔

لمافی حلبی كبيری (ص۴۱۰): واذا لم يصل الفرض مع الامام فعن عين الائمة الكرابيسی انه لا يتبعه فی التراويح ولا فی الوتر وكذا اذا لم يتابعه فی التراويح لا يتابعه فی الوتر. وقال ابويوسف البانی اذا صلی مع الامام شيئا من التراويح يصلی معه الوتر وكذا اذا لم يدرك معه شيئا منها وكذا اذا صلی التراويح مع غيره له ان يصلی الوتر معه وهو الصحيح ذكره ابو الليث وكذا قال ظهير الدين المرغينانی الخ۔

وفی حاشية طحطاوی علی الدر المختار (۱۰/۲۹۷): قوله فليراجع قضية التعليل فی المسئلة السابقة بقولهم لانها تبع أن يصلی الوتر بجماعة فی هذه الصورة لانه ليس بتبع للتراويح ولا للعشاء عند الامام رحمه الله تعالیٰ انتهیٰ حلبی۔

وفی فتاویٰ دارالعلوم ديوبند (۴/۱۵۲): جماعت وتر میں شریک ہوسکتا ہے۔ كذا صرح به فی الطحطاوی. اور علامہ شامی نے بے شک عدم جواز نقل کیا ہے لیکن طحطاوی کی عبارت میں جواز کی تصریح ہے، اور قاعدہ بھی مقتضی جواز کو ہے اس لئے ہمارے اکابر اساتذہؒ وتر کی جماعت میں شرکت کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ وجہ عدم جواز کی کچھ نہیں ہے۔

(۲۸۷) صرف رمضان میں وتر جماعت سے ادا کرنے کی شرعی حیثیت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان کے مہینہ میں وتر باجماعت ادا کیے جاتے ہیں دوسرے مہینوں میں انفرادی طور پر ادا کیے جاتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے نیز رمضان میں وتر جو باجماعت ادا کیے جاتے ہیں فرض ہیں یا واجب یا سنت؟

الجواب بعون الملک الوھاب......رمضان میں وتر جو باجماعت ادا کیے جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

سے اثر سے ثابت ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے اور دوسرے مہینوں میں انفرادی اس لئے ادا کیے جاتے ہیں کہ ان مہینوں میں کوئی اثر وارد نہیں ہے۔ وتر جو باجماعت ادا کیے جاتے ہیں یہ مستحب ہے۔

کما فی البحر الرائق (۶۹/۲): (قوله ویوتر بجماعة فی رمضان فقط) أی علی وجه الاستحباب وعلیه اجماع المسلمین کمافی الهدایة واختلفوا فی الافضل ففی الخانیة الصحیح ان اداء الوتر بجماعة فی رمضان أفضل لان عمر رضی اللہ عنہ کان یؤمهم فی الوتر الخ۔

وفی الشامیة (۴۸،۴۹/۲): أن جماعة الوتر تبع لجماعة التراویح وان کان الوتر نفسه أصلا فی ذاته لان سنة الجماعة فی الوتر انما عرفت بالأثر تابعة للتراویح......

(ص۴۹) فالوتر کالتراویح فکما أن الجماعة فیها سنة فکذلك الوتر بحر وفی شرح المنیة والصحیح أن الجماعة فیها أفضل الا ان سنیتها لیست کسنیة جماعة التراویح الخ۔

(۲۸۸) وتر میں نو سورتیں پڑھی جانے والی حدیث پر عمل کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر میں (۹) سورتیں تلاوت فرماتے تھے پہلی رکعت میں سورۃ التکاثر، سورۃ القدر، سورۃ الزلزال، دوسری رکعت میں سورۃ العصر، النصر، الکوثر اور تیسری رکعت میں سورۃ الکافرون، اللھب اور سورۃ الاخلاص، اب اگر کوئی اتباع سنت کی نیت سے ان (۹) سورتوں کو پڑھے تو جو ترتیب حدیث میں وارد ہوئی ہے اس طرح پڑھنا مسنون ہوگا یا قرآن شریف کی ترتیب پر پڑھنا مسنون ہوگا۔ کیا ذخیرہ احادیث میں اس مضمون کی حدیث ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....فرض اور واجب نماز میں ترتیب سے قرأت کرنا قرأت کے واجبات میں سے ہے اور اس کی مخالفت کرنا مکروہ ہے البتہ نوافل کے اندر اس کی گنجائش ہے اور چونکہ وتر کی نماز ہمارے ہاں واجب ہے اور واضح رہے کہ قرآن کی سورتوں کی ترتیب بھی صحیح قول کے مطابق توقیفی ہے لہٰذا اس کی رعایت کرنا ضروری ہے اسی وجہ سے ہمارے ائمہ نے نمازِ وتر کے اندر پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ دوسری میں سورۃ الکافرون، تیسری میں سورۃ الاخلاص پڑھنے والی روایت کو سنیت پر محمول کیا ہے لہٰذا یہی طریقہ سنت ہے البتہ مسند احمد کی روایت سے ان ''۹'' سورتوں کا پڑھنا بھی ثابت ہے لیکن اس میں چونکہ ترتیب توقیفی (جس کی رعایت واجب ہے) کا عکس ہے اس لئے اس کو بیان جواز پر محمول کیا جائے گا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں وتر کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ، سورۃ الکافرون، سورۃ الاخلاص پڑھنا ہی مسنون ہے البتہ یہ روایت (کہ جس میں ان ۹ سورتوں کا پڑھنا مذکور ہے) جواز پر محمول ہے۔ اگر کبھی کبھار اس طرح پڑھ لے تو اس کی گنجائش ہے۔ اور بعض حضرات نے وتر میں مسنون قرأت کے چار طریقے بیان فرمائے ہیں۔

(۱) پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری میں سورۃ الکافرون، تیسری میں سورۃ الاخلاص۔

Marfat.com

(۲)۔پہلی میں سورۃ التکاثر، دوسری میں سورۃ العصر، تیسری میں سورۃ الکافرون۔

(۳)۔پہلی رکعت میں سورۃ القدر، دوسری رکعت میں سورۃ النصر، تیسری میں سورۃ اللہب۔

(۴)۔پہلی رکعت میں سورۃ الزلزال، دوسری میں سورۃ الکوثر اور تیسری میں سورۃ الاخلاص۔

اگر اس تاویل کو لے لیا جائے تو اس میں سورتوں کی ترتیب کی بھی رعایت ہوجاتی ہے اور تمام روایات پر عمل بھی ہوجاتا ہے لیکن اس میں بھی پہلا طریقہ زیادہ راجح ہے لانہ اکثر عملاً، البتہ وتر کی جماعت میں (جو کہ صرف رمضان میں ہوتی ہے) اس پر بھی التزام نہ کیا جائے۔

لما فی الترمذی (۱/۱۰۶): عن عبدالعزیز بن جریج قال سالت عائشة بأی شئ کان یوتر رسول الله ﷺ قالت کان یقرأ فی الاولی بسبّح اسم ربك الاعلی وفی الثانیة بقل یایها الکافرون وفی الثالثة قل هو الله احد والمعوذتین۔

وفی تحفة الاحوذی (۱/۳۴۱): والذی اختاره اکثر اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ ومن بعدهم ان یقرأ بسبّح اسم ربك الاعلی وقل یاایها الکفرون وقل هو الله احد ویقرأ فی کل رکعة من ذلك بسورة وبه قال الحنفیة۔

وفی المسند للامام احمد(۱/۱۴۳):عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال کان رسول الله ﷺ یوتر بتسع سور من المفصل، قال اسود: یقرأ فی الرکعة الأولی الهاکم التکاثر.وإنا انزلناه فی لیلة القدر. واذا زلزلت الارض وفی الرکعة الثانیة والعصر واذا جاء نصر الله والفتح وانا اعطینالک الکوثر وفی الرکعة الثالثة قل یاایها الکافرون وتبت یدا ابی لهب وقل هو الله احد۔

وفی الموسوعة الفقهیة(۲۷/۲۹۸): اتفق الفقهاء علی انه یقرأ فی کل رکعة من الوتر الفاتحة ... ثم ذهب الحنفیة الی انه لم یوقت فی القراء ة فی الوتر شئ غیر الفاتحة فما قرأ فیه فهو حسن. وما ورد عن النبی ﷺ: انه قرأ به فی الأولی بسورة سبح اسم ربك الاعلی وفی الثانیة الکافرون. وفی الثالثة بالاخلاص فیقرأ به احیانا. ویقرأ بغیره احیانا للتحرز عن هجران باقی القرآن۔

وفی الهندیة (۱/۷۹): هذا کله فی الفرائض اما فی السنن فلا یکره هکذا فی المحیط۔

وفی الشامیة (۱/۵۴۴): لان الشارع إذا لم یعین علیه شیئا تیسیرا علیه کره له ان یعین... لما فیه من هجر الباقی وایهام التفضیل ... وهذا اذا صلی الوتر بجماعة وان صلی وحده یقرأ کیف شاء اهـ...... فیستحب ان یقرا ذلك احیانا تبرکا بالماثور

وایضاً ذکر فی وتر البحر عن النهایة انه لا ینبغی ان یقرأ سورة متعینة علی الدوام لئلا یظن بعض الناس انه واجب... اما لو قرأه للتیسیر علیه او تبرکا بقراء ته علیه السلام فلا کراهة ولکن

Marfat.com

بشرط ان یقرأ غیرھا احیانا لئلا یظن الجاھل ان غیرھا لا یجوز...

وفی الشامیة (۶/۲): والسنة السور الثلاث ای الاعلی والکافرون والاخلاص لکن فی النھایة ان التعیین علی الدوام یفضی الی اعتقاد بعض الناس أنه واجب وھو لا یجوز فلو قرأ بما وردبه الآثار احیانا بلا مواظبة یکون حسنا...

وفی الدرالمختار (۵۴۶/۱): ویکرہ الفصل بسورة قصیرة وان یقرأ منکوسا الا اذا ختم فیقرأ من البقرة... وفی الشامیة تحته (وقوله وان یقرأ منکوسا) بأن یقرأ فی الثانیة سورة اعلی مما قرأ فی الاولی لان ترتیب السور فی القراة من واجبات التلاوة وانما جوز للصغار تسھیلا لضرورة التعلیم...

وفی مرقاة المفاتیح (۱۱۱/۵): بخلاف ترتیب السور فانه لما کان مختلفا فیه کرھت مخالفته لغیر عذر. ولما ورد أنه ﷺ قرا النسآء قبل آل عمران لبیان الجواز او نسیانا لیعلم الصحة به، مع ان الاصح ان ترتیب السور توقیفی۔

(۲۸۹) وتر کی نماز دوسلاموں سے پڑھنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ارادہ انشاء اللہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کا ہے اب مسئلہ یہ ہے کہ وہاں کے ائمہ وتر کی نماز میں دو رکعات پر سلام پھیرتے ہیں پھر اسکے بعد ایک رکعت پڑھ کر دوبارہ سلام پھیرتے ہیں، آیا میرے لئے اسطرح انکی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو کیا انفرادا وتر کی نماز پڑھوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....صورت مسئولہ میں اصح قول کی بنا پر کسی حنفی المسلک کو ایسے امام کی اقتداء درست نہیں بلکہ انفرادی نماز پڑھ لی جائے۔

لمافی الشامیة (۸/۲): ولم یذکر الشارح تعلیل اشتراط عدم الفصل بسلام اکتفاءً بما اشار الیه قبله من ان الاصح اعتبار اعتقاد المقتدی والسلام قاطع فی اعتقادہ فیفسد اقتدائه وان صح شروعه معه اذ لا مانع منه فی الابتداء کما افادہ۔ح

(۲۹۰) وتر میں حنفی کا شافعی کی اقتداء کرنا

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱)۔عربوں کے یہاں وتر دو اور ایک رکعت کرکے پڑھی جاتی ہے، حنفی ایک نیت کے ساتھ تینوں رکعت پڑھتے ہیں، اگر شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے (رمضان میں) تو پھر حنفی ان کے

Marfat.com

ساتھ نماز پڑھیں یا نہیں؟ اکثریت حنفی کی پڑھتی ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲)۔دوسری بات یہ ہے کہ نیت کیا کرنی چاہیے امام نماز سے پہلے بولتا ہے کہ دو رکعت نماز عشاء ہے اور پھر بعد میں کہتا ہے کہ ایک رکعت نماز وتر ہے، اس میں یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ نیت کس نماز کی کرنی چاہیے لہٰذا اکثر حنفی یہ نیت کرتے ہیں کہ ''جو نیت امام کی وہ میری'' کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)۔احناف کے ہاں وتر تین رکعات ہیں جو کہ ایک سلام کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر شافعی امام وتر میں پہلی دو رکعات کے بعد سلام پھیرتا ہے اور اس کے بعد ایک رکعت پڑھ کر آخر میں پھر سلام پھیرتا ہے تو ایسے شافعیؒ امام کے پیچھے حنفی کی اقتداء شرعاً درست نہیں ہے۔

(۲)۔اگر شافعی امام دو رکعات کے بعد سلام نہیں پھیرتا ہے بلکہ تینوں رکعات کیلئے آخر ہی میں سلام پھیرتا ہے تو اس کے پیچھے حنفی کی اقتداء درست ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ حنفی وتر کی نیت میں مطلقاً وتر کا ذکر کرے۔

لما فی الدر المختار(۲/۷): (وصح الاقتداء فیه) ففی غیره اولی ان لم یتحقق منه مایفسدها فی اعتقاده فی الاصح کما بسطه فی البحر(بشافعی) مثلاً(لم یفصله بسلام) لا ان فصله(علی الاصح) فیهما للاتحاد وان اختلف الاعتقاد (و) لذا (ینوی الوتر لاالوتر الواجب کما فی العیدین) للاختلاف۔

(۲۹۱)حنفی کا شافعی امام کے پیچھے وتر میں لفظ واجب ملانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک مفتی صاحب سے یہ مسئلہ سنا ہے کہ حنفی آدمی شافعی آدمی کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ امام اس حنفی مقتدی کے مسائل اختلافیہ میں اس کی رعایت رکھتا ہو، اب میرے ذہن میں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اگر کوئی حنفی وتر یا عیدین شافعی امام کے پیچھے پڑھتا ہے تو چونکہ احناف کے نزدیک یہ نمازیں واجب ہیں اور شوافع کے نزدیک غیر واجب ہیں، آیا اس صورت میں اقتداء درست ہو جائے گی؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وتر کے ساتھ واجب کا لفظ نہ کہو تو پھر ہو جائے گی کیا یہ درست ہے؟ اس صورت میں بھی تو عملاً نماز بہر حال مقتدی کی واجب ہی رہے گی تو اس کا کیا جواب ہوگا؟

براہ کرم تفصیل سے دلائل کے ساتھ میرے اس مسئلے کا جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......حنفی آدمی کا شافعی مسلک امام کی اقتداء میں وتر ادا کرنا درست ہے اس شرط کے ساتھ کہ امام وتر کی دوسری رکعت میں سلام نہ پھیرے اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ امام نے مطلق وتر کی نیت کی ہو، وتر سنت کی نیت نہ کی ہو، اور اس دوسری شرط کا علم چونکہ قدرے دشوار ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ وتر الگ سے یا حنفی امام کے پیچھے پڑھے اور یہ بات کہ شافعی امام کے پیچھے جب وتر پڑھے تو لفظ واجب وتر کے ساتھ نہ کہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے (وینوی الوتر لا الواجب) استحباب پر محمول ہے جیسا کہ

Marfat.com

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ (۱ / ۳۰۲) میں تصریح کی ہے۔ اگر کوئی لفظ واجب ساتھ کہہ دے تو اس سے صحت اقتداء پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ احناف کے نزدیک وتر اور عید کی نماز واجب ہے اور شوافع کے نزدیک سنت ہے اور فرض یا واجب پڑھنے والے کیلئے نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرنا درست نہیں، لہٰذا مذکورہ صورت میں اقتداء کرنا درست نہ ہوا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ عقیدہ میں شافعی امام اور حنفی کا اختلاف ہے حنفی کے نزدیک وتر واجب اور شافعی کے نزدیک سنت ہے لیکن نیت دونوں کی ایک نماز یعنی وتر یا عید کی ہے پس اس نیت کے اتحاد کا اعتبار کرتے ہوئے اقتداء درست ہے اور وتر میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وتر کا وجوب ضعیف ہے کیونکہ بہت سی چیزوں میں وتر کی سنت سے مشابہت ہے مثلاً ایک یہ کہ وتر کیلئے باقی فرائض کی طرح مستقل وقت نہیں بلکہ عشاء کے تابع ہے اور اس کیلئے اذان ہے اور نہ ہی اقامت، یہی وجہ ہے کہ سنت کی طرح وتر کی بھی تمام رکعات میں قرأت فرض ہے پس ان وجوہات کی بنا پر اقتداء کرنا درست ہے۔

وفی الهندية(۱/۸۴): قال الفضلی يصحّ اقتداء الحنفی فی الوتر بمن يری مذهب ابی يوسف ومحمد رحمهما الله تعالیٰ هكذا فی الخلاصة۔

وفيه ايضاً(۱/۱۱۱): ولو صلی الوتر بمن يقنت فی الوتر بعد الركوع فی القومة والمقتدی لا يری ذالك تابعه فيه هكذا فی فتاوی قاضيخان۔

وفی الدر المختار(۲/۸-۷): (وصح الاقتداء فيه) ففی غيره أولی ان لم يتحقق منه ما يفسدها فی اعتقاده فی الأصح كما بسطه فی البحر (بشافعی) مثلاً (لم يفصله بسلام) لا ان فصله (علی الاصح) فيهما للاتحاد وان اختلف اعتقاد (و) لذا (ينوی الوتر لا الوتر الواجب كمافی العيدين) للاختلاف۔

وفی الشامية تحته: (قوله للاتحاد الخ) علة لصحة الاقتداء۔ ورد علی مامرّ من الإرشاد بما نقله أصحاب الفتاوی عن ابن الفضل أنه يصح الاقتداء لأنّ كلا يحتاج إلی نية الوتر، فأهدر اختلاف الاعتقاد فی صفة الصلاة، واعتبر مجرد النية اهـ......ورده فی البحربما صرّح به فی التجنيس ايضاً من انّ الامام ان نوی الوتر وهو يراه سنة جاز الاقتداء كمن صلی الظهر خلف من يری انّ الركوع سنة وان نواه بنية التطوع لايصح الاقتداء لانه يصير اقتداء المفترض بالمتنفّل اهـ......

(قوله لا الوتر الواجب) الذی ينبغی ان يفهم من قولهم انه لا ينوی انه واجب انه لا يلزمه تعيين الوجوب لامنعه من ذالك لانه ان كان حنفياً ينبغی ان ينويه ليطابق اعتقاده وان كان غيره فلا تضره تلك النية بحر (قوله للاختلاف) ای فی الوجوب والسنيّة وهو علة للعيدين

Marfat.com

فقط۔

(۲۹۲) وتر کے بعد دو رکعت کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک دیندار انسان ہے تمام نمازیں با جماعت پڑھنے کا اہتمام کرتا ہے اسی طرح نوافل کا بھی اہتمام کرتا ہے چنانچہ وہ روزانہ وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھتا ہے لیکن عمرو کہتا ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے کیونکہ بیٹھ کر پڑھنے سے ثواب آدھا ملے گا، اب پوچھنا ہے کہ وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے؟ بینوا توجروا

الجواب بعون الملک الوھاب......نفل نماز مطلقاً چاہے وتر کے بعد کی دو رکعت ہوں یا دیگر نوافل، کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اور اگر کوئی شخص بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھے تو اس کو آدھا اجر ملے گا۔

لمافی مشکوۃ المصابیح (ص۱۱۳): وعن أبي امامة أن النبي ﷺ كان يصليهما بعد الوتر وهو جالس يقرأ فيهما إذا زلزلت وقل يأيها الكفرون رواه احمد۔

وفی النسائی (۱/۱۱۸): عن عبدالله بن عمرو قال رأيت النبي ﷺ يصلي جالساً فقلت حدثت انك قلت ان صلوة القاعد على النصف من صلوة القائم وأنت تصلى قاعداً قال أجل ولكني لست كأحد منكم۔

وفی هامشه (ص۵): قوله لست كأحد منكم يفيد انه مخصوص بينهم بأن لا ينقص له في الاجر في صلاته قاعداً وقائماً كذا قال السندي۔

وفی الدر المختار (۲/۳۶): (ويتنفل مع قدرته على القيام قاعداً)... وفيه أجر غير النبي ﷺ على النصف الا بعذر۔

وفی الشامية تحته: (قوله أجر غير النبي ﷺ) أما النبي ﷺ فمن خصائصه أن نافلته قاعداً مع القدرة على القيام كنافلته قائماً... (قوله على النصف الا بعذر) أما مع العذر فلا ينقص ثوابه عن ثوابه قائماً۔

وفی شرح النووی علی هامش الصحيح المسلم (۱/۲۵۴): قلت الصواب أن هاتين الركعتين فعلهما ﷺ بعد الوتر جالساً لبيان جواز الصلوة بعد الوتر وبيان جواز النفل جالساً ولم يواظب على ذالك بل فعله مرة أو مرتين أو مرات قليلة ولا تغتر بقولها كان يصلى فإن المختار الذى عليه الأكثرون والمحققون من الأصوليين أن لفظة كان لايلزم منها

Marfat.com

الدوام ولا التكرار وانما هی فعل ماض يدل على وقوعه مرة فان دل دليل على التكرار عمل به وإلا فلا تقتضيه بوضعها وقد قالت عائشة رضی الله عنها كنت أطيب رسول الله ﷺ لحله قبل أن يطوف ومعلوم أنه ﷺ لم يحج بعد أن صحبته عائشة الا حجة واحدة وهی حجة الوداع فاستعملت كان فی مرة واحدة۔

Marfat.com

فصل فی سجود السہو والتلاوۃ

(سجدۂ سہو اور سجدۂ تلاوت کے مسائل کا بیان)

(۲۹۳) سجدۂ سہو کے واجب ہونے کی صورتیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے اکثر نماز میں یہ پریشانی لاحق ہوجاتی ہے کہ کچھ چیزیں چھوٹ جاتی ہیں، کبھی رکوع وسجدے کی تسبیحات چھوٹ جاتی ہیں اور کبھی کیا، میں اس پر سجدہ سہو کرلیا کرتا تھا، پھر میرے ایک دوست نے کہا کہ ہر غلطی پر سجدۂ سہو نہیں ہوتا بلکہ بعض مخصوص صورتیں ہیں کسی عالم دین سے اس کی تفصیل پوچھ لو۔ براہ کرم آپ مجھے اس تحریر کے ذریعے بتادیں کہ سجدہ سہو کن کن صورتوں میں کرنا ضروری ہوتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سجدہ سہو کسی واجب کے چھوٹ جانے یا واجب یا فرض میں تاخیر یعنی دیر ہوجانے یا کسی فرض کو اس کی جگہ سے ہٹا کر پہلے کردینے یا کسی فرض کو دوبارادا کردینے سے واجب ہوجاتا ہے اور سجدہ سہو سے اس بھول کی تلافی ہوجاتی ہے اگر قصداً ایسا کرے تو سجدۂ سہو سے کام نہ چلے گا بلکہ نماز کا دوہرانا لازم ہوگا اور اگر کوئی فرض چھوٹ جائے تو اس کی تلافی سجدۂ سہو سے نہ ہوگی۔ اور تسبیحات وغیرہ جو سنت اور مستحب کی قبیل سے ہیں ان کے چھوٹنے پر کچھ واجب نہیں۔

لمافی المحیط البرهانی(۳۰۸/۲): تکلم المشائخ فی هذا و اکثرهم علی انه یجب بستة اشیاء بتقدیم رکن وتاخیر رکن وبتکرار رکن وبتغیر واجب وبترك واجب وبترك سنة تضاف الی جمیع الصلاة۔ اما تقدیم الرکن نحو ان یرکع قبل ان یقرأ ویسجد قبل ان یرکع وتاخیر الرکن ان یترك سجدة صلبیة سهوا فیذکرها فی الرکعة الثانیة فیسجد ها أو یؤخر القیام الی الثالث بالزیادة علی قدر التشهد وتکرار رکن۔ ان یرکع رکوعین أو یسجد ثلاث سجدات وتغییر الواجب ان ...ر فیما یخافت او یخافت فیما یجهر وترك الواجب نحو ان یترك القعدة الاولی (فی الفرائض وترك السنة ا...ضافة الی جمیع الصلاة نحو ان یترك التشهد فی القعدة الاولی۔

وفی الهندیة(۱۲۶/۱): ولایجب بترك التعوذ والبسملة فی الاولیٰ والثناء وتکبیرات الانتقالات

Marfat.com

الخ۔

وفی الشامیة (۷۹/۲): والعمد لا یجبرہ سجود السہو بل تلزم فیه الاعادۃ۔

وفی شرح الوقایة (۱۸۴/۱): فی هامش (۱۲) بعد اسطر: ولا یجب ایضا بترك رکن عمدا کان او سهوا لان ترك الرکن مبطل للصلوٰۃ رأسا ولا یمکن جبر نقصان ثابت به ولو ترك الواجب عمدالا یسجد لان الوارد فی الاحادیث هو السجود عند السهو لا عند العمد بل یعید الصلوٰۃ۔

(۲۹۴) امام کا قرأت کے دوران بھول کر خاموش رہنا پھر سجدہ سہو کرنا کیسا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ماموں نے تبلیغی جماعت میں ۴ مہینے لگائے، جب گاؤں میں واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں جماعت سے نماز پڑھنے میں ستائیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے اس لئے اکیلے اکیلے نماز پڑھنے کے بجائے تم اور دوستوں کو بھی یہاں میری بیٹھک میں ہی لے آیا کرو، ہم سب مل کر جماعت سے نماز پڑھا کریں گے۔ الحمدللہ اب ہم سب جماعت سے نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ دوسروں کی نسبت ماموں کو قرآن پڑھنا درست آتا ہے اسلئے وہ ہمارے امام بن جاتے ہیں لیکن قرأت کے دوران غلطیاں بہت کرتے ہیں کبھی پڑھتے پڑھتے بھول جاتے ہیں تو خاموش ہوجاتے ہیں یا پھر دوسری سورت شروع کردیتے ہیں اور آخر میں سجدہ سہو کرتے ہیں کیا اس طرح ہم سب کی نماز سجدہ سہو کرنے سے درست ہوجائے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ کل قیامت کے دن اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں مسلمان بن کر حاضر ہو، وہ ان نمازوں کو ایسی جگہ ادا کرنے کا اہتمام کرے جہاں اذان ہوتی ہو (یعنی مسجد میں) اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے تمہارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے ایسی سنتیں جاری فرمائی ہیں جو سراسر ہدایت ہیں انہیں میں سے یہ جماعت کی نمازیں بھی ہیں۔ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ فلاں شخص پڑھتا ہے تو نبی علیہ السلام کی سنت کو چھوڑنے والے ہوگے، اور یہ سمجھ لو کہ اگر نبی علیہ السلام کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہوجاؤ گے (مسلم شریف، ۲۳۲/۱)......دوسری حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد میں ہی ہوگی (کنز العمال، ۶۵۰/۷)، نیز اور بے شمار وعیدیں وارد ہوئی ہیں ان لوگوں کے بارے میں جو بلا عذر اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں، ان تمام احادیث کی بنا پر آپ کے ماموں کیلئے یہ بات جائز نہیں کہ یہ مسجد کو چھوڑ کر بیٹھک میں جماعت کروائیں لہٰذا ان کو چاہیے کہ تمام نمازوں کو مسجد میں جاکر جماعت کے ساتھ ادا کریں ہاں اگر قریب میں کوئی مسجد نہیں تو کسی مسجد کی بنیاد رکھیں تاکہ ان وعیدوں سے بچ سکیں البتہ صورت مسئولہ میں اگر آپ کے ماموں قرأت کے دوران ایسی غلطیاں کرتے ہیں جن سے معنی تبدیل نہ ہوتے ہوں تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی، ہاں ان کا بھول جانا پھر خاموش

Marfat.com

ہوجانا اگرایک رکن کی مقدار ہے تو اس صورت میں سجدہ سہو کرنے سے نماز درست ہوگی اور اگراتنی مقدار سے کم خاموش رہے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا، اور نماز درست ہوگی۔

لمافی المسلم (۱/۲۳۲): عن عبداللہ قال من سرہ ان یلقی اللہ تعالیٰ غدا مسلما فلیحافظ علی ھولاء الصلوات حیث ینادیٰ بھن فان اللہ شرع لنبیکم سنن الھدی، وانھن من سنن الھدی ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیکم ولوترکتم سنۃ نبیکم لضللتم ...الخ۔

وفی سنن ابی داؤد(۱/۸۱): عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ من سمع المنادی فلم یمنعہ من اتباعہ عذر قالوا وما العذر قال خوف أو مرض لم تقبل منہ الصلوۃ التی صلی۔

وفی المحیط البرھانی(۲/۳۱۴): وشرح الکافی ''للصدر الشھید: وکان الشیخ الامام الأجل ظھیر الدین المرغینانی یقول: لا یجب سجود السھو بقولہ : اللھم صل علی محمد ونحوہ. وانما المعتبر مقدار ما یؤدی فیہ رکناً۔

وفی البحر الرائق(۱/۶۰۶): وسئل الحلوانی عمن یجمع باھلہ احیانا ھل ینال ثواب الجماعۃ أولا؟ قال: لا ویکون بدعۃ ومکروھا بلاعذر۔

وفی التاتارخانیۃ(۱/۵۷۱): سئل الحلوانی عمن یصلی جماعۃ مع اھلہ فی بیتہ أحیانا ھل ینال فضل الجماعۃ؟ قال لا وسئل ھل یکون بدعۃ ومکروھا؟ قال نعم۔

وفی الھندیۃ (۱/۸۱): وان غیر المعنی تغیرا فاحشا بأن قرأ ''وعصی ادم ربہ'' بنصب المیم ورفع الرب وما أشبہ ذلک مما لو تعمد بہ یکفر اذا قرأخطأ فسدت صلاتہ فی قول المتقدمین واختلف المتأخرون قال محمد بن مقاتل... وشمس الائمۃ الحلوانی لاتفسد صلاتہ الخ۔

(۲۹۵) قیام میں پہلے التحیات پڑھے پھر فاتحہ یا قعدہ میں فاتحہ پڑھے تو کیا حکم ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی قیام میں التحیات للہ الخ پڑھ لیتا ہے پھر اس کو خیال آیا اور قرأت کی۔ آیا اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح اگر تشہد میں سورۃ فاتحہ پڑھے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......کوئی شخص قعدہ میں تشہد سے پہلے فاتحہ پڑھے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور اگر قیام میں پہلے تشہد پڑھے پھر فاتحہ پڑھے تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، اور اگر قعدہ میں پہلے تشہد پڑھے پھر فاتحہ تو بھی سجدہ سہو واجب

Marfat.com

نہیں ہوگا۔

لمافی الخلاصة(۱/۱۷۷): وفی الفتاوی لو قرأ الفاتحة او آیة من القرآن فی القعدة اوفی الرکوع اوفی السجود او قرأ التشهد فی الرکوع اوفی السجود علیه السهو، ولو قرأ التشهد فی القیام قبل ان یشرع فی القرآءة عامداً او ناسیاً فلا سهو علیه۔

لمافی الهندیة(۱/۱۲۷): واذا قرأ الفاتحة مکان التشهد فعلیه السهو وکذالك اذا قرء الفاتحة ثم التشهد کان علیه السهو کذا روی عن ابی حنیفة رحمة الله تعالیٰ علیه فی الواقعات الناطفیة وذکر هناك اذا بدأ فی موضع التشهد بالقرآءة ثم تشهد فعلیه السهو ولو بدأ بالتشهد ثم بالقرآءة فلا سهو علیه۔

(۲۹۶) سبحان ربی العظیم کی جگہ سبحان ربی الاعلی پڑھ لیا تو سجدہ سہو کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے نماز میں سبحان ربی العظیم کی جگہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھ لیا تو اس شخص پر سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب……مذکورہ صورت میں سجدہ سہو لازم نہیں۔

لمافی التاتارخانیة(۱/۷۱۵): واما الاذکار کل ذکر لم یقصد لنفسه ... لا یلزمه السهو... و کتسبیحات الرکوع والسجود۔

وفی الشامیة (۲/۸۰): قوله بترك واجب) ...... واحترز بالواجب عن السنة، کالثناء والتعوذ ونحوهما۔

(۲۹۷) قعدہ اولیٰ نہ کرنے کا حکم

سوال……جناب حضرت مفتی صاحب ایک مسئلہ پوچھنا ہے کہ اگر چار رکعات والی سنتوں میں یا وتر میں کوئی قعدہ اولیٰ بھول جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز ہو جائیگی؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سنتوں اور وتر میں قعدہ اولیٰ فرض ہے لہٰذا بھول جانے پر سجدہ سہو کافی نہیں، نماز نہیں ہوگی اعادہ واجب ہوگا۔

الجواب بعون الملک الوھاب……چار رکعات والی سنتوں اور وتر میں قعدہ اولیٰ واجب ہے نہ کہ فرض، لہٰذا اگر کسی سے قعدۂ اولیٰ رہ گیا تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہو جائیگی اعادہ واجب نہ ہوگا۔

لمافی الدرالمختار(۱/۴۶۵): (والقعود الاول) ولوفی النفل فی الاصح وکذاترك الزیادة فیه علی

Marfat.com

التشهد۔

(۲۹۸) غلطی سے قاعدہ اولی میں سلام پھیرنے کا حکم

سوال......ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا چار رکعات کی نیت باندھ لی تھی لیکن بھولے سے قعدہ اولی میں سلام پھیر دیا جب یاد آیا کہ یہ میری دوسری رکعت ہے تو فوراً کھڑا ہو گیا اور باقی نماز پڑھ لی اور آخر میں سجدہ سہو بھی کر لیا آیا اس شخص کی نماز ہو گئی؟ نیز اگر مسبوق سے امام کے ساتھ یا امام کے فارغ ہونے کے بعد کوئی واجب رہ جائے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہو گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں جب بھولے سے سلام پھیر لیا اور قبلہ کی طرف سینہ پھیرنے اور کسی مفسد صلاۃ کے ارتکاب سے پہلے بقیہ رکعات پڑھ کر سجدہ سہو کر لیا تو نماز ہو گئی، نیز مسبوق اگر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کوئی واجب چھوڑ دے تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا البتہ اگر امام کے سلام پھیرنے کے بعد کوئی واجب رہ جائے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہو گا۔

لما فی الشامیة (۹۲/۲): در: ویسجد للسهو ولو مع سلامه ناویا للقطع لان نیة تغیر المشروع لغو... مالم یتحول عن القبلة اویتکلم... سلم مصلی الظهر مثلا علی راس الرکعتین توهما اتمها اربعا وسجد للسهو لان ساهیا لایبطل لانه دعاء من وجه بخلاف مالو سلم علی ظن۔

وفی الشامیة تحته: قوله لانه دعاء من وجه ای فلذا خالف الامام...

وفی الشامیة (۵۹۶/۱): قوله حتی یثنی، تفریع علی قوله منفرد فیمایقضیه بعد فراغ امامه ------ ویلزمه السجود اذا سها فیمایقضیه۔

(۲۹۹) قعدۂ اولیٰ سہواً چھوٹ جانے کے بعد قیام سے دوبارہ واپس آنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کل ظہر کی پہلی چار سنتیں جماعت سے پہلے نہیں پڑھ سکا اور بعد میں چار سنتیں پڑھ رہا تھا۔ تو دوسری رکعت میں التحیات میں بیٹھنا بھول گیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا ابھی تک سورۃ فاتحہ شروع نہیں کی تھی کہ مجھے یاد آ گیا کہ میں التحیات پر بیٹھنا بھول گیا ہوں، تو میں فوراً التحیات میں بیٹھ گیا۔ پھر تیسری اور چوتھی رکعت پوری کی اور آخر میں سجدۂ سہو کیا۔ کیا اس طرح میری نماز درست ہو گئی ہے یا سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں تھی؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں آپ کی نماز ہو گئی اور آپ نے جو سجدہ سہو کیا ہے وہ بھی ٹھیک ہے۔ البتہ زیادہ بہتر یہ تھا کہ آپ نہ بیٹھتے اور آخر میں سجدۂ سہو کر کے اپنی نماز کو مکمل کرتے۔

لما فی الفتاویٰ التاتارخانیة (۴۳۸/۱): وفی الفتاوی العتابیة وان کان فی التطوع قال بعضهم یعود مالم یقید بالسجدة والصحیح انه لا یعود۔

Marfat.com

وفی الطحطاوی علی الدر(۱/۳۱۲): (قوله واما النفل) ولو الرباعية المؤكدة نهر (قوله فيعود) لان كل شفع صلاة على حدة فی حق القراء ة فأمر نابالعود الى القعدة احتياطا ومتى عادتبين ان القعدة وقعت فرضا فيكون رفض الفرض لمكان الفرض فيجوز وقيل لا يعود لانه صار كالفرض حلبی عن البحر۔

وتحت (قوله ويسجد لتاخير الواجب) الاولى ان يقول لتاخير الفرض وهو القيام اويقول لترك الواجب وهو القعود۔

وفی الدر المختار(۲/۸۴): (وإلا) أی وإن استقام قائما (لا) يعود لاشتغاله بفرض القيام (وسجد للسهو) لترك الواجب (فلو عاد إلى القعود) بعد ذلك (تفسد صلاته) لرفض الفرض لما ليس بفرض وصححه الزيلعی (وقيل لا) تفسد لكنه يكون مسيئا ويسجد لتأخير الواجب (وهو الأشبه) كما حققه الكمال وهو الحق بحر الخ۔

وفی الشامية تحته: (قوله بعد ذلك) ای بعد ما استقام قائما ... (قوله لكنه يكون مسيئا) أی ويأثم۔

(۳۰۰) دونوں طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سجدہ سہو کیلئے منفرد کو دونوں طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا چاہیئے یا ایک طرف بھی سلام پھیرنا کافی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......منفرد کو سجدۂ سہو میں ایک طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنا چاہیئے البتہ اگر دونوں طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرلیا تو بھی نماز ہو جائے گی۔

لمافی الشامية(۲/۷۸): والذی ينبغی الاعتماد عليه تصحيح المجتبی أنه يسلم عن يمينه فقط.... ويؤيده ماوجهوا به القول الواحدة من أن السلام الأول لشيئين: للتحليل وللتحية والسلام الثانی للتحية فقط ای تحية بقية القوم لأن التحليل لا يتكرر، وهنا سقط معنى التحية عن السلام لأنه يقطع الإحرام فكان ضم الثانی إليه عبثا ولو فعله فاعل لقطع الإحرام۔

(۳۰۱) سجدہ سہو کرنا بھول کر دونوں طرف سلام پھیر دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک شخص نے نماز میں غلطی کی اور سجدہ سہو کرنا تھا مگر بھول

Marfat.com

کر سلام پھیر دیا اب اسے پوری نماز دھرانی پڑے گی یا کوئی اور طریقہ ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کسی وجہ سے سجدہ سہو کرنا تھا لیکن یاد نہ رہا اور بھول کر سلام پھیر دیا تو اس صورت میں اگر نمازی نے کوئی منافی صلاۃ عمل نہ کیا ہو، مثلاً اپنی جگہ سے ابھی اٹھا نہیں اور نہ ہی قبلہ سے رُخ پھیرا ہو کہ اس کو یاد آ گیا تو فوراً سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر لے اور اگر کوئی عمل منافی صلاۃ کیا ہو تو اس صورت میں سجدہ سہو چھوڑ دینے کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

لما فی الفتاویٰ التاتارخانية (۴۳۲/۱): واذا سلم يريد به قطع الصلوة وعليه سجود السهو فعليه أن يسجد للسهو... فقد شرط لاداء سجدتی السهو شرطاً زائداً وهو أن لا يتكلم ولا يقوم عن محله ذالك، فهذا اشارة الى أنه متى قام عن محله واستدبر القبلة أنه لا يأتی بسجدتی السهو وان كان لم يخرج عن المسجد بعد۔

وفی الدر المختار (۴۵۶/۱): (ولها واجبات) لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا فی العمد والسهو إن لم يسجد له۔

(۳۰۲) سجدۂ سہو بھول کر سلام پھیرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پچھلے ہفتے میں کسی کام کے سلسلے میں صدر گیا ہوا تھا اور وہاں عشاء کی اذان ہوگئی تو میں نے اپنے کام کو مؤخر کیا اور مسجد میں عشاء کی نماز پڑھنے گیا۔ جماعت سے نماز پڑھنے کے بعد وتر کی نماز میں دعا قنوت پڑھنا بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا۔ کیونکہ مجھے مسئلہ معلوم تھا کہ اب رکوع سے نہیں اٹھنا چاہیے بلکہ آخر میں سجدہ سہو کر لینا چاہیے۔ لیکن آخری قعدہ میں بھی سجدہ سہو کیے بغیر ہی بھول کر سلام پھیر دیا۔ جب سلام پھیرا تو مجھے یاد آیا کہ مجھ پر سجدہ سہو کرنا ضروری تھا اور میں نے سجدۂ سہو نہیں کیا۔ اس لئے میں نے دوبارہ وتر ادا کئے۔ کیا اگر سجدۂ سہو واجب ہو، اور آدمی سجدہ سہو کرنا بھول جائے تو نماز نئے سرے سے پڑھنا ضروری ہے یا اس وقت صرف سجدۂ سہو کر لیں تو کیا نماز درست ہو جاتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......دعائے قنوت پڑھنا واجب ہے، نہ پڑھنے کی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ تاہم اگر کوئی شخص سجدۂ سہو بھول جائے اور نماز ختم کرنے کی نیت سے سلام پھیر دے تو اس صورت میں اگر قبلہ سے انحراف نہ پایا گیا ہو، اور بات چیت نہ کی ہو تو ترکِ واجب کے یاد آنے پر سجدۂ سہو کر لینے سے اس کی نماز بغیر نقصان کے درست ہو جائے گی۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کر لیتے تو آپ کی نماز بغیر نقصان کے ٹھیک ہو جاتی اور دوبارہ پڑھنے کی حاجت نہ ہوتی۔

لما فی الفتاویٰ التاتارخانية (۴۳۲/۱): واذا سلم يريد به قطع الصلوة وعليه سجود السهو فعليه أن يسجد للسهو... فقد شرط لاداء سجدتی السهو شرطاً زائداً وهو أن لا يتكلم ولا يقوم عن محله ذالك، فهذا اشارة الى أنه متى قام عن محله واستدبر القبلة أنه لا يأتی بسجدتی السهو وان

Marfat.com

كان لم يخرج عن المسجد بعد۔

وفی الشامية(۹۱/۲): قال فی الدر: (ويسجد للسهو ولو مع سلامه) ناوياً (للقطع) لأن نية تغيير المشروع لغو، (مالم يتحول عن القبلة او يتكلم) لبطلان التحريمة۔

قال فی الشامية: قيد بالسهو لأنه لو سلم ذاكراً أن عليه سجدة تلاوة او قراء ة التشهد الأخير سقطت عنه، لأن سلامه عمد فيخرجه من الصلاة ولا تفسد صلاته لأنه لم يبق عليه ركن من أركان الصلوة بل تكون ناقصة لترك الواجب۔۔۔

(قوله لبطلان التحريمة) اى بالتحول أو التكلم، وقيل لا يقطع بالتحول مالم يتكلم أو يخرج من المسجد كما فی الدرر عن النهاية۔

(۳۰۳) سورۂ فاتحہ کے بعد سورت کی جگہ دوبارہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نماز کے اندر سورۂ فاتحہ کے بعد سورت کی جگہ پر بھی فاتحہ کو پڑھتا ہے تو اس شخص کی نماز کا کیا حکم ہے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......فرض کی آخری دو رکعتوں کے علاوہ چاہے فرض ہو یا واجب سنت ہو یا نفل ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت، تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت ملانا واجب ہے۔

صورت مسئولہ میں دوبارہ فاتحہ پڑھنے سے واجب ادا نہ ہوا۔ پس اگر یہ فعل سہواً صادر ہوا ہو، تو سجدہ سہو کرنے سے نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور اگر قصداً کیا ہے تو نماز کا اعادہ کرنا لازم ہوگا۔

لمافی القدوری (باب النوافل) (ص۲۶): القراء ة واجبة فی الركعتين الاولیين وهو مخير فی الاخريين ان شاء قرأ الفاتحة، وان شاء سكت وان شاء سبح والقراء ة واجبة فی جميع ركعات النفل وجميع الوتر۔

وفی الطحطاوی علی الدر(۲۵۸/۱): (قوله كذا ترك تكريرها) فلو قرأ الفاتحة مرتين قبل السورة وجب سجود السهو لتاخير السورة۔

وفی الشامية(۴۵۶/۱):(قوله وتعاد وجوباً) اى بترك هذه الواجبات او واحد منها وما فی الزيلعی والدرر والمجتبی من انه لو ترك الفاتحة يؤمر بالاعادة لالو ترك السورة رده فی البحر بان الفاتحة وان كانت آكد فی الوجوب للاختلاف فی ركنيتها دون السورة لكن وجوب الاعادة حكم ترك الواجب مطلقا لا الواجب المؤكد وانما تظهر الآكدية فی الاثم لانه مقول

Marfat.com

بالتشکیک۔

(۳۰۴) سجدہ سہوادا کرنے کے بعد قیام کی طرف لوٹنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے نماز کے دوران سہو ہونے کی وجہ سے سجدہ سہو کیا اس کے بعد نماز کو پورا کرنے کے بجائے کھڑے ہو کر سورہ فاتحہ پڑھنے لگا پھر سورہ فاتحہ پڑھتے وقت یاد آ جائے تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟ از روئے شرع اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب......مذکورہ صورت میں اگر یہ شخص سجدہ سہو کرنے کے بعد تشہد پڑھ کر کھڑا ہو گیا ہے تو قعدہ میں بیٹھ کر درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے اور اگر سجدہ سہو کرنے کے بعد تشہد پڑھے بغیر کھڑا ہو گیا ہے تو بیٹھ کر تشہد، درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔ سجدہ سہو کے بعد سہو ہونے سے دوبارہ سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

لمافي الدر المختار(۷۸/۲):(و) يجب أيضا (تشهد وسلام) لأن سجود السهو يرفع التشهددون القعدة لقوتها بخلاف الصلبية فإنها ترفعهما وكذا التلاوية على المختار ويأتي بالصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم والدعاء في القعود الأخير في المختار۔

وفيه ايضا (۸۵/۲): (ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه، (عاد) ويكفي كون كلا الجلستين قدر التشهد، (مالم يقيدها بسجدة) لأن مادون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتأخير القعود،

وفي الشامية تحته: (قوله ولو سها عن القعود الأخير) اراد به القعود المفروض او ماكان آخر الصلاة فيشمل نحو الفجر۔

وفي الهندية(۱۳۰/۱): السهو في سجود السهو لا يوجب السهو لانه لايتناهى كذافي التهذيب...... ولو سها في صلاته مرارا يكفيه سجدتان كذا في الخلاصة۔

(۳۰۵) امام کا بھول کر سری نماز میں جہراً تلاوت کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ الحمد للہ میں نے قرآن مجید حفظ کیا ہے اور تجوید بھی کی ہے اور میرا ارادہ تھا کہ عالم بھی بنوں گا لیکن گھر کے حالات کچھ ایسے تھے کہ میں عالم نہیں بن سکا اب ایک مسجد میں امامت کراتا ہوں کل عصر کی نماز کے وقت جب میں امامت کرا رہا تھا تو بھول کر سورۃ فاتحہ زور سے پڑھنا شروع کر دی جب اهدنا الصراط تک پہنچا تو پیچھے سے کسی نے لقمہ دیا (سبحان اللہ) تو مجھے یاد آیا کہ میں تو عصر کی نماز پڑھا رہا ہوں اور اس میں قرأت آہستہ کرنی ہوتی ہے اور میں نے زور

Marfat.com

سے پڑھا ہے تو میں فوراً خاموش ہوگیا اور باقی سورۃ فاتحہ اور دوسری سورت دل میں ہی پڑھی ہے۔ کیا اس طرح نماز درست ہوگئی ہے۔ یا پھر سجدہ سہو کرنا ضروری تھا۔

الجواب بعون الملک الوھاب......امام کیلئے جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں سراً قرأت کرنا واجب ہے۔ اگر امام بھول کر کسی سری نماز میں جہراً قرأت شروع کردے تو اگر ایک طویل آیت یا تین چھوٹی آیتوں کے بقدر تلاوت کردی تو ترک واجب کی بناء پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اب اگر امام سجدہ سہو کرلیتا ہے تو نماز بلا کراہت درست ہوجائے گی اور اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو ترک واجب کی بناء پر نماز مکروہ ہوگی اور نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

صورت مسئولہ میں آپ پر سجدہ سہو واجب تھا اگر آپ نے بغیر سجدہ سہو کئے سلام پھیر دیا تو اگرچہ فرضیت ادا ہوگئی مگر واجب ترک کرنے کی وجہ سے نماز مکروہ ہوگئی جس کا اعادہ آپ پر اور مقتدیوں پر واجب ہے۔ اعادہ نہ کرنے کی صورت میں گناہ گار ہوں گے۔

لمافی الهندية(۱۲۸/۱): (ومنها الجهر و الإخفاء) حتى لو جهر فيما يخافت أو خافت فيما يجهر وجب عليه سجود السهو واختلفوا فى مقدار ما يجب به السهو منهما قيل يعتبر فى الفصلين بقدر ما تجوز به الصلاة وهو الأصح ولا فرق بين الفاتحة وغيرها۔

وفى الدر المختار (۸۱/۲): (والجهر فيما يخافت فيه)... (وعكسه) ... والأصح تقديره (بقدر ما تجوز به الصلاة فى الفصلين۔ وقيل) قائله قاضيخان يجب السهو(بهما) أى باالجهر والمخافتة (مطلقا) أى قل أو كثر (وهو ظاهر الرواية)

وفى الشامية تحته: (قوله والأصح الخ) صححه فى الهداية والفتح والتبيين والمنية لأن اليسير من الجهر والإخفاء لايمكن الإحتراز عنه وعن الكثير يمكن وما تصح به الصلاة كثير غير أن ذالك عنده آية واحدة وعندهما ثلث آيات هداية۔

وفى الدرالمختار (۴۵۶،۴۵۷/۱): (ولها واجبات) لاتفسد بتركها وتعاد وجوباً فى العمد والسهو ان لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقاً آثماً، وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها۔

وفى الشامية تحته: (قوله وتعاد وجوباً) أى بترك هذه الواجبات أو واحدمنها۔.........

(قوله إن لم يسجد له) أى للسهو وهذا قيد لقوله والسهو، إذ لا سجود فى العمد... وهل تجب الاعادة بترك سجود السهو لعذر كما لو نسيه أو طلعت الشمس فى الفجر؟ لم أره فليراجع والذى يظهر الوجوب كماهو مقتضى اطلاق الشارح، لأن النقصان لم ينجبر بجابر، وإن لم يأثم بتركه فليتأمل۔

Marfat.com

وفی (ص۴۵۷) وأن النقص إذا دخل فی صلاة الإمام ولم یجبر وجبت الإعادة علی المقتدی أیضاً۔

(۳۰۶) فرض کے چھوٹ جانے کی کمی کو سجدۂ سہو سے پورا کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گزشتہ رات ہماری بستی کے امام صاحب عشاء کی نماز میں چوتھی رکعت میں بیٹھنا بھول گئے یعنی التحیات نہیں پڑھی اور کھڑے ہو گئے۔ پیچھے سے ایک مقتدی نے لقمہ بھی دیا لیکن امام صاحب نے پانچویں رکعت پوری کی پھر چھٹی رکعت پوری کر کے سجدہ سہو کیا اور سلام پھیر دیا۔ ان کے سلام پھیرنے کے بعد کچھ لوگ کہنے لگے کہ اس طرح نماز نہیں ہوئی لیکن امام صاحب کہتے ہیں کہ میں بھول گیا اور جب کوئی بھول ہو جائے تو سجدہ سہو کرتے ہیں اور میں نے سجدہ سہو بھی کیا ہے، لہٰذا نماز درست ہے بلکہ چار رکعت فرض نماز ہو گئی اور دو رکعت نفل ہو گئی۔ آپ حضرات سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا امام صاحب کی بات درست ہے اور سجدہ سہو کرنے سے نماز ہو گئی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز میں واجب کے چھوٹ جانے سے سجدہ سہو کرنے سے اس کی کمی پوری ہو جاتی ہے۔ اور فرض کے چھوٹ جانے سے سجدہ سہو کرنے سے اس کی کمی پوری نہیں ہوتی ہے، بلکہ دوبارہ اس نماز کا اعادہ ضروری ہوتا ہے۔

چونکہ نماز میں قعدہ اخیرہ فرض ہے، اور امام صاحب نے قعدہ اخیرہ نہیں کیا، بلکہ پانچویں رکعت کیلئے کھڑے ہو گئے تو فرض کے چھوٹ جانے سے نماز کا دوبارہ اعادہ کرنا پڑے گا، سجدہ سہو کرنے سے یہ نماز نہیں ہوئی، باقی امام صاحب کا یہ کہنا کہ ''بھول سے سجدہ سہو کرتے ہیں، اس لئے میں نے کیا'' یہ بات درست نہیں بلکہ سجدہ سہو اس وقت واجب ہوتا ہے جب کوئی واجب چھوٹ جائے یا فرض اور واجب میں تاخیر ہو جائے لہٰذا امام سمیت سب مقتدیوں پر اس نماز کا اعادہ لازمی ہے۔

وفی الدر المختار (۸۵تا۸۸/ ۲): (ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد) ويكفي كون كلا الجلستين قدر التشهد (مالم يقيدها بسجدة) لان مادون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتأخير القعود. (وإن قيدها) بسجدة عامدا أو ناسيا أو ساهيا او مخطئا (تحول فرضه نفلاً برفعه) الجبهة عند محمد. وبه يفتي. لأن تمام الشئ بآخره. فلو سبقه الحدث قبل رفعه توضأ وبنى خلافاً لأبي يوسف، حتى قال: صلاة فسدت أصلحها الحدث والعبرة للإمام. حتى لو عاد ولم يعلم به القوم حتى سجدوا لم تفسد صلاتهم مالم يتعمدوا السجود۔ وفيه يلغز: أيّ مصلّ ترك القعود الأخير وقيد الخامسة بسجدة ولم يبطل فرضه. (وضم سادسة) ولو فى العصر والفجر (إن شاء) لاختصاص الكراهة والإتمام بالقصد (ولا يسجد للسهو على الأصح) لأن النقصان بالفساد لا ينجبر (وإن قعد فى الرابعة) مثلاً قدر التشهد (ثم قام عاد وسلم) ولو سلم قائما صح. ثم الاصح أن القوم ينتظرونه. فإن عاد تبعوه (وإن سجد للخامسة

Marfat.com

سلموا) لأنه تم فرضه، إذ لم يبق عليه إلا السلام (وضم إليها سادسة) لو فی العصر، وخامسة فی المغرب: ورابعة فی الفجر، به يفتی (لتصير الركعتان له نفلا) والضم هنا آكد، ولا عهدة لوقطع. ولا بأس بإتمامه فی وقت كراهة علی المعتمد (وسجد للسهو) فی الصورتين لنقصان فرضه بتاخير السلام فی الأولی وتركه فی الثانية۔

(۳۰۷) مقتدی سے سہو کی صورت میں سجدۂ سہو کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ہم امام کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہوں اور کوئی غلطی ہوجائے تو سجدۂ سہو کرنا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر آپ امام کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ سے کوئی سہو یا غلطی ہوجائے تو آپ سجدہ سہو نہیں کریں گے۔

وفی الهندية (۱۲۸/۱): سهو المؤتم لا يوجب السجدة۔

(۳۰۸) سجدۂ سہو میں تکرار نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سجدہ سہو کے بعد اگر دوبارہ غلطی کی تو دوبارہ سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں جبکہ نمازی ایک مرتبہ غلطی کرنے پر سجدۂ سہو کر چکا ہو، تو دوسری بار غلطی کرنے پر دوبارہ سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ سہو کے دو سجدے تمام غلطیوں کا ازالہ کردیتے ہیں اور سجدۂ سہو میں تکرار نہیں ہے۔

وفی التجنيس (۱۴۸/۲): قال الشيخ الامام شمس الأئمة الحلوانی، القعدة بعد سجدتی السهو ليس بركن، وانما امرنا بها بعد سجود السهو ليقع ختم الصلوة بها۔ فيوافق ذالك موضع الصلوة ونظمها. فأما أن يكون ركناً فلا، حتی لو تركها، بان سجد سجدتين، بعد السلام ثم قام وذهب لم تفسد صلوته ... ولو سجد قبل السلام لا يعيد، لانه مجتهد فيه، فاذا اداه، وقع جائزا وهذا لأنه لو أعاده يؤدی إلی تكرار سجود السهو ولم يقل به احد۔

وفی الطحطاوی علی الدر (۳۱۰/۱): لو سجد قبل السلام لا يعيده، لأنه لو أعاده يتكرر وهو خلاف الاجماع۔

وفی الهندية (۱۳۰/۱): السهو فی سجود السهو لا يوجب السهو لأنه لا يتناهی كذا فی التهذيب۔

Marfat.com

(۳۰۹) سجدہ تلاوت کے وجوب سے لاعلمی کی بناء پر سجدہ تلاوت نہ کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے بچپن میں ایک حافظ صاحب سے قرآن پڑھا تھا تقریباً اس وقت میری عمر دس پندرہ سال تھی اب میں چالیس سال کے قریب ہوں مسئلہ یہ پیش آیا کہ میں نے سجدہ تلاوت کو کبھی بھی ادا نہیں کیا کیونکہ مجھے پتہ بھی نہ تھا کہ اس طرح سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے اب چار ماہ لگائے تو پتہ چلا کہ سجدہ واجب ہوتا ہے میں بہت پریشان ہوں کہ پچیس سال میں نہ جانے کتنے سجدے چھوڑے اور نماز میں بھی سورۃ علق پڑھتا تھا کیونکہ مجھے میرے استاد نے بتایا تھا کہ یہ قرآن کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت ہے مجھے بہت پسند ہے، اب ان نمازوں کی بھی تعداد یاد نہیں۔ برائے مہربانی آپ حضرات علماء ہیں رہنمائی فرمائیں کہ ان سجدوں اور نمازوں کا میں کیا کروں کوئی تاوان ہے یا قضاء ہے اگر قضاء ہے تو نمازوں کا کیا حکم ہے ان کی بھی قضاء ضروری ہے یا فقط ان سجدوں کی قضاء کافی ہے جو نماز میں نہیں کئے گئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......قرآن کریم میں چودہ مقامات ایسے ہیں جن کے تلاوت کرنے سے یا سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوجاتا ہے۔ اب آیت سجدہ تلاوت کرنے والا یا سننے والا، نماز میں ہوگا یا غیر نماز میں۔ اگر نماز میں ہو تو مقتدی ہوگا یا منفرد اگر مقتدی ہو تو اپنے امام سے آیت سجدہ سننے سے، سجدہ کرنے میں امام کا تابع ہوگا اگر کسی اور شخص سے سنے جو اس نماز میں شریک نہ ہو تو نماز کے بعد اس پر سجدہ کرنا واجب ہوگا۔ اور اگر منفرد ہو تو آیت سجدہ کے تلاوت کرنے سے نماز میں سجدہ تلاوت کرنا واجب ہوگا۔ البتہ اگر نماز میں کسی وجہ سے سجدہ نہیں کیا تو نماز کے بعد اس کو ادا نہیں کیا جائے گا بلکہ ساقط ہوجائے گا (البتہ ترکِ واجب کا گناہ ہوگا)۔ جبکہ حالتِ نماز کے علاوہ آیت سجدہ خود پڑھنے یا دوسرے سے سننے پر سجدہ تلاوت واجب ہوجاتا ہے جو ادا کئے بغیر ساقط نہیں ہوتا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جو نمازیں آپ نے پڑھی ہیں اور ان میں سورۃ علق تلاوت کی ہے اور نماز میں سجدہ تلاوت ادا نہیں کیا ہے تو نمازیں درست ہیں ان کا اعادہ نہیں ہے اور سجدے بھی ساقط ہوگئے ہیں البتہ واجب کے چھوڑنے کی وجہ سے گناہ ہوگا جس سے توبہ واستغفار ضروری ہے۔ جبکہ نماز کے علاوہ جتنے سجدے آپ پر، آیت سجدہ خود پڑھنے سے یا دوسروں سے سننے سے واجب ہوئے ہیں ان کا ادا کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا بلوغت سے اب تک کا حساب لگا کر تمام سجدے اسی حساب سے ادا کئے جائیں۔ اور اگر حساب لگانا مشکل ہو تو اندازہ سے اداء کر لئے جائیں۔

لما فی الجوهرة النيرة (۲۱۱/۱): وفی رواية النوادر: ماوجب خارج الصلوة لا يسقط۔

وفی الهندية (۱۳۲/۱): والسجدة واجبة فی هذه المواضع علی التالی والسامع سواء قصد سماع القران اولم يقصد كذا فی الهداية (وفی ص۱۳۳) ولو قرأ بالعربية يلزمه مطلقا لكن يعذر بالتاخير مالم يعلم......... ولو سمعها من الامام اجنبی ليس معهم فی الصلاة ولم يدخل معهم فی الصلاة لزمه السجود كذا فی الجوهرة النيرة وهو الصحيح كذا فی الهداية سمع من امام

Marfat.com

فدخل معه قبل ان يسجد سجد معه وان دخل في صلاة الامام بعد ما سجدها الامام لا يسجد ها.........ولو سمع المصلى من اجنبى يسجد بعد الفراغ۔ (وفى صـ ۱۳۴) والسجدة التى وجبت فى الصلاة لا تؤدى خارج الصلاة كذا فى السراجية وهكذا فى الكافى۔ (وفى صـ ۱۳۵) وفى الغياثية واداؤها ليس على الفور حتى لو ادّاها فى ایّ وقت كان يكون مؤديا لاقاضيا كذا فى التتارخانية۔

وفى الدر المختار مع الشامية(۱۰۹/۲): (وهى على التراخى) على المختار ويكره تاخيرها تنزيها، ويكفيه ان يسجد عدد ما عليه بلا تعيين ويكون مؤديا۔

وفى الشامية تحته: (قوله على المختار) كذا فى النهر: وينبغى ان يكون محل الخلاف فى الاثم وعدمه حتى لو اداها بعد مرة كان مؤديا اتفاقا لاقاضيا اهـ... (قوله تنزيها) لانه بطول الزمان قدينساها، ولو كانت الكراهة تحريمية لو جبت على الفور وليس كذلك ولذا كره تحريما تاخير الصلا تية عن وقت القراء ة امداد واستثنى من كراهة التاخير ما اذا كان الوقت مكروها كوقت الطلوع۔

(۳۱۰) آیت سجدہ سننے والوں کو اگر علم ہو کہ آیتِ سجدہ تلاوت کی گئی ہے تو سجدہ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب رمضان قریب آتا ہے حفاظ دو دو ہو کر ایک دوسرے کا قرآن دن کو سنتے ہیں ہم بھی ساتھ بیٹھتے ہیں کبھی کبھی وہ سجدہ کرتے ہیں ہمیں تو کچھ پتہ نہیں لگتا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے میں نے ایک حافظ صاحب سے پوچھا اس نے کہا قرآن میں چودہ سجدے ہیں پڑھنے اور سننے والے پر جب بھی پڑھے یا سنے واجب ہے کہ سجدہ کرے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمیں تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ آیت سجدہ ہے یا نہیں پھر ہمارے لئے آگے دو حالتیں ہوتی ہیں کبھی تو پڑھنے والا سجدہ کرتا ہے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ آیت سجدہ تھی۔ لیکن کبھی پڑھنے والا ہمیں نظر ہی نہیں آتا اور وہ آیت سجدہ پڑھ رہا ہوتا ہے ہم گزر جاتے ہیں آیت سن لیتے ہیں مگر خبر نہیں ہوتی کہ آیت سجدہ تھی۔ کیا دونوں حالتوں میں سجدہ واجب ہوگا اور ترک پر گناہ ہوگا یا کچھ فرق ہوگا؟ تفصیل سے آسان اور واضح الفاظ میں جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ اللہ آپ کو دنیا و آخرت میں اجر عظیم عطا فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......سجدے کے وجوب کا تعلق نفسِ سماع سے ہے چاہے سننے کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔ البتہ جو شخص ان مقاماتِ سجدہ سے ناواقف ہو تو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ اسے معلوم بھی ہو جائے کہ آیت سجدہ کی تلاوت کی گئی ہے، اور معلوم نہ ہونے کی صورت میں ترکِ واجب کا گناہ بھی نہ ہوگا۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کو جب اس بات کا علم ہو جائے کہ آیت سجدہ تلاوت کی گئی ہے تو آپ پر سجدہ کرنا واجب ہے، اور اگر آپ کو

Marfat.com

علم نہ ہوسکا تو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے آپ پر کوئی گناہ نہ ہوگا، یہاں تک کہ اس کا علم ہو جائے لیکن جس شخص نے آیت سجدہ کی تلاوت کی ہے اس کی ذمہ لازم ہے کہ یا تو آیت سجدہ کے مقام پر اپنی آواز کو پست رکھے تا کہ زیادہ لوگ مشقت میں نہ پڑیں یا پھر تلاوت کے بعد سامعین کو اس سے باخبر کردے کہ آیت سجدہ تلاوت کی گئی ہے۔

لما فی الخانية(۱/۴۲): اما السامع إن علم انها آية السجدة يلزمه السجدة والا فلا الخ۔

وفی الهندية(۱/۱۳۳): اذا قرأ آية السجدة بالفارسية فعليه وعلى من سمعها السجدة فهم السامع أولا اذا أخبر السامع انه قرأ آية السجدة وعندهما ان كان السامع يعلم أنه يقرأ القرآن يلزمه والا فلا... ولو قرأ بالعربية يلزمه مطلقاً لكن يعذر بالتاخير مالم يعلم الخ۔

وفی الدر مع الشامية(۲/۱۰۵): فی الدر: والسماع شرط فی حق غير التالى ولو بالفارسية اذا اخبر الخ۔

وفی الشامية تحته: (قوله اذا أخبر) ای بأنها آية سجدة سواء فهمها او لا وهذا عند الإمام، و عندهما ان علم السامع أنه يقرأ القرآن لزمته والا فلا بحر. وفی الفيض وبه يفتى. وفی النهر عن السراج أن الامام رجع الى قولهما وعليه الاعتماد... أمّا لو كانت بالعربية فانه يجب بالاتفاق فهم أو لا لكن لا يجب على الأعجمى مالم يعلم كمافى الفتح أى وان لم يفهم الخ۔

وفيه ايضاً(۲/۱۱۸): واستحسن اخفاؤها عن سامع غير متهيئ للسجود الخ۔

وفی الشامية تحته: (قوله واستحسن اخفاء ها الخ) لأنه لو جهربها لصار موجبا عليهم شيئاً ربما يتكاسلون عن ادائه فيقعون فی المعصية فان كانوا متهيئين جهربها بحر عن البدائع قال فی المحيط بشرط أن يقع فی قلبه أن لا يشق عليهم أداء السجدة فان وقع أخفاها وينبغی أنه اذا لم يعلم بحالهم أن يخفيها نهر۔

(۳۱۱) سجدۂ شکر کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں جب بھی وتر سے فارغ ہوتا ہوں یا صلاۃ الضحیٰ سے فارغ ہوتا ہوں تو اس کے بعد سجدۂ شکر ادا کرتا ہوں، میرے ایک دوست نے مجھے کہا کہ اس طرح کرنا صحیح نہیں ہے، تو اب آپ حضرات سے یہ سوال ہے کہ میرا اس طرح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......کسی نعمت کے حصول یا مصیبت سے نجات پر سجدۂ شکر کرنا مستحب ہے۔ البتہ کسی بھی نماز کے فوراً بعد سجدۂ شکر کرنے کو فقہاء کرام نے مکروہ لکھا ہے۔ لہٰذا آپ کے دوست کا یہ کہنا کہ ''اس طرح کرنا صحیح نہیں'' درست ہے۔ اس سے اجتناب کیا جائے۔ تاہم دیگر اوقات میں سجدۂ شکر ادا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

Marfat.com

لما في الدر المختار(٢/١٢٠،١١٩): وسجدة الشكر، مستحبة به يفتى. لكنها تكره بعد الصلاة، لأن الجهلة يعتقد ونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدى اليه فمكروه۔

وفي الشامية تحته : (قوله۔ وسجدة الشكر)... وهي لمن تجددت عنده نعمة ظاهرة أو رزقه الله تعالىٰ مالاً أو ولداً أو اندفعت عنه نقمة ونحوذلك، يستحب له أن يسجد لله تعالىٰ شكراً مستقبل القبلة يحمد الله تعالىٰ فيها ويسبحه ثم يكبّر فيرفع رأسه كما في سجدة التلاوة، سراج۔

Marfat.com

فصل فی صلوۃ المریض والمسافر

(مریض اور مسافر کی نماز کا بیان)

(۳۱۲) زخم سے مسلسل خون نکلنے کی صورت میں نماز کی صورت

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کے ایسا زخم ہو جس سے مسلسل خون رستا رہتا ہو تو اب وضو اور نماز کی صورت کیا ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....اگر خون اس قدر مسلسل بہتا ہو کہ اس شخص پر ایک نماز کا مکمل وقت اس طرح گزر جائے کہ اس کو وضو سے فراغت کے بعد خون بہنے کی وجہ سے اس قدر موقع نہ ملے کہ وہ نماز کے وقت میں فرض نماز پڑھ سکے تو وہ معذور سمجھا جائے گا، اور اس وقت تک معذور شمار کیا جائے گا جب تک ایک نماز کے مکمل وقت میں ایک دفعہ بھی اس کا عذر پایا جائے۔ایسی صورت میں وہ ایک نماز کے وقت میں ایک دفعہ وضو کرلے پھر اس وضو سے اس نماز کے وقت کے ختم ہونے تک جس قدر فرائض ونوافل چاہے ادا کرسکتا ہے اور وقت کے ختم ہوتے ہی اس کا وضو ٹوٹ جائے گا دوسری نماز کے لئے دوبارہ وضو کرنا پڑے گا۔اور اگر خون اس قدر مسلسل نہیں بہتا تو وہ معذور نہیں ہے بلکہ پاکی کی حالت میں نماز کی ادائیگی ضروری ہے۔

لمافی الدر المختار (۱/۳۰۵):(وصاحب عذر من به سلس) بول لا يمكنه امساكه(او استطلاق بطن ...ان استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة)بان لايجد فی جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلى فيه خاليا عن الحدث(ولو حكما)لان الانقطاع اليسير ملحق بالعدم(وهذا شرط)العذر (فی حق الابتداء وفی)حق(البقاء كفى وجوده فی جزء من الوقت)ولو مرة(وفی)حق الزوال يشترط(استيعاب الانقطاع)تمام الوقت (حقيقة)لانه الانقطاع الكامل۔

(وحكمه الوضو)لا غسل ثوبه وفی(ص۳۰۶) ونحوه (لكل فرض)اللام للوقت كمافی لدلوك الشمس ثم يصلى به (فيه فرضاونفلا)فدخل الواجب بالاولى(فاذا خرج الوقت بطل)۔

Marfat.com

(۳۱۳) زخمی کیلئے لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید میرا خالہ زاد بھائی ہے پچھلے ہفتے وہ بذریعہ ٹرین ڈیرہ غازی خان سے آرہا تھا راستہ میں ٹرین کے بعض ڈبے پٹڑی سے اترنے کی وجہ سے زید کی ٹانگ ٹوٹ گئی اب الحمدللہ آپریشن ہوا ہے جو کہ بظاہر کامیاب ہے۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ زید کھڑا تو نہیں ہوسکتا لیکن بیٹھنے میں بھی کافی تکلیف ہوتی ہے کیا زید کیلئے ایسی حالت میں لیٹ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو کیا نوافل اور سنن بھی لیٹ کر پڑھ سکتے ہیں یا صرف فرائض جائز ہے لیٹ کر؟ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں زید اگر سہارا لگا کر بیٹھ سکتا ہو، اگرچہ بیٹھنے میں تھوڑی بہت مشقت ہو، تو اس کے لئے لیٹ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اگر زید کو سہارا لگا کر بیٹھنے سے بھی شدید تکلیف ہو یا مرض کے بڑھنے کا خوف ہو، تو اس کے لئے لیٹ کر نماز پڑھنا (سر اور ہاتھوں کے اشارہ سے) جائز ہے۔ خواہ فرض نماز ہو یا سنت یا نفل سب کا حکم یکساں ہے۔

لما فی الهندية(۱/۱۳۷،۱۳۶): اذا عجز المريض عن القيام صلى قاعدا يركع ويسجد وأصح الاقاويل فی تفسير العجز ان يلحقه بالقيام ضرر وعليه الفتوى ... واذا لم يقدر على القعود مستوياً وقدر متكئا أو مستنداً الى حائط أو انسان يجب أن يصلى متكئا أو مستنداً ولا يجوز له أن يصلى مضطجعاً على المختار...... وان تعذر القعود أو ما بالركوع والسجود مستلقياً على ظهره وجعل رجليه إلى القبلة وينبغى أن يوضع تحت رأسه وسادة حتى يكون شبيه القاعد ليتمكن من الايماء بالركوع والسجود واضطجع على جنبه ووجهه الى القبلة وأومأ جاز وا لاول أولى كذا فی الكافی وان لم يستطع على جنبه الايمن فعلى الايسر كذا فی السراج الوهاج ووجهه الى القبلة۔

وفی الدر المختار(۲/۹۷،۹۶،۹۵): (من تعذر عليه القيام) أى كله (لمرض) حقيقى وحده أن يلحقه بالقيام ضرر به يفتى، (قبلها أو فيها) أى الفريضة ...... (صلى قاعداً) ولو مستنداً إلى وسادة أو إنسان فإنه يلزمه ذلك على المختار۔ ...... وفی(ص۹۹): (وإن تعذر القعود) ولو حكماً (أومأ مستلقياً) على ظهره (ورجلاه نحو القبلة)۔

(۳۱۴) مسلسل قطرے آنے کی صورت میں نماز کیسے پڑھیں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو پیشاب کی تکلیف ہے جس کی وجہ سے اسے مسلسل پیشاب کے قطرے آتے رہتے ہیں اور وضو کر کے نماز پڑھنا انتہائی مشکل ہوتا ہے، کیا ایسا شخص نماز پڑھے گا، اگر پڑھے گا تو

Marfat.com

پڑھنے کی صورت کیا ہوگی؟ قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر پیشاب کے قطرے اس قدر مسلسل آتے ہوں کہ اس پر ایک نماز کا مکمل وقت اس طرح گزر جائے کہ اس کو وضو سے فراغت کے بعد قطرے کی وجہ سے اس قدر موقع نہ ملے کہ وہ نماز کے وقت میں فرض نماز پڑھ سکے تو وہ معذور سمجھا جائے گا، اور اس وقت تک معذور شمار کیا جائے گا جب تک ایک نماز کے مکمل وقت میں ایک دفعہ بھی اس کا عذر پایا جائے۔ ایسی صورت میں وہ ایک نماز کے وقت میں ایک دفعہ وضو کرلے پھر اس وضو سے اس نماز کے وقت کے ختم ہونے تک جس قدر فرائض ونوافل چاہے ادا کرسکتا ہے اور وقت کے ختم ہوتے ہی اس کا وضو ٹوٹ جائے گا دوسری نماز کے لئے دوبارہ وضو کرنا پڑے گا۔ اور قطرے اگر اس قدر مسلسل نہیں آتے تو وہ معذور نہیں ہے بلکہ پاکی کی حالت میں نماز کی ادائیگی ضروری ہے۔

لما فی المصنف لعبدالرزاق (۱/۱۵۱): عبدالرزاق عن معمر عن الزھری عن خارجة بن زید قال کبر زید حتی سلس منه البول فکان یداویه مااستطاع فاذا غلبه توضأثم صلی۔

بقیة الدلائل مر سابقاً فی السوال السابق

(۳۱۵) اگر اُٹھنے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص پر نماز فرض ہے یا نہیں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اتنا زخمی ہو چکا ہو کہ اس کا چارپائی سے اٹھنا بھی مشکل ہو، تو کیا ایسی حالت میں اس پر نماز واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر واجب ہو، تو پھر وضو کس طرح کرے حالانکہ اس کا چارپائی سے اُٹھنا بھی مشکل ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......مریض اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے گا اور اگر بیٹھ کر پڑھنے پر قادر نہ ہو تو لیٹ کر سر کے اشارے سے نماز پڑھے گا اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو نماز کو مؤخر کرے گا صحیح ہونے تک، صحیح ہونے کے بعد اگر پانچ سے کم نمازیں قضا ہوئی ہوں تو ان کی قضا کرنا لازمی ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو اس سے قضا ساقط ہوگی لہٰذا صورت مذکورہ میں اگر کھڑے ہونے پر قادر نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھے، اس پر بھی قادر نہیں ہے تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھے اور وضو اگر نہ خود کرسکتا ہے نہ ایسا شخص ہے جو اسے وضو کرائے تو تیمم کر کے نماز پڑھے۔ الغرض نماز ایسے شخص پر بھی فرض ہے جو بیٹھ کر یا اشارہ سے پڑھ سکتا ہو۔

لمافی الطحطاوی علی الدر(۱/۱۲۵): (قوله یشتد) تقیید لاطلاق المصنف المرض فیعلم ان الیسیر لایبیح التیمم ولا فرق فی الاشتداد بین ان یشتد بالتحرك کالمبطون کما افاده بقوله ولو بتحرك او بالاستعمال کالجدری وجاز له التیمم اتفاقا ان کان لایجد من یوضئه ولا یقدر بنفسه وفیه ایضاً (۱/۳۱۹): (قوله بان زادت علی یوم ولیلة) ای بالساعات او بالاوقات علی وزان ماسیأتی فی مسئلة المجنون (قوله فی ظاهر الروایة) وقیل تؤخرولا تسقط وصحح

Marfat.com

(قوله وعليه الفتوى) راجع الى المغيابه لاللمغيا عليه وهو اذا لم يفهم فانه لايقفى فيه إجماعاً ومحل الخلاف فيما اذا برى من مرضه۔۔۔۔۔ على الايماء بالرأس اما ان قدر عليه بعد عجزه فانه يلزمه القضاء وان كان القضاء يجب موسعا لتظهر فائدته فى الايصاء بالاطعام عنه بحر۔

وفى الشامية (۹۹/۲): (قوله بان زادت على يوم وليلة) أما لوكانت يوماً وليلة أو أقل وهو يعقل فلا تسقط بل تقضى اتفاقاً وهذا اذا صح فلو مات ولم يقدر على الصلاة لم يلزمه القضاء حتى لايلزمه الايصاء... (قوله فى ظاهر الرواية) وقيل لايسقط القضاء بل تؤخر عنه اذا كان يعقل وصححه فى الهداية وهو من اهل الترجيح لكن خالف نفسه فى كتابه التجنيس۔

(۳۱۶) معذور آدمی کا گھر پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک معذور آدمی ہوں اور مسجد کے پڑوس میں رہتا ہوں لیکن مسجد میں عذر کی وجہ سے نہیں جا سکتا، تو کیا میں اپنے بیٹوں کے ساتھ گھر پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شریعت مطہرہ نے عذر شرعی، مثلاً بیماری، شدید بارش، شیخ فانی وغیرہ کا اعتبار کیا ہے اور معذور آدمی کو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ترک کرنے کی رعایت رکھی ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ مسجد کے پڑوس میں رہتے ہوئے بھی گھر میں اپنے تیماردار یا دیکھ بھال کرنے والے کسی فرد کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

لمافى الهندية(۸۲/۱): الجماعة سنة مؤكدة كذا فى المتون والخلاصة والمحيط ومحيط السرخسى ...(ص۸۳) وتسقط الجماعة بالأعذار حتى لاتجب على المريض والمقعد و الزمن ومقطوع اليد والرجل من خلاف ومقطوع الرجل والمفلوج الذى لا يستطيع المشى والشيخ الكبير العاجز والاعمى عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ۔

وفى الدرالمختار (۵۵۲/۱):(والجماعة سنة مؤكدة للرجال... (وأقلها اثنان)... (وقيل واجبة وعليه العامة)... (فتسنّ أو تجب)... على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج)... (فلا تجب على مريض ومقعد وزمن ومقطوع يدورجل من خلاف)... (ومفلوج وشيخ كبير عاجز وأعمىٰ) وإن وجد قائداً... وقيامه بمريض الخ۔ قال الشامى رحمه الله تحته:(۵۵۵/۱) (قوله ولو فاتته ندب طلبها)... وذكر القدورى: يجمع بأهله ويصلى بهم، يعنى وينال ثواب الجماعة كذا فى الفتح۔

Marfat.com

(۳۱۷) دورانِ نماز اگر قیام سے عاجز ہوجائے تو باقی نماز بیٹھ کر ادا کرنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پچھلے دو ہفتوں سے میں شدید بخار میں مبتلا ہوں اب اللہ پاک کا فضل ہے صحت تھوڑی اچھی ہوگئی ہے لیکن چونکہ دو ہفتوں کے مسلسل بخار نے بہت کمزور کردیا ہے اب میری حالت یہ ہے کہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو تھوڑی دیر کے بعد سر پر چکرآنا شروع ہوتا ہے تو گرنے لگتا ہوں تو کیا ایسی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہوں؟ یا کھڑے ہوکر نماز شروع کروں جب چکر آجائے پھر بیٹھ جاؤں۔ لہٰذا جو بھی صورت شرعاً جائز ہو، تحریر فرما کر اللہ کے حضور میں اجر کے مستحق بنئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... نماز کے اندر قیام فرض ہے اور اگر کوئی عذر کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز ادا نہیں کرسکتا تو بیٹھ کر نماز ادا کرے۔ البتہ جتنی دیر قیام پر قادر ہے اتنی دیر کھڑا رہے پھر بیٹھ جائے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کھڑے ہوکر نماز شروع کرنے پر قادر ہیں اس لئے کھڑے ہوکر نماز شروع کریں جب چکرآنا شروع ہوجائیں تو اس وقت بیٹھ جائیں۔

لمافی الفتاویٰ الھندیة(۱/۱۳۶): ولو کان قادرا علی بعض القیام دون تمامه یؤمر بان یقوم قدر ما یقدر حتی اذا کان قادرا علی ان یکبر قائما ولا یقدر علی القیام للقراءۃ او کان قادرا علی القیام لبعض القرائة دون تمامها یؤمر بان یکبر قائما ویقرأ قدرما یقدر علیه قائما ثم یقعد اذا عجز قال شمس الائمة الحلوانی رحمه الله تعالیٰ ھو المذھب الصحیح ولو ترک ھذا خفت ان لاتجوز صلاته کذا فی الخلاصة۔

وفی الشامیة(۲/۹۷): وفی شرح الحلوانی نقلا عن الھندوانی: لو قدر علی بعض القیام دون تمامه، أو کان یقدر علی القیام لبعض القراءۃ دون تمامها یؤمر بأن یکبر قائما ویقرأ ما قدر علیه ثم یقعد ان عجز وھو المذھب الصحیح لایروی خلافه عن اصحابنا۔

(۳۱۸) بیمار آدمی کیلئے قبلہ رُخ کئے بغیر نماز ادا کرنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے وہ ہسپتال کی چارپائی پر پڑا ہوا ہے اور چارپائی مریضوں کے زیادہ ہوجانے کی وجہ سے ادھر ادھر بھی نہیں ہوسکتی تو کیا مریض بغیر قبلہ رخ کئے نماز ادا کرسکتا ہے کیونکہ چہرہ قبلہ کی طرف نہیں بلکہ شمال کی جانب ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورتِ مسئولہ میں مریض کے چہرے کو قبلہ کی طرف پھیرنے والا موجود ہے تو قبلہ کی طرف منہ پھیر کر نماز پڑھے اگر مریض کے پاس کوئی بھی موجود نہ ہو، اور وہ خود بھی نہیں پھیر سکتا تو جس طرف بھی اس کا منہ ہو اسی طرف منہ کر کے نماز

Marfat.com

ادا کر لے۔

لمافی الهندية (۶۳/۱): مریض صاحب فراش لا یمکنه ان یحول وجهه ولیس بحضرته احد یوجهه یجزیه صلوته الی حیث ماشاء کذا فی الخلاصة وکذا اذا کان یجد من یحوله ولکن یضره التحویل هکذا فی الظهیریة۔

وفی الدر المختار (۴۳۲/۱): (وقبلة العاجز عنها) لمرض وان وجد موجها عند الامام اوخوف مال وکذا کل من سقط عنه الأرکان

وفی الشامية تحته: (وکذا کل من سقط عنه الارکان) أی تکون قبلته جهة قدرته ایضا۔

(۳۱۹) قیام، رکوع وسجدہ سے عاجز کا بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنے کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری والدہ جوڑوں کی مریض ہیں اور زیادہ اٹھنے بیٹھنے سے انہیں بہت تکلیف ہوتی ہے، اب اگر وہ اس مجبوری کی بنا پر تخت یا چارپائی وغیرہ پر ہی بیٹھ کر نماز پڑھنا چاہیں تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ اور اگر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا چاہیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب……صورت مسئولہ میں اگر آپ کی والدہ قیام، رکوع وسجدہ کرنے سے عاجز ہیں تو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتی ہیں، چاہے چارپائی پر پڑھیں یا تخت پر۔ اگر بیٹھ کر رکوع وسجدہ سے بھی عاجز ہوں تو پھر اشارے سے نماز پڑھ لیں لیکن سجدہ کا اشارہ رکوع سے ذرا جھک کر کریں۔

لمافی الهندية (۱۳۶/۱) : اذا عجز المریض عن القیام صلی قاعدا یرکع ویسجد کذا فی الهداية وان عجز عن القیام والرکوع والسجود وقدر علی القعود یصلی قاعدا بایماء ویجعل السجود اخفض من الرکوع۔

وفی الدر المختار (۹۷/۲): (وان تعذرا)... وفی (ص۹۸) (أوما) بالهمز قاعدا وهو افضل من الایماء قائما لقربه من الارض (ویجعل سجوده اخفض من رکوعه)۔

(۳۲۰) تختہ لگی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مساجد میں ایسی کرسیاں استعمال ہوتی ہیں جن میں آگے ایک تختی لگی ہوتی ہے اور کرسی پر بیٹھنے والا اس پر سجدہ کرتا ہے کیا فرش کے علاوہ کسی اور چیز پر سجدہ کرنا جائز ہے؟ اگر اس میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہو تو ضرور بیان کریں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب...... ہرایسی چیز پر سجدہ کرنا درست ہے جو کہ حجم رکھتی ہو، اورٹھوس ہو کہ پیشانی اس پرٹھہر سکے تو ایسی چیز زمین ہی کے حکم میں ہوگی۔صورت مسئولہ میں معذور شخص جو کہ رکوع اور سجدہ کرنے سے عاجز ہو، تو اس کیلئے اس مخصوص کرسی پر بیٹھ کر سامنے نصب شدہ تختی پر سجدہ کرنا اور نماز کا پڑھنا بلا کسی کراہت کے جائز ہے اور ائمہ اربعہ کا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

لما فی الشامية(۱/۴۵۴): (وشرط سجود) مبتدأو مضاف اليه (فالقرار) خبر بزيادة الفاء (لجبهة) أى يفترض أن يسجد على مايجد حجمه بحيث أن الساجد لوبالغ لايتسفل رأسه ابلغ مما كان عليه حال الوضع، فلا يصح على نحو الأرز والذرة، الا ان يكون فى نحو جوالق، ولا على نحو القطن والثلج والفرش الا ان وجد حجم الارض بكبسه۔

(۳۲۱)زمین یا کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر آج کل لوگ مساجد میں مخصوص کرسیوں پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟ اور کتنے عذر کی بنا پر آدمی کیلئے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... جو لوگ مخصوص کرسیوں وغیرہ پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں ان لوگوں کا ان کرسیوں پر فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا اس شرط کے ساتھ جائز ہوگا کہ یہ لوگ بغیر ضرر کے کھڑے ہونے پر قادر نہ ہوں لیکن اگر بغیر ضرر کے تکبیر تحریمہ کہنے کے بقدر بھی قیام پر قادر ہوں اور رکوع وسجدہ بھی کر سکتے ہوں تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہیں اور پھر بیٹھ جائیں یا جتنی مقدار بھی کھڑے ہونے پر بغیر ضرر کے قادر ہوں تو اس قدر کھڑے ہونا ان حضرات پر لازم ہے پھر جب عاجز ہو جائیں تو بیٹھ جائیں، اور اگر رکوع اور سجدہ پر قدرت نہ رکھتے ہوں تو اگرچہ قیام پر بغیر ضرر کے بھی قادر ہوں تو پھر ان حضرات کیلئے یہ جائز ہے بلکہ افضل ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھیں اور قیام ان لوگوں سے ساقط ہو جائے گا۔ اور جس شخص کیلئے کھڑا ہونا متعذر ہو یا کھڑا ہونے میں ان کو ضرر لاحق ہوتا ہو، تو اس شخص کو بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہے۔

لمافی الهندية(۱/۱۳۶): اذا عجز المريض عن القيام صلى قاعدا يركع ويسجد كذا فى الهداية واصح الاقاويل فى تفسير العجز ان يلحقه بالقيام ضرر وعليه الفتوىٰ كذا فى معراج الدراية وكذلك اذا خاف زيادة المرض او ابطاء البرء بالقيام او دوران الراس كذا فى التبيين او يجد وجعاً لذلك، فان لحقه نوع مشقة لم يجز ترك ذلك القيام كذا فى الكافى ولو كان قادراً على بعض القيام دون تمامه يؤمر بان يقوم قدر مايقدر حتى اذا كان قادراً على ان يكبر قائما ولا يقدر على القيام للقراءة او كان قادراً على القيام لبعض القرآة دون تمامها يؤمر بان يكبر قائما ويقرء قدر ما يقدر عليه قائما ثم يقعد اذا عجز قال شمس الائمة الحلوانى رحمه الله تعالىٰ

Marfat.com

هو المذهب الصحيح ولو ترك هذا خفت ان لا تجوز صلا ته كذا فى الخلاصة ولو قدر على القيام متكئاً الصحيح انه يصلى قائما متكئاً ولا يجزيه غير ذلك وكذلك لو قدر على ان يعتمد على عصا او على خادم له فانه يقوم ويتكئ كذا فى التبيين ويكره للمؤمى ان يرفع اليه عوداً او وسادة ليسجد عليه ... فان كانت الوسادة موضوعة على الارض وكان يسجد عليها جازت صلوته۔

وفى الدر المختار (۹۷/۲): (وإن تعذرا) ليس تعذرهما شرطا بل تعذر السجود كاف (لا القيام) وفى الشامية تحته: وفى الذخيرة: رجل بحلقه خراج إن سجد سال وهو قادر على الركوع والقيام والقراء ة يصلى قاعدا يومئ، ولو صلى قائما بركوع وقعد وأومأ بالسجود أجزاه والأول أفضل، لان القيام والركوع لم يشرعا قربة بنفسها بل ليكونا وسيلتين الى السجود اھ۔

وفيه ايضاً (۹۵/۲): (من تعذر عليه القيام) اى كله (لمرض) حقيقى و حدّه ان يلحقه بالقيام ضرر به يفتى (قبلها أو فيها) أى الفريضة (أو)حكمى بأن(خاف زيادته أو بطء برئه بقيامه او دوران رأسه او وجد لقيامه الما شديداً) أو كان لوصلى قائما سلس بوله أو تعذر عليه الصوم كما مر (صلى قاعداً) ولو مستندا الى وسادة أو انسان فانه يلزمه ذلك على المختار (كيف شاء) على المذهب ... (بركوع وسجود وان قدر على بعض القيام) ولومتكئاً على عصا أو حائط (قام) لزوماً بقدر مايقدر ولو قدر آية أوتكبيرة على المذهب۔

و فى الشامية : (۹۶/۲) واختلفوا فى التعذر... فقيل ما يبيح الافطار وقيل التيمم وقيل بحيث لو قام سقط وقيل ما يعجزه والاصح ان يلحقه ضرربالقيام ... (قوله ولو مستنداً الخ) اى اذا لم يلحقه ضرربه بدليل مامر (وفى صـ۹۷) وبه ظهر ان المراد بالانسان من يطيعه اعم من الخادم والاجنبى ... (قوله كيف شاء) اى كيف تيسرله بغير ضرر من تربع او غيره (قوله على المذهب) جزم به فى الغرر ونور الايضاح وصححه فى البدائع وشرح المجمع واختاره فى البحر والنهر۔

(۳۲۲) نمازیوں کی مروجہ کرسیوں میں ۹ / انچ اونچائی رکھنے کی علت

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلہ کی مسجد میں چند کرسیاں جو آجکل مساجد میں بزرگ حضرات نماز ادا کرنے کیلئے استعمال کرتے ہیں موجود تھیں۔ کچھ دن قبل یہ کرسیاں مذکورہ مسجد کے خطیب کے کہنے پر اٹھادی گئیں

Marfat.com

تھیں، اُن کا کہنا تھا کہ ان پر سجدہ ادا کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن چند دن بعد دوبارہ رکھ دی گئیں اور کہا گیا کہ ان کرسیوں میں سے جن کی اونچائی ۹ /انچ تھی ان پر سجدہ ادا کرنا صحیح ہے اور جن کی اونچائی ۹ /انچ نہیں ہے اُن کو ۹ /انچ تک برابر کروا کر دوبارہ رکھ دیں گے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس ۹ /انچ اونچائی کی کیا علت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... سجدہ کے لغوی معنی ہے پیشانی زمین پر رکھنا یعنی آدمی جس جگہ بیٹھا ہوا ہو، اس جگہ سے جھک کر پیشانی زمین پر رکھے یا وہ جو زمین کے قائم مقام ہو، مثلاً تخت وغیرہ پس اگر سجدہ والی جگہ بیٹھنے والی جگہ کی بہ نسبت اونچی ہو تو اس صورت میں سجدہ ادا ہوگا یا نہیں؟ اس کے لئے فقہاء کرام نے یہ حد مقرر کی ہے کہ اگر سجدہ والی جگہ نصف ذراع کے بقدر اونچی ہے تو سجدہ ادا ہو جائے گا اور اگر اس سے زیادہ اونچی ہے تو پھر سجدہ ادا نہ ہوگا اور نصف ذراع تقریباً ۹ /انچ ہے کما صرح بہ فی اوزان الشرعیۃ (صفحہ ۶۲) لہٰذا مذکورہ امام صاحب کی بات درست ہے۔

لمافی المحیط البرھانی(۱۲۳/۲): واذا کان موضع السجود ارفع من موضع القدمین (کہ زمین نشیب بود) قیل ذکر الشیخ الامام الاجل شمس الائمۃ الحلوانی فی شرح کتاب الصلوۃ انہ ان کان التفاوت بمقدار لبنۃ او لبنتین یجوز وان کان اکثر من ذلک لایجوز واراد باللبنۃ اللبنۃ المنصوبۃ دون المفروشۃ۔

وفی الدر المختار(۵۰۳/۱): ولو کان موضع سجودہ ارفع من موضع القدمین بمقدار لبنتین منصوبتین (ای موضوعۃ احدھما فوق الاخری) جاز سجودہ وان اکثر لا الالزحمۃ کمامر والمراد لبنۃ بخاری وھی ربع ذراع عرض ستۃ اصابع(ای مقدر بعرض ستۃ اصابع مضموم بعضھا الی بعض لا بطولھا) فمقدار ارتفاعھما نصف ذرائع ثنتا عشرۃ اصبعاً ذکرہ الحلبی

وفیہ ایضاً(۴۰/۲): ولو صلی علی دابۃ فی شق محمل وھو یقدر علی النزول بنفسہ لاتجوز الصلاۃ علیھا اذا کانت واقفۃ الا ان تکون عیدان المحمل علی الارض بأن رکز تحتہ خشبۃ۔

وفی الکبیری(ص۲۷۸): والخامسہ من الفرائض السجدۃ وھی فریضۃ تتادی بوضع الجبھۃ علی الارض اوما یتصل بھا بشرط الانخفاض الزائد علی نھایۃ الرّکوع مع الخروج عن حدّ القیام لانہ لا یعد ساجداً لغۃ وعرفاً بما دونہ ویعدبہ۔

وفیہ ایضاً(ص۲۸۱): ولو کان موضع السجود ارفع من موضع القدمین ان کان ارتفاعہ مقدار ارتفاع لبنتین منصوبتین جاز السجود علیہ والا فلا یجوز السجود واراد باللبنۃ لبنۃ بخاری وھی ربع ذراع عرض ست اصابع فمقدار ارتفاع اللبنتین المنصوبتین نصف ذراع طول اثنتی عشرۃ اصبعاً... وذکر الزاھدی لو سجد یعنی المریض علی دکان دون صدرہ یجوز کالصحیح انتھی

Marfat.com

والاقرب ماذکر المصنف لما قدمناه فی اوّل بحث السجدة من حدادنی السجود المجزی فانه صادق فیما اذا کان الارتفاع هذا المقدار لافی الأزید فلیتامل۔

(۳۲۳) بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے رکوع کا طریقہ

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا سر کو کس قدر جھکائے تاکہ رکوع ادا ہوجائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی شخص بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، اس کیلئے مناسب یہ ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے وہ اپنی پیشانی کو اپنے گھٹنے کے سرے کے قریب کرے۔

وفی الشامیة(۱/۴۴۷): وفی حاشیة الفتال عن البرجندی: ولو کان یصلی قاعداً ینبغی ان یحاذی جبهته قدام رکبتیه لیحصل الرکوع اھ قلت ولعله محمول علی تمام الرکوع والافقد لمت حصوله باصل طأطأة الراس ای مع انحناء الظهر تأمل۔

(۳۲۴) کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا سجدہ کی حالت میں کہاں تک سر جھکائے؟

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مساجد میں معذور حضرات کیلئے کرسیاں رکھی ہوئی ہوتی ہیں اور اس میں آگے تختہ لگا ہوا ہوتا ہے تاکہ اس پر سر رکھ کر سجدہ کیا جاسکے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس تختہ پہ سر رکھ کر سجدہ کرنا درست ہے؟ یا ویسے ہی تھوڑا سا جھک کر سجدہ کیا جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سجدہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ زمین یا اس جیسی سخت چیز پر اپنی پیشانی کو اچھی طرح سے لگائے البتہ اگر کوئی شخص عذر کی بناء پر سجدہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اور اس کے لئے کسی سہارے پر مثلاً تکیہ، میز وغیرہ پر سر رکھ کر سجدہ کرنا آسان ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے، اور اگر اس پر بھی قدرت نہیں تو صرف اشارہ سے سجدہ کرنا کافی ہے۔ اور اگر زمین پر بھی نہیں بیٹھ سکتا بلکہ کسی اونچی چیز کرسی وغیرہ (جیسا کہ آج کل مساجد میں کرسیاں رکھی گئی ہیں سامنے تختہ لگا ہوا ہے) پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن تختہ پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرنا ضروری ہے ہاں اگر عذر ہو تو حسبِ طاقت اشارہ کرے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکنا پایا جائے۔

بیٹھ کر زمین پر سجدہ کر کے نماز پڑھنے کی قدرت کے باوجود معمولی عذر کی بنا پر کرسیوں پر نماز پڑھنا درست نہیں۔

لما فی سنن الکبریٰ للبیهقی(۲/۳۰۷): عن الحسن عن امه قالت رأیت ام سلمة زوج النبی ﷺ تسجد علی وسادة من ادم من رمدبها۔

Marfat.com

وفی الدر المختار(۹۶،۹۷،۹۸/۲): (صلى قاعدا) ولو مستندا إلى وسادة ... الى قوله... (وان تعذرا ليس تعذر هما شرطا بل تعذر السجود كاف (لا القيام أو ما) بالهمز (قاعدا)... (ويجعل سجوده اخفض من ركوعه)

وفی الشامية (۹۸/۲): (قوله فانه يكره تحريما) قال فى البحر: واستدل للكراهة فى المحيط بنهيه عليه الصلاة والسلام عنه، وهو يدل على كراهة التحريم وتبعه فى النهر۔

اقول: هذا محمول على ماذا كان يحمل الى وجهه شيا يسجد عليه بخلاف ماذا كان موضوعاً على الارض يدل عليه مافى الذخيره حيث نقل عن الاصل الكراهة فى الاول ثم قال فان كانت الوسادة موضوعة على الارض وكان يسجد عليها جازت صلاته، فقد صح ان ام سلمة كانت تسجد على مرفقة موضوعة بين يديها لعلة كانت بها ولم يمنعها رسول الله ﷺ من ذلك هـ فان مفاد هذه المقابلة والاستدلال عدم الكراهة فى الموضوع على الارض المرتفع ثم رأيت القهستانى صرح بذلك۔

وفيه ايضاً (۹۹/۲): انه لو كان قادرا على وضع شئ على الارض مما يصح السجود عليه انه يلزمه ذلك لأنه قادر على الركوع والسجود حقيقة ولا يصح الايماء بهما مع القدرة عليهما بل شرطه تعذرهما كما هو موضوع المسألة۔

(۳۲۵)خروج ریح کی صورت میں اشارہ سے رکوع وسجدہ کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے کافی عرصہ سے ایک بیماری ہے جو نماز کیلئے پریشانی کا باعث بنتی ہے وہ یہ ہے کہ جب میں نماز کے دوران رکوع یا سجدہ کرتا ہوں تو ریح خارج ہوجاتی ہے۔ایک صاحب نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ آپ نماز بیٹھ کر ادا کیا کریں اور رکوع اور سجدہ کرنے کی بجائے اشارہ کیا کریں۔آیا ایسی صورت میں میرے لئے بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ عذر (خروج ریح) کی وجہ سے آپ کیلئے بیٹھ کر نماز پڑھنا اور رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرنا جائز ہے۔

لمافی الهندية (۱۳۸/۱): كلّ من لا يقدر على اداء ركن الابحدث يسقط عنه ذالك الركن كذا فى فتاوىٰ قاضيخان۔ حتى لو كان به جراحة لا يستطيع ان يسجد الا وتسيل جراحته وهو صحيح فيما سوى ذالك يقدر على الركوع والقيام والقراءة يصلى قاعداً ويؤمى ايماءً۔

Marfat.com

وفی الشامیة (۹۸/۲): رجل بحلقه خراج ان سجد سال وهو قادر علی الرکوع والقیام والقراءة یصلی قاعداً ویومی۔

وفیه ایضاً(۳۰۷/۱): (قوله ولو بصلاته مؤمئا) ای کما اذا سال عند السجود ولم یسل بدونه فیؤمی قائما او قاعدا وکذا لو سال عند القیام یصلی قاعدا۔

(قوله وبرده لا یبقی ذاعذر) قال فی البحر: ومتی قدر المعذور علی رد السیلان برباط او حشو أو کان لو جلس لا یسیل ولو قام سال وجب وخرج برده عن ان یکون صاحب عذر، ویجب ان یصلی جالسا بایماء ان سال بالمیلان، لان ترک السجود اهون من الصلاة مع الحدث۔

(۳۲۶) کبڑے شخص کے رکوع کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کبڑا شخص نماز کے اندر رکوع کس طرح کرے جبکہ وہ عام حالات میں بھی اتنا جھکا ہوتا ہے جیسے رکوع کی حالت میں ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......کبڑا پن اگر حالت رکوع تک پہنچ جائے تو پھر کبڑا شخص سر کے اشارے سے رکوع کرے گا۔

لمافی الخلاصة (۵۳/۱): الاحدب اذا بلغت حدوبته الرکوع یشیر براسه للرکوع۔

وفی الهندیة (۷۰/۱): والاحدب اذا بلغت حدوبته الرکوع یشیر براسه للرکوع۔

(۳۲۷) دو راستوں میں کم وزیادہ مسافت کے وقت سفر شرعی کیلئے ۴۸ میل کا اعتبار ہوگا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے اپنے سسرال جانے کیلئے دو راستے ہیں ایک ہموار اور دوسرا ناہموار۔ زید جب ہموار راستے سے اپنے سسرال جاتا ہے تو تین دن میں ۴۸ میل سفر طے کرتا ہے اور جب ناہموار راستے سے جاتا ہے تو تین دن میں ۴۲ میل کا فاصلہ طے کرتا ہے اب معلوم یہ کرنا ہے کہ جب زید ناہموار راستے سے تین دن میں ۴۲ میل کا فاصلہ طے کرتا ہے تو اب وہ قصر نماز پڑھے گا یا مکمل نماز پڑھے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......فقہاء احناف کے یہاں سفر کی ادنیٰ مقدار مسافر شرعی بننے کیلئے وہ تین دن اور تین رات کا سفر ہے چاہے حقیقتاً تین دن پائے جائیں یا تین دن کی مسافت کے بقدر مسافت پائی جائے دونوں صورتوں میں انسان مسافر شرعی کہلاتا ہے اور اس پر سفر کے احکام جاری ہوتے ہیں، اصل مذہب کے اعتبار سے فرسخ کا اعتبار نہیں ہے بلکہ صرف تین دن کی مسافت کا اعتبار ہے اگرچہ بعد کے فقہاء نے فرسخ کا اعتبار کیا ہے جس کو موجودہ دور میں میل اور کلومیٹر سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن ان حضرات کا مقصد بھی فرسخ

Marfat.com

وغیرہ سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تین دن میں انسان درمیانی چال (اونٹ یا پیدل سفر کرنے) سے اتنی مسافت طے کرتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص تین دن کا سفر کر کے کسی جگہ پہنچتا ہے زمین کے دشوار گزار ہونے کی بناء پر تو وہ بھی مسافر شرعی ہے اگر چہ فرسخ کے اعتبار سے کم ہی فاصلہ ہو، اس صورت میں فرسخ وغیرہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا بوجہ نص کے کیونکہ نص میں تین دن کے الفاظ موجود ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں جب زید ناہموار راستے سے تین دن میں ۴۲ میل کا فاصلہ طے کرتا ہے تو اس صورت میں وہ مسافر شرعی ہے اور وہ قصر نماز پڑھے گا کیونکہ تین دن کے سفر کی صورت میں میل اور فرسخ وغیرہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے البتہ یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جو کہ معتاد تین دن اور تین رات کا سفر کرے اور اگر کوئی شخص گاڑی وغیرہ میں سفر کرتا ہے جیسا کہ موجودہ زمانے میں کیا جاتا ہے تو وہاں ۴۸ میل کا ہی اعتبار ہوگا چاہے ۴۸ میل تین دن سے کم میں ہی مکمل ہو جائیں اس صورت میں دنوں کا اعتبار نہیں ہوگا اگر ۴۸ میل کا سفر طے کر لیا ہے تو قصر پڑھے گا ورنہ نہیں۔

لما فی الهندية (۱۳۸/۱): فاذا قصد بلدة والى مقصده طريقان أحدهما مسيرة ثلاثة ايام ولياليها والآخر دونها فسلك الطريق الابعد كان مسافرا عندنا هكذا فى فتاوىٰ قاضى خان وان سلك الا قصر يتم كذا فى البحر۔

وفى فتح القدير(۳۰/۲): (قوله هو الصحيح) احتراز عما قيل يقدربها فقيل بأحد وعشرين فرسخا وقيل بثمانية عشر وقيل بخمسة عشر وكل من قدر بقدر منها اعتقد انه مسيرة ثلاثة ايام وانما كان الصحيح ان لا يقدر بها لانه لو كان الطريق وعراً بحيث يقطع فى ثلاثه ايام اقل من خمسة عشر فرسخا قصر بالنص وعلى التقدير باحد هذه التقديرات لايقصر فيعارض النص فلا يعتبر سوى سير الثلاثة وعلى اعتبار سيرا لثلاثة بمشى الاقدام لوسارها مستعجل كالبريد فى يوم قصر فيه وافطر لتحقق سبب الرخصة وهو قطع مسافة ثلاثة بسير الابل ومشى الاقدام۔

وفى الدرالمختار (۱۲۳/۲، ۱۲۲): (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) من أقصر أيام السنة ولا يشترط سفر كل يوم إلى الليل بل إلى الزوال ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لواسرع فوصل فى يومين قصر، ولو لموضع طريقان أحدهما مدة السفر والاخر اقل قصر فى الاول لا الثانى۔ قال العلامة الشامى عليه الرحمة فى رد المحتار: قال فى النهاية: أى التقدير بثلاث مراحل قريب من التقدير بثلاثة ايام لان المعتاد من السير فى كل يوم مرحلة واحدة خصوصا فى أقصر أيام السنة كذا فى المبسوط اهـ وكذا مافى الفتح من أنه قيل يقدر بأحد وعشرين فرسخا وقيل بثمانية عشر وقيل بخمسة عشر وكل من قدر منها اعتقد أنه مسيرة ثلاثة ايام اهـ اى بناء على اختلاف البلدان فكل قائل قدر ما فى بلده من أقصر الأيام أو

Marfat.com

بناء علی اعتبار أقصر الأیام او أطولها او المعتدل منها وعلی کل فهو صریح بأن المراد بالأیام ماتقطع فیها المراحل المعتادۃ فافهم ......(قوله علی المذهب) لأن المذکور فی ظاهر الروایۃ اعتبار ثلاثۃ ایام کمافی الحلیۃ وقال فی الهدایۃ: هو الصحیح احتراز عن قول عامۃ المشایخ من تقدیرها بالفراسخ۔

وفی فتح الملهم(۵۳۷/۴): تنبیه: نبه ابن عابدین علی ان المراد بالایام ما تقطع فیه المراحل المعتادۃ. وفی الدر المختار وغیرہ لو اسرع فوصل فی یومین الی مکان مسافۃ ثلثۃ ایام بالسیر المعتاد: قصر۔ قال ابن عابدین وظاهرہ انه کذلك لو وصل الیه فی زمن یسیر بکرامۃ لکن استبعدہ (ابن الهمام) فی فتح القدیر بانتفاء مظنۃ المشقۃ وهی العلۃ فی القصر قلت: والظاهر ان هذا الاستبعاد من ابن الهمام یجری فی اسفار زماننا ایضا من سیر البابورۃ والمواتر وغیرهما والله اعلم۔

(۳۲۸)مسافر شرعی کی تعریف

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسافر شرعی کسے کہتے ہیں؟ آج کل تبلیغی جماعت والے جب چلہ یعنی چالیس دن لگاتے ہیں تو ایک بستی میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ دن تشکیل ہوجانے کی صورت میں بعض جماعتیں سفری نماز ہی پڑھتی ہیں حالانکہ ہم نے سنا ہے کہ کسی شخص کا پندرہ دن یا اس سے زیادہ وقت اگر ایک جگہ پر رہنے کا ارادہ ہو تو وہ مسافر مقیم ہوجاتا ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... جو شخص ایسی جگہ جانے کا ارادہ کرے جس کی مسافت تین دن پیدل چلنے یا اونٹ کے چلنے کے برابر ہو جس کا اندازہ فقہاء کرام نے ۴۸ میل/۷۷ء۲۴۸۵ کلومیٹر لگایا ہے اور وہاں پر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت نہ ہو تو ایسا شخص مسافر شرعی کہلائے گا اور یہ شخص قصر کرے گا۔ پس صورت مسئولہ میں جن جماعتوں کی تشکیل ایک ہی بستی یا شہر میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ ہوجائے اور وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت بھی ہو، یہ لوگ پوری نماز پڑھیں گے ہاں اگر پندرہ دن سے کم ہو تو پھر یہ مسافر ہوں گے اور نماز قصر پڑھیں گے۔

وفی الهندیۃ(۱۳۹/۱): ولایزال علی حکم السفر حتی ینوی الاقامۃ فی بلدۃ أو قریۃ خمسۃ عشر یوما أو اکثر کذا فی الهدایۃ۔

وفی الدر المختار(۱۲۵/۲): (اوینوی) ولو فی الصلوۃ اذا لم یخرج وقتها ولم یك لاحقا (اقامۃ نصف الشهر) حقیقۃ اوحکما لما فی البزازیۃ وغیرها: لودخل الحاج الشام وعلم انه لایخرج الامع

Marfat.com

القافلة فی نصف شوال أتم لانه کناوی الاقامة۔

(۳۲۹) مسافت شرعی کی ابتداء وانتہا کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سفر کی مسافت جو کہ ۴۸ میل ہے اس کا اعتبار وشمار کہاں سے ہوگا، شہر کی حدود کے باہر سے یا مسافر کے گھر سے؟ اسی طرح جس شہر کی طرف سفر کررہا ہے، وہاں پر بھی اس شہر کی حدود تک مسافت کا اعتبار ہوگا یا اس خاص مقام تک کا اعتبار کیا جائے گا جہاں وہ قیام پذیر ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سفر کی مسافت کا اعتبار اپنے شہر کی آبادی اور حدود کے ختم ہونے کے بعد سے کیا جاتا ہے۔نیز جہاں کی طرف سفر کررہا ہے اس سے متعلق صریح جزئیہ تو نہیں ملا لیکن ابتداء سفر پر قیاس کر کے کہا جاسکتا ہے کہ اس شہر کی حدود کی ابتداء کا اعتبار ہوگا نہ کہ اس مقام اور محلہ کا جہاں اسے جانا ہے۔لہذا جس شہر کی طرف سفر کررہا ہے اگر اس کی حدود میں اور اس کے شہر کی حدود میں مسافت شرعی سے زیادہ کا فاصلہ ہے تو یہ مسافر ہوگا ورنہ نہیں۔

لمافی الدر المختار(۱۲۱/۲): (من خرج من عمارة موضع اقامته) من جانب خروجه وان لم یجاوز من الجانب الاخر۔

وفی الشامية (۱۲۱/۲): (قوله من جانب خروجه الخ) قال فی شرح المنية: فلا یصیر مسافراً قبل ان یفارق عمران ماخرج منه من الجانب الذی خرج حتی لو کان ثمة محلة منفصلة عن المصر وقد کانت متصلة به لایصیر مسافراً مالم یجاوزها، ولوجاوز العمران من جهة خروجه وکان بحذائه محلة من الجانب الاخر یصیر مسافراً اذ المعتبر جانب خروجه۔

(۳۳۰) مسافت سفر کی ابتداء وانتہاء کہاں سے ہوگی؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے مسافتِ سفر کے بارے میں ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص گوجرانوالہ سے لاہور شہر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی مسافت کی مقدار سفر شرعی کے برابر نہیں بنتی، لیکن وہ لاہور شہر ہی میں اتنی دور چلا جاتا ہے کہ اس کی مسافت کی مقدار سفرِ شرعی کی مقدار کے برابر ہوجاتی ہے تو آیا اس پر احکاماتِ سفر لازم ہوں گے یا نہیں، اور مقدار مسافت کب شروع ہوتی ہے اور کب ختم ہوتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر گوجرانوالہ کی حدود سے لاہور شہر کی حدود تک سفر شرعی نہیں بنتا تو یہ شخص مسافر نہیں ہوگا۔سفر کی ابتداء اور انتہاء دونوں میں شہر کی حدود کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ اس مقام اور محلہ کا جہاں یہ جارہا ہے۔

لمافی الدر المختار(۱۲۱،۱۲۲/۲): (من خرج من عمارة موضع اقامته)... (قاصدا) (مسیرة ثلاثة

37

Marfat.com

أيام ولياليها) . . . (حتى يدخل موضع مقامه) ان سار مدة السفر. . .

وفی بدائع الصنائع(۱/۴۷۷): وفعل السفر لا يتحقق الا بعد الخروج من المصر فما لم يخرج لا يتحقق قران النية بالفعل، فلا يصير مسافراً۔

(۳۳۱) جب کسی شخص کا سفر شرعی پر جانے کا ارادہ ہو تو وہ کب قصر کرے گا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا گاؤں سڑک سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اگر ہمیں سفر کرنا ہو تو ایک کلومیٹر پیدل سفر کرکے گاڑی پر جاکر سوار ہوتے ہیں اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہم سے کسی کو مسافت شرعی سے زیادہ کہیں سفر پر جانا پڑے تو راستے میں قصر ہوگی۔اب یہ قصر گاؤں سے نکلتے ہی شروع ہوگی یا اڈے سے سوار ہونے کے بعد قصر کے احکامات شروع ہوں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جب کسی شخص کا سفر شرعی پر جانے کا ارادہ ہو، تو جب وہ شہر کی آبادی اور فناء مصر سے نکل جائے گا تو اس پر سفر کے احکام جاری ہوں گے، لہٰذا اگر صورت مسئولہ میں اڈہ فناء مصر میں داخل ہے تو اڈے سے نکلتے ہی سفر کے احکام جاری ہوں گے اگر اڈہ فناء مصر میں داخل نہیں تو پھر آبادی سے نکلتے ہی سفر کے احکام جاری ہوں گے۔

لما فی الهندية(۱/۱۳۹): قال محمد رحمة الله تعالىٰ يقصر حين يخرج من مصره ويخلف دور المصر كذا فی المحيط۔ وفی الغياثيه هو المختار وعليه الفتوى كذا فی التتارخانية. الصحيح ما ذكر انه يعتبر مجاوزة عمران المصر لا غير الا اذا كان ثمة قرية او قرى متصلة بربض المصر فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى بخلاف القرية التي تكون متصلة بفناء المصر فانه يقصر الصلاة وان لم يجاوز تلك القرية كذا فی المحيط۔

وفی الدر المختار(۲/۱۲۱): (من خرج من عمارة موضع اقامته) من جانب خروجه وان لم يجاوز من الجانب الاخر۔

(۳۳۲) مسجد حرام اور مسجد نبوی میں قصر نماز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں عمرہ کرنے گیا۔وہاں پر پہنچ کر عمرہ ادا کیا اس کے بعد آرام کرنے ہوٹل چلے گئے اور سو گئے آنکھ کھلی تو عصر کی نماز ہو رہی تھی۔ہم نے جماعت سے نماز ادا کی۔پھر اس کے بعد ظہر کی قضا نماز ادا کی۔قصر نہیں پڑھی کسی نے ہمیں بتایا کہ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں قصر نماز نہیں پڑھنی چاہیے کیا یہ صحیح ہے۔باقی سب جگہ پر قصر نماز صحیح ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب...... جب کوئی مقیم شخص گھر سے سفر شرعی کے ارادے سے نکلتا ہے جو آجکل کے حساب سے اڑتالیس میل (۷۷ء۹۸ کلومیٹر) بنتا ہے۔اپنے شہر یا بستی سے نکلنے کے بعد اس پر مسافر کے احکام جاری ہو جاتے ہیں مثلاً یہ کہ نماز قصر پڑھے۔اور یہ قصر نماز پڑھنا واجب ہے یعنی چار رکعت والی فرض نمازیں دو رکعت پڑھے گا۔اور یہ حکم کسی خاص جگہ یا مقام کے ساتھ خاص نہیں ہے۔جب تک کہ وہ مسافر پندرہ دن یا اس سے زیادہ دن کسی جگہ ٹھہرنے کی نیت نہ کرے۔یا اپنے شہر لوٹ نہ آئے۔اس پر وہی مسافر کے احکام جاری ہوں گے البتہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ دن ٹھہرنے کی نیت کرنے کے بعد وہ شخص پوری نماز پڑھے گا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر آپ عمرہ کیلئے پندرہ دن سے کم وقت کیلئے گئے تھے۔تو آپ کا پوری نماز پڑھنا درست نہیں بلکہ آپ کیلئے قصر نماز پڑھنا ضروری تھا۔البتہ جو نمازیں آپ نے پوری پڑھی ہیں وہ ادا ہوگئی ہیں بشرطیکہ ان نمازوں میں قعدہ اولیٰ کیا ہو۔اور کسی کا یہ کہنا کہ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں قصر درست نہیں بلکہ پوری نماز پڑھی جائے گی یہ بات درست نہیں۔ بلکہ قصر کا حکم مسافر کیلئے ہر جگہ ہے۔ چاہے وہ کہیں بھی ہو،خود حضور پاک ﷺ نے ہجرت کے بعد جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو مسجد حرام میں قصر نماز پڑھی ہے۔

لمافی الدر المختار(۱۲۳،۱۲۴/۲): (صلّی الفرض الرباعی رکعتین) وجوبا لقول ابن عباس رضی اللہ عنہ: ان اللہ فرض علی لسان نبیکم صلاۃ المقیم أربعا والمسافر رکعتین ولذا عدل المصنف عن قولھم قصر لان الرکعتین لیستا قصرا حقیقة عندنا بل ھما تمام فرضه والاکمال لیس رخصة فی حقه بل اسائة۔

وفی الفتاویٰ الھندیة(۱۳۹/۱): والقصر واجب عندنا کذا فی الخلاصة. فان صلی أربعا،وقعد فی الثانیة قدر التشھد أجزأته والأخریان نافلة ویصیر مسیئاً لتأخیر السلام وان لم یقعد فی الثانیة قدرھا بطلت کذا فی الھدایة۔

(۳۳۳) ۹۵ کلومیٹر مسافت پر پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں قصر کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک استفتاء کسی ساتھی کے توسط سے داخل کیا تھا (استفتاء نمبر ۲۲۱۳) جسکا جواب مل گیا لیکن اب مسئلہ یہ درپیش ہوا، ہمارا گھر اور کوئٹہ کے درمیان 95 کلومیٹر فاصلہ ہے پہلے والے میں (70 کلومیٹر) لکھا ہوا تھا جو کہ غلط تھا اب معلوم کرنے پر 95 کلومیٹر بنتا ہے۔

اب کیا میں مسافر ہوں یا نہیں؟ جبکہ میں ایک سرکاری ملازم ہوں اور میں نے کوئٹہ میں ایک کرائے کا کمرہ لیا ہوا ہے، جب میں آتا ہوں تو ایک دو دن کیلئے ٹھہرتا ہوں پھر گھر جاتا ہوں پھر گھر سے واپس آکر تین چار دن رہ کر پھر واپس گھر جاتا ہوں یعنی پندرہ دن سے کم رہتا ہوں تو اندازاً پندرہ دن میں میں دو تین مرتبہ گھر جاتا ہوں اور کرایہ کا مکان اس لئے لیا ہے تاکہ میرا سامان اور آرام کرنے کی جگہ معین ہو۔ تو اب ان تمام صورتوں میں میرے لئے کیا حکم ہے کیا میں مسافر ہوں یا نہیں؟ اگر میں مسافر نہیں ہوں تو جو نمازیں میں نے مسافرانہ

Marfat.com

پڑھی ہیں ان کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں اگر آپ کے گھر اور کوئٹہ شہر کے درمیان 95 کلومیٹر کا فاصلہ ہے اور آپ کوئٹہ شہر میں 15 روز یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت بھی نہیں کرتے (اگرچہ آپ نے سامان وغیرہ کی حفاظت کی غرض سے وہاں مکان کرائے پر لیا ہوا ہے) تو شرعاً آپ مسافر ہیں اس لئے آپ کی نماز بھی مسافرانہ ہوگی کیونکہ سفر کی مسافت شرعیہ تین دن کی مسافت ہے جو کہ 48 میل کے برابر ہوتی ہے 48 میل کے تقریباً 77 کلومیٹر بنتے ہیں اور جو نمازیں آپ نے قصر یعنی مسافرانہ پڑھی ہیں وہ ادا ہوگئیں ان کی قضاء کرنے کی ضرورت نہیں۔

لمافی التاتارخانیه (۱/۲): فی بیان ادنی مدة السفر الذی یتعلق به قصر الصلوة قال علمائنا ادناها مسیرة ثلاثة ایام ولیالیها مع الاستراحات۔۔۔۔۔۔ وعن ابی حنیفة انه اعتبر ثلاث مراحل۔

وفی الشامیة (۱۳۳/۲) فاذا دخل المسافر بلدة ونوٰی ان یقیم بها یوما مثلا ثم خرج منها ثم رجع الیها قصر فیها کما کان یقصر قبل خروجه وعلیه یحمل کلام المحققین لقول البحر انهم قالوا لافائدة فیه لانه یبقی فیه مسافرا علی حاله۔

(۳۳۴) کوئٹہ سے قلات اگر پندرہ دن سے کم کیلئے جانا ہو تو قصر کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بغرضِ ملازمت میرا ضلع قلات آنا جانا رہتا ہے۔ ہمیشہ جب بھی جاتا ہوں ایک آدھ ہفتہ کی نیت ہوتی ہے۔ اس کے بعد واپس اپنے وطن اصلی کوئٹہ آجاتا ہوں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ قلات میں نماز قصر کروں یا پوری پڑھوں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... چونکہ ضلع قلات اور آپ کے وطن اصلی کوئٹہ کے درمیان مسافت، شرعی مقدار مسافت سے زیادہ ہے اور وہاں پر آپ کی پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت بھی نہیں ہوتی اس لئے آپ پر قلات میں اور حالت سفر میں قصر نماز پڑھنا لازم ہے۔

لمافی الهندیة (۱۳۹/۱): ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الاقامة فی بلدة او قریة خمسة عشر یوما أو اکثر کذا فی الهدایة هذا اذا سار ثلاثة ایام۔

وفی الشامیة (۱۳۱/۲): (قوله الوطن الاصلی) ویسمی بالاهلی ووطن الفطرة والقرار (قوله او تأهله) ای تزوجه قال فی شرح المنیة: ولو تزوج المسافر ببلد ولم ینوالاقامة به فقیل لایصیر مقیما وقیل یصیر مقیما وهو الاوجه ولو کان له اهل ببلدتین فأیتهما دخلها صار مقیما، فان ماتت زوجته فی احداهما وبقی له فیها دور وعقار قیل لایبقی وطناله اذا المعتبرا لاهل دون

Marfat.com

الدار کما لو تاهل ببلدة واستقرت سکنا له ولیس له دار فیها وقیل تبقی (قوله او توطنه) أی عزم علی القرار فیه وعدم الارتحال وان لم یتأهل، فلو کان له ابوان ببلد غیر مولده وهو بالغ ولم یتاهل به فلیس ذلك وطنا له الا اذا عزم علی القرار فیه وترك الوطن الذی کان له قبله۔

(۳۳۵) دو شہروں میں رہائش ہو تو وطن اصلی کونسا ہوگا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا آبائی شہر سکھر ہے لیکن اب اس نے لاہور میں شادی کرلی ہے کبھی سکھر میں رہتا ہے اور کبھی لاہور میں تو اس کا وطن اصلی لاہور ہوگا یا سکھر؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص اپنے اہل وعیال کے ساتھ سکھر میں رہتا ہو، اور یہاں پر ہمیشہ رہنے کا ارادہ ہو، اور کبھی لاہور میں اپنے اہل عیال کے ساتھ رہتا ہو، اور یہاں اپنا گھر بھی ہو، اور یہاں پر ہمیشہ رہنے کا ارادہ ہو، تو دونوں جگہیں ان کا وطن اصلی ہوگا۔ اور اگر سسر کے ہاں بچوں کو ملنے ملانے کیلئے آیا ہو تو اگر پندرہ دن یا زیادہ دن تک ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو مقیم ہوگا۔

لمافی الهندية(۱/۱۴۲): ویبطل الوطن الاصلی بالوطن الاصلی اذا انتقل عن الاول بأهله واما اذا لم ینتقل بأهله ولکنه استحدث اهلا ببلدة اخری فلا یبطل وطنه الاول ویتم فیهما۔

وفی الخانیه علی هامش الهندية(۱/۱۶۶): الکوفی اذا نوی الاقامة بمکة ومنی خمسة عشر یوما لم یکن مقیما وان لم یکن بینهما مسیرة سفر لانه لم ینو الاقامة فی احدهما خمسة عشر یوما وان تأهل بهما کان کل واحد من الموضعین وطنا اصلیا له۔

وفی الشامية(۲/۱۳۱): ولو کان له أهل ببلدتین فایتهما دخلها صار مقیما۔

(۳۳۶) کسی دوسرے شہر کو وطن بنالیا تو کیا اب وطن اصلی میں پندرہ دن سے کم قیام پر قصر کریگا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا تعلق صوبہ پنجاب سے ہے اور کراچی میں ملازمت کرتا ہوں، اب صورت حال یہ ہے کہ میں اہلیہ کے ساتھ کرایہ کے مکان میں رہائش پذیر ہوں اور کم از کم پچیس سال ملازمت کے ہیں جن میں یہیں رہنے کا ارادہ ہے اور اپنا ذاتی مکان بنانے کا ارادہ بھی ہے جس کیلئے پلاٹ خرید لیا ہے جبکہ اپنا اصلی گھر جو پنجاب میں ہے وہاں والدین اور بھائی رہتے ہیں اب پوچھنا یہ ہے بسا اوقات میں پندرہ دن سے کم مدت کیلئے پنجاب جاتا ہوں تو آیا جب میں اپنے وطن اصلی

Marfat.com

میں جاؤں گا تو میں نماز مکمل پڑھوں گا یا قصر ہوگی؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ نے اگر یہاں (کراچی میں) مستقلاً رہنے کا ارادہ کرلیا ہے اور یہاں سے مستقلاً پنجاب واپس جانے کا ارادہ نہیں اور اپنے بیوی بچوں کو بھی کراچی منتقل کردیا ہے تو اس صورت میں کراچی آپ کا وطن اصلی ہوگیا ہے پنجاب آپ کا وطن اصلی نہیں رہا، اگرچہ والدین وغیرہ وہاں ہیں۔ اب پنجاب جانے کی صورت میں اگر آپ کی وہاں ٹھہرنے کی نیت پندرہ دن سے کم کی ہو، تو اس صورت میں آپ قصر کریں گے۔

وفی الشامیة (۱۳۱/۲): (قوله الوطن الأصلی) ویسمی بالأهلی ووطن الفطرة والقرار ح عن القهستانی (قوله أوتأهله) أی تزوجه قال فی شرح المنية: ولو تزوج المسافر ببلدولم ينوالأقامة به فقيل لايصير مقيما وقيل يصير مقيما، وهو الأوجه ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخلها صارمقيما، فأن ماتت زوجته فی إحداهما وبقی له فيها دور وعقار قيل لايبقی وطناله اذ المعتبر الأهل دون الدار كمالو تاهل ببلدة واستقرت سكناله وليس له فيها دار... وقيل تبقی (قوله أو توطنه) أی عزم علی القرار فيه و عدم الارتحال وإن لم يتأهل، فلو كان له أبوان ببلد غير مولده وهو بالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطناله الاإذا عزم علی القرار فيه وترك الوطن الذی كان له قبله۔

(۳۳۷) قریب بستیوں میں تشکیل کی صورت میں قصر نماز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام تبلیغی جماعت والوں کی تشکیل مثلاً سندھ یا پنجاب کے کسی دیہات میں ایک مہینے کی ہوئی وہاں بستی قریب قریب ہوتی ہیں مثلاً دو یا تین کلومیٹر کے فاصلے پر۔ دیہاتوں میں ہوتا یوں ہے کہ جس کی زمین ہوتی ہے وہ وہاں گھر بنا کر رہنا شروع کردیتے ہیں جس کی وجہ سے ایک ہی علاقے میں کئی بستیاں وجود میں آجاتی ہیں تو پوچھنا یہ ہے کہ یہ جماعت والے بستیوں کا اعتبار کرکے قصر نماز پڑھیں یا دیہات کا اعتبار کرکے پوری نماز پڑھیں گے؟ جیسے بالفرض جماعت والوں کی تشکیل ایک مہینے کی نوابشاہ کے دیہاتوں میں ہوئی وہ نوابشاہ کے بھی قریب ہیں یعنی شرعی فاصلہ نہیں ہے اور آپس میں بھی دو یا تین کلومیٹر کے فاصلہ پر ہیں تو اس صورت میں جماعت والے نوابشاہ کا اعتبار کرکے پوری نماز پڑھیں گے یا دیہاتوں کا اعتبار کرکے قصر نماز پڑھیں گے؟ جیسے کراچی کے چار ضلع ہیں جماعت والوں کی تشکیل بیس دن کی ایک ضلع میں ہوئی اب یہ تشکیل کے دوران دوسرے ضلع میں جاتے ہیں تو اس صورت میں جماعت والے کراچی شہر کا اعتبار کرکے پوری نماز پڑھیں گے یا اس کے ضلع کا اعتبار کرکے قصر نماز پڑھیں؟ مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمائیں اللہ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اقامت کی نیت کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے یہ ہے کہ ایک ہی جگہ میں پندرہ یا اس سے

Marfat.com

زیادہ دنوں کی اقامت کی نیت کریں اور اسی طرح ایک شرط یہ بھی ہے کہ سفر کو منقطع کریں۔لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر جماعت والوں کی تشکیل پندرہ یا اس سے زیادہ دنوں کیلئے پنجاب یا نواب شاہ ہوئی،اب اگر انہوں نے وہاں ایک ہی جگہ میں پندرہ دنوں کی اقامت کی نیت کی اب اس کے بعد اگر وہ اڑتالیس میل کے اندر اندر دن کو جاتے ہیں اور رات کو واپس آتے ہیں یا کبھی کبھار رات بھی گزارتے ہیں تو اس صورت میں وہ پوری نماز پڑھیں گے قصر نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا اور اگر جماعت والے ایک جگہ پندرہ دنوں کی اقامت کی نیت نہیں کرتے ہیں بلکہ دو تین دن ایک بستی میں رہتے ہیں، دو تین دن دوسری بستی میں تو اس صورت میں مسافر شمار ہوں گے اور قصر نماز پڑھیں گے۔پورے شہر کا حکم ایک ہوتا ہے چاہے کتنا ہی بڑا ہو، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر جماعت والوں کی تشکیل پندرہ یا اس سے زیادہ دنوں کیلئے کراچی شہر میں ہو جائے،تو وہ پورے کراچی شہر میں چاہے جس ضلع میں جائیں نماز پوری پڑھیں گے۔

وفي المحيط البرهاني(۲/۴۰۲): خراساني قدم بغداد وعزم على الإقامة بها خمسة عشر يوما. ومكي قدم الكوفة وعزم على الإقامة بها خمسة عشر يوما، ثم خرج كل واحد منهما من وطنه يريد قصر ابن هبيره، ليتلقى صاحبه بالقصر۔ فإنهما يصليان أربعا في الطريق وبالقصر لأنهما كانا متوطنين أحدهما ببغداد، والآخر بالكوفة، ولم يقصدا مسيرة مدة السفر، لأن من بغداد إلى الكوفة مسيرة أربع ليال، والقصر هو المنتصف فكان كل واحد منهما قاصداً مسيرة ليلتين، وبهذا لايصير مسافراً۔

وفي الشامية(۲/۱۲۶): (قوله كما لو نوى مبيته بأحدهما) فإن دخل أولا الموضع الذي نوى المقام فيه نهارا لا يصير مقيما، وإن دخل أولا مانوى المبيت فيه يصير مقيما ثم بالخروج إلى الموضع الآخر لايصير مسافرا لأن موضع إقامة الرجل حيث يبيت به۔

(۳۳۸) رہائش کراچی میں ہو، اور سسرال سجاول میں، تو سسرال میں نمازوں کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں خود کراچی میں رہتا ہوں اور میرے سسرال والے سجاول میں رہتے ہیں اور میرا اکثر سجاول آنا جانا رہتا ہے۔تو کیا میں جب سجاول جاؤں تو وہاں نماز قصر کر سکتا ہوں جبکہ کراچی سے سجاول تک مسافت شرعی پائی جاتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب آپ کی رہائش بیوی بچوں کے ساتھ کراچی میں ہے اور پھر آپ سسرال سجاول پندرہ دن یا اس سے زیادہ رہنے کی نیت سے جاتے ہیں تو پھر آپ وہاں پوری نماز پڑھیں گے اور اگر آپ کی نیت

Marfat.com

سسرال پندرہ دن سے کم رہنے کی ہے تو وہاں آپ قصر کریں گے۔

لمافی الهندية (۱/۱۴۲): وطن أصلی وهو مولد الرجل أو البلد الذی تأهل به... ويبطل الوطن الأصلی بالوطن الاصلی اذا انتقل عن الاول بأهله وأما اذا لم ينتقل بأهله ولكنه استحدث أهلا ببلدة أخرى فلا يبطل وطنه الاول ويتم فيهما۔

وفی الهندية (۱/۱۳۹): ولا يزال على حكم السفر حتى ينوى الاقامة فی بلدة أو قرية خمسة عشر يوما أو أكثر كذا فی الهداية۔

(۳۳۹) عورت کا شادی کے بعد وطن اصلی کون سا ہوگا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والدین کراچی میں رہتے ہیں میں بھی ان ہی کے ساتھ رہتی تھی اب میرے والدین نے میری شادی کوئٹہ کے ایک لڑکے کے ساتھ کردی اب میری رہائش بھی کوئٹہ ہی میں ہے اب میرا وطن اصلی کون سا ہوگا؟ اور میرے لئے شرعاً کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......انسان کی جہاں پیدائش ہو وہ یا وہ شہر جہاں گھر بنالیا ہو اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ مستقل رہائش اختیار کرلی ہو وطن اصلی کہلاتا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ وطن اصلی باطل ہوتا ہے وطن اصلی سے۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ بیوی سفر واقامت میں اپنے شوہر کے تابع ہوتی ہے جبکہ وہ مہر معجّل ادا کرچکا ہو، اور عدم ادائیگی کی صورت میں حق زوجیت ادا کرنے سے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں کوئٹہ آپ کے حق میں وطن اصلی ہے اپنے شوہر کے ہمراہ مستقل رہائش اختیار کرنے کی وجہ سے۔ اور اب کراچی آپ کے حق میں وطن اصلی نہیں رہا۔

لمافی كبيری (ص۵۰۱): فالاصلی وهو مولد الانسان او موضع تأهل به ومن قصده التعيش به لا الارتحال عنه اما لو كان له ابوان ببلد غير مولده وهو بالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطنا له وفی المبسوط هو الذی نشأفيه او توطن فيه اوتأهل فقوله او توطن فيه يتناول ماعزم القرار فيه وعدم الارتحال وان لم يتاهل فعلى هذا لو عزم من له ابوان فی بلد على القرار فيه وترك الوطن الذی كان قبله له يكون وطنا له ولو تزوج المسافر ببلدة ولم ينو الاقامة به فقيل لا يصير مقيما وقيل يصير مقيما وهوا لا وجه لما مر من حديث عثمان رضی الله عنه۔

لمافی الشامية (۲/۱۳۱): (قوله الوطن الاصلی) ويسمى بالأهلی ووطن الفطرة والقرارح عن القهستانی (قوله أو تأهله) ای تزوجه قال فی شرح المنية: ولو تزوج المسافر ببلد ولم ينو الإقامة به فقيل لا يصير مقيما وقيل يصير مقيما، وهو الاوجه۔

Marfat.com

وفى الهندية(۱/۱۴۱): وكل من كان تبعا لغيره يلزمه طاعته يصير مقيما باقامته ومسافرا بنيته وخروجه الى السفر۔

(۳۴۰) ۳۰ میل سفر کی نیت کے بعد ۲۵ میل آگے اور جانا پڑ جائے تو نماز کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے اپنے کام کے سلسلے میں گھر سے تقریباً ۳۰ میل کے فاصلے پر تین روز کیلئے جانا ہوا۔وہاں جا کر کچھ مزید کام آ گیا اور اس مقام سے تقریباً ۲۵ میل دور اور سفر کرنا پڑا اور یہاں قیام تیرہ دن کا تھا اس کے بعد اپنے گھر جو کہ یہاں سے ۵۵ میل کے فاصلے پر ہے آنا تھا۔اب میں اس دوسرے مقام پر نمازیں قصر کروں یا نہیں؟ براہ کرم جواب سے جلد سرفراز فرمائیے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......سفر شرعی کیلئے مسافت سفر کی نیت کرنا ضروری ہے،لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ اس دوسرے مقام پر بھی نماز پوری پڑھیں گے اس لئے کہ وہاں سے نکلتے وقت آپ کی نیت مسافت سفر شرعی سے کم مقدار طے کرنے کی تھی تو آپ شرعاً مسافر نہیں ہوں گے اور آپ پر احکام سفر لاگو نہ ہوں گے البتہ وہاں سے گھر لوٹتے وقت آپ قصر کریں گے کیونکہ واپسی کے وقت میں مسافت سفر پوری ہے۔

لمافى فتح القدير(۲/۲۸):السفر الذى يتعلق به تغير هذه الاحكام واخذ فيه مع المقدار الذى ذكره القصد فافادانه لوطاف الدنيا من غير قصد إلى قطع مسيرة ثلاثة ايام لا يترخص وعلى هذا قالوا امير خرج مع جيشه فى طلب العدو ولم يعلم اين يدركهم فانهم يصلون صلوة الاقامة فى الذهاب وان طالت المدة وكذا المكث فى ذلك الموضع اما فى الرجوع فان كانت مدة سفر قصروا...

وعلى اعتبار القصد تفرع فى صبى ونصرانى خرجا قاصدين مسيرة ثلاثه أيام ففى اثنائها بلغ الصبى وأسلم الكافر يقصر الذى اسلم فيما بقى ويتم الذى بلغ لعدم صحة القصد والنية من الصبى حين أنشأ السفر بخلاف النصرانى و الباقى بعدصحة النية أقل من ثلاثة أيام۔

وفى الشامية(۲/۱۲۲): (قوله قاصداً) اشاربه مع قوله خرج الى أنه لو خرج ولم يقصد أو قصد ولم يخرج لا يكون مسافراً... (قوله بلا قصد) بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للاقامة بها فلما بلغها بدا له ان يذهب إلى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جرّاً۔ قال فى البحر وعلى هذا قالوا امير خرج مع جيشه فى طلب العدو ولم يعلم اين يدركهم فانه يتم وان طالت المدة أو المكث، امّا فى الرجوع فان كانت مدة سفر قصر۔

Marfat.com

فصل فی الجمعة والعیدین

(جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے بیان میں)

(۳۴۱) جمعہ کی نماز کی نیت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اور میرا دوست پابندی سے نماز پڑھتے ہیں آپ سے ایک بات یہ پوچھنی تھی کہ جمعہ کی نماز کی کیا نیت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... جمعہ کی نماز کی نیت کیلئے آپ امام صاحب کے پیچھے ان الفاظ سے نیت کرلیا کریں "دو رکعت جمعہ کی ان امام صاحب کی اقتداء میں ادا کرتا ہوں۔"

وفی الدر المختار (۱/۴۲۱،۴۲۰): وینوی المقتدی المتابعة لم یقل ایضاً لانه لونوی الاقتداء بالامام أو الشروع فی صلاة الامام ولم یعین الصلاة صح فی الاصح وان لم یعلم بها لجعله نفسه تبعاً لصلوة الامام۔

(۳۴۲) نماز جمعہ کا مستحب وقت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جمعہ کی نماز اول وقت میں پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟ ہمارے محلے میں ایک مسجد ہے اس میں جمعہ کی نماز بہت تاخیر سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات نمازیوں کو پریشانی ہوتی ہے خاص کر سردیوں کے موسم میں لہٰذا اس مسئلے کا شرعی حل بتلائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......سردی اور گرمی میں مطلقاً نماز جمعہ اوّل وقت ہی میں پڑھنا مستحب ہے، اس لئے ائمہ مساجد اور کمیٹی والوں کو چاہیئے کہ وہ مستحب اوقات میں ہی نماز جمعہ کا وقت مقرر کریں، البتہ اگر کسی مصلحت کے تحت نماز جمعہ کا وقت تھوڑا بہت تاخیر سے رکھا جائے تو اس میں فقہاء نے گنجائش رکھی ہے۔لیکن اتنی تاخیر میں نماز جمعہ کا وقت مقرر کرنا کہ اگلی نماز کا وقت قریب ہونے لگے یا امام کا "مقررہ وقت سے بلاوجہ اتنی زیادہ تاخیر کرنا کہ جس سے مقتدیوں کو پریشانی ہو، یہ طریقہ خلاف سنت ہے اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔

Marfat.com

لمافی البخاری(۱/۱۲۳): عن أنس بن مالك رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ كان يصلی الجمعة حين تميل الشمس۔

وفی الدرالمختار(۱/۳۶۷،۳۶۶): (وتاخير ظهر الصيف) بحيث يمشی فی الظل (مطلقا)... (وجمعة كظهر اصلا واستحبابا) فی الزمانين لأنها خلفه

وقال ابن عابدين رحمه الله تحته: (قوله واستحبابا فی الزمانين) أی الشتاء والصيف ح......وقال الجمهور: ليس بمشروع لأنها تقام بجمع عظيم فتأخيرها مفض إلى الحرج ولا كذلك الظهر وموافقة الخلف لأصله من كل وجه ليس بشرط اهـ۔

(۳۴۳)سعی الی الجمعہ کونسی اذان پرواجب ہے؟

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جمعہ کے دن اذان کے وقت سعی الی الجمعہ واجب ہے تو اذان سے کون سی اذان مراد ہے آیا خطبے کے وقت کی اذان مراد ہے یا اس سے پہلے والی اذان مراد ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جمعہ کے دن خطبۂ جمعہ سے قبل دواذانیں دی جاتی ہیں ان دونوں میں جو پہلی اذان ہے اس وقت سعی الی الجمعہ واجب ہے۔

لمافی الهندية (۱/۱۴۹): ويجب السعی وترك البيع بالاذان الاول وقال الطحاوی يجب السعی ويكره البيع عند أذان المنبر وقال الحسن بن زياد المعتبر هو الأذان على المنارة والأصح ان كل أذان يكون قبل الزوال فهو غير معتبر والمعتبر أوّل الاذان بعد الزوال سواء كان على المنبر أو على الزوراء۔

وفی الشامية (۲/۱۶۱): وحاصله أن السعی نفسه فرض والواجب كونه فی وقت الأذان الأول۔

(۳۴۴)عیدگاہ سے واپسی پرتکبیر پڑھنا کیسا ہے؟

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عیدگاہ سے واپسی پر راستے میں تکبیر پڑھنا مسنون ہے کہ نہیں؟ کوئی پڑھے تو نفس جواز کی وجہ سے جائز ہے کہ نہیں یا بدعت کہلائے گی؟ زید کہتا ہے کہ متون وشروح میں صرف جاتے ہوئے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، عیدگاہ پہنچنے پرترک کا حکم ہے، اس کے علاوہ واپسی پر پڑھنے کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا ہے، لہٰذا واپسی پر پڑھنا صحیح نہیں۔جبکہ بکر کا کہنا ہے کہ مصنف میں ان من السنة التكبير يوم العيد، اور اعلاء السنن میں زينوا اعيادكم بالتكبير اور انه ذكر مشروع سے استدلال کرکے جواز کا قول کیا جاسکتا ہے، ان دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟ اگر مع حوالہ جات عربی کتب جواب

Marfat.com

عنایت فرمادیں تو مہربانی ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......عید الاضحیٰ میں عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے زور سے تکبیر کہنا سنت ہے یہاں تک کہ عیدگاہ پہنچ جائے اور عیدگاہ سے واپسی پر تکبیر زور سے کہنا مسنون نہیں البتہ آہستہ کہنا جائز ہے۔لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کا یہ کہنا صحیح ہے کہ متون اور شروحات میں صرف جاتے ہوئے تکبیر کہنے کا حکم دیا گیا ہے البتہ عیدگاہ پہنچنے پر ترک کا حکم جو دیا گیا ہے وہ جہراً ترک کا حکم دیا گیا ہے اگر کوئی آدمی عیدگاہ سے واپسی پر آہستہ آواز سے تکبیر کہے تو جائز ہے اس لئے کہ یہ ذکر ہے اور ذکر میں اخفاء کا حکم دیا گیا ہے اور بکر نے جو کہا ہے کہ عیدگاہ سے واپسی پر تکبیر کہنا جائز ہے تو اس کی بات صحیح ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تکبیر آہستہ آواز سے کہی جائے۔لیکن اس نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے اس کا استدلال کمزور ہے اس لئے کہ مصنف میں جو حدیث ہے کہ ان من السنة ان یکبر یوم العید اس سے کسی نے استدلال نہیں کیا ہے اور دوسری حدیث جو اعلاء السنن میں مذکور ہے زینوا اعیادکم بالتکبیر۔اس سے مراد جہری تکبیر ہے جو عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں پڑھی جاتی ہے نہ کہ واپسی پر البتہ تکبیر کہنا فی نفسہ جائز ہے اس لئے کہ یہ تکبیرات ذکر ہیں اور ذکر کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ان النبی ﷺ کان یذکر اللہ تعالی فی کل احیانہ لہٰذا ان تکبیرات کو اگر کوئی آدمی آہستہ آواز سے کہے تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ زور سے کہنا مسنون نہیں۔

لمافی المصنف لابن ابی شیبة(۴/۱۹۲): حدثنا عبد اللہ بن ادریس عن یحیی بن عبداللہ بن ابی قتادة قال: أراہ عن محمد بن ابراهیم: ان ابا قتادة کان یکبر یوم العید ویذکر اللہ۔

وفی اعلاء السنن(۸/۱۱۸): ویکبر عقب الصلاة جهراً ولا یجهر فیما سوی ذالك ای لایسن والا فهو ذکر مشروع هذا محصل مافی (الشامیة،۱/۸۲۵)

وفی کتاب التجنیس والمزید(۲/۲۳۵): واذا توجه الی المصلی یکبر فی عید الاضحی لانه علیه الصلاة والسلام کان یکبر فی الطریق ولا یکبر فی عید الفطر جهراً عند ابی حنیفة خلافا لهما وهو معروف۔ وفی الهامش قال المؤلف فی الهدایة فی العنوان السابق(۱/۶۴) ویتوجه الی المصلی ولا یکبر عند ابی حنیفة فی طریق المصلی وعندهما: یکبر اعتباراً بالاضحیٰ وله أن الأصل فی الثناء الاخفاء والشرع ورد به فی الاضحی لانه یوم تکبیر ولا کذالك یوم الفطر وروی عن ابن عمر رضی اللہ عنهما انه کان اذا غدا الی المصلی کبر فرفع صوته بالتکبیر وفی روایة اخری: کان یغدو الی المصلی یوم الفطر اذا طلعت الشمس فیکبر حتی یأتی المصلی ثم یکبر بالمصلی حتی اذا جلس الامام ترك التکبیر قال مجدّ الدین: رواهما الشافعی۔ المنتقیٰ: باب الخروج الی العید ماشیاً والتکبیر فیه وما جاء فی خروج النساء(ص۲۶۲) رقم الحدیث(۱۶۵۳،۱۶۵۲) ونیل الاوطار(ص۲۸۶،۲۸۵) یستفاد من الحدیثین و حادیث الباب علی ان التکبیر سنة حال المشی الی

Marfat.com

المصلی وفی المصلی الی ان یقیم الصلوٰة، اشار الی هذا ابن قدامه۔

وفی الطحطاوی علی الدر(۱/۳۵۵): ویکبر جهراً اتفاقاً فی الطریق قیل وفی المصلی وعلیه عمل الناس الیوم لافی البیت۔

وفی الدرالمختار(۲/۱۸۰): ولا بأس به عقب العید لأن المسلمین توارثوه وفی الهامش: ''قوله لا بأس .... کلمة لا بأس قد تستعمل فی المندوب کمافی البحر من الجنائز والجهاد ومنه هذا الموضع لقوله فوجب اتباعهم(قوله فوجب) الظاهر ان المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح علیه وفی البحر عن المجتبی والبلخیون یکبرون عقب صلاة العید لانها تؤدی بجماعة فاشبهت الجمعة اھ وهو یفید الوجوب المصطلح علیه ط۔

(۳۴۵) خطبہ عید میں خطیب کے ساتھ تکبیرات پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عید کے خطبہ کے دوران خطیب صاحب تکبیر پڑھتے ہیں تو سننے والا بھی خطیب کیساتھ تکبیر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی پڑھتا ہے تو اسکے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......سامعین کا سماع خطبہ کے وجوب کی وجہ سے تکبیرات پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اگر کوئی پڑھتا ہے تو گنہگار ہوگا۔

لمافی حاشیة الطحطاوی علی المراق (ص۵۳۵): قال عبدالله بن مسعود رضی الله عنه، هو السنة ویکبر القوم معه ویصلون علی النبی صلی الله علیه وسلم فی أنفسهم امتثالاً للامر وسنة الانصات۔

وقال الطحطاوی تحته:(قوله فی انفسهم)المراد انهم یسرون به کماتقدم والظاهر انه متعلق بالتکبیر والصلاة لانه یجب الانصات لجمیعها وقوله سنة الانصات الاولی ان یقول وواجب الانصات۔

(۳۴۶) عید کے خطبوں میں تکبیرات کتنی مرتبہ اور کب کہی جائیں گی؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عیدین کے پہلے خطبے میں نو بار اور دوسرے میں سات بار تکبیریں ہیں یہ تکبیریں مسلسل کہی جائیں یا پورے خطبے میں متفرق طور پر بھی کہی جاسکتی ہیں؟ اولیٰ وافضل کیا ہے؟ نیز تکبیر سے مراد صرف اللہ اکبر ہے یا پوری تکبیر تشریق ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......عیدین میں جو دوران خطبہ تکبیریں کہی جاتی ہیں ان کی کوئی تعداد متعین نہیں لیکن مناسب یہ ہے

Marfat.com

کہ تکبیر خطبہ سے زیادہ نہ ہو، اور عید الاضحیٰ کے خطبہ میں عید الفطر کے خطبے کے بنسبت زیادہ تکبیریں ہوں البتہ مستحب وافضل یہ ہے کہ پہلے خطبہ کے شروع میں مسلسل نو مرتبہ اور دوسرے خطبہ کے شروع میں مسلسل سات مرتبہ تکبیریں کہی جائیں نیز تکبیر سے پوری تکبیر تشریق (اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد) مراد ہے۔

لمافی الدرالمختار (۲/۱۷۵): (ویبدأ بالتکبیر فی) خمس (خطبة العیدین) ... (ویستحب ان یستفتح الاولی بتسع تکبیرات تتری) ای متتابعات (والثانیة بسبع) ھوالسنة الخ۔

وفی الشامیة (۲/۱۷۵): (قوله ویستحب الخ) ذکر ذلك فی المعراج عن مجمع النوازل وقال فی الخانیة انه لیس للتکبیر عدد فی ظاهر الروایة لکن ینبغی ان لا یکون اکثر الخطبة التکبیر ویکبر فی الاضحی اکثر من الفطر اھ قلت: واطلاق العدد فی ظاهر الروایة لاینافی تقییده بماورد فی السنة وقال به الشافعی رحمه الله تعالیٰ۔

وفی الام (۱/۲۷۳): التکبیر فی الخطبة فی العیدین... عن عبیدالله بن عبدالله بن عتبة قال السنة فی التکبیر یوم الاضحیٰ والفطر علی المنبر قبل الخطبة ان یبتدیء الامام قبل ان یخطب وهو قائم علی المنبر بتسع تکبیرات تتری لا یفصل بینها بکلام ثم یخطب ثم یجلس جلسة ثم یقوم فی الخطبة الثانیة فیتفتحها بسبع تکبیرات تتری لا یفصل بینها بکلام ثم یخطب الخ۔

وفی المغنی (۲/۲۴۴): فان صفة الخطبتین کصفة خطبتی الجمعة الا انه یستفتح الاولی بتسع تکبیرات متوالیات والثانیة بسبع متوالیات قال القاضی وان ادخل بینهما تهلیلا او ذکرا فحسن الخ۔

Marfat.com

رسالۃ

نافلۃ النجیب

فی الخطبۃ الأردویۃ امام الخطیب

جمعہ کے اردو عربی ملے خطبے کے دوران نفل نماز پڑھنے اور اس خطبے کی شرعی حیثیت کا بیان

جمعہ کے دو خطبوں سے پہلے خطیب صاحب کے عربی اردو ملا خطبہ کے دوران نفل نماز پڑھنے

کی ممانعت سے متعلق ایک دارالافتاء کی تحقیق اور اس پر استدراک

(۳۴۷) جمعہ کی اردو تقریر کے دوران نفل نماز پڑھنے کا حکم

سوال[1]...... حضرت مفتی صاحب! ایک مسئلہ کی تحقیق کی درخواست ہے براہ کرم فقہاء احناف کی معتبر کتب سے اس کا مدلل جواب چاہیے۔

مسئلہ یہ ہے کہ نماز جمعہ کیلئے جامع مسجد کی پہلی اذان کے بعد خطیب صاحب خطبہ اور نماز جمعہ پڑھانے کی ہی نیت سے آتے ہیں لوگ بھی خطبہ سننے کی غرض سے مسجد میں جمع ہوتے ہیں، خطیب صاحب منبر پر تشریف لاتے ہیں تو سب سے پہلے عربی کلمات میں حمد وثنا شہادۃِ توحید ورسالت صلاۃ وسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ودیگر تمام مسلمانوں کے لئے دعا اور موضوعِ خطاب سے متعلق قرآن کریم سے چند آیات کی تلاوت فرماتے ہیں اس کے بعد انہیں آیات سے متعلق تفسیر اور احادیث کی روشنی میں اردو میں خطاب کرتے ہیں، جیسا کہ ہندو پاک میں عام معمول ہے، پھر عربی میں بھی دو مستقل خطبے اذانِ ثانی کے بعد دیتے ہیں پھر نماز پڑھاتے ہیں۔

[1] یہ فاضل مستفتی کا تفصیلی سؤال ہے جو مسئلہ ھذا کی بابت انہوں نے بھیجا تھا اس کا تفصیلی جواب اگلے صفحات میں ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن

Marfat.com

خطبہ کی شرائط سنن و مستحبات کا مختلف عربی فتاویٰ مثلاً شامیہ، البحر الرائق، طحطاوی علی مراقی الفلاح، بدائع الصنائع، خلاصۃ الفتاویٰ ہندیہ، محیط البرھانی، اوران کے علاوہ بھی کئی فتاویٰ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ دوخطبوں سے پہلے یہ عربی اردو ملا خطبے کا بھی وہی حکم ہے جو عربی خطبہ کا ہے اس پر بھی خطبہ کی تعریف صادق آتی ہے، چنانچہ کوئی شخص صرف اسی پر اکتفاء کرلے تو شرط کے درجہ میں نماز جمعہ کی صحت کیلئے کافی ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس مفتی اعظم مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''کہ خطبہ کے لئے کچھ تو ارکان وفرائض ہیں جن پر خطبہ کی صحت وعدم صحت کا مدار ہے اور کچھ آداب وسنن ہیں جو اس کے مکملات میں سے ہیں'' (جواہر الفقہ ،ص:۳۴۹)

اگر چہ ترک سنت کی وجہ سے مکروہ ہوگا اور اس کی اجازت نہیں ہے لیکن کم از کم شرط کے درجہ میں خطبہ کا مقام اس کو بھی حاصل ہے لہٰذا اس دوران بھی نوافل پڑھنا منع ہے اور اس کی اجازت دینے میں شرائط وارکان کے وجود پر مشتمل عمل کے وجود کو تسلیم نہ کرنا لازم آتا ہے جو کہ فقہاء کرام کی تعریفات وتشریحات کے انکار کو مستلزم ہے۔

اس لئے کہ فقہاء کرام کی عبارات میں اتفاقی قیودات نہیں ہوتے، ان کی تعریفات جامع اور مانع ہوتی ہیں چنانچہ ان کی عبارات کا مفہوم مخالف بھی معتبر مانا جاتا ہے۔ ایسے ہی مسئلہ کے متعلق علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''والالزم الحکم ببطلان الاولی بترک مالیس برکن ولا شرط کما مر عن الفتح۔ (شامی، ص ۶۵ ج ۲)''

ذیل میں فقہی عبارات سے حوالے ملاحظہ ہوں استشہاد صحیح ہو تو براہ کرم تائید فرمائیں اور اگر ہم نے صحیح نہ سمجھا ہو تو اصلاح فرمائیں نوازش ہوگی۔

خطبہ کی تعریف وحقیقت واضح کرتے ہوئے ''مراقی الفلاح'' اور اس کی شرح ''حاشیۃ الطحطاوی'' میں لکھتے ہیں:

(والرابع الخطبۃ ولو بالفارسیۃ من قادر علی العربیۃ ویشترط لصحۃ الخطبۃ فعلھا قبلھا . . . وفی الطحطاوی علی مراقی الفلاح (والرابع الخطبہ فعلۃ بمعنی مفعولۃ فھی اسم لما یخطب بہ غایۃ من الخطب وھو فی الاصل کلام بین اثنین قھستانی عن الازاھر وھی بالضم فی الموعظۃ الجمع خطب وبالکسر طلب التزوج (ص ۵۰۹، قدیمی کتب خانہ)

کذافی جامع الرموز للقھستانی (ص ۲۶۴ ج ۱) وکذافی قواعد الفقہ (ص ۲۷۶)

وفی المحیط البرھانی: ولان مایشبہ الامر بالمعروف خطبۃ من حیث المعنی وان لم یکن خطبۃ من حیث النظم لان الخطبۃ فی الحقیقۃ وعظ وامر بالمعروف (المحیط البرھانی، ص ۴۵۹، ج ۲)

خطبہ کی شرائط نہایت جامع انداز میں ''مراقی الفلاح'' اور اس کی شرح حاشیۃ الطحطاوی میں بیان فرماتے ہیں:

فھذہ خمس شروط اوست لصحۃ الخطبۃ فلیتنبہ، قال الطحطاوی (۱) الاول ان تکون قبل الصلاۃ (۲) والثانی ان تکون بقصد الخطبۃ (۳) الثالث ان تکون فی الوقت (۴) والرابع ان یحضرھا واحد

Marfat.com

(۵)الخامس ان یکون ذالک الواحد ممن تنعقد بھم الجمعۃ (۶) السادس عدم الفصل بین الخطبۃ والصلاۃ بقاطع۔ (مراقی الفلاح، ص ۵۱۰)

حضرت اقدس مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کہ خطبہ کے لئے کچھ تو ارکان وفرائض ہیں جن پر خطبہ کی صحت وعدم صحت کا مدار ہے اور کچھ آداب وسنن ہیں۔ جو اس کے مکملات میں سے ہیں'' (جواہر الفقہ، ص:۳۴۹)

دوسری جگہ فرماتے ہیں ''فرض صرف دو ہیں (۱) وقت جمعہ (۲) مطلق ذکر اللہ خواہ کسی لفظ سے ہو پھر امام صاحب کے مذہب پر طویل ہو یا مختصر اور صاحبین کے مذہب پر ذکر طویل جس کو عرفاً خطبہ کہا جاسکے شرط ہے۔ کذا فی الھدایہ والفتح والبحر'' (جواہر الفقہ ص:۳۵۰)

اسی طرح ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں ''اسی کے ساتھ ایک سولہویں سنت اور ہے.......... کہ خطبہ صرف عربی زبان میں ہو غیر عربی میں نہ ہو۔ (جواہر الفقہ ص ۳۵۰)

اردو کے مذکورہ بیان پر فقہاء کرام کی وضاحت کے مطابق پوری طرح خطبہ کی تعریف صادق آتی ہے، اس لئے کہ یہ ذکر تو ہے ہی جو کہ خطبہ کے لئے رکن ہے، اس کے علاوہ خطبہ کی تمام شرائط پر بھی مشتمل ہے اور یہ بھی واضح فرمادیا ہے کہ خطبہ کا عربی میں ہونا کوئی شرط نہیں ہے ہاں سنت موکدہ ہے تو وجوب استماع کے لئے معلوم نہیں کونسی چیز مانع ہے؟ جبکہ احتیاط کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جب مبیح اور محرم دونوں دلائل متوجہ ہوں تو محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اور خطبہ کی سنن کو تفصیلا شمار فرمایا:

(وسنن الخطبۃ ثمانیۃ عشر شیئا بل یزاد علیھا... منھا الطھارۃ... والجلوس علی المنبر قبل الشروع فی الخطبۃ والاذان بین یدیہ کالاقامۃ ثم قیامہ والسیف بیسارہ وبدونہ فی بلدۃ فتحت صلحا واستقبال القوم بوجھہ وبداءتہ بحمد اللہ والثناء علیہ بما ھو اھلہ والشھادتان وصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والعظۃ والتذکیر وقراءۃ آیۃ من القرآن والجلوس بین الخطبتین الخ

(مراقی الفلاح، ص ۵۱۴، ج ۱) وکذافی جامع الرموز للقھستانی (ص ۲۶۹، ج ۱)

وکذا الفقہ الاسلامی وادلتہ (ص ۱۳۱۱، ج ۲) کذافی خلاصۃ الفتاویٰ (ص ۲۰۵، ج ۱)

خطبہ کا بڑا مقصد یعنی وعظ وتعلیم تو اس خطاب سے حاصل ہو رہا ہے۔ کمافی الدر (۳/۱۷۵): لان الخطبۃ شرعت للتعلیم۔

اور رکن وشرائط کے علاوہ کئی سنتوں پر بھی مشتمل ہے، لیکن تمام تر سنتوں کا امتثال چونکہ عربی خطبہ میں ہی ہوتا ہے اور اس کی اپنی اہمیت ہے جیسا کہ حضرت مفتی اعظم پاکستان نے اپنے رسالہ میں واضح فرمادیا ہے، اس لئے عربی خطبے مستقل دیئے جاتے ہیں تاہم شرط کے درجہ

Marfat.com

میں اس سے خطبہ کی ضرورت بلاشبہ پوری ہوتی ہے، تو اس دوران نماز وتلاوت وغیرہ کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ ایک مسئلہ کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں۔

قال والطهارة سنة عندنا لا شرط حتی ان الامام اذا خطب جنبا او محدثا فانه یعتبر شرطا لجواز الجمعة۔

قال المحشی تحت هذا القول: قوله (فانه یعتبر شرطا) ای مافعله الامام من الخطبة جنبا او محدثا یعتبر ویعتدبه من حیث کونه شرطا لصحة الجمعة بمعنی انه یجزی ویکفی وان کان مرتکبا لمحرم لو کان بلاعذر۔ (شامی، ص ۱۵۰، ج ۲)

ان تمام دلائل سے ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ خطاب بھی خطبہ کے حکم میں ہے اور اس دوران استماع کے خلاف کوئی بھی عمل جائز نہیں اگرچہ عربی خطبہ کی طرح تمام صفات پر مشتمل نہ ہونے کی وجہ سے بدرجہ اتم نہیں ہے لیکن خطبہ ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ کسی عمل کو فقہاء کرام کی تعریفات اور توضیحات پر ہی پرکھا جائے گا۔

عربی اور اس خطبہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ اس کے شروع کا حصہ تو عربی ہے لیکن بعد کا حصہ زیادہ اردو پر مشتمل ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ عربی خطبوں کے لیے اذانِ ثانی دی جاتی ہے، تیسرا یہ کہ یہ خطبہ عموماً خطیب بیٹھ کر دیتا ہے اور عربی خطبے کھڑے ہوکر، چوتھا یہ کہ عربی خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر کے لیے خطیب بیٹھ کر دونوں خطبوں کے درمیان فصل دیتا ہے لیکن یہ تمام صفات ایسی نہیں ہیں کہ جن کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے یہ خطبہ ہی نہ رہے، بلاشبہ شرط کے درجہ میں یہ بھی خطبہ ہے اگرچہ ناقص ہے اور عربی کے دونوں خطبے بدرجہ اتم واکمل ہیں اور اس کے لئے شواہد اور نظائر بھی ہیں طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ذکر کردیتے، اور اذان ثانی کو قاطع بھی نہیں قرار دے سکتے۔

چنانچہ عمل قاطع کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

(وعمل قاطع) کما اذا جامع ثم اغتسل واما اذا لم یکن قاطعا کما اذا تذکر فائتة وهو فی الجمعة فاشتغل بالقضاء او افسد الجمعة فاحتاج الی اعادتها او افتتح التطوع بعد الخطبة لاتبطل الخطبة بذالک لانه لیس بعمل قاطع لکن الاولی اعادتها کمافی البحر۔ (مراقی الفلاح، ص ۵۱۰ م قدیمی) کذافی خلاصة الفتاوی (ص ۲۰۵، ج ۱)

بالفرض فقہاء کرام کی عبارات میں کوئی جزئیہ ملے جس سے یہ واضح ہو کہ اس کو خطبہ کا درجہ نہیں دیا جاسکتا حالانکہ کافی تلاش کے باوجود ہماری نظروں سے اب تک ایسا کوئی جزئیہ نہیں گزرا لیکن اصل موقف ”کہ اس خطاب کے دوران حاضرین کے لئے نوافل پڑھنا منع ہے“ کے ثبوت کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد:

”عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل احدکم المسجد

Marfat.com

والامام علی المنبر فلا صلاة ولا کلام حتی یفرغ الامام۔ رواہ الطبرانی بحوالہ اعلاء السنن

وعن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ خروج الامام یوم الجمعة یقطع الصلاة و کلامه یقطع الکلام (رواہ البیہقی بحوالہ اعلاء السنن، ج ۲/ص ۷۱) بھی کافی ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام کے نکلنے کے ساتھ ہی نماز، ذکر تلاوت وغیرہ کو منع فرماتے ہیں اگر چہ منبر تک پہنچے نہیں ہیں اور خطبہ شروع نہیں کیا۔

کمافی مراقی الفلاح (واذا خرج الامام فلا صلاة ولا کلام) وهو قول الامام رحمه الله تعالیٰ لانه نص النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۵۱۸)

اور صاحبین بھی نماز کو امام صاحب کے نکلنے کے ساتھ ہی منع فرماتے ہیں البتہ ذکر و تلاوت منبر پر تشریف لانے کے بعد منع فرماتے ہیں۔

وقال ابو یوسف و محمد رحمهما اللہ تعالیٰ لا باس بالکلام اذا خرج قبل ان یخطب و اذا نزل قبل ان یکبر۔ واختلفا فی جلوسه اذا سکت فعند ابی یوسف یباح وعند محمد لا یباح" مراقی الفلاح (ص ۵۱۸)

نماز کی ممانعت میں فقہاء کرام نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دی ہے اور اس کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

فی الدر المختار: اذا خرج الامام) من الحجرة ان کان والافقیامه للصعود شرح المجمع (فلا صلاة ولا کلام الی تمامها) وان کان فیها ذکر الظلمة فی الاصح

قال الشامی: واخرج ابن ابی شیبه فی مصنفه عن علی وابن عباس ﷺ وابن عمر رضی اللہ عنہم کانوا یکرهون الصلاة والکلام بعد خروج الامام والحاصل ان قول الصحابی حجة یجب تقلیده عندنا اذا لم ینفه شئ آخر من السنة۔ (در مختار، ج ۲/ص ۱۵۸)

قال الطحطاوی اذا خرج من حجرته ان کانت والافقیامه للصعود قاطع کمافی شرح المجمع فیثبت المنع بمجرد ظهوره ولو قبل صعوده المنبر وقیل اذا صعد وعلیه جری الکمال والزیلعی والعینی وقال بعد اسطر اختلف المشائخ علی قول الامام فی الکلام قبل الخطبة ... (مراقی ص ۵۱۹)

اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ امام صاحب خطبہ ہی کی غرض سے حجرہ سے نکل آئے ہیں اور اب منبر پر بھی تشریف فرما ہیں لہٰذا تمام دلائل اس تائید میں ہیں کہ دوران اردو خطبہ نماز ذکر و تلاوت وغیرہ کو اب موخر کریں اور خطبہ کی طرف متوجہ ہوں نوافل اور تلاوت کے لئے پھر بھی موقع مل سکتا ہے اور یہ موقع خطبہ کے لیے ہے۔ نیز تمام فتاویٰ میں یہ حکم واضح فرمادیا ہے کہ وجوب استماع کا یہ حکم جمعہ اور عیدین کے خطبوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام خطبے سننا واجب ہے۔

Marfat.com

(۱) چنانچہ مفتی اعظمؒ نے بھی جواہر الفقہ میں واضح فرمادیا ہے۔

خطبہ جمعہ وعیدین ونکاح وغیرہ اس بات میں قول مختار کے موافق سب شریک ہیں کہ جب خطیب خطبہ پڑھے تو کلام وسلام یہاں تک کہ ذکر وتسبیح وغیرہ سب ناجائز ہوجاتے ہیں بلکہ چپ بیٹھنا اور خطبہ سننا ضروری ہوجاتا ہے۔

(جواہر الفقہ، ص ۳۶۵)

وفی مراقی الفلاح: کذا استماع سائر الخطب کخطبة النکاح والختم (مراقی الفلاح ص ۵۱۹)

وفی قواعد الفقه: والخطب کثیرة کخطبة الجمعة والعیدین والاستسقاء والکسوف والنکاح وختم القرآن وغیر ذالک ویجب فی الجمیع الاستماع کذا فی الدرر۔ (ص ۲۷۸) کذا فی ردالمحتار (ص ۱۵۹، ج ۲)

(۲) خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز کا فتویٰ ہے کہ ہر وعظ کے دوران انصات ضروری ہے۔

وفی التفسیر المظهری: قال عمر بن عبدالعزیز الانصات لقول کل واعظ

(مظهری، ص ۴۵۰، ج ۳)

(۳) امام بخاریؒ اور اسی طرح دیگر محدثین نے اس موضوع پر مستقل ابواب قائم کئے ہیں۔

باب اصغاء الجلیس لحدیث جلیسه الذی لیس بحرام واستنصات العالم والواعظ حاضری مجلسه (دلیل الفالحین، ۳/۱۴۷)

(۴) علماء کرام کے بیان کے لئے انصات کا حکم ہے۔ ''لمافی البخاری: باب الانصات للعلماء (بخاری، ۱/۲۳)''

علامہ بدرالدین عینیؒ عمدۃ القاری میں علماء کے بیان کے لئے وجوب استماع وانصات کا حکم دے رہے ہیں۔

هذا باب فی بیان الانصات لاجل العلماء واللام فیه للتعلیل والانصات بکسر الهمزة السکوت والاستماع للحدیث یقال نصت نصتا وانصت انصاتا اذا سکت واستمع للحدیث وجه المناسبة بین البابین من حیث ان العلم انما یحفظ من العلماء ولا بد فیه من الانصات لکلام العالم حتی لا یشذ عنه شئ

وفیه ایضا: بیان استنباط الاحکام۔ الاول قال ابن بطال ﷺ فیه ان الانصات للعلماء والتوقیر لهم لازم للمتعلمین قال الله تعالیٰ لا ترفعوا اصواتکم الخ۔

ویجب الانصات عند قراة حدیث رسول الله (صلی الله علیه وسلم) مثل ما یجب له وکذالک یجب الانصات للعلماء لانهم الذین یحیون سنته ویقیمون بشریعته... الخ

(عمدة القاری، ۲/۲۷۰)

Marfat.com

(۵) کسی بھی بیان کرنے والے کے سامنے نماز پڑھنا اس کے لئے تشویش کا باعث ہے بلکہ قریب میں سننے والے بھی متاثر ہوتے ہیں ایسی صورت میں ایذاء مسلم میں بھی داخل ہے۔

(۶) ایک اصلاحی اجتماعی عمل سے بلاضرورت اعراض بلکہ ظاہری مخالفت ہے۔ اور اجتماعیت کی اہمیت شاید کسی عالم پر مخفی ہو۔

چند شبہات اور ان کے جوابات:۔

شبہ (۱):۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسی طرح حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز منبر کے ساتھ کھڑے ہو کر احادیث بیان فرماتے تھے۔

لمافی المستدرک علی الصحیحین عن محمد عن ابیه قال رأیت اباهریرة رضی الله عنه یخرج یوم الجمعة فیقبض علی رمانتی المنبر قائما ویقول حدثنا ابو القاسم رسول الله صلی الله علیه وسلم الصادق المصدوق فلا یزال یحدث حتی اذا سمع فتح باب المقصورة لخروج الامام لصلاة جلس (ص ۵۸۶، ج ۳)

وفیه ایضا: عن ابی الزاهریة قال کنت جالسا مع عبدالله بن بسر یوم الجمعة فمازال یحدثنا حتی خرج الامام (ص ۴۲۵، ج ۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل خطبہ سے پہلے احادیث بیان کرنا کوئی خطبہ نہیں ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ خطیب کے نکلنے سے پہلے تک احادیث بیان فرماتے تھے البتہ خطیب کے نکلنے کے ساتھ ہی درس ختم کرتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے۔

جواب:۔ مذکورہ دونوں حوالوں میں اس موقف کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ اس سے مزید تائید مل رہی ہے چنانچہ صراحت ہے کہ خطیب کے نکلتے ہی درس کو ختم فرمادیتے تھے، اس میں اصل موقف کے خلاف کونسی بات ہے کہ اس دوران نماز پڑھنا جائز ہے یا یہ کہ دو خطبوں سے پہلے خود خطیب صاحب اگر وعظ کریں تو وہ خطبہ نہیں کہلائے گا؟ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امام صاحب سے پہلے بھی کوئی دوسرا شخص درس یا وعظ کرے تو یہ جائز ہے۔

شبہ (۲):۔ عربی خطبہ کے لئے اذان دی جاتی ہے اور یہ عربی اردو ملا خطبہ اذان اوّل کے بعد شروع ہوتا ہے اگر اس کو خطبہ کا حکم دیں تو خطبوں کے درمیان اذان دینا لازم آتا ہے۔

جواب:۔ اذان ثانی کوئی شرط نہیں ہے جس کے انتفاء سے حکم بھی منتفی ہو اور خطبہ کے بعد یا درمیان میں دینے سے یہ کوئی عمل قاطع بھی نہیں ہے جیسا کہ حوالوں سے واضح ہے۔

شبہ (۳):۔ اس طرح تو تین خطبے ہو جائیں گے؟

جواب:۔ دو خطبے سنت ہیں ایک سے بھی شرط کے درجہ میں ضرورت پوری ہو جاتی ہے لیکن دو سے زیادہ خطبے دینے سے یہ تو

Marfat.com

لازم نہیں آتا کہ خطبہ قرار نہ دیں۔ اور معذرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ علماء کرام صرف دو خطبوں پر ہی اکتفاء کرتے اگر پاک و ہند کے عوام کی ضرورت سامنے نہ ہوتی تو یہ ضرورت کی وجہ سے رائج ہوا ہے۔

شبہ (۴):۔ درمختار میں ہے ''فی المسجد عظة وقرآن فاستماع العظة اولی۔ ص ۶۶۳، ج ا''
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وعظ کا سننا اولیٰ ہے، جس کے خلاف کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

جواب شبہ:۔ حوالہ میں استماع قرآن کو بمقابلہ وعظ غیر اولیٰ قرار دیا ہے اور استماع وعظ کو اولیٰ قرار دیا ہے جبکہ استماع قرآن خارج نماز بھی مطلقاً واجب ہے۔

فی الدر (فروع) یجب الاستماع للقراءة مطلقا لان العبرة لعموم اللفظ۔

وفی الشامیة قوله یجب الاستماع للقراءة مطلقا ای فی الصلاة وخارجها لان الآیة وان کانت واردة فی الصلاة علی ما مر فالعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب وفی الفتح عن الخلاصة رجل یکتب الفقه وبجنبه رجل یقرء القرآن فلا یمکنه استماع القرآن فالاثم علی القاری (ص ۵۴۶، ج ا)

وکذا فی الطحطاوی علی الدر (ص ۲۳۷، ج ا)

وفی روح المعانی: وفی کلام اصحابنا یدل علی وجوب الاستماع فی الجهر بالقرآن مطلقا الخ (ص ۲۰۳، ج ۹)

تو اولیٰ یعنی وعظ کا استماع حاضرین مجلس پر بطریقہ اولیٰ واجب ہے۔ آسانی کے لئے ہم شکل اوّل جو کہ بدیہی النتیجہ ہے کو ترتیب دیتے ہیں۔

شکل اوّل:۔ استماع الوعظ اولی من استماع التلاوة۔ واستماع التلاوة واجب فاستماع الوعظ واجب۔

(۱) مقدمہ اولیٰ مسلمہ (جیسا کہ شبہ میں پیش کردہ حوالہ سے واضح ہے)

(۲) مقدمہ ثانیہ: شامی اور روح المعانی وغیرہ کے حوالہ سے واضح ہے۔

وجہ استدلال یا تلازم: مقدمہ مسلمہ عند المعقولین: ماثبت للادنی فهو ثابت للاعلی طبعا بالضرورة۔

بد قسمتی سے عام لوگ اپنی مذہبی زبان ''عربی'' کچھ نہیں جانتے اور خطبہ جس کا بڑا مقصد وعظ ونصیحت اور تعلیم ہے اگر صرف عربی خطبہ ہی رہے تو لوگ اس فائدہ سے محروم رہتے ہیں اسی ضرورت کے تحت تو یہ اردو بیان رائج ہوا ہے ورنہ عربی جیسے جامع خطبوں سے پورا استفادہ کرنے کی صورت میں اردو خطبوں کی کیا ضرورت تھی؟ تو عربی خطبے بدرجہ اتم خطبے ہیں اور اردو خطبہ کو بھی خطبہ کا مقام حاصل ہے ورنہ فقہاء کرام کی تصریحات وتشریحات سے انکار لازم آتا ہے۔

Marfat.com

خلاصہ کلام

خطبہ جمعہ سے پہلے اردو وعظ کے دوران بھی نوافل پڑھنا منع ہے، بلکہ کوئی بھی مجلس وعظ ہو تو اس مجلس میں ہوتے ہوئے استماع کے خلاف کوئی عمل کرنا جائز نہیں ہے، ضرورت ہو تو اس مجلس سے نکلنا ضروری ہے۔

(۱) جمعہ کا یہ وعظ خطبہ کے حکم میں ہے اس لئے کہ یہ خطبہ کے تمام فرائض اور بعض سنتوں پر بھی مشتمل ہے۔

(۲) چونکہ امام صاحب منبر پر تشریف فرما ہوتے ہیں اور خطبہ و نماز ہی کی غرض سے حاضر ہوتے ہیں تو نفلی نماز و تلاوت وغیرہ کی اجازت دینے میں حدیث باب کے ظاہر کی مخالفت ہے۔

(۳) ہر خطبہ کے دوران نفل کا پڑھنا منع ہے جمعہ کے لئے یہ وعظ بھی ایک خطبہ ہی ہے۔

(۴) اس وعظ کا شروع حصہ عربی میں مسنون کلمات کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

(۵) خطبہ جمعہ کے لئے وجوب استماع وانصات کا حکم معلول بالعلۃ ہے یہ علت ہر وعظ میں پائی جاتی ہے۔

(۶) درمختار میں ہے ''فی المسجد عظة وقرآن فاستماع العظة اولی۔ (ص ۶۶۳، ج ۱)'' مفتی بہٖ قول کے مطابق وجوب استماع قرآن کا حکم مطلقاً واجب ہے، یعنی نماز کے علاوہ بھی واجب ہے خصوصاً کوئی قاری پہلے سے پڑھ رہا ہے تو اس کے پاس جا کر خلاف استماع کوئی کام کرنا جائز نہیں ہے ملاحظہ ہو (حوالہ مذکورہ) تو وعظ جو کہ اولیٰ ہے اس مجلس میں شریک افراد کے لئے خلاف استماع عمل کرنا بطریقہ اولیٰ ناجائز ہے۔

(۷) شرح بخاری عمدۃ القاری میں ایک حدیث سے استنباط فرماتے ہوئے فیصلہ فرمادیا ہے کہ ہر عالم کی مجلس میں انصات کا حکم ہے۔

(۸) ریاض الصالحین میں ہے ''باب اصغاء الجلیس لحدیث جلیسه الذی لیس بحرام واستنصات العالم والواعظ حاضری مجلسه (دلیل الفالحین، ص ۱۴۷، ج ۳)''

تو ایک عام آدمی کی ایک عام بات کی طرف توجہ کرنے کا حکم ہے بالفرض اگر استحباب کے درجہ میں ہے تو دین کی بات (خصوصاً جب اجتماعی ہو) کو عام دنیوی بات پر بلاشبہ فوقیت عظمت اور اہمیت حاصل ہے تو اس کیلئے حکم بھی استحباب سے بڑھ کر ہی ہوگا جس کے خلاف کرنے میں کم از کم کراہت ضروری ہوگی۔

(۹) مجلس میں ہوتے ہوئے خلاف استماع کام کرنے میں واعظ کو اور دیگر مجلس والوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اس لئے اذیت مسلم میں بھی داخل ہے۔

(۱۰) اجتماعی بات سے اعراض بلکہ مخالفت ظاہر ہے اور اجتماعیت کے خلاف کرنا ''من شذ شذ'' کے مصداق بننے کا اندیشہ ہے۔

تلک عشرۃ کاملۃ

علماء کرام سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کی اہمیت سامنے رکھتے ہوئے اپنی تحقیق سے فیض یاب فرمائیں۔

Marfat.com

مذکورہ استفتاء پر حضرت مفتی صاحب مدظلہم کا جواب

الجواب بعون الملک الوھاب......مکرمی ومحترمی جناب حضرت مولانا مفتی......صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دوسرا تفصیلی مراسلہ نظر نواز ہوا مراسلہ کے بابت ہم نے اپنے مؤقف کی وضاحت اجمالاً کردی تھی اب قدرے تفصیل سے خدمت عالیہ میں عرض کرتے ہیں۔ ابتداء میں چند گزارشات بطور تمہید زیب قرطاس ہیں۔

تمہید(۱):......صحت خطبہ کیلئے قصد اور نیت شرط ہے۔

لمافی مراقی الفلاح (ص۔ ۵۱۰): والثانی ان تکون بقصد الخطبۃ۔

وفی البنایۃ (۲/۸۰۶): ثم اشترط عند ابی حنیفۃ ان یکون قولہ الحمد للہ علی قصد الخطبۃ حتی لو قال یرید الحمد للہ علی اعطاء لا ینوب عن الخطبۃ وقیل ینوب، والاوّل اصح۔

وفی فتاویٰ الھندیۃ (۱/۱۴۶): ومنھا الخطبۃ... وکفت تحمیدۃ او تھلیلۃ ھذا اذا کان علی قصد الخطبۃ۔

وفی فتاویٰ الشامیۃ (۲/۱۴۸): (بنیتھا) ای نیۃ الخطب۔

تمہید(۲):......عربی پر قادر شخص کا غیر عربی میں خطبہ دینے سے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک خطبہ ادا ہی نہیں ہوتا امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ جواز کے قائل ہیں لیکن بعض حضرات نے امام صاحب کا صاحبینؒ کی طرف اس مسئلہ میں رجوع ثابت کیا ہے اگر رجوع ثابت نہ بھی ہو تب بھی عربی پر قادر شخص کا غیر عربی میں خطبہ دینا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے۔

لمافی عمدۃ الرعایۃ (ص۔ ۲۰۰): فانہ لا شک فی ان الخطبۃ بغیر العربیۃ خلاف السنۃ المتوارثۃ من النبی ﷺ والصحابۃ فیکون مکروھا تحریماً۔

وفی البنایۃ (۱/۱۹۵): ویروی رجوعہ فی اصل المسئلۃ (یعنی القراءۃ الفارسیۃ) إلی قولھما وعلیہ الاعتماد لتنزلہ منزلۃ الاجماع...... والخطبۃ یوم الجمعۃ والتشھد علی ھذا الاختلاف۔

وفی جواھر الفقہ (۱/۳۵۵): وعلی ھذا الخلاف الخطبۃ وجمیع الاذکار

یعنی خطبہ اور تمام اذکار واوراد میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب غیر عربی میں جائز فرماتے ہیں اور صاحبین ناجائز، (لیکن امام صاحب سے صاحبین کے قول کی طرف رجوع منقول ہے۔)

تمہید(۳):......خروج امام مانع صلوۃ وکلام اس وقت ہے کہ جب یہ خروج بنیت خطبہ ہو۔

لمافی العنایۃ بھامش فتح القدیر (۲/۶۷): واذا خرج الامام یوم الجمعۃ یعنی لأجل الخطبۃ۔

Marfat.com

وفی البحر الرائق(۲/۱۷۲): وفی شرح المجمع عبارة الخروج واردة علی عادة العرب من انهم یتخذون لامام مکانا خالیاً تعظیماً لشانه فیخرج منه حین اراد الصعود هکذا شاهدناه فی دیارهم والقاطع فی دیارنا یکون قیام الامام للصعود فالحاصل ان الامام ان کان فی خلوة فالقاطع انفصاله عنها وظهوره للناس والافقیامه للصعود۔

وفی البنایة(۱/۸۵۳): ولا اذا خرج الامام من بیت الخطابة یوم الجمعة لأجل الخطبة۔

وفی النهر الفائق(۱/۳۶۳): و(اذا خرج الامام) ای صعد علی المنبر کذا فی معراج......

والقاطع فی دیارنا هو قیام الامام للصعود۔

مذکورہ بالاتمہیدات کی روشنی میں اردو ملے خطبہ پر عربی خطبہ کے احکام لاگونہیں ہوں گے کیونکہ صحت خطبہ کیلئے قصد اور نیت شرط ہے جیسا کہ تمہید(۱) کے حوالوں سے واضح ہے جبکہ وعظ ونصیحت سے قبل تحمید وتسبیح بنیت خطبہ نہیں ہوتی بلکہ اتباع حدیث کل امر ذی بال الخ اور تعامل وتوارث کی بناء پر پڑھی جاتی ہے۔ نیز سابقہ تحریر کے شبہ اوّل کے جواب میں درج عبارت ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ جمعہ کی نیت سے یہ خطبہ نہیں دیتے تھے جو کہ خطبہ کیلئے شرط ہے'' بھی صحت خطبہ کیلئے قصد اور نیت پر دال ہے۔ نیز اشتراط نیت للخطبہ میں خطیب اور غیر خطیب کا حکم یکساں ہے۔ دونوں میں اس بابت فرق کرنا محتاج دلیل ہے۔ جس پر ہم مطلع نہ ہوئے۔

نیز خروج امام مانع صلوٰۃ واذکار اس وقت ہوگا جب یہ خروج بنیت خطبہ منبر ومحراب کی آغوش میں امام کی عظمت الشان ومرتبت کیلئے واقع مقصورۃ (حجرہ) سے ہو جیسا کہ عرب میں دستور تھا۔

لمافی سیر اعلام النبلاء(۴/۲۰۰): عاصم بن محمد عن ابیه: رأیت اباهریرة یخرج یوم الجمعة، فیقبض علی رُمّانتی المنبر قائماً، ویقول: حدثنا ابو القاسم ﷺ الصادق المصدوق: فلا یزال یحدث حتی یسمع فتح باب المقصورة لخروج الإمامة فیجلس۔

جبکہ ہمارے دیار میں خروج امام مانع صلوٰۃ واذکار اس وقت ہوگا جب امام صاحب خطبہ کیلئے منبر پر جلوہ افروز ہو جائے۔

کیونکہ ہماری مساجد میں مقصورہ ندارد۔

لمافی البحر الرائق(۲/۱۵۵): وفی شرح المجمع عبارة الخروج واردةً علی عادة العرب من انهم یتخذون لإمام مکاناً خالیاً تعظیماً لشانه فیخرج منه حین اراد الصعود هکذا شاهدناه فی دیارهم والقاطع فی دیارنا یکون قیام الإمام للصعود فالحاصل ان الامام ان کان فی خلوة فالقاطع انفصاله عنها وظهوره للناس والافقیامه للصعود۔

وفیه ایضاً(۲/۲۷۰): فان لم یکن فی المسجد مقصورة یخرج منها لم یترکوا القراءة والذکر الا اذا قام الامام إلی الخطبة۔

Marfat.com

وفی البنایة علی شرح الھدایة (۸۵۳/۱): ولا اذا خرج الامام من بیت الخطابة یوم الجمعة لاجل الخطبة۔

وفی النھر الفائق (۳۶۳/۱): واذا خرج الامام: ای صعد علی المنبر...... والقاطع فی دیارناھو قیام الامام للصعود۔

بالفرض اگر کہیں خروج امام مقصورہ (حجرہ) سے ہو تب بھی زیر بحث مسئلہ میں یہ خروج مانع صلوٰۃ واذکار نہیں ہوگا کیونکہ خروج امام من المقصورۃ پر ''فلا صلوٰۃ ولا کلام'' کا حکم اس وقت لاگو ہوگا جب یہ خروج بنیت خطبہ ہو کمافی البنایۃ (۸۵۳/۱) جبکہ زیر نظر مسئلہ میں خروج للوعظ ہوتا ہے۔

ولا اذا خرج الامام من بیت الخطابة یوم الجمعة لاجل الخطبة۔

نیز اس خروج کو تشریک نیت پر محمول کرنا بایں معنی کہ یہ خروج للوعظ والخطبۃ دونوں ہو درست نہیں کیونکہ قصد اوّل کا اعتبار ہوتا ہے جبکہ خطیب صاحب کا قصد اوّل بالخروج وعظ کرنا ہوتا ہے۔

کتاب الفتاویٰ (۴۷/۳): یوں تو منبر پر اردو میں بیان وتقریر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے......تاہم جمعہ میں چونکہ منبر پر کھڑے ہوکر اردو بیان میں اس کے خطبہ ہونے کا وہم ہوسکتا ہے حالانکہ خطیب کا مقصد اس سے خطبہ دینا نہیں ہے۔ انتھی

نیز اگر مطلقاً خروج مانع گفت وشنید اذکار وصلوٰۃ ہو تو سوال ہوگا کہ اردو تقریر کے بعد عربی خطبہ سے قبل چار رکعت سنتیں پڑھنا جبکہ امام تشریف لا چکا ہو جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو یہ اکابرین واسلاف رحمھم اللہ تعالیٰ کے عمل سے متصادم ہے اگر جواب اثبات میں ہے تو کس دلیل کی بنیاد پر جبکہ امام مصلّی پر براجمان ہے۔

معلوم ہوا مطلقاً خروج امام مانع صلوٰۃ واذکار نہیں۔

یہ مسئلہ چونکہ اچھنبا اور نیا نہیں بلکہ ہمارے اکابرین رحمھم اللہ تعالیٰ کی حیات مبارکہ میں بھی پیش آیا تھا الحمدللہ اکابرین رحمھم اللہ تعالیٰ کی نوک قلم سے نکلی ہوئی تحقیقات وتدقیقات بھی اس مسئلہ میں موجود ہیں۔ ذیل میں چند ایک ملاحظہ ہو۔

اردو ملے خطبہ کے وعظ ہونے پر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ کا تفصیلی اور تحقیقی فتویٰ۔

سوال:......ایک مسجد کا خطیب بعد اذان اوّل جبکہ کچھ لوگ جمع ہوجاتے ہیں مسجد سے ملے ہوئے مکان سے مسجد میں آتا ہے سلام کرکے لکڑی کے منبر کے پاس کھڑے ہوکر خطبہ ووعظ یعنی ''الحمدللہ ونحمدہ الخ'' کے بعد کوئی ایک یا چند آیات تلاوت کرکے اردو میں وعظ کرتا ہے یوں پون گھنٹہ یا کم وبیش وعظ کے بعد چار سنت ادا کرتا ہے اور دیگر مردم کچھ تو اذان اوّل کے بعد وعظ سے پہلے فارغ ہولیتے ہیں کوئی درمیان وعظ ہی میں پڑھ لیتا ہے باقی وعظ کے بعد پڑھ لیتے ہیں۔ خطیب سنت ادا کرنے کے بعد منبر پر بیٹھتا ہے اس کے سامنے اذان ثانی ہوتی ہے پھر خطبہ مسنونہ پڑھ کر نماز پڑھاتا ہے اس صورت مذکورہ کو ایک مولوی صاحب خلاف سنت بتاتے ہیں اور تین خطبوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

Marfat.com

الجواب: ...... یہ صورت جائز ہے اور تین خطبے نہیں ہوئے بلکہ اذانِ ثانی کے بعد جو خطبے وہ پڑھتا ہے وہی مسنون خطبے جمعہ کے ہوجاتے ہیں اور پہلا وعظ وعظ ہی ہوگا خطبہ میں شامل نہیں ہوگا۔

حضرت کا مذکورہ فتویٰ اردو ملے خطبے کے وعظ ہونے میں بے غبار ہے۔

حضرت کا اس کو وعظ فرمانا جبکہ مرسلہ تحریر کے مطابق ''خطبہ کے ہمہ شرائط وارکان موجود ہیں'' سوائے اس کے کہ اس میں شرط خطبہ ''خطبہ بنیت خطبہ'' نہیں پائی جاتی اور کیا تبصرہ ہوسکتا ہے۔

اردو ملے خطبے کے دوران سنتیں پڑھنے کے جواز پر کتاب الفتاویٰ (۳/۴۶) ملاحظہ ہو۔

اصل وہ دونوں خطبے ہیں جو عربی زبان میں دیئے جاتے ہیں اس سے پہلے اگر خطیب اردو زبان میں اپنے اس خطبہ کا خلاصہ لوگوں کو سنائے اور بتائے تو یہ خطبہ کے حکم میں نہیں اس دوران سنت ادا کی جاسکتی ہے۔

البتہ مرسلہ تحریر میں درج جواہر الفقہ کی عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ فقط ذکر سے عبارت ہے قصد اور نیت شرط نہیں۔ ہمارے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ نے جواہر الفقہ میں صرف خطبہ کے ارکان وفرائض وآداب کا تذکرہ فرمایا ہے شرائط خطبہ سے تعرض نہیں فرمایا۔

جواہر الفقہ کی عبارت ملاحظہ ہو (۳/۳۴۹):

فرض صرف دو ہیں: (۱) وقت جمعہ، (۲) مطلق ذکر اللہ خواہ کسی لفظ سے ہو انتھی، جبکہ تمام متداول ومعتمد کتب میں خطبہ کیلئے قصد کو ضروری قرار دیا ہے۔

کمافی مراقی الفلاح (ص۵۱۰): والثانی ان تکون بقصد الخطبة۔

وفی فتاویٰ الشامیة (۲/۱۴۸): وکفت تحمیدة او تهلیلة... بنیتها۔

قوله کفت تحمیدة۔ شروع فی رکن الخطبة بعد بیان شروطها قوله بنیتها ای نیة الخطب۔

مندرجہ بالا عبارت میں رکن خطبہ کے ساتھ اشتراط نیت کی صراحت بھی ہے۔

وفی کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة (۱/۳۹۱): ثانیها: نیة الخطبة فلو خطب بغیر النیة لم یعتد بخطبة عند الحنفیة۔

البتہ خانیہ میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اگر چہ ایک روایت عدم قصد کی ہے۔

لمافی فتاویٰ خانیة (۴/۳۴۳): ولو عطس فقال الحمد لله یرید به التحمید علی العطاس فذبح لا یحل بخلاف الخطبة اذا عطس علی المنبر فقال الحمد لله فانه یجوز به الجمعة فی احد الروایتین۔

عن ابی حنیفة لان المامور به فی الجمعة ذکر الله مطلقاً وههنا الشرط ذکر الله علی الذبح۔

لیکن بنایہ میں اشتراط نیت کو اصح قرار دیا ہے۔

Marfat.com

لمافی البنایة (۱/۸۰۶): ثم اشترط عند ابی حنیفة ان یکون قوله الحمدللہ علی قصد الخطبة حتی لو قال یرید الحمدللہ علی اعطاء لاینوب عن الخطبة وقیل ینوب، والاوّل اصح۔

نیز حموی علی الاشباہ والنظائر (۱/۷۵) پر اشتراط قصد کو مذہب ثابت کیا ہے۔

اما النیة فی الخطبة للجمعة فشرط لصحتھا۔ لم تصح قیل ھذا ھو المذھب... وفی روایة یجزئه ذالک لکن المذھب ماتقدم۔

لمافی فتاویٰ الھندیة (۱/۱۴۶): ومنھا الخطبة... وکفت تحمیدة او تھلیلة۔ ھذا اذا کان علی قصد الخطبة۔

البتہ یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ خطبہ جمعہ کیلئے شرط ہے۔ جبکہ شرائط میں قطع نظر اشتراط نیت وغیرہ سے محض وجود کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

کمافی الحموی علی الاشباہ والنظائر (۱،۶۸): امّا اذا کان شرطا لحکم لا تشترط النیة فی ھذا الشرط لان الشرط یراعی وجودہ مطلقاً لا وجودہ قصداً۔

اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ خطبہ محض شرط ہی نہیں بلکہ اس میں رکنیت کا بھی ادنیٰ شائبہ موجود ہے۔

لمافی البنایة (۱/۸۰۰): وعن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قصرت الصلوة لأجل الخطبة وعن عائشة مثله وعن سعید بن جبیر قال کانت الجمعة اربعاًفجعلت الخطبة فکان رکعتین۔

نیز خطبہ نری شرط ہی نہیں بلکہ مشروط بھی ہے کیونکہ سعی کا حکم خطبہ کیلئے ہے۔

بالفرض اگر تسلیم کرلیا جائے کہ خطیب ابتداء وعظ میں تحمید وتسبیح بنیت خطبہ پڑھتا ہے تب بھی اس اردو ملے خطبہ کو اصل خطبہ کا درجہ نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ بدعت ہے اور ترک بدعت واجب ہے چہ جائیکہ اس کا استماع لازم ہو اور اس دوران صلوٰۃ، نوافل واذکار حرام ہوں۔

لمافی امداد المفتین (۱/۳۸۵): فالحاصل ان اختصاص اللغة العربیّة فی الخطبة وان کان فی الاصل من السنن إلا انه لحق بترکه امور اخر من ابتداع بدعة واثم الادمان علی ترک السنة وترک البدعة واجب: فجاء الوجوب من ھذا القبیل لا بمحض المواظبة علیه وبالجملة فالحکم بوجوب العربیّة واثم تارکھا فی خطبة الجمعة۔ وان ترجمتھا بغیر العربیّة بدعة حق لاریب فیه۔

وفیه (۱/۳۸۴): والحاصل ان اللغة العربیّة فی الخطبة سنة مؤکدة عندنا ولکن ترک العربیّة وجعلھا بالعجمیّة مکروہ تحریماًوتارکھا آثم ولا سیما المدمن علیه۔

یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خالص اردو خطبہ کو بدعت فرمارہے ہیں جبکہ ہمارا کلام اردو ملے خطبہ کے بارے میں ہے۔ کیونکہ حضرت کے نزدیک خالص اردو خطبہ اور اردو ملا خطبہ بدعت ہونے میں یکساں ہے۔

Marfat.com

لمافی امداد المفتین(۱/۳۸۵):

سوال نمبر(۶۴):...... جمعہ کے خطبہ کے ساتھ اردو نظم یا نثر میں اس کا مطلب بیان کیا جاتا ہے۔آیا اس طرح پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:...... جمعہ کے خطبہ کے ساتھ اردو میں ترجمہ خواہ نثر سے ہو یا نظم سے بدعت ہے اور ناجائز ہے۔قرون مشہود لھا بالخیر میں باوجود ضرورت اور قدرت اس کی کوئی نظیر نہیں۔نیز مرسلہ تحریر میں یہ مؤقف اختیار کیا گیا ہے کہ خطبہ کا عربی میں ہونا کوئی شرط نہیں جبکہ یہ مؤقف فتاویٰ اکابرین رحمہم اللہ تعالیٰ سے میل نہیں کھارہا۔کیونکہ حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواہر الفقہ میں خطبہ کیلئے عربی کو شرط گردانا ہے۔

جواهر الفقه (۱/۳۵۵): وقال النووی: فی کتاب الاذکار حمد الله تعالیٰ ویشترط کونها خطبة الجمعة وغیرها بالعربیة۔

نیز جواہر الفقہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے عربی پر قادر شخص کا غیر عربی میں خطبہ دینا کالعدم قرار دیا ہے۔کیونکہ امام صاحب اگرچہ جواز کے قائل تھے لیکن ان کا صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع منقول ہے۔

جواهر الفقه(۱/۳۵۵): وعلی هذا الخلاف الخطبة وجمیع الاذکار...

یعنی خطبہ اور تمام اذکار و اوراد میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب غیر عربی میں جائز فرماتے ہیں اور صاحبین ناجائز (لیکن امام صاحب سے صاحبین کے قول کی طرف رجوع منقول ہے)۔انتھی کلامہ

اب نہ معلوم غیر خطبہ (جب خالص اردو میں) ہو یا خطبہ مبتدعہ (اردو ملا خطبہ) بنیت خطبہ کا استماع کیوں لازم ہے اور اس دوران نوافل کی ممانعت کس بناء پر ہے جبکہ اردو ملا خطبہ بنیت خطبہ بدعت ہے اور ترک بدعت واجب ہے۔

مرسلہ تحریر میں خطبہ کا بڑا مقصد وعظ و تعلیم مرقوم ہے جبکہ اکابرین کی تصریحات اس کے خلاف ہیں۔

لمافی جواہر الفقہ (۱/۳۵۵): یہاں تک کل تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ خطبہ جمعہ کا اصلی رکن اور مقصد صرف ذکر اللہ ہے۔تبلیغ یا وعظ و تذکیر اس کے فرائض میں داخل نہیں حضرت چند سطر بعد رقم طراز ہیں۔اگر خطبہ کا مقصد ذکر محض نہ تھا بلکہ وعظ و تبلیغ مقصود تھی تو وقت ظہر کی کیا تخصیص ہے۔

نیز فرماتے ہیں: اگر خطبہ پڑھنے کے بعد امام کسی کام میں مشغول ہو گیا اور نماز میں کوئی معتد بہ فصل ہو گیا تو قول مختار کے موافق خطبہ کا اعادہ ضروری ہے۔اگرچہ سننے والے دوبارہ بھی وہی لوگ ہوں گے جو پہلے سن چکے ہیں......

اگر وعظ و پند ہی خطبہ کا مقصد ہوتا تو اس اعادہ سے کیا فائدہ متصور ہے انتھی کلامہ۔

نیز اردو ملے خطبہ کو اصل خطبہ تسلیم کرنے کی صورت میں دو بدعتوں میں سے ایک کا ارتکاب لازم آئے گا.کیونکہ اگر اردو ملے خطبہ کو اصل خطبہ تسلیم کیا جائے تو باقی دو خطبے نفل ہوں گے جبکہ جمعہ میں خطبہ نفلاً مشروع نہیں۔

لمافی الاشباہ مع الحموی (۱/۱۳۵): و کذا الخطبة...... ان شرطنا لها النیة لانها لا یتنفل بها۔

Marfat.com

کر لی جاتی ہے ... اور ایسی صورت میں بھی ارتکاب بدعت سے بچنا بھی ضروری ہے کیونکہ الاستماع للخطبۃ ... الکلام ... خطبہ متعدد

سے ... بدعت واجب ہے۔

علاوہ ازیں بعض ... کی صورت میں ایک اور اختلاف ہے امر "تعدد خطبہ" کا ارتکاب لازم آئے گا جو کہ بعض

حدیث سے ثابت ہے چنانچہ ... (ج ۱ ص ...) میں مذکور ہے کہ موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت

نبی کریم ... خطبہ دو ... میں اختصار کرتے اور ... سے ... میں تعدد خطبہ ثابت نہیں۔

چنانچہ ... یہ بدعت ہے ... کا ثبوت ہے۔

۱۔ ... خطبہ ... کے حکم میں ہے۔

۲۔ ... واجب ہے۔

... اور عبارت ... بعض کا ... ہوتے ہیں۔

... خطبہ ... کے احکام لاگو ہوں گے

... خطبہ ... پائی جائے۔

... بدعت ... ترک واجب ہے۔

... واجب ہے ... اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہیں ...... ایک ... کا

... خطبہ ... جیسا کہ ... (ج ۱) میں تفصیل مذکور ہے ... خطبہ کی طرح ان خطبات کے دوران ... و ...

... ہوں گے ... قراءت ... مختار کی عبارات فی المسجد حفظہ

... ثابت ہے ... میں ... ان عبارات سے ... ثابت ہے

ہے۔

کما فی فتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ... ویکره من ... غیر قراءۃ القرآن ... الاستماع۔

... علی الاطلاق نہیں۔

... قراءت ... کے علاوہ ... کیا حکم ہے؟

... (ج ۱ ص ۶۶۳)

قولہ فاستماع العظۃ اولی الظاہر ان ہذا خاص بمن لا قدرۃ لہ علی فہم الآیات القرآنیۃ والتدبر فی معانیہا الشرعیۃ والاتعاظ بمواعظہا الحکمیۃ اذ لا شک ان من لہ قدرۃ علی ذالک یکون استماعہ اولی بل اوجب بخلاف الجاہل فانہ یفہم من المعلم والواعظ ما لا یفہمہ من القاری فکان ذالک انفع لہ

Marfat.com

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ تبصرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامع عالم ذی فہم معانی قرآن سے واقف ہوتو اس کیلئے استماع قرآن اولیٰ بلکہ واجب ہے اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب تلاوت جاری ہو جبکہ مرسلہ تحریر میں پیش کردہ دعویٰ دوران وعظ مطلقاً نوافل، تلاوت وغیرہ کی ممانعت کا ہے۔

نیز البحر الرائق (۲/۵۵) پر ہے:

ولهذا نقل الشارح عن الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم ان بعضهم کانوا یقروون القرآن وبعضهم یتذاکرون العلم والمواعظ وبعضهم یصلون ولم ینههم النبی ﷺ عن ذالک ولو کان مکروهاً لنهاهم۔

مذکورہ بالا عبارت سے صاحب بحر نے اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی نمازی سامنے بیٹھے شخص کی پشت کی طرف نماز پڑھ رہا ہو جبکہ وہ شخص محو کلام ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مختلف حلقے لگتے تھے اس میں نماز پڑھنے والے، باہمی وعظ و پند کرنے والے اور ایک حلقہ تلاوت کرنے والوں کا تھا جبکہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس طرز عبادت وتلاوت سے منع نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ تلاوت اور وعظ کا علی الاطلاق سننا واجب نہیں ورنہ نبی کریم ﷺ سب کو حلقہ تعلیم میں بیٹھنے یا استماع تلاوت کا حکم صادر فرماتے۔

نیز خارج نماز عدم استماع تلاوت کے وجوب پر ابن کثیر ملاحظہ ہو۔

تفسیر ابن کثیر (۲/۲۵۹): سورۃ الاعراف (آیۃ: ۲۰۴)

حدثنا الجریری عن طلحة بن عبید الله بن کریز قال رأیت عبید بن عمیر وعطاء بن ابی رباح یتحدثان والقاص یقص فقلت الا تستمعان الی الذکر، وتستوجبان الموعود؟ قال فنظرا إلیّ ثم اقبلا علی حدیثهما، قال فاعدت فنظرا إلیّ واقبلا علی حدیثهما، قال فاعدت الثالثه قال فنظرا الی فقالا انما ذالک فی الصلوة۔

مذکورہ بالا حوالہ میں جہاں خارج نماز عدم وجوب استماع التلاوۃ کی صراحت ہے وہاں وعظ و پند کے عدم وجوب استماع پر بھی "القاص یقص" کی بناء پر بین دلیل ہے۔

نیز ابن کثیر (۲/۲۵۹) ملاحظہ ہو۔

قال عبد الرزاق عن الثوری عن لیث عن مجاهد قال لا بأس اذا قرأ الرجل فی غیر الصلوة ان یتکلم وکذا قال سعید بن جبیر والضحاک وابراهیم النخعی وقتادة ان المراد بذالک فی الصلوة۔

کذا فی تفسیر القرآن لصنعانی (۲/۲۴۷)

اس حوالہ بالا کی روشنی میں علی الاطلاق وجوب استماع تلاوت کا حکم دشوار ہے۔

تفسیر الدر المنثور میں (۹/۶۳۵) پر بھی اس کی تائید موجود ہے:

Marfat.com

عن عبداللہ بن مغفل انہ سئل اکل من سمع القرآن یقرأ وجب علیه الاستماع والانصات؟ قال لا قال انما نزلت هذه الآیة...... فی قراءة الامام اذا قرأ الامام فاستمع له وانصت۔

نیز تفسیر مظہری میں خلاصۃ الفتاویٰ کے جزئیہ ''رجل یکتب الفقه وبجنبه یقرأ القرآن فلا یمکنه الاستماع فالاثم علی القاری الخ'' پر محدثانہ تبصرہ ملاحظہ ہو۔

تفسیر مظہری (۴/۱۵۴): اختلف العلماء فی وجوب الاستماع والانصات علی من هو خارج الصلٰوة یبلغه صوت من یقرأ القرآن فی الصلٰوة او خارجها۔ قال البیضاوی عامة العلماء علی استحبابها خارج الصلٰوة... قال فی الخلاصة رجل یکتب الفقه الخ۔

قلت: وقد ثبت عنه ﷺ انه کان یقرأ القرآن باللیل جهراً بحیث یسمع من وراء حجرته وربما یسمعه الجیران۔

وفی الصحیحین عنه قال قال رسول اللہ ﷺ انی لاعرف اصوات رفقة الاشعریین حین یرحلون واعرف منازلهم من اصواتهم بالقرآن باللیل... ولا شک ان بعض الناس فی العسکر کانوا نیاما وقت قراءة الاشعریین۔

فهذا الاحادیث تدل علی فساد ما افتی به صاحب الخلاصة۔

حضرت کا یہ تبصرہ اگرچہ بظاہر وعلی هذا لو قرأ علی السطح الخ کے متعلق ہے لیکن حضرت کا رجحان خارج نماز عدم وجوب استماع التلاوت معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ تفسیر ابن مردویہ کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:

اخرج ابن مردویه فی تفسیره قال......... قال عبداللہ بن مغفل اکل من سمع القرآن وجب علیه الاستماع والانصات قال انما نزلت هذه الآیة اذا قرأ القرآن الخ فی القراءة خلف الامام۔

بلکہ حضرت مندرجہ ذیل الفاظ سے صاف صاف اپنی رائے کا اظہار فرما رہے ہیں۔

قلت واللام فی قوله تعالیٰ اذا قرئ القرآن للعهد دون الجنس والمراد به القرآن المقرو لاستماعکم کالامام یقرأ حتی یسمع من خلفه والخطیب یقرأ للتخاطب والمقری یقرأ علی التلمیذ۔

معلوم ہوا مطلقاً استماع تلاوت واجب نہیں۔

نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ خارج نماز استماع تلاوت کے بابت ملاحظہ ہو۔

امداد الفتاویٰ (۵۹/۴): الجواب......سماع قرآن میں دونوں قول ہیں آسانی کیلئے میں اسی کو اختیار کرتا ہوں کہ خارج صلوٰۃ مستحب ہے۔

Marfat.com

حضرت کے نزدیک جب وجوب استماع تلاوت علی الاطلاق نہیں تو اس پر مبنی مسئلہ وجوب استماع وعظ بھی یقیناً واجب نہیں ہوگا۔

نیز استماع تلاوت مطلقاً میں اتنا عموم اور توسیع کہ مجلس تلاوت میں بیٹھے ہمہ حاضرین وسامعین پر استماع واجب ہو پھر اس پر بناء کر کے مجلس وعظ میں موجود تمام سامعین پر وجوب وعظ کا حکم لاگو کرنا خود علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے متضاد ہے۔ کیونکہ علامہ شامی رحمہ اللہ جہاں استماع تلاوت علی الاطلاق کے قائل ہیں وہاں استماع تلاوت خارج نماز فرض (واجب) کفائی کی تصریح فرما رہے ہیں۔ جبکہ مرسلہ تحریر میں مثبت دعویٰ اس کے خلاف ہے۔

فتاویٰ شامیة (۵۴۶/۱): وفی شرح المنیة: والاصل ان الاستماع للقرآن فرض کفایة لانه لاقامة حقه بأن یکون ملتفتا إلیه غیر مضیع وذالک یحصل بانصات البعض، کمافی رد السلام حین کان لرعایة حق المسلم کفی فیه البعض عن الکل۔

نیز بیان القرآن میں خارج نماز استماع تلاوت کے بابت مفصل اور فیصلہ کن کلام ملاحظہ ہو۔

بیان القرآن (۳۶۳/۱):...... اور اسی سے خارج عن الصلوٰۃ بھی قرأت کے وقت دوسرے کام میں مشغول ہونے کو ہمارے فقہاء حنفیہ نے ممنوع فرمایا ہے۔ اور اسی پر مشغول کے پاس بیٹھ کر پکار کر پڑھنے کو منع کیا ہے نقله فی الروح عن الخلاصة۔

اور مبنیٰ اس کا مسئلہ مشہورہ اصولیہ کے اعتبار سے عموم لفظ کا ہے نہ کہ خصوص سبب کا لیکن احقر کو اس میں شفاء نہیں۔ نہ اس مسئلہ اصولیہ میں اور نہ اس فرع فقہی میں کیونکہ ایسا عموم جو مراد متکلم سے بھی متجاوز ہو مراد لینا صحیح نہیں جیسا کہ حدیث ''لیس من البر الصیام فی السفر'' میں صیام کو کسی نے عام نہیں لیا اور یہاں مجموعہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تلاوت خارج صلوٰۃ اپنے ثواب یا یاد کیلئے ہو کسی کو تذکیر و تبلیغ کیلئے نہ ہو وہ آیت میں مراد نہیں۔

وایضاً فی السراج المنیر للخطیب الشربینی عن البیضاوی وظاهر اللفظ یقتضی وجوبهما حیث یقرأ القرآن مطلقاً وعامة العلماء علی استحبابهما خارج الصلوٰة۔

پس ظاہراً عامۃ العلماء میں حنفیہ بھی داخل ہیں اور یہ لفظ قریب اجماع ہے۔ پس اس قول کو حنفیہ کا قول محقق اور قول اوّل کو ان کا قول مشہور کہیں گے۔

ضمیمہ:...... بعد تحریر تحقیق بالطحطاوی علی مراقی الفلاح (ص:۱۰۸) میں یہ روایت نظر پڑی جس میں فرع مذکور میں بھی حنفیہ کے نزدیک گنجائش کی تصریح ہے۔

وفی الدر المنیفة عن القنیة یکره للقوم ان یقرؤا القرآن جملةً لتضمنها ترک الإستماع والانصات وقیل لا باس؟، انتهی کلام

حکیم الامت:...... نیز بزازیہ کی عبارت میں واشگاف الفاظ میں خارج نماز میں استماع قرآن کے بابت قول آخر (عدم استماع) کی طرف اشارہ موجود ہے۔

Marfat.com

لمافی البزازیة(۱/۱ ۴): یکتب الفقه وبحنبه رجل یقرأ القرآن...فالا ثم علی القاری......
وھذاعلی قول من قال استماع القرآن واجب خارج الصلوة۔
معلوم ہوا مذہب میں دوسرے قول کی بھی گنجائش ہے۔
نیز فتاویٰ حقانیہ(۲/۱۷۰) پر خارج نماز استماع تلاوت کے بابت فتویٰ ملاحظہ ہو۔
الجواب:......اس بارے، میں دو طرح کے اقوال موجود ہیں، ایک وجوب کا اور دوسرا عدم وجوب کا، متاخرین فقہاء کرام نے آسانی اور سہولت کیلئے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ لہٰذا خارج نماز قرآن کریم کی تلاوت سننا واجب نہیں تاہم مستحب ضرور ہے۔
وحکی ابن المنذر: الاجماع علی عدم وجوب الاستماع والانصات فی غیر الصلوة والخطبة وذالک ان یجابھما علی کل من یسمع احدأیقرأفیه حرج عظیم لانه یقتضی ان یترک له المشتغل بالعلم علمه والمشتغل بالحکم حکمه الخ۔(تفسیر المنار، ۵۵۳/۹، ۵۵۲)
نیز احکام القرآن للجصاص رحمہ اللہ تعالیٰ کا خارج نماز استماع تلاوت کے متعلق مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کن اور محتاط کلام ملاحظہ ہو(احکام القرآن للجصاص، ۳۹/۳)۔
عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ (واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ قال المؤمن فی سعة من الاستماع إلیه الافی صلاة مفروضةاو یوم جمعةاو فطر او اضحیٰ۔
مذکورہ بالا ہمہ حوالہ جات شکل اوّل کے کبریٰ اور اس سے اخذ شدہ نتیجہ سے ہماری نظر میں میل نہیں کھا رہے ہیں۔
البتہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے باب ''الانصات للعلماء'' کے تحت علامہ عینی اور علامہ ابن بطال رحمہما اللہ تعالیٰ کے کلام سے بظاہر ہر وعظ کے استماع کا وجوب معلوم ہوتا ہے لیکن خارج نماز سماع تلاوت کے بابت ذکر کردہ روایات اور تصریحات اکابر کے تناظر میں علامہ ابن بطال رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تاویل کی جائے گی کیونکہ جب کلام خالق جل جلالہ کا استماع علی الاطلاق واجب نہیں تو وجوب استماع کلام عالم وکلام الناس بدون نص صریح غیر معارض چہ معنی دارد۔
نیز اگر علماء کرام کے ہمہ کلام خواہ از قبیل خطبہ ہو یا وعظ و پند سننا واجب ہو تو پھر ''یجب الاستماع لسائر الخطب'' کا محمل کیا ہوگا جبکہ مرسلہ تحریر کے مطابق ''فقہاء کرام کی عبارات میں اتفاقی قیودات نہیں ہوتے۔ چنانچہ ان کی عبارات کا مفہوم مخالف بھی معتبر مانا جاتا ہے الخ''۔
لہٰذا ابن بطال رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں سوائے تاویل کے کوئی چارہ کار نہیں۔
وباب التاویل متسع
اوّلاً......وجوب انصات العالم اس وقت ہوگا جب وہ خطبہ دے رہا ہو جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب الانصات

Marfat.com

للعالم کے تحت جو حدیث نکالی ہے اسی حدیث کیلئے (اگرچہ سند مختلف ہے) (۱/ ۴۳۳) پر باب باندھا ہے باب ''الخطبۃ بایام منی'' ورنہ انصات مستحب ہوگا۔

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے مطلقاً عالم کیلئے انصات معلوم ہو رہا ہے کیونکہ ''جب کسی اسم مشتق پر حکم لگتا ہے تو مادہ اشتقاق اس کی علت بنتا ہے جیسا کہ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں ''الانصات لاجل العلماء واللام فیہ للتعلیل''

جواباً ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر عالم کا ہر کلام خطبہ وغیر خطبہ سننا واجب ہو تو پھر یجب الاستماع لسائر الخطب کے مابین تعارض آئے گا اس تعارض کے دفعیہ کیلئے مذکورہ بالا تاویل کے علاوہ کوئی مخلص نہیں۔

ثانیاً......وجوب بمعنی ثبوت ہے کما ھو شائع ذائع۔

ثالثاً......محقق العصر محدث وقت حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''الدر'' کی عبارت ''یجب الاستماع لسائر الخطب'' کے عموم پر گہری تشویش کا اظہار فرمایا ہے چہ جائیکہ ہر عالم کے کلام اور ہر وعظ کا سننا واجب ہو۔

لمافی فیض الباری (۲/۳۴۷): قولہ (ترکوک قائماً) فان قلت کیف وھم اتقی الناس فی الارضین وازھدھم بعد الانبیاء والمرسلین قلت والجواب کمافی التوشیح للسیوطی۔ ان الخطبۃ فی الجمعۃ کانت علی شاکلۃ العیدین بعد الصلٰوۃ ثم قدمت علیھا فلعلھم حملوا استماعھا علی الاستحباب وظنوہ کسائر الخطب ولم یروہ عزیمۃً علیھم سیما اذا کان عند النسائی ان النبی ﷺ کان ینادی بعد العیدین ان من شاء منکم ان یمکث فلیمکث ومن شاء ان یذھب فلیذھب وتردد فیہ الحفاظ فدل علی التوسیع فی خطبۃ العیدین۔

وفی الدر المختار ان استماع جمیع الخطب واجب'' قلت ولا یناسب ھذا التوسیع بل ینبغی ان یفصل فی الامر۔

وفیہ تحت باب کلام الامام والناس فی خطبۃ العید الخ۔

(۲/۳۶۳) کلام الامام الناس)...... لعل المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ یشیر الی ان فی خطبۃ العیدین سعۃ بالنسبۃ إلی خطبۃ الجمعۃ وھو المختار عندی وان کان فی کتبنا انھما سواء۔

وفی النسائی (۱/ ۱۷۸) مع حاشیۃ للسیوطی

ان النبی ﷺ صلی العید قال من احب ان ینصرف فلینصرف ومن احب ان یقیم للخطبۃ فلیقم۔

قولہ من احب ان یقیم۔ وعلم منہ ان استماع خطبۃ العید غیر واجب۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا تحقیق کے تناظر میں ہر وعظ کے وجوب استماع کا حکم لگانا یقیناً دشوار ہے۔ نیز قاعدہ مسلمہ ''المشقۃ تجلب التیسیر'' بھی عدم وجوب کا متقاضی ہے۔

Marfat.com

یہ تو اس مسئلہ کا علمی اور فقہی پہلو تھا جس کے بابت ہم نے اپنے مؤقف کی وضاحت کر دی البتہ عملی نقطۂ نظر سے علماء کرام کی توقیر، عزت واحترام اور ان کے کلام، وعظ اور پند کو ہمہ تن، دلجمعی اور یکسوئی سے سننے سے کسی کو انکار کی مجال نہیں بلکہ اس پہلو کو عوام الناس میں ترغیبی انداز میں اجاگر کرنے کی اشد ضرورت اور عصر حاضر کا اہم تقاضا ہے کیونکہ افادہ اور استفادہ کا دارومدار اعتقاد اور باہمی الفت ومحبت پر ہے۔ عوام الناس کے قلوب میں علماء کرام کا اعتقاد، تعظیمی اور توقیری شعور بیدار کرنے کیلئے اس مسئلہ کو منصۂ شہود پر لانا انتہائی قابل ستائش اور مستحسن اقدام ہے۔ اس مسئلہ کو عملی جامہ پہنانے سے میڈیا، مغرب زدہ طبقہ اور سازشی عناصر کے ہاتھوں عوام اور علماء کرام کے مابین پھیلائی انارکی، فساد، نفرت اور قائم خلیج کے فاصلے رفو ہو کر علماء کرام عوام الناس کے تمام شعبہ ہائے زندگی میں بہتر انداز میں صحیح دینی اور اخلاقی رہنمائی کر سکیں گے اور کافی حد تک عریانی اور فحاشی سے آلودہ معاشرہ کا مداوا ہو سکے گا۔

Marfat.com

(۳۴۸) خطبہ اور جماعت کے درمیان خطیب صاحب کا مخصوص اعلان کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد کے خطیب صاحب جمعہ کے خطبہ کے بعد اقامت سے پہلے دو چار باتوں کا اعلان کرتے ہیں، وہ یہ ہیں ''صفیں درست فرمالیں، چھوٹے بچوں کو پچھلی صفوں میں، یا صفوں کے دائیں بائیں کردیں، اپنے سروں کو ڈھانپ لیں اپنے پائچوں کو ہمیشہ کھلا رکھا کیجئے اور اپنے موبائل فونز بند کرلیں'' اس اعلان کے بعد اقامت ہوتی ہے اور پھر نماز۔ معلوم یہ کرنا تھا کہ آیا اس طرح کے اعلان سے خطبہ جمعہ اور نماز میں فصل واقع نہیں ہوتا؟ آیا اس طرح کا اعلان کرنا خطیب صاحب کیلئے درست ہے؟ میں نے کئی بڑے بڑے بزرگوں کے پیچھے نماز جمعہ پڑھی ہے انہیں اس طرح کے اعلانات کرتے کبھی نہیں سنا، از راہ کرم اگر بزرگوں میں سے کسی سے متعلق بھی معلوم ہوجائے کہ ان کی یہ عادت تھی تو بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......امر بتسویۃ الصفوف یعنی نماز کے لئے جب صفیں بنائی جائیں تو صفوں کو سیدھا کرنے کا حکم کرنا نماز کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے، خدا کے بعد سب سے بڑے بزرگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز پڑھانے کے لئے تشریف لاتے تو تکبیر کہنے سے پہلے صفوں کو سیدھا کرنے کا حکم فرماتے۔ کتب احادیث اس قسم کی احادیث سے بھری ہوئی ہیں۔ اس تمہید کی روشنی میں جواباً عرض ہے کہ خطیب صاحب کا یہ اعلان کرنا جائز و مستحسن اور سنن صلوۃ میں سے ایک سنت کو پورا کرنا ہے، جہاں تک خطبہ اور اقامت کے درمیان فصل کا تعلق ہے جس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ دنیاوی باتوں کے ذریعہ ہو، اگر دینی باتوں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا کسی عذر شرعی کی بنا پر فصل آجائے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ خطیب صاحب مذکور فی السوال کا یہ اعلان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قبیل سے ہے لہٰذا یہ فصل مضر نہیں۔ آپ کا کسی سے نہ سننا ان کے خلاف حجت نہیں۔

لمافی سنن النسائی(۱/۹۳): مایقول الامام اذا تقدم فی تسویۃ الصفوف، اخبرنا بشر بن خالد... عن أبي مسعود رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ یمسح عواتقنا ویقول استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم ولیلینی منکم اولو الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم... عن انس قال اقبل علینا رسول اللہ ﷺ بوجھہ حین قام الی الصلوۃ قبل ان یکبر فقال اقیموا صفوفکم وتراصوا فانی اراکم من وراء ظھری۔

وفی صحیح البخاری(۱/۱۰۰): قال انس بن مالک رضی اللہ عنہ اقیمت الصلوۃ فاقبل علینا رسول اللہ ﷺ بوجھہ فقال اقیموا صفوفکم وتراصّوا فانی اراکم من وراء ظھری۔

وفی عمدۃ القاری(۵/۲۵۴): ذکر ما یستفاد منہ فیہ الامر بتسویۃ الصفوف وھی من سنۃ الصلوۃ عند ابي حنیفۃ والشافعی ومالک رحمھم اللہ تعالی. وزعم ابن حزم انہ فرض لان اقامۃ الصلوۃ فرض وما کان من الفرض فھو فرض۔

Marfat.com

وفى الدر المختار مع الشامية (۱۶۱/۲): فاذا اتم اقيمت ويكره الفصل بامر الدنيا ذكره العينى، قوله اقيمت، بحيث يتصل اول الاقامة بآخر الخطبة وتنتهى الاقامة بقيام الخطيب مقام الصلوة... قوله بامر الدنيا اما بنهى عن منكراو امر بمعروف فلا وكذا بوضوء او غسل لو ظهرانه محدث او جنب كما مر بخلاف اكل أوشرب۔

(۳۴۹) خطبہ اور جمعہ میں فصل کی شرعی حیثیت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر خطبہ اور نمازِ جمعہ میں فصل ہوجائے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......خطبہ اور نماز جمعہ میں وصل سنت ہے۔ پھر اگر فصل اخروی امور کی وجہ سے ہو۔ جیسے وضو کرنا وغیرہ تو دوبارہ خطبہ دینا مستحب ہے۔ اگر خطبہ نہ دے، پھر بھی جائز ہے۔ لیکن اگر فصل دنیاوی امور کی وجہ سے ہو، جیسے کھانا پینا وغیرہ تو مکروہ ہے اور اگر فصل لمبا ہوجائے تو دوبارہ خطبہ دینا ضروری ہوگا۔

لمافى الدر المختار على هامش الطحطاوى(۳۴۳/۱): ولو خطب جنبا ثم اغتسل وصلى جازولو فصل باجنبى فان طال بان رجع لبيته فتغدى أو جامع واغتسل استقبل خلاصة اى لزوما لبطلان الخطبة۔

وقال الطحطاوى تحته: (قوله جاز) أى ولا يعد الغسل فاصلا لانه من اعمال الصلاة (فان طال) الظاهر انه يرجع فى الطول الى نظر المبتلى۔

وفيه ايضاً(ص۳۴۸): (فاذا اتم) الامام الخطبة (أقيمت ويكره الفصل بامر الدنيا) يفهم منه انه لايكره الفصل بامر الآخرة كذكروهو كذلك لان الخلاف على الاصح انما هو فى كلام الدنيا كما قدمناه ولكن مالم يلزم منه تاخر۔

وفى الشامية (۱۵۱/۲):(قوله جاز)أى ولا يعد الغسل فاصلا لانه من اعمال الصلاة و لكن الاولى اعادتها كما لو تطوع بعدها اوافسد الجمعة او فسدت بتذكرفائتة فيها۔ وفى (ص۱۶۱): (قوله فاذا أتم) اى الامام الخطبة (قوله أقيمت) بحيث يتصل اول الاقامة بآخر الخطبة ....

وفى (ص۱۶۲):(قوله بامر الدنيا) اما بنهى عن منكر او امر بمعروف فلا وكذا بوضوء او غسل لوظهرانه محدث او جنب كما مر بخلاف اكل وشرب حتى لوطال الفصل استأنف الخطبة۔

Marfat.com

(۳۵۰) عربی میں خطبہ پڑھنے کی شرعی حیثیت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جمعہ کے وقت عربی زبان میں جو خطبہ پڑھا جاتا ہے اس کا عربی زبان میں پڑھنا فرض ہے واجب یا سنت؟ اگر کوئی عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں پڑھتا ہے یا عربی کے ساتھ ساتھ کسی دوسری زبان میں ترجمہ بھی ہوتا ہے تو اس خطبے کا کیا حکم ہوگا؟ اور اس صورت میں نمازِ جمعہ کا کیا حکم ہوگا؟ نیز اس مسئلے میں جواز اور عدم جواز کی کیا صورتیں ہو سکتی ہیں ان کو مفصلاً ومدللاً بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......جمہور ائمہ کے نزدیک نماز جمعہ کیلئے خطبہ پڑھنا فرض اور عربی زبان میں پڑھنا واجب ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا پہلے یہ قول تھا کہ قراءت بالفارسیہ جائز ہے اس شخص کیلئے جو عربی زبان پر قدرت رکھتا ہو، پھر انہوں نے صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع کرلیا اور اب احنافؒ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ قرأت بالفارسیہ جائز نہیں، اور شروع فی الصلاۃ بالفارسیۃ میں بھی یہی اختلاف ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں جائز نہیں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (کراہت کے ساتھ) جائز ہے، اور فقہاء کرام شروع فی الصلاۃ بالفارسیۃ کے اس اختلاف کو مدار بنا کر نماز کے تمام اذکار، دعاء قنوت اور خطبے وغیرہ کو قیاس کرتے ہیں۔ البتہ قراءت کے علاوہ مسائل میں امام صاحب رحمہ اللہ نے رجوع نہیں فرمایا۔ بلکہ اس میں امام صاحبؒ کا مذہب ہی راجح ہے لہذا شروع فی الصلاۃ، خطبہ اور جمیع اذکار صلوۃ کراہت کے ساتھ اداء ہو جائیں گے۔

چنانچہ اگر کوئی خطیب عربی زبان میں خطبے پر قادر ہوتے ہوئے کسی اور زبان میں خطبہ دیتا ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کا خطبہ کراہت کے ساتھ اداء ہو جائے گا۔ چونکہ خطبہ کا بدل نہیں لہذا اس کا اعادہ بھی نہ ہوگا۔ البتہ یہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب ہے اسے اس پر توبہ واستغفار کرنا چاہیئے۔

نوٹ: اس مسئلے کی مزید تفصیل نجم الفتاوی کی اسی جلد کے (فصل فی ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا) کے مسئلے بعنوان (غیر عربی میں دعا کا حکم) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

وفی الهندية (١٤٦/١): (ومنها الخطبه قبلها) حتى لو صلوا بلا خطبة أو خطب قبل الوقت لم يجز كذا في الكافي۔

وفی الشامية(٤٨٣/١): (قوله ايضاً الخ) أى كما صح شروعه بالتكبير السابق صح ايضاً بالتسبيح ونحوه، لكن مع كراهة التحريم، لأن الشروع بالتكبير واجب، وقدمنا ان الواجب لفظ الله اكبر من بين الفاظ التكبير الأتية، وقال في الخزائن هنا، وهل يكره الشروع بغير الله اكبر؟ تصحيحان، والراجح انه مكروه تحريما، وان وجوبه عام لاخاص بالعبد كما حرره في البحر للمواظبة التي لم تقترن بترك اهـ... ... وفيه أيضاً (ص٤٨٤) (قوله وجميع اذكار الصلاة) في

Marfat.com

التتارخانية عن المحيط: وعلى هذا الخلاف لوسبح بالفارسية فى الصلاة او دعا أو أثنى على الله تعالىٰ او تعوذ اوهلل او تشهد او صلى على النبى ﷺ بالفارسية فى الصلاة اى يصح عنده لكن سيأتى كراهة الدعاء بالاعجمية۔

وفى الفقه الاسلامى (٨٤٠/٢): وقد اجمع الفقهاء على انه لا تجزئ القراءة بغير العربية، ولا الإبدال بلفظها لفظاً عربياً آخر، سواء احسن قراء تها بالعربية أو لم يحسن، لقوله تعالىٰ: (قرآناً عربياً) (يوسف.١٢/٢)۔ وقوله سبحانه : ''بلسان عربي مبين'' (الشعراء:٢٦/١٩٥) ولا القرآن معجزة بلفظه ومعناه، فإذا غيرّ خرج عن نظمه، فلم يكن قرآناً ولا مثله، وإنما يكون تفسيراً له، والتفسير غير المفسر الخ۔

وفى الدرالمختار (٥٢١/١): (ودعا) بالعربية، وحرم بغيرها نهر، لنفسه وابويه واستاذه المؤمنين۔ وفى الشامية تحته: (قوله وحرم بغيرها) الى قول لكن المنقول عندنا الكراهة، فقد قال فى غرر الافكار شرح درر البحار فى هذا المحل: وكره الدعاء بالعجمية، لأن عمر رضي الله عنه نهى عن رطانة الأعاجم اهـ والرطانة كمافى القاموس: والكلام بالاعجمية، ورأيت فى الولوالجية فى بحث التكبير بالفارسية ان التكبير عبادة لله تعالىٰ، والله تعالىٰ لايحب غير العربية، ولهذا كان الدعاء بالعربية اقرب الى الاجابة، فلايقع غيرها من الألسن فى الرضاء والمحبة لها موقع كلام العرب اهـ وظاهر التعليل أن الدعاء بغير العربية خلاف الاولىٰ، وان الكراهة فيه تنزيهية، الى قول ولا يبعد ان يكون الدعاء بالفارسية مكروها تحريما فى الصلوة وتنزيها خارجها، فليتامل وليراجع۔

وفى مجموعة الفتاوىٰ هامش خلاصة الفتاوىٰ(١٥٠/١): سوال: چه ميفرمايند علماء دين متين اندرين مسئله كه خطبه جمعه بر زبان اردو يا فارسى يا باشعار اردو يا فارسى خواندن جائز ودرست است يا نه؟ واگر جائز است پس دركدام كتاب مذكور است بينوا توجروا، هو العليم الخبير خطبه جمعه بر زبان اردو نثر باشد يا نظم وہمچنان برزبان فارسى نثر باشد يا فارسى وعلى هذا القياس خطبه كه قدرى عبارتش بلغت عربي باشد وقدرى بزبان اردو يا فارسى نثر يا نظم باشد مكروه بكراهت تحريمى است چرا كه مخالف سنت هدىٰ است زيراچه پيغمبر خدا عليه التحية والثناء وصحابه كرام رضي الله عنهم على الدوام خطبه بزبان عربي خوانده است ودرآن وقت از كسى خواندن خطبه بغير زبان عربي منقول نيست

Marfat.com

چنانكه دركتاب آكام النفائس فى اداء الاذكار بلسان الفارس مسطورست وهذه عبارته ''الكراهة انما هى لمخالفة السنة لان النبى ﷺ واصحابه قد خطبوا دائما بالعربية ولم ينقل عن احد منهم أنهم خطبوا ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية انتهى. وپوشيده نماندكه باعث احداث خطبه غير عربيه نيست مكر نفهميدن عجم عبارات عربيه راحالانكه اين امردر قرون ثلاثه هم موجود بود چرا كه بر گاه بلاد وامصار در اطراف مختلفه مفتوح شدند واكثر مردمان فارس وحبش وروم وغيره مشرف باسلام شدند وايشان درمجالس شعائر الاسلام مثل جمعه وعيد وغيرها حاضر ميشدند وظاہر است كه آن مرد مان رابوجه عدم وقوف از لغت عربي شعور فهم عبارات عربيه نبود با اين ہمه كسے شخصے بنا بر رعايت فهم اشخاص عجميه خطبه در غير زبان عربي نىخوانده باوجوديكه تعليم وتفهيم كه از شان خطبا وعلماست مقتضى اين بود بر گاه در آں وقت چنين نه شده پس دركراهت خطبه غير عربيه كه ادنىٰ مرتبه ضلالت ست. ہيچ شكے نماند. چنانكه دركتاب آكام النفائس فى اداء الأذكار بلسان الفارس مذكور ست. الخطبة بالفارسية التى احدثوها واعتقدوا حسنها ليس الباعث اليها الاعدم فهم العجم اللغة العربية وهذا الباعث قد كان موجود فى عصر خير البرية وان كان فى اشتباه فلا اشتباه فى عصر الصحابة والتابعين ومن تبعهم من الائمة المجتهدين حيث فتحت الامصار الشاسعة والديار الواسعة واسلم اكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الاعجام وحضروا مجالس الجمع والاعياد وغيرها من شعائر الاسلام وقد كان اكثرهم لايعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب احد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث فى تلك الازمنة وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق الا الكراهة التى هى ادنى درجات الضلالة انتهى. الى قول (صـ١٥١) چنانچه ہم درآن كتاب مرقوم است. وقدوردان النبى ﷺ لما فرغ من الخطبة فى بعض الاعياد وظن انها لم تصل الى اذان النساء لبعدهن حضرهن ووعظهن وخطبهن ولم يروولومن رواية الافراد أنه عقدين ألم يكن يفهم العربي مجلساً عليحدة ووعظهم وخطبهم بلغة غير عربية ولا يتوهم انه لم يكن النبى ﷺ يعلم اللغة العجمية وغيرها من اللغات الغير العربية ولو كان علمها لخطب بها لأنا نقول بعد تسليم ذلك ان بعض الصحابة كزيد بن ثابت قد كان يعلم اللسان العجمى والرومى والحبشى وغيرها من الا لسنة كماصرح به فى الاعلام بسيرة النبى ﷺ وغيره من كتب

Marfat.com

الاعلام فلم لم يامره النبى ﷺ بان يخطبهم ويعظهم بالسنتهم وبالجملة فالاحتياج الى الخطبة بغير العربية لتفهيم اصحاب العجمية كان موجودا فى القرون الثلثة ومع ذلك فلم يرو واحد من احد فى تلك الأزمنه وهذا اول دليل على الكراهة انتهى۔

وفى اعلاء السنن(١/١١٣): هذا هو قول أبي حنيفة رحمه الله أولا ثم رجع عنه إلى قولهما، وقال بأن القرآن اسم للفظ والمعنى جميعا لا للمعنى فقط۔ وقال: لا تجوز الصلوة بالعجمية للقادر على العربية، وتجوز للعاجز عنها، قال فى البحر: وهو الحق لأن المفهوم من القرآن باللام انما هو العربي فى عرف الشرع وهو المطلوب من قوله تعالىٰ: ''فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ''۔

وفى كتاب الفقه على مذاهب الاربعة(١/٣٩١،٣٩٢): يشترط لخطبتى الجمعة امور: احدها: أن تتقدما على الصلاة، فلا يحتدبهما إن تاخرتا عنها... ثالثها أن تكون بالعربية على تفصيل فى المذاهب۔

(حاشية نمبر٢): الحنابلة: قالو الا تصح الخطبة بغير العربية إن كان قادراً عليها، فإن عجز عن الاتيان بها أتى بغيرها مما يحسنه، سواء كان القوم عرباً أو غيرهم، لكن الآية التى هى ركن من اركان الخطبتين لا يجوز له ان ينطق بها بغير العربية۔ فيأتى بدلها بأى ذكر شاء بالعربية، فان عجز سكت بقدر قراءة الآية۔

الشافعية: قالوا: يشترط ان تكون اركان الخطبتين باللغة العربية: فلا يكفى غير العربية متى امكن تعلمها، فإن لم يمكن خطب بغيرها، هذا إذا كان القوم عرباً، أما إن كانوا عجماً فإنه لايشترط اداء أركانهما بالعربية مطلقاً، ولو أمكنه تعلمها ماعد الآية، فإنه لابدأن ينطق بها بالعربية، الا اذا عجز عن ذلك، فإنه يأتى بدلها بذكر أو دعاء عربي، فان عجز عن هذا ايضاً فعليه ان يقف بقدر قراءة الآية، ولا يترجم، وأما غير اركان الخطبة فلا يشترط لها العربية بل ذلك سنة۔

المالكية: قالوا: يشترط فى الخطبة ان تكون باللغة العربية، ولو كان القوم عجماً لايعرفونها، فإن لم يوجد فيهم من يحسن اللغة العربية بحيث يودى الخطبة بها سقطت عنهم الجمعة۔

Marfat.com

(۳۵۱) خطبہ میں طہارت شرط نہیں

سوال...... ہمارے امام صاحب کچھ عرصے سے سلسل البول کے مرض میں مبتلا ہیں، اس سال عید کے روز لوگ دور دراز سے انکی تقریر سننے آگئے تو امام صاحب نے کہا کہ میں معذور ہوں لہٰذا نماز انکے بیٹے نے پڑھائی اور انہوں نے صرف خطبہ دیا اب معلوم یہ کرنا ہے کہ معذور شخص خطبہ دے سکتا ہے؟ کیا خطبہ کیلئے طہارت ضروری ہے؟ نیز جو شخص خطبہ دیگا وہی نماز پڑھائیگا یا نہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... خطبہ کیلئے طہارت شرط نہیں بلکہ سنت ہے، اگر کوئی شخص بغیر طہارت کے خطبہ دیدے تو خطبہ تو ہو جائیگا لیکن مکروہ ہوگا، لہٰذا معذور شخص بوجہ کراہت کے صرف تقریر کرلے خطبہ نہ دے بلکہ خطبہ اور نماز کوئی اور پڑھالے نیز خطبہ ایک شخص دے اور نماز دوسرا شخص پڑھادے تو یہ بھی جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ ایک ہی شخص خطبہ بھی دے اور نماز بھی پڑھائے۔

لمافی الهندية (۱/۱۴۶) واما سننها فخمسة عشر احدها الطهارة حتى كرهت للمحدث والجنب۔

وفيه ايضاً (۱/۱۴۷): ولا ينبغى ان يصلى غير الخطيب۔ والله اعلم بالصواب۔

(۳۵۲) خطبہ میں ''السلطان المسلم الخ'' کے الفاظ پڑھنے کی ابتداء اور شرعی حیثیت

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر خطیب خطبہ میں السلطان المسلم ظل الله فی الارض من اهان سلطان الله فی الارض اهانه الله کے الفاظ پڑھتے ہیں تو ایک صاحب کہتے ہیں کہ یہ الفاظ کہیں سے ثابت نہیں، خلفاء راشدین کے بعد کے بادشاہوں کے من گھڑت ہیں، انہوں نے اپنی عزت کرانے کیلئے خطبہ میں ان الفاظ کو شامل کیا ہے، تو اب آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ ان الفاظ کا ثبوت کہاں سے ہے اور کب یہ خطبہ میں شامل کئے گئے نیز آج کل کے دور میں ان کا خطبہ میں پڑھنا کیسا ہے؟ جبکہ موجودہ دور کے حکمران ان کو اپنے حق میں لیتے ہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورتِ مسئولہ میں مذکورہ الفاظ بادشاہوں کے من گھڑت نہیں بلکہ دو مختلف احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔ ہمیں تتبع بسیار کے بعد یہ تو معلوم نہ ہوسکا کہ یہ الفاظ خطبہ میں کب شامل کئے گئے البتہ موجودہ دور میں بھی ان الفاظ حدیث کو خطیب خطبہ میں پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ ظالم اور جابر بادشاہ جس سے دین اسلام کو نقصان اور کفر کو فائدہ ہو رہا ہو تو وہ اس حدیث کا مصداق ہی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ وہ اس حدیث کو اپنے حق میں مراد لے۔ کیونکہ اھانت سے مراد جائز امور میں سلاطین کی نافرمانی کرنا ہے۔ لہٰذا ناجائز امور میں ان کی فرمانبرداری جائز ہی نہیں ہے۔

لما فى الصحيح لمسلم (۲/۱۲۵): عن ابن عمر عن النبى ﷺ انه قال على المرأ المسلم السمع والطاعة فيما أحب وكره الأأن يؤمر بمعصية فاذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة۔

وفى الجامع للإمام الترمذى (۲/۴۲): عن زياد بن كسب العدوى قال كنت مع أبى بكرة تحت منبر

Marfat.com

ابن عامر وهو يخطب وعليه ثياب رقاق فقال ابو بلال انظروا الى اميرنا يلبس ثياب الفساق فقال ابوبكرة اسكت فسمعت رسول الله ﷺ يقول من أهان سلطان الله فى الارض اهانه الله۔

(۳۵۳) دورانِ خطبہ چندے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ کے دوران چندہ مانگنا کیسا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے، مسئلے کو وضاحت سے تحریر فرمائیں۔آپ کی عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب..... جب امام خطبہ شروع کردے تو تمام نمازیوں کو چاہیئے کہ خاموشی کے ساتھ خطبہ سنیں کیونکہ خطبہ سننا واجب ہے اور خطبہ سننے میں خلل ڈالنے والے تمام کاموں سے اجتناب کریں کیونکہ دورانِ خطبہ ایسے کاموں کا کرنا مکروہ ہے۔لہٰذا دورانِ خطبہ چندہ نہ کیا جائے کیونکہ اس سے خطبہ سننے میں خلل ہوگا۔مصالحِ مسجد کیلئے چندہ کرنا ہو تو خطبہ سے پہلے یا نماز کے بعد کیا جائے البتہ اگر لوگوں کا مسجد میں جمع ہونا وقت خطبہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں ممکن نہ ہو، اور مسجد کیلئے چندہ کی بھی اشد ضرورت ہو تو ایسی صورت میں دورانِ خطبہ چندہ کرنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ خطبہ سننے میں مخل نہ ہو۔

لما فی الترمذی(۱/۱۱۴): عن ابي هريرة ان رسول الله ﷺ قال من قال يوم الجمعة والامام يخطب انصت فقد لغا۔

وفی سنن ابی داؤد(۱/۱۵۹): عن ابي الزاهرية قال كنا مع عبد الله بن بسر صاحب النبى ﷺ يوم الجمعة فجاء رجل يتخطى رقاب الناس فقال عبدالله بن بسر جاء رجل يتخطى رقاب الناس يوم الجمعة والنبى ﷺ يخطب فقال له النبى ﷺ إجلس فقد اذيت۔

وفی سنن النسائی(۱/۱۵۸): (باب حث الامام على الصدقة يوم الجمعة فى خطبته) عن عياض بن عبدالله قال سمعت ابا سعيد الخدرى (رضى الله عنه) يقول جاء رجل يوم الجمعة والنبى ﷺ يخطب بهيأة بذّة فقال له رسول الله ﷺ اصليت قال لا قال صل ركعتين وحث الناس على الصدقة فالقوا ثياباً فاعطاه منها ثوبين فلما كانت الجمعة الثانية جاء ورسول الله ﷺ يخطب فحث الناس على الصدقة فالقى احدثوبيه فقال رسول الله ﷺ جاء هذا يوم الجمعة بهيأة بذّة فامرت الناس بالصدقة فالقوا ثياباً فامرت له منها بثوبين ثم جاء الأن فامرت الناس بالصدقة فالقى احدهما فانتهره وقال خذثوبك۔

وفی حاشیته (قوله صل ركعتين) قيل امره ليرى الناس هيئته فيترحمون عليه لكن مقتضى السوال

Marfat.com

بقوله اصليت الخ انه ماقصد بالامر ذلك ثم كلامه ﷺ وكذا كلام المجيب ليس من باب الكلام حالة الخطبة فلا يشمله النهى لان الامام اذا شرع فى الكلام فما بقيت الخطبة تلك الساعة كذا قال السندى قلت والظاهر انه ﷺ امره ليرى الناس هيئته يدل عليه حثه ﷺ بالصدقة۔

(۳۵۴) خطبہ جمعہ کے علاوہ اس سے پہلے کی جانے والی تقریر کی شرعی حیثیت

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جمعہ کے دن بہت سے ملکوں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ پہلے ایک شخص منبر کے علاوہ دوسری جگہ کھڑا ہوکر خطبہ دیتا ہے یہ خطبہ اسلامی احکام کے بجائے عام طور پر وہاں کے مسلمانوں کے مسئلے مسائل پر زیادہ توجہ دیتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ میں دنیاوی باتیں کی جائیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور حضور ﷺ سے لے کر ہمیشہ دنیاوی باتیں بھی مسجدوں میں زیر بحث آتی رہی ہیں جب پہلا شخص تقریر ختم کرتا ہے تو دوسرا شخص جو امام ہوتا ہے وہ بھی خطبہ دیتا ہے اور نماز پڑھاتا ہے یہ عام طور پر امریکہ، کینیڈا اور یورپ وغیرہ میں ہوتا ہے۔ پاکستان میں بھی کسی حد تک یہ طریقہ رائج ہے مگر یہاں عام طور پر امام نہیں بدلتا ہے، شرعی حکم بتا کر ممنون فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً

الجواب بعون الملک الوھاب…… جمعہ کا خطبہ واجبہ اصلاً تو وہی عربی خطبہ ہے جو کہ دوسری اذان کے متصل بعد دیا جاتا ہے اور اسی خطبہ کے متعلق یہ حکم ہے کہ اس میں دنیاوی باتیں اور نماز جائز نہیں ہے البتہ عرب ممالک کے علاوہ دوسرے ممالک میں چونکہ لوگ عربی کو نہیں سمجھتے اور خطبہ کا ایک مقصد وعظ ونصیحت بھی ہے لہٰذا اگر پہلی اذان کے بعد مقامی زبان میں بیان کیا جائے اور وعظ ونصیحت کیا جائے تو یہ جائز ہے جیسا کہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔

لمافى المستدرك على الصحيحين (۱/۱۹۰):أخبرنا أحمد بن سلمان الفقيه۔۔۔۔۔ كان ابوهريرة رضی اللہ عنہ يقوم يوم الجمعة الى جانب المنبر فيطرح اعقاب نعليه فى ذراعيه ثم يقبض على رمانة المنبر يقول قال ابو القاسم ﷺ قال محمد ﷺ قال رسول الله قال الصادق المصدوق ﷺ ثم يقول فى بعض ذلك، ويل للعرب من شرٍ قد اقترب فاذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الامام جلس۔

وفى المصنف لعبدالرزاق(۳/۲۱۹): عبدالرزاق عن معمر عن الزهرى قال اوّل من قصّ تميم الدارى على عهد عمر استأذ نه فى كل جمعة مقاماً فاذن له فكان يقوم قال: ثم استزاده مقاما آخر فزاده، فلما كان عثمان استزاده مقاما آخر فكان يقص فى الجمعة ثلاث مرات قال معمر وسمعت غير الزهرى يقول كان عمر اذا مرّ به وهو يقصّ امر على حلقه السيف۔

Marfat.com

(۳۵۵) جمعہ کی تقریر اگر جمعہ کی سنتوں میں مخل ہو تو سنتوں کو کب ادا کیا جائیگا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک فیکٹری میں کام کرتا ہے اور نماز جمعہ فیکٹری میں واقع جامع مسجد میں ادا کرتا ہے۔ نماز جمعہ اور کھانے کیلئے ایک بجے چھٹی ہو جاتی ہے۔ جبکہ نماز جمعہ کی جماعت ایک بج کر پینتالیس منٹ پر کھڑی ہوتی ہے۔ زید پہلے کھانا کھاتا ہے اور پھر مسجد میں نماز پڑھنے آجاتا ہے۔ اس وقت سوا ایک بج رہا ہوتا ہے یا ایک بج کر بیس منٹ ہو رہے ہوتے ہیں۔ مسجد میں امام صاحب تقریر جمعہ سوا ایک بجے شروع کر چکے ہوتے ہیں۔ اب زید سنتِ جمعہ جب ادا کرتا ہے تو جمعہ کی تقریر سنت میں مخل ہوتی ہے اور سنت پڑھنے میں دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ تو کیا زید سنتِ جمعہ دورانِ تقریر ادا کرے یا بعد جمعہ ادا کرے؟ واضح رہے کہ زید کی ڈیوٹی ٹائم دو بجے پھر شروع ہو جاتی ہے اور بعدِ جمعہ وقت کی تنگی کی وجہ سے سنت ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر تقریر کے بعد سنت پڑھنے کا وقت دیا جاتا ہو، تو تقریر کے بعد سنت ادا کرے، اور یہی طریقہ بہتر ہے۔ اس لئے امام کو چاہیئے کہ تقریر کے بعد سنت ادا کرنے کا وقت دیا کریں ورنہ سنت میں خلل واقع ہونے یا سنت میں تاخیر کی وجہ سے امام گنہگار ہوگا۔ اور مقتدیوں کو چاہیئے کہ اس بات کی اصلاح کریں۔ اور اگر تقریر کے بعد سنت پڑھنے کا وقت نہ ہو تو پھر مسجد سے باہر کسی جگہ میں سنت ادا کرلے تاکہ سنت میں خلل واقع نہ ہو۔ اور اگر ایسی جگہ بھی نہ ہو کہ وہاں آرام سے سنتیں ادا کی جائیں تو پھر سنتیں تقریر کے دوران مسجد ہی میں پڑھی جائیں۔

لمافی الشامیة (۴۷۴/۱): و تارکھا یستوجب اساءۃ: ای التضلیل واللوم: وفی التلویح ترک السنة المؤکدۃ قریب من الحرام، وقد یوفق بأن مرادھم بالکراھه التحریمیة ... قلت: لکن کونه سنة مؤکدۃ لایستلزم الاثم بترکه مرۃ واحدۃ بلاعذر، فیتعین تقیید الترک بالاعتیاد والاصرار توفیقا بین کلامھم۔ کما قدمناہ۔

(۳۵۶) آبادی اور سہولیات کے اعتبار سے دورِ حاضر میں جمعہ کی شرائط

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا بسا اوقات جماعت تبلیغ کا سفر ہوتا ہے اور بعض اوقات سندھ، بلوچستان تشکیل ہوتی ہے۔ وہاں چھوٹی چھوٹی بستیوں میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے۔ جماعت جب وہاں پہنچتی ہے تو اگر کوئی عالم صاحب جماعت میں ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ جمعہ پڑھاؤ۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں تو شرائط ہی پوری نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ

(۱)۔ ہم نے پوچھا ہے مفتیوں سے کہ جہاں پہلے سے (پاک وہند کی تقسیم سے پہلے سے، یا بعد میں بھی) جمعہ شروع ہو چکا ہے وہاں جمعہ بند نہ کیا جائے اور نئی جگہ جہاں شرائط نہ ہوں وہاں شروع نہ کیا جائے۔ گاؤں کے لوگ پورا ہفتہ نمازوں کیلئے نہیں آتے۔ صرف ایک دن جمعہ کے عنوان سے آتے ہیں اگر جمعہ بند ہو گیا تو یہ اس دن بھی نہ آئیں گے۔ اس بہانے چلو مسجد میں آتو جاتے ہیں اور

Marfat.com

خطبہ سے پہلے بیان بھی سن لیتے ہیں شاید کسی کے دل میں بات اتر جائے۔ چلو نمازِ جمعہ نہ ہوتی ہو۔ اگر ظہر پڑھیں تو بھی وہ نہ آئیں گے۔ جمعہ میں فائدہ ہی ہے نا۔ گاؤں والے یہ دلائل بیان کرتے ہیں۔ اس صورت حال میں کہ وہاں جماعت والے کیا کریں ان کو سمجھائیں تو مقامی علماء جن کا فتوی ان کے پاس ہے اس سے ٹکراؤ ہوتا ہے اور اگر پڑھائیں تو کیسے؟ آپ سے راہنمائی طلب کی جاتی ہے۔

(۲)۔ اس دور میں جمعہ کی شرائط آبادی اور سہولیات کے اعتبار سے کیا ہیں؟

(۳)۔ کیا جمعہ کی شرائط میں موجودہ دور میں بھی سلطان اور قاضی کی شرط ہے؟ اگر ہے تو کیسے؟ موجودہ دور میں تو ناظم، نائب ناظم وغیرہ ہوتے ہیں۔

(۴)۔ جمعہ سلطان قائم کرتا ہے جبکہ آجکل تو امام مسجد ہی پڑھاتے ہیں۔ آپ پورے مسئلے کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جمعہ کے درست ہونے کیلئے شہر یا قصبہ ہونا ضروری ہے جس میں تمام حوائج اصلیہ پورے ہوں وہاں گلی کوچے ہوں محلے ہوں، ضروریات ہمیشہ میسر ہوں۔ حکیم یا ڈاکٹر ہو، ڈاکخانہ ہو، حاکم یا پنچایت کا انتظام ہو، ضروری پیشہ ور موجود ہوں۔ مذکورہ سہولیات جتنی تعداد کی آبادی میں میسر ہوں وہاں جمعہ درست ہے تعداد کی متعین مقدار منقول نہیں ہے۔

(۱)۔ لہٰذا جہاں ان شرائط کے فقدان کے باوجود جمعہ شروع کیا گیا وہاں نماز جمعہ ادا نہیں ہوگی بلکہ ظہر کی نماز پڑھنا لازم ہے اور صرف انتشار کے خوف سے یا یہ کہ لوگ پھر مسجد آنا چھوڑ دیں گے خروج عن المذہب درست نہیں بلکہ لوگوں کو حکمت و مصلحت سے سمجھائیں اور ظہر کی نماز پڑھنے کیلئے تیار کریں۔

(۲)۔ اس دور میں جمعہ کی شرائط آبادی اور سہولیات کے اعتبار سے وہی ہیں جو کہ اوپر مذکور ہیں۔

(۳)۔ جمعہ کی شرائط میں سلطان اور قاضی کی جو شرط رکھی گئی تھی وہ رفع منازعت کیلئے تھی لیکن اگر سلطان اور قاضی ان امور میں سستی سے کام لیتے ہیں جیسا کہ آجکل ہے تو پھر لوگ جس امام پر متفق ہو جائیں وہی نماز جمعہ پڑھائے اور سلطان یا قاضی کی اجازت ضروری نہیں۔

(۴)۔ آجکل کے حکمران چونکہ دینی امور میں سستی سے کام لیتے ہیں اور بسا اوقات ان میں امامت کی شرائط نہیں پائی جاتیں لہٰذا امام مسجد ہی نماز جمعہ پڑھائے۔

لما فی احکام القرآن للجصاص(۴۴۵/۲): إتفق فقہاء الأمصار علی أن الجمعة مخصوصة بموضع لایجوز فعلها فی غیره لأنهم مجمعون علی أن الجمعة لاتجوز فی البوادی ومناهل الأعراب فقال أصحابنا هی مخصوصة بالامصار ولاتصح فی السواد... قال أبو بکر روی عن النبی ﷺ أنه قال لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع وروی عن علی مثله وایضاً لو کانت الجمعة جائزة فی القری لو رد النقل به متواترا کوروده فی الأمصار لعموم الحاجة إلیه وایضاً لما اتفقوا علی امتناع جوازها فی البوادی لأنها لیست بمصر وجب مثله فی السواد وروی أنه قیل للحسن أن الحجاج

Marfat.com

أقام الجمعة بالأهواز فقال لعن الله الحجاج يترك الجمعة فی الأمصار ويقيمها فی حلاقيم البلاد۔

وفی الفقه النافع(۱/۲۴۲): لاتصح الجمعة إلا فی مصر جامع للحديث لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحی إلا فی مصر جامع ويجوز فی مصلی المصر لإتصاله به ولا يجوز فی القری ولا تجوز إقامتها إلا للسلطان أو من أمره السلطان لأن كل واحد يتقدم أو يقدم رجلا فيؤدی إلی المنازعة المبطلة للجمعة۔

وفی الشامية(۲/۱۳۸): وعبارة القهستانی تقع فرضاً فی القصبات والقری الكبيرة التی فيها أسواق ... وفيما ذكرنا إشارة إلی أنه لاتجوز فی الصغيرة التی ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما فی المضمرات والظاهر أنه اريدبه الكراهة لكراهة النفل بالجماعة الا تری أن فی الجواهر لوصلوا فی القری لزمهم أداء الظهر۔

وفی الدر المختار مع الشامية(۲/۱۴۳): (ونصب العامة) الخطيب (غير معتبر مع وجود من ذكر) أما مع عدمهم فيجوز للضرورة۔ وفی الشامی تحت (قوله فيجوز للضرورة) ومثله مالومنع السلطان أهل مصر أن يجمعوا إضراراً وتعنتاً فلهم أن يجمعوا علی رجل يصلی بهم الجمعة۔

وفی الشامية تحته: (قوله مالو منع السلطان الخ) ونقل شيخنا عن عقد اللآلی أنه لو تعذر الا ستئذان من السلطان كما فی هذا الزمان من عدم إلتفات السلاطين لمثل تلك الأمور فاجتمعت الناس علی شخص ليصلی بهم جاز۔

(۳۵۷) جمعہ کی نماز کی صحت کیلئے شہر ہونا ضروری ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جمعہ کی نماز کی صحت کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ شہر ہو۔ شہر کی تعریف کیا ہے؟ علامہ شامی رحمہ اللہ نے مسجد میں افراد کے سما جانے کے اعتبار سے شہر ہونے کا قول بھی ذکر کیا ہے کیا یہ قول لینا زیادہ بہتر نہیں؟ اس میں توسیع زیادہ ہے۔ بنسبت دوسری شرائط والے قول کو لینا اس میں تعین مشکل ہوتا ہے۔ ازراہِ کرم جمعہ کے گاؤں میں یا شہر میں احکام اور شہر کے تعین میں راجح قول کا تعین کر دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......احناف کے نزدیک اصح قول کے اعتبار سے شہر اس علاقے کو کہا جائے گا، جہاں پر گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، بازار ہوں جہاں پر ضروریات کی اشیاء ہر وقت میسر ہوں، آس پاس کے دیہات والے بھی ان سے اپنی ضروریات پوری کرتے ہوں ڈاکٹر یا حکیم ہو، ضروری پیشہ ور ہوں حاکم یا پنچائیت کا انتظام ہوتا کہ علاقے والے اپنی مشکلات میں اس کی طرف رجوع کریں۔

Marfat.com

علامہ شامی رحمہ اللہ نے مسجد میں افراد سما جانے کے اعتبار سے شہر ہونے کا قول نقل کیا ہے۔لیکن شرح المنیہ کے حوالے سے صاحب ہدایہ کے قول کی ترجیح نقل کی ہے۔

باقی سوال میں مذکورہ تعریف میں کئی وجوہات سے سقم پایا جاتا ہے۔(۱) مذکورہ قول میں کوئی تعین نہیں ہے کہ وہ مسجد کتنی وسیع ہونی چاہیے۔(۲) اگر اس قول پر عمل کیا جائے تو بہت سارے شہر بھی شہر کی تعریف سے خارج ہوجائیں گے کیونکہ عموماً شہروں کی مساجد نمازیوں کی تعداد سے زیادہ وسیع ہوتی ہیں۔اور بہت سارے دیہات شہر کے حکم میں داخل ہوجائیں گے۔کیونکہ بعض بستیوں میں مساجد بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔تو اس قول پر عمل کرنے کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی بستیوں میں، جہاں پر سو دو سو افراد ہوں وہاں پر تو جمعہ پڑھنا جائز ہوگا اور بڑے بڑے شہروں میں جہاں پر ہزاروں کی تعداد میں نمازی ہوں وہاں پر جمعہ کی ادائیگی درست نہیں ہوگی، جو کہ نزاع کا سبب بن سکتا ہے۔

(۳)۔آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے مبارک دور سے آج تک مسجد نبوی اور مسجد حرام میں جمعہ پڑھایا جارہا ہے۔حالانکہ مذکورہ قول کے اعتبار سے ان مساجد میں بھی جمعہ پڑھنا درست نہیں ہوگا جو کہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔اور اگر صاحب ہدایہؒ کے قول پر عمل کیا جائے تو مذکورہ خرابی لازم نہیں آتی۔جبکہ اس تعریف کی شرائط اور علاقے کی نوعیت دیکھ کر شہر کی تعیین کرنا مشکل بھی نہیں ہے۔

لمافی التاتارخانية، شرائط الجمعه، (۴۹/۲) مکتبه ادارة القرآن: وفی التحفة: وروی عن ابی حنيفة وهو بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولهارساتيق وفيها وال يقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره ويرجع الناس اليه فيما وقع لهم من الحوادث وهذا هو الاصح۔

وفی الشامية ، باب الجمعة، (۱۳۷/۲) (مکتبه سعيد):قوله (وظاهر المذهب إلخ) قال في شرح المنية والحد الصحيح ما اختاره صاحب الهداية أنه الذي له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود وتزييف صدر الشريعة له عند اعتذاره عن صاحب الوقاية حيث اختار الحد المتقدم بظهور التواني في الأحكام مزيف بأن المراد القدرة على إقامتها على ما صرح به في التحفة عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الأصح اه إلا أن صاحب الهداية ترك ذكر السكك والرساتيق لأن الغالب أن الأمير والقاضي الذي شأنه القدرة على تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود لا يكون إلا في بلد كذلك اه قوله (له أمير وقاض) أي مقيمان فلا اعتبار بقاض يأتي أحيانا يسمى قاضي الناحية ولم يذكر المفتي اكتفاء بذكر القاضي لأن القضاء في الصدر الأول كان وظيفة المجتهدين حتى لو لم يكن الوالي والقاضي مفتيا اشترط المفتي كما في الخلاصة۔

Marfat.com

(۳۵۸) گاؤں میں ۴۰، ۵۰ سال سے جاری جمعہ موقوف کرنے پر فتنہ کا اندیشہ ہو تو کیا کرے؟

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا گاؤں صوبہ سرحد ضلع کوہاٹ کے نواح میں پنڈی روڈ پر واقع ہے جس کی آبادی تقریباً 1500 کے لگ بھگ ہے جس میں ضروریات زندگی کیلئے چھ دوکانیں، ایک میڈیکل کلینک، ایک موچی کی اور ساتھ ہی ایک ٹیلرز کی دوکان بھی ہے۔ تین مسجدیں جن میں سے دو میں نمازیں ہوتی ہیں اور ایک بالکل ویران ہے۔ اور گاؤں میں گاڑیوں کی سہولت کے ساتھ فون کی سہولت بھی میسر ہے اور اس کے علاوہ آٹے کی مشینیں بھی موجود ہیں۔ ان تمام سہولتوں کے باوجود اکثر ضروریات زندگی کیلئے شہر جانا پڑتا ہے اور بڑے مریضوں کو شہر لے جایا جاتا ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اس گاؤں میں تقریباً ۴۰۔ ۵۰ سال سے جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں، آیا اس گاؤں میں جمعہ کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے ہوتی ہے یا نہیں؟ بعض مفتیان صاحبان نے عدم جواز کا حکم دیا ہے جبکہ اس کے روکنے میں فتنہ اور فساد کا قوی اندیشہ ہے اس لئے کہ اس گاؤں میں فرقۂ مخالف کے لوگ (یعنی بریلوی حضرات) موجود ہیں اگر اس کو روکا جائے اگرچہ روکنا ممکن نہیں لیکن بالفرض پھر بھی اگر روکا جائے تو فرقۂ مخالف والے اپنی مسجد میں جمعہ شروع کردیں گے جس سے مزید فتنہ اور فساد پھیلنے کا سخت اندیشہ ہے، اس کا خیال رکھتے ہوئے اس مذکورہ مسئلے کا تفصیلی جواب ارسال کر کے احسان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)۔ نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ جگہ جہاں نمازِ جمعہ ادا کی جارہی ہے شہر ہو، اور شہر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں ہزاروں کے لگ بھگ لوگ بستے ہوں، مختلف محلے اور بازار ہوں، ضروریات زندگی کو پورا کرنے کیلئے سہولیات میسر ہوں، لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ اس جگہ پر جہاں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے شہر کی تعریف صادق نہیں آتی جیسا کہ سوال سے واضح ہے۔ اس لئے وہاں جمعہ کی نماز از روئے فقہ حنفی جائز نہیں ہے۔

(۲)......اگر نماز جمعہ کی ادائیگی سے روکنے میں فتنہ وفساد کا قوی اندیشہ ہو تو اس صورت میں حکومتِ وقت یا اُس کے نائب سے اجازت لے کر نمازِ جمعہ کی ادائیگی جائز ہو جائے گی۔

لما فی المصنف لعبد الرزاق(۳/۱۶۷): عن الحارث عن علی قال: لاجمعة ولاتشریق الا فی مصر جامع۔

وفی الدر المختار(۲/۱۳۸):وفی القهستانی: اذن الحاکم ببناء الجامع فی الرستاق اذن بالجمعة اتفاقاً علی ماقاله السرخسی واذا اتصل به الحکم صار مجمعاً علیه فلیحفظ۔

Marfat.com

(۳۵۹) چھوٹی بستی میں قائم نماز جمعہ کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں تقریباً پندرہ بیس سال سے جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے۔جبکہ ہمارے گاؤں کی آبادی تقریباً بالغ افراد ۳۵۰ ہوں گے اور ۱۱۰ گھر ہیں۔اور دو دکانیں ایک پی سی او، ایک میڈیکل اسٹور اور پن چکی ہیں، نیز لڑکوں کا ہائی اسکول اور لڑکیوں کا مڈل اسکول بھی ہے۔اب پوچھنا یہ ہے کہ

(۱)۔کیا مذکورہ گاؤں میں نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲)۔بصورت عدم جواز کیا اس نماز جمعہ کے ادا کرنے سے منع کرنا درست ہے یا منع نہ کیا جائے۔جبکہ اس ممانعت میں لوگوں کے انتشار کا خوف اور اندیشہ ہو۔تو کیا ایسی صورت میں شوافع کے مذہب کے مطابق جواز کا فتویٰ دینا درست ہے یا نہیں؟

(۳)۔بعض حضرات یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کفایت المفتی وغیرہ میں توسع سے کام لیا ہے۔تو کیا اس توسع کو بطور دلیل پیش کرنا درست ہے؟ جبکہ اس صورت میں چند خرابیاں لازم آتی ہیں جیسے کہ احسن الفتاویٰ میں مذکور ہیں۔

۱)نفل کی جماعت کا التزام لازم آتا ہے۔ ۲)نفل نہار میں جہر۔ ۳)۔غیر لازم کا التزام۔ ۴)ترک جماعت نماز ظہر جبکہ جمعہ درست نہ ہو۔ ۵)۔اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فریضہ لازم آتا ہے جو کہ فسق ہے۔

نیز احتیاطاً ظہر اداء کرنا کیسا ہوگا جائز یا ناجائز؟ قرآن وسنت اور فقہ حنفی سے مدلل جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جمعہ کے واجب ہونے کیلئے شہر کا ہونا شرط ہے۔قصبات اور بڑی بستیاں بھی شہر کے حکم میں ہیں۔قصبہ اور بڑی بستی کی فقہاء کرام نے مختلف علامات بیان کی ہیں۔جیسا کہ بدائع میں تفصیل سے مذکور ہیں۔

(۱)۔ صورت مسئولہ میں، چونکہ آپ کے گاؤں میں ان علامات میں سے کوئی علامت موجود نہیں ہے لہٰذا یہ بڑی بستی میں داخل نہیں ہے بلکہ قریہ صغیرہ (چھوٹی بستی) ہے اور چھوٹی بستی میں باتفاق فقہاء احناف جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔لہٰذا مذکورہ گاؤں میں جمعہ ادا کرنا درست نہیں۔البتہ اگر حاکم اجازت دے دے تو پھر جمعہ درست ہوسکتا ہے۔

(۲)۔ بحالت موجودہ، جب جمعہ درست نہیں ہے تو لوگوں کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ نماز جمعہ کے ادا کرنے سے منع کیا جائے۔اس لئے کہ جمعہ کے ادا کرنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہ ہوگی بلکہ ظہر کا ادا کرنا لازم ہوگا۔ایسی صورت میں شوافع کے مذہب کے مطابق جواز کا فتویٰ دینا درست نہیں ہے اس لئے کہ مذہب غیر پر فتویٰ ضرورت شدیدہ کی وجہ سے دیا جاتا ہے اور اس مسئلہ میں حنفیہ کو بمذہب دیگر ائمہ عمل کرنے کی فقہاء نے اجازت نہیں دی۔

(۳)۔ اور کفایت المفتی میں جواز کے بارے میں توسع سے کام لینا حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کی ذاتی رائے اور تفرد ہے۔حضرت کے علاوہ کسی نے بھی جواز کا قول نہیں کیا ہے بلکہ سب عدم جواز کے قائل ہیں۔لہٰذا اس توسع کو بطور دلیل پیش کرنا درست نہیں ہے۔

Marfat.com

رہا احتیاط الظہر کا مسئلہ! تو اس کا پڑھنا وہاں ہوتا ہے جہاں جمعہ کے جواز میں شہر وغیرہ ہونے یا نہ ہونے میں شک واقع ہو جائے اور وہاں کے لوگوں نے جمعہ قائم کرنا شروع کر دیا ہو، جبکہ یہاں پر یہ بات یقینی ہے کہ آپ کا گاؤں شہر یا بڑی بستی نہیں ہے بلکہ چھوٹی بستی ہے لہٰذا ظہر کی نماز ہی پڑھی جائے گی۔

لمافی الفقه النافع (۱/۲۷۴): لاتصح الجمعة الافی مصر جامع للحديث: ((لاجمعة ولا تشريق (ولا فطر ولا اضحی) الافی مصر جامع)) ويجوز فی مصلی المصر لاتصاله به ولا يجوز فی القری۔

وفی بدائع الصنائع(۲/۱۹۰،۱۸۹،۱۸۸): اما المصر الجامع: فشرط وجوب الجمعة، وشرط صحة ادائها عند اصحابنا... فلا تجب علی اهل القری التی ليست من توابع المصر، ولا يصح اداء الجمعة فيها ...(ص۱۸۹) اما المصر الجامع: فقد اختلفت الاقاويل فی تحديده۔ ذكر الكرخی ان المصر الجامع ما اقيمت فيه الحدود، ونفذت فيه الاحكام۔ وعن ابی يوسف روايات، ذكر فی ''الاملاء'': كل مصر فيه منبر وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود، فهو مصر جامع، تجب علی اهله الجمعة۔ وفی رواية: قال: اذا اجتمع فی قرية من لايسعهم مسجد واحد۔ بنی لهم الامام جامعا، ونصب لهم من يصلی بهم الجمعة۔ وفی رواية: ((لو كان فی القرية عشرة آلاف اواكثر۔ امرتهم باقامة الجمعة فيها)) وقال بعض اصحابنا: المصر الجامع مايتعيش فيه كل محترف بحرفته من سنة الی سنة، من غير ان يحتاج الی الانتقال الی حرفة اخری۔ وعن ابی عبدالله البلخی، انه قال: احسن ما قيل فيه: اذا كانوا بحال لو اجتمعوا فی اكبر مساجد هم لم يسعهم ذلك، حتی احتاجوا الی بناء مسجد الجمعة. فهذا مصر تقام فيه الجمعة، وقال سفيان الثوری: المصر الجامع مايعده الناس مصرا عند ذكر الامصار المطلقة۔ وسئل ابو القاسم الصفار عن حد المصر الذی تجوز فيه الجمعة، فقال: ان تكون لهم منعة لوجاء هم عدو قدروا علی دفعه، فحينئذ جاز ان يمصر، وتمصره ان ينصب فيه حاكم عدل يجری فيه حكما من الاحكام، وهو ان يتقدم اليه خصمان فيحكم بينهما و روی عن ابی حنيفة رحمه الله : انه بلدة كبيرة، فيها سكك واسواق، ولهارساتيق، وفيها وال يقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه او علم غيره، والناس يرجعون اليه فی الحوادث، وهو الاصح۔

وفی الدر المختار(۲/۱۳۷):(ويشترط لصحتها) سبعة اشياء: الاول: (المصر وهو مالايسع اكبر مساجده اهله المكلفين بها) وعليه فتوی اكثر الفقهاء مجتبی لظهور التوانی فی الاحكام، وظاهر المذهب انه كل موضع له امير وقاض يقدر علی اقامة الحدود كما حررناه فيما علقناه علی الملتقی۔

Marfat.com

وفی القهستانی: اذن الحاکم ببناء الجامع فی الرستاق اذن بالجمعة اتفاقا علی ماقاله السرخسی واذا اتصل به الحکم صار مجمعا علیه فلیحفظ۔ وقال العلامة ابن عابدین الشامی رحمه الله تحته (قوله وفی القهستانی الخ) تأیید للمتن۔ وعبارة القهستانی تقع فرضافی القصبات والقری الکبیرة التی فیها اسواق قال ابو القاسم: هذا بلا خلاف اذا اذن الوالی او القاضی ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتهد فیه فاذا اتصل به الحکم صار مجمعا علیه، وفیما ذکرنا اشارة الی انه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب کمافی المضمرات والظاهر انه اریدبه الکراهة لکراهة النفل بالجماعة، الاتری ان فی الجواهر لوصلوافی القری لزمهم اداء الظهر الخ۔

وفی الصفحة ۱۴۵ من باب الجمعة: فیصلی بعدها اخر ظهر وکل ذلك خلاف المذهب، فلا یعول علیه کما حرره فی البحر۔ وقال العلامة الشامی تحته (قوله فیصلی بعدها اخرظهر)... وقال فی البحر: انه لا احتیاط فی فعلها لانه العمل باقوی الدلیلین اهـ اقول: وفیه نظر بل هو الاحتیاط بمعنی الخروج عن العهدة بیقین لان جواز التعدد وان کان ارجح واقوی دلیلا، لکن فیه شبهة قویة لان خلافه مروی عن ابی حنیفة ایضا...(ص۱۴۶) نعم ان ادی الی مفسدة لاتفعل جهارا والکلام عند عدمها ولذا قال المقدسی نحن لانامر بذلك امثال هذه العوام بل ندل علیه الخواص ولو بالنسبة الیهم اهـ والله تعالیٰ اعلم۔

(۳۶۰) گاؤں میں نمازِ جمعہ درست نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جواز صلوٰۃ الجمعہ کے بارے میں درج ذیل صفات سے موصوف بستی کان مہترزئی جو کہ پہاڑ کے دامن میں کوئٹہ، ژوب شاہراہ پر واقع ہے بلوچستان کے سردترین علاقوں میں سے ہے اور سردیوں میں کافی برف باری ہوتی ہے۔قریہ ہذا تقریباً ایک مربع کلومیٹر رقبے پر مشتمل ہے۔جن میں کل ۳۹۳ گھر جن میں ۱۶ مساجد ہیں۔اور گاؤں کے وسط میں ایک بڑی پکی مسجد جس کی لمبائی ۹۱ فٹ اور چوڑائی ۴۵ فٹ ہے تعمیر کی گئی ہے۔اوران میں بالغ مرد کی تعداد ۱۴۵۴، بالغ عورتیں ۱۳۷۷، اورنابالغ بچوں کی تعداد ۲۲۸۵ ہے۔کہیں کہیں گھروں میں اتصال اور گلیاں موجود ہیں۔لیکن اکثر جگہوں پر گلیاں اور کوچے نہیں باغات اور زرعی زیر کاشت رقبہ گھروں کے درمیان فاصل بن رہا ہے۔دوتین گھروں کے علاوہ تمام مکانات کچی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔پندرہ سے بیس گھروں کے مکانوں کی چھت سٹیل کی چادر اور باقی مکانوں کی چھت جڑی بوٹیوں کی بنی ہوئی ہے۔ اراضی کے سیرابی باغات کیلئے ایک قدرتی چشمہ بہتا ہے جس کے پانی کے لئے نالیاں بستی کے وسط تک پکی بنائی گئی ہیں۔اور

Marfat.com

اس کے علاوہ دوسو سے زائد ٹیوب ویل سیرابی باغات کیلئے مصروف عمل ہیں۔بستی میں تین دینی مدارس ہیں جن میں مقامی اور باہر کے طلبہ زیر تعلیم ہیں۔لڑکوں کی عصری تعلیم کیلئے ایک ہائی اسکول اور پانچ پرائمری اسکول ہیں۔جبکہ لڑکیوں کیلئے ایک ہائی اسکول اور تین پرائمری گرلز اسکول ہیں۔اور عوام کی سہولت کیلئے ایک ہزار لائن کا ڈیجیٹل سسٹم ایکسچینج ہے جس سے تین سو کے قریب ٹیلیفون کنکشن لگے ہوئے ہیں۔

صحت کیلئے ایک ڈسپنسری بنائی گئی ہے۔جس میں ایک مستند ایم بی ایس ڈاکٹر ایک LHV اور ڈسپنسر کام پر مامور ہیں۔یہاں ڈاکٹر کی رہائش کا انتظام نہیں اس لئے وہ ۲۵ کلومیٹر مسلم باغ سے آتا جاتا ہے۔اور ایمبولینس بھی ساتھ رکھتا ہے لیکن ادویات کے فقدان کی وجہ سے کم لوگ اس سے استفادہ کررہے ہیں۔بستی کے باشندوں کی ضروریات کیلئے آب نوشی سکیم کے تحت تین ٹیوب ویل حکومت کی طرف سے لگے ہوئے ہیں جو کہ اب معطل ہیں۔

بستی کے وسط میں پانچ سے زائد میڈیکل اسٹور ہیں جن میں ڈسپنسر لوگوں کے معمولی علاج معالجے کیلئے کوشش کرتے ہیں۔اور ادویات فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔پانچ دوکانیں گوشت کی اور تقریباً دس سے زائد سبزی فروش موجود ہیں ایک کشیدہ کاری اور پانچ درزی ٹیلرز دس پرچون اسٹورز ہیں جبکہ پانچ سے زائد گیس سلنڈر میں لاکر فروخت کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔کل تقریباً ۲۵ سے زائد دکان جن میں اتصال نہیں علاوہ ازیں بستی میں متفرق جگہوں پر عوام کی ضروریات کیلئے ۱۵ دکانیں اور ایک میڈیکل اسٹور ان میں تین آٹا فروش کی دکان موجود ہے۔جن میں دوسابق راشن ڈیلر رہ چکے ہیں۔لیکن مکمل ضروریات پورا کرنے کیلئے وہ اور بازاروں کا رخ کرتے ہیں۔نیز آہنگر، دوحمام، موٹر سائیکل مرمت، ویلڈنگ، گاڑی مرمت کی دکانیں بھی موجود ہیں۔اور کپڑے کی دو دکانیں بھی موجود ہیں۔اور پیٹرول، ڈیزل کے تقریباً پانچ پمپ موجود ہیں۔اور اس کے ساتھ ایک بیکری اور دو چائے کے ہوٹل مستقل موجود ہیں۔اور تین پی سی او موجود ہیں۔

جنوباً آدھ کلومیٹر کے فاصلے پر قومی شاہراہ گزرتی ہے۔جس پر موسم گرما میں عوام کی ضروریات کیلئے عارضی طور پر کریٹ گودام اور فروٹ کی ترسیلی کمپنیاں کھل جاتی ہیں۔اور ان کے ساتھ ساتھ چند ہوٹل اور تندور بھی کھل جاتے ہیں۔اور یہ چھ مہینے تک تقریباً کھلے رہتے ہیں۔بستی سے ضرورت آمد ورفت قومی شاہراہ سے بستی کی طرف مختلف فاصلوں پر کچی اور پکی سڑکیں جاتی ہیں۔جن میں دو مستقل اور تین سیلاب نہ ہونے کی صورت میں سیلابی ندیاں بطور سڑک استعمال کی جاتی ہیں۔نیشنل ہائی وے پر گاؤں کے زرعی آبادی کے متصل ایک لیویز تھانہ جو مذکورہ گاؤں کے نام سے موسوم ہے (اور پولیس تھانہ نہیں ہے) جو روڈ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ لڑائی جھگڑے کی صورت میں گاؤں میں مداخلت کرتے ہیں اور روڈ کے حفاظت کیلئے ایک اور لیویز چوکی موجود ہے اور یہ حکومت کو مطلع کرتی ہیں اور مذکورہ بستی سے روزانہ ایک بس اور دو ویگن کوئٹہ جاتی ہیں اور متعدد کار اور موٹر قریبی بازاروں میں جاتے ہیں۔البتہ حکومت کی طرف سے عوام کے درمیان کوئی انصاف دار شخصیت نہیں اور اسی گاؤں کے علماء اور ملک وسردار یہ معاملے حل کرتے ہیں یا پچیس کلومیٹر دور بازار جاتے ہیں اور مذکورہ بستی میں ڈاکخانہ نہیں۔دھوبی نہیں اور کسی نام سے موسوم گلی کوچے نہیں البتہ عرف میں کان مہترزئی ایک بڑے گاؤں کے نام

Marfat.com

سے مشہور ہے۔اور آس پاس کے لوگ بھی ضروریات کیلئے رجوع کرتے ہیں۔لیکن حکومت کی طرف سے اس کو شہر یا قصبہ نہیں کہا جاتا۔
بعض پیشے والے لوگ جیسے موچی، لوہار، ترکھان وغیرہ سال بھر کا گزارہ اپنے پیشے پر نہیں کر سکتے اس لئے وہ اور طرح کی محنت میں بھی مشغول ہوتے ہیں۔اور صنعت وحرفت کیلئے بھی کام شروع ہے۔اور مسافر خانہ نہیں، مستقل ہوٹل کھانے کا نہیں، پولیس تھانہ نہیں۔لہٰذا مذکورہ تفصیل کے مطابق بستی مذکورہ کان مہترزئی میں نمازِ جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ بستی کا شمار شرعی قریہ کبریٰ ہے یا صغریٰ؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... جمعہ قائم کرنے کی شرائط میں سے شہر یا بڑی بستی (جس میں گلیاں، عدالت، حکومت کی طرف سے قاضی، مستقل پولیس تھانہ، بازار، محلے، ڈاکخانہ، حکیم یا ڈاکٹر، اور لوگوں کی تمام ضروریات زندگی سہولت کے ساتھ میسر ہوں) کا ہونا ضروری ہے۔ورنہ جمعہ قائم کرنا درست نہیں۔لہٰذا صورت مسئولہ میں بستی کان مہترزئی کا شمار بڑی بستی میں مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر نہیں ہوسکتا اور وہ یہ ہیں کہ (۱) اکثر جگہوں میں گلیاں نہیں ہیں۔(۲) عدالت نہیں ہے۔(۳) حکومت کی طرف سے کوئی قاضی مقرر نہیں ہے۔(۴) مستقل پولیس تھانہ نہیں ہے۔(۵) بازار، محلے، ڈاکخانہ، اور حکیم یا ڈاکٹر اس طور پر نہیں ہیں کہ ان سے لوگوں کی ضروریات سہولت کے ساتھ پوری ہوجائیں نیز ادویات کی فراہمی اور ایمرجنسی سہولیات بھی میسر نہیں ہیں۔اور یہ ساری وجوہات ضرورت اصلیہ میں شامل ہیں۔اسی بناء پر یہاں جمعہ قائم کرنا درست نہیں۔

لما فی مصنف عبدالرزاق (۱۶۷/۳): عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لاجمعۃ ولاتشریق الا فی مصر جامع۔

وفی الفتاویٰ التاتارخانیۃ(۴۹/۲): ظاھر المذھب ان المصر الجامع ان یکون فیہ جماعات الناس وجامع واسواق التجارات وسلطان وقاض یقیم الحدود وینفذ الاحکام... وروی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وھو بلدۃ کبیرۃ فیھا سکک واسواق ولھارساتیق وفیھا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ ویرجع الناس الیہ فیما وقع لھم من الحوادث وھذا ھو الاصح۔

وفی الشامیۃ (۱۳۷/۲): ''قولہ وظاھر المذھب'' قال فی شرح المنیۃ والحد الصحیح ما اختارہ صاحب الھدایۃ انہ الذی لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود .... عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ انہ بلدۃ کبیرۃ فیھا سکک واسواق ولھا رساتیق وفیھا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فیما یقع من الحوادث وھذا ھو الاصح۔

وفیہ ایضاً(۱۳۸/۲): قولہ وفی القھستانی الخ تأیید للمتن وعبارۃ القھستانی تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیھا اسواق قال ابو القاسم: ھذا بلا خلاف اذا اذن الوالی او القاضی ببناء

Marfat.com

المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتهد فیه فاذا اتصل به الحکم صار مجمعا علیه وفیما ذکرنا اشارة الی انه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب کمافی المضمرات والظاهر انه ارید به الکراهة ... الا تری ان فی الجواهر لو صلوا فی القری لزمهم اداء الظهر وهذا اذا لم یتصل به حکم۔ وفی (ص۱۳۹) فقد نص الائمة علی ان الفناء ما اعد لدفن الموتی وحوائج المصر کرکض الخیل والدواب وجمع العساکر والخروج للرمی وغیر ذلك وای موضع یحد بمسافة یسع عساکر مصر ویصلح میدانا للخیل والفرسان ورمی النبل و البندق البارود واختیار المدافع...فظهران التحدیدبحسب الامصار...وقد جزم فیها بصحة الجمعة فی مسجدسبیل علان الذی بناه بعض امراء زمانه وهو فی فناء مصربینه وبینها نحو ثلاثة ارباع فرسخ وشئ۔

وفی الموسوعة الفقهیة(۱۶۱/۳۳): المصر فی اللغة: اسم لکل بلد محصور ای محدود تقام فیها الدور والاسواق والمدارس وغیرها من المرافق العامة ویقسم فیها الفئ والصدقات۔ واختلفوا فی معناها الاصطلاحی، فعن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ: ان المصر بلدة کبیرة فیها سکك واسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه او علم غیره والناس یرجعون فی الحوادث الیه... وقال القلیوبی: المصر العمارة المجتمعة الذی فیه حاکم شرعی وشرطی واسواق للمعاملات والمصر اعظم من القریة۔

(۳۶۱) جس عذر کی وجہ سے نمازِ جمعہ ترک کرنا جائز نہیں

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بجلی وغیرہ کے بل کی آخری تاریخ آجائے اور دن جمعہ کا ہو، اور بل بھرنے کی قطار بھی کافی طویل ہو، اور جمعہ کی نماز پڑھنے جانے کی صورت میں نمبر نکل جانے اور پھر کافی مشقت کا سامنا کرنے کا اندیشہ ہوتو اس عذر کی بنا پر جمعہ کی نماز چھوڑنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز جمعہ ہر اس مسلمان مرد پر فرض ہے جس میں چند شرائط موجود ہوں، آزاد ہونا مقیم ہونا، تندرست ہونا، خوف کا نہ ہونا۔ اس لئے صورت مسئولہ میں نمازِ جمعہ مذکورہ عذر کی وجہ سے چھوڑنا جائز نہیں۔

لمافی الطحطاوی علی الدر(۳۴۵/۱): (قوله فلا یکره) أی صلوة الظهروأما تفویت الجمعة فحرام۔ بحر:

وفی رد المحتار(۱۵۵/۲): (قوله وحرم الخ) عدل عن قول القدوری والکنز وکره لقول ابن الهمام

Marfat.com

لابد من کون المراد حرم لانه ترك الفرض القطعی باتفاقهم الذی هو آکد من الظهر غیر أن الظهر تقع صحیحة وان کان مأمورا بالإعراض عنها۔ وأجاب فی البحر بان الحرام هو ترك السعی المفوت لها. . . (قوله فلا یکره) بل هو فرض علیه لفوات الجمعة قال فی البحر فنفس الصلوة غیر مکروهة وتفویت الجمعة حرام و هو مؤید لما قلنا. یعنی ان الکراهة لیست لذات الصلوة بل لخارج عنها وهو کونها سببا. لتفویت الجمعة بدلیل انه لو صلاها بعد فوت الجمعة لم یکره فعلها بعدها بل یجب۔

(۳۶۲) عذر کی وجہ سے ایک مسجد میں دو مرتبہ نمازِ جمعہ قائم کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک عزیز جو امریکہ میں ہیں ان سے بات ہوتی رہتی ہے۔ انہوں نے میری وساطت سے ایک مسئلہ آپ حضرات سے معلوم کرایا ہے کہ امریکہ، کینیڈا اور دیگر ممالک میں مسجدیں جہاں بہت کم ہیں یا چھوٹی ہیں تو عام طور ان مسجدوں میں نماز دوبارہ ہوتی ہے جو لگ بھگ ایک ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے سے ہوتی ہے ایک مسجد میں دوبارہ نماز جمعہ وخطبہ کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ براہ کرم مسئلہ کا جواب بحوالہ جلد مرحمت فرما کر ممنون ہوں، تا کہ جو لوگ اعتراض کرتے ہیں یا غلط کرتے ہیں وہ صحیح مسئلہ سے واقف ہوں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......جمہور حضرات فقہاء کے نزدیک مسجد کے اندر ایک نماز خواہ وہ جمعہ کی ہو یا کوئی اور اس کی جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔ البتہ اگر کوئی مسجد جو کسی راستے وغیرہ پر واقع ہو یا وہ مسجد ایسی ہو، جس میں امام اور مؤذن مقرر نہ ہوں تو ایسی مساجد میں تکرار جماعت جائز ہے۔

ہاں اگر کوئی ایسا علاقہ ہے جہاں مساجد بہت کم ہیں یا بہت چھوٹی ہیں ان میں ایک ہی مرتبہ جماعت کرنا ممکن نہ ہو، تو ایسی صورت میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ دوسری جماعت کی صورت پہلی جماعت سے کچھ مختلف ہو۔ اس کی صورت یہ ہوگی پہلی جماعت جہاں ہوئی ہے دوسری جماعت اس سے ذرا ہٹ کر ادا کی جائے۔

لمافی بدائع الصنائع (۱/۱۵۳): ولو صلی فی مسجد باذان واقامة هل یکره أن یؤذن ویقام فیه ثانیاً هذا لا یخلو من احد وجهین، اما ان کان مسجداً له اهل معلوم او لم یکن فان کان له أهل معلوم فان صلّی فیه غیرأهله باذان واقامة لا یکره لاهله ان یعید والاذان والاقامة وان صلی فیه أهله باذان واقامة أو بعض اهله یکره لغیر أهله وللباقین من اهله ان یعید والاذان والاقامة۔ وان کان مسجداً لیس له اهله معلوم بان کان علی شوارع الطریق لا یکره تکرار الاذان واقامة۔

Marfat.com

ولنا ما روي عبد الرحمن بن ابي بكرة رضي الله تعالى عنه عن ابيه ان رسول الله ﷺ خرج من بيته ليصلح بين الانصار لتشاجر بينهم فرجع وقد صلى في المسجد بجماعة فدخل رسول الله ﷺ في منزل بعض اهله فجمع اهله فصلى بهم جماعة ولو لم يكره تكرار الجماعة في المسجد لما ترك رسول الله ﷺ مع علمه لفضل الجماعة في المسجد

وروي انس بن مالك رضي الله تعالى عنه ان اصحاب رسول الله ﷺ كانوا اذا فاتتهم جماعة صلوا في المسجد فرادى ولان التكرار يؤدي الى تقليل الجماعة لان الناس اذا علموا انهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون فتكثر الجماعة واذا علموا انها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة وتقليل الجماعة مكروه الخ

وفي الشامية (١/ ٥٥٣): (وتكرار الجماعة) لما روي عبد الرحمن بن ابي بكرة عن ابيه رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله ﷺ خرج من بيته ليصلح بين الانصار فرجع وقد صلى في المسجد بجماعة فدخل رسول الله ﷺ في منزل بعض اهله فجمع اهله فصلى بهم جماعة. ولو لم يكره تكرار الجماعة في المسجد لصلى فيه وروي عن انس رضي الله عنه ان اصحاب رسول الله ﷺ كانوا اذا فاتتهم الجماعة في المسجد صلوا في المسجد فرادى. ولان التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة لان الناس اذا علموا انهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثر والا تأخروا. وحينئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه اهله فانهم يصلون وحدانا وهو ظاهر الرواية الخ وعن ابي يوسف رحمه الله تعالى اذا لم تكن على الهيئة الاولى لا تكره والا تكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في البزازية اهـ وفي التاتارخانية عن الولوالجية. وبه نأخذ فقط

وفيه ايضاً (١/ ٥٥٣): (قوله ويكره) اي تحريما لقول الكافي لا يجوز. والمجمع لا يباح. وشرح الجامع الصغير انه بدعة كما في رسالة السندي (قوله بأذان واقامة الخ) عبارته في الخزائن: اجمع مما هنا ونصبها: يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان واقامة. إلا اذا صلى بهما فيه أولا غير اهله او اهله لكن بمخافتة الاذان. ولو كرر اهله بدونهما او كان مسجد طريق جاز اجماعا. كما في مسجد ليس له امام ولا مؤذن ويصلي الناس فيه فوجا فوجا. فان الافضل ان يصلي كل فريق بأذان واقامة على حدة كما في امالي قاضيخان اهـ

(۳۶۳) عیدین میں سجدہ سہو کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عالم صاحب فرما رہے تھے کہ اگر عیدین کی زائد تکبیرات چھوٹ جائیں تو سجدۂ سہو کرنا لازمی نہیں ہے حالانکہ میں نے سنا ہے کہ تکبیرات واجب ہیں اور واجب کے چھوٹ جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے تو کیا ان عالم کی بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تکبیرات عیدین چونکہ واجب ہیں اس لئے ان کے چھوٹ جانے کی صورت میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے لیکن جمعہ وعیدین میں مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے سجدہ سہو کرنے میں انتشار اور فتنہ کا خدشہ ہوتا ہے اس لئے متاخرین فقہاء کرام کے نزدیک سجدہ سہو کرنا لازم نہیں، اور بظاہر عالم صاحب کی مراد بھی یہی معلوم ہوتی ہے تاہم اگر فتنہ اور انتشار کا خدشہ نہ ہو یا مجمع چھوٹا ہو تو اس صورت میں سجدہ سہو کرنا لازم ہوگا۔

لمافی الهندیة(۱۲۸/۱): ویستوی فی الزیادة والنقصان القلیل والکثیر فقد روی عن الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله اذا سها الإمام عن تکبیرة واحدة فی صلاة العید یسجد للسهوکذا فی الذخیرة السهو فی الجمعة والعیدین والمکتوبة والتطوع واحد إلا أن مشایخنا قالوا لایسجد للسهو فی العیدین والجمعة لئلایقع الناس فی فتنة۔

وفی الدر المختار(۹۲/۲): (والسهو فی صلاة العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء) والمختار عند المتأخرین عدمه فی الأولیین لدفع الفتنة۔

وفی الشامیة(۹۲/۲): (قوله عدمه فی الأولیین) الظاهر ان الجمع الکثیر فیما سواهما کذلك کما بحثه بعضهم وکذا بحثه الرحمتی وقال خصوصاً فی زماننا وفی جمعة حاشیة ابی السعود عن العزمیة انه لیس المراد عدم جوازه بل الاولیٰ ترك لئلا یقع الناس فی فتنة (قوله وبه جزم فی الدرر) لکنه قیده محشیها الوانی بما اذا حضر جمع کثیر وإلا فلا داعی الی الترك۔

(۳۶۴) شافعی امام کے پیچھے نماز عید کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نمازِ عید میں حنفی مذہب کے لوگ شافعی مذہب کے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......حنفی مذہب کے لوگ شافعی مذہب کے امام کے پیچھے نماز عید پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ وہ امام مواضع اختلاف میں حنفی مقتدی کے مذہب کی رعایت کرتا ہو۔

Marfat.com

لمافی الھندیۃ(۱/۸۴): والاقتداء بشافعی المذھب انما یصح اذا کان الامام یتحا می مواضع الخلاف بان یتوضأ من الخارج النجس من غیر السبیلین کالفصد وان لا ینحرف عن القبلۃ انحرافاً فاحشاً... قال الفضلی یصح اقتداء الحنفی فی الوتر بمن یری مذھب أبی یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ۔

وفی الشامیۃ(۲/۷): (قولہ ان لم یتحقق الخ) فلو راہ احتجم ثم غاب فالاصح انہ یصح الاقتداء بہ لانہ یجوز ان یتوضأ احتیاطا وحسن الظن بہ اولی بحر عن الزاھدی (قولہ کما بسطہ فی البحر) حیث ذکر ان الحاصل انہ ان علم الاحتیاط منہ فی مذھبنا فلا کراھۃ فی الاقتداء بہ وان علم عدمہ فلا صحۃ وان لم یعلم شیئاً کرہ۔

(۳۶۵)خواتین کیلئے جمعہ کی نماز پڑھنے کاحکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خواتین جمعے کے دن مسجد میں آکر جمعہ کی نماز پڑھتی ہیں حالانکہ ان پرظہر واجب ہے توانکا جمعہ پڑھنا شرعاً کیسا ہے اوران کی ظہر اس سے ادا ہوجاتی ہے یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....عورتوں کانماز جمعہ کے لئے باہر جانا خوف فتنہ کی وجہ سے ناجائز ہے البتہ اگرانہوں نے نماز جمعہ باجماعت ادا کی توظہر ان سے ساقط ہوجائیگی۔

وفی خلاصۃ الفتاویٰ (۱/۲۱۴): ولا یخرج الشاب من النساء فی جمیع الصلوات واما العجوز فتخرج فی العیدین والفجر والعشاء... وقد ذکرنا الجواب المختار فی زماننا انھن لا یخرجن۔

وفی الھندیۃ (۱/۱۴۵،۱۴۴): لاتجب الجمعۃ علی العبید والنسوان والمسافرین والمرضیٰ کذا فی محیط السرخسی...... ومن لا جمعۃ علیہ ان أدّاھا جاز عن فرض الوقت کذا فی الکنز۔

(۳۶۶)عورتوں کیلئے عیدگاہ جانے کاحکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں چند سالوں سے غیر مقلدین آئے ہوئے ہیں پورے گاؤں کوخراب کررہے ہیں کافی لوگ ان کے چکر میں پھنس گئے ہیں اس مرتبہ انہوں نے اپنی عورتوں کوبھی نمازِ عید پڑھنے کاحکم دیا کہ جس طرح مردوں پرنماز عید واجب ہے اسی طرح عورتوں پربھی واجب ہے اگرعورتیں نماز عید نہیں پڑھیں گی توگناہگار ہوں گی کیا واقعی عورتوں پرنمازِ عید واجب ہے؟اورعورتوں کے نماز عید کیلئے عیدگاہ جانے کاثبوت کسی روایت سے ہے یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....عید کی نماز مردوں پرواجب ہے عورتوں پرعید کی نماز واجب نہیں۔رہی یہ بات کہ عورتوں کاعیدگا

Marfat.com

میں جانا، تو اسلام کے ابتدائی دور میں چونکہ امن تھا اور کوئی فتنے کا خوف نہ تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو مساجد اور عیدگاہ میں جانے کی اجازت دی تھی۔ بخاری وترمذی کی روایت ہے کہ حضرت امّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہمیں عیدگاہ جانے کا حکم دیا گیا۔ لیکن جب فتنوں کا دور بڑھا تو عورتوں کو مساجد جانے سے روک دیا گیا اور گھر میں نماز پڑھنے کی تاکید کی گئی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب عورتوں کو مساجد جانے سے روکا تو عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی تو حضرت عائشہ نے فرمایا اگر حضور علیہ الصلاۃ والسلام یہ جان لیتے جو عمر کو معلوم ہے تو وہ تمہیں نکلنے کی اجازت نہیں دیتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ اگر ان حالات کو پالیتے جو آج عورتوں کے ساتھ پیش آرہے ہیں تو آپ ﷺ ان کو ضرور مسجد جانے سے منع فرمادیتے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں نہ عورتوں پر عید کی نماز واجب ہے اور نہ ہی ان کا عیدگاہ جانا درست ہے۔

لما فی اعلاء السنن(٢٦١/٤): عن امّ سلمة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: صلاة المرأة فی بیتها خیر من صلاتها فی حجرتها، وصلاتها فی حجرتها خیر من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها خیر من صلاتها فی مسجد قومها۔

وفی المحیط البرهانی(٤٨٥/٢): ولیس علی النّساء خروج فی العیدین، وکان یرخّص لهنّ فی ذالک۔ قال: وقال أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ: وامّا الیوم فانّی أکره لهنّ ذلک، وأکره لهنّ شهود الجمعة الخ۔

وفیه ایضاً قال... واعلم بانّ النساء امرن بالقرار فی البیوت، قال الله تعالیٰ ''وقرن فی بیوتکن'' ونهین عن الخروج، قال الله تعالیٰ: ''ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الأولیٰ'' الا انه ابیح لهن الخروج فی الابتداء الی الجماعات، لقوله علیه السلام ''لاتمنعوا إماء الله مساجد الله ولتخرجن اذا خرجن تفلات'' أی غیر متطیبّات، ثم منعن بعد ذلک لمافی خروجهن من الفتنة: قال الله تعالیٰ''ولقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستأخرین'' قیل فی تفسیر الآیة: نزلت فی شان النسوة کان المنافقون یتأخرون حتی یطلعوا علی عورات النساء. فمنعن بعد ذالک۔ وقال النبی علیه الصلاة والسلام ''صلاة المرأة فی دارها أفضل من صلاتها فی مسجد وصلاتها فی بیتها افضل من صلاتها فی دارها)) وعن عمر رضی الله عنه انه نهی النساء عن الخروج إلی المساجد فشکون إلی عائشة رضی الله عنها، فقالت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها: ((لو علم النبی علیه الصلاة والسلام ما علمه عمر ما أذن لکنّ فی الخروج۔

وفی الدر المختار(٥٦٦/١): (ویکره حضورهن الجماعة) ولو لجمعة وعید ووعظ (مطلقا) ولو

Marfat.com

عجوزا لیلا(علی المذہب) المفتی بہ لفساد الزمان۔

وفی الشامی ۔ (قولہ علی المذہب المفتیٰ بہ) أی مذہب المتأخرین۔ قال فی البحر: وقد یقال ہذہ الفتویٰ التی اعتمدہا المتأخرون مخالفۃ لمذہب الامام وصاحبیہ. فانہم نقلوا أن الشّابۃ تمنع مطلقاً اتفاقاً۔

(۳۶۷) تکبیراتِ تشریق مرد اور عورت دونوں پر واجب ہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے حج کے مسائل کی ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ تکبیرات تشریق مردو عورتوں دونوں کو پڑھنا چاہیئے۔اپنے امام صاحب سے جب میں نے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ دراصل اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک صرف مردوں پر ہی ہے۔البتہ آپ کسی مفتی صاحب سے اس اختلاف کو سمجھ لیں اور فتویٰ کس کے قول پر ہے یہ بھی معلوم کرلیں۔آنجناب سے پہلے بھی کئی مسائل کے سلسلے میں رجوع کر چکا ہوں، مہربانی فرما کر اس مسئلے کو بھی واضح اور تفصیل سے لکھ کر دیدیں، نیز فتویٰ کس کے قول پر ہے یہ بھی بتادیں بندہ آپ کا بہت ممنون ہوگا۔

الجواب بعون الملک الوھاب......تکبیراتِ تشریق کس پر واجب ہے؟ اس میں امام اعظم رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے۔امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کی صبح سے عید (دسویں ذی الحجہ) کے عصر تک ایک دفعہ تکبیر تشریق کہنا ہر مرد، عاقل، مقیم، آزاد اور شہر میں رہنے والے پر (جبکہ اس نے نماز، جماعت کے ساتھ پڑھی ہو) واجب ہے۔تو اس قول کے مطابق عورت، بچے، مجنون، مسافر اور دیہات میں رہنے والے پر اور اس شخص پر جس نے نفل نماز یا فرض نماز اکیلے پڑھی ہو، تکبیر تشریق پڑھنا واجب نہیں ہے۔اور صاحبینؒ (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ) کے نزدیک ۹/ ذی الحجہ کی صبح سے ۱۳/ ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز پڑھنے والے پر چاہے جو بھی ہو اور جس جگہ بھی نماز پڑھی ہو، ایک دفعہ تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے۔تو اس قول کے مطابق مرد اور عورت دونوں پر تکبیر تشریق کہنا واجب ہے۔اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

لما فی الدرالمختار(۱۷۹/۲): ووجوبہ (علی امام مقیم) بمصر (و) علی مقتد (مسافر او قروی او امرأۃ) بالتبعیۃ لکن المرأۃ تخافت ویجب علی مقیم اقتدی بمسافر (وقالا بوجوبہ فور کل فرض مطلقا) ولو منفردا او مسافرا او امرأۃ لانہ تبع للمکتوبۃ (الی) عصر الیوم الخامس (آخر ایام التشریق وعلیہ الاعتماد) والعمل والفتوی فی عامۃ الامصار وکافۃ الاعصار۔ الدر المختار وقال ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ تحتہ (قولہ تخافت) لان صوتہا عورۃ کمافی الکافی والتبیین... (قولہ فور کل فرض) بان یاتی بہ بلا فصل یمنع البناء کمامرط (قولہ لانہ تبع للمکتوبۃ) فیجب علی کل من تجب علیہ الصلوۃ المکتوبۃ بحر(قولہ وعلیہ الاعتماد الخ) ہذا بناء علی انہ اذا

Marfat.com

اختلف الامام وصاحباه فالعبرة لقوة الدليل وهو الاصح كمافى اخر الحاوى القدسى اوعلى ان قولهما فى كل مسألة مروى عنه ايضا والافكيف يفتى بقول غير صاحب المذهب۔ وبه اندفع مافى الفتح من ترجيح قوله هنا ورد فتوى المشائخ بقولهما بحر۔

وفى الفقه الاسلامى وادلته(١٣٠٨/٢): فقال الحنفية: يجب على الرجال والنساء تكبير التشريق فى الاصح مرة، وان زاد عليها يكون فضلا، عقب كل فرض عينى بلا فصل يمنع البناء على الصلاة (كالخروج من المسجد او الكلام او الحدث عامدا) ويؤدى بجماعة او منفردا، ولو قضاء، ويكون التكبير للرجال جهرا، وتخافت المرأة بالتكبير، ولا يكبر عقب الوتر وصلاة العيد۔

ومدته: من فجر يوم عرفة الى عصر يوم العيد عند ابى حنيفة، والى صلاة العصر من آخر ايام التشريق عند الصاحبين، وبقولهما يفتى، فهى ثلاث وعشرون صلاة۔

Marfat.com

باب فی تقدیر الاوزان الشرعیة بالمساحة الجدیدة

(شرعی اوزان کی مقدار کا ازسرنو تحقیق کے ساتھ بیان)

(۳۶۸) الاصبع کی تحقیق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری فقہ کی کتب میں پیمائش کے پیمانوں میں سے ایک الاصبع ذکر کیا ہوا ہے آجکل چونکہ جدید پیمانے آچکے ہیں ان قدیم کو کوئی بھی نہیں جانتا حالانکہ اصل مداران جدید پیمانوں کا قدیم پیمانوں ہی کے اوپر ہے تو الاصبع کس پیمانے کا نام ہے اور اس میں کتنے سینٹی میٹر وغیرہ آئیں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ایک ذراع میں چھ قبضہ ہوتا ہے اور ایک قبضہ چار اصبع (انگشت) کا ہوتا ہے۔ اور چار اصبع ۳ انچ کے برابر ہوتے ہیں۔ اور ۳ انچ ۷ء۶۲ سینٹی میٹر کے برابر ہوتا ہے ایک انچ ۲ء۵۴ سینٹی میٹر کے برابر ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک اصبع (انگشت)، ۰ء۷۵ انچ یا ۱ء۹۰۵ سینٹی میٹر کے برابر ہے۔ اور ایک سینٹی میٹر میں ۱۰ ملی میٹر ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے ایک اصبع (انگشت) تقریباً ۹ء۰۵ ملی میٹر ہے۔

لمافی منحة الخالق علی هامش البحر الرائق(۱/۲۴۳): قال صاحبنا ابو العباس احمد شهاب الدین ابن الهائم رحمه الله وإليه یرجع فی هذا الباب البرید اربعة فراسخ والفرسخ ثلثة امیال والمیل الف باع والباع أربعة أذرع والذراع أربعة وعشرون إصبعا والاصبع ست شعیرات مرصوصة بالعرض والشعیر ست شعرات بشعر البرذون۔

وفی الفتاوی الهندیة (۱/۱۸):والمعتبر ذراع الكرباس كذا فی الظهيرية وعليه الفتوی كذا فی الهداية۔ وهو ذراع العامة ست قبضات اربع وعشرون إصبعا كذا فی التبیین۔

وفی الشامیة(۱/۱۹۶): قال فی البحر: وفی الخانية وغيرها ذراع المساحة وهو سبع قبضات فوق كل قبضة اصبع قائمة (الی قوله) وفی البحر أن فی كثیر من الكتب انه ست قبضات ليس فوق كل قبضة اصبع قائمة فهو اربع وعشرون اصبعا بعدد حروف "لا اله الا الله محمد رسول الله" والمراد بالاصبع القائمة ارتفاع الابهام كمافی غاية البيان والمراد بالقبضة اربع أصابع

Marfat.com

مضمومة۔

(۳۶۹) الشبر کی تحقیق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لمبائی کے پیمانوں کے اندر ایک الشبر نامی پیمانہ ہے تو یہ پیمانہ جدید پیمانوں کے لحاظ سے کتنا ہوگا اس میں کتنے سینٹی میٹر وغیرہ آئیں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... ایک ذراع ۱۸/انچ کا ہوتا ہے اور دو''۲''شبر ایک ذراع ہوتا ہے لہٰذا ایک شبر''۹''انچ کا ہوا، اور ایک انچ ڈھائی سینٹی میٹر کا ہوتا ہے لہٰذا ایک شبر تقریباً ۲۳ سینٹی میٹر ہوا، اور ایک سینٹی میٹر دس ملی میٹر ہوتا ہے لہٰذا ایک شبر ۲۳۰ ملی میٹر ہوا۔

لمافی منحة الخالق علی هامش البحرالرائق(۱/۲۴۵،۲۴۳): والمیل ألف باع، والباع اربعة اذرع، والذراع أربعة وعشرون أصبعاً، والاصبع ست شعیرات مرصوصة بالعرض، والشعیر ست شعرات بشعر البرزون... (الی قوله) ...قلت یمکن ان یقال لا خلاف لحمل کلام ابن شجاع علی ان مراده بالذراع ما فیه اصبع قائمة عند کل قبضة فیبلغ ذراعاً ونصفاً بذراع العامة۔

وفی الشامیة(۱/۱۹۶): (قوله وهو سبع قبضات فقط) ای بلااصبع قائمة، وهذا مافی الولوالجیة، وفی البحران فی کثیر من الکتب انه ست قبضات لیس فوق کل قبضة أصبع قائمة. فهو اربع وعشرون أصبعاً بعدد حروف (لا اله الا الله محمد رسول الله) والمراد بالاصبع القائمة ارتفاع الابهام کمافی (غایة البیان) اهـ والمراد بالقبضة أربع أصابع مضمومة نوح، أقول وهو قریب من ذراع الید، لانه ست قبضات وشئی، وذالك شبران۔

(۳۷۰) فرسخ کی تحقیق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اگر کوئی سولہ فرسخ سفر پر جانے کا ارادہ کریگا تو وہ قصر کرے گا مسئلہ یہ ہے آجکل میل اور فرسخ نہیں بلکہ کلومیٹر اور میٹر ہیں۔ تو معلوم یہ کرنا ہے کہ ایک فرسخ میں کتنے کلومیٹر اور کتنے میٹر ہوں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... ایک فرسخ=۳ شرعی میل، ایک میل=۴۰۰۰ ذراع

ایک ذراع ڈیڑھ(۱٫۵) فٹ=۱۸ انچ، ۴۰۰۰ ×۱۸=۷۲۰۰۰ انچ

ایک میٹر=۳۹٫۳۷ انچ، ÷۷۲۰۰۰=۱۸۲۸٫۸۳۵۱ شرعی میل میں میٹر ÷۱۸۲۸٫۸۳۵۱=۱٫۱۳۶۳=۱۸۲۸٫۸۳۵ = شرعی میل

Marfat.com

میں کلومیٹر

ایک فرسخ میں کلومیٹر = ۱٫۸۴۶۱۵۳۸ x ۳ = ۵٫۵۳۸۴۶۱۴ کلومیٹر

لہٰذا اس حساب سے معلوم ہوا کہ ایک فرسخ میں ۵٫۵۳۸۴۶۱۴ کلومیٹر ہوتے ہیں اور ۵۵۳۸٫۴۶۱۴ میٹر ہوتے ہیں۔

ایک فرسخ میں انگریزی میل

ایک انگریزی میل میں فٹ = ۱۷۶۰ x ۳ = ۵۲۸۰ فٹ

ایک انگریزی میل میں انچ = ۵۲۸۰ x ۱۲ = ۶۳۳۶۰ انچ

ایک انگریزی میل میں میٹر = ۶۳۳۶۰ ÷ ۳۹ = ۱۶۲۴٫۶۱۵۴ میٹر

ایک انگریزی میل میں کلومیٹر = ۱۶۲۴٫۶۱۵۴ ÷ ۱۰۰۰ = ۱٫۶۲۴۶۱۵۴ کلومیٹر

ایک فرسخ میں انگریزی کلومیٹر = ۱٫۶۲۴۶۱۵۴ x ۳ = ۴٫۸۷۳۸۴۶۲ کلومیٹر

لہٰذا اس حساب سے معلوم ہوا کہ ایک انگریزی میل کے ایک فرسخ میں ۴٫۸۷۳۸۴۶۲ کلومیٹر ہوتے ہیں اور ۴۸۷۳٫۸۴۶۲ میٹر ہوتے ہیں۔ البتہ آجکل مفتی بہ قول کے مطابق ۴۸ میل انگریزی ۷۷٫۹۸۱۵۳۹ کلومیٹر مقدار سفر شرعی بنتی ہے لہٰذا جو شخص ۴۸ میل انگریزی کی مسافت کے بقدر سفر کرے تو وہ شخص قصر کرے گا۔

لمافی البحر الرائق(۱/۲۴۳): كذا في الصحاح والمغرب والمراد هنا ثلث الفرسخ والفرسخ اثنا عشر ألف خطوة، كل خطوة ذراع ونصف بزراع العامة وهو اربع وعشرون اصبعاً۔

وفی منحة الخالق على هامش البحر(۱/۲۴۳): والفراسخ ثلثة اميال والميل الف باع والباع اربعة اذرع والذراع اربعة وعشرون اصبعاً والاصبع ست شعيرات مرصوصة بالعرض والشعير ست شعرات بشعر البرزون۔

(۳/۷۱) میل کی تحقیق

سوال ...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فقہ کی کتب میں موجود ہے کہ اگر کوئی شخص اڑتالیس میل سفر پر جانے کا ارادہ کرے تو وہ نماز قصر کرے گا آجکل تو میل نہیں کلومیٹر اور میٹر ہیں تو یہ وضاحت فرمادیں کہ ایک میل میں کتنے میٹر اور کلومیٹر ہوں گے اور اڑتالیس میل کے کتنے کلومیٹر اور کتنے میٹر ہوں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب ...... سفر شرعی کی مسافت کی تعیین میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مذاہب مختلف ہیں۔ جن کی تفصیل عمدۃ القاری شرح بخاری وغیرہ میں مذکور ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بھی اس بارے میں روایات مختلف ہیں مگر راجح اور صحیح مذہب امام اعظم کا یہ ہے کہ کسی خاص مقدار کی تحدید میلوں وغیرہ سے نہ کی جاوے بلکہ تین دن تین رات میں جس قدر مسافت

Marfat.com

انسان پیدل چل کر بآسانی طے کر سکے یا اونٹ کی سواری پر بآسانی طے کرے وہ مقدار مسافت سفر شرعی ہے۔ فتح القدیر، عمدۃ القاری، البحر الرائق، درمختار اور شامی وغیرہ سب کا اسی پر اتفاق ہے۔

اس کے برخلاف بعض فقہاء نے فراسخ یا میلوں کی تعیین بھی فرمائی ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ۴۸ میل سے کم میں قصر نہ کرے۔ اور یہی امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے، جبکہ مشائخ حنفیہ میں سے بعض نے اکیس فرسخ جس کے تریسٹھ میل شرعی بنتے ہیں، بعض نے اٹھارہ فرسخ جس کے چون میل بنتے ہیں اور بعض نے پندرہ فرسخ جس کے پینتالیس میل بنتے ہیں مسافت قصر قرار دی ہے، شامی اور بحر نے بحوالہ مجتبیٰ اکثر ائمہ خوارزم کا فتویٰ پندرہ فرسخ کی روایت پر ذکر کیا ہے، اس لئے محققین علماء ہند نے (۴۸) اڑتالیس میل انگریزی کو مسافت قصر قرار دیا ہے اور فقہائے حنفیہ کے اقوال میں سے جو قول ائمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ کا نقل کیا گیا ہے وہ تقریباً اس کے برابر ہے، کیونکہ پندرہ فرسخ کے پینتالیس میل شرعی بنتے ہیں، اور شرعی میل انگریزی میل سے دوسو چالیس گز بڑا ہوتا ہے، اس وجہ سے پینتالیس میل شرعی اڑتالیس میل انگریزی سے کچھ زیادہ متفاوت نہیں، بہ نسبت دیگر اقوال کے کہ ان میں اور پینتالیس میل شرعی میں فرق بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

پینتالیس میل شرعی کے اعتبار سے مسافت قصر کی تفصیل یہ ہے کہ شرعی میل دو ہزار گز انگریزی کا ہوتا ہے اور انگریزی میل سترہ سو ساٹھ گز کا تو گویا کہ شرعی میل انگریزی میل سے دوسو چالیس گز بڑا ہوتا ہے، اس فرق کی وجہ سے اصل مسافت قصر جو کہ پینتالیس میل ہے اور مقرر کردہ مسافت جو کہ اڑتالیس میل ہے، میں فرق کا ہونا ظاہر ہے کہ پینتالیس میل شرعی کے...... ۵۱ء۱۳۶۳۶۴ میل انگریزی بنتے ہیں یعنی اصل مسافت جو شرعاً پینتالیس میل ہے اور مقرر کردہ مسافت میں تقریباً ۳ء۱۳۶۳۶۴ میل کا فرق آتا ہے۔ لیکن اس فرق کے ہوتے ہوئے حالات زمانہ اور چند دیگر ضرورتوں کی بناء پر محققین متاخرین نے اڑتالیس میل انگریزی کو پینتالیس میل شرعی کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ اور یہی قول مفتی بہ ہے۔ پھر جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ سفر شرعی اڑتالیس میل انگریزی کے حساب سے بنتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس کے میٹر اور کلومیٹر کی تفصیل ذکر کرتے ہیں۔

ایک ذراع شرعی = ۱۸ انچ، ایک فٹ = ۱۲ انچ

ذراع انگریزی = ۳۶ انچ، ایک میٹر = ۳۹ انچ

ایک کلومیٹر = ۱۰۰۰ میٹر

۱۷۶۰ گز شرعی = ۲×۳۵۲۰ گز انگریزی

۱۳۵۲۰×۱۵ء = ۵۲۸۰ فٹ

۵۲۸۰ فٹ = ۱۲×۶۳۳۶۰ انچ

۶۳۳۶۰÷۳۹ = ۱۶۲۴ء۶۱۵۴ میٹر

۱۶۲۴ء۶۱۵۴÷۱۰۰۰ = ۱ء۶۲۴۶۱۵۴ کلومیٹر

Marfat.com

۱ء۶۲۴۶۱۵۴x ۴۸= ۷۷ء۹۸۱۵۳۹ کلومیٹر

اس تفصیل سے ہمیں معلوم ہوا کہ ایک میل میں ۱۶۲۴ء۶۱۵۴ میٹر اور ۱ء۶۲۴۶۱۵۴ کلومیٹر ہوتے ہیں اور ۴۸ میل میں ۷۷۹۸۱ء۵۳۹ میٹر اور ۷۷ء۹۸۱۵۳۹ کلومیٹر ہوتے ہیں۔

لمافی البحر الرائق(۱/۲۴۳): المیل فی کلام العرب منتهی مدالبصر، وقیل للاعلام المبنیة فی طریق مكة امیال، لانها بنیت علی مقادیر منتهی البصر كذا فی الصحاح والمغرب، والمرادهنا ثلث الفرسخ والفرسخ اثنا عشر الف خطوة كل خطوة ذراع ونصف بذراع العامة وهو اربع وعشرون اصبعاً۔

وفی الهندیة(۱/۲۷): وأقرب الاقوال أن المیل وهو ثلث الفرسخ اربعة آلاف ذراع طول كل ذراع اربع وعشرون اصبعاً، وعرض كل اصبع ست حبات شعیر ملصقة ظهر البطن۔

وفی الشامیة مع الدر (۱/۲۳۳): فی الدر من عجز عن استعمال الماء لبعده میلاً اربعة آلاف ذراع۔ وقال ابن عابدین رحمه الله قوله اربعة آلاف ذراع الخ كذا فی الزیلعی والنهر والجوهرة، وقال فی الحلیة انه المشهور كما نقله غیر واحد منهم السروجی فی غایته، وفی شرح العینی ومسكین و البحر عن الینابیع انه اربعة آلاف خطوة، قال الرملی والاول هو المعول علیه۔

(۴۷۰۲) برید کی تحقیق

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مصنف عبدالرزاق (۲/۵۲۵) میں ذکر ہے کہ چار برید سفر کرنے سے قصر کے احکام لاگو ہوں گے اور ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے اب الجھن یہ ہے کہ آجکل نہ برید ہیں نہ فرسخ بلکہ کلومیٹر یا میٹر ہیں، تو اب یہ بتایئے گا کہ ایک برید کتنے کلومیٹر اور کتنے میٹر کا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب..... ایک برید میں ۴ فرسخ ہوتے ہیں ایک فرسخ ۳ میل کا ہوتا ہے تو ایک برید میں ۱۲ میل ہوں گے پھر ایک میل میں ۴۰۰۰ ذراع ہوتے ہیں، ایک ذراع میں ۱۸/انچ ہوتے ہیں، اس لحاظ سے ایک میل میں ۷۲۰۰۰/انچ ہوں گے اور ایک میٹر میں ۳۹/انچ ہوتے ہیں اس اعتبار سے ایک میل میں ۱۸۴۶ء۱۵۳۸ میٹر جو ۱ء۸۴۶۱۵۳۸ کلومیٹر کے برابر ہوگا اور جب ایک برید میں ۱۲ میل ہوتے ہیں تو ایک برید ۲۲۱۵۳ء۸۴۶۱۵ میٹر کا اور ۲۲ء۱۵۳۸۴۶۱۵ کلومیٹر کا ہوگا۔

لمافی البخاری (۱/۱۴۷): وسمی النبی ﷺ السفر یوما ولیلة وكان ابن عمروابن عباس یقصران ویفطران فی اربعة برد وهو ستة عشر فرسخاً۔

وفی الهندیة(۱/۲۷): واقرب الاقوال ان المیل وهو ثلث الفرسخ اربعة الاف ذراع طول كل

Marfat.com

ذراع اربع وعشرون اصبعا وعرض کل اصبع ست حبات شعیر ملصقة ظهر البطن۔

وفی منحة الخالق بهامش البحر الرائق(۱/۲۴۴.۲۴۳): البرید اربعة فراسخ والفراسخ ثلثة امیال والمیل الف باع والباع اربعة اذرع والذراع اربعة وعشرون اصبعا والاصبع ست شعیرات مرصوصة بالعرض والشعیر ست شعرات بشعر البرزون

ان البرید من الفراسخ اربع ولفرسخ فثلاث امیال ضعوا

والمیل الف ای من الباعات قل والباع اربع اذرع تتبع

ثم الذراع من الاصابع اربع فی بعدها العشرون ثم الاصبع

ست شعیرات فظهر شعیرة منها الی بطن لاخری توضع

ثم الشعیرة ست شعیرات فقل من شعر بغل لیس فیها مدفع

(۳۷۳) مرحلہ کی تحقیق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری کتابوں میں سفر کے مسائل میں مراحل کا لفظ آتا رہتا ہے تو معلوم یہ کرنا ہے کہ ایک مرحلہ کتنا ہوتا ہے اور آجکل کے لحاظ سے میٹر اور کلومیٹر کے لحاظ سے کتنا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......مرحلہ کہتے ہیں ایک دن میں طے کردہ فاصلے کو اور عموماً ایک دن میں آدمی درمیانی رفتار میں پانچ فرسخ طے کرسکتا ہے۔ اور ایک فرسخ تین (۳) میل شرعی بنتا ہے۔ اور پانچ فرسخ پندرہ (۱۵) میل شرعی بنتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے ایک مرحلہ پندرہ (۱۵) میل شرعی بنتا ہے اور آجکل کے لحاظ سے ایک مرحلہ ۲۷٫۶۹۲ کلومیٹر یا ۲۷۶۹۲ میٹر۔ لہٰذا اس اعتبار سے تین مراحل میں ۴۵ میل شرعی۔ ۸۳۰۷۶ میٹر اور ۸۳٫۰۷۶ کلومیٹر بنتے ہیں۔ البتہ آجکل مفتی بہ قول کے مطابق ۴۸ میل انگریزی ۷۷٫۲۴۹۸۱۵۳۹ کلومیٹر مقدار سفر شرعی بنتی ہے۔

مرحلہ کی تحقیق......

ایک مرحلہ = ۵ فرسخ

ایک فرسخ = ۳ میل شرعی

ایک میل شرعی = ۴۰۰۰ گز اور ایک گز = ڈیڑھ فٹ یا ۱۸/انچ۔

ایک میل شرعی میں فٹ = (۴۰۰۰ × ۱۸ = ۷۲۰۰۰ (انچ) ۱۲÷ = ۶۰۰۰ فٹ)

ایک میل شرعی میں ۶۰۰۰ فٹ ہوتے ہیں

ایک میل شرعی میں میٹر (۶۰۰۰ ÷ ۳٫۲۵ = ۱۸۴۶٫۱۵۳۸ میٹر

Marfat.com

ایک میل شرعی میں کلومیٹر (۱۰۰۰÷۱۸۴۶٫۱۵۳۸)=۱٫۸۴۶ کلومیٹر

تین میل شرعی (ایک فرسخ) میں فٹ =۶۰۰۰×۳=۱۸۰۰۰ فٹ

تین میل شرعی (ایک فرسخ) میں میٹر (۳ x ۱۸۴۶٫۱۵۳۸)=۵۵۳۸٫۴۶۱۴ میٹر

تین میل شرعی (ایک فرسخ) میں کلومیٹر (۱۰۰۰÷۵۵۳۸٫۴۶۱۴)=۵٫۵۳۸ کلومیٹر

تین مراحل =۱۵ فرسخ =۴۵ میل شرعی

تین مراحل میں میٹر (۴۵ x ۱۸۴۶٫۱۵۳۸)=۸۳۰۷۶٫۹۲۱ میٹر

تین مراحل میں کلومیٹر (۱۰۰۰÷۸۳۰۷۶٫۹۲۱)=۸۳٫۰۷۶ کلومیٹر

میل انگریزی کے حساب سے ایک مرحلہ میں ۱۶ میل انگریزی =۲۵٫۷۴۸ کلومیٹر اور ۲۵۷۴۸ میٹر بنتے ہیں۔

تین مراحل میں ۴۸ میل انگریزی ۷۷٫۲۴۵۹۸۱۵۳۹ کلومیٹر ۷۷۲۴۵۹۸۱ ،۵۳۹ میٹر بنتے ہیں۔

میل انگریزی اور میل شرعی میں فرق

میل انگریزی میل شرعی سے ۷۲۰ فٹ، ۲۴۰ گز چھوٹا ہوتا ہے۔

وجہ فرق = اسلئے کہ میل شرعی ۴۰۰۰ گز شرعی =۶۰۰۰ فٹ کا ہوتا ہے۔ جبکہ میل انگریزی ۱۷۶۰/ گز انگریزی =5280 فٹ کا ہوتا ہے۔

میل شرعی اور میل انگریزی میں اس طور پر فرق اس لئے آرہا ہے کہ میل شرعی ۴۰۰۰ گز شرعی کا ہوتا ہے اور ایک گز ۱۸/ انچ کا ہوتا ہے۔ اور میل انگریزی ۱۷۶۰/ گز انگریزی کا ہوتا ہے اور ایک گز انگریزی ۳۶/ انچ کا ہوتا ہے فرق معلوم کرنے کے لئے میل شرعی کے گز کو انگریزی گز میں تبدیل کر دیا تو میل شرعی انگریزی گز کے اعتبار سے ۲۰۰۰/ انگریزی گز کا ہوگا، اور میل انگریزی ۱۷۶۰/ گز انگریزی کا ہوتا ہے لہٰذا ۲۰۰۰ میں سے ۱۷۶۰ نفی کیا تو ۲۴۰ گز کا فرق آیا تو اس سے معلوم ہوا کہ میل انگریزی میل شرعی سے ۲۴۰ گز چھوٹا ہوتا ہے۔

لمافی معجم لغة الفقهاء (ص۴۲۱): المرحلة: بفتح الميم، مسيرة نهار بسيرا لابل المحملة وقدرها أربعة وعشرون ميلا هاشميا، او ثمانية فراسخ او ۴۴۳۵۲ متراً- وفيه ايضاً (ص۴۷۰) الميل بالكسر جمعه اميال: مقدار مد البصر الميل الشرعي الهاشمي الف باع والباع قدر مد اليدين ۴۰۰۰ ذراعاً = ۱۸۴۸ مترا...

وفی الهندية (۱۳۸/۱): أقل مسافة تتغير فيها الاحكام مسيرة ثلاثة ايام... وهل يشترط سير كل يوم الى الليل اختلفوا فيه الصحيح انه لا يشترط حتى لو بكر فى اليوم الاول ومشى الى الزوال وبلغ المرحلة ونزل وبات فيها ثم بكر فى اليوم الثانى كذلك ثم فى اليوم الثالث كذلك يصير

Marfat.com

مسافرا كذا فى السراج الوهاج ولا معتبر بالفراسخ هو الصحيح كذا فى الهداية۔

وفى الشامية(٢/١٢٢): (قوله ولا يشترط الخ) إذلا بد للمسافر من النزول للأكل والشرب والصلاة ولأكثر النهار حكم كله فإن المسافر إذا بكر فى اليوم الاول وسار الى وقت الزوال حتى بلغ المرحلة فنزل بها للاستراحة وبات بها ثم بكر فى اليوم الثانى وسار الى ما بعد الزوال ونزل ثم بكر فى اليوم الثالث ومشى الى الزوال فبلغ المقصد قال شمس الأئمة السرخسى الصحيح أنه يصير مسافراً عند النية كما فى الجوهرة۔

وفيه ايضاً(صـ١٢٣): قال فى النهاية۔ اى التقدير بثلاث مراحل قريب من التقدير بثلاثة أيام لأن المعتاد من السير فى كل يوم مرحلة واحدة خصوصاً فى أقصر ايام السنة كذا فى المبسوط وكذا مافى الفتح من أنه قيل يقدر بأحد وعشرين فرسخا وقيل بثمانية عشر وقيل بخمسة عشر وكل من قدر منها اعتقدانه مسيرة ثلاثة ايام۔ اى بناء على اختلاف البلدان فكل قائل قدّر مافى بلده من أقصر الأيام او بناء على اعتبار أقصر الأيام أو أطولها أو المعتدل منها وعلى كل فهو صريح بأن المراد بالأيام ما تقطع فيها المراحل المعتادة فافهم... (قوله ولا اعتبار بالفراسخ) الفرسخ ثلاثة أميال، والميل أربعة الأف ذراع... (قوله على المذهب) لأن المذكور فى ظاهر الرواية اعتبار ثلاثة أيام كما فى الحلية وقال فى الهداية هو الصحيح احترازا عن قول عامة المشايخ من تقديرها بالفراسخ۔

ثم اختلفوا فقيل: أحد وعشرون، وقيل ثمانية عشر وقيل خمسة عشر. والفتوى على الثانى لأنه الأوسط وفى المجتبى فتوى أئمة خوارزم على الثالث وجه الصحيح أن الفراسخ تختلف باختلاف الطريق فى السهل والجبل والبر والبحر بخلاف المراحل معراج۔

Marfat.com

فصل فی المسائل المتفرقة المتعلقة بالصلاة

(نماز کے متفرق مسائل کا بیان)

(۳۷۴) فریضۂ صلوۃ قرض ہے یا فرض؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کا قرض ہے یا فرض؟ میرے ایک دوست فرماتے ہیں کہ قرض ہے؟ آپ صحیح بات کی طرف ہماری رہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... پانچوں نمازیں ہر ''عاقل، بالغ، مسلمان مرد وعورت'' پر ان کے اوقات مقررہ میں ادا کرنا قرآن وحدیث اور اجماع امت کی رو سے فرض عین ہے قرض نہیں۔

اس لئے کہ قرض کہا جاتا ہے کسی دوسرے کو مال دینا اس شرط پر کہ قرض دار وہ مال قرض خواہ کو واپس لوٹائے گا جہاں تک آپ کے دوست کا کہنا ہے کہ فریضہ صلوۃ ''قرض'' ہے، تو یہ اس صورت پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ مقصود لزوم ادائیگی ہو۔ اور عام طور پر مراد بھی یہی ہوتی ہے کہ جس طرح ادائیگی قرض بہر صورت ضروری ہے، ایسے ہی ادائیگی فرض بھی ضروری ہے۔ تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز فرض نہیں۔

لمافی الهندية(۱/۵۰): الصلاة فريضة محكمة لايسع تركها ويكفر جاحدها كذا فی الخلاصة۔

وفی المعجم الوسيط (ص ۷۲۷): ''القرض'' ماتعطيه غيرك من مال على ان يرده اليك ------ ''ج'' قروض۔

(۳۷۵) فقہاء نے ''نماز کے ارکان وشرائط'' کے اعتبار سے جو تقسیم فرمائی ہے اس کا مقصد

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فقہاء نے جو تقسیم فرمائی ہے نماز کے ارکان وشرائط کے اعتبار سے اس کا کیا مقصد ہے، آیا نماز کی صحت کیلئے ضروری ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ مراقی الفلاح والے کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا: ويشترط التحريمة وليست ركناًوعليه عامة المشايخ المحققين على الصحيح... (ص ۱۷۴ باب شروط الصلوۃ)

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......فقہاء نے جو تقسیم کی ہے اس کا مقصد نماز کے ''ارکان اور شرائط'' کے درمیان فرق کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ ''شرط'' وہ عمل ہے کہ خارج نماز اس کو پورا کرنا صحت نماز کیلئے ضروری ہے اور ''رکن'' وہ عمل ہے کہ نماز کے اندر اس کو انجام دینا صحت نماز کیلئے ضروری ہے دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ شرط، نماز کا جز اور حصہ نہیں ہوتی بلکہ نماز سے الگ اور باہر جداگانہ عمل ہے جیسے نماز کیلئے وضو شرط ہے۔''نماز'' اور ''وضو'' دونوں الگ الگ عمل ہیں۔جبکہ نماز کا ''رکن'' خود نماز کا ایک جزء ہوتا ہے جیسے ''رکوع'' ''سجود'' نماز کے ''ارکان'' ہیں البتہ حکماً دونوں فرض ہیں چنانچہ اگر کوئی آدمی ان میں سے ایک کو بھی انجام نہ دے تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔اور مراقی الفلاح کی عبارت کا مقصد یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ عندالاحناف شروط میں سے ہے کیونکہ خارج نماز ادا ہو جاتی ہے۔

لمافی الحلبی (ص۱۲): ثم اعلم بان للصلوۃ شرائط جمع شریطۃ بمعنی الشرط وھو فی اللغۃ العلامۃ اللازمۃ وفی الشرع مایتعلق بہ الوجود دون الوجوب والثبوت قبلھا صفۃ موضحۃ وبیان للواقع اذ شرط الشی لا یکون فیہ ولا بعدہ وانما یکون قبلہ... واعلم ان للصلوۃ ارکانا جمع رکن وھو فی اللغۃ الجانب الاقوی و فی الاصطلاح الجزء الذاتی الذی تترکب الماھیۃ منہ ومن غیرہ۔

وفی المراقی(۱/۱۶۶): شروط جمع شرط... وفی الشریعۃ ھو مایتوقف علی وجودہ الشی. وھو خارج عن ماھیتہ، والارکان جمع رکن: وھو فی اللغۃ...الجانب الاقوی وفی الاصطلاح الجزء الذاتی الذی تترکب الماھیۃ منہ ومن غیرہ۔

وفی الھندیۃ(۱/۶۸): الفصل الاول فی فرائض الصلوۃ وھی ست منھا التحریمۃ، وھی شرط عندنا حتی ان من یحرم للفرائض کان لہ ان یودی بھا التطوع۔

وفی الدر المختار مع الشامیۃ (۱/۴۴۲): (من فرائضھا) التی لا تصح بدونھا (التحریمۃ) قائماً (وھی شرط)

وفی الشامیۃ تحتہ: (قولہ من فرائضھا) جمع فریضۃ اعم من الرکن الداخل الماھیۃ والشرط الخارج عنھا ... (قولہ وھی شرط) وانما لم یذکرھا مع الشروط المارۃ لاتصالھا بھا بمنزلۃ الباب للدار ... (قولہ بہ یفتی)، الضمیر راجع الی الحکم علیھا بالشرطیۃ۔

(۳۷۶) فرض نماز پڑھتے ہوئے یاد آئے کہ میں پہلے یہ نماز پڑھ چکا ہوں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص عشاء کی فرض نماز پڑھ کر بھول جائے اور رات گئے دوبارہ نماز پڑھنے کے ارادے سے کھڑا ہو اور ایک رکعت پڑھنے پر یاد آئے کے میں تو نماز اور وتر سب پڑھ چکا ہوں تو اسے

Marfat.com

۱)۔کیا کرنا چاہیے؟

۲)۔ہمارے دوست کے ساتھ ایسا ہوا تو اس نے دوسری رکعت میں اپنی نیت فرض سے نفل کی کرلی اور دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیئے کیا اس نے صحیح کیا؟

نیز دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص قسم کھاتا ہے کہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا پھر جھوٹ بولتا ہے تو اس پر کفارہ آئے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً......(۱)۔صورت مسئولہ میں یاد آنے پر نماز کو ختم کردینا جائز ہے البتہ چونکہ حقیقتاً اس کے لیے یہ نماز نفل ہے لہٰذا اگر تکمیل کرلے تو بہتر ہے۔تکمیل کی صورت میں دو رکعت اور چار رکعت دونوں کا اختیار ہے۔

(۲)۔صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص جھوٹ نہ بولنے کی قسم کھا کر اگر جھوٹ بولے گا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

لمافی الهندية (۵۶/۲) الباب الثانی فیما یکون یمینا الخ: اذا حلف الرجل علی امر لا یفعله ابدا ......ثم فعله كانت عليه كفارة۔

وفی الشامية (۳۰/۲) باب الوتر والنوافل: قوله (أو في صلاة ظان) معطوف على قوله متنفلا فهو مستثنى أيضا وصورته كما في التاترخانية عن العيون برواية ابن سماعة عن محمد بن الحسن قال رجل افتتح الظهر وهو يظن أنه لم يصلها فدخل رجل في صلاته يريد به التطوع ثم تذكر الإمام أنه ليس عليه الظهر فرفض صلاته فلا شيء عليه ولا على من اقتدى به

(۳۷۷)حرم سے باہر سمت قبلہ کا تعین

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل مسجد حرام کے باہر سمت قبلہ کا تعین کیسے کیا جائے جبکہ اونچی اونچی عمارتیں حائل ہیں برائے مہربانی مسئلہ کی پوری وضاحت فرمادیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب......کعبہ اگر نمازی کے سامنے ہو تو عینِ قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے البتہ اگر نمازی ایسی جگہ پر ہو جہاں قبلہ نظروں کے سامنے نہ ہو تو جہت قبلہ کا رخ کرلینا کافی ہے لیکن اگر قبلہ نمازی کی نظروں کے سامنے نہ ہو اور سمت قبلہ کے بارے میں بھی شبہ ہوجائے تو وہ مقامی لوگوں سے دریافت کریگا،اگر کوئی شخص ایسا نہ ملے جو اسے سمت قبلہ بتاسکے تو غور وفکر کرکے جس طرف بھی غالب گمان ہوجائے اسی طرف رخ کرکے نماز ادا کریگا۔

لمافی محیط البرهانی (۲۱/۲):وكل من كان بحضرة الكعبة يجب عليه اصابة عينها ومن كان غائبا عنها ففرضه جهة الكعبة لا عينها وهذا قول الشيخ الامام ابی الحسن الكرخی والشيخ الامام ابوبكر الرازی لانه ليس فی وسعه سوی ذالك والتكليف بحسب الوسع۔

وفی الهندية (۶۴/۱): وان اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسئله عنها اجتهد وصلى كذافی

Marfat.com

الھدایة ... واذاکان بحضرته من یسئله عنها وھومن اھل المکان عالم بالقبلة فلا یجوزله التحری۔

(۳۷۸)مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے

سوال......ایک شخص اللہ کے راستہ میں (مراد اس سے دعوت وتبلیغ ہے) نماز پڑھتا ہے جبکہ دوسرا وہ شخص ہے جو مسجد حرام میں نماز پڑھتا ہے، ان دونوں میں کس کو زیادہ ثواب ملے گا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جواب کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھئے کہ حضرات مفسرین نے، فی سبیل اللہ، میں تبلیغ کے علاوہ اور بھی بہت سے امور داخل کئے ہیں جیسا کہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب قدس اللہ سرہ نے تفسیر مظہری (۲/۲۱۱) میں لکھا ہے کہ، طلبِ علم، جہاد، اطاعت، تقوی کیلئے نکلنا اور اسی طرح رزق حلال کے حصول کیلئے نکلنا یہ سب، فی سبیل اللہ میں داخل ہیں جبکہ بعض حضرات اسکے استعمال میں غلطی کر جاتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں نکلنے کو صرف تبلیغ کیساتھ خاص کرتے ہیں حالانکہ اسکے علاوہ اور نیک کاموں میں نکلنے والے بھی اللہ کے راستہ میں نکلنے والے ہیں۔ اب جواب کو سمجھ لیجئے کہ اللہ کے راستہ میں عبادت کرنا تو بہت ہی سعادتمندی کی بات ہے احادیث میں اسکے متعلق بہت فضائل مروی ہیں لیکن جو شخص مسجدِ حرام میں نماز پڑھتا ہو تو ظاہر ہے کہ اسکا ثواب سب سے بڑھ کر ہے بلکہ مسجدِ نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام میں نماز پڑھنے سے بھی افضل ہے۔

لمافی الشامیة(۱/۶۵۸):وفی تسهیل المقاصد للعلامة احمدبن العماد: ان افضل المساجد الارض الکعبة لان اول بیت وضع للناس ثم المسجدالمحیط بها لانه اقدم مسجد بمکة ثم مسجد المدینة لقوله ﷺ صلاة فی مسجدی هذا تعدل الف صلاة فیماسواه الا المسجدالحرام۔

(۳۷۹)نماز کا پڑھنا ہی اخلاق کی درستگی کا سبب ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مفتی صاحب میں ابھی جماعت کے ساتھ چلہ لگا کر آیا ہوں اللہ کے فضل سے تمام اعمال میں جڑتا ہوں ہماری مسجد میں بدھ کے دن گشت ہوتا ہے ہم باہر گئے تو ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو بظاہر نیک دیندار معلوم ہوتے تھے ہم نے ان سے بات کی تو فرمانے لگے پہلے اخلاق کی درستی ہونی چاہیے پھر نماز پڑھنی چاہیے، سارے ساتھی ان کی بات سن کر حیران ہوگئے کہ یہ بات ہم نے پہلی مرتبہ سنی ہے کیا ان صاحب کی بات صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... نماز چونکہ اہم ترین عبادت ہے قرآن اور احادیث نے جابجا اس کی تاکید فرمائی ہے لہٰذا اس کو کسی حال میں ترک نہیں کیا جائے گا اخلاق کی درستی بھی شریعت میں مطلوب ہے لیکن اس کی وجہ سے نماز کو نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ نماز ہی کی برکت سے رفتہ رفتہ اخلاق کی درستگی بھی ہوجائے گی جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے کہ نماز فحاشی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اسی طرح

Marfat.com

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صاحب کے بارے میں پوچھا گیا کہ نماز بھی پڑھتا ہے اور چوری بھی کرتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ نماز اس کو اس کام سے روک دے گی لہٰذا ان صاحب کا یہ کہنا کہ پہلے صرف اخلاق کی درستگی ہو پھر نماز ہو تو یہ بات از روئے شریعت درست نہیں۔

لمافی احکام القرآن للجصاص(٣/٣٥٠): روی عن ابن مسعود وابن عباس تأمر بالمعروف وتنهى عن المنكر... وقيل أن النبي صلى الله عليه وسلم قيل له إن فلانا يصلى بالليل ويسرق بالنهار فقال لعل صلاته تنهاه الخ- وقوله تعالیٰ وأقيموا وجوهكم عندكل مسجد- (آلاية، سورة الاعراف)

وفي الفقه على المذاهب الأربعة(١/١٧٣): فهذه هي الصلوة فى نظر الدين وهى بهذا المعنى لها احسن الأثر فى تهذيب النفوس وتقويم الأخلاق فان فى كل جزء من اجزائها تمريناً على فضيلة من الفضائل الخلقية وتعويدا على صفة من الصفات الحميدة......

(٣٨٠) موبائل میں گانے والی ٹونز لگوانے اور دوران نماز موبائل کی گھنٹی بند کرنے کا حکم

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ موبائل فون میں گانے کی ٹونز لگوانا کیسا ہے؟ نیز نماز پڑھنے کے دوران اگر موبائل کی گھنٹی بجنا شروع ہو جائے تو کیا نماز کے اندر اس کو بند کیا جاسکتا ہے تاکہ دوسروں کی نماز میں خلل نہ آئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... دین اسلام میں موسیقی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا موبائل پر گانا یا کسی بھی ایسی گھنٹی کا لگانا جس میں موسیقی کی آمیزش پائی جاتی ہو، ناجائز ہے۔ تاہم موبائل میں عام اور سادہ گھنٹی لگانی چاہیے جس میں موسیقیت کا پہلو ظاہر نہ ہو۔ اور مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہی موبائل بند کر دیا جائے البتہ اگر کسی وقت بند کرنا بھول جائیں اور نماز میں گھنٹی بجنے لگے تو اولا کوشش کریں کہ بغیر عمل کثیر کے اسے ایک ہاتھ سے بند کریں البتہ اگر بغیر عمل کثیر کے اسے بند کرنا مشکل ہو یا گھنٹی کے بار بار بجنے کی وجہ سے دوسرے نمازیوں کی نماز بھی خراب ہوتی ہو تو بار بار بند کرنے کے بجائے نماز توڑ کر گھنٹی بند کر دیں، تاکہ اس سے پیدا ہونے والے مفاسد سے بچا جاسکے مثلاً۔

١)..... گھنٹی کا بجتے رہنا نمازیوں کی نماز میں خلل عظیم کا باعث ہے۔

٢)..... گھنٹی کا بجتے رہنا تقدس مسجد کے پامال ہونے کا باعث ہے۔

٣)..... گھنٹی کا بجتے رہنا نماز کی کامل ادائیگی میں نقصان کا باعث ہے۔

٤)..... گھنٹی کا بجتے رہنا مسلمانوں کی ایذارسانی کا باعث ہے۔

۵)..... گھنٹی کے بجتے رہنے سے کسی حد تک مشرکین کے افعال قبیحہ سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بیت اللہ میں دورانِ طواف اور مسلمانوں کی نماز میں خلل پیدا کرنے کیلئے سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے۔

Marfat.com

۶)......حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے اقوال وافعال سے گھنٹی کی مذمت فرمائی ہے، اور اس کو شیطان کا آلہ فرمایا ہے۔

۷)......گھنٹی کے بجتے رہنے سے جہری نمازوں میں امام صاحب کی تلاوت اور مقتدیوں کی سماعت میں حرج پیدا ہوتا ہے۔

۸)......گھنٹی کے بجتے رہنے سے گرجا گھروں میں کی جانے والی عبادت کے ساتھ مشابہت پیدا ہوجاتی ہے۔آج بھی نصاریٰ گرجا گھروں میں عبادت بجتی گھنٹیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

۹)......گھنٹی کا بجتے رہنا لغویات میں شامل ہے اور نماز میں لغویات سے پرہیز از حد ضروری ہے۔

۱۰)......گھنٹی کا بجتے رہنا فرشتوں کیلئے منافرت کا باعث ہے۔تلك عشرة كاملة

نیز نماز توڑنے کے بعد نئی تکبیر تحریمہ باندھ کر نماز میں شریک ہوجائے۔اور امام صاحب کی ادائیگی سلام کے بعد فوت شدہ نماز کو مکمل کرے، اور ادائیگی نماز کے بعد خوب توبہ واستغفار کرے۔اور آئندہ اس طرح کی غفلت سے اجتناب کرے۔

لما فی مجمع الانهر(۱/۲۰۸): والاصل فيه ان نقض العبادة قصداً وبلا عذر حرام واما اذا كان لامر شرعي مثل الاكمال فيجوز وان كان نقضا صورة فهو اكمال معنى كهدم المسجد لتجديده۔

وفی خلاصة الفتاوىٰ(۱/۶۰): ويكره ان يدخل فی الصلاة وبه غائط اوبول فلوشرع فی الصلاة مع هذا وشغله عن الصلوٰة قطعها جاز فان مضى جاز وأساء وسواء كان به وقت الافتتاح اوحصل فی الصلوٰة۔

(۳۸۱) فرض نمازوں کی رکعات کا احادیث مبارکہ سے ثبوت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض نمازوں کی رکعتیں قرآن کریم سے ثابت ہیں یا نہیں اگر نہیں ہیں تو وہ کونسی احادیث مبارکہ ہیں جو ان رکعتوں کی تعیین پر دلالت کرتی ہیں، برائے مہربانی مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب بعون الملکْ الوهاب......قرآن پاک سورة الروم آیت نمبر ۱۸،۱۷ سے پانچ نمازوں کے نفس ثبوت کی طرف اشارہ ہے۔تاہم بالتفصیل: فرض نماز اور ان کی رکعات کا ذکر کتب احادیث میں موجود ہے۔چنانچہ فجر کی دو رکعت فرض کا ذکر: بخاری (۱/۱۰۶، ۱۰۷) ومسلم (۱/۱۸۶) وابوداؤد (۱/۱۱۸) ''باب الرجل يعيد سورة واحدة فی الركعتين'' پر موجود ہے۔

ظہر وعصر، مغرب اور عشاء کی فرض رکعات کا اکٹھا ذکر: بخاری (۱/۷۷) وابوداؤد (۱/۱۷۱) پر موجود ہے۔ اور اسی طرح ظہر، عصر اور مغرب کی فرض رکعات کا الگ الگ ذکر بھی موجود ہے۔چنانچہ ظہر کی چار رکعات فرض کا ذکر: بخاری (۱/۱۰۷) ومسلم (۱/۱۸۵) و ابوداؤد (۱/۱۴۵) ترمذی (۱/۹۱) پر موجود ہے۔

عصر کی چار رکعات فرض کا ذکر: مسلم (۱/۲۲۵) پر موجود ہے۔ مغرب کی تین رکعات فرض کا ذکر بخاری (۱/۱۴۸) پر موجود ہے۔اور

Marfat.com

پانچوں نمازوں کی تمام فرض رکعات کا ایک ساتھ ذکر السنن الکبری للبیھقی (۱/ ۳۶۱) اور اعلاء السنن (۲/ الجزء ۴، صفحہ ۷) پر موجود ہے۔

لمافی القرآن الکریم (سورة الروم: ۱۷، ۱۸): (قال الله تعالیٰ) ''فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝

وفی التفسیر الکبیر (۱۳/ ۱۰۴) الجزء ۲۵: وأما المعنی فقال بعض المفسرین: المراد منه الصلوة، أی صلوا، وذکروا انه أشار الی الصلوات الخمس۔

وفی التفسیر روح المعانی (۷/ ۲۸): وقیل: المراد بالتسبیح الصلاة۔ واخرج عبدالرزاق والفریابی وابن جرید وابن النذر.........الی ان قال جاء نافع ابن الازرق الی ابن عباس فقال هل تجد الصلوات الخمس فی القرآن؟ فقال: نعم فقرأ (فسبحان الله حین تمسون) صلاة المغرب (وحین تصبحون) صلاة الصبح (وعشیا) صلاة العصر (وحین تظهرون) صلاة الظهر وقرء (ومن بعد صلاة العشاء) واخرج ابن ابی شیبة، وابن جریر، وابن المنذر عنه قال: جمعت هذه الآیة مواقیت الصلاة (فسبحان الله حین تمسون) المغرب والعشاء (وحین تصبحون) الفجر (وعشیا) العصر (وحین تظهرون) الظهر... الخ۔

(۳۸۲) کسی مسجد کو مسجد ضرار کہنا درست نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں منافقین نے مسجد قبا کے مقابلے میں ایک مسجد تعمیر کی تھی تو قرآن پاک میں اس مسجد کو مسجد ضرار کہا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے گرانے کا حکم دیا تھا اب سوال یہ ہے کہ آجکل اگر کوئی شخص ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد تعمیر کر لیتا ہے تو یہ مسجد ضرار کے زمرے میں آئے گی یا نہیں؟ نیز اس میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......قرآن کریم میں جس مسجد کو مسجد ضرار کہا گیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جسے منہدم کر کے جلا دیا گیا، درحقیقت وہ مسجد نہ تھی، بلکہ منافقین نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے اور انکے خلاف سازشیں کرنے کیلئے مسجد کا نام رکھ کر ایک عمارت بنائی تھی، جس کے چار مذموم ومکروہ مقاصد قرآن کریم نے بیان کیے ہیں اور وہ یہ ہیں:

اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کرنا، مسلمانوں کے اتحاد اور جماعت میں تفریق پیدا کرنا، اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے باغی (ابو عامر) کو پناہ گاہ فراہم کرنا۔ اس سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱)......اگر کچھ مسلمان کسی مسجد کے مقابلے میں اس کے قریب دوسری مسجد ریاء ونمود یا ضد وعناد کی وجہ سے بنالیں اور بنانے کا مقصد یہی

Marfat.com

باہم تفرقہ اور پہلی مسجد کی جماعت توڑنا وغیرہ اغراض فاسدہ ہوں تو اگرچہ ایسی مسجد بنانے والے کو ثواب نہ ملے گا بلکہ تفریق بین المؤمنین کی وجہ سے گنہگار ہوگا، لیکن اس کے باوجود اس جگہ کو شرعی حیثیت سے مسجد ہی کہا جائے گا اور مسجد کے تمام آداب اور احکام اس پر جاری ہوں گے۔

(۲)......اس طرح کی مسجد کو اصطلاح میں قرآن والی مسجد ضرار کہنا درست نہیں۔

(۳)......ایسی مسجد میں نماز نہ پڑھنا بہتر ہے اگر پڑھ لی گئی تو ہو جائے گی۔

لما فی الدر المنثور فی التفسیر المأثور(۲۸۴/۴): اخرج ابن الجریر وابن المنذر و ابن ابی حاتم وابن مردویة والبیهقی فی الدلائل عن ابن عباس فی قوله(والذین اتخذوا مسجدا ضرارا) قال: هم اناس من انصار ابتنوا مسجدا. فقال لهم ابوعامر. ابنو مسجدكم واستمدوا ما استطعتم من قوة و سلاح فانی ذاهب الی قیصر ملك الروم فآتی بجنده من الروم فاخرج محمدا واصحابه۔ فلما فرغوا من مسجدهم اتوا النبی ﷺ فقالوا: قد فرغنا من بناء مسجدنا. فنحب ان تصلی فیه وتدعو بالبرکة. فانزل الله: (لاتقم فیه ابدا)

وفی التفسیر المظهری(۲۹۵/۴): والذین اتخذوا مسجدا ضرارا ای مضارة للمومنین......... وفی (ص۲۹۶): وكفرا بالله ورسوله ﷺ وتفریقا بین المومنین لانهم كانوا یصلون فی مسجد قبا فبنوا مسجد الضرار لیصلی فیه بعضهم فیودی ذالك الی الاختلاف وافتراق الكلمة الخ. وارصادا ای انتظارا واعدادا لمن حارب الله ورسوله۔ الخ

(۳۸۳)ایک طرف سے آکر نمازی کے آگے بیٹھ جانے کے بعد پھر اٹھ کر دوسری طرف جانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عمرو نماز پڑھ رہا تھا کہ زید دائیں طرف سے آیا عمرو کے سامنے قبلہ رو بیٹھ گیا، دو تین منٹ بیٹھا تھا دو تین منٹ کے بعد بائیں طرف گیا، تو آیا زید کا اس طرح کرنا اعراض میں شمار ہے یا کہ مرور میں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں زید کا یہ فعل مرور (نمازی کے سامنے سے گزرنا) شمار ہوگا۔

لمافی صحیح البخاری(۷۲/۱):باب الصلوة الی السریر: عن عائشة (رضی الله عنها) قالت: اعدلتمونا بالكلب والحمار لقد رأیتنی مضطجعة علی السریر فیجئ النبی ﷺ فیتوسط السریر فیصلی فأكره ان اسنحه فانسل من قبل رجلی السریر حتی انسلّ من لحافی۔

وفیه ایضاً(۷۳/۱): قال رسول الله ﷺ لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیه لكان ان یقف

Marfat.com

اربعين خير اله من ان يمر بين يديه الخ۔

وفی فيض الباری(٨٣/٢): قوله ((فأكره أن أسنحه)) (يعنی آری آجاؤل) وعلم ان مسألة المرور فی الفقه فيما اذا مرامامه من جانب الی جانب ولا تفصيل فيه فيما اذا كان قاعدا فصلی خلفه رجل هل ينسل ام لا قلت: فليعمل بهذا لحديث ولا شك ان الانسلال أفيد وهو الخروج من التحت خفية والسنوح اقرب من المرور فلذا كانت تكرهه۔

وفی الشامية(٦٣٦/١): ولومر إثنان يقوم أحدهما أمامه ويمرالاخر ويفعل الاخر هكذا يمران۔

(٣٨٤) ستره کی مقدار اور اس کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی صحرا میں ایک امام ہے اور اس کے پیچھے مقتدی بھی ہیں، اب جماعت پڑھنے کے دوران صرف امام کے سامنے کا سترہ کافی ہے یا مقتدی بھی سترہ لگائیں گے، اور سترے کی مقدار کتنی ہونی چاہیے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......امام کا سترہ مقتدیوں کیلئے کافی ہے اور سترہ کی مقدار کم از کم ایک ذراع لمبی اور ایک انگلی کے بقدر موٹی ہونی چاہیے۔

لمافی معارف السنن(٣٤٩/٣): واتفق الثلاثة على ان سترة الإمام سترة لمن خلفه۔

معارف السنن(٣٥٠/٣): ونقح فقهاؤنا الحنيفة قدر السترة بالذراع طولا وبالمسبحة ثخنا وغلظا كما هو فی عامة كتبنا۔ وفی (٣٥٣/٣) أنه اذا صلی خاشعا راميا بصره الی موضع سجوده لا يقع بصره عليه واختار ابن الهمام فی الفتح (٢٨٨/١) فی الخلاصة وهو الصحيح وفی البدائع: وهو الأصح، وفی النهاية وهو الأشبة، وراجع ''الفتح'' للتفصيل اهـ۔

وفی البحر الرائق (١٠/٢): واختار فخر الاسلام فانه قال اذا صلی راميابصره إلی موضع سجوده فله يقع عليه بصره له يكره وهذا حسن وفی البدائع وقال بعضهم قدر ما يقع بصره علی المار لوصلی بخشوع وفيما وراء ذلك لايكره وهو الأصح ورجحه فی النهاية بأنه اشبه الصواب۔

(٣٨٥) حضور ﷺ کیسے درود پڑھتے تھے؟ کیا آپ پر درود پڑھنا واجب تھا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کس طرح درود پڑھا کرتے تھے اور

Marfat.com

آپ کیلئے درود کا کیا حکم تھا؟ براہ کرم بحوالہ جواب جلد از جلد مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں درج ذیل درود پڑھا کرتے تھے۔

اللھم صل علی محمد و اٰل محمد کما صلیت علی ابراھیم و اٰل ابراھیم و بارک علی محمد و اٰل محمد کما بارکت علی ابراھیم و اٰل ابراھیم انک حمید مجید۔ (السنن الکبری للبیھقی ۲/۱۴۷، مطبع ادارہ تالیفات اشرفیہ)

نیز اس کے علاوہ بھی الفاظ کی کمی زیادتی کے ساتھ، مختلف روایات میں درود پڑھنے کا حکم ہے۔ جیسے اللھم صل علی محمد و علی اٰل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی اٰل ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد و علی اٰل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی اٰل ابراھیم انک حمید مجید۔ (ابن ماجہ ص۶۵، مستدرک حاکم علی الصحیحین ۳/۱۶۰) جہاں تک "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود کے حکم" کی بات ہے تو آپ کے لئے اپنے اوپر درود بھیجنا واجب نہیں تھا۔

لمافی السنن الکبری للبیھقی(۲/۱۴۷): عن کعب بن عجرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه کان یقول فی الصلوة اللھم صل علی محمد واٰل محمد کما صلیت علی ابراھیم واٰل ابراھیم وبارك علی محمد واٰل محمد کما بارکت علی ابراھیم واٰل ابراھیم انك حمید مجید۔

وفی الدر المختار(۱/۵۱۵): وفی المجتبی: لا یجب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی علی نفسه۔

وفی الشامیة تحته: (قوله لا یجب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی علی نفسه) لانه غیر مراد بخطاب صلوا ولا داخل تحت ضمیرہ کما ھو المتبادر من ترکیب۔ صلواعلیه۔ وقال فی النھر: لا یجب علیه بناء علی ان۔ یایھا الذین امنوا۔ لا یتناول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، بخلاف۔ یایھا الناس۔ یا عبادی کما عرف فی الاصول اھ۔

وفی النھر الفائق(۱/۲۲۳): قال فی ((المجتبی)) معزیا الی ((خزانة الاکمل)): ھذا فی حق الامة اما ھو فلا یجب علیه ان یصلی علی نفسه انتھی بناء علی ان (یایھا الذین امنوا) لاتتناول الرسول بخلاف (یایھا الناس) (یاعبادی) کما عرف فی الاصول۔

(۳۸۶) "ہر وہ نماز جو کراہت تحریمیہ کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کا اعادہ واجب ہے" کیا یہ قاعدہ کلی ہے؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہ جو قاعدہ ذکر کیا گیا ہے کل صلاۃ ادیت مع کراھة التحریم تجب اعادتھا کیا یہ قاعدہ کلی ہے؟ اور جو بھی نماز مکروہ تحریمی ہو جائے اور جس طرح بھی کراہت تحریمی آئی ہو، اس صورت

Marfat.com

میں نماز کا اعادہ واجب ہے یا اس میں تخصیص ہے اور کیا یہ وجوب وقت کے اندر ہے یا وقت کے بعد بھی اس کا اعادہ واجب ہے؟

(۲)۔ نیز اگر تصویر سامنے ہو، اور نماز ادا کر لی تو علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ جو کراہت ماہیت صلاۃ میں آئی ہو، اس صورت میں نماز کا اعادہ واجب ہے ورنہ نہیں اور کیا تصویر اگر سامنے ہو، اور نماز پڑھ لی تو جو کراہت نماز میں آئی ہے یہ کراہت ماہیت صلاۃ میں داخل ہے یا نہیں؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب بعون الملک الوھاب...... مذکورہ قاعدہ کلی ہے اور کراہت، ماہیتِ صلوۃ میں داخل ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ اس میں علامہ شامیؒ نے ماہیت اور خارج از ماہیتِ صلوۃ سے اعادے اور عدم اعادے کا فرق کیا ہے اور اسے ''الاقرب'' قرار دیا ہے۔ (اگرچہ آخر میں وہ خود اس پر مطمئن نہیں۔) لیکن درست بات یہ ہے کہ ہر وہ نماز جو کراہت تحریم کے ساتھ ادا ہو وہ واجب الاعادہ ہوگی اور اس میں ماہیت اور خارج از ماہیت کا فرق نہ کیا جائے۔

تصویر والے کپڑوں میں نماز چونکہ مکروہ تحریمی ہے لہٰذا اس کا اعادہ کیا جائے گا کیونکہ ہر مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا نماز کا اعادہ واجب ہے۔ علامہ شامیؒ بحث کے آخر میں ماہیت اور غیر ماہیت کے فرق پر مطمئن نہیں وہ فرماتے ہیں:

لکن قولهم کل صلاة أديت مع كراهة التحريم يشمل ترك الواجب وغيره ويؤيده ما صرحوا به من وجوب الإعادة بالصلاة في ثوب فيه صورة بمنزلة من يصلي وهو حامل الصنم۔

(شامية ۱/۴۵۷)

البتہ علامہ رافعیؒ نے یہ (ماہیت اور غیر ماہیت کا) فرق لیا ہے لیکن انہوں نے تصویر والے کپڑوں میں نماز کو ماہیت صلوۃ میں ہی داخل فرما دیا ہے اور نماز کو واجب الاعادہ قرار دیا ہے۔ علامہ رافعیؒ کی عبارت یہ ہے:

(قوله: ويؤيده ما صرّحوا الخ) قد يقال ان ذلك ليس من واجبات اللباس بل يقال خلوّ المصلى عن ثوب فيه صورة أو عن حمله صنماً من واجبات الصلاة۔ (التحرير المختار ۱/۵۷)

نیز وقت کے اندر اور گزرنے کے بعد دونوں صورتوں میں کراہت تحریمی کے ساتھ ادا نماز کا اعادہ واجب ہے۔

لمافی الدرالمختار (۱/۴۵۷): وكذا كل صلوٰة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها والمختار انه جابر للاول۔

وفى الشامية: وان النقص اذا دخل فى صلاة الامام ولم يجبر وجبت الاعادة على المقتدى ايضا: وانه يستثنى منه الجمعة والعيد اذا اديت مع كراهة التحريم الا اذا اعادها الامام والقوم جميعا...... بقى هنا شى وهو ان صلاة الجماعة واجبة على الراجح فى المذهب اوسنة موكدة فى حكم الواجب كمافى البحر وصرحوا بفسق تاركها وتعزيره وانه يأثم ومقتضى هذا انه لو صلى مفردا يومر باعادتها بالجماعة وهو مخالف لما صرحوا به فى باب ادراك الفريضة من انه لو صلى

Marfat.com

ثلاث ركعات من الظهر ثم اقيمت الجماعة يتم ويقتدی متطوعا فانه كالصريح فی انه ليس له اعادة الظهر بالجماعة مع ان صلاته منفردا مكروهة تحريماً او قريبة من التحريم۔ فيخالف تلك القاعدة، الا ان يدعی تخصيصها بان مرادهم بالواجب والسنة التی تعاد بتركه ما كان من ماهية الصلاة واجزائها فلا يشمل الجماعة لانها وصف لها خارج عن ماهيتها او يدعی تقييد قولهم يتم ويقتدی متطوعا بما اذا كانت صلاته منفردا لعذر كعدم وجود الجماعة عند شروعه فلا تكون صلاته منفردا مكروهة والاقرب الاول ولذا لم يذكروا الجماعة من جملة واجبات الصلاة لانها واجب مستقل بنفسه خارج عن ماهية الصلاة ويويده ايضاً انهم قالوا يجب الترتيب فی سور القرآن، فلو قرأ منكوساً اثم لكن لا يلزمه سجود السهو لان ذالك من واجبات القراءة لامن واجبات الصلاة كماذكر فی البحر فی باب السهو لكن قولهم كل صلوة اديت مع كراهة التحريم يشمل ترك الواجب وغيره ويويده ما صرحوا به من وجوب الاعادة بالصلاة فی ثوب فيه صورة بمنزلة من يصلی وهو حامل الصنم۔[1]

(۳۸۷) دونمازوں کوایک وقت میں جمع کر کے ادا کرنے کا حکم اور اس کی شرائط

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ماموں مجھے بتارہے تھے کہ حج کے موقع پر ایک دن ایسا ہوتا ہے کہ ظہر وعصر کی نماز ظہر کے وقت جماعت سے پڑھی جاتی ہے، اگر کسی کی جماعت نکل گئی تو پھر ظہر کی ظہر کے وقت اور عصر کی عصر کے وقت ہی پڑھی جاتی ہے، اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء، عشاء کے وقت میں ایک ساتھ پڑھی جاتی ہے خواہ جماعت سے پڑھو یا اکیلے اکیلے۔ ہم نے تو آج تک کبھی ایسے نہیں پڑھی، کیا یہ صرف حج کے موقع پر سب جگہ پڑھی جاسکتی ہے یا صرف حاجیوں کو اس کی اجازت ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ اور اس کی شرائط کیا ہیں؟ براہِ کرم تفصیل سے اس مسئلہ کو ذکر کردیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... نماز صحیح ہونے کیلئے وقت شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں نماز کو اس کے مقررہ وقت میں پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَوْقُوْتاً۔ (بے شک نماز مومنوں پر اوقات مقررہ میں ادا کرنا فرض ہے) (سورۂ نساء: ۱۰۳)۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونمازوں کو ایک وقت میں جمع کر کے ادا کرنے سے لوگوں کو منع کیا اور فرمایا کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں

---

[1] نوٹ: مسئلہ ھذا کی مکمل تحقیق نجم الفتاوی، کتاب الصلوۃ کے مسئلہ ۱۸۷ میں مدلل فتوے ''الافاضة فی قاعدة الفقهاء كل صلوة اديت مع الكراهة تجب الاعادة'' کے ذیل میں دیکھی جاسکتی ہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

کہ عرفات میں ظہر اور عصر کو اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کرنے کے علاوہ ہم دونمازوں کو ایک وقت میں جمع نہیں کرتے لہٰذا معلوم ہوا کہ عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ باقی کہیں بھی دونمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز نہیں۔ اور جواز جمع بھی صرف حاجیوں کیلئے ہے۔ وہ بھی چند شرائط کے ساتھ جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اس کی وجہ حضور ﷺ کا عمل ہے جو کہ احادیث سے ثابت ہے اور دوسری وجہ جماعت کی حفاظت ہے۔ عصر کو ظہر کے وقت میں ظہر کے ساتھ جمع کرنے کیلئے حسب ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ (۱) امام اعظم یا اس کے نائب کا نماز پڑھانا۔ (۲) ظہر کی ادائیگی سے قبل ہی احرام حج میں ہونا۔ (۳) ظہر کو عصر سے پہلے ادا کرنا۔ (۴) عرفات کا دن ہونا۔ (۵) عرفات کا میدان ہونا۔ (۶) امام اعظم کی اقتداء میں دونوں نمازوں کو باجماعت ادا کرنا۔ مغرب کو عشاء ے وقت میں عشاء کے ساتھ جمع کرنے کیلئے حسب ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ (۱) احرام حج۔ (۲) وقوف عرفہ کو مقدم کرنا۔ (۳) عیدالاضحیٰ کی رات ہونا۔ (۴) مزدلفہ کا میدان ہونا۔ (۵) عشاء کا وقت ہونا۔

لمافی الهندية(١/٢٢٩،٢٢٨): ثم لجواز الجمع أعنى تقديم العصر على وقتها وادائها فى وقت الظهر شرائط ((منها)) ان تكون مرتبة على ظهر جائز استحسانا....... ((ومنها الوقت)) وهو ان يكون يوم عرفة ((والمكان)) وهو عرفات كذا فى الكفاية((ومنها احرام الحج)) قالوا ينبغى ان يكون محرما بالحج عند اداء الصلاتين... ثم لابد من الاحرام بالحج قبل الزوال فى رواية تقديما للاحرام على وقت الجمع وفى اخرى يكتفى بالتقديم على الصلاة لان المقصود هو الصلاة هو الصحيح كذا فى الهداية ...((ومنها الجماعة)) عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ وعندهما ليست بشرط۔ فمن صلى الظهر وحده فى رحله صلى العصر فى وقته عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ وقالا يجمع بينهما المنفرد كذا فى الهداية والصحيح قول ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ۔ كذا فى الزاد ولو فاتتا مع الامام او فاتته واحدة منهما صلى العصر لوقته ولا يجوز له تقديم العصر على قول ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ۔ ولا يشترط الامام لجميع اداء الظهر... فاذا ادرك مع الامام ركعة واحدة من الصلاتين او شيئا من الصلاتين جاز الجمع اجماعاً كذا فى الجوهرة النيرة۔ ولو نفرالناس عن الامام فصلى وحده الصلاتين جاز... ((ومنها)) ان يكون الامام هو الامام الاعظم او نائبه وهو شرط عند ابى حنيفة رحمه الله۔ فلو صلى الظهر بجماعة لامع الامام والعصر مع الامام لم يجز العصر عند ابى حنيفة رحمه الله والصحيح قوله هكذا فى البدائع۔ ولو مات الامام وهو الخليفة جمع نائبه او صاحب شرطته ولو لم يكن نائب ولا صاحب شرطته صلوا كل واحدة منهما فى وقتها كذا فى التبيين۔

وفيه ايضاً(ص٢٣٠): والافضل ان يصلى مع الامام بالجماعة كذا فى الايضاح۔ ذكر الامام

Marfat.com

المحبوبی ولا يشترط فی جمع المزدلفة الخطبة و السلطان والجماعة والاحرام كذا فی الكفاية

وفی الشامية(۲/۵۰۴): (تنبیه) اقتصر من الشروط علی الإمام والإحرام وزاد فی اللباب تقديم الظهر علی العصر حتی لو تبين للإمام وقوع الظهر قبل الزوال أو بغير وضوء والعصر بعده او بوضوء اعادهما جميعا والزمان وهو يوم عرفة والمكان وهو عرفة وما قرب منها والجماعة فالشروط ستة۔

(۳۸۸) داڑھی منڈوانے والے شخص کو صف اول سے پیچھے کر دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص شیو کرتا ہو تو کیا اس کو صف اوّل میں نماز پڑھنے سے روکا جائے گا یا نہیں؟ آیا شیو کی وجہ سے اس کو صف اوّل سے محروم کیا جائے گا یا نہیں؟ کراچی کے ایک بہت بڑے عالم ہیں، وہ اپنی مسجد میں شیو کرنے والوں کو صف اول سے نکال دیتے ہیں آیا ان کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں اس مسئلہ کو حل فرمائیں عین نوازش ہوگی۔شکریہ

الجواب بعون الملک الوھاب......داڑھی رکھنا واجب ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور داڑھی کو منڈوانا حرام ہے۔جو لوگ اس حرام کام میں مبتلا ہوں ان کو چاہیے کہ اس سے اجتناب کریں اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کریں۔اور جماعت سے نماز پڑھتے وقت ایسے لوگوں کو چاہیے کہ علماء وصلحاء سے بڑھ کر پہلی صف میں کھڑے نہ ہو جائیں بلکہ پہلی صف میں ایسے لوگ کھڑے ہو جائیں جو علماء وصلحاء ہوں جیسا کہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اس حدیث کی تشریح میں (ليلينی منكم اولو الاحلام والنهی) علامہ شعرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ صف اول میں وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جن کا ظاہر وباطن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو۔ورنہ ان کیلئے آخری صفوں میں کھڑا ہونا بہتر ہے (اعلاء السنن، ۴/۳۶۶)۔البتہ ایسے لوگوں کے کھڑے ہو جانے کے بعد بھی اگر پہلی صف میں کوئی خلاء باقی رہ جائے تو پھر اس صورت میں ان پر لازم ہے کہ پہلی صف کو مکمل کریں اور اگر کوئی عالم ایسا ہو کہ جس کو اپنے علاقے میں لوگ اپنا مقتداء مانتے ہوں اور اسکی بات کی وجہ سے لوگ دین سے متنفر نہ ہوتے ہوں تو ایسا عالم اگر اصلاح کیلئے زجراً ان لوگوں کو جو داڑھی منڈاتے ہوں پہلی صف سے ہٹادے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

لمافی صحيح البخاری(۲/۸۷۵): عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ خالفوا المشركين او فروا اللحی واحفوا الشوارب۔

وفی البداية والنهاية (۴/۲۶۹): ودخلا علی رسول الله ﷺ وقد حلقا لحاهما وأعفيا شواربهما فكره النظر اليهما وقال. ويلكما من أمر كما بهذا؟ قالا امرنا ربنا يعنيان كسری، فقال رسول الله ﷺ ولكن ربي أمرنی بإعفاء لحيتی وقص شاربی۔

Marfat.com

وفی الصحیح لمسلم (۱/۱۸۱): عن ابن مسعود قال كان رسول الله ﷺ يمسح مناكبنا فی الصلاۃ ويقول استوو اولا تختلفوا فتختلف قلوبكم وليلنى منكم اولو الاحلام والنُهى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم۔

وفی اعلاء السنن (۴/۳۶۶،۳۶۵): قلت وعلى هذا، فيجوز إيثار العالم وكبير السن بالصف الأول بل يجب نظرا إلى الأمر. فإن الجاهل والصغير مأمور بالتأخر عن اهل الحلم والنهى، ويؤيده مارواه الحاكم فی مستدركه عن أبي بن كعب مرفوعا ''لا يقوم فی الصف الاول الا المهاجرون والانصار'' ذكره فی كنز العمال بلا تعقب (۴:۱۳۵) فهو صحيح على قاعدته، وهو صريح فی النهى لغير هؤلاء عن التقدم الى الصف الأول. وتخصيص الانصار والمهاجرين بالذكر لكونهم أولى الأحلام والنهى اذ ذاك فی الأغلب. وكونهم افضل من غيرهم۔ وأفاد هذا الحديث أن أمر المسارعة الى الصف الاول ليس على إطلاقه بل هو مختص بأولى الفضل و الصلاح، وكذا الوعيد الوارد على التأخر عنه مختص بهم أيضا نعم ايشمل الوعيد غيرهم اذا بقى فی الصف الأول فرجة فلم يسدوها فافهم. فلو تأخر أحد عن الصف الاول لخلوه عن الصلاح والفضل والتقوى بشرط أن يرجوا كمال الصف بغيره ممن هو اهله فله ذلك ولا لوم عليه. بل ذلك متعين فی حقه۔

قال العلامة الشعرانی فی العهود المحمدية. أخذ علينا العهد إذا صفت سرائرنا من جميع ما يسخط الله عزوجل بحيث لم يبق فی سرائرنا وظواهرنا الا ما يرضى ربنا أن نواظب على الصلوة فی الصف الأول عملا بقوله ﷺ ليلنى منكم اولو الاحلام و النهى اى العقل ولا يكون العبد عاقلا الا اذا كان بهذا الوصف الذى ذكرناه فإن من كان فی ظاهره أو باطنه صفة يكرهها الله تعالىٰ فليس بعاقل كامل ولا يتقدم للصف الأول بين يدى الله فی المواكب الإ لهية الا الأنبياء والملائكة ومن كان على اخلاقهم وأما من تخلف عن اخلاقهم فيقف فی آخريات الناس۔

وفی الشامية (۲/۴۱۸): وأما الأخذ منها وهی دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد۔

(۳۸۹) فرض نماز اور تراویح کے بعد اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض نمازوں اور تراویح اور اسی طرح جب وتر نماز جماعت

Marfat.com

کے ساتھ رمضان میں ادا کی جاتی ہے، اس کے بعد دعا انفرادی طور پر تو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔لیکن اس دعا کو ایک ہیئت اور جمعیت کے ساتھ لازم سمجھنا کہ امام کے ساتھ دعا کے بغیر کوئی بھی نہ اٹھے تو یہ کام کیسا ہے؟ شریعت کے موافق ہے یا نہیں؟ اگر شریعت کے موافق ہے یا نہیں تو دونوں کو ادلہ شریعہ سے واضح کریں۔شکریہ

الجواب بعون الملک الوھاب...... دعا ایک عبادت ہے، کثرت سے احادیث مبارکہ دعا کے متعلق کتب احادیث میں موجود ہیں۔ جن سے دعا کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔تاہم بعض حضرات نماز کے بعد دعا کے متعلق افراط وتفریط کا شکار ہیں۔جس کی دین اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔فرض نمازوں اور تراویح کے بعد امام کے ساتھ تمام مقتدیوں کا مل کر دعا مانگنا جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔البتہ اس طور پر التزام کہ امام کے ساتھ دعا کے شروع کرنے اور ختم کرنے کو لازم سمجھنا یا بغیر دعا مانگے اٹھنے والے کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا اور اسی طرح اس بے جا التزام کی آڑ میں نفس دعا ہی کا انکار کر دینا دونوں امر حد سے متجاوز اور غلو فی الدین کے مترادف ہیں۔ان سے اجتناب انتہائی ضروری ہے خاص طور پر ہمارے زمانے میں جبکہ امت کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔اور فقط چند عبادات میں امت کی اجتماعیت کی اک کرن باقی ہے۔اس میں بھی اختلاف وانتشار کا دروازہ کھول لینا قطعاً مناسب نہیں ہے۔

لمافی البخاری(۹۳۷/۲): باب الدعاء بعد الصلوۃ: ...عن ورّاد مولی المغیرۃ بن شعبۃ قال کتب المغیرۃ الی معاویۃ ابن ابی سفیان ان رسول اللہ ﷺ کان یقول فی دبر صلوتہ اذا سلّم لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر. اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد۔

وفی فتح الباری(۱۱۱/۱۱): (قولہ باب الدعاء بعد الصلوۃ) ای المکتوبۃ.وفی ھذہ الترجمۃ رد علی من زعم أن الدعاء بعد الصلوۃ لا یشرع متمسکا بالحدیث الذی اخرجہ مسلم والجواب ان المراد بالنفی المذکور نفی استمرارہ جالسا علی ھیئتہ قبل السلام الا بقدر ان یقول ما ذکر۔ فقد ثبت انہ کان اذا صلی أقبل علی أصحابہ فیحمل ماورد من الدعاء بعد الصلوۃ علی انہ کان یقول بعد ان یقبل بوجھہ علی اصحابہ۔

وفی فیض الباری علی صحیح البخاری(۴/۴۱۷): باب ''الدعاء بعد الصلاۃ'' لا ریب ان الادعیۃ دبر الصلوات قد تواترت تواترا لا ینکر، اما رفع الأیدی فثبت بعد النافلۃ مرۃ او مرتین، فالحق بھا الفقھاء المکتوبۃ ایضا، وذھب ابن تیمیۃ وابن القیم إلی کونہ بدعۃ بقی ان المواظبۃ علی امر لم یثبت عن النبی ﷺ الامرۃ او مرتین، کیف ھی فتلك ھی الشاکلۃ فی جمیع المستحبات فانھا تثبت طورا فطورا، ثم الامۃ تواظب علیھا، نعم نحکم بکونھا بدعۃ اذا افضی الامر إلی النکیر علی من ترکھا۔

Marfat.com

وفی اعلاء السنن(۳/۱۸۳): قال الحافظ فی الفتح: قال ابن المنیر: ان المندوبات قد تنقلب مکروهات اذا رفعت عن رتبتها، لان التیامن مستحب فی کل شئ من أمور العبادة لکن لما خشی ابن مسعود ان یعتقدو لوجوبه اشار الی کراهته۔ والله اعلم اهـ۔

ولیتنبه لهذا من یصر علی القیام عند ذکر الولادة الشریفة ویطعن فی من لا یقوم وکذا کل من رفع المباح او المندوب عن رتبتهما وطعن فی تارکهما فافهم۔

وفی مجموعة الفتاوی علی خلاصة الفتاوی(۱/۱۰۰): الجواب صحیح والرای نجیح ویؤید ما رواه ابو بکر بن ابی شیبة فی المصنف عن الاسود العامری عن ابیه قال صلیت مع رسول الله ﷺ الفجر فلما سلم انصرف ورفع یدیه ودعا الحدیث۔ فثبت بعد الصلوة المفروضة رفع الیدین فی الدعا عن سید الانبیاء و اسوة الاتقیاء صلعم کما لا یخفی علی العلماء الأذکیاء۔

Marfat.com

باب احکام المساجد

(مساجد کے احکام کا بیان)

(۳۹۰) مسجد میں کسی جگہ رومال وغیرہ رکھ کر جگہ گھیرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے کی مسجد میں دو چار آدمی ایسے ہیں جو کہ پہلی صف میں رومال وغیرہ رکھ کر جگہ گھیرتے ہیں اور خود وضو وغیرہ کیلئے چلے جاتے ہیں تو کیا اس طرح صف میں رومال وغیرہ رکھ کر جگہ گھیرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جو شخص پہلے آکر مسجد میں نہ بیٹھا ہو وہ اپنا رومال کسی جگہ مسجد میں قبضہ کرنے کی غرض سے رکھ دے یہ شرعاً جائز نہیں ہے اور اس سے اس کا حق بھی قائم نہیں ہوتا، خواہ وضو کیلئے جائے یا اور کسی غرض سے جائے۔ ہاں وہ پہلے سے بیٹھا ہوا تھا، لیکن کسی عذر کی وجہ سے چلا جائے تو پھر گنجائش ہے۔

لمافی الهندية(۱/۱۰۸): ويكره للانسان ان يخص لنفسه مكانا فى المسجد يصلى فيه۔

وفى الشامية(۱/۶۶۲): قوله وتخصيص مكان لنفسه: لانه يخل بالخشوع كذا فى القنية اى لانه اذا اعتاده ثم صلى فى غيره يبقى باله مشغولا بالاوّل بخلاف ما اذا لم يالف مكانا معينا (قوله وليس له) قال فى القنية له فى المسجد موضع معين يواظب عليه وقد شغله غيره قال الاوزاعى له ان يزعجه وليس له ذلك عندنا اى لان المسجد ليس ملكا لاحد۔ بحر عن النهاية قلت: وينبغى تقييده بما إذا لم يقم عنه على نية العود بلا مهلة، كما لو قام للوضوء مثلا ولا سيما إذا وضع فيه ثوبه لتحقق سبق يده تأمل۔

(۳۹۱) سرکاری زمین میں حکومت کی اجازت کے بغیر مسجد کی توسیع اور اس میں نماز پڑھنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سرکاری زمین پر حکومت کی اجازت کے بغیر مسجد کی توسیع کرنا اور اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مساجد بنائے اوران کی توسیع کرے اگر حکومت اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتی تو وہ گناہگار ہوگی۔ جاننا چاہیے کہ سرکاری زمینیں دوقسم کی ہیں پہلی قسم وہ زمینیں جوصرف حکومت کی ملکیت میں ہوں اور عوام کا اس میں کوئی حق نہ ہو،مثلاً حکومت نے اس کو ہسپتال یا اسکول کیلئے خاص کیا ہو،تو ایسی زمینوں میں حکومت کی اجازت کے بغیر مسجد بنانا یا اس کی توسیع کرنا جائز نہیں اور اگر بنائی گئی تو اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔

دوسری قسم وہ زمینیں جو رفاہی ہوں جیسے مویشیوں کی چراگاہ، بچوں کے کھیل کے میدان وغیرہ تو اس میں ضرورت کے وقت حکومت کی اجازت کے بغیر بھی مسجد کی توسیع کرنا جائز ہے،اوراس میں نماز پڑھنا بلاکراہت جائز ہوگا۔

لمافی الھندیة(٢/٣٥٣): ومنها الملك وقت الوقف حتى لوغصب ارضافوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن اليه اوصالح على مال دفعه اليه لاتكون وقفا كذا فی البحر الرائق۔

وفیه ایضاً(٢/٤٥٦): ارض وقف على مسجد والارض بجنب ذلك المسجد وارادوا ان يزيدوا فی المسجد شيئا من الارض جاز لكن يرفعون الامرالی القاضی ليأذن لهم۔

وفی الفقه الاسلامی(٦/٤٦٠٧): الأراضی نوعان ارض مملوكة وارض مباحة والمملوكة نوعان عامرة وخراب والمباحة نوعان ايضا نوع هو من مرافق البلد للاحتطاب ورعی المواشی ونوع ليس من مرافقها وهو الارض الموات اوما يسمى الآن املاك الدولة العامة۔

وفیه ایضاً(٦/٤٦٠٨): ما كان من مرافق أهل بلدة تستعمل مرعى للمواشی ومحتطبا لهم أو مقبرة لموتاهم أو ملعباً لصغارهم، سواء كانت داخل البلدة أم خارجها فيكون حقالهم لاامواتا فلا يجوز للإمام أن يقطعه لأحد۔

Marfat.com

رسالۃ

بیان الغرائب فی الأراضی المتصلۃ بالمساجد

مساجد سے متصل S.T پلاٹ جو نفع عامہ کیلئے ہوں کوئی ان کا مالک نہ ہو ایسے پلاٹوں کا حکم

(۳۹۲) مسجد سے متصل جنازہ گاہ کے .S.T پلاٹ کا حقدار کون ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں پنجاب کا رہنے والا ہوں ہمارا گاؤں قصور سے قریب واقع ہے چند دن قبل ایک مسئلہ پیش آیا آپ کو تفصیل سے لکھ کر بھیج رہا ہوں ازراہِ کرم تحقیقی جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

مسئلہ یہ پیش آیا کہ ہمارے علاقے کی مسجد S.T پلاٹ پر بنی تھی آج سے تقریباً 35 سال قبل مسجد کی تعمیر ہوئی لیکن 18 سال قبل 1995ء میں ایک شخص نے مسجد کے آگے کے حصے میں موجود تقریباً 33 گز جگہ جو کہ مسجد کے کل احاطے میں تو شامل ہے البتہ اسے خالی چھوڑا گیا تھا یہ جگہ جنازہ گاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ اس شخص نے اس جنازہ گاہ کی جگہ پر ملکیت کا دعویٰ کر دیا اور KDA کی طرف سے جاری کردہ کاغذات بھی لے آیا۔

مسجد کے کمیٹی کے ارکان جب KDA پہنچے اور ان سے پوچھا تو ان کا کہنا تھا کہ یہ پلاٹ ہم نے ریزرو کیا تھا اور یہ مسجد کے S.T پلاٹ سے ریزرو کردہ جگہ تھی اس لیے ہم نے یہ جگہ اس شخص کو فروخت کر دی ہے۔

ہمارے علاقے میں چونکہ عدالتی نظام نہیں فیصلے پنچائیت یا جرگوں میں ہوتے ہیں لہٰذا یہ مسئلہ بھی پنچائیت میں آیا تو پنچائیت نے حکومت کے حق میں فیصلہ دے دیا اور کمیٹی والوں کے زعم کے برخلاف اس خرید وفروخت کو منعقد قرار دیا۔ کمیٹی والوں نے (میں بھی کمیٹی کا رکن ہوں) اس فیصلے پر احتجاج کیا اور اسے شرعی دلائل سے متضاد قرار دیا کیونکہ پلاٹ مسجد سے متصل تھا البتہ پنچائیت والوں کا کہنا تھا کہ مسجد نبوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر بنائی تھی اس لیے مساجد کیلئے زمینیں خریدنا چاہیے اور یہ مسجد والوں کی کوتاہی ہے کہ جب K.D.A اس پلاٹ کو بیچ رہا تھا تو وہ آگے بڑھ کر اسے خرید لیتے لیکن انہوں نے نہیں خریدی لہٰذا اب کچھ نہیں ہوسکتا۔

مفتی صاحب آپ سے درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

۱)۔ کسی کی شخصی ملکیت میں مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟ یا شخصی ملکیت کو جنازہ گاہ کے طور پر استعمال کرنا کیسا ہے؟

۲)۔ رفاہی S.T پلاٹ پر مسجد بنانا کیسا ہے؟ یا ایسے پلاٹ پر پارک بنانا کیسا ہے؟ یا اسے جنازہ گاہ کے طور پر استعمال کرنے کا کیا حکم

Marfat.com

ہے؟

۳)۔S.T پلاٹ سے ریزرو کردہ پلاٹ کا کیا حکم ہے؟

۴)۔S.T پلاٹ یا اس سے ریزرو کردہ پلاٹ کو بیچنا کیسا ہے؟

۵)۔S.T یا اس سے ریزرو کردہ پلاٹ اگر 35 سال سے جنازہ گاہ کے طور پر استعمال ہو رہا ہو تو حکومت یا کے ڈی اے کا اسے بیچنا درست ہے؟ کیا اس کی بیع یا ہبہ نافذ ہوگا یا اسے بدستور جنازہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا رہے گا؟

۶)۔مسجد نبوی کا معاملہ کیا ہے؟ پنچایت والوں کا اسے بیچ میں لانا درست ہے؟

۷)۔اگر مسجد کی توسیع کی جائے تو شخصی مکان خریدنے کی کیا حیثیت ہے؟ کیا جبراً کسی کو اپنا ذاتی مکان بیچنے پر تیار کیا جاسکتا ہے؟

۸)۔حرمین شریفین کی جو توسیع ہوئی تھی وہ میلوں پر محیط ہے اور ظاہر ہے شخصی مکان بھی خریدے گئے ہیں وہ کس طرح حاصل کیے گئے؟

ازراہِ کرم مسئلے کی مفصل تنقیح فرماتے ہوئے مدلل ومبرہن جواب عنایت فرمائیں اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کے سوالوں کے جوابات سے قبل چند باتوں کا ملحوظِ نظر ہونا ضروری ہے:

۱)۔حکومت کے پاس دو طرح کی زمینیں ہوتی ہیں ایک وہ جن کی ملکیت دینے کا حکومت کے پاس اختیار ہوتا ہے۔ یہ وہ شخصی پلاٹ ہیں جنہیں KDA شخصی ملکیت کے طور پر فروخت کر کے الاٹمنٹ کر دیتی ہے دوسری قسم کی زمینیں وہ ہوتی ہیں جنہیں حکومت S.T یعنی رفاہی کاموں کیلئے خاص کر دیتی ہے اور یہ مصالحِ عامہ یعنی مساجد، پارک وغیرہ کیلئے استعمال ہوتی ہیں۔

پھر ان رفاہی پلاٹوں کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کسی خاص مقصد کیلئے نامزد ہوں یعنی اس خاص پلاٹ پر وہی مخصوص کام انجام دینا طے پایا ہو اور دوسری وہ قسم جو کسی خاص مقصد کیلئے نامزد نہ ہو بلکہ عامۃ المسلمین کیلئے خالی چھوڑ دی گئی ہو اور یہ زمین بھی رفاہی کاموں کیلئے استعمال ہوگی۔ حکومت ان میں سے پہلی قسم کی زمینوں کو تو بیچنے کی مجاز ہے اور وہ انہیں شخصی ملکیت میں بھی دے سکتی ہے لیکن S.T پلاٹ (چاہے خاص مقصد کیلئے نامزد ہو یا نہ ہو) کا بیچنا یا ہدیہ کرنا حکومت یا متعلقہ محکمے کے اختیار میں نہیں چنانچہ ایسی بیع منعقد نہ ہوگی کیونکہ S.T پلاٹ اب ذاتی ملکیت میں نہ رہا اور نہ اسے کسی کی ذاتی ملکیت میں دیا جاسکتا ہے۔ S.T پلاٹ سے ریزرو کردہ پلاٹ کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ رفاہی کاموں کیلئے مخصوص ہوگا اس کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

حکومت کا اس طرح زمینوں کو رفاہی کاموں کیلئے خاص کرنا شرعی اصطلاح میں "ارصاد" کہلاتا ہے یہ بھی ایک طرح کا وقف ہے اگرچہ وقفِ حقیقی نہیں فقہاء نے یہاں تک تصریح کی ہے کہ اگر حکومت نے زمین کو کسی خاص مقصد مثلاً پارک کیلئے مخصوص کر دیا تو اگلی حکومت اس رفاہی کام کی جہت بھی تبدیل نہیں کر سکتی بلکہ اب اس زمین کو پارک کیلئے ہی استعمال کیا جائے گا، فتاویٰ رد المحتار المعروف بالشامیہ میں علامہ ابن عابدینؒ تحریر فرماتے ہیں:

وحاصل ما ذكره صاحب البحر في رسالته التحفة المرضية في الأراضي المصرية أن الواقف لأرض من الأراضي لا يخلو إما أن يكون مالكا لها من الأصل ---- وإن كان الواقف لها

Marfat.com

السلطان من بيت المال من غير شراء فأفتى العلامة قاسم بأن الوقف صحيح أجاب به حين سئل عن وقف السلطان جقمق فإنه أرصد أرضا من بيت المال على مصالح مسجد وأفتى بأن سلطانا آخر لا يملك إبطاله. حاصل ما في الرسالة.... مراد العلامة قاسم بقوله إن الوقف صحيح أي لازم لا ينقض على وجه الأرصاد المقصود منه وصول المستحقين إلى حقوقهم ولم يرد حقيقة الوقف... قوله (ويؤجر) لأن بيت المال معد لمصالح المسلمين فإذا أبده على مصرفه الشرعي يثاب لا سيما إذا كان يخاف عليه أمراء الجور الذين يصرفونه في غير مصرفه الشرعي فيكون قد منع من يجيء منهم ويتصرف ذلك التصرف ذكره العلامة عبد البر ط ومفاده أنه إرصاد لا وقف حقيقة.

"صاحب بحر نے رسالہ التحفۃ المرضیۃ فی الاراضی المصریۃ میں جو ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ زمین کو وقف کرنے والا لامحالہ یا تو اس زمین کا مالک ہوگا.............. اور اگر اس کو وقف کرنے والا بادشاہ (حکومت) ہے اور وہ بیت المال سے خریدے بغیر وقف کرتا ہے تو علامہ قاسمؒ نے فتویٰ دیا ہے کہ وقف صحیح ہے، علامہ قاسمؒ نے یہ جواب تب دیا جب ان سے سلطان جقمق کے وقف سے متعلق سوال کیا گیا کیونکہ انہوں نے بیت المال سے ہی مسجد کے مصالح کیلئے زمین وقف کی تھی اور علامہ نے یہ فتویٰ بھی دیا کہ دوسرا بادشاہ اس وقف کو باطل کرنے کا اہل نہیں یہ رسالہ میں موجود تحریر کا خلاصہ ہے۔

علامہ قاسمؒ کی مراد یہ ہے کہ یہ وقف صحیح اور لازم ہے اور اس سے جو مقصود ہے یعنی مستحقین تک ان کے حق کو پہنچانا اسے باطل نہیں کیا جاسکتا، علامہؒ نے حقیقی وقف مراد نہیں لیا.......... (مصنف کا قول: ویؤجر اور اسے اجر ملے گا) کیونکہ بیت المال مصالح مسلمین کیلئے بنایا جاتا ہے اور جب وہ اسے اس کے شرعی مصرف کیلئے ہمیشگی کے طور پر خاص کر دیتا ہے تو اس پر اسے ثواب ملے گا خاص طور پر اس وقت جب اس زمین پر ظالم حکمرانوں کا خوف ہو کہ وہ اس زمین کو غیر شرعی مصرف میں استعمال کریں گے تو گویا اس نے غلط تصرف کرنے والے کیلئے مانع کا کردار ادا کیا، یہ علامہ عبدالبر نے ذکر کیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ ارصاد ہے وقفِ حقیقی نہیں۔"
(ردالمحتار علی الدرالمختار ۴/ ۳۹۳)

اسی طرح الفقہ الاسلامی وادلتہ میں علامہ وھبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

وقف الارصاد: الارصاد: ان يقف احد الحكام ارضا مملوكة للدولة لمصلحة عامة كمدرسة او مستشفى. وقد عرف ان هذا جائز بحكم الولاية العامة. ولكن يسمى هذا ارصادا لا وقفاً حقيقة.

"ارصاد یہ ہے کہ کوئی حاکم حکومت کی ملکیت میں سے کوئی زمین مصلحتِ عامہ مثلاً مدرسہ یا ہسپتال وغیرہ کیلئے وقف کر دے اور یہ معروف ہے کہ ولایتِ عامہ کی وجہ سے یہ جائز ہے لیکن یہ ارصاد کہلاتا ہے نہ کہ حقیقی وقف"

Marfat.com

(الفقہ الاسلامی وادلتہ، وقف الارصاد۔ ۴/ ۷۶۱۴)

اور موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے:

اذا ارصد الامام اونائبه شيئا من اموال المسلمين ترتب على ذلك الآثار التالية: أ۔ تأبيد هذا الارصاد واستمرار صرفه على المصرف الذى عينه المرصد۔ فلا يجوز لامام يأتى بعده نقضه ولا ابطاله باتفاق الفقهاء

"جب امام یا اس کا نائب مسلمانوں کے مال میں سے کسی زمین کو ارصاد کر دے تو اس پر درج ذیل آثار مرتب ہوتے ہیں ایک یہ کہ یہ ارصاد ہمیشہ باقی رہے گا اور جس کام کیلئے ارصاد کرنے والے نے اسے خاص کیا تھا وہ اسی پر باقی رکھا جائے گا دوسرے امام (حکومت) کیلئے جو بعد میں آئے اس مقصد کو ختم کرنا یا کالعدم قرار دینا جائز نہیں اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔"

(الموسوعۃ الفقہیۃ ۳/ ۱۱۱، ارصاد)

اسی طرح درمختار میں علامہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں:

ولو وقف السلطان من بيت مالنا لمصلحة عمت يجوز ويؤجر قلت وفى شرحها للشرنبلالى وكذا يصح إذنه بذلك إن فتحت عنوة لا صلحا لبقاء ملك مالكها قبل الفتح۔

"اگر بادشاہ (حکومت) ہمارے بیت المال میں سے مصلحتِ عامہ کیلئے زمین وقف کرتا ہے تو یہ جائز ہے اور اس پر اسے اجر ملے گا میں کہتا ہوں کہ اس کی شرح (جو کہ علامہ شرنبلالی کی ہے) میں ہے کہ وہ اس میں اذن بھی دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ شہر قہراً فتح ہوا ہو نہ کہ صلحاً کیونکہ صلحاً فتح ہونے کی صورت میں فتح سے قبل والے مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے۔"

(الدر المختار ۴/ ۳۹۳)

زمین میں حکومت کے کسی بھی تصرف کیلئے ضروری ہے کہ حکومت اس زمین کی مالک ہو وگرنہ حکومت اس زمین کے بیچنے یا وقف کرنے کی اہل نہیں۔ فتاویٰ شامیہ میں ہے:

مطلب أرض اليتيم وأرض بيت المال فى حكم أرض الوقف ثم إن أرض اليتيم فى حكم أرض الوقف كما ذكره فى الجوهرة وأفتى به صاحب البحر و المصنف كذا أرض بيت المال كما أفتى به فى الخيرية وقال من كتاب الدعوى إن أراضى بيت المال جرت على رقبتها أحكام الوقوف المؤبدة

"یتیم کی زمین وقف شدہ زمین کے حکم میں ہے یہی جوہرہ میں ہے اور اسی پر صاحب بحر اور مصنف نے فتویٰ دیا ہے اور اسی طرح بیت المال کی زمینیں بھی وقف شدہ زمین کے حکم میں ہیں جیسا کہ خیریہ میں فتویٰ ہے اور خیریہ کے کتاب الدعوی میں ہے کہ بیت المال کی زمینوں پر دائمی وقف شدہ زمینوں کے احکام جاری ہوں گے۔" (رد المحتار علی الدر المختار ۴/ ۴۰۱)

Marfat.com

رفاہی کاموں کیلئے خاص کردہ S.T پلاٹ وقف شدہ زمینوں کی طرح ہوتے ہیں اور وقف شدہ زمین کا حکم یہ ہے:

(فاذا تم ولزم لا یملك ولا یملّك ولا یعار ولا یرهن) قال الطحطاوی: (قوله: لا یملك) ای لا یصیر ملکا لصاحبه .منح، (قوله: لا یملّك) ای لا یقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیك الخارج عن ملکه (ولا یعار ولا یرهن) لاقتضائهما الملك

"(جب وقف تام اور لازم ہو جائے تو وہ جگہ مالک کی ملکیت نہیں رہتی اور نہ اس جگہ کا کسی کو مالک بنایا جا سکتا ہے اور نہ رہن پر دیا جا سکتا ہے اور نہ عاریت پر)

علامہ طحطاویؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں (لایملک) یعنی اب یہ زمین مالک کی ملکیت نہیں رہی (لا یملک) یعنی اب یہ زمین خرید و فروخت کے ذریعے مالک بنائے جانے کے بھی قابل نہیں رہی کیونکہ جو چیز اپنی ملکیت سے باہر ہو اس کا دوسرے کو بھی مالک نہیں بنایا جا سکتا (ولا یعار ولا یرھن) کیونکہ عاریت پر دینے اور رہن رکھوانے کیلئے بھی ملک ضروری ہے (اور یہ وقف شدہ زمین کسی کی ملک نہیں رہی)" (الطحطاوی علی الدر المختار ۲/ ۵۳۴)

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ S.T زمین ناقابلِ فروخت ہے یہ رفاہی کاموں کیلئے خاص کردی گئی ہے اب یہ حکومت کی ملکیت سے خارج ہو چکی ہے۔

۲)۔ مسئلہ سے متعلق دوسری اہم بات یہ ہے کہ مساجد بنانا فرضِ کفایہ ہے موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے:

یجب بناء المساجد فی الامصار والقری والمحال۔ جمع محلة۔ ونحوها حسب الحاجة وهو من فروض الکفایة

"مساجد بنانا شہروں، گاؤں اور محلوں وغیرہ میں حسبِ ضرورت واجب ہے اور یہ فرضِ کفایہ کاموں میں سے ہے۔"

(الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۷/ ۱۳۹)

مسجد بنانا اولاً حکومت کی ذمہ داری ہے اور گزشتہ زمانے میں حکومت یہ کام حسنِ اسلوبی کے ساتھ انجام دیتی رہی ہے اب بھی حکومت مختلف جگہوں پر مساجد کیلئے زمینیں وقف کرتی ہے البتہ مساجد کی تعمیر میں کوتاہی کے باعث اب مساجد عموماً عوام کے چندوں سے ہی تعمیر ہوتی ہیں نیز بعض اہلِ دل مسلمان اپنی ذاتی ملکیت سے بھی مساجد کیلئے زمینیں وقف کرتے ہیں۔

لہٰذا عوام کے چندوں سے جب مسجد بنتی ہے تو اگر ذاتی ملکیت کی زمین پر مسجد بنانے کا ارادہ ہو تو اس کا خریدنا بہر حال شرعاً ضروری ہے شخصی ملکیت میں بغیر خریدے مسجد بنانا شرعاً جائز نہیں، البتہ اگر مسجد S.T پلاٹ پر بن رہی ہو تو اگر وہ پلاٹ مسجد کیلئے نامزد ہو تو عوام اپنے چندے سے بلا شبہ اس پلاٹ پر مسجد تعمیر کر سکتے ہیں اور اگر وہ پلاٹ مسجد کیلئے نامزد نہ ہو (یا محکمے کے بقول ریزرو ہو) اور علاقے میں مسجد یا مسجد کی توسیع کی ضرورت ہو تو اس پلاٹ کو استعمال کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ بھی رفاہی پلاٹ ہے۔

۳)۔ پنچائیت والوں کا مطلقاً یہ کہنا کہ "آپ ﷺ نے مسجدِ نبوی کیلئے زمین خریدی تھی لہٰذا مسجد کیلئے زمین خریدنا ضروری

Marfat.com

ہے" یہ درست نہیں بلکہ زمین اگر شخصی ملکیت ہوتو اسے خریدا جائے گا ورنہ وقف شدہ یا S.T پلاٹ کا خریدنا ضروری نہیں۔ مسجدِ نبوی کی زمین خریدنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کیونکہ یہ مسجد کی جگہ بچوں کی ذاتی ملکیت تھی اور وہ بچے یتیم تھے، اور یتیم بچوں کی زمین کو وہ یتیم بچے اور نہ اس کے ولی ہبہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کا وقف ممکن ہے لہٰذا مجبوراً قیمت ادا کر کے لینا ضروری تھا اور گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ شخصی ملکیت کی زمین کو خریدے (یا مالک کی طرف سے ہبہ کئے) بغیر مسجد بنانا درست نہیں۔ بخاری شریف میں ہے:

ثم ركب راحلته، فسار يمشي معه الناس حتى بركت عند مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم بالمدينة، وهو يصلي فيه يومئذ رجال من المسلمين، وكان مربدا للتمر، لسهيل وسهل غلامين يتيمين في حجر أسعد بن زرارة۔

"پھر آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے لوگ آپ کے ساتھ چلنے لگے یہاں تک کہ وہ سواری مسجدِ رسول کے قریب رک گئی، وہاں ان دنوں کچھ مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے اور وہ جگہ سہل اور سہیل کی تھی وہاں وہ کھجور خشک کیا کرتے تھے یہ دونوں اسعد بن زرارہ کی پرورش میں یتیم لڑکے تھے۔" (الصحیح للامام البخاریؒ، ۱/۵۵۵)

لہٰذا مسجد نبوی کی زمین جب ذاتی ملکیت تھی اور ہبۃً اسے لینے کی گنجائش نہ تھی اور تکوینی طور پر وہی جگہ مسجدِ نبوی کیلئے خاص تھی لہٰذا اسے خریدنا ضروری تھا S.T یا وقف شدہ پلاٹ کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں یہ قیاس مع الفارق ہے جو مفیدِ استدلال نہیں، مسجدِ نبوی کے معاملے کا زیرِ بحث مسئلے سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا اسے پیش کرنا محلِ نظر ہے۔

۴)۔ مسجد میں توسیع کی ضرورت ہو اور مسجد سے متصل پلاٹ خالی ہو تو اس سلسلے میں بھی وہی تفصیل ہے کہ اگر وہ پلاٹ شخصی ہے تو اسے خریدنا بہر حال ضروری ہے اور اگر وہ S.T پلاٹ ہے تو اگر وہ مسجد کیلئے نامزد ہے تو اس میں توسیع کرنا بلاشبہ جائز ہے اور اگر وہ غیر نامزد عام رفاہی پلاٹ ہو اور مسجد کو توسیع کی ضرورت ہو تو اس پلاٹ پر توسیع کرنا جائز ہے وہ مسجد کا حق شمار ہوگا اور مسجد سے متصل بھی ہے اس لیے اس کا مسجد میں شامل کرنا شرعاً درست ہے اور اس میں اہلِ علاقہ کی اہم دینی اور اجتماعی ضرورت بھی پوری ہوتی ہے۔ فتاویٰ خانیہ میں ہے:

قوم بنوا مسجداً واحتاجوا الى مكان ليتسع المسجد فاخذوا من الطريق وادخلوه في المسجد ان كان يضر ذلك باصحاب الطريق فلا يجوز والا فلا باس به ...... ولو كان بجنب المسجد ارض وقف على المسجد فارادوا ان يزيدوا شيئاً في المسجد من الارض جاز ذلك بامر القاضي

"ایک جماعت نے مسجد بنوائی اور پھر انہیں مسجد کی توسیع کیلئے جگہ کی ضرورت پڑی لہٰذا انہوں نے راستے میں سے کچھ حصہ مسجد میں شامل کرلیا، اگر راستے سے گزرنے والوں کو ضرر ہوتا ہو تو یہ جائز نہیں ورنہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں .... اگر مسجد سے متصل زمین ہو جو مسجد کیلئے وقف ہو اب اگر اہلِ علاقہ مسجد میں توسیع کرنا چاہتے ہوں تو قاضی کی اجازت سے وہ یہ کر سکتے ہیں۔" (خانیہ ۴/۲۹۸)

Marfat.com

۵)۔مسجد میں توسیع کیلئے اگر شخصی مکان خرید نے پڑیں اور ان کے مالک بخوشی اس خرید وفروخت پر راضی نہ ہوں تو جبراً بھی ان سے یہ مکان خریدے جاسکتے ہیں۔فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

ولو ضاق مسجد على الناس وبجنبه ارض لرجل يؤخذ ارضه بالقيمة كرهاً وقد صح عن عمر رضی اللہ عنہ وكثير من الصحابة انهم اخذوا ارضين بكره من اصحابها وزادوا في المسجد الحرام حين ضاق بهم

"اگر مسجد لوگوں پر تنگ ہوجائے اور مسجد سے متصل کسی شخص کی زمین ہو تو اسے زبردستی خریدا جائے گا،حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے جبراً بھی زمینیں خریدی ہیں اور مسجدِ حرام جب تنگ ہوئی تو اس میں اضافہ کیا ہے۔" (التاتارخانیہ ۸/۱۶۰)

اسی طرح فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو ضاق المسجد على الناس وبجنبه ارض لرجل تؤخذ ارضه بالقيمة كرها

"مسجد سے متصل کسی کی جگہ ہو تو اسے قیمت کے عوض جبراً بھی خریدا جاسکتا ہے۔" (الفتاوی الهندیہ ۲/۴۵۶)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ شخصی ملکیت کو مسجد کی توسیع کے لیے جبراً خریدنا جائز ہے اور مسجدِ حرام میں یہ صورتِ حال پیش آئی ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کے سوالوں کے بالترتیب جوابات درج ذیل ہیں:

۱)۔کسی کی شخصی ملکیت میں مسجد بنانا درست نہیں اس سے زمین کا خریدنا ضروری ہے۔نیز کسی کی ذاتی ملکیت کو جنازہ گاہ کے طور پر اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا درست نہیں۔

۲)۔رفاہی S.T پلاٹ اگر مسجد کیلئے نامزد ہے تو اس پر مسجد بنانا یا جنازہ گاہ بنانا بلاشبہ جائز ہے اور اگر وہ پارک وغیرہ کیلئے نامزد ہے تو اس پر وہی کام کرنا ضروری ہے جس کے لیے وہ نامزد ہے اور اگر وہ S.T پلاٹ غیر نامزد ہے اور اہل علاقہ کو مسجد یا جنازہ گاہ وغیرہ کی ضرورت ہو تو اسے مسجد کے استعمال میں لانا درست ہے۔

۳)۔S.T پلاٹ سے ریزرو کردہ پلاٹ بھی S.T پلاٹ کے حکم میں ہے یہ بھی رفاہی کاموں کیلئے خاص ہوگا،حکومت کا اسے بیچنا یا ھبہ کرنا درست نہیں۔

۴)۔S.T پلاٹ سے ریزرو کردہ پلاٹ کی خرید وفروخت درست نہیں۔

۵)۔S.T یا اس سے ریزرو کردہ پلاٹ رفاہی کاموں کیلئے مخصوص ہے اور جب سالوں سے اسے جنازہ گاہ کے طور پر استعمال بھی کیا جارہا ہے تو وہ پلاٹ جنازہ گاہ کے طور پر ہی استعمال ہوگا کیونکہ عامۃ المسلمین کی ایک اہم اجتماعی اور دینی ضرورت ہے حکومت کا اسے بیچنا یا شخصی ملکیت میں دینا درست نہیں۔

Marfat.com

۶)۔مسجدِ نبوی کی زمین ذاتی ملکیت تھی اور یتیم بچے اس کے مالک تھے جن کی طرف سے ہبہ یا وقف کی گنجائش نہ تھی لہٰذا اسے خریدنا ضروری تھا، S.T زمین کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں لہٰذا مسجدِ نبوی کو اس معاملے میں لانا بے جا ہے اور یہ کہنا کہ مسجد کیلئے زمین کا خریدنا ہی ضروری ہے درست نہیں۔

۷)۔اگر مسجد کی توسیع کی جائے اور مسجد کی توسیع کی ضرورت ہو تو جبراً بھی ذاتی مکان خریدے جاسکتے ہیں۔

۸)۔حرمین شریفین کی جو توسیع ہے وہ ذاتی مکان خرید کر ہوئی ہے اس میں جبراً بھی ذاتی مکان خریدے گئے ہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں حکومت یا محکمے کا مسجد سے متصل پلاٹ (جو حکومت کے بقول S.T سے ریزرو کردہ تھا) کا بیچنا جائز نہیں یہ بیع منعقد نہیں ہوئی۔ وہ پلاٹ اہلِ علاقہ کا حق ہے اور چونکہ مسجد سے متصل ہے اور مصالحِ مسجد جنازہ گاہ وغیرہ کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے لہٰذا مسجد اس پلاٹ کی حقدار ہے اور شرعاً وہ پلاٹ جنازہ گاہ کے طور پر ہی استعمال کیا جاتا رہے گا اس کی خرید وفروخت منعقد نہیں ہوگی۔

Marfat.com

(۳۹۳) مساجد میں ایکو ساؤنڈ کے استعمال کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مساجد (جیسا کہ ہماری مسجد) میں ایکو ساؤنڈ لگا ہوتا ہے جس کی وجہ سے جب مؤذن یا امام ایک مرتبہ اللہ اکبر کہتا ہے تو ایک مرتبہ کہنے کی وجہ سے تین چار مرتبہ آواز سنائی دیتی ہے کیا اس سے نماز میں کراہت نہیں آتی؟ نیز یہ آواز جتنی مرتبہ سنائی دیتی ہے اتنی مرتبہ ہی شمار ہوگی یا ایک مرتبہ شمار ہوگی؟ بخاری (۱/۸۵) پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اثر ہے کہ ''اذن اذانا سمحا و الا فاعتزلنا'' اور سمحا کا مطلب یہ ہے کہ سہل و بلا نغمہ ہو، آواز میں طرب (یعنی درجہ بدرجہ) نہ ہو، کیا ایکو (Echo) والی آواز میں طرب نہیں ہے اگر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی رُو سے تحقیقی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......عبادات کی ادائیگی کا جو طریقہ عہد نبوی سے تا حال چلا آرہا ہے وہ شریعت میں آج بھی ممدوح و مطلوب ہے جیسا کہ باجماعت نماز کی ادائیگی میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مکبّرین کا تقرر جو کہ قدیم سنت ہے، اس پر عمل پیرا ہونا افضل ہے۔ جبکہ سائنس کی نئی نئی ایجادات جن میں آلہ مکبر الصوت ''لاؤڈ اسپیکر'' بھی داخل ہے جس کے ہوتے ہوئے مکبّرین کے تقرر کی طرف احتیاج باقی نہیں رہتی، تو حضرات مفتیان کرام نے نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو سہولت اور عموم بلوی کے پیش نظر جائز قرار دیا ہے۔

جہاں تک مساجد میں ایکو ساؤنڈ کا استعمال ہے تو اس سے مقصود تحسین صوت ہے کہ اذان وقرأت کی ادائیگی قلوب پر اثر انداز ہو کے خشوع کی زیادتی کا باعث بنے جو کہ غرض صحیح ہے۔ ایکو ساؤنڈ کے ذریعہ کلمات کا تکرار جو سننے میں آتا ہے تو وہ بمنزلہ صدائے بازگشت کے ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں ایک ہی تکبیر شمار ہوگی البتہ اگر یہ گونج اس قدر زیادہ ہو کہ جس سے نمازی کے خشوع میں خلل واقع ہو، اور قرأت ہی سمجھ میں نہ آئے تو ایسی صورت میں ایکو ساؤنڈ کے استعمال سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا مؤذن کو ''اذن اذانا سمحا و الا فاعتزلنا'' ارشاد فرمانا اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ اذان کے کلمات میں زائد تکرار کر رہے تھے بلکہ وہ تصنع اور گا گا کر اذان دیا کرتے تھے اس تفسیر کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اس مقولہ کو (جو کہ صحیح بخاری شریف میں تعلیقاً ذکر ہے) ابن ابی شیبہ نے موصولاً روایت کیا ہے جس میں لفظ تطریب کی صراحت ہے۔ (۱/۲۰۷)

وفی الدر المختار (۱۰۸/۲): (لا) تجب (بسماعه من الصدى والطير)

وفی اللجنة الدائمة (۶۵/۶): س: هل صح قول من قال: بعدم استحباب الأذان بمكبرات الأصوات باعتبارها المولدة لمضاعفات الأصوات عن الحجم الصغير يلقيه المؤذن فى الأصل، ذلك لالحاقه بالأذان بالراديو أو التلفاز،

Marfat.com

ج: ألأذان بمكبرات الصوت لتبليغ من بعد وغيره لاحرج فيه، لما في ذلك من المصلحة العامة۔

(۳۹۴) مسجد میں نمازیوں کے سامنے کی طرف ہیٹر لگانے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد میں ہیٹر لگانا کیسا ہے؟ نیز اگر ہیٹر نمازیوں کے سامنے صف میں یا اکیلے آدمی کے سامنے پڑا ہو تو نماز میں کوئی حرج آئے گا؟ یا اگر دیوار پر اوپر سامنے لگا ہوا ہو تو نماز میں کوئی حرج آئے گا یا نہیں؟ کیا اس میں تشبہ بالمجوس ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... مسجد میں ضرورت کی وجہ سے ہیٹر لگانے میں کوئی حرج نہیں اور اس کے سامنے ہونے سے تشبہ بالمجوس بھی لازم نہیں آتا۔

لما في الشامية (۱/۶۵۲): وفي شرح المنية: وجه عدم الكراهة أن كراهة استقبال بعض الأشياء باعتبار التشبه بعبادها... (قوله أوشمع)... وعدم الكراهة هو المختار كما في غاية البيان وينبغي الاتفاق عليه فيما لوكان على جانبيه كما هو المعتاد في ليالي رمضان بحر:------(قوله قنية) ذكر ذلك في القنية في كتاب الكراهية ونصه: الصحيح أنه لايكره أن يصلّي وبين يديه شمع أو سراج لأنّه لم يعبدهما أحد والمجوس يعبدون الجمر لاالنّار الموقدة، حتّى قيل لايكره إلى النّار الموقدة وظاهره أنّ المراد بالموقدة التي لها لهب، لكن قال في العناية: أن بعضهم قال: تكره إلى شمع أو سراج كما لو كان بين يديه كانون فيه جمرأو نار موقدة اهـ وظاهره انّ الكراهة في الموقدة متّفق عليها كما في الجمر تأمّل۔

وفي اللجنة الدائمة(۸۸/۷):س۵: هل يجوز توليع الدفايات الكهربائية أمام المصلّين أولا۔

ج۵: يجوز ذلك لمسيس الحاجة إلى ذلك۔

(۳۹۵) مسجد کے پودوں کے مالی کو مسجد کی آمدنی سے تنخواہ دینے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک متولی مسجد نے مسجد کی رقم سے مسجد کی دیواروں کے ساتھ ساتھ سبزہ و پودے لگوائے ہیں۔ کچھ عرصہ تک ایک مالی کو رکھ کر اس کو بھی مسجد سے تنخواہ ادا کرتا رہا ہے اب مالی کی چھٹی کر دی گئی ہے جس سے وہ سبزہ وغیرہ خشک ہو رہا ہے۔ اب حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ مسجد کی رقم سے سبزہ پودے وغیرہ لگانا اور مالی کو تنخواہ دینا جائز ہے؟ اور وہ متولی مسجد اللہ کے ہاں مجرم ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... مسجد میں سبزہ و پودے لگانے سے مسجد کا ماحول پر رونق وخوشگوار بنتا ہے۔ اس لئے یہ مصالح

Marfat.com

مسجد میں داخل ہے اور اس کیلئے مالی رکھنا اور اس کو مسجد کی رقم سے تنخواہ دینا درست ہے، مسجد کے مصارف میں تعاون کرنے والوں کی طرف سے دلالۃً اس کی اجازت ہوتی ہے۔لیکن اس میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیئے، اسراف ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔

لمافی الولوالجیة(۸۸/۳): رجل غرس فی المسجد ههنا اربع مسائل احداها هذه: (بعد ثلاثة اسطر) ففی المسئلة الاولی: الشجر یکون للمسجد، لانه بمنزلة بناء المسجد۔

وفی الخانیة علی الهندیة (۳۱۰/۳): ولوغرس فی المسجد یکون للمسجد لانه لایغرس لنفسه فی المسجد۔۔۔۔۔ مسجد فیه شجرة التفاح قال بعضهم یباح للقوم ان یفطروا بهذا التفاح والصحیح انه لایباح لان ذالك صار للمسجد، یصرف الی عمارة المسجد۔

(۳۹۶) جوتے پہن کر مسجد میں آنا اور انہی میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی آدمی جوتے پہن کر مسجد میں آ کر نماز پڑھتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۲)۔گھر وغیرہ میں ان جوتوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جوتے اگر ایسے ہوں کہ سجدے میں وہ پیروں کی انگلیاں زمین پر لگنے سے مانع نہ ہوں، اور ناپاک نہ ہوں تو ایسے جوتوں میں اگر نماز پڑھ لی جائے اگرچہ مسجد میں ہی کیوں نہ ہو، درست ہوجائے گی البتہ آجکل عرفاً یہی مناسب ہے کہ جوتوں کے ساتھ نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ آجکل مساجد میں فرش اور قالین ہوتا ہے جوتوں میں نماز پڑھنے کی وجہ سے عام طور پر مسجد کی تلویث کا خطرہ رہتا ہے۔

(۲)۔اسی طرح گھر وغیرہ میں بھی جوتوں میں نماز پڑھنا درست ہے مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ۔

لمافی فتح الملهم(۱۲۹/۴): قوله قال نعم،الخ فیه جواز الصلوة فی النعال والخفاف، ای اذا تحقق طهارتها، ویتمکن معها من تمام السجود، بأن یسجد علی جمیع اصابع رجلیه کما قاله الخطابی۔

وفی الدر المختار مع رد المحتار(۶۵۷/۱): وینبغی لداخله تعاهد نعله وخفه وصلوته فیهما افضل (لا) یکره۔ (قوله وصلاته فیهما) ای فی النعل والخف الطاهرین افضل مخالفة للیهود... قلت لکن اذا خشی تلویث فرش المسجد بها ینبغی عدمه وان کانت طاهرة واما المسجد النبوی فقد کان مفروشا بالحصی فی زمنه ﷺ بخلافه فی زماننا الخ۔

وفی الشامیة(۴۴۷/۱): (قوله وقدمیه) یجب اسقاطه لان وضع اصبع واحد منهما یکفی کما ذکره بعدح وأفاد انه لو لم یضع شیئاً من القدمین لم یصح السجود۔

Marfat.com

وفی الفقہ الاسلامی (۱/۵۵۳): السنة لمن اراد دخول المسجد أن يتفقد نعليه ويمسح ما فيهما من اذى قبل دخوله لحديث، ((اذا جاء احدكم المسجد فلينظر فان رأى فى نعليه قذرا اواذى فليمسحه وليصل فيهما۔

Marfat.com

کتاب الجنائز والشهید

(نماز جنازہ، تجہیز و تکفین اور شہید سے متعلق مسائل کا بیان)

(۳۹۷) میت کو غسل دیتے وقت کان و ناک کے سوراخوں میں روئی رکھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس وقت میت کو غسل کیلئے تختے پر لٹایا جائے تو پہلے میت کے ناک وکان کے سوراخوں میں روئی کی پھریری رکھنے کا جو دستور ہے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ظاہر الروایات سے تو اس کا ثبوت نہیں ملتا لیکن غیر ظاہر الروایت میں امام ابوحنیفہؒ سے ایک قول مروی ہے کہ غسل کے وقت روئی کی پھریری میت کے اعضائے مذکورہ میں رکھ دے۔

لمافی الدر المختار(۲/۱۹۸): ولا بأس بجعل القطن علی وجهه وفی مخارقه کدبر وقبل واذن وفم۔

وفی الشامیة(۲/۱۹۸): (قوله ولا باس الخ) کذا فی الزیلعی واشار الی ان ترکه اولی قال فی الفتح ولیس فی الغسل استعمال القطن فی روایات الظاهرة وعن ابی حنیفة انه یجعل فی منخریه وفمه وقال بعضهم فی صماخه ایضاً وقال بعضهم فی دبره ایضاً قال فی الظهیریة واستقبحه عامة العلماء لکن فی الحلیة انه منقول عن الشافعی وابی حنیفة فاطلاق انه قبیح لیس بصحیح الخ۔

(۳۹۸) میت کو غسل دیتے وقت سر کے مسح کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کو غسل دیتے وقت سر کا مسح کرنا بھی سنت ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صحیح قول کے مطابق میت کو غسل سے پہلے وضو کراتے وقت اس کے سر پر مسح کیا جائے گا۔

لمافی الدر المختار(۲/۱۹۶): ویبدأ بوجهه ویمسح رأسه۔ وقال ابن عابدین تحت قوله یمسح رأسه ای فی الوضوء وهو ظاهر الروایة کالجنب بحر۔

وفی الهندیة(۱/۱۵۸): واختلفوا فی مسح رأسه والصحیح انه یمسح رأسه۔الخ۔

Marfat.com

(۳۹۹) میت کو غسل دینے کے بعد اگر نجاست خارج ہو جائے تو غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر میت کو کفن دینے کے بعد کوئی نجاست خارج ہو تو کیا اسے دوبارہ غسل دیا جائے گا یا یہی غسل کافی ہے اور صرف نجاست کو دھو دیا جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں پہلے والا غسل کافی ہے صرف محل نجاست کو دھولیا جائے جہاں پر نجاست لگی ہے اس مقام کو دھولیا جائے۔

لمافی الھندیة (۱/۱۵۸): ویمسح بطنه مسحاً رفیقاً تحرزاً عن تلویث الکفن فان خرج منه شئ غسله ولا یعید غسله ولا وضوء ہ ثم ینشفه بثوب کیلا تبتل اکفانه الخ۔

وفی ملتقی الابحر(۱/۱۵۶): فان خرج منه شئ غسله ولا یعید غسله ولا وضوئه وینشفه بثوب الخ۔

وفی الدر المختار مع الشامیة (۲/۱۹۷): ولا یعاد غسله ولا وضوء ہ بالخارج منه لان غسله ماوجب لرفع الحدث لبقائه بالموت بل لتنجسه بالموت کسائر الحیوانات الدمویة الا ان المسلم یطھر بالغسل کرامة له وقد حصل بحر۔

وفی الشامیة تحته:(قوله وقد حصل) ای الغسل وبطروالنجاسة بعده لایعاد بل یغسل موضعھا۔

(۴۰۰) کوئی شخص کسی حادثہ میں مر جائے اور اعضاء متفرق ہو جائیں تو غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص آگ میں جھلس کر مر گیا اس کے بعض اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گئے اور بعض راکھ بن گئے۔ اسی طرح سے ایک شخص گاڑی کے ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گیا اور اس کے بھی اعضاء اس حادثے میں بکھر گئے کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ اس کا سر کہاں ہے؟ ایسے اشخاص کے بارے میں غسل اور ان کی نمازِ جنازہ کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر میت کے جسم کے اکثر اعضاء یا آدھا جسم سر کے ساتھ موجود ہو تو اس صورت میں اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی لیکن اگر میت کا آدھا جسم بغیر سر کے یا آدھے سے بھی کم جسم (اگرچہ سر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو) پایا گیا تو اس کو نہ ہی غسل دیا جائے گا اور نہ ہی اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ بلکہ اس کو یونہی دفن کر دیا جائے گا۔

لمافی الھندیة(۱/۱۵۹): ولو وجد اکثر البدن او نصفه مع الراس یغسل ویکفن ویصلی علیه کذا فی المضمرات...... وان وجد نصفه من غیر الرأس او وجد نصفه مشقوقاً طولافانه لایغسل ولا یصلی علیه ویلف فی خرقة ویدفن فیھا کذا فی المضمرات۔

Marfat.com

وفی الدر المختار و رد المحتار(۱۹۹/۲): (وجد رأس آدمی) او احد شقيه (لا يغسل ولا يصلی عليه) بل يدفن الا ان يوجد اكثر من نصفه ولو بلا رأس الخ۔

وفی الشامية تحته: (قوله ولو بلا رأس) وكذا يغسل لو وجد النصف مع الرأس بحر۔

(۴۰۱) عورت کی میت کو نہلاتے وقت اس کے ستر کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مُردہ عورت کو نہلاتے وقت پورے بدن پر کپڑا ڈالنا ضروری ہے یا مرد کی طرح صرف گھٹنوں اور ناف تک چھپانا کافی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں عورت کو عورت سے اس قدر پردہ ہے جتنا مرد کو مرد سے اس لئے عورت کو نہلاتے وقت صرف ناف سے زانو تک کپڑا ڈالنا کافی ہے۔

لما فی الدر المختار (۱۹۵/۲): عبارة الزيلعی حتی يغسل وعبارة النهر قبل غسله (وتستر عورته الغليظة فقط علی الظاهر) من الرواية (وقيل مطلقا) الغليظة والخفيفة (وصحح) صححه الزيلعی وغيره (ويغسلها تحت خرقة) السترة (بعد لف) خرقة (مثلها علی يديه)

وفی الشامية تحته: (قوله صححه الزيلعی وغيره) والاوّل صححه فی الهداية وغيرها لكن قال فی شرح المنية ان الثانی هو المأخوذ به لقوله عليه الصلوة والسلام لعلی ''لا تنظر الی فخذ حی ولا ميت'' لان ماكان عورة لا يسقط بالموت... وهذا شامل للمرأة والرجل لان عورة المرأة للمرأة كالرجل للرجل۔

(۴۰۲) عورت کو کفن دیتے وقت بالوں کو کس طرح رکھا جائے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کفن کے وقت عورت کے سر کے بالوں کو کیسے رکھا جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں عورت کے سر کے بالوں کو دو حصے کر کے سینہ کے اوپر دائیں بائیں رکھا جائے۔

وفی الهندية(۱۶۱/۱): ويجعل شعرها ضفيرتين علی صدرها فوق الدرع۔

وفی الدر المختار(۲۰۴/۲): ويجعل شعرها ضفيرتين علی صدرها فوقه ای الدرع۔

Marfat.com

(۴۰۳) آب زمزم سے احرام کی چادریں دھو کر کفن کے لئے رکھنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے میری خالہ جو کہ میری ساس بھی ہیں نے ایک نصیحت کی ہے کہ بیٹا اس سال آپ حج پر جا رہے ہو، اپنے احرام کو مائے زمزم میں ضرور دھو لینا، اور پھر آ کر اس کو محفوظ کر کے کفن کی نیت سے رکھ لینا، کیا اس طرح کرنا بدعت تو نہیں ہوگا؟ اور اس میں کوئی شرعی مانع تو نہیں ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اپنے لئے مرنے سے پہلے کفن تیار کرنا اور اسی طرح مقدس چیزوں سے تبرک حاصل کرنا شرعاً جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ احرام کی چادروں کو آبِ زمزم سے دھو کر اپنے کفن کے لیے رکھ سکتے ہیں، نہ یہ بدعت میں شامل ہے اور نہ اس میں کوئی شرعی مانع ہے۔

لمافی مرقاۃ المفاتیح(۱۰۶/۴): وعن عبداللہ بن عباس قال ان رجلا کان مع النبی ﷺ فوقصتہ ناقتہ وھو محرم فمات فقال رسول اللہ ﷺ((اغسلوہ بماء سدر وکفنوہ فی ثوبیہ ولا تمسوہ بطیب ولا تخمّروا راسہ فانہ یبعث یوم القیامۃ ملبّیا)) متفق علیہ۔ وقد قال علیہ الصلوٰۃ والسلام فی ذلک المحرم کفنوہ فی ثوبیہ وھما ثوبا احرامہ ازارہ ورداؤہ ومعلوم ان ازارہ من الحقو وکذا حدیث ام عطیۃ۔

وفی عمدۃ القاری(۶۱،۶۳/۸): (باب من استعد الکفن فی زمن النبی ﷺ فلم ینکر علیہ) واستفید من ذلک جواز تحصیل مالا بد للمیت منہ من کفن ونحوہ فی حال حیاتہ لان افضل ماینظر فیہ الرجل فی الوقت المھمل وفسحۃ الاجل الاعتداد للمعاد۔ وفیہ التبرک بآثار الصالحین وفیہ جواز اعداد الشئ قبل وقت الحاجۃ الیہ۔

وفی فتح الباری(۱۰۷-۸ ۳/۱۱): (قولہ باب الکفن فی القمیص الذی یکف اولایکف) ...وکذا رایتہ فی اصل ابی القاسم بن الورد قال والذی یظھر لی ان البخاری لحظ قولہ تعالیٰ استغفر لھم اولا تستغفر لھم ای ان النبی ﷺ البس عبداللہ بن ابی قمیصہ سواء کان یکف عنہ العذاب اولا یکف استصلاحا للقلوب المولفۃ فکأنہ یقول یوخذ من ھذا التبرک بآثار الصالحین سواء علمنا انہ مؤثر فی حال المیت اولا۔ واستنبط منہ الاسما علی جواز طلب آثار اھل الخیر منھم للتبرک بھا وان کان السائل غنیا فیستفاد منہ جواز تحصیل مالا بدللمیت منہ من کفن ونحوہ فی حال حیاتہ۔

Marfat.com

(۴۰۴) نمازِ جنازہ کی ترتیب اور تکبیرات کا حدیث سے ثبوت

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نمازِ جنازہ پڑھنے کی ترتیب کیا ہوگی؟ نیز بتائیں تکبیریں چار ہیں یا پانچ؟ حدیث سے چار کا ثبوت ملتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... نماز جنازہ میں چار تکبیرات ہوتی ہیں، پہلی تکبیر کہہ کر سبحانک اللّٰھم الخ پڑھا جائے پھر دوسری تکبیر کہہ کر درود شریف پڑھا جائے، پھر تیسری تکبیر کہہ کر میت کیلئے دعا پڑھی جائے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا کی جائے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللھم اغفر لحینا و میتنا الخ ثابت ہے۔ اور اگر میت چھوٹا بچہ ہے تو دعا میں اللھم اجعلہ لنا فرطاً و جعلہ لنا اجراً و ذخراً و اجعلہ لنا شافعاً و مشفعاً پڑھے، اور اگر چھوٹی بچی ہو تو اللھم اجعلھا لنا فرطاً الخ پڑھے پھر چوتھی تکبیر کہہ کر دونوں طرف سلام پھیر دے، اور جنازے میں چار تکبیروں کا ثبوت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی احادیث سے ہوتا ہے، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

لما فی الترمذی (۱۹۸/۱): لما جآء عن ابی هريرة رضي الله عنه: أن النبی صلى الله عليه وسلم صلی علی النجا شی فکبر اربعاً۔ وفی الباب عن ابن عباس رضي الله عنه وابن ابی اوفی رضي الله عنه وجابر رضي الله عنه وانس رضي الله عنه ویزید بن ثابت... قال ابو عیسیٰ حدیث ابی هريرة رضي الله عنه هذا حديث حسن صحيح"

وفی الهندية (۱۶۴/۱): وصلاة الجنازة اربع تكبيرات ولو ترك واحده منها لم تجز صلاته هكذا فی الكافی فيكبر للافتتاح ويقول سبحانك اللهم الخ ثم يكبر اخرىٰ ويصلّى على النبی صلى الله عليه وسلم ثم يكبر أخرىٰ ويدعو للميت وجميع المسلمين وليس فيها دعآء موقت وعن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه كان يقول، اللهم اغفر لحينا وميتنا الخ فان كان الميت صغيراً عن ابی حنيفة رحمه الله انه يقول اللهم اجعله لنا فرطاً الخ... ثم يكبر الرابعة ثم يسلم تسليمتين۔

وفی الدر المختار مع التنوير (۲۱۲/۲): وهی اربع تكبيرات كل تكبيرة قائمة مقام ركعة يرفع يديه فی الأولى فقط... ويثنی بعدها وهو سبحانك اللهم وبحمدك" ويصلی على النبی صلى الله عليه وسلم كما فی التشهد بعد الثانية... ويدعو بعد الثالثة... ويسلّم بلا دعاء بعد الرابعة"۔

(۴۰۵) نمازِ جنازہ کی ثناء میں اور درود شریف میں زیادتی کا حدیث سے ثبوت

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نمازِ جنازہ میں جو ثناء پڑھی جاتی ہے جس میں وجل ثناؤک کی زیادتی ہے اسی طرح درود شریف میں زیادتی ہے، آیا یہ حدیث سے ثابت ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوهاب......ثناء کے متعلق جو مشہور روایات ہیں ان میں وجل ثناؤک کے الفاظ نہیں ہیں، اسی طرح درود شریف میں بھی کوئی زیادتی نہیں ہیں لیکن بعض شاذ روایات میں یہ زیادتی موجود ہے، لہٰذا اگر کہہ دی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

لمافی فتح القدیر(۱/۲۹۰): وان كان روى فى الجملة عن ابن عباس فى حديث طويل من قوله وذكره ابن ابى شيبة وابن مردوية فى كتاب الدعا له ورواه الحافظ ابو شجاع فى كتاب فردوس عن ابن مسعود رضي الله عنه ان من أحب الكلام الى الله عزوجل ان يقول العبد سبحانك اللهم وبحمدك و تبارك اسمك وتعالى جدك وجل ثناؤك ولا اله غيرك وابغض الكلام الى الله ان يقول الرجل للرجل اتق الله فيقول عليك نفسك۔

وفى فتح القدير(۱/۳۱۷): وروى البيهقى عن يحيى بن السباق عن رجل من بنى الحارث عن ابن مسعود عنه صلى الله عليه وسلم اذا تشهد أحدكم فى الصلاة فليقل اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك على محمد وعلى آل محمد وارحم محمدا وآل محمد كما صليت وباركت وترحمت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم إنك حميد مجيد۔

(۴۰۶) نمازِ جنازہ مکروہ اوقات میں پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نمازِ جنازہ کن کن اوقات میں مکروہ ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......نمازِ جنازہ کا پڑھنا سورج کے طلوع وغروب کے وقت اور عین دوپہر کے وقت مکروہ ہے البتہ جنازہ اُسی وقت تیار ہو جائے تو صحیح ہے۔

لمافی نور الایضاح(ص۵۷): ثلاثة أوقات لايصح فيها شئ من الفرائض والواجبات التى لزمت فى الذمة قبل دخولها عند طلوع الشمس الى ان ترتفع وعند استوائها إلى ان تزول وعند اصفرارها إلى أن تغرب ويصح أداء ماوجب فيها مع الكراهة۔ كجنازة حضرت وسجدة آية تليت فيها كما صح عصر اليوم عند الغروب مع الكراهة۔

وفى الهندية(۱/۵۲): ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة ولا صلاة الجنازة ولا سجدة تلاوة... أما لو وجبتا فى هذا الوقت واديتا فيه جاز لأنها أديت ناقصة كما وجبت۔ كذا فى السراج الوهاج۔

وفى الشامية(۱/۳۷۴): (قوله وصلاة جنازة) فيه أنها تصح مع الكراهة كمافى البحر... (قوله فلو وجبتا فيها)، أى بأن تليت الآية فى تلك الأوقات أو حضرت فيها الجنازة، قوله أو تحريما) افاد ثبوت الكراهة التنزيهية اهـ

Marfat.com

رسالۃ

تعجیل الفرائض فی انتقال المیت والاسراع بالجنائز

جنازہ اور اس کی تدفین میں جلدی، نیز میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا

اور مسئلہ ھذا میں فقہاء کے اقوال اور راجح کا بیان

(۴۰۷) جنازہ میں جلدی اور انتقال میت سے متعلق تحقیقی فتوی

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کی تدفین میں جلدی کرنے سے متعلق شامیہ کی مندرجہ ذیل عبارات میں بظاہر تضاد معلوم ہو رہا ہے۔

۱۔ قوله (ويسرع في جهازه) لما رواه أبو داود عنه لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال ما أرى طلحة إلا قد حدث فيه الموت فإذا مات فآذنوني حتى أصلي عليه وعجلوا به فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله والصارف عن وجوب التعجيل الاحتياط للروح الشريفة فإنه يحتمل الإغماء۔ (شامية، كتاب الجنائز ۲/۱۹۲)

۲۔ قال فی الدر المختار: (وكره تأخير صلاته ودفنه ليصلي عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة) إلا إذا خيف فوتها بسبب دفنه۔

وفی الردّ تحته: قوله (إلا إذا خيف الخ) فيؤخر الدفن ــــــ ومقتضاه أن الكراهة تحريمية۔

مذکورہ بالا پہلی عبارت میں تدفین میں جلدی کرنے کو واجب نہیں کہہ رہے اور گویا مستحب فرما رہے ہیں (جیسا کہ دیگر اصحاب فتاوی نے مستحب فرمایا ہے) اور دوسری عبارت میں نمازِ جنازہ میں بسبب کثرت جماعت، تاخیر کو مکروہ تحریمی کہہ رہے ہیں جبکہ ترک استحباب کا حکم مکروہ تحریمی کا نہیں ہوتا (اور بظاہر تدفین میں جلدی اور نماز جنازہ میں جلدی کے حکم میں کوئی فرق نہیں)۔

ثانیاً میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں جو تاخیر ہوتی ہے اس تاخیر کو علماء خلاف اولی فرماتے ہیں جبکہ یہ تاخیر نماز جنازہ میں لوگوں کی تعداد بڑھانے کی غرض سے کی جانے والی تاخیر سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہے لہٰذا براہ کرم اس تعارض اور درپیش اشکال کو دور فرما کر ممنون فرمائیں اور اس میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل کیا تھا۔ ثالثاً یہ بھی بتائیں کہ اگر تاخیر مکروہ تنزیہی ہے تو ہم تو اسے تشدید اور

Marfat.com

احادیث کی بناء پر حرام سمجھتے رہے ہیں۔اس کا کیا حکم ہے؟؟؟ان مسائل میں ابتلاء عام ہے لہذا ان کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا......سوال میں دو مسئلے پوچھے گئے ہیں ایک تاخیر جنازہ اور دوسرا انتقال میت۔

پہلے ہم تاخیر جنازہ کے مسئلے پر بحث کریں گے۔تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ وغیرہ میں تعجیل یعنی جلدی کرنے سے متعلق متعدد نصوص وارد ہوئے ہیں اولاً ان پر ایک نظر کرلی جائے۔

عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه: أن النبي صلى الله عليه و سلم قال له يا علي ثلاث لا تؤخرها الصلاة إذا أتت والجنازة إذا حضرت والأيم إذا وجدت لها كفؤا (سنن الترمذی۱/۲۰۵)

باب ما جاء الجنازة لا توخر اذا حضرت الخ

عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال لا تؤخروا الجنازة إذا حضرت۔ (سنن ابن ماجة ۱/۱۰۷)

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أسرعوا بالجنازة، فإن تك صالحة فخير تقدمونها إليه وإن تك غير ذلك فشر تضعونه عن رقابكم. (مصنف ابن ابی شیبة۷/۲۲۰)

من كان يرى التعجيل بالميت ولا يحبس:

عن عروة، قال: كان ابن الزبير إذا مات له الميت من أهله، قال: عجلوا عجلوا، أخرجوا أخرجوا قال: فيخرج أي ساعة كان.

حدثنا أبو خالد الأحمر، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة قالت: مات أبو بكر ليلة الثلاثاء، ودفن ليلة الثلاثاء.

حدثنا يحيى بن سعيد عن سفيان عن معمر عن الزهرى عن عروة ان علياً دفن فاطمة رضى الله عنها ليلاً۔ (مصنف ابن ابی شیبة ۷/۳۲۷)

ان نصوص کو مدنظر رکھا جائے تو جنازے اور تجہیز وتدفین کی مطلقاً تعجیل واجب معلوم ہوتی ہے اور اس میں تاخیر کا مکروہ تحریمی ہونا لازم ہونا چاہیے لیکن فقہاء نے ان اوامر کو وجوب پر نہیں لیا بلکہ اس سے فقط استحباب اور افضلیت ثابت کی ہے اور تاخیر کو مکروہ تنزیہی فرمایا ہے۔

لما فی مراقی الفلاح ص۴۹۸: قوله (وكذا يستحب الإسراع بتجهيز كله) أي من حين موته فلو جهز الميت صبيحة يوم الجمعة يكره تأخير الصلاة عليه۔

وفی الدر المختار ۲/۱۹۳: ويسرع فی جهازه ويقرأ عنده القران۔

وفی الشامية تحته: (قوله ويسرع في جهازه) لما رواه أبو داود عنه صلى الله عليه وسلم لما عاد طلحة

Marfat.com

بن البراء وانصرف قال ما أرى طلحة إلا قد حدث فيه الموت فإذا مات فآذنوني حتى أصلي عليه وعجلوا به فإنه لاينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله۔ والصارف عن وجوب التعجيل الاحتياط للروح الشريفة فإنه يحتمل الإغماء .وقد قال الأطباء: إن كثيرين ممن يموتون بالسكتة ظاهرا يدفنون أحياء لأنه يعسر إدراك الموت الحقيقي بها إلا على أفاضل الأطباء فيتعين التأخير فيها إلى ظهور اليقين بنحو التغير إمداد ؛ وفي الجوهرة وإن مات فجأة ترك حتى يتيقن بموته .

وفی الطحطاوی علی الدرا/۳۸۰:(وكره تاخير صلاته ...الخ)فالافضل ان يعجل بتجهيزه بتمامه من حين يموت بحروظاهره ان الكراهة تنزيهية...(قوله:ودفنه)ولو بعد الصلاة عليه۔

ان عبارات سے مستفاد ہوا کہ تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ میں جلدی کرنا مستحب اور افضل ہے اور اس کے مقابلے میں تاخیر مکروہ تنزیہی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اتنے سارے نصوص جن میں تاکیداً امر کے ساتھ جلدی کا کہا جا رہا ہے نیز صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس معاملے میں جلدی فرمایا کرتے تھے رات انتقال ہوا تو صبح ہونے سے قبل ہی تدفین کردی جاتی تو پھر فقہاء نے اسے وجوب پر کیوں نہ لیا؟اس سے متعلق دیگر فقہاء نے کوئی صراحت نہیں کی البتہ علامہ ابن عابدینؒ کے مطابق اس کی وجہ احتمال اغماء ہے یعنی ممکن ہے کہ وہ شخص سکتہ میں ہو اور حاذق اطباء کے علاوہ اس کی موت کا یقین نہیں کیا جا سکتا لہٰذا جب تک میت میں تغیر نہیں آجاتا اس وقت تک انتظار کیا جائے گا اور یہ تغیر اس کی موت کی یقین دہانی کرائے گا۔ نیز اس تغیر میں موسم کے اعتبار سے فرق بھی آسکتا ہے لہٰذا تدفین میں جلدی ایک زندہ کو دفنانے کا سبب بن سکتی ہے اس لیے ہم جلدی کو صرف مستحب ہی قرار دیں گے واجب نہیں۔ عام اردو فتاوی میں بھی تقریباً تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ میں جلدی کو مستحب ہی قرار دیا گیا ہے۔ نیز سوال میں آپ کا علامہ شامیؒ کی عبارات میں تضاد بتانا درست نہیں، علامہ شامیؒ نے اسے صرف مکروہ تنزیہی لکھا ہے آپ کی ذکر کردہ دو میں سے ایک عبارت تو گذر چکی جس میں علامہ کے الفاظ ہیں۔

(قوله ويسرع في جهازه) .... والصارف عن وجوب التعجيل الاحتياط للروح الشريفة فإنه يحتمل الإغماء .(شامية ۲/۱۹۲)

دوسری عبارت جو آپ نے ذکر کی جس میں "ومقتضاه ان الكراهة تحريمية" کا ذکر ہے اس کا تعلق جنازے میں تاخیر سے نہیں۔ اسے سمجھنے کے لیے اولاً ہم درمختار اور شامیہ کی مکمل عبارات تحریر کرتے ہیں۔

قال الحصكفی فی الدر المختار(۲/۲۳۲)(وكره تأخير صلاته ودفنه ليصلي عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة) إلا إذا خيف فوتها بسبب دفنه. قنية (كما كره) لمتبعها (جلوس قبل وضعها) وقيام بعده۔

وقال ابن عابدين تحتها:(قوله إلا إذا خيف إلخ) فيؤخر الدفن وتقدم صلاة العيد على صلاة

Marfat.com

الجنازة . والجنازة على الخطبة والقياس تقديمها على العيد ، لكنه قدم مخافة التشويش ، وكي لا يظنها من في أخريات الصفوف أنها صلاة العيد بحر عن القنية .

ومفاده تقديم الجمعة على الجنازة للعلة المذكورة ولأنها فرض عين ، بل الفتوى على تقديم سنتها عليها . ومر تمامه في أول باب صلاة العيد (قوله : جلوس قبل وضعها) للنهي عن ذلك كما في السراج نهر . ومقتضاه أن الكراهة تحريمية رملي (قوله وقيام بعده) أي يكره القيام بعد وضعها عن الأعناق كما في الخانية والعناية .وفي المحيط خلافه حيث قال : والأفضل أن لا يجلسوا حتى يسووا عليه التراب .

قال في البحر : والأول أولى . لما في البدائع : لا بأس بالجلوس بعد الوضع . لما روي عن عبادة بن الصامت " { أنه صلى الله عليه وسلم كان لا يجلس حتى يوضع الميت في اللحد . فكان قائما مع أصحابه على رأس قبر فقال يهودي : هكذا نصنع بموتانا . فجلس صلى الله عليه وسلم وقال لأصحابه : خالفوهم } أي في القيام . فلذا كره . ومقتضاه أنها كراهة تحريم . وهو مقيد بعدم الحاجة والضرورة رملي۔

درمختار میں دو مسئلے ذکر ہیں ایک جنازے کی نماز وتدفین میں جلدی دوسرا مسئلہ جنازہ کندھے سے رکھے جانے سے قبل بیٹھنا یا رکھے جانے کے بعد کھڑا رہنا۔ درمختار میں دونوں کو مکروہ قرار دیا ہے اور ایک کو دوسرے سے تشبیہ دی ہے "وکرہ کما کرہ" البتہ شامیہ میں نماز جنازہ وغیرہ کی تاخیر سے متعلق کراہت میں تنزیہی یا تحریمی کی کوئی صراحت نہیں البتہ "جلوس قبل الوضع او القیام بعدہ" میں کراہت تحریمی ہونے کی تصریح ہے۔ آپ نے جلوس قبل الوضع سے متعلق علامہ شامیؒ کے "ومقتضاہ ان الکراھۃ تحریمیۃ" کو تاخیر جنازہ کے ساتھ ملا دیا ہے جو کہ خلطِ مبحث ہے۔ "ومقتضاہ ان الکراھۃ تحریمیۃ" میں علامہ ﷫ نے جنازہ رکھنے سے قبل بیٹھنے اور رکھنے کے بعد کھڑا ہونے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے اس کے درج ذیل دلائل ہیں۔

(۱) علامہؒ نے "وکرہ تاخیر صلاتہ" کے تحت بحث میں کراہتِ تحریم کی صراحت نہیں کی بلکہ جلوس قبل الوضع میں کی ہے۔

(۲) کراہتِ تحریم کے قول کی بناء "للنھی عن ذلک" پر ہے اور جلوس قبل الوضع میں تو علامہ شامیؒ نے نہی کی احادیث ذکر کی ہیں جبکہ تاخیر جنازہ میں نہیں کی (اگرچہ اس میں بھی فی الواقع نہی کی روایات موجود ہیں)، لہٰذا "للنھی عن ذلک" میں ذکر نہی کے الفاظ سے بھی کراہت تحریمی کے قول کا جلوس قبل الوضع سے متعلق ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۳) علامہؒ نے خود چند صفحات قبل جب کراہت کے تنزیہی اور تعجیل کے فقط مستحب ہونے کی صراحت کی ہے تو یہاں اگرچہ تصریح نہیں لیکن جلوس قبل الوضع مشبہ بہ کی کراہت تحریم کو تاخیر جنازہ مشبہ میں ثابت کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ علامہؒ کا اپنا مذہب خود مصرح ہے تو اسے ہی مقدم کیا جائے گا۔

Marfat.com

(۴) نیز "ومقتضاه ان الكراهة تحريمية" کے صرف جلوس قبل الوضع سے متعلق ہونے پر سب سے بڑی دلیل درمختار کی اس عبارت کے تحت علامہ طحطاویؒ کی تصریحات ہیں علامہ طحطاوی نے صراحتاً پہلے کو مکروہ تنزیہی اور دوسرے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے اگر بالفرض علامہ شامیؒ تاخیر کو مکروہ تحریمی سمجھتے تو یہاں علامہ طحطاوی سے اختلاف فرماتے لیکن ان کا سکوت بھی اسے کراہت تنزیہی قرار دینے پر دال ہے۔ نیز ماقبل میں صراحت بھی ہے لہٰذا مکروہ تحریمی کو تاخیر جنازہ سے متعلق نہیں کیا جائے گا۔

علامہ طحطاوی کی عبارت درج ذیل ہے:

(وكره تاخير صلاته ... الخ) فالافضل ان يعجل بتجهيزه بتمامه من حين يموت بحر وظاهره ان الكراهة تنزيهية ... (قوله كما كره جلوس قبل وضعها) لانه قد تقع الحاجة الى التعاون والقيام امكن منه ولان الجنازة متبوعة وهم اتباع والتبع لا يقعد قبل قعود الاصل اه بحر (قوله: وقيام بعده) اى بعد وضعه عن الرقاب لما روى عن عبادة بن الصامت ان النبی ﷺ كان لا يجلس حتى يوضع الميت فى اللحد ... وقال ﷺ لاصحابه خالفوهم اه والظاهر ان الكراهة تحريمية (طحطاوى على الدر، جلد ۱/ ۳۸۰)

علامہ طحطاویؒ نے درّ کی اسی عبارت کے تحت جنازہ میں تاخیر کو مکروہ تنزیہی اور قیام بعد الوضع کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے لہٰذا علامہ شامیؒ کی کراہت تحریمی کی صراحت کو بھی جلوس قبل الوضع وغیرہ سے متعلق مانا جائے گا اور ماقبل میں ان کی اپنی صراحت "والصارف عن وجوب التعجيل" کی بنیاد پر تاخیر جنازہ کو مکروہ تنزیہی قرار دیا جائے گا۔

بندہ ناچیز اس مقام پر کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہے اول یہ کہ یہاں تک آپ کے پہلے مسئلے جنازے میں تاخیر سے متعلق شامیہ کی عبارات کا بظاہر تضاد اور مسئلہ کی نوعیت اور فقہاء کا رجحان ذکر کر دیا گیا لیکن بندہ یہاں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہے کہ اگر چہ فقہاء نے تاخیر سے متعلق صرف کراہت تنزیہی اور تعجیل کے استحباب کا قول کیا ہے لیکن بندہ کو اس پر اطمینان نہیں۔ اردو فتاویٰ میں بھی اس معاملے میں انتہائی نرم انداز اختیار کیا گیا ہے حد سے حد فتاوی رحیمیہ میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ:

''جب کسی کی موت کا یقین ہو جائے تو جس قدر ممکن ہو اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں جلدی کی جائے ...... لہٰذا شرعی عذر اور قانونی مجبوری کے بغیر میت کی تجہیز و تکفین و تدفین میں تاخیر کرنا غلط اور موجب گناہ ہے'' (فتاوی رحیمیہ جلد ۶ / ۷)

جبکہ فتاوی محمودیہ وغیرہ میں اس طرح کی عبارات ہیں۔

عنوان: جنازہ کو جمعہ تک موخر کرنا

میت کو محض اس لیے اتنی دیر تک روکے رکھنا مکروہ ہے مستحب اور افضل یہ ہے کہ اس کے دفن میں جلدی کی جائے۔ کذا فی طحطاوی

(محمودیہ جلد ۸ / ۵۷۳)

جبکہ بندہ سمجھتا ہے کہ فقہاء کا اسے مطلقاً مکروہ تنزیہی قرار دینا ہی محل نظر ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

Marfat.com

(۱) بے شمار نصوص اور قرون اولیٰ کا عمل اس پر شاہد بیّن ہے کہ نماز جنازہ اور تدفین میں جلدی کی جائے لہٰذا تعجیل واجب اور تاخیر مکروہ تنزیہی نہیں بلکہ تحریمی ہونی چاہیے۔

(۲) اگر یہ وجہ بتائی جائے کہ احتمال اغماء اور سکتہ ہے تو یہ کوئی ایسی وجہ نہیں جس کی بنیاد پر صریح نصوص میں وجوب کے بجائے استحباب مراد لیا جائے اولاً اتنی جلدی کا تو کوئی بھی قائل نہیں کہ مرنے کے فوراً بعد وہیں قبر کھود کر دفنا دیا جائے بلکہ دو سے چار گھنٹے تو عموماً لگتے ہی ہیں۔

ثانیاً آج کل موت کی تصدیق ڈاکٹر حضرات بالیقین کر دیتے ہیں بلا کسی ادنی شک کے کہا جا سکتا ہے کہ یہ شخص مر گیا ہے لہٰذا وجوب سے عدول کی علت ہی مخدوش ہو گئی تو پھر استحباب مراد نہ لینا چاہیے۔

ثالثاً اگر علامہ ابن عابدینؒ کی بات کو منقح کیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حدیث میں تو تعجیل آئی ہے جس سے مراد فوراً دفن کر دینا ہے اور اس کا واجب ہونا امر سے معلوم ہوتا ہے لیکن یہاں احتمال اغماء کا عارض ہے لہٰذا اتنی تعجیل صرف مستحب ہے اور نہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے جب کہ مسئلہ اتنی زیادہ تعجیل (جلدی) سے متعلق ہی نہیں، اصل مسئلہ تو موت کا اطمینان ہونے کے بعد آرام سے تجہیز و تکفین کرنے کا ہے کہ اس میں جلدی کرنا نصوص سے واجب معلوم ہوتا ہے [حدیث میں وارد تعجیل سے یہی مراد ہے] اور اگلا دن یا کئی دن لگانا مکروہ معلوم ہوتا ہے اور اس کی کراہت تحریمی ہونی چاہیے۔ لہٰذا ایک ایسا عارض جو کہ اتنی زیادہ جلدی سے متعلق ہے کہ منٹوں میں تدفین کر دی جائے اس کی بنیاد پر احادیث میں وارد امر سے استحباب مراد لینا محل نظر معلوم ہوتا ہے۔

بندہ ناچیز یہاں انتہائی معذرت کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہے کہ علامہؒ کی توجیہ کے مطابق تو اتنی جلدی تدفین کرنا کہ احتمال اغماء ہو مستحب ہے (اگر چہ واجب نہیں) جب کہ اس سے تاخیر مکروہ تنزیہی ہے۔ لیکن بندہ سمجھتا ہے کہ اتنی تعجیل کہ موت کی تصدیق ہی نہ ہو اسے مستحب قرار دینا محل نظر ہے اتنی تعجیل تو بحث سے خارج ہے۔ اتنی زیادہ تعجیل کو تو مکروہ ہونا چاہیئے نہ کہ مستحب۔ حاذق ڈاکٹر جب تک موت کی تصدیق نہ کرے تدفین کی اجازت نہیں دی جا سکتی لہٰذا بندہ یہ عرض کرتا ہے کہ احتمال اغماء کی علت محل نظر ہے اس پر ہم عصر مفتیان کرام بھی غور کریں۔ چنانچہ امر کو وجوب پر ہی لیا جائے لیکن اتنی جلدی مراد نہ لی جائے کہ موت سے پہلے ہی تدفین ہو جائے بلکہ اطمینان سے موت کی تصدیق کے بعد معروف طریقے سے تمام اقدامات کر کے تدفین کر دی جائے جو کہ چند گھنٹوں کا کام ہے۔ یہاں کئی گھنٹوں، دنوں اور ہفتوں تک لوگوں کا انتظار کرنا یا کسی اور غیر شرعی عذر کی بناء پر تاخیر کرنا یہ مکروہ تحریمی اور سخت گناہ قرار دیا جائے۔ احتمال اغماء کے ختم ہونے کے بعد دنوں کی تاخیر کو مکروہ تنزیہی قرار دینا محل نظر معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اتنی تاخیر فقہاء کے نزدیک بھی مکروہ تحریمی ہے تو یہ مخدوش ہے کیونکہ فقہاء کا صراحت کے ساتھ مطلقاً اسے مکروہ تنزیہی قرار دینا اس سے اباء کرتا ہے۔

(۳) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تاخیر جنازہ کے مستحب قرار دینے میں بہت سے مفاسد ہیں اور ان کا تدارک ناممکن ہے کیونکہ اگر آپ تاخیر کو مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہیں تو پھر یہ مطلق ہے چاہے دنوں کی ہو یا ہفتوں کی تو پھر یہ لازم آئے گا کہ جو لوگ سرد خانوں میں میتیں رکھ کر کئی کئی دن رشتہ داروں کا انتظار کرتے ہیں وہ کوئی حرام کام نہیں کرتے۔ نیز شہر سے باہر یا شہر میں ہی زیادہ مجمع اکٹھا کرنے

Marfat.com

کے لیے جو تاخیر کی جاتی ہے وہ بھی کوئی ممنوع کام نہیں پھر آپ ﷺ کا ''اسرعوا بالجنازة'' (جنازہ کے ساتھ جلدی کرو) ''والجنازة اذا حضرت'' (یعنی جنازہ حاضر ہو جائے تو تاخیر نہ کرو) وغیرہ ارشادات بے معنی رہ جاتے ہیں ایک ایسی علت کی بنیاد پر جو کہ مخدوش ہے تعجیل کے اوامر ونواہی کو استحباب اور تاخیر کو کراہت تنزیہی مراد لے لینا محل نظر معلوم ہوتا ہے۔ نیز در مختار میں ذکر" و کرہ تاخیر صلاته ... کما کرہ لمتبعها جلوس قبل الوضع" بھی مطلق ہے اس میں جلوس قبل الوضع کو مکروہ تحریمی اور تاخیر کو تنزیہی قرار دینا بھی محل نظر ہے جلوس سے متعلق نہی کی احادیث تو علامہ شامیؒ لائے ہیں لیکن تاخیر میں بھی تو نہی کی احادیث اور امر کے صیغے وارد ہیں اس سے چشم پوشی کیوں؟ نیز جلوس قبل الوضع کو تو آداب میں سے بھی شمار کیا گیا ہے نیز اس کی کراہت کو بعض فقہاء نے مکروہ تنزیہی قرار دیا گیا ہے چنانچہ اعلاء السنن میں ہے:

''قوله: ''تأمل'' لعله اشارة الى تضعيف القول بكراهة التحريم، واختار كراهة التنزيه فانّه من الآداب'' (اعلاء السنن ۲۹۹/۸)

جبکہ تاخیر سے متعلق نصوص کثیرہ کا ورود اس کراہت کا تحریمی ہونا بتاتا ہے۔

(۴) علامہ طحطاویؒ صراحتاً تاخیر کو مکروہ تنزیہی قرار دینے کے باوجود اور علامہ شامی بھی تاخیر پر بحث کرتے ہوئے یہ مسائل لائے ہیں کہ جنازے کو جمعہ سے پہلے پڑھا جائے گا اور جمعہ کی نماز تک اس لئے انتظار کرنا کہ نمازی زیادہ ہوں گے درست نہیں ہاں اگر نماز جنازہ پڑھنے سے جمعہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو جمعہ پہلے پڑھا جائیگا نیز یہاں ایک مسئلہ یہ بھی اٹھایا ہے کہ نماز عید کو نماز جنازہ سے قبل پڑھا جائے گا البتہ نماز عید کے فوراً بعد خطبہ عید سے قبل پڑھیں گے، اس پر یہ اشکال اٹھایا ہے کہ قیاس تو یہ کہتا ہے کہ نماز عید سے بھی پہلے پڑھا جائے پھر تاخیر کیوں؟ پھر جواب دیا کہ پچھلی صفوف والوں کو نماز جنازہ پر نماز عید ہونے کا شبہ ہو جائے گا اس لئے عید پہلے پڑھی جائے گی البتہ نماز عید کے فوراً بعد خطبہ سے قبل نماز جنازہ پڑھیں گے۔ بندہ یہاں یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ تعجیل اگر صرف مستحب ہے تو پھر جمعہ اور عید سے قبل نماز جنازہ پڑھنے پر زور کیوں؟ نماز عید کے فوراً بعد خطبہ عید سے قبل نماز جنازہ پڑھنا کیوں ضروری ہے؟ اتنے اہم امور پہلے انجام دے لیے جائیں جنازے میں تعجیل صرف مستحب ہے اس کے لیے اتنا تکلف کیوں۔ اس سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ تعجیل جنازہ واجب ہونی چاہیے ورنہ فقط ایک استحباب کے واسطے اتنے مراتب بنانے کی بظاہر کیا ضرورت ہے؟؟؟

لما فی الطحطاوی علی الدر ۳۸۰/۱

(وكره تاخير صلاته ... الخ) فالافضل ان يعجل بتجهيزه بتمامه من حين يموت بحروظاهره ان الكراهة تنزيهية ...(قوله ودفنه) ولو بعد الصلاة عليه (قوله: الا اذا خيف فوتها) اى فتقدم على الدفن وتقدم صلاة العيد على صلاة الجنازة وصلاة الجنازة على خطبته والقياس ان تقدم على صلاة العيد لكنه قدم صلاة العيد مخافة التشويش ولئلا يظن من فى آخر الصفوف انها صلاة العيد۔

Marfat.com

نیز شامیہ میں ہے:

(قوله إلا إذا خيف إلخ) فيؤخر الدفن وتقدم صلاة العيد على صلاة الجنازة ، والجنازة على الخطبة والقياس تقديمها على العيد ، لكنه قدم مخافة التشويش ، وكي لا يظنها من في أخريات الصفوف أنها صلاة العيد بحر عن القنية .ومفاده تقديم الجمعة على الجنازة للعلة المذكورة ولأنها فرض عين ، بل الفتوى على تقديم سنتها عليها ۔

(۵) نماز جنازہ سے متعلق ایک مسئلہ یہ بھی کتب میں ذکر ہے کہ مکروہ اوقات میں بھی وہ میت جو مکروہ وقت میں جنازے کے لیے حاضر ہو اس پر نماز جنازہ پڑھنا بلا کراہت جائز ہے بلکہ افضل ہے کہ مکروہ وقت میں جنازہ اداء کرلیا جائے اس کی وجہ فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ جب مکروہ وقت میں جنازہ حاضر ہو تو اس کا حضور مکروہ وقت میں ہی ہے اور حضور سے وجوب ہوتا ہے نیز تاخیر بوجہ نصوص مکروہ ہے لہٰذا فوراً پڑھ لیا جائے۔ بندہ عرض کرتا ہے کہ جب تاخیر کے مکروہ ہونے کی بناء پر فوراً جنازہ اداء کیا جارہا ہے تو یہ تاخیر مکروہ تحریمی تو ہونی چاہیے ورنہ وقت گذرنے کے بعد بھی اداء کیا جاسکتا ہے نیز جنازے کی نماز میں جلدی کی تاکید اگراتنی زیادہ ہے کہ مکروہ وقت میں بھی اداء کرلیا جارہا ہے تو اسے واجب کہا جائے۔

لمافی تبيين الحقائق : قال رحمه الله (ومنع عن الصلاة وسجدة التلاوة وصلاة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب إلا عصر يومه) .... وكذا المراد بصلاة الجنازة ما حضرت قبل هذه الأوقات فإن حضرت فيها جازت من غير كراهة ۔ لأنها أديت كما وجبت إذ الوجوب بالحضور وهو أفضل والتأخير مكروه لقوله عليه الصلاة والسلام { ثلاث لا يؤخرن وذكر منها الجنازة }۔

وفى الدر المختار ۳۷۴/۱:(وسجدة تلاوة ،وصلاة جنازة تليت) الآية (في كامل وحضرت) الجنازة (قبل) لوجوبه كاملا فلا يتأدى ناقصا ، فلو وجبتا فيها لم يكره فعلهما أي تحريما وفي التحفة : الأفضل أن لا تؤخر الجنازة .

وقال ابن عابدين تحتها: قوله (فلو وجبتا فيها) أي بأن تليت الآية في تلك الأوقات أو حضرت فيها الجنازة قوله (أو تحريما) أفاد ثبوت الكراهة التنزيهية قوله(وفي التحفةالخ) هو كالاستدراك على مفهوم قوله أي تحريما فإنه إذا كان الأفضل عدم التأخير في الجنازة فلا كراهة أصلا وما في التحفة أقره في البحر والنهر والفتح والمعراج لحديث ثلاث لا يؤخرن منها الجنازة إذا حضرت وقال في شرح المنية والفرق بينها وبين سجدة التلاوة ظاهر لأن التعجيل فيها مطلوب مطلقا إلا لمانع وحضورها في وقت مباح مانع من الصلاة عليها في وقت مكروه

Marfat.com

بخلاف حضورها في وقت مكروه وبخلاف سجدة التلاوة لأن التعجيل لا يستحب فيها مطلقا اهـ أي بل يستحب في وقت مباح فقط فثبتت كراهة التنزيه في سجدة التلاوة دون صلاة الجنازة۔

الغرض ان تمام وجوہات پر غور کرتے ہوئے اور احادیث میں وارد صریح امر کے صیغوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نیز علتِ عدول عن الوجوب یعنی احتمال اغماء پر وارد تحفظات اور تاخیر کے کراہت تنزیہی والے قول سے پیدا شدہ مفاسد کو ملحوظ رکھتے ہوئے بندہ یہ سمجھتا ہے کہ تاخیر جنائز اور تدفین جو بلا کسی شرعی عذر یا قانونی پیچیدگی کی بنیاد پر ہو وہ مکروہ تحریمی ہونی چاہیے۔ قانونی پیچیدگی تو یہ کہ مثلاً رات قبرستان بند ہو یا کوئی دیگر قانونی کاروائی ہو، ڈاکٹر صاحب تصدیق وفات نہ کر رہے ہوں۔ عذر مثلاً نہلانے والے کا انتظام یا دیگر کوئی شرعی امر کا انتظام زیر نظر ہو جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین میں تاخیر شرعی عذر کی بنیاد پر تھی ایک تو کوئی امامت نہیں کر سکتا تھا لہٰذا ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھنی تھی نیز خلافت جیسے اہم امر کا تعین کیا جانا ضروری تھا لہٰذا ان اعذار کی بنیاد پر تدفین وغیرہ میں تاخیر ہوئی تھی لہٰذا بلاوجہ تاخیر لوگوں کے انتظار کے لیے یا مجمع بڑھانے کے لیے کئی گھنٹے یا دن سرد خانوں میں میت رکھنا جائز نہ ہونا چاہیے لہٰذا بندہ احتیاط کی بناء پر نماز جنازہ میں بے جا تاخیر جو بلا کسی شرعی یا قانونی عذر کے ہو اسے مکروہ تحریمی سمجھتا ہے۔

دوسرا اہم مسئلہ **انتقال میت** سے متعلق ہے یعنی میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنا یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے البتہ فقہاء کی ایک جماعت نے اس کے صراحۃً مکروہ اور علامہ طحطاویؒ نے مکروہ تحریمی ہونے کی صراحت فرمائی ہے شامیہ میں ہے:

قال الحصكفي: يندب دفنه في جهة موته وتعجيله ... ولا بأس بنقله قبل دفنه۔

وفي الشامية تحته: قوله (يندب دفنه في جهة موته) أي في مقابر أهل المكان الذي مات فيه أو قتل وإن نقل قدر ميل أو ميلين فلا بأس شرح المنية ويأتي الكلام على نقله ۔ قلت ولذا صح أمره بدفن قتلى أحد في مضاجعهم مع أن مقبرة المدينة قريبة ولذا دفنت الصحابة الذين فتحوا دمشق عند أبوابها ولم يدفنوا كلهم في محل واحد وتعجيله أي تعجيل جهازه عقب تحقق موته ولذا كره تأخير صلاته ودفنه ليصلي عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة كما مر قوله --- قوله (ولا بأس بنقله قبل دفنه) قيل مطلقا وقيل إلى ما دون مدة السفر وقيده محمد بقدر ميل أو ميلين لأن مقابر البلد ربما بلغت هذه المسافة فيكره فيما زاد قال في النهر عن عقد الفرائد وهو الظاهر اه وأما نقله بعد دفنه فلا مطلقا (شامية ۲/۲۳۹)

علامہ سرخسیؒ نے بھی انتقال میت کو مکروہ قرار دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ لایعنی فعل ہے نیز اس میں تاخیر دفن کی وجہ ہی فقط ہوتی تو بھی اس کی کراہت کے لیے کافی تھی جبکہ یہاں تو اور بھی وجوہات ہیں۔

وفي هذا بيان ان النقل من بلد الى بلد مكروه لانه قدر المسافة التى لا يكره النقل فيها بميل

Marfat.com

او میلین وهذا لانه اشتغال بمالا یفید فالارض کلها کفات للمیت قال الله تعالیٰ الم نجعل الارض کفاتا احیاء وامواتاالاان الحی ینتقل من موضع الی موضع لغرض له فی ذلك وذلك لایوجد فی حق المیت ولو لم یکن فی نقله الا تاخیر دفنه أیا ما کان کافیا فی الکراهة

(شرح السیر الکبیر ۱/۲۳۷)

انتقال میت کے ممنوع ہونے سے متعلق صریح نصوص منقول ہیں مشکوۃ شریف میں حدیث ہے۔

''عن جابر قال لما کان یوم احد جاءت عمتی بابی لتدفنه فی مقابرنا فنادی منادی رسول الله ﷺ ردّوا القتلیٰ الی مضاجعهم'' (مشکوة، باب دفن المیت ۱/۱۴۸)

اسکی شرح میں ہے:

'' وکذا من مات فی موضع لا ینقل الی بلد آخر قاله بعض علمائنا وقال فی الازهار الأمر فی قوله ﷺ ردّوا القتلیٰ للوجوب'' (مرقاة: ۴/۱۴۳)

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو انہیں دوسرے مقام پر لے جا کر دفن کیا گیا تھا حضرت عائشہ صدیقہؓ جب ایک سفر میں اپنے بھائی کی قبر سے گذریں تو فرمانے لگیں اگر میرا بس چلتا تو تم یہاں دفن نہ ہوتے بلکہ جہاں انتقال ہوئے تھے وہیں دفن کیے جاتے۔

اس کے علاوہ امام محمدؒ سے مسئلہ منصوص ہے کہ ایک میل اور دومیل تک انتقال میں تو حرج نہیں لیکن اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں یہ بھی کراہت پر دال ہے۔اسی بنیاد پر جب مسئلہ واضح اور کراہت متعین ہے نیز انتقال میت جو بسا اوقات کئی دنوں کی تاخیر کا سبب بنتا ہے اسکی گنجائش معلوم نہیں ہوتی بلکہ یہ شرعی مزاج اور تدفین میں منقول آپ ﷺ کے جلدی کرنے سے متعلق نصوص سے اعراض ہے تب ہی علامہ طحطاویؒ نے اسے مکروہ تحریمی قرار دے کر جن کتب میں اس بارے میں تخفیف معلوم ہوتی ہے ان پر رد کیا ہے علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

قوله (بیان أن النقل من بلد إلی بلد مکروه) أي تحریما لأن قدر المیلین فیه ضرورة ولا ضرورة في النقل إلی بلد آخر وقیل أیجوز ذلك إلی ما دون مدة السفر وقیل في مدة السفر أیضا۔۔۔ قوله (فإن نقل إلی مصر آخر لا بأس به) وظاهره عدم کراهة النقل من بلد إلی بلد مطلقا۔ قوله (لما روي أن یعقوب الخ) وموسی علیه السلام نقل تابوت یوسف علیه السلام من مصر إلی الشام بعد زمان۔ قوله (قلت الخ) أصله للکمال فإنه قال في رده کلام صاحب الهدایة في التجنیس أنه لا إثم في النقل من بلد إلی بلد لما نقل أن یعقوب الخ ما نصه أن ذلك شرع من قبلنا ولم تتوفر فیه شروط کونه من شرعنا ولأن أجساد الأنبیاء علیهم السلام أطیب

Marfat.com

ما يكون حال الموت كالحياة والشهداء كسعد رضي الله عنه ليسوا كغيرهم ممن جيفتهم أشد نتنا من جيفة البهائم فلا يلحق بهم اهـ

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۶۱۴)

الغرض نصوص احادیث اور تصریحات فقہاء کے بعد مسئلہ انتقال میت میں کسی قسم کی گنجائش باقی نہیں رہتی یہ مکروہ تحریمی اور منکر عمل ہے اس پر تنبیہ اور اصلاح کی جانی چاہیے یہ شرعی مزاج کے خلاف اور ''اسرعوا بالجنازة'' سے متصادم رواج ہے اس کا التزام کیا جانے لگا ہے جو مفاسد کثیرہ کا سبب ہے اس میں لایعنی فعل اور اسراف مال کی قباحت بھی موجود ہے اپنے وطن اور قبرستان میں دفن کا التزام بدعت اور دیگر قبیح خیالات کا سبب یہ فعل ہے اس میں جنازے کی تدفین میں حد سے زیادہ تاخیر ہے لہٰذا ہر شخص کو اس عمل سے دور رہنا لازم ہے ہمارے اکابر اس ڈر سے مدینہ سے باہر نہیں جاتے تھے کہ مدینہ میں تدفین نصیب نہ ہوگی اگر انتقال میت جائز ہوتا پھر کیا ڈر تھا فرمادیتے کہ مجھے واپس مدینۃ الرسول لاکر دفن کردینا لہٰذا اس مسئلے میں کوئی نرم پہلو نکالنا مفاسد قبیحہ کا التزام ہے۔

بعض حضرات نے مسئلے کو اختلافی اور مجتہد فیہ بنا کر اس میں کراہت کو تنزیہیہ اور مسئلہ کو تخفیف میں داخل کردیا ہے جو عوام وخواص میں اس رجحان کو تقویت دے گا۔ بندہ اس عمل کو کراہت تنزیہی قرار دینے کو محلِ نظر سمجھتا ہے اس مسئلہ میں ابتلاء تو اس کو حرمت تک پہنچاتا ہے صغیرہ پر اصرار بھی اسے کبیرہ بنا دیتا ہے پھر ایک ایسا عمل جو احادیث اور فقہاء کے نصوص اور تصریحات کی روشنی میں مکروہ تحریمی ہے جو خود حرام کے اقرب ہے اسے ابتلاء کے باوجود مکروہ تنزیہی کے درجے میں لانے کی کوشش کرنا بندہ اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہے مسئلہ اگر چہ مجتہد فیہا ہو لیکن جانبِ حرمت کے رجحان اور مفاسد کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے اور یہاں مفاسد عظیمہ موجود ہیں۔ فقہاء اولیٰ اور استحباب کا لفظ بھی مسائل میں نقل کر دیتے ہیں اولاً تو مسئلہ ہذا میں ان پر ابن الھمام اور طحطاوی رحمھا اللہ کا رد نقل کردیا ثانیاً صراحۃً کراہت تحریمی کے قول کے بعد اس اولیٰ کے لفظ کو لیکر سارے مسئلے کو تنزیہی بنا دینا کہاں درست ہوسکتا ہے، ثالثاً امام مذہب امام محمدؒ سے دو میل سے زیادہ کی کراہت منقول ہے اور اس سے مراد بتصریح فقہاء تحریمی ہے پھر مسئلہ کو کراہت تنزیہی کے درجے میں لانے کی کوئی وجہ نہیں۔

انتقال میت سے متعلق حضرت فقیہ العصر مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ، دار الافتاء بنوری ٹاؤن اور دار الافتاء والارشاد کا احسن الفتاوی میں مطبوع فتوی میں بھی یہی رائے اختیار کی گئی ہے کہ یہ عمل مکروہ تحریمی ہے۔

Marfat.com

(۴۰۸) نمازِ جنازہ میں تکبیرات چھوٹنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نمازِ جنازہ مکروہ وقت میں پڑھنا کیسا ہے؟ نیز اگر نماز جنازہ میں کسی کی کچھ تکبیرات چھوٹ جائیں تو اب وہ انہیں کیسے ادا کرے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... (۱)۔نمازِ جنازہ اگر مکروہ وقت میں حاضر ہو جائے اس کو مکروہ وقت میں پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں اور اگر جنازہ مکروہ وقت سے پہلے حاضر کر دیا جائے پھر اس کو مکروہ وقت میں ادا کرنا جائز نہیں۔

(۲)۔اگر نمازِ جنازہ میں کسی کی کچھ تکبیریں چھوٹ جائیں تو وہ ان کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرے گا پھر اگر جنازہ اٹھائے جانے کا خوف نہ ہو تو تکبیرات کے ساتھ ساتھ دعا ماثورہ وغیرہ بھی پڑھنی چاہیئے اور اگر جنازہ اٹھائے جانے کا خوف ہو تو پھر صرف تکبیرات کہہ لے دعا وغیرہ نہ پڑھے۔

لما فی الشامیة(۱/۳۷۳): واعلم أن الاوقات المکروهة نوعان: الأول الشروق والاستواء والغروب ، والثانی مابین الفجر والشمس وما بین صلاة العصر الی الاصفرار۔ فالنوع الأول لاینعقد فیه شئ من الصلوات التی ذکرناها اذا شرع بها فیه وتبطل ان طرأعلیها الاصلاة جنازة حضرت فیها و سجدة تلیت آیتها فیها وعصر یومه و النفل والنذر المقیدبها وقضاء ماشرع به فیها ثم افسده فتنعقد هذه الستة بلا کراهة أصلا فی الأولیٰ منها، ومع الکراهة التنزیهیة فی الثانیة والتحریمیة فی الثالثة وکذا فی البواقی۔

وفی الدر المختار(۲/۲۱۷): (فلوجاء) المسبوق (بعد تکبیرة الامام لرابعة فاتته الصلاة) لتعذر الدخول فی تکبیرة الامام وعند ابی یوسف یدخل لبقاء التحریمة فاذا سلم الامام کبر ثلاثا کمافی الحاضر وعلیه الفتوی۔

(۴۰۹) نمازِ جنازہ میں امامت کا زیادہ مستحق کون ہے؟ اور عصبہ کا شرعی معنی

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنازہ کی نماز میں امامت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ عصبہ کا شرعی معنی کیا ہے ان کی ترتیب کیا ہے وہ کتنے افراد پر مشتمل ہے نیز اگر کسی شخص کا دوسرے شہر میں انتقال ہو جائے تو اس میت کو اپنے وطن اصلی میں لا کر دفن کرنا، نماز پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... نماز جنازہ کی امامت میں سب سے زیادہ مستحق بادشاہ یا اس کا نائب ہے بشرطیکہ یہ موجود ہوں اور اگر یہ موجود نہ ہوں تو قاضی اس کے بعد شہر کا امیر ہے اگر امیر شہر نہ ہو تو اس کا نائب یعنی قائم مقام اور اگر یہ نہ ہو تو پھر قاضی کا خلیفہ اگر یہ

Marfat.com

بھی نہ ہو تو پھر امامت کا زیادہ استحقاق میت کے محلے کی مسجد کے امام کو حاصل ہے اور اس کے بعد میت کا ولی قریب نکاح میں ولایت کی ترتیب کی طرح یعنی اولاً میت کے سب سے زیادہ قریب کو درجہ بدرجہ آخر تک جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

(2)......شریعت میں عصبہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کیلئے کوئی متعین حصہ مال وراثت میں مقرر نہ کیا گیا ہو بلکہ ذوی الفروض (جن کے متعین حصے بیان کیے گئے ہیں) کے حصے سے جو مال بچ جائے ان کو ملتا ہو، البتہ جب ذوی الفروض نہ ہوں تو سارا مال ان کو ملتا ہو پھر عصبہ کی دو قسمیں ہیں۔(۱)۔عصبہ بالنسب،(۲)۔عصبہ بالسبب اور عصبہ بالنسب کی تین قسمیں ہیں۔(۱)۔عصبہ بنفسہ،(۲)۔عصبہ بغیرہ، (۳)۔عصبہ مع غیرہ۔اب مذکورہ بالا اقسام میں جنازہ کی امامت میں عصبہ بنفسہ کا اعتبار ہوتا ہے جس کی چار قسمیں ہیں۔

(۱)۔میت کا جزء جیسے بیٹا، (۲)۔میت کا اصل جیسے باپ، (۳)۔میت کے باپ کا جزء جیسے میت کا بھائی

(۴)۔میت کے باپ کے باپ کا جز جیسے میت کا چچا۔

(3)......اگر کسی شخص کا انتقال دوسرے شہر میں ہو جائے تو بہتر یہی ہے کہ اسی شہر میں دفن کر دیا جائے البتہ اگر میت کو اپنے وطن میں واپس لاکر اپنے وطن میں دفن کیا جائے تب بھی شرعاً جائز ہے البتہ ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔

لما فی اعلاء السنن(۸/۲۵۱): عن الحسین بن علی(مرفوعا) ''اذا حضرت الجنازة فالامام احق بالصلاة علیها عن غیره، رواه ابن منیع۔

وفی الشامیة(۲/۲۳۹): (قوله ولا بأس بنقله قبل دفنه) قیل مطلقا، وقیل الی مادون مدة السفر وقیده محمد بقدر میل اومیلین لان مقابرالبلد ربما بلغت هذه المسافة فیکره فیمازاد قال فی النهر عن عقد الفرائد وهو الظاهر واما نقله بعد دفنه فلا مطلقا۔

وفی الدر المختار (۳/۷۶): (الولی فی النکاح العصبة بنفسه) وهو من یتصل بالمیت حتی المعتقة

وفی الشامیة تحته: (قوله العصبة بنفسه) خرج به العصبة بالغیر کالبنت تصیر عصبة بالا بن ولا ولایة لها علی امها المجنونة وکذا العصبة مع الغیر کالاخوات مع البنات ولا ولایة للاخت علی اختها المجنونة۔

وفی مراقی الفلاح مع الطحطاوی (ص۵۰۶): (فان نقل قبل الدفن قدر میل اومیلین) ونحوذلك (لابأس به) لان المسافة الی المقابر قد تبلغ هذا المقدار (وکره نقله لأکثرمنه) ای اکثر من المیلین کذا فی الظهیریة وقال شمس الائمة السرخسی: وقول محمد فی الکتاب لابأس ان ینقل المیت قدر میل اومیلین بیان ان النقل من بلد الی بلد مکروه قاله قاضیخان وقد قال قبله لومات فی غیر بلدة یستحب ترکه فان نقل الی مصر آخر لابأس به لما روی ان یعقوب صلوات الله علیه مات بمصر ونقل الی الشام وسعد بن ابی وقاص مات فی ضیعة علی اربعة فراسخ

Marfat.com

من المدينة ونقل على اعناق الرجال الى المدينة قلت: يمكن الجمع بان الزيادة مكروهة فى تغير الرائحة اوخشيتها وتنتفى بانتفائها لمن هو مثل يعقوب عليه السلام او سعد رضی اللہ عنہ لانهما من احياء الدارين (قوله أى اكثر من الميلين) كثرة فاحشة اما الزيادة عليهما بقدر يسير فلا تضرفلا ينافى قوله قبل ونحوذلك (قوله بيان ان النقل من بلد الى بلد مكروه) اى تحريما لان قدر الميلين فيه ضرورة ولا ضرورة فى النقل الى بلد آخر وقيل: يجوز ذلك الى مادون مدة السفر وقيل فى مدة السفر ايضا كذا فى حلبى وفيه ان كلام محمد مطلق عن قيد لضرورة وايضا لاتظهر الكراهة فى نقله من بلد الى بلد الا اذا كانت المسافة اكثر من ميلين ... قوله(فان نقل الى مصرآخر لابأس به) وظاهره عدم كراهة النقل من بلد الى بلد مطلقا، قوله (لما روى ان يعقوب الخ) وموسىٰ عليه السلام نقل تابوت يوسف عليه السلام من مصر الى الشام بعد زمان قوله (قلت الخ) اصله للكمال فانه قال فى رده كلام صاحب الهداية فى التجنيس انه لا اثم فى النقل من بلد الى بلد لما نقل ان يعقوب الخ مانصه ان ذلك شرع من قبلنا ولم تتوفرفيه شروط كونه من شرعنا ولان اجساد الانبياء عليهم السلام اطيب مايكون حال الموت كالحياة والشهداء كسعد رضى الله عنه ليسوا كغيرهم ممن جيفتهم اشد نتنا من جيفة البهائم فلا يلحق بهم۔

(۴۱۰) نومولود جورویا نہیں اور تین گھنٹے بعد مرگیا اس کی نماز جنازہ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بچہ پیدا ہوا اور رویا بھی نہیں تین گھنٹے کے بعد فوت ہوگیا کیا اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بچہ جب زندہ پیدا ہوا یعنی اس میں ایسے اثرات تھے، جو اس کی زندگی پر دلالت کرتے ہوں، مثلاً کھانسے، جمائی لے، روئے یا کسی اندام کو حرکت دے (صرف نفس اندام کے سمیٹنے اور پھیلانے کا اعتبار نہیں ہے) پھر فوت ہوا تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

لمافى الشامية مع الدر المختار(۲۲۷/۲): ومن ولد فمات يغسل ويصلى عليه، قوله أى وجد منه مايدل على حياته أى من بكاء أو تحريك عضو أو طرف ونحوذلك بدائع، وهذا معناه فى الشرع كمافى البحر: وقال فى الشرنبلالية: يعنى الحياة المستقرة، ولا عبرة لانقباض وبسط اليد وقبضها۔ لأن هذه الاشياء حركة المذبوح ولا عبرة بها الخ۔

Marfat.com

رسالة

الأوابد فی اداء صلوۃ الجنازۃ داخل المساجد

مسجد کے اندر نماز جنازہ کی ادائیگی سے متعلق مختلف صورتیں اور ان کے احکام

نیز مسئلہ ھذا میں موجود گنجائش کا بیان

(۴۱۱) مسجد کے اندر نماز جنازہ کی مختلف صورتوں کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنازے کی نماز مسجد میں پڑھنے کا کیا حکم ہے نیز کچھ لوگ مسجد میں اور کچھ باہر ہوں تو کیا یہ صورت جائز ہے؟ عالمگیری سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت بھی غلط ہے اور ابوداوٗد کی حدیث بھی عدمِ جواز بتاتی ہے۔ برائے مہربانی ہمیں احناف کا مفتی بہ مذہب بتائیں نیز امام باہر اور مقتدی مسجد میں ہوں یہ گنجائش کن فقہ کی کتابوں میں ذکر ہے۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ اس مسئلے میں شوافع اور حنابلہ کا کیا مذہب ہے؟ چونکہ ہمارے گھر کے نزدیک ایک مسجد ہے جس میں جنازہ کو مسجد کے اندر رکھ کر جنازہ پڑھاتے ہیں کیا ان کا یہ فعل صحیح ہے؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث اور فقہاء کی عبارات سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... احناف کے ہاں مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے جیسا کہ ابوداوٗد کی حدیث میں عدم جواز کی صراحت ہے، حدیث کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ نماز جنازہ مع المیت کے مسجد میں ادا ہو چنانچہ مسئلہ کی مندرجہ ذیل صورتیں بنیں گی۔ (۱) تینوں مسجد کے اندر ہوں (میت، امام، مقتدی)۔ (۲) میت، امام باہر اور مقتدی اندر ہوں، (۳) سب اندر میت باہر ہو (۴) میت، امام اور بعض مقتدی باہر اور بقیہ اندر ہوں ان چاروں صورتوں میں پہلی تین صورتوں پر من صلی علی جنازۃ فی المسجد کا اطلاق من کل وجہ ہو رہا ہے۔ اس لیے ائمہ احناف کے نزدیک یہ تین صورتیں ناجائز ہیں جبکہ چوتھی صورت من کل وجہ حدیث میں داخل نہیں ہے صرف وہ نمازی جو مسجد میں ہیں ان پر اس کا اطلاق ہو رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ احناف میں سے امام سرخسی، صاحب محیط، علامہ عینی، صاحب عنایۃ کبیری، مراقی الفلاح اور صاحب مجمع رحمھم اللہ وغیرہ نے اس صورت کو جائز قرار دیا ہے۔ جس کی ایک وجہ تو یہ معلوم ہوتی ہے جو ائمہ احناف سے منصوص ہے کہ جنازہ فی المسجد کی کراہت تلویث مسجد کی بناء پر ہے اور میت کے باہر ہونے کی صورت میں یہ علت نہیں پائی جاتی۔

Marfat.com

(۲) جب امام، میت اور بعض مقتدی باہر ہیں تو نماز جنازہ حقیقتاً باہر ہی منعقد ہو رہی ہے نہ کہ مسجد کے اندر۔ البتہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ اگرچہ جو لوگ مسجد سے باہر ہیں تو ان پر یہ حدیث صادق نہیں آ رہی، لیکن جو لوگ مسجد میں ہیں ان پر من صلی علی جنازۃ کا اطلاق ہو رہا ہے ان کے لیے پھر بھی مکروہ ہوگی۔ جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ میں مذکور ہے البتہ آج کل الگ سے جنازہ گاہ نہ ہونے کی وجہ سے اگر بعض لوگ مسجد میں جنازہ پڑھ لیں (چوتھی صورت میں) اس کو علامہ شامی رحمہ اللہ نے مکروہ تنزیہی کہا ہے اور یہ اس وقت ہے جبکہ جنازہ گاہ موجود ہو لیکن تنگ ہو یا سڑک وغیرہ پر نماز ادا کی جا رہی ہو اور اگر ایسی جگہ بھی موجود نہ ہو تو پھر علامہ شامی رحمہ اللہ نے ضرورت کی بناء پر چوتھی صورت کو بغیر کراہت کے جائز قرار دیا ہے لہٰذا چاہے نماز جنازہ فی المسجد کی علت تلویث ہو یا ضرورت ہو۔ ہر دو صورت میں چوتھی صورت جائز ہے۔

رہا اس بارے میں شوافع اور حنابلہ کا مذہب ان کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ درست ہے بشرطیکہ تلویث مسجد کا خوف نہ ہو، اگر تلویث مسجد کا خوف ہے تو پھر ان کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

(۳)۔ آپ کے محلے والوں کا یہ فعل اگر بلا عذر ہے تو درست نہیں ہے۔

لمافی کبیری فصل فی الجنائز (۵۸۸/۱): ولو وضعت خارج المسجد والامام وبعض القوم معها والباقی فی المسجد والصفوف متصلة لا یکره واعلم ان لفظ حدیث ابی هریرة محتمل لکل من الکراهة فی هذه الصور۔

وفی مراقی الفلاح. فصل السلطان احق بصلاته (ص ۵۹۶): لما اورده النسفی من ان الامام اذا کان خارج المسجد مع بعض القوم لا یکره بالاتفاق لما علمت من الکراهة علی المختار۔

وفی مجمع الانهر فصل الصلاة علیه فرض کفایة (۲۷۲/۱): (خارجه) ای المسجد وقام الامام خارج المسجد معه صف والباقی فی المسجد کذا فی اکثر الکتب لکن فی الاصلاح ولو کانت الجنازة والامام وبعض القوم خارج المسجد وباقی القوم فی المسجد کما هو المعهود فی جوامعنا لا یکره باتفاق اصحابنا۔

وفی الشامیة، مطلب فی کراهة صلاة الجنازة فی المسجد (۲۲۵/۲): قوله (بناء علی أن المسجد الخ) أما إذا عللنا بخوف تلویث المسجد فلا یکره إذا کان المیت خارج المسجد وحده أو مع بعض القوم اهـ ح قال في شرح المنیة وإلیه مال في المبسوط و المحیط وعلیه العمل وهو المختار اهـ قلت بل ذکر في غایة البیان و العنایة أنه لا کراهة فیها بالاتفاق لکن رده في البحر وأجاب في النهر بحمل الاتفاق علی عدم الکراهة في حق من کان خارج المسجد وما مر في حق من کان داخله ۔۔۔۔۔ وبعد صفحة: وانظر هل یقال إن من العذر ما جرت به العادة في بلادنا من الصلاة

Marfat.com

عليها في المسجد لتعذر غيره أو تعسره بسبب اندراس المواضع التي كانت يصلى عليها فيها فمن حضرها في المسجد إن لم يصل عليها مع الناس لا يمكنه الصلاة عليها في غيره ولزم أن لا يصلي في عمره على جنازة نعم قد توضع في بعض المواضع خارج المسجد في الشارع فيصلى عليها ويلزم منه فسادها من كثير من المصلين لعموم النجاسة وعدم خلعهم نعالهم المتنجسة مع أنا قدمنا كراهتها في الشارع وإذا ضاق الأمر اتسع فينبغي الإفتاء بالقول بكراهة التنزيه الذي هو خلاف الأولى كما اختاره المحقق ابن الهمام وإذا كان ما ذكرناه عذرا فلا كراهة أصلا والله تعالى أعلم.

Marfat.com

(۴۱۲) مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا اور اس کی جائز صورتیں کون کون سی ہیں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر یہاں دیکھا جاتا ہے کہ جنازہ محراب کے اندر رکھ کر محراب کے سرے پر امام کھڑے ہو جاتے ہیں اور مقتدی حضرات مسجد میں صف آرا ہوتے ہیں بعد میں نماز جنازہ پڑھا دی جاتی ہے، کیا یہ طریقہ صحیح ہے اور عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ جگہ کی کمی کی وجہ سے ایسا کرنا پڑتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنے کی تین صورتیں ہیں احناف کے نزدیک تینوں مکروہ ہیں، البتہ ایک صورت کو احناف نے مستثنیٰ کیا وہ یہ ہے کہ جنازہ باہر ہو، اور امام اور بعض افراد بھی باہر ہوں، تو جائز ہے کیونکہ علت عدم جواز نہیں پائی جاتی ہے اور اس کے علاوہ باقی صورتیں ناجائز ہیں۔

لمافی الهندية(۱/۱۶۵): وصلاة الجنازة فی المسجد الذی تقام فیه الجماعة مکروهة۔ سواء کان المیت والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقی فی المسجد او المیت فی المسجد والامام والقوم خارج المسجد، هو المختار کذا فی الخلاصة ولاتکره بعذر المطر ونحوه الخ۔

وفی شرح العناية علی هامش فتح القدیر(۲/۱۲۸): وان کانت الجنازة والامام وبعض القوم خارج المسجد۔ والباقی فیه لم تکره بالاتفاق الخ۔

(۴۱۳) جو شخص جل گیا صرف ہڈیاں رہ گئیں تو اس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص جل گیا گوشت پوست وغیرہ سب کچھ ختم ہو گیا صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں ڈھانچہ بالکل ختم ہو گیا اس پر جنازہ وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صرف ہڈیوں پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ نمازِ جنازہ پورے جسم یا جسم کے اکثر حصہ پر مشروع ہے اور پورا جسم گوشت پوست ہڈیوں کے مجموعہ کا نام ہے صرف ہڈیوں کو جسم اور بدن نہیں کہا جاتا۔ جیسا کہ صاحب بحر علامہ ابن نجیم کی عبارت سے سمجھ میں آتا ہے کہ اگر بدن پھولا پھٹا نہ ہو بدن سلامت ہو تو پھر قبر کے سامنے میت پر نمازِ جنازہ پڑھا جائے گا اگر پھول پھٹ جائے تو پھر اس پر جنازہ نہیں پڑھا جائے گا اس لئے کہ وہ پھر پورے بدن کے حکم میں نہیں ہوتا بلکہ اعضاء کے حکم میں ہوتا ہے۔

وفی البحر الرائق (۲/۱۸۲): لأنه لا یصلی علیه بعد التفسخ لان الصلوة شرعت علی بدن المیت فاذا تفسخ لم یبق بدنه قائماً۔

Marfat.com

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ امداد الاحکام (۱/ ۸۳۰) میں اس قسم کے سوال کے بارے میں لکھتے ہیں:

قلت والظاهر ان البدن يطلق على مجموع اللحم والعظام لا على العظام وحدها۔
خیر الفتاویٰ (۳/ ۲۷۸) پر ہے: "ہڈیوں کے ڈھانچے پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں ...... الخ۔"

(۴۱۴) خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم

سوال ...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک عورت اپنے آشنا کے ساتھ شہر فرار ہوگئی، اب اس کے بھائی وغیرہ کو لوگ عار دلاتے ہیں اور مختلف طعنے دیتے ہیں۔ گزشتہ روز اس عورت کے بھائی نے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کر لی ہے۔ کیا اس شخص کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا شرعاً درست ہے؟ اور گاؤں والوں کا اس عورت کے گھر والوں کو اس طرح طعنہ وغیرہ دینا از روئے شریعت کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب ...... صورت مسئولہ میں ایسے شخص کی نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی مگر اس نمازِ جنازہ میں اہلِ علم وفضل کا شریک ہونا مناسب نہیں ہے خواہ مقتدی کی حیثیت سے ہو، یا امام کی حیثیت سے، گاؤں والوں کا اس طرح طعن وتشنیع کرنا از روئے شرع ناجائز ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ایسے طعنہ دینے والوں کیلئے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النور:۱۹): إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

وفی الشامية (۲/ ۲۱۱،۲۱۲): قد يقال لا دلالة فى الحديث على ذلك لأنه ليس فيه سوى أنه عليه الصلاة والسلام لم يصل عليه، فالظاهر أنه امتنع زجرا لغيره عن مثل هذا الفعل كما امتنع عن الصلاة على المديون ولا يلزم من ذلك عدم صلاة أحد عليه من الصحابة، اذ لا مساواة بين صلاته وصلاة غيره۔

وفی الفقه الاسلامی (۲/ ۱۵۰۹): ومن قتل نفسه عمداً يغسل ويصلى عليه، على المفتى به عند الحنفية وعند الشافعية وان كان اعظم وزراً من قاتل غيره لأنه فاسق غير ساع فى الأرض بالفساد وان كان باغياً على نفسه كسائر فساق المسلمين۔ ورأى قوم كابي يوسف وابن الهمام انه لا يصلى عليه لما فى صحيح مسلم انه عليه السلام اتى برجل قتل نفسه فلم يصل عليه...

وقال المالكية ايضاً وينبغى لاهل الفضل ان يجتنبوا الصلاة على المبتدعة ومظهرى الكبائر ردعاً لامثالهم۔

Marfat.com

(۴۱۵) نومولود بغیر جنازے کے مدفون بچی کے جنازے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے دوست کے گھر لڑکی پیدا ہوئی، لڑکی تو زندہ پیدا ہوئی لیکن اس کو جان بوجھ کر مارا گیا اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، اب اس کا کیا حکم ہے؟ مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں مع حوالہ جات۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... مذکورہ واقعہ کو پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ ایک مسلمان نے ایسی حرکت کی، جس کے سبب وہ حیوانیت کو بھی پیچھے چھوڑ گیا۔ بچیوں کو مارنا مسلمانوں کا شیوہ نہیں، مشرکین عرب زمانہ جاہلیت میں بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے اور بچی کی پیدائش کو عار سمجھتے تھے بلکہ اُس وقت بھی شرفاء عرب یہ حرکت نہیں کرتے تھے، رذیل اور جاہل اس طرح کی حرکتیں کرتے تھے۔ یہ حرکت عملاً کفر اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے جو کہ حکیم ذات ہے ناراضگی کا اظہار ہے اس پر توبہ واستغفار کیا جائے اور دل سے ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑایا اور رویا جائے ورنہ سخت پکڑ کا اندیشہ ہے اگر باپ نے قتل کیا ہے تو دیت بھی لازم ہوگی، اسی طرح نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کی وجہ سے جو گناہ لازم آیا اس کیلئے بھی کثرت سے توبہ واستغفار کیا جائے۔

تنبیہ......اگر باپ کے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہے تو قتل کی کیفیت اور وضاحت لکھ کر حکم دریافت کرلیا جائے۔

لما فی القرآن الکریم (بنی اسرائیل:۳۱): وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيْرًا ○

وفی الدر المختار (۵۳۴،۵۳۵/۶): أی لایقتص الأصول وإن علوا مطلقا ولو إناثا من قبل الأم فی نفس أو أطراف بفروعهم وإن سفلوا لقوله علیه الصلوٰة والسلام ((لایقاد الوالد بولده)) وهو وصفٌ معلل بالجزئیة فیتعدی لمن علا لأنهم أسباب فی إحیائه فلا یکون سببا لإفنائهم وحینئذ فتجب الدیة فی مال الاب فی ثلاث سنین لأن هذا عمد والعاقلة لاتعقل العمد۔

(۴۱۶) بچے کے کفن اور احرام کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ والدین بچے کو اپنے ساتھ حج پر لے کر جائیں تو اس کا احرام کیسا ہوگا؟ یعنی تین سال کا لڑکا ہے ماں باپ اپنے ساتھ اسے بھی حج کروانے لے جارہے ہیں تو بچہ کو کس طرح کا احرام باندھیں یعنی مرد کی طرح دو چادریں ہوں گی یا کون سا کپڑا ہوگا احرام میں۔

نیز مفتی صاحب یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ اگر چھوٹا بچہ خدانخواستہ اللہ نہ کرے سو دفعہ نہ کرے تین سال کی عمر میں انتقال کر جائے تو اس چھوٹے بچے کا کفن کیسا ہوگا؟ شریعت اور فقہ اس بارے میں کیا کہتی ہے کیا اسے بھی تین کپڑوں ازار، قمیص، لفافہ میں کفن دیا جائے گا

Marfat.com

اور اسے بھی سفید رنگ کا ہی کفن دینا ضروری ہے یا دیگر کوئی طریقہ ہے؟ برائے مہربانی بچے کے بارے میں حج کے احرام اور کفن دونوں کے احکام مفصل ومدلل بیان فرما کر شکریہ اور تہنیت کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر والدین اپنے ساتھ بچے کو حج کرانے لے جا رہے ہیں تو ان کو چاہیے کہ بچے کو دو چادریں بطور احرام کے پہنائیں۔ صورت مسئولہ میں بچے کا کفن بڑوں کے کفن کی طرح تین کپڑوں (یعنی قمیص، لفافہ، ازار) میں دینا بہتر ہے دو اور ایک کپڑے میں کفن دینا جائز ہے سفید رنگ کا کفن دینا مستحب ہے۔

لمافی جامع الترمذی ابواب الجنائز (۱/۱۹۳): عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلی الله علیه و سلم البسوا من ثیابکم البیاض فإنها خیر ثیابکم وکفنوا فیها موتاکم۔

وفی الشامية، باب صلاة الجنازة (۲/۲۰۴): قوله (ومن لم يراهق الخ)۔۔۔ قال في الزيلعي وأدنى ما يكفن به الصبي الصغير ثوب واحد والصبية ثوبان اه وقال في البدائع وإن كان صبيا لم يراهق فإن كفن في خرقتين إزار ورداء فحسن وإن كفن في إزار واحد جاز وأما الصغيرة فلا بأس أن تكفن في ثوبين اه أقول في قوله فحسن إشارة إلى أنه لو كفن بكفن البالغ يكون أحسن لما في الحلية عن الخانية و الخلاصة الطفل الذي لم يبلغ حد الشهوة الأحسن أن يكفن فيما يكفن فيه البالغ وإن كفن في ثوب واحد جاز اه

(۴۱۷) نمازِ جنازہ جوتوں کے ساتھ پڑھنا نیز سلام پھیرتے وقت امام کس کی نیت کریگا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنازہ کی نماز جوتوں کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟ نیز امام کو سلام پھیرتے وقت کس کی نیت کرنی چاہیئے میت کی یا دیگر لوگوں کی یعنی مقتدیوں کی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... (۱)۔ جنازے کی نماز جوتے پہن کر پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ جوتے اور وہ جگہ جہاں کھڑا ہے پاک ہو، اور اگر جوتے پاؤں سے نکال کر اس کے اوپر کھڑا ہوا جائے تو پھر صرف جوتوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔

(۲)۔ جنازے کی نماز میں سلام پھیرتے وقت امام مقتدیوں کی نیت کرے گا، میت کی نیت نہیں کرے گا کیونکہ میت خطاب کا اہل نہیں ہے۔

لمافی البحر (۲/۱۷۹): لو قام علی النجاسة وفی رجلیه نعلان لم یجز ولو افترش نعلیه وقام علیهما جازت وبهذا یعلم مایفعل فی زماننا من القیام علی النعلین فی صلاة الجنازة لکن لا بد من طهارة النعلین۔

وفی الهندية (۱/۱۶۴): ولا ینوی المیت فی التسلیمتین بل ینوی بالاولیٰ من عن یمینه وبالثانية من عن شماله کذا فی سراج الوهاج۔

Marfat.com

وفى الدر المختار مع الشامية(١/٦٥٧): وصلاته فيهما افضل۔ (قوله وصلاته فيهما) اى فى النعل والخف الطاهرين افضل مخالفة لليهود تاتارخانية، وفى الحديث صلوا فى نعالكم ولا تشبهوا باليهود۔

وفيه ايضاً(٢/٢١٣): قوله ناويا الميت مع القوم) كذا فى الفتح... وظاهره أنه ينوى الملئكة الحفظة أيضا ثم رأيته صريحاً فى شرح درر البحار وذكر فى الخانية والظهيرية والجوهرة انه لا ينوى الميت قال فى البحر وهو الظاهر لأن الميت لا يخاطب بالسلام حتى ينوى به اذ ليس اهلا له وأقره فى النهر۔

(۴۱۸) نمازِ جنازہ میں سلام سے پہلے ہاتھ چھوڑنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نمازِ جنازہ میں سلام ہاتھ چھوڑ کر پھیرنا چاہیئے یا پہلے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تکبیرات کے ختم ہونے پر سلام سے پہلے ہاتھ چھوڑ دینے چاہئیں۔

لمافى خلاصة الفتاوىٰ(١/٥٥): والاعتماد سنة وانما يعتمد كما فرغ من التكبير باليمنى على اليسرى ...وعند محمد رحمه الله الاعتماد سنة القراء ة حتى اذا فرغ من التكبير يرسل فاذا شرع فى القراء ة يعتمد وفى القنوت فى الوتر اختلف المشائخ فيه والاصح هو الاعتماد وفى القومة بين الركوع والسجود يرسل ولا يعتمد وكذا فى كل قيام لا ذكر فيه ولا يطول كتكبيرات العيدين وفى صلوة الجنازة يعتمد۔

وفى الهندية (١/٧٣): كل قيام فيه ذكر مسنون فالسنة فيه الاعتماد كما فى حالة الثناء والقنوت وصلاة الجنازة وكل قيام ليس فيه ذكر مسنون كمافى تكبيرات العيدين فالسنة فيه الارسال كذا فى النهاية وهو الصحيح كذا فى الهداية فيه كان يفتى شمس الائمة السرخسى۔

(۴۱۹) نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر پر ہاتھ چھوڑ دینے چاہیئے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱)۔ چھوٹی ہوئی رکعتوں والا شخص اپنی نماز پوری کرنے کیلئے کس وقت اٹھے، امام کے ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد یا دونوں طرف کے بعد؟

(۲)۔ اور نماز جنازہ میں ہاتھ کس وقت چھوڑے جائیں امام کے سلام کہنے سے پہلے یا بعد؟ جوابات دیکر ممنون فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)۔مسبوق اپنی بقیہ رکعتوں کو ادا کرنے کیلئے اس وقت اٹھے جب امام دوسری جانب سلام پھیر لے۔

(۲)۔نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہاتھ چھوڑ دینے چاہئیں۔

وفی الشامية (۱/۵۹۷): (قوله وينبغي أن يصبر الخ) أى لا يقوم بعد التسلمية أو التسلمتين بل ينتظر فراغ الامام بعدهما كمافى الفيض والفتح والبحر... قال فى الحلية: وليس هذا بلازم بل المقصود مايفهم أن لا سهو على الإمام أو يوجد له ما يقطع حرمة الصلاة اھ وقيده فى الفتح بحثاً بما إذا اقتدى بمن يرى سجود السهو بعد السلام أما اذا اقتدى بمن يراه قبل السلام فلا۔

وفى خلاصة الفتاوىٰ (۱/۲۲۵): ولا يجوز الاستخلاف ولا يعقد بعد تكبير الرابع لانه لا يبقى ذكر مسنون حتى يعقد فالصحيح أنه يحل اليدين ثم يسلم تسليمتين هكذا فى الذخيرة۔

(۴۲۰)امام کا محراب میں کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھانا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کے باہر جنازہ رکھا گیا اور امام صاحب محراب کے اندر کھڑے تھے؟ کیا امام صاحب کا محراب میں کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھانا صحیح ہے؟ اور کیا محراب کا حکم مسجد کا حکم ہے یا مسجد سے خارج ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز جنازہ کیلئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مسجد سے باہر کوئی جگہ الگ مقرر کی جائے اور نماز جنازہ مسجد کی حدود(اگرچہ محراب ہی کیوں نہ ہو) میں پڑھنا مکروہ ہے۔کیونکہ محراب مسجد کے حکم میں ہے البتہ اگر کوئی عذر مثلاً جگہ کی تنگی وغیرہ ہو تو اُس صورت میں بہتر یہ ہے کہ امام کچھ مقتدیوں کے ساتھ محراب کے باہر کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے۔

لمافى الدر المختار(۲/۲۲۵): (واختلف فى الخارجة) عن المسجد وحده أو مع بعض القوم (والمختار الكراهة) مطلقا خلاصة بناء على أن المسجد انما بنى للمكتوبة الخ۔

(ص۲۲۶) وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحته: إنما تكره فى المسجد بلا عذر، فإن كان فلا

(۴۲۱)دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب یہاں پر کوئی میت ہوتی ہے تو بسا اوقات اس کو گاؤں لے جاتے ہیں۔کبھی میت کے ''ولی'' بیٹا وغیرہ یہاں بھی ہوتے ہیں اور گاؤں میں بھی ہوتے ہیں تو آیا شریعت کی روشنی میں میت کا دوبارہ جنازہ پڑھانا کیسا ہے؟ جبکہ یہاں پر بھی بیٹے نے نمازِ جنازہ پڑھائی ہو، اور وہاں پر بھی بیٹا ہے جس نے جنازہ نہیں پڑھا ہے۔ مفصل بیان

Marfat.com

فرما کرعنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... مسلمان میت پراس کے ولی بیٹے وغیرہ کے ہوتے ہوئے ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھ لی جائے تو دوبارہ (چاہے ولی موجود ہو یا نہ ہو) نمازِ جنازہ نہیں پڑھنی چاہیئے، اس لئے کہ ایک مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھنے سے فرض ساقط ہوجاتا ہے۔

لمافی فتاویٰ الهندية (۱/۱۶۴): وإن صلى عليه الولى لم يجز لأحد أن يصلى بعده ولو أراد السلطان أن يصلى عليه فله ذلك لانه مقدم عليه ولو صلى عليه الولى وللميت اولياء أخر بمنزلته ليس لهم أن يعيدوا كذا فى الجوهرة النيرة۔

وفى رد المحتار(۲/۲۲۳): فإن صلى غير الولى او السلطان أعاد الولى لأن الحق للأولياء وان صلى الولى لم يجز لأ حد أن يصلى بعده ونحوه فى الكنز وغيره فقوله لم يجز لأحد يشمل السلطان ثم رأيت فى غاية البيان قال مانصه هذا على سبيل العموم حتى لا تجوز الإعادة لا للسلطان ولا لغيره۔

(۴۲۲) قبر کے اندر صحیح سلامت نعش نکل آئے تو اس پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبر کھودتے وقت قبر کے اندر سے صحیح سلامت نعش نکل آئے تو اس پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں اسی طرح اس کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......میت کو دفن کرنے کے بعد نہ نکالا جائے ہاں اگر کسی عذر کی بنا پر میت کو قبر سے صحیح سلامت نکالا جائے تو ان پر دوبارہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اسی طرح اس کو غسل بھی نہیں دیا جائے گا۔

لمافی الدر المختار(۲/۲۰۵): (و) آدمى (منبوش طرى) لم يتفسخ (يكفن كالذى لم يدفن) مرة بعد اخرى (وان تفسخ كفن فى ثوب واحد)

وفى الشامية (۲/۲۰۵): (قوله كالذى لم يدفن) ان يكفن فى ثلاثة اثواب... اى لو نبش ثانيا وثالثا واكثر كفن كذلك مادام طريا من اصل ماله عندنا۔

(۴۲۳) نمازِ جنازہ کے بعد دس دس قدم چلنے کا طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نمازِ جنازہ کے بعد دس دس قدم چلنے کا کیا طریقہ ہے؟ امام نمازِ جنازہ کے بعد جنازہ گاہ میں چارپائی کا ایک پایا پکڑ کر چلتا ہے پھر دوسرا پایا پکڑ کر چلتا ہے پھر تیسرا پھر چوتھا کیا ایسا کرنا صحیح ہے۔ نیز اس کو لازم سمجھنا کیسا ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں دس دس قدم چلنا صحیح ہے لیکن امام کا چارپائی کا پایا پکڑ کر وہیں جنازہ گاہ میں گھمانا ثابت نہیں ہے صحیح طریقہ یہ ہے کہ میت کا دائیں طرف والا پایا اپنے دائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلیں پھر اس کے پیچھے والا پایا پکڑ کر دس قدم چلیں پھر میت کے بائیں طرف والا پایا اپنے بائیں کندھے پر آگے کی طرف سے دس قدم چلیں اسی طرح پیچھے والا پایا دس قدم چلیں اسطرح چالیس قدم ہوجائیں گے اور یہ چلنا قبرستان کی طرف ہے نہ کہ وہیں جنازہ گاہ میں گھمانا۔ اور اس کو لازم بھی نہ سمجھا جائے اگر اس طریقے سے چلا جائے تو صحیح ہے صرف امام کا چارپائی کا پایا پکڑنے والا طریقہ خلاف سنت ہے۔

لمافی الهندیة(۱/۱۶۲): ثم ان فی حمل الجنازة شیئین نفس السنة وکمالها اما نفس السنة فهی ان تاخذ بقوائمها الاربع علی طریق التعاقب بان تحمل من کل جانب عشر خطوات وهذا یتحقق فی حق الجمع واما کمال السنة فلا یتحقق الافی واحد وهو ان یبدأ الحامل بحمل یمین مقدم الجنازة کذا فی التاتارخانیة فیحمله علی عاتقه الایمن ثم الموخرالایمن علی عاتقه الایمن ثم المقدم الایسر علی عاتقه الایسر ثم المؤخر الایسر علی عاتقه الایسر هکذا فی التبیین۔

وفی الشامیة (۲/۲۳۱): وفی شرح المنیة ویستحب ان یحملها من کل جانب اربعین خطوة للحدیث المذکور رواه ابوبکر النجار الخ...... (قوله کذلك)ای عشر خطوات وهی معنی کذلك الثانیة ویمین الحامل یمین المیت ویسار الجنازة ویساره یساره ویمین الجنازة قهستانی ط۔

(۴۲۴)عورت کیلئے جنازہ میں شرکت کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا عورت نمازِ جنازہ میں شرکت کرسکتی ہے؟ یعنی جماعت کے پیچھے عورتیں کھڑی ہوسکتی ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......عورتیں نمازِ جنازہ میں فتنے کی وجہ سے شرکت نہیں کرسکتیں البتہ اگر ساتھ کھڑی ہوگئیں تو نماز درست ہوجائے گی۔

لمافی البحر الرائق(۲/۱۸۰): وأما مایفسدها فما أفسد الصلاة أفسدها الا المحاذة...

وفی جوهر النیرة(۱/۱۳۰): وان قامت امرأة الی جانب رجل لم تفسد علیه صلاته۔

وفی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح(ص۲۴۶): (ولا یحضرن الجماعات لمافیه من الفتنة والمخالفة) (قوله ولا یحضرن الجماعات) لقوله ﷺ ''صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها أفضل من صلاتها فی بیتها''۔قال الطحطاوی تحته: فالأفضل لها ماکان استرلها لافرق بین الفرائض وغیرها کالتراویح الاصلاة الجنازة فلا تکره جماعتهن فیما

Marfat.com

لأنها لم تشرع مكررة فلو انفردت تفوتهن۔

(قوله والمخالفة) أى مخالفة الأمر لان الله تعالىٰ امرهن بالقرار فى البيوت فقال تعالىٰ وقرن فى بيوتكن وقال ﷺ ''بيوتهن خير لهن لوكن يعلمن''

وفى الدرالمختار(۵۶۶/۱): (ويكره حضورهن الجماعة) ولو لجمعة وعيدووعظ (مطلقا) ولو عجوزا ليلا (على المذهب المفتى به لفساد الزمان واستثنى الكمال بحثا العجائز المتفانية۔

وفى الشامية (۵۶۶/۱): (قوله على المذهب المفتى به) أى مذهب المتاخرين قال فى البحر: وقد يقال هذه الفتوى التى اعتمدها المتأخرون . . . وفيه نظر بل هو مأخوذ من قول الإمام وذلك أنه انما منعها لقيام الحامل وهو فرط الشهوة بناء على أن الفسقة لا ينتشرون فى المغرب . . . الخ۔ (قوله واستثنى الكمال الخ) أى مما افتى به المتأخرون لعدم العلة السابقة فيبقى الحكم فيه على قول الإمام فافهم۔

(۴۲۵) عورتیں جنازے کی نماز پڑھا سکتی ہیں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا عورتیں جنازے کی نماز پڑھا سکتی ہیں کیونکہ درمختار (۵۶۵/۱) پر ایک عبارت ہے جس سے جواز کی صورت معلوم ہوتی ہے عبارت ملاحظہ ہو ''ویکرہ تحریما (جماعة النساء) ولو فی التراویح فی غیر صلاة جنازة'' اب آپ سے معلوم کرنا ہے کہ کیا یہ بات درست ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس عبارت کو کہاں منطبق کریں گے اور اس کا محمل کیا ہوگا؟ کیا کسی خاص صورت میں فقہاء کہتے ہیں یا یہ بات مطلقاً ہے اگر اس جنازے میں مرد بھی شریک ہوں تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟! اگر اکیلی عورتیں ہیں تو اس صورت میں جواز معلوم ہو رہا ہے تو باقی فرائض اور تراویح میں اس کی کیوں ممانعت ہے؟ پھر تو کچھ سال پہلے جو امریکہ میں واقعہ پیش آیا تھا کہ عورت نے امامت کرائی تھی کیا وہ درست ہے اس عبارت کے نتیجے میں، براہ کرم تمام پہلوؤں کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں کہ کوئی جز میرے سوال کا باقی نہ رہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطاء کرے، آمین۔

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز جنازہ میں عورت صرف خواتین کی امامت کر سکتی ہے جبکہ دیگر نمازوں میں مکروہ ہے چاہے خواتین کی امامت ہی کیوں نہ ہو۔ سوال میں درج ''درمختار'' کی عبارت کا مطلب اور محمل یہی ہے۔ نیز نمازِ جنازہ میں اگر مرد حضرات عورت کی اقتداء میں شریک ہوجائیں تو مردوں کی نماز باطل ہوجائے گی کیونکہ مرد کیلئے کسی بھی نماز میں عورت کی اقتداء درست نہیں، البتہ اس صورت میں نماز جنازہ ادا ہوجائے گی اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ عورت کی نماز درست ہونے کی بناء پر سب کی طرف سے فریضہ ادا ہوگیا۔

Marfat.com

نیز سوال میں مذکور "امریکہ میں پیش آمدہ واقعہ" کا جواز سوال میں درج "الدر" کی عبارت سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس عبارت سے فقط نماز جنازہ میں عورت کی امامت کا جواز صرف خواتین کیلئے ثابت ہوتا ہے۔ نماز جنازہ میں صرف خواتین کیلئے عورت کی امامت کا جواز اور دیگر نمازوں میں ممانعت کی وجہ فرق یہ ہے کہ اگر کسی نمازِ جنازہ میں صرف خواتین ہوں تو نماز جنازہ پڑھنے کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱)۔ بغیر جماعت کے علیحدہ علیحدہ نماز ادا کرلیں۔ (۲)۔ کسی خاتون کی اقتداء میں جماعت کرالیں۔

اول الذکر صورت میں اگر کوئی خاتون دیگر خواتین سے پہلے نماز جنازہ پوری کرتی ہے تو اس کی نماز سے فریضہ ادا ہوجائے گا کیونکہ نماز جنازہ فرض علی الکفایہ ہے کسی ایک فرد کے پڑھنے سے فریضہ ادا ہوجاتا ہے لہٰذا دیگر خواتین کی نمازیں نفل بن جائیں گی جبکہ نماز جنازہ نفلاً مشروع نہیں ہے۔ لہٰذا نماز جنازہ میں جبکہ صرف خواتین موجود ہوں مؤخر الذکر صورت متعین ہے۔ نماز جنازہ کے علاوہ دیگر نمازوں میں یہ علت نہیں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ ہر ایک پر الگ الگ فرض یا سنت ہوتی ہیں ان کو علیحدہ علیحدہ پڑھنے کی صورت میں اگر کوئی خاتون دیگر خواتین سے پہلے نماز سے فارغ ہوتی ہے تو دیگر خواتین کی نمازیں نہ تو نفل بن جاتی ہیں اور نہ ہی ان سے فریضہ ساقط ہوتا ہے۔ لہٰذا نمازِ جنازہ کے علاوہ دیگر نمازوں میں عورت کی امامت مطلقاً مکروہ ہے۔

لمافی المدونة الكبرى(۱/۱۷۸): عن ابن ابي ذئب عن مولى لبني هاشم اخبره عن على بن ابي طالب انه قال: لا تؤم المرأة۔

وفى الدرالمختار (۱/۵۶۵): ويكره تحريماً (جماعة النساء) ولو فى التراويح فى غير صلاة جنازة۔ لانها لم تشرع مكررة فلو انفردن تفوتهن بفراغ احداهن ولو امت فيها رجالاً لا تعاد لسقوط الفرض بصلاتها

وفى الشامية تحته: قال فى الفتح، واعلم ان جماعتهن لا تكره فى صلاة الجنازة لا نها فريضة وترك التقدم مكروه فدار الامر بين فعل المكروه لفعل الفرض او ترك الفرض لتركه فوجب الاول۔ بخلاف جماعتهن فى غيرها، ولو صلين فرادى فقد تسبق احداهن فتكون صلاة الباقيات نفلاً والتنفل بها مكروه. فيكون فراغ تلك موجباً لفساد الفرضية لصلاة الباقيات كتقييد الخامسة بالسجدة لمن ترك القعدة الاخيرة ... ومفاده ان جماعتهن فى صلاة الجنازة واجبة. حيث لم يكن غيرهن ولعل وجهه الاحتراز عن فساد فرضية صلاة الباقيات اذا سبقت احداهن، وفيه ان الرجال لو صلوا منفردين يلزم فيها مثل ذلك فيلزم عليه وجوب جماعتهم فيها مع ان المصرح به ان الجماعة فيها غير واجبة فتأمل۔

وفى تقريرات الرافعى على حاشية ابن عابدين(۱/۷۲): انما يتم بارجاع ضمير "لانها" فريضة للجماعة كما فعل فى حاشية البحر وهو خلاف الظاهر بل هو راجع لصلاة الجنازة فانها فرض

Marfat.com

كفاية على كل منهن قال السندى نقلاً عن شرح المنية و يستحب ان يصلين منفردات وتجوز جماعتهن۔ فمراد الفتح وغيره من الوجوب معناه اللغوى اى ثبت الاوّل ويكون مقدما على الترك لا على الانفراد المستحب۔

(۴۲۶) متوفیہ عورت کے کفن و دفن کا خرچ کس کے ذمہ ہے باپ یا خاوند؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زن متوفیہ کے کفن و دفن کا خرچ کس کے ذمہ ہے باپ کے ذمہ ہے یا خاوند کے ذمہ؟ محقق جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......زوجہ متوفیہ کے کفن و دفن کا خرچہ خاوند کے ذمہ لازم ہے۔

لما فی حلبی کبیر(۱/۵۸۲): وكفن الزوجة على الزوج عند ابي يوسف رحمه الله وفى شرح السراجية لمصنفها واما المرأة اذا لم يكن لها مال فكفنها و مؤنتها على الزوج عند ابى حنيفة وابى يوسف الخ۔

وفى الهندية (۱/۱۶۱): وعلى قول ابي يوسف رحمه الله يجب الكفن على الزوج وان تركت مالا وعليه الفتوى الخ۔

(۴۲۷) میت کو اپنے آبائی گاؤں میں منتقل کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے ایک شہر کے اندر وفات پائی اس کو اس کے آبائی گاؤں لے جاتے ہیں کیا میت کو منتقل کرنا جائز ہے جبکہ اس نے اس شہر کی وصیت بھی کی ہو، کہ مجھ کو یہاں ہی دفن کرنا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر میت کا آبائی گاؤں ایک دو میل سے زیادہ دور ہے تو پھر منتقل کرنا مکروہ ہے۔

لما فى الشامية(۲/۲۳۹): (قوله ولا بأس بنقله قبل دفنه) قيل مطلقا وقيل إلى مادون مدة السفر وقيده محمد بقدر ميل أو ميلين لان مقابر البلد ربما بلغت هذه المسافة فيكره فيما زاد قال فى النهر عن عقد الفرائد: وهو الظاهر۔

وفى الفقه الاسلامى(۲/۱۵۳۷): وقال الحنفية والمالكية: لا بأس بنقل الميت من بلد إلى اٰخر إن كان لم يدفن، والنقل عند الحنفية جائز قدر ميل أو ميلين لكن يندب دفنه فى جهة موته أى فى مقابر أهل المكان الذى مات فيه أو قتل ،انتهى۔

Marfat.com

(۴۲۸) قبر کتنی گہری کھودی جائے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبر کھودتے وقت قبر کتنی گہری کھودی جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......قبر کی گہرائی کم از کم نصف قدِ آدم ہونی چاہیئے اور اگر آدمی کے قد کے برابر کی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

لمافی حلبی کبیر(ص۵۹۶): مقدار عمق القبر قدر نصف قامة ذکرہ فی الروضة وفی الذخیرة الی صدر الرجل او وسط القامة فان زادوا فھو افضل وان عمقوا مقدار قامة فھو احسن فعلم بھذا ان الادنی نصف القامة والاعلی القامة وما بینھما بینھما۔

وفی بحرالرائق(۲/۱۹۳): واختلفوا فی عمق القبر فقیل قدر نصف القامة وقیل الی الصدر وان زادوا فحسن۔

وفی النتف فی الفتاویٰ(ص۸۴): واما القبر فالمستحب فیه خمس خصال والمکروہ فیه عشر خصال امّا المستحب فیه فاولھا ان یحفر القبر الی مبلغ السرة۔

وفی طحطاوی (۱/۳۸۱): ویحفر القبر... طوله علی قدر طول المیت وعرضه علی قدر نصف طوله قوله فان زاد فحسن فلو کان علی قدر قامته فھو احسن۔

وفی الدرالمختار(۲/۲۳۴،۲۳۳): (وحفر قبرہ) فی غیردارہ (مقدار نصف قامة) فان زاد فحسن

وفی الشامیة تحته: (قوله مقدار نصف قامة الخ) او الی حد الصدر وان زاد الی مقدار قامة فھو احسن کما فی الذخیرة فعلم انّ الادنی نصف القامة والاعلی القامة وما بینھما شرح المنیة وھذا حدالعمق والمقصود منه المبالغة فی منع الرائحة ونبش السباع۔

(۴۲۹) قبر کی گہرائی کتنی ہو؟ میت کو گھر میں رکھا جائے یا مسجد میں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبر جب شق کی صورت میں ہو تو میت کو دفن کرنے کے بعد، جو اوپر بانس یا پتھر وغیرہ رکھ کر مٹی ڈالی جاتی ہے، اس میں یعنی پتھروں/بانس اور میت کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے۔ ہمارے ہاں میت اور ان پتھروں یا بانس کے درمیان بہت فاصلہ رکھا جاتا ہے، تقریباً یہ پتھر اور بانس زمین کے برابر ہوتے ہیں اور میت بہت نیچے، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے کیا اس کی کوئی حد متعین ہے، از روئے شریعت اس کا کیا حکم ہے، جبکہ اس مٹی کے کم ڈالنے کی وجہ سے قبر کی چھت گرنے کی صورت میں بعض اوقات میت نظر بھی آتی ہے۔

Marfat.com

(۲)......نماز جنازہ مسجد کے کمپاؤنڈ یا صحن میں پڑھنا افضل ہے یا قبرستان میں جبکہ قبرستان میں جنازہ پڑھنے کی جگہ بھی ہوتی ہے، لیکن مسجد میں جنازہ پڑھنے سے کثیر تعداد میں لوگ شرکت کرتے ہیں جبکہ قبرستان میں لوگ کم شرکت کرتے ہیں؟

(۳)......بعض مقامات پر میت کو گھر میں جگہ تنگ ہونے یا کسی اور مصلحت کی بنا پر، لا کر مسجد کے احاطہ میں رکھ دیا جاتا ہے، میت کو اپنے عزیز و اقارب کے گھروں میں رکھنا اچھا ہے یا مسجد کے احاطہ میں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......(۱)۔صورت مسئولہ میں جب قبر شق کی صورت میں ہو تو اس کی گہرائی قامت الرجل (آدمی کے قد کے برابر) کے برابر مستحب ہے، البتہ بانس پتھر یا سلیپ وغیرہ رکھنے کی جگہ کی صراحت نہیں ہے لیکن بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب گہرائی متعین ہے تو یہ چیزیں اوپر ہی رکھی جائیں گی البتہ بانس، پتھر یا سلیپ وغیرہ رکھنے میں احتیاط سے کام لیا جائے تاکہ کھلنے کا اندیشہ نہ ہو، اگر پھر بھی کسی وجہ سے کھل جائیں تو دوبارہ اچھی طرح بند کر لی جائیں۔

(۲)۔اگر شدید عذر ہو مثلاً بارش ہو رہی ہو یا باہر جنازہ پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر تو مسجد کے اندر بھی جنازہ پڑھنا درست ہے البتہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو پھر اگر میت اور امام سمیت کچھ مقتدی مسجد سے باہر ہوں تو بھی جنازہ پڑھنا بلا کراہت کے درست ہوگا واضح رہے کہ لوگوں کا کثیر تعداد میں شرکت نہ کرنا کوئی عذر نہیں ہے۔

(۳)۔میت کو نہ گھر میں رکھنا درست ہے اور نہ ہی مسجد میں بلکہ فوراً کفن دفن کے انتظامات کرنے چاہئیں۔

لما فی البخاری(۱/۱۷۶):عن ابی هريرة رضي الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال اسرعوا بالجنازة فان تلك صالحة فخير تقدمونها وان تلك سوى ذلك فشر تضعونه عن رقابكم۔

وفی أبي داؤد(۲/۹۸):عن ابی هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى على جنازة فی المسجد فلاشئی له۔

وفی مسلم(۱/۳۱۳): عن عائشة انها لما توفی سعد بن ابی وقاص ارسل ازواج النبی صلى الله عليه وسلم أن يمروا بجنازته فی المسجد فيصلين عليه ففعلوا فوقف به علی حجرهن يصلين عليه... فبلغهن ان الناس عابوا ذلك وقالوا ماكانت الجنائز يدخل بها المسجد۔(الحديث)

عن ابی سلمة بن عبدالرحمن ان عائشة لما توفی سعد بن ابی وقاص قالت ادخلوا به المسجد حتی اصلی عليه فأنكر ذلك عليها۔(الحديث)

وفی المبسوط للسرخسی(۲/۶۸): وعندنا اذا كانت الجنازة خارج المسجد لم يكره ان يصلی الناس عليها فی المسجد انما الكراهة فی ادخال الجنازة۔

وفی شامية (۲/۲۳۴): (قوله مقدار نصف قامة الخ) او الی حد الصدر وان زاد الی مقدار قامة فهواحسن۔

Marfat.com

(۴۳۰) قبر کھودنے کی گہرائی میں مرد و عورت کی قبر میں فرق ہے یا نہیں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کے لئے قبر کتنی گہری کھودنی چاہیئے اس کی حد کیا ہے اور مرد و عورت کی قبر کا ایک ہی حکم ہے یا ان کی قبروں میں فرق ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......قبر کی گہرائی انسان کے نصف قد تک ہونی چاہیئے اگر زیادہ ہو تو اور بہتر ہے، مرد و عورت کا کوئی خاص فرق گہرائی میں ضروری نہیں۔

وفی التاتارخانیة(۱۴۲/۲): وفی بعض النوادر عن محمد رحمه الله انه قال ینبغی ان یکون مقدار العمق الی صدر رجل وسط القامة قال وکلما ازداد فهو أفضل۔

وفی الشامیة (۲۳۴/۲): قوله نصف قامة او الیٰ حد الصدر، وان زاد الی مقدار قامة فهو أحسن کمافی الذخیرة۔

(۴۳۱) میت کو بوقت ضرورت صندوق میں بند کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک میت کے اعضاء کو انتشار کے خوف سے اگر صندوق میں بند کر کے قبر میں رکھیں، آیا شرعاً مذکورہ عذر کی وجہ سے میت کو اس طرح قبر میں دفنانا جائز ہے، فقہاء کرام کی عبارات سے جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......میت کو بوقت ضرورت صندوق میں بند کر کے دفنانا جائز ہے۔

لمافی الهندیة (۱۶۶/۱): وحکی عن الشیخ الامام ابی بکر محمد بن الفضل رحمه الله انه جوز اتخاذ التابوت فی بلادنا لرخاوة الارض قال ولو اتخذ تابوت من حدید لا بأس به لکن ینبغی ان یفرش فیه التراب ویطین الطبقة العلیاء الخ۔

وفی الشامیة(۲۳۴/۲): التنویر مع الدر: (ولا بأس باتخاذ التابوت) ولو من حجر او حدید (له عند الحاجة کرخاوة الارض۔

(۴۳۲) بلاضرورت میت کو تابوت میں دفن کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کو تابوت کے اندر رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملك الوهاب...... بلاضرورت میت کوتابوت کے اندر رکھنا اور جنازہ پڑھانا مکروہ ہے، اگر ضرورت ہوتو جائز ہے مثلاً زمین گیلی ہو یا کوئی اور ضرورت ہوتو بلا کراہت جائز ہوگا۔

لمافی الهندية(۱/۱۶۶): وحكى عن الشيخ الامام ابي بكر محمد بن الفضل رحمه الله انه جوز اتخاذ التابوت فی بلادنا لرخاوة الارض قال ولو اتخذ التابوت من حديد لا بأس به لكن ينبغي ان يفرش فيه التراب ويطين الطبقة العليا مما يلي الميت ويجعل اللبن الخفيف على يمين الميت وعلى يساره ليصير بمنزلة اللحد

وفی خلاصة الفتاوىٰ(۱/۲۲۶): وعن الامام ابي بكر محمد بن الفضل رحمه الله، انه جوز اتخاذ التابوت فی بلادنا لرخاوة الارض قال ولو اتخذوا تابوتاً من حديد فلا باس به۔

(۴۳۳) میت کیلئے قبر میں چٹائی بچھانے کا حکم اور نبی ﷺ کیلئے چٹائی بچھانے کی وجہ

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سننے میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا انتقال جس چٹائی پر ہوا تھا وہی چٹائی آپ کیلئے لحد میں بچھائی گئی تھی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ میت کیلئے قبر میں چٹائی بچھانا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو پھر آپ ﷺ کیلئے کیوں بچھائی گئی؟

الجواب بعون الملك الوهاب...... میت کے لئے قبر میں چٹائی بچھانا درست نہیں، آپ نے جو سنا ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کیلئے لحد میں چٹائی بچھائی گئی یہ آپ نے غلط سنا ہے اصل میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک سرخ رنگ کی چادر تھی جس کو آپ علیہ السلام کبھی نیچے بچھایا کرتے تھے اور کبھی اس کو اوپر لیا کرتے تھے جب آپ علیہ السلام کا وصال ہوا تو حضرت شقران صالح رضی اللہ عنہ (جو کہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے) نے یہ سوچ کر کہ اب آپ کے بعد اس چادر کو پہننے کا کوئی اہل نہیں رہا اس لئے یہ فرما کر اسے قبر میں ڈال دیا۔ واللہ لا یلبسها احد بعدہ ابدا یعنی آپؐ کے بعد کوئی دوسرا اس چادر کو نہیں اوڑھ سکتا۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا کہ اس چادر کو مٹی ڈالنے سے پہلے ہی نکال لیا تھا اور بعض حضرات کہتے ہیں یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہے۔

لمافی المرقاة(۴/۶۷): عن ابن عباس رضي الله عنه قال جعل فی قبر رسول الله ﷺ قطيفة حمراء فی النهاية القطيفة هی كساء له خمل وهو المهدب ومنه الحديث تعس عبدالقطيفة ای الذی يعمل لها ويهتم بتحصيلها قال النووی وهذه القطيفة ألقاها شقران مولى من موالى رسول الله ﷺ وقال كرهت ان يلبسها احد بعده عليه الصلوة السلام وقدنص الشافعی وغيره من الفقهاء على كراهة وضع القطيفة والمخدة ونحوهما تحت الميت فی القبر فقيل ان ذلك من خواصه عليه الصلوة السلام فلا يحسن فی غيره قال الدار قطنی نقلا عن وكيع ان ذلك من خصائصه عليه الصلوة

Marfat.com

السلام قال التوربشتی رحمه الله وذلك انه عليه الصلوة السلام كما فارق اهل الدنيا فی بعض أحكام حياته فارقهم فی بعض احكام مماته فان الله تعالىٰ حرم على الارض لحوم الانبياء وحق لجسد عصمه الله عن البلى والاستحالة ان يفرش له فی قبره لان المعنى الذی يفرش للحی له لم يزل عنه ﷺ بحكم الموت وليس الامر فی غيره على هذا النمط وقال بعضهم تنازع علی رضی الله عنه وعباس رضی الله عنه فقصد شقران بوضعها دفع ذلك ذكره ابن حجر وهو بعيد جدا...... قال ابن عبد البر فی الاستيعاب انما أخرجت قبل اهالة التراب۔

وفی البحر الرائق(۲/۱۹۳): وذكر فی الظهيرية معزيا الى السرخسی فی الجامع الصغير انه لايجوز ان تطرح المضربة فی القبر وماروی عن عائشة رضی الله عنها فغير مشهور۔

وفی الدر المختار(۲/۲۳۴): (ولا) يجوز ان (يوضع فيه مضربة) وما روی عن علی رضی الله عنه فغير مشهور لا يوخذبه۔ وفی الشاميه (قوله ولا يجوز الخ) ای يكره ذلك قال فی الحلية ويكره ان يوضع تحت الميت فی القبر مضربة او مخدة او حصيرا ونحو ذلك ولعل وجهه انه اتلاف مال بلا ضرورة فالكراهة تحريمية ولذا عبر بلا يجوز۔ (قوله وماروی عن علی رضی الله عنه) يعنی من فعل ذلك نهر ثم ان الشارح تبع فی ذلك المنصف فی منحه والذی وجدته فی الظهيرية عن عائشة رضی الله عنها وكذا عزاه الى الظهيرية فی البحر والنهر. قال فی شرح المنية وما روی انه جعل فی قبره عليه الصلوة والسلام قطيفة۔ قيل لان المدينة سبخة وقيل ان العباس وعليا رضی الله عنهماتنازعاها فبسطها شقران تحته لقطع التنازع وقيل كان الصلاة والسلام يلبسها ويفترشها فقال شقران رضی الله عنه والله لايلبسك احد بعده أبداً فالقاها فی القبر۔

(قوله فغير مشهور) ای غير ثابت عنه او المراد انه لم يشتهر عنه فعله بين الصحابة ليكون اجماعا منهم بل ثبت عن غيره خلافه ففی شرح المنية وكره ابن عباس رضی الله عنه ان يلقى تحت الميت شئ رواه الترمذی وعن أبی موسیٰ لا تجعلوا بينی وبين الارض شيئاً۔

(۴۳۴) عورت کو قبر میں اتارتے وقت پردہ ڈالنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورتوں کو دفن کرتے وقت ان کی قبر پر پردہ ڈالنا کیسا ہے؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں پردہ ڈالنا سنت ہے۔

Marfat.com

وفی اعلاء السنن(۳۱۳/۸): عن الثوری عن ابی اسحاق رضی اللہ عنہ قال شھدت جنازۃ الحارث فمد واقبرہ ثوباً فجبذہ عبداللہ بن یزید وقال انما ھو رجل رواہ ابن ابی شیبۃ فھذا ھو الصحیح۔

وفی البدائع(۳۱۹/۱): ویسجی قبر المرأۃ بثوب لماروی ان فاطمۃ رضی اللہ عنھا سجی قبرھا بثوب ونعش علی جنازتھا لان مبنی حالھا علی الستر فلو لم یسج ربما انکشفت عورۃ المرأۃ فیقع بصر الرجال علیھا۔

وفی رد المحتار(۲۳۶/۲): ویسجی قبرھا ای بثوب ونحوہ استحباباً حال ادخالھا القبر حتیٰ یسوی اللبن علی اللحد کذا فی شرح المنیۃ والامداد۔

(۴۳۵) قبروں کے اردگرد چاردیواری بنانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل قبروں کے اردگرد لکڑیوں سے چاردیواری بنائی جاتی ہیں جس کا مقصود قبر کو مزین کرنا بھی ہوتا ہے اور قبر کی حفاظت بھی، اور اگر صرف حفاظت کیلئے ہو تو کیسا ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......قبروں کے اردگرد چاردیواری بنانا جائز ہے بشرطیکہ قبر کی حفاظت مقصود ہو۔اور اگر چاردیواری بنانے سے مقصود زیب وزینت ہو تو اس صورت میں مکروہ ہے۔

لمافی مراقی الفلاح(صـ۵۰۳): انما یکرہ الا جر اذا ارید بہ الزینۃ اما اذا ارید بہ دفع اذی السباع او شی آخر لا یکرہ۔

وفی حاشیۃ الطحطاوی(صـ۵۰۴): وقد اعتاد اھل مصروضع الاحجار حفظا للقبور عن الاندراس والنبش ولا باس بہ وفی الدرر ولا یجصص ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء وقیل لا بأس بہ ھو المختار۔

وفی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر(۳۸۲/۱):قولہ وقیل لا بأس بہ) ینبغی تقیید الجواز علی ھذا القول بما اذا ...

(۴۳۶) حفاظت کی غرض سے قبر پر بغیر چھت کے چاردیواری بنانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبر پر چار پانچ فٹ بلند صرف چاردیواری بغیر چھت کے بغرض حفاظت بنانا جائز ہے یا نہیں، نیز چبوترہ بنا کر اس کے اوپر قبر بنانا تاکہ بارش کے سیلاب سے حفاظت رہے اور زائرین کے بیٹھنے

Marfat.com

کیلئے صفائی رہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بغرض حفاظت چاردیواری بنانا جائز ہے بشرطیکہ فخر ونمود، ریاکاری، زینت مقصود نہ ہو، نیز سیلاب وغیرہ سے جو خطرہ قبر کو لاحق ہے وہی خطرہ چبوترے کو بھی لاحق ہو سکتا ہے جو مناسب معلوم نہیں ہوتا البتہ اگر واقعی اس میں قبر کی حفاظت ہے اور زیب وزینت، اسی طرح زائرین کے لئے بیٹھنے کا اہتمام مقصود نہ ہو تو ضرورۃً جائز ہے۔

لما فی مراق الفلاح(ص۵۰۳،۵۰۴):انمایکره الآجراذااريد به الزينة اماذا اريد به دفع أذى السباع اوشئ آخر لايكره ... (ويكره) البناء عليه (للإحكام بعد الدفن) لأنه للبقاء والقبر للفناء... اهـ۔

وفى الدرالمختار(۲/۲۳۷): (ولا يجصص) للنهى عنه، (ولا يطين) ولا يرفع عليه بناء وقيل لابأس به وهو المختار) .وفى الشامية:(قوله لا يرفع عليه بناء) اى يحرم لوللزينة ...اهـ۔

وفى الدرالمختار(۲/۲۳۶): (ويسوى اللبن عليه والقصب لا الآجر) المطبوخ والخشب لوحوله...

وفى الشامية تحته: وقال مشايخ بخارى لايكره الآجر فى بلدتنا للحاجة اليه لضعف الأراضى۔

(۴۳۷) قبر کے اوپر میت کے نام کا کتبہ لگانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبروں کے اوپر اہل قبور کے ناموں کے کتبے لگانا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر ضرورت اس کی ہو کہ قبر کا نشان رہ جائے قبر کا اثر مٹ نہ جائے تو جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔

لمافى رد المحتار(۲/۲۳۷): (قوله لا بأس بالكتابة الخ) لان النهى عنها وان صح فقد وجد الاجماع العملى بها فقد اخرج الحاكم النهى عنها من طرق ثم قال هذه الاسانيد صحيحة وليس العمل عليها فان ائمة المسلمين من المشرق الى المغرب مكتوب على قبورهم وهو عمل اخذ به الخلف عن السلف... نعم يظهر ان محل هذا الاجماع العملى على الرخصة فيها ما اذا كانت الحاجة داعية اليه فى الجملة كما اشار اليه فى المحيط بقوله وان احتيج الى الكتابة حتى لا يذهب الاثر ولا يمتهن فلا بأس به فاما الكتابة بغير عذر فلا حتى انه يكره كتابة شئ عليه من القران او الشعر او اطراء مدح له ونحو ذلك حلية ملخصا۔

وفى الهندية (۱/۱٦٦): ويكره ان يبنى على القبر او يقعد اوينام عليه او يوطأعليه او يقضى حاجة الانسان من بول اوغائط او يعلم بعلامة من كتابة ونحو كذا فى التبيين۔

Marfat.com

(۴۳۸) قبروں پر نام، تاریخ وغیرہ لکھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی قبر کو بطور نشان باقی رکھنے اور اس خیال سے کہ قبر کی بے حرمتی اور توہین نہ ہو، لوگ اس کو پامال نہ کریں، تو اس پر نام اور تاریخ وفات لکھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......قبر پر بوقت ضرورت نام، تاریخ وغیرہ لکھی جاسکتی ہے۔

لمافی مراقی الفلاح(ص۵۰۵): (ولا بأس) ایضاً (بالکتابة فی حجرصین به القبر ووضع (علیه لئلا یذهب الاثر) فیحترم للعلم بصاحبه۔

وفی الدر المختار(۲/۲۳۷): لا بأس بالکتابة ان احتیج الیها حتی لا یذهب الاثر ولا یمتهن۔

(۴۳۹) پکی اور خوبصورت قبر بنانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لوگ قبریں عموماً شوق میں سیمنٹ کی خوبصورت بناتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پکی قبر منع ہے آپ بتائیں کہ کیا پکی اور خوبصورت قبر بنانا جائز نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......قبر کو پکا کرنا اور خوبصورت کرنا مکروہ ہے۔

لمافی الهندیة(۱/۱۶۶): ویسنم القبر قدر الشبر ولا یربع ولا یجصص ولا بأس برش الماء علیه ویکره أن یبنی علی القبر۔

وفی الدر المختار(۲/۲۳۷): (ولا یجصص) للنهی عنه (ولا یطین ولا یرفع علیه بناء) (قال ابن عابدین رحمه الله تحت قوله ولا یجصص) ای لا یطلی بالجص بالفتح ویکسر قاموس (قوله ولا یرفع علیه بناء) ای یحرم لو للزینة. ویکره لو للاحکام بعد الدفن۔

(۴۴۰) پرانی یا نئی قبر گر جائے اس کو دوبارہ بنانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر قبرستان میں ایک پرانی قبر یا نئی قبر گر جائے تو دوبارہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......قبر گرنے کی صورت میں دوبارہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لمافی التاتارخانیة(۲/۱۷۱،۱۷۰): وفی النوازل سئل ابو نصر عن تطیین القبر: قال: لا بأس به وفی الغیاثیة وعلیه الفتوی:... الحجة واذا خربت القبور فلا بأس بتطیینها لماروی ان النبی علیه

Marfat.com

السلام مرّ بقبر ابنه ابراهيم فرأى فيه حجرا سقط منه فسده واصلحه ثم قال : من عمل عملا فليتقنه:... وفی كفاية الشعبی: كان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة يعمر القبور الخربة۔

وفی الهندية(۱/۱۶۶): واذا خربت القبور فلا باس بتطيينها كذا فی التاتارخانية: وهو الاصح وعليه الفتوىٰ كذا فی جواهر الاخلاطی۔

وفی الشامية(۲/۲۳۷): وفی شرح المنية عن منية المفتی: المختار انه لا يكره التطيين۔

(۴۴۱) قبر پرسبز پتی پھول اورخوشبورکھنے کی شرعی حیثیت

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ قبروں پر سبز پتی یا پھول اور خوشبووغیرہ رکھتے ہیں،یہ فعل سنت ہے،مستحب ہے یا مباح ہے یا بالکل بے فائدہ ہے؟شرعی دلیل سے جوثابت ہومدلل بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......قبروں پر سبز پتی، پھول اورخوشبووغیرہ رکھنا یہ نہ سنت ہے اورنہ مستحب، بلکہ یہ ایک بے فائدہ چیز ہے اورشریعت میں اس کی کوئی اصل اورثبوت نہیں ہے اورآج کل لوگ اس کام کوکارِثواب سمجھتے ہیں لہٰذااس کاترک کرناواجب ہے۔

لمافی شرح مسلم(۱/۱۴۱): قال النووی، ففيه انه رضی الله عنه تبرك بفعل مثل فعل النبی ﷺ وقد انكر الخطابی مايفعله الناس على القبور من الاخواص ونحوها متعلقين بهذا الحديث وقال لا اصل له ولا وجه له، والله اعلم۔

وفی عمدة القاری (۳/۱۲۱): وكذلك مايفعله اكثر الناس من وضع مافيه رطوبة من الريا حين والبقول ونحوهما على القبور ليس بشی وانما السنة الغرز.

وفی معارف السنن(۱/۳۲۶): قال الشيخ المحدث الاكبر العلامة محمد يوسف بنوری نور الله مرقده: اتفق الخطابی والطرطوشی والقاضی عياض على المنع وقولهم اولى بالاتباع حيث اصبح مثل تلك المسامحات والتعللات مثاراً للبدع المنكرة والفتن السائرة فترى العامة يلقون الزهور على القبور و بالأخصّ على قبور الصلحاء والاولياء والجهلة منهم از دادوا اصراراً على ذلك وتغالوا فيه واوضحت ذلك منشاء فی الجهة لعقائد فاسده تأباها الشريعة النقية وظنوا ذلك سببا للثواب والاجر الجزيل فالمصلحة العامة فی الشريعة تقتضی منع ذلك بتاتا استئصالاً لشأفة البدع وحسماً لمادة المنكرات المحدثة وبالجملة هذه بدعة مشرقية منكرة وبجنبها بدعة اخرى مغربية قدراجت فی كثير من البلاد المشرقية التی تدعی بلاد اسلامية الخ وكل هذه بدع

Marfat.com

ومنكرات لااصل لها فى الدين ولا مستندلها من الكتاب والسنة ويجب على اهل العلم ان ينكروها وان يبطلوا هذه العادات ما استطاعوا انتهى۔

(۴۴۲) پوسٹ مارٹم وغیرہ کی غرض سے میت کو قبر سے نکالنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل بعض اوقات پوسٹ مارٹم کرنے کیلئے میت کو قبر سے نکالا جاتا ہے کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور وہ کونسا عذر ہے جس کی وجہ سے میت کو دفن کرنے کے بعد قبر سے نکالا جا سکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد بلا عذر شرعی نکالنا جائز نہیں۔ اور پوسٹ مارٹم میں چونکہ میت کی توہین ہے نیز یہ کوئی عذر شرعی بھی نہیں اس لئے پوسٹ مارٹم کیلئے میت کو قبر سے نکالنا درست نہیں اور وہ عذر جس کی بنا پر میت کو دفن کے بعد نکالنا جائز ہے یہ ہے کہ مثلاً وہ زمین مغصوبہ ہو یا شفیع نے شفعہ کر کے لی ہو، اور وہ اس کا مطالبہ کر رہا ہو تو پھر میت کو قبر سے نکالنا جائز ہے۔

لما فى الهندية (۲/۴۷۰): الميت بعدما دفن بمدة طويلة اوقليلة لايسع اخراجه من غير عذر ويجوز اخراجه بالعذر والعذر أن يظهر ان الأرض مغصوبة او ياخذها الشفيع بالشفعة كذا فى الواقعات الحسامية ... الخ۔

(۴۴۳) میت گھر میں موجود ہو تو اس جگہ تلاوت کلام پاک کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کی میت جب تک گھر میں موجود ہوتی ہے تو اس جگہ تلاوت قرآن شریف کرنی چاہیئے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......غسل سے پہلے میت کے پاس قرآن پاک کی تلاوت مکروہ ہے البتہ جب میت کو غسل دیدیا جائے تو پھر اس کے پاس تلاوت کرنا درست ہے۔

لما فى الهندية (۱/۱۵۷): ويكره قراءة القران عنده حتى يغسل كذا فى التبيين الخ۔

وفى حاشية الطحطاوى على الدر (۱/۳۶۵): (قوله تكره القراءة) اى تحريما اخذا من التعليل الآتى (قوله عنده) اى بعد موته (قوله تنزيها) اى تبعيدا والاولىٰ فى التعبير زيادة بقوله۔

(۴۴۴) نمازِ ظہر، نمازِ جنازہ اور کسوف میں کون سی نماز مقدم ہوگی؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نمازِ جنازہ، کسوف اور صلاۃ ظہر جمع ہو گئیں تو ان میں سے کس کو مقدم کیا جائے گا؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں سب سے پہلے فرض پڑھ لے، اس کے بعد نمازِ جنازہ پڑھ لے، اس کے بعد صلاۃ کسوف پڑھے۔

لمافی خلاصۃ الفتاوی(۱/۲۲۳): اما بعد غروب الشمس بدؤا بالمغرب ثم بصلوۃ الجنازۃ ثم بسنۃ المغرب کذا افتی شمس الائمۃ الحلوانی۔

وفی الھندیۃ(۱/۱۵۳): وأن غربت کاسفۃ أمسك عن الدعآء واشتغل بصلاۃ المغرب وان اجتمع الکسوف والجنازۃ بدأ بالجنازۃ۔

(۴۴۵) نمازِ جنازہ سے پہلے قرآن لے جانا

سوال......مفتی صاحب درج ذیل امور سے متعلق پوچھنا تھا:

(۱)۔ جنازہ سے پہلے قرآن لے جانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲)۔ جنازہ کے بعد مولوی صاحب کے ساتھ لوگ بیٹھ جاتے ہیں اور قرآن مجید کے نیچے روپے باندھ لیتے ہیں اور یہ روپے ان لوگوں کو دیے جاتے ہیں جو جمع ہوتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

(۳)۔ پھر چالیس دن تک یہ لوگ قبرستان میں جا کر مردے کی قبر پر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

(۴)۔ پھر یہ لوگ چار جمعے یا سات جمعے کرتے ہیں اور اس کے ساتھ قرآن مجید ختم بھی کرتے ہیں اور ساتھ میں خیرات بھی کرتے ہیں اس کے علاوہ قرآن مجید کے ایک یا دو پارے پڑھنے پر ان کو دس یا بیس روپے دیتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

(۵)۔ اور یہ لوگ اپنے مُردے کے سال پورا ہونے کے بعد خیرات کرتے ہیں اس میں غریب بھی ہوتے ہیں جس کی وصیت نہیں ہوتی لیکن رواج کے مارے یہ لوگ پھر بھی اس کو کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

(۶)۔ ایک آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے اور پھر آٹھ نو سال اس کی کوئی اولاد نہ ہو، اور وہاں کا رواج اس طرح کا ہے کہ ایک بابا وہاں گھوڑے پر آتا ہے اور جس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو کہتا ہے کہ پانچ سو یا ہزار روپے دیدو اسی طرح میرے ماں باپ نے مجھے مجبور کیا کہ آپ بابا کے پاس جاؤ یا دوسری شادی کرو مگر میرا یہ یقین تھا کہ جس اللہ نے پہلے بچے دیئے ہیں وہ اللہ پاک اب بھی دے سکتے ہیں۔ مگر گھر میں اگر ماں باپ اور بھائی کہیں تو ان کا کہنا ماننا کیا گناہ ہوگا اس بارے میں مطلع فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......استفتاء میں مذکور سوالات کے جوابات بالترتیب حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ یہ بات تو حقیقت اور مسلم ہے کہ قرآن مقدس ایک مبارک اور برکت والی کتاب ہے۔ اس کا اپنے پاس رکھنا موجب برکت وثواب ہے، لیکن شریعت اسلامی میں مسلمان اپنے ہر معاملے میں قرآن وسنت کا پابند ہے کسی بھی دینی معاملے میں اپنی طرف سے بنایا ہوا بے اصل فعل شریعت میں قابل قبول نہیں ہے اور نہ ہی شریعت ایسے کاموں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے بلکہ شریعت نے ایسے کاموں کو ضلالت

Marfat.com

اور گمراہی سے تعبیر کیا ہے۔لہٰذا مذکورہ مروجہ طریقہ یعنی قرآن مجید کو جنازے سے پہلے لے کر جانا چونکہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے باوجودیکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، خیر اور دین کے معاملے میں بہت حریص تھے، کسی بھی کام میں اگر ذرا سی خیر اور نیکی ہوتی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ کام ضرور سرانجام دیتے۔لیکن مذکورہ مروجہ طریقہ نہ تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اور نہ ہی سلف صالحین سے ثابت ہے لہٰذا یہ طریقہ من گھڑت اور بدعت ہے اور اس کو ترک کرنا لازمی ہے۔

لمافی تفسیر ابن کثیر (۱۴۱/۴): كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضی الله عنهم هو بدعة، لأنه لو كان خيراً لسبقونا اليه لأنهم لم يتركو خصلةً من خصال الخير إلا وقد بادروا اليها۔

وفی مشکوٰۃ (ص۲۷): ولما جاء فی الحدیث النبوی، عن عائشة رضی الله عنها، قالت، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، من أحدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ۔

وفی المرقاۃ (۲۱۶/۱): قال النووی، البدعة كل شئ عمل علىٰ غير مثال سبق، وفی الشرع، إحداث ما لم يكن فی عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

(۲)۔مذکورہ مروجہ طریقہ کہ قرآن مقدس کے نیچے کچھ روپے باندھے جاتے ہیں، یہ طریقہ نہ تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے اور نہ سلف صالحین سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی امام مجتہد سے نقل ہے لہٰذا یہ طریقہ خالص بدعت ہے اور قابل ترک ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۷): لماجاء فی الحديث، عن عائشة رضی الله عنها، قالت، قال، رسول الله صلى الله عليه وسلم من أحدث فی امرنا هذا ماليس منه فهو ردّ۔

(۳)۔میت کے ایصال ثواب کیلئے قرآن مجید کی تلاوت گھر میں اور قبر پر دونوں جگہ جائز ہے اور موجب ثواب ہے، لیکن اس میں اپنی طرف سے دنوں کی تخصیص اور تعین کرنا کہ چالیس دن تک ہی پڑھیں گے یہ درست نہیں ہے، کسی بھی عبادت میں اپنی طرف سے دن اور وقت کا تعین اور تخصیص کرنا بدعت ہے، ورنہ فی نفسہٖ قبر پر تلاوت کرنا جائز بھی ہے اور میت کو اس کا ثواب بھی پہنچتا ہے اور اس سے عذاب میں کمی بھی واقع ہوتی ہے۔

لمافی فتح القدير (۱۴۲/۲): واختلف فی اجلاس القارئين ليقرؤا عند القبر والمختار عدم الكراهة۔

وفی البحر (۱۹۵/۲): ولا بأس بقراءة القرآن عند القبور وربما تكون افضل من غيره، ويجوز أن يخفف الله عن اهل القبور شيأ من عذاب القبر او يقطعه عند دعآء القارئ وتلاوته۔

وفی البزازية علی هامش الهندية (۸۱/۴): مات فأجلس وارثه من يقرأ القرآن لابأس به أخذ بعض المشايخ۔

وفی الهندية (۱۶۶/۱): قراءة القرآن عند القبور عند محمد رحمه الله تعالىٰ لاتكره، ومشائخنا أخذوا بقوله وهل ينتفع والمختار انه ينتفع۔

Marfat.com

وفی الشامية(٥٧/٦): ولو زار قبر صديق او قريب له وقرأ عنده شيأ من القرآن فهو حسن۔

(۴،۵)۔صدقہ، خیرات، تلاوتِ قرآن مقدس، ذکراور کوئی بھی نیک عمل کر کے اس کا ثواب میت کو پہنچانا جائز اور مستحسن امر ہے اوران اعمال کا ثواب میت کو پہنچتا بھی ہے، لیکن سوال میں مذکورہ مروجہ طریقے میں تین خرابیاں پائی جاتی ہیں جن خرابیوں نے ان امور کو ناجائز بنادیا ہے۔اول...... یہ کہ لوگ چار جمعے، سات جمعے اور سال کے بعد خیرات کرتے ہیں، اوران چار جمعوں، سات جمعوں یا سال کے بعد خیرات کرنے کی تخصیص اور تعین قرون اولی سے ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ بدعت ہے۔ دوم......لوگ ختم قرآن پر کھانا کھلاتے ہیں، اور یہ صورت بھی درست نہیں ہے۔سوم......ایک یا دو پارے پڑھنے پر پڑھنے والے کو دس، یا بیس روپے دیے جاتے ہیں، یہ صورت بھی ناجائز ہے، اوراس صورت میں نہ میت کو ثواب ملتا ہے اور نہ تلاوت کرنے والے کو، بلکہ پڑھنے والا اور پیسے دینے والا دونوں گنہگار ہوجاتے ہیں، اور علاوہ ازیں ان چار جمعوں، سات جمعوں کے بعد خیرات کرنا، ان میں عموماً، نام ونمود، ریا اور دکھلاوا اور رسم ورواج کا کرشمہ کارفرما ہوتا ہے، جیسا کہ سائل کے سوال سے بھی معلوم ہوتا ہے، ان امور میں رضاء الٰہی مقصود نہیں ہوا کرتی، اور لوگ یہ امور اس لئے سرانجام دیتے ہیں کہ نہ کرنے کی صورت میں برادری اور خاندان میں عزت نہ رہے گی وغیرہ وغیرہ۔لہٰذا ان امور سے احتراز کرنا چاہیے اور دنوں کی تعین کیے بغیر میت کے ایصال ثواب کیلئے صدقہ، خیرات کرنا چاہیے۔

لمافی الشامية(٢٤٣/٢): وفی البحر، من صام او صلّی او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند اهل السنة والجماعة۔

وفی البحر(١٩٢/٢): ان اتخذ ولی الميت طعاماً للفقراء كان حسناً اذا كانوا بالغين، وان كان فی الورثة صغير لم يتخذ ذلك من التركة۔

وفی الطحطاوی على المراقی(ص٥١٠): قال فی البزازية ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع... واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن۔

وفی الشامية(٥٧/٦): ونقل العلامة الخلوتی... عن شيخ الاسلام تقی الدين ما نصه ولا يصح الاستئجار على القرائة واهدائها الى الميت... وقد قال العلماء ان القاری إذا قرأ لاجل المال فلا ثواب له فای شئ يهديه الى الميت۔

وفی الشامية(٥٦/٦): ان القرآن بالاجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ وقال العينی فی شرح الهداية ويمنع القاری للدنيا، والآخذ والمعطی آثمان، فالحاصل ان ماشاع فی زماننا من قرائة الاجزآء بالاجرة لايجوز۔

وفی الشامية(٢٤٠/٢): ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الى القبر فی مواسم واتخ. الدعوة لقراءة القران...وقال (ص٢٤١) وهذه الافعال كلها للسمعة

Marfat.com

والرياء فيحترز عنها لانهم لا يريدون به وجه الله تعالیٰ۔
(٦)۔اولاد کا دینا یا نہ دینا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے تصرف اور قدرت میں ہے۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو اولاد نہیں دے سکتا۔اللہ تعالیٰ جسے چاہیں نرینہ اولاد دے دیں اور جسے چاہیں لڑکی دے دیں اور جسے چاہیں بالکل ہی اولاد سے محروم کر دیں۔اس سلسلے میں نیک اور اللہ والے لوگوں سے دعا تو کرائی جاسکتی ہے۔لیکن اس طرح سے کہ عقیدہ میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو،اس مسئلہ میں لوگوں کو اپنا عقیدہ درست کرنا چاہیئے،آپ اپنے والدین کو سمجھائیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے والدین کی ہدایت کی دعا کیا کریں اس معاملے میں آپ کیلئے ان کی اطاعت ضروری نہیں ہے،بلکہ اگر عقیدہ میں کچھ فرق ہے تو اُن کا کہنا ماننا اس معاملے میں بالکل جائز نہیں ہے۔

لمافی القرآن الکریم(الشوری:٤٩،٥٠):لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ، يَهَبُ لِمَن يَّشَآءُ اِنَاثاً وَّيَهَبُ لِمَن يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ، اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَاناً وَّ اِنَاثاً، وَيَجْعَلُ مَن يَّشَآءُ عَقِيْماً، اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ

وفی تفسیر لابن کثیر(١٠٨/٤): فجعل الناس اربعة اقسام: منهم من يعطيه البنات، ومنهم من يعطيه البنين ومنهم من يعطيه من النوعين ذكورا و اناثا ومنهم من يمنعه هذا وهذا فيجعله عقيماً لانسل له ولا ولدله۔

وفی کنز العمال(٦٧/٦):الحدیث: لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق۔

(٤٤٦)نماز جنازہ میں تین سے زائد صفوں میں طاق عدد کی رعایت نیز جنازہ کی آخری صف کا اجر

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جنازہ میں اگر صفیں تین سے زائد ہوں تو کیا اس وقت بھی طاق عدد کی رعایت ضروری ہے؟ پانچ یا سات ہوں نیز کیا نماز جنازہ کی آخری صف میں اجر زیادہ ہوتا ہے۔جیسا کہ فرض نماز میں پہلی صف کا اجر ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......بلاشبہ نماز جنازہ میں طاق صفوں کی فضیلت روایات سے ثابت ہے لیکن فقہی کتابوں کی عام عبارتیں تین صفوں تک نشاندہی کرتی ہیں اس لئے اس کی رعایت بہتر ہے۔اور اسی طرح نماز جنازہ کی آخری صف میں اجر بھی زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ فرض نماز میں پہلی صف کا اجر زیادہ ہوتا ہے۔

لمافی جامع الترمذی(٢٠٠/١):عن مرثد بن عبدالله اليزني قال كان مالك بن هبيرة اذا صلى على جنازة فتقال الناس عليها جزاهم ثلثة اجزاء ثم قال قال رسول الله ﷺ من صلى عليه ثلثة

Marfat.com

صفوف فقد اوجب۔

وفی تحفۃ الاحوذی(۲/۱۴۳): واقل الصف ان یکون اثنین علی الاصح قالہ القاری قلت ولا حد لاکثرہ۔

وفی المشکوۃ(ص۱۴۷): عن مالک بن ھبیرۃ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما من مسلم یموت فیصلی علیہ ثلثۃ صفوف من المسلمین الا اوجب۔

وفی المرقاۃ (۴/۱۴۹): قال ابن الملک فی شرح الوقایۃ: ذکر الکرمانی ان افضل الصفوف فی صلاۃ الجنازۃ آخرھا وفی غیرھا اولھا اظھاراً للتواضع۔

وفی الدر المختار(۲/۲۱۴): وافضل صفوفھا آخرھا اظھاراً للتواضع۔

وفی الشامیۃ(۲/۲۱۴): فلو کان الصف الاول افضل فی الجنازۃ ایضاً لکان الافضل جعلھم صفاً واحداً ولکرہ قیام الواحد وحدہ۔

(۷۴۴) نمازِ جنازہ کی آخری صف میں کھڑے ہونے کی فضیلت کی کیا وجہ ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنازہ میں سب سے پچھلی صف میں کھڑے ہونے سے زیادہ ثواب ملتا ہے اور جتنا میت سے دور ہوگا اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔ آیا اس بات میں کوئی حقیقت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی علت کیا ہے؟ دلائل سے مسئلے کو مزین فرمادیں تو نوازش ہوگی۔

***الجواب بعون الملک الوھاب......**نمازِ جنازہ میں آخری صف افضل ہے کیونکہ اقرب للتواضع ہے۔*

لما فی حلبی کبیر(۱/۵۸۸): افضل صفوف الرجال فی الجنازۃ آخرھا وفی غیرھا أولھا اظھارا للتواضع لتکون شفاعتہ أدعی للقبول۔

وفی الشامیۃ(۲/۲۱۴): وقولہ : وافضل صفوفھا آخرھا الخ کذا فی القنیۃ وبحث فیہ فی الحلیۃ باطلاق مافی صحیح مسلم عنہ ﷺ خیر صفوف الرجال اولھا وشرھا آخرھا وبأن اظھار التواضع لایتوقف علی التاخر: اقول قد یقال ان الحدیث مخصوص بالصلاۃ المطلقۃ لأنھا المتبادرۃ ولقولہ ﷺ من صلی علیہ ثلاثۃ صفوف غفرلہ رواہ ابو داؤد وقال حدیث حسن والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم ولھذا قال فی المحیط یستحب أن یصف ثلاثۃ صفوف حتی لو کانوا سبعۃ یتقدم أحدھم للامامۃ ویقف وراءہ ثلاثۃ ثم اثنان ثم واحد فلو کان الصف الاول افضل فی الجنازۃ ایضا: لکان الأفضل جعلھم صفا واحدا ولکرہ قیام الواحد وحدہ کما کرہ فی غیرھا ھذا

Marfat.com

ما ظهر لی۔

(۴۴۸) کیا حاضرینِ جنازہ کیلئے نمازِ جنازہ فرضِ عین ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنازہ جب مسجد یا جنازہ گاہ میں آ جائے تو اس وقت وہاں موجود سب افراد پر اس کا پڑھنا فرضِ عین ہو جاتا ہے یا پھر صرف بعض لوگوں کا پڑھنا کافی ہے۔ اگر کوئی نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہو تو کیا وہ گناہگار ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں جن میں سے ایک اس کی وفات پر اس کی نمازِ جنازہ میں شریک ہونا ہے اور نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگرچہ بعض افراد کا نمازِ جنازہ ادا کرنے سے باقی لوگوں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے لیکن حاضرین کیلئے ایک مسلمان کا حق ہونے کی وجہ سے جنازہ میں شریک نہ ہونا مناسب نہیں نیز بعض حضرات نے حاضرینِ جنازہ پر نمازِ جنازہ کو فرضِ عین کہا ہے لیکن یہ قول شاذ ہے۔

لما فی صحیح مسلم (۲/۲۱۳): عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خمس تجب للمسلم على اخيه ردالسلام وتشميت العاطس واجابة الدعوة وعيادة المريض واتباع الجنائز۔

وفی الهندية (۱/۱۶۵): لا ينبغي ان يرجع من جنازة حتى يصلي عليه۔

وفی حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح (ص۴۲۸،۴۲۷): (فرض كفاية) بالاجماع... والاصل فيه قوله تعالىٰ ''وصل عليهم'' (التوبة:۱۰۳) وقوله عليه الصلوة والسلام صلوا على كل برٍ وفاجرٍ وانما كانت فرض كفاية لقوله عليه السلام ''صلوا على صاحبكم ولو كانت فرض عينٍ ماتركها ولان فی الايجاب ای العينی على الجميع استحالة وحرجاً فاكتفى بالبعض۔

وفی الدرالمختار (۲/۲۰۷): والصلاة عليه... فرض كفاية بالاجماع: الشامية (۱/۵۳۸): وفرض الكفاية معناه فرض ذوكفاية ای يكتفى بحصوله من ای فاعل كان۔

وفی تقريرات الرافعی علی رد المحتار (۲/۱۱۹): (قول المصنف فرض كفاية) فی السندی ثم انه قيل كون صلاة الجنازة فرض كفاية مقيد بما اذا لم يكن الناس حاضرين فی مجلس الجنازة لانه ذكر فی فتاوىٰ قاضيخان وظهير الدين والمستصفی قال السيد الامام ناصر الدين واذا لم يكن الناس حاضرين فی مجلس الجنازة و لم يعاينوها فالصلاة عليها فرض كفاية واما عند حضورهم ومشاهدتهم فالصلاة واجبة على كل واحد من الناس باداء نفسه لانها حينئذ فرض عين ولا خلاف فيه اصلاً كذا رأيته بخط بعض الفضلاء ونقله الملا على قارى رحمه الله عن فتوى ابی المعالی

Marfat.com

وهكذا وجدته بها مش المنح وقد طالعت فی مختار الفتاویٰ ومتانة الروایات وغیرهما من المعتبرات المتعددة فلم اجد احداً ذكر انها تصیر فرض عین علی الحاضرین فلتراجع المسئلة وقوله ﷺ ''صلّوا علی صاحبكم'' مع حضوره دلیل علی عدم افتراضها علی كل حاضر اهـ۔ لكن الاولیٰ مراجعة الكتب التی نسب لها القول بالافتراض عند الحضور وقد راجعت فتاویٰ قاضیخان فلم اجد هذه المسئلة فیها۔

(۴۴۹) امام پرنمازِ جنازہ کے بعد تدفین تک شریک رہنے اور تقریر کرنے کی شرط لگانا کیسا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں خطباء جب نمازِ جنازہ پڑھا لیتے ہیں تو پھر اُن کے مقتدیوں کی طرف سے اس کو اجازت نہیں ہوتی، یہاں تک کہ میت دفن ہوجاتی ہے پھر اس کے بعد قبر کے ایک طرف پر سورۃ بقرہ کا پہلا رکوع اور دوسری طرف آخری رکوع پڑھ لیتے ہیں پھر اس کے بعد تقریر کرتے ہیں اور پھر رخصتی ہوتی ہے اگر کوئی اس طرح نہیں کرتے تو وہ اُن کو امام نہیں رکھتے یہاں تک کہ یہ شرائط مان لے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ مقتدیوں کا امام پر یہ الزام صحیح ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ یہ مذکورہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... اس طرح کی شرائط لگانا صحیح نہیں ہے، البتہ مذکورہ طریقہ کہ سورۃ بقرۃ کا پہلا رکوع اور آخری رکوع پڑھنا صحیح ہے۔

لمافی الشامیة(۲/۲۳۷): (قوله وجلوس الخ) لمافی سنن ابی داؤد كان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبره وقال: استغفروا لأخیكم واسألو الله له التثبیت فانه الآن یسأل وكان ابن عمر رضی الله عنهما یستحب ان یقرا علی القبر بعد الدفن اوّل سورة البقرة وخاتمتها. اهـ۔

(۴۵۰) جنازہ کے بعد صفیں بکھر جانے پر دعا و وعظ وغیرہ کا حکم

سوال......مفتی صاحب درج ذیل امور سے متعلق پوچھنا تھا:

(۱)۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنازہ کے بعد اگر صفوں کو توڑا جائے تو دعا کرنا جائز ہے۔ کیا یہ مسئلہ ان لوگوں کا صحیح ہے، اگر صحیح ہے تو اس کی دلیل بیان فرمائیں، بڑی مہربانی ہوگی۔

Marfat.com

(نوٹ)۔ ہمارے علاقوں میں رواج ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کا اہتمام کرتے ہیں۔
(۲)۔ میت کو دفن کرنے کے بعد بعض لوگ قبر پر وعظ اور دعا کرتے ہیں۔ اگر ان کا ثبوت ہو، تو مع دلائل ارشاد فرمائیں بڑی نوازش ہوگی۔
(۳)۔ قبر پر سورۃ البقرۃ کے اوائل واواخر کو سراً پڑھنا چاہیئے یا جہراً؟ اور اس وقت باقی لوگ بیٹھے ہوں گے یا کھڑے ہوں گے؟ نیز یہ بتائیں کہ اگر سورۃ البقرۃ کے اوائل واواخر کا التزام کسی جگہ شروع ہو جائے تو بدعت تو نہ بنے گی۔ جبکہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ ان تمام صورتوں کو مضبوط دلائل کے ساتھ ارشاد فرمائیں، بڑے مشکور ہوں گے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)۔ نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنا جائز نہیں، بلکہ بدعت ہے۔ خواہ صفوں میں کھڑے کی جائے یا صفیں توڑ کر کی جائے۔ اور جو لوگ نمازِ جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر دعا کرنے کو جائز کہتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ فقہاء کرام ومحدثین عظام نے نمازِ جنازہ کے بعد مطلقاً دعا کرنے کو منع فرمایا ہے۔
(۲)۔ میت کو دفن کرنے کے بعد تھوڑی دیر قبر کے پاس بیٹھنا مستحب ہے اور اس وقت قرآن پاک کی تلاوت کرنا اور میت کیلئے دعا کرنا جائز ہے۔ اور اسی طرح اس وقت میں ایسا وعظ کرنے کی بھی گنجائش ہے جو موت اور آخرت کی یاد دلانے کیلئے ہو، اور اس میں دوسرے منکرات اور بدعات کا ارتکاب نہ کیا جاتا ہو۔
(۳)۔ سب سے بہتر اور اچھا طریقہ یہ ہے کہ دفن کرنے کے بعد کوئی میت کے سرہانے سورۃ البقرۃ کے اوائل پڑھے اور دوسرا میت کی پائنتی (پاؤں کی طرف) سورۃ البقرۃ کے اواخر پڑھے اور باقی لوگوں کو بھی اگر یہ یاد ہوں تو یہی پڑھیں ورنہ جو بھی سورۃ یا آیات ان کو یاد ہوں وہ پڑھیں۔ انہیں سراً یا جہراً دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ نیز کھڑے ہونے یا بیٹھے ہونے دونوں حالتوں میں پڑھنا جائز ہے۔ نیز دفن کرنے کے بعد اگرچہ قبر کے پاس بیٹھنا، دعا کرنا، سورۃ البقرۃ کے اوائل واواخر پڑھنا مستحب ہے لیکن ان امور کا التزام کرنا (یعنی ان کو ضروری سمجھنا) درست نہیں ہے۔ دفن کرنے کے بعد اگر کوئی ان امور کے بغیر جانا چاہے تو اس کیلئے بغیر کراہت کے جانا درست ہے۔

لما مشكوة المصابيح مع مرقاة المفاتيح(۴/۸۰): وعن عمرو ابن العاص قال لابنه وهو فى سياق الموت اذا أنامت فلا تصحبنى نائحة ولا نار فاذا دفنتمونى فشنوا على التراب شنا ثم اقيموا حول قبرى قدر ما ينحر جذور ويقسم لحمها حتى استأنس بكم واعلم ماذا أراجع به رسل ربى رواه مسلم۔

وفى المرقاة تحت قوله (ثم اقيموا حول قبرى) لعله للدعاء بالتثبيت وغيره وتحت قوله (حتى استأنس بكم) اى بدعائكم واذكاركم وقراءتكم واستغفاركم وقدورد فى خبر أبي داؤد انه عليه الصلاة والسلام كان اذا فرغ من دفن الرجل يقف عليه ويقول استغفر والله لأخيكم واسألواله التثبيت وفى رواية التثبت فانه الآن يسئل۔

Marfat.com

وفيه ايضاً(ص۸۱): وعن عبدالله بن عمر (رضى الله عنهما) قال سمعت النبى ﷺ يقول اذا مات احدكم فلا تحبسوه واسرعوا به الى قبره وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة رواه البيهقى فى شعب الايمان وقال والصحيح انه موقوف عليه۔

وفى الهندية (۱/۱۶۶): ويستحب اذا دفن الميت ان يجلسوا ساعة عند القبر بعد الفراغ بقدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها يتلون القرآن ويدعون للميت كذا فى الجوهرة النيرة۔ قراءة القرآن عند القبور عند محمد رحمه الله تعالىٰ لا تكره، ومشايخنا رحمهم الله اخذوا بقوله وهل ينتفع والمختار انه ينتفع هكذا فى المضمرات۔

وفى الدر المختار(۲/۲۳۶،۲۳۷): ويستحب حثيه من قبل رأسه ثلاثا. وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه وفى الشامى تحت(قوله وجلوس الخ) لمافى سنن أبي داؤد ((كان النبى ﷺ اذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره وقال: استغفر والأخيكم واسألو الله له التثبيت فإنه الآن يسأل)) وكان ابن عمر(رضى الله عنهما) يستحب ان يقرأ على القبر بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمتها ... وفى الشامية (۶/۳۸۱):وكذا قالوا بسنية قراءة السور الثلاثة فى الوتر مع الترك احيانا لئلا يعتقد وجوبها۔

(۴۵۱) نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض ائمہ مساجد کو دیکھا گیا ہے کہ صلوۃ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کرتے ہیں، کیا شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جنازہ کی نماز میت کیلئے دعا بھی ہے اس لئے نماز جنازہ کے بعد جنازہ کو روک کر سب کامل کر دعا مانگنے کا التزام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ہے اور نہ یہ طریقہ سلف صالحین سے ثابت ہے اور ہر وہ کام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہ ہو، وہ مردود ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ: من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد۔ (مسلم شریف ۲/۷۷)

لمافى خلاصة الفتاوىٰ (۱/۲۲۵): لايقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة... الى ولا يقوم بالدعاء فى قرائة القرآن لاجل الميت بعد صلوة الجنازة وقبلها الخ۔

وفى فتاوىٰ سراجيه(ص۲۳): ليس فى صلوة الجنازة دعاء موقت اذافرغ من الصلوة لايقوم بالدعاء۔

Marfat.com

(۴۵۲) میت کو دفن کرنے کے بعد کی دعا

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کو دفن کرنے کے بعد کونسی دعا پڑھنی چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوهاب.....میت کو دفن کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مندرجہ ذیل دعا ثابت ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نُقِّيَتِ الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهٖ وَاَهْلاً خَيْرًا مِنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ۔

لما في المسلم (۱/۳۱۱): عن عوف بن مالك رضي الله عنه صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على جنازة فحفظت من دعائه ''اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الأبيض من الدنس وابدله داراً خيراً من داره وأهلاً خيراً من أهله وزوجا خيرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار''۔

(۴۵۳) تلقین جہراً کرنا چاہیئے یا سراً؟

سوال.....کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تلقین علی القبر جہراً کرنا چاہیئے یا سراً؟ جواب دیکر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً.....یہ صراحت تو کہیں نہیں ملی، البتہ فقہاء کے کلام اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تلقین میں میت کو مخاطب کیا جاتا ہے لہٰذا اتنی اونچی آواز سے تلقین ہو کہ وہ سن سکے۔

لما في الفقه الاسلامي(۲/۱۵۶۵): ويقعد الملقن عند رأس القبر فيقال له: ياعبدالله ابن أمة الله اذكر ماخرجت عليه من دار الدنيا: شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله وان الجنة حق والنار حق وان البعث حق و ان الساعة اتية لاريب فيها وان الله يبعث من فى القبور وانك رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد نبيا وبالقرآن إماما وبالكعبة قبلة و بالمؤمنين اخوانا۔انتهى۔رواه الطبراني فى الكبير۔

Marfat.com

(۴۵۴) جنازہ میں شرکت سے تعزیت کی ادائیگی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تعزیت کیلئے نماز جنازہ کے بعد میت کے اہل خانہ کے پاس جانا ضروری ہے یا صرف نماز جنازہ میں شرکت کر لینے سے تعزیت ادا ہو جاتی ہے۔ دوبارہ اہل میت کے پاس جانا ضروری نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نماز جنازہ اور تعزیت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ نماز جنازہ میت کا حق ہے جبکہ تعزیت میت کے اہل وعیال وعزیز واقارب سے کی جاتی ہے تعزیت کرنا مسنون ہے، تعزیت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل میت کو تسلی دے اور ان کو صبر کی ترغیب اور رضا بالقدر کی تلقین کرے، میت کے لئے مغفرت کی دعا کرے۔ تین دن تک تعزیت کر سکتا ہے اس کے بعد تعزیت نہ کرے ہاں اگر وہ غائب ہے یا اہل میت میں سے کوئی غائب ہے تو پھر تین دن کے بعد بھی تعزیت کر سکتا ہے۔ البتہ جنازہ سے قبل بھی تعزیت کر سکتا ہے مگر جنازہ کے بعد تعزیت کرنا زیادہ بہتر ہے لہٰذا صرف جنازہ میں شرکت سے تعزیت نہیں ہوگی بلکہ اہل میت کے پاس جا کر ان کو تسلی وغیرہ دینے سے تعزیت ہوگی۔

لمافی مشکوۃ المصابیح(ص۱۵۱): عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ من عزّی مصابا فله مثل اجره۔

وفی مصنف عبدالرزاق(۳۹۶/۳): ان الحسن مرّ بأهل الميت فوقف عليهم فقال اعظم الله اجركم وغفر الله لصاحبكم ثم مضى ولم يقعد۔

وفی الشامية (۲۳۹/۲): (قوله: وبتعزية أهله) اى تصبيرهم والدعاء لهم به قال فی القاموس: العزاء الصبر أو حسنه وتعزى۔

(ص۲۴۰) وتستحب التعزية للرجال والنساء اللاتی لايفتن (ص۲۴۱) (قوله: واولها افضل) وهی بعد الدفن افضل منها قبله. لأن اهل الميت مشغولون قبل الدفن بتجهيزه ولأن وحشتهم بعد الدفن لفراقه أكثر. وهذا اذا لم يرمنهم جزع شديد والاقدمت لتسكينهم۔

(۴۵۵) میت کی تعزیت کیلئے مسجد میں بیٹھنے کے مروجہ طریقے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کی تعزیت کے سلسلہ میں آج کل عموماً لوگ مسجدوں میں بیٹھتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ اس طرح تعزیت کے لئے مسجد میں بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تعزیت کیلئے مسجد میں بیٹھنا بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔

لمافی الهندية(۱۶۷/۱): ولا بأس لاهل المصيبة ان يجلسوا فی البيت او فی مسجد ثلاثة ايام

Marfat.com

والناس يأتونهم ويعزونهم...

وفی الدر المختار(۲/۲۴۱): وبالجلوس لهافی غير مسجد ثلاثة ايام...

وفی الشامية: قوله فی غير مسجد. امّا فيه فيكره كمافی البحر عن المجتبی، وجزم به فی شرح المنية والفتح لكن فی الظهيرية لا بأس به لاهل الميت فی البيت او المسجد والناس يأتونهم ويعزونهم...

وفی الفقه الاسلامی(۲/۵۴۴.۵۴۳): لا بأس بالجلوس للتعزية فی غير المسجد ثلاثة ايام وقال فی الفتاوی الظهيرية لا بأس بها لاهل الميت فی البيت او المسجد والناس يأتونهم ويعزونهم...

(۴۵۶) معمر عورت کا اپنے اقارب کی قبر پر جانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی عورت قبرستان میں اپنے شوہر، بھائی، باپ یا بیٹے کی قبر پر جائے اور اس کی عمر تقریباً پچاس (۵۰) سال ہو تو اس عورت کا قبرستان جانا جائز ہے یا نہیں؟ برائے کرم جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اس عورت کا قبرستان میں جانا جائز ہے بشرطیکہ مروجہ بدعات وغیرہ سے بچی رہے۔

لمافی الشامية(۲/۲۴۲): (قوله ولو للنساء) وقيل تحرم عليهن: والأصح أن الرخصة ثابتة لهن بحر وجزم فی شرح المنية بالكراهة لما مرفی اتباعهن الجنازة. وقال الخير الرملی: إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب علی ماجرت به عادتهن فلاتجوز، وعليه حمل حديث ''لعن الله زائرات القبور'' وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين فلا بأس اذا كن عجائز ويكره اذا كن شواب كحضور الجماعة فی المساجد اھ وهو توفيق حسن۔

(۴۵۷) میت کے ایصال ثواب کیلئے دن مقرر کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقوں میں پہلے یہ رواج چلا آرہا تھا کہ میت کے تیسرے دن خیرات وغیرہ کھانا تیار کرتے تھے اور پورے علاقے والوں کی ضیافت کرتے تھے ایصال ثواب کی نیت سے۔علماء کی بھرپور محنت کی وجہ سے لوگ اس سے باز آگئے۔لیکن ابھی تیسرے دن کی جگہ پانچویں دن خیرات کرتے ہیں۔تو پانچویں دن خیرات کرنا کیسا ہے؟ اور کیا اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی امام کھالے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور ان کا امام رہنا کیسا ہے؟ اور کیا

Marfat.com

اس کوامامت سے دور کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شریعت مطہرہ نے صدقہ وخیرات کرنے کی بہت رغبت دلائی ہے اوراس میں بہت ثواب بتلایا ہے، اوراعمال صالحہ کا ایصال ثواب کرنے سے میت کے حقوق کی ادائیگی بھی ہوتی ہے۔لیکن شریعت مطہرہ میں اس کیلئے نہ ہی کوئی خاص دن متعین ہے اورنہ ہی اجتماع وغیرہ کومتعین کیا ہے ہرشخص انفرادی طور پر بھی ایصال ثواب کرسکتا ہے۔اپنی طرف سے خاص دن متعین کرنا اوراسی دن صدقہ کرنے کوثواب سمجھنا بدعت ہے پس صورت مسئولہ میں خاص دن متعین کیا گیا ہے اوراسی دن صدقہ کرنے کوثواب سمجھا جاتا ہے علاوہ ازیں اس میں دوسرے مفاسد بھی ہیں مثلاً اہل بدعت سے مشابہت، بے جا اسراف، ریاونمودوغیرہ اس لئے یہ بدعت ہے اوراس سے اجتناب لازم ہے۔جورسومات أفعال غیر مشروعہ وبدعات پر مشتمل ہوں ان میں شریک ہونا جائز نہیں، لہٰذا جو امام ان رسومات میں ثواب سمجھ کرشریک ہوتا ہے وہ بدعتی ہے اس کوامام بنانا مکروہ ہے۔متبع سنت شخص کوامام بنایا جائے۔البتہ جوشخص کبھی کسی عذر یا لاعلمی کی وجہ سے شریک ہوا ہو، اس کومعذور سمجھا جائے۔

لمافی مشکوۃ المصابیح(ص۳۱):عن ابراهيم بن ميسرة قال قال رسول الله ﷺ من وقّر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام۔ رواه البيهقى فى شعب الايمان مرسلا۔

وفى ابن ماجه(ص۱۱۶):باب ماجاء فى النهى عن الاجتماع الى اهل الميت وصنعة الطعام... عن جرير بن عبدالله قال كنانرى الاجتماع الى اهل الميت وصنعة الطعام من النياحة۔

وفى الدرالمختار(۵۵۹،۵۶۰/۱):(ويكره)... (إمامة عبد)... (ومبتدع) أى صاحب بدعة وهى اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة۔

وفى الشاميه(۲۴۰/۲): مطلب فى كراهة الضيافة من أهل الميت: وقال ايضاً. ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع فى السرور لا فى الشرور، وهى بدعة مستقبحة۔ وروى الامام أحمد و ابن ماجه بإسناد صحيح عن جرير بن عبدالله قال ((كنا نعدّ الاجتماع الى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة)) اهـ وفى البزازية ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الأوّل والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبرفى المواسم، واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراء ة سورة الأنعام أو الاخلاص۔ والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراء ة القرآن لأجل الأكل يكره۔ وفيها من كتاب الاستحسان : وإن اتخذطعاما للفقراء كان حسنا اهـ وأطال فى ذلك فى المعراج۔ وقال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترزعنها لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالىٰ اهـ

Marfat.com

(۴۵۸) اگر کسی کی زمین میں بنی قبر کے اوپر بدعات اور رسومات ہونے لگیں تو کیا کریں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے گاؤں سے تھوڑی دور ایک بڑا درخت ہے جس کے نیچے عرصہ دراز سے ایک قبر نما ڈھیری بنی ہوئی ہے جس کو سب لوگ ''شہید'' کہتے ہیں اس ''شہید'' کے بارے میں پورے گاؤں میں کوئی آدمی ایسا نہیں جو اس کی تاریخ جانتا ہو بس ''شہید'' کے نام سے جانی جاتی ہے اور مشہور ہے۔اب اس کے اردگرد مٹی گارے کی چھوٹی سی چاردیواری بنی ہوئی ہے اس موجود درخت پر رنگ برنگے بالخصوص سبز رنگ کے کپڑوں کے ٹکڑے لٹکے ہوئے ہیں۔خشک سالی کے موسم میں لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس شہید پر مٹی کا لیپ کرو، چاول پکاؤ وغیرہ تو پھر بارش ہوگی۔اب کچھ عرصہ سے اس شہید کے متصل ایک آدمی نے جگہ خریدی ہے اور رہائش رکھی ہے جو کہ بڑے اہتمام سے اس شہید کو سنبھال رہے ہیں۔

یہ جگہ میری نہیں ہے بلکہ ایک حاجی صاحب کی ہے جو کہ بفضل خدا صحیح العقیدہ ہیں تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستہ ہیں اور کافی سارا وقت لگا چکے ہیں۔ذاتی طور پر وہ اس شہید کے حق میں بھی نہیں ہیں۔اب پوچھنا یہ ہے کہ میں ان حاجی صاحب کی اجازت سے اس درخت کو مزدوری پر جڑ سے اکھیڑ دوں، یا کسی پر جڑ سے اکھیڑنے کی شرط پر بیچ دوں اور وہ رقم کسی مسجد یا مدرسہ میں دے دوں تو کیسا ہے یہ کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟ یا کوئی اور طریقہ آپ کے ذہن میں ہو تو مہربانی کر کے بتادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں اس طرح قبر کی تزئین وآرائش کا بندوبست کرنا اور قبر کے پاس جاکر صاحب قبر سے مانگنا، سب ناجائز وحرام ہیں۔جس شخص کی یہ جگہ ہے اس پر یہ لازم ہے کہ وہ ایسی تمام شرکیہ رسومات کو اس جگہ سے ختم کرے ورنہ اس برائی کا گناہ اس شخص پر ہے جس کی یہ جگہ ہے۔اور درخت کی مالیت کے متعلق درخت کے مالک کو اختیار ہے چاہے تو وہ اپنے تصرف میں لے آئے یا اس کو کسی مسجد ومدرسہ وغیرہ میں دے دے۔

لمافی عمدة القاری(۱۸۳/۸): ورأى ابن عمر رضى الله عنهما فسطاطاً على قبر عبدالرحمٰن فقال انزعه يا غلام فإنما يظله عمله۔ قوله فإنما يظله اى لا يظله الفسطاط بل يظله العمل الصالح فدلّ هذا على أن نصب الخيام على القبر مكروه ولا ينفع الميت ذلك ولا ينفعه الا عمله الصالح الذى قدمه۔

وفى مشكوٰة المصابيح(ص۴۳۶): عن أبى سعيد الخدرى عن رسول الله ﷺ قال من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الايمان۔

وفى الشامية(۲۳۷/۲): أما البناء عليه فلم أر من اختار جوازه... وعن أبى حنيفة يكره أن يبنى عليه بناء من بيت أو قبة او نحو ذلك لماروى جابر رضی اللہ عنہ نهى رسول الله ﷺ عن تجصيص القبور وان يكتب عليها وان يبنى عليها۔

Marfat.com

(۴۵۹) مجالس تعزیت، اور ان میں رُلا دینے والے مضامین کا پڑھنا، نیز شخصیات کی تاریخ وفات پر اجتماع کا حکم

سوال...... مفتی صاحب درج ذیل امور سے متعلق پوچھنا تھا:

(۱)......کسی کی وفات کے بعد تین دن تک مجلس تعزیت تو صراحۃً روایات میں ہے۔ تین دن کے بعد مجالس تعزیت کا انعقاد جائز ہے؟ اور کس دلیل سے، ۱۴ سو سال بعد بھی اگر کسی بزرگ کیلئے مجالس عزاء قائم کی جائیں تو کیا شرعاً کوئی ممانعت کی وجہ ہے؟

(۲)......تعزیتی جلسوں میں میراثی اور مدحی قصائد اور اطراء مادح پر مشتمل بیانات سے رُلانا کیا یہ جاہلیت کی مجالس نوحہ کی نشاۃ ثانیہ تو نہیں ہے؟

(۳)......وفات کی تاریخ پر سوانحی مضامین کا تکرار ہر سال کیا یہ برسی منانے کے حکم میں نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......شریعت مقدسہ میں کسی آدمی کے مرنے پر اس کے ورثاء کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ تین دن تک اپنے دکھ اور غم کا اظہار کریں اور تعزیت کیلئے آنے والے لوگوں کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے گھر میں بیٹھے رہیں تاکہ آنے والے لوگ بسہولت تعزیت کر کے لوٹ جائیں اور ان تین دنوں کے اندر بھی شریعت نے اعتدال کا حکم دیا ہے اور شامیانے لگانے اور دعوت وغیرہ کے اہتمام کو فقہاء نے اقبح القبائح میں شمار کیا ہے اور تین دن کے بعد تعزیت کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے الا یہ کہ تعزیت کرنے والا یا جس کی تعزیت کی جارہی ہے وہ غائب ہو تو پھر اس کی اجازت ہے لہٰذا تین دن کے بعد تعزیتی مجالس قائم کرنا شریعت سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔

(۲)......جب اوپر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تعزیتی جلسوں کا انعقاد شریعت محمدی سے ثابت نہیں تو ان جلسوں میں مدحی قصائد پڑھنا یا بیانات کر کے لوگوں کو رُلانا ان کی شناعت وقباحت میں اور اضافہ کر دیتا ہے اور اس کے ذریعے سے رسومات جاہلیت کی یاد تازہ ہوتی ہے لہٰذا ایسے جلسوں کا انعقاد شریعت محمدی کی رُو سے جائز نہیں۔

(۳)......اگر کسی شخصیت کی وفات کی تاریخ پر سوانحی مضامین اور بیانات میں التزام اور کارِثواب سمجھے بغیر اس کی دینی خدمات کا ذکر کر دیا جائے اور مروجہ خرافات (مثلاً کھانے کا التزام، لوگوں کو اعلان کر کے جمع کرنا، اس کو دین کا حصہ اور کارثواب سمجھنا، اور بعض مقامات پر مرد وزن کا اختلاط وغیرہ) نہ پائی جاتی ہوں تو یہ برسی کے حکم میں نہیں، تاہم اگر اس کو بھی کارِثواب سمجھا جائے اور ایام کا التزام کیا جائے تو یہ بدعت میں داخل ہوگا۔

لما فی تبیین الحقائق (۵۸۹/۱): (فصل) ولا بأس بتعزیة اهل المیت وترغیبهم فی الصبر لقوله علیه الصلوۃ و السلام من عزا مصاباً فله مثل أجره ویقول له اعظم الله أجرك وأحسن عزاء لت وغفرلمیتك ولابأس بالجلوس لها الی ثلاثة ایام من غیر ارتكاب محظور من فرش البسط

Marfat.com

والاطعمة من أهل الميت لأنها تتخذ عند السرور وعن أنس أنه عليه الصلوة والسلام قال لاعقر في الاسلام وهو الذى كان يعقر عند القبر بقرة أوشاة۔

وفى الفقه الاسلامى (۱۵۷۲/۲): هى ان يسلى أهل الميت ويحملهم على الصبر بوعد الأجر ويرغبهم فى الرضا بالقضاء والقدر ويدعوللميت المسلم وتكون الى ثلاثة ليال بايامها وتكره بعدها الا لغائب حتى لايجدد له الحزن ولإذن الشارع فى الاحداد فى الثلاث بقوله ﷺ لايحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الاخر ان تحد على ميت فوق ثلاثة ايام الاعلى زوجها أربعة أشهر وعشراً... وقال الحنفية لابأس بالجلوس للتعزية فى غير المسجد ثلاثة أيام. واولها افضلها وقال فى الفتاوىٰ الظهيرية لابأس بها لأهل الميت فى البيت او المسجد والناس يأتونهم ويعزونهم ويكره المبيت عند أهل الميت وتكون التعزية فى بيت المصاب... (وبعد صفحة قال) ولابأس كما ذكر الحنفية برثاء الميت بشعراوغيره لكن يكره الافراط فى مدحه لاسيما عند جنازته لحديث من تعزى بعزاء الجاهلية فأعضُّوه بهَن أبيه ولا تكنوا وهذا أمرتأديب ومبالغة فى الزجر عن دعوى الجاهلية۔

(۴۶۰) خودکشی کرنے والے کی قیامت میں سزا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خودکشی کرنے والے شخص کی نماز جنازہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز بعض لوگ کہتے ہیں کہ جوخودکشی کرے تو وہ جس طرح اپنے آپ کو مارتا ہے قیامت تک اسی طرح وہ اپنے آپ کو مارتا رہے گا۔ کیا لوگوں کا یہ کہنا شرعاً درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......خودکشی کرنا گناہ کبیرہ ہے اور ایسے شخص کے متعلق احادیث مبارکہ کے اندر سخت وعیدیں آئی ہیں چنانچہ احادیث مبارکہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جس طریقے سے خودکشی کرتا ہے جب تک وہ جہنم میں رہے گا اسی حالت میں رہے گا، البتہ خودکشی کرنے والے شخص کو مفتی بہ قول کے مطابق غسل بھی دیا جائے گا اور نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی، لیکن علماء، صلحاء اور مقتدا حضرات اس میں شرکت نہیں کریں گے تاکہ دوسرے لوگوں کو تنبیہ ہو، اور اس سے عبرت حاصل کریں۔

لمافى البخارى(۱۸۲/۱): عن ثابت بن الضحاك عن النبى ﷺ قال من حلف بملة غير الاسلام كاذباً متعمداً فهو كما قال ومن قتل نفسه بحديدة عذب بها فى نار جهنم قال وقال حجاج بن منهال حدثنا جرير بن حازم عن الحسن قال حدثنا جندب فى هذا المسجد فما نسيناه وما نخاف ان يكذب جندبٌ على النبى ﷺ قال كان برجل جراح فقتل نفسه فقال الله بدرنى عبدى بنفسه

Marfat.com

حرمت عليه الجنة۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال النبي صلى الله عليه وسلم الذی يخنق نفسه يخنقها فی النار والذی يطعنها يطعنها فی النار۔

وفی الدر المختار (٢/٢١١): (من قتل نفسه) ولو (عمداً يغسل ويصلی عليه) به يفتی وان كان اعظم وزراً من قاتل غيره، ورجح الكمال قول الثانی بما فی مسلم ((أنه عليه الصلوة والسلام أتی برجل قتل نفسه فلم يصل عليه))

وفی الشامية تحته: (قوله به يفتی) لأنه فاسق غير ساع فی الارض بالفساد وان كان باغياً علی نفسه كسائر فساق المسلمين زيلعی.........

أقول قد يقال لا دلالة فی الحديث علی ذلك لأنه ليس فيه سوی انه عليه الصلوة والسلام لم يصل عليه فالظاهر أنه امتنع زجراً لغيره عن مثل هذا الفعل كما امتنع عن الصلوة علی المديون ولا يلزم من ذلك عدم صلاة احد عليه من الصحابة اذلا مساواة بين صلاته وصلاة غيره قال تعالیٰ ان صلاتك سكن لهم ثم رأيت فی شرح المنية بحثاً كذلك۔

(۴۶۱) جانتے بوجھتے مرزائی کا جنازہ پڑھانے والے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ معلوم ہونے کے باوجود ’’مرزائی‘‘ کا جنازہ پڑھانے والا امام شرعاً فاسق اور قابل معزول ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اس بات کے معلوم ہونے کے باوجود کہ ’’مرزائی‘‘ کا جنازہ ہے، پھر بھی اس کی نماز جنازہ پڑھاتا ہے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اس کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

لما فی الشامی (١/٥٢٣): وقد علمت أن الصحيح خلافه. فالدعاء به كفر لعدم جوازه عقلا ولا شرعا ولتكذيبه النصوص القطعية بخلاف الدعاء للمؤمنين كما علمت. فالحق [illegible] الحنفية علی الوجه الذی نقلناه عنها لاعلی مانقله ح فافهم۔

(۴۶۲) قبرستان پر چھت اور عمارت بنانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک خاندان کا ایک قبرستان ہے۔ بس ، چھت بنا رہے ہیں تو قبرستان میں عمارت بنانا کیسا ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مذکورہ میں اگر میت کے دفن کرنے کے بعد قبر کی مضبوطی کیلئے چھت بنائی جاتی ہوتو یہ مکروہ ہے، اور اگر تزیین کیلئے بنائے جاتی ہوتو یہ حرام ہے اور قبرستان میں عمارت چونکہ قبروں ہی کے اوپر بنائی جاتی ہے اس لئے وہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔

وفی الهندية(١/١٦٦): ويكره ان يبنى على القبر۔

وفی الشامية(٢/٢٣٧): (قوله ولا يرفع عليه بناء) اى يحرم لوللزينة ويكره لوللاحكام بعد الدفن۔

(۴۶۳) جنازہ گاہ میں وقتیہ نماز پڑھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبرستان میں ایک جگہ نمازِ جنازہ پڑھنے کیلئے تعمیر کی گئی ہے اس میں نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں پھر اسی قبرستان میں دفن کرتے ہیں اگر اس وقت نماز کا وقت داخل ہوجائے تو اسی جگہ فرض نماز با جماعت ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......وہ جگہ جو قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کیلئے مخصوص کی گئی ہو، یا وہ جگہ جو عید کی نماز کیلئے مخصوص کی گئی ہو، نماز پڑھنے کے واسطے مسجد ہی کے حکم میں داخل ہے۔ اور اس میں ضرورتاً وقتیہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔

لمافی الطحطاوی علی المراقی(ص٢٩٠): وفی زاد الفقيرو تكره الصلاة فی المقبرة الا ان يكون فيها موضع اعد للصلاة لانجاسة فيه ولا قذر فيه الخ۔

وفی الدر المختار(١/٦٥٧): (و)اما (المتخذ لصلاة جنازة او عيد) فهو (مسجد فی حق جواز الاقتداء) وان انفصل الصفوف رفقا بالناس (لافی حق غيره) به يفتی الخ۔

وفی الشامية (قوله به يفتی نهاية) عبارة النهاية والمختار للفتوىٰ انه مسجد فی حق جواز الاقتداء۔

(۴۶۴) نمازِ جنازہ کی فرضیت کب ہوئی؟ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی تھی یا نہیں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نمازِ جنازہ کب فرض ہوئی قبل ہجرت یا بعد ہجرت، حضرت

Marfat.com

خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھائی گئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نمازِ جنازہ ہجرت کے پہلے سال میں شروع ہوئی اور حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات ہجرت سے پہلے ہوئی تھی تو اس وجہ سے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی گئی تھی۔

لمافی حاشیة الطحطاوی علی المراقی (ص۴۷۸): قال الواقدی: لم تکن شرعت یوم موت خدیجة. وموتا رضی الله عنها بعد النبوة بعشر سنین علی الأصح۔

وفی أوجز المسالك (۱۹۱/۴): وفی الانوار الساطعة شرعت صلاة الجنازة بالمدینة المنورة فی السنة الاولیٰ من الهجرة فمن مات مکة المشرفة لم یصل علیه اهـ۔

وفی البدایة والنهایة (جزء۳،۲/۱۲۵): قال عروة بن الزبیر وقد کانت خدیجةرضی الله عنها توفیت قبل ان تفرض الصلاة ثم روی من وجه آخر عن الزهری انه قال توفیت خدیجةرضی الله عنها بمکة قبل خروج رسول الله ﷺ الی المدینة وقبل ان تفرض الصلوٰة۔اهـ۔

(۴۶۵) خلفاءِ راشدین کی نمازِ جنازہ کن کن حضرات نے پڑھائی؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نمازِ جنازہ کن کن حضرات نے پڑھائی تھی؟ بحوالہ نقل کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نمازِ جنازہ جن حضرات نے پڑھائی تھی ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱)۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

(۲)۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے

(۳)۔حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے

(۴)۔حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔

وفی تاریخ الخلفاء: وأخرج ابن سعد عن سعید بن المسیب أن عمر رضی الله عنه صلی علی أبی بکر بین القبر والمنبر وکبّر علیه أربعا۔ (ص۶۵)

أصیب عمر رضی الله عنه یوم الأربعاء لأربع بقین من ذی الحجة ودفن یوم الأحد مستهل المحرم الحرام. وله ثلاث وستون سنة ... وصلی علیه صهیب رضی الله عنه فی المسجد۔(ص۱۰۸)

قال قتادة رضی الله عنه: صلی علیه الزبیر ودفنه، وکان أوصی بذلك إلیه۔(ص۱۲۹)

Marfat.com

وأقام علىٰ الجمعة والسبت، وتوفى ليلة الأحد، وغسله الحسن والحسين، وعبدالله بن جعفر وصلى عليه الحسن۔ (ص۱۳۹)

(۴۶۶) ڈاکوؤں وغیرہ کے ہاتھوں مارے جانے والے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کو مثلاً ڈاکو یا قطاع الطریق شہید کردے یا دوفریقین کی لڑائی میں یہ شخص غلطی سے مارا گیا ہو تو کیا اس پر شہید کے دنیاوی احکام جاری ہوں گے یعنی اس کو غسل اور کفن دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں اگر زید کو ڈاکو یا قطاع الطریق وغیرہ قتل کردیں۔ پھر وہ دنیاوی نفع حاصل نہ کرسکے یعنی کھانا پینا علاج کرنا وغیرہ تو زید پر شہید کے دنیاوی احکام جاری ہوں گے اگر یہ فریقین کی لڑائی میں غلطی سے مارا گیا تو وہ شہید اخروی ہوگا۔

لمافي البخاري (۱/۹۰): عن ابي هريرة ان رسول الله ﷺ قال بينما رجل يمشي بطريق وجد غصن شوك على الطريق فاخره فشكر الله له فغفرله۔ ثم قال الشهداء خمسة المطعون والمبطون والغريق وصاحب الهدم والشهيد في سبيل الله۔

وفي الفقه الاسلاميه وادلته(۲/۱۵۸۳): فقال الحنفية: الشهيد من قتله اهل الحرب او اهل البغي او قطاع الطريق او اللصوص في منزله ليلا او نهاراً باى آلة: مثقل او محدد او وجد في المعركة وبه اثر كجرح وكسر وحرق وخروج دم من اذن او عين او قتله مسلم ظلما عمدا بمحدد وكان مسلما مكلفاً (بالغا عاقلا) طاهرا (خالياً من حيض او نفاس او جنابة) ولم يرتث بعد انقضاء الحرب اى لايموت عقب الاصابة۔

وفي الشامية(۲/۲۴۸): (قوله حتى لو وجب الخ) تفريع على مفهوم قوله بنفس القتل، فان المال لم يجب بنفس القتل العمد لان الواجب به القصاص، وانما سقط بعارض وهو الصلح او شبهة الابوة، فلا يغسل في الرواية المختارة۔كمافي الفتح والحاصل انه اذا وجب بقتله القصاص وان سقط لعارض اولم يجب بقتله شئ اصلا فهو شهيد كما علمته اما اذا وجب به المال ابتداء فلا، وذلك بان كان قتله شبه العمد كضرب بعصا او خطا كرمي غرض فاصابه او ماجرى مجراه كسقوط نائم عليه۔

وفي ابي داؤد (۲/۴۴۳): جابر بن عتيك اخبره ان رسول الله ﷺ، جاء يعود عبدالله بن ثابت فوجده قد غلب فصاح به رسول الله ﷺ فلم يجبه فاسترجع رسول الله ﷺ وقال غلبنا عليك

Marfat.com

يا ابا الربيع فصاح النسوة وبكين فجعل ابن عتيك يسكتهن فقال رسول الله ﷺ دعهن فاذا وجب فلا تبكين باكية قالوا وما الوجوب يا رسول الله قال الموت قالت ابنته والله ان كنت لارجوان تكون شهيدا فانك قد كنت قضيت جهازك قال رسول الله ﷺ ان الله عزوجل قد اوقع اجره على قدر نيته وما تعدون الشهادة قالوا القتل فی سبيل الله قال رسول الله ﷺ الشهادة سبع سوى القتل فی سبيل الله، المطعون شهيد والغرق شهيد وصاحب ذات الجنب شهيد والمبطون شهيد وصاحب الحريق شهيد والذی يموت تحت الهدم شهيد والمرأة تموت بجمع شهيد۔

(۴۶۷) سیاسی قائدین وکارکنان اور رافضی، بدعتی وغیرہ کا مارا جانا شہادت ہوگا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سیاسی جماعتوں کے کارکنان وقائدین جو کہ باہم سیاسی چپقلشوں کی بنیاد پرلڑتے ہیں اور بعض اوقات ان میں سے کچھ مارے جاتے ہیں۔ یا اسی طرح کسی کو نامعلوم افراد ماردیتے ہیں۔ تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ (۱)......ایسے مارے جانے والے کیا شہید ہوں گے؟ (۲)......ان میں جو بے گناہ مارا جائے کیا اس کو بغیر غسل دیئے دفنانا (شہادتِ دنیاوی کے اعتبار سے) جائز ہے؟۔ (۳)......ان میں جو (رافضی یا بدعتی یا کوئی اور فاسق یا قاتل) مارا جائے۔ کیا وہ بھی شہید ہوگا؟۔ (۴)......رافضی امامیہ کے جنازے میں یا قبر پر حاضر ہونا جائز ہے؟۔ (۵)......کیا ایسا شخص کہ جو سراسر (مسلمان مجاہدین کا مخالف اور کفار کا مسلمانوں کے مقابلے میں) ساتھی ہو۔ اس کو کوئی قتل کردے تو کیا وہ شہید ہوگا؟ اور اس کو قتل کرنے والا کیا گنہگار ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوهاب......(۱،۲)......شریعت اسلامیہ میں شہیدِ کامل (دنیاوی واخروی) اس شخص کو کہا جاتا ہے جس میں چھ شرائط پائی جاتی ہوں، (۱) مکلف ہونا، (۲) مسلمان ہونا، (۳) ظلماً قتل ہونا، (۴) نفس قتل سے عوض مالی کا واجب نہ ہونا، (۵) طاہر ہونا، (۶) زخمی ہونے کے بعد کوئی دنیاوی فائدہ نہ اٹھانا۔ لہٰذا جس شخص میں مذکورہ بالا چھ شرائط بیک وقت موجود ہوں وہ شخص شہید کامل کہلائے گا اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو بغیر غسل دیئے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے۔

البتہ شہید کی ایک دوسری قسم ہے شہید اخروی، جس کی فقہاء کرام نے ایک طویل فہرست ذکر کی ہے مثلاً مبطون یعنی پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہوکر مرنے والا، مطعون یعنی طاعون کی بیماری میں مبتلا ہوکر مرنے والا، غریق پانی میں ڈوب کر مرنے والا، غریب، حالتِ سفر میں مرنے والا طالبعلم، حالت جنابت میں مارا جانے والا وغیرہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ غسل بھی دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی البتہ آخرت میں یہ لوگ شہادت کا مرتبہ پائیں گے۔

(۳)......چونکہ شہید کیلئے ایک شرط مسلمان ہونا ہے، لہٰذا جس شخص کے عقائد کفریہ ہوں تو وہ اگر مارا جائے تو وہ شہید نہیں کہلائے گا البتہ مقتول کے بدعتی یا فاسق یا قاتل ہونے سے اس کی شہادت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا اگرچہ اس معصیت کا الگ سے اس کو گناہ ہوگا۔

Marfat.com

(۴)..... جس شخص کے عقائد کفریہ ہوں اس کی نماز جنازہ اور قبر پر حاضر ہونا ناجائز ہے۔

(۵)..... مسلمانوں میں سے جو شخص مسلمانوں اور مجاہدین کا مخالف ہو اور دلی طور پر کفار کا ساتھی ہو، اگرچہ وہ مجرم تو ضرور ہے، امام وقت اگر مناسب سمجھے تو اس کو تعزیر کا حق ہے لیکن عام شہری کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کو قتل کردے اگر قتل کردیا تو اس پر دنیا میں شہید کے احکام جاری ہوں گے اور قاتل گناہگار ہوگا۔

لما فى الدرالمختار (۲/۲۴۷): (هوكل مكلف مسلم طاهر)... (ص۲۴۸) (قتل ظلماً) بغير حق (بجارحة) اى بما يوجب القصاص (ولم يجب بنفس القتل مال) بل قصاص ... (ص۲۴۹) (ولم يرتث) فلو ارتث غسل كما سيجئ (وكذا) يكون شهيداً (لوقتله باغ اوحربي اوقاطع طريق ولو) تسببا او (بغير آلة جارحة) فان مقتولهم شهيد باى الة قتلوه... (او وجد جريحاً ميتاً فى معركتهم) المراد بالجراحة علامة القتل ... (ص۲۵۰) (ويصلى عليه بلاغسل ويدفن بدمه وثيابه) ... (ويغسل من وجد قتيلاً فى مصر) او قرية (فيما) اى فى موضع (يجب فيه الدية)... (ولم يعلم قاتله) اوعلم ولم يجب القصاص فان وجب كان شهيداً كمن قتله اللصوص ليلاً فى المصرفانه لاقسامة ولادية فيه للعلم بان قاتله اللصوص غاية الامران عينه لم تعلم فيلحفظ فان الناس عنه غافلون (اوقتل بحد او قصاص) (ص۲۵۱) اى يغسل وكذا بتعزير او افتراس سبع (اوجرح وارتث) ... (ص ۲۵۲) وهذا كله اذا كان (بعد انقضاء الحرب ولوفيها) اى فى الحرب (لا) يصير مرتثا بشئ مما ذكر وكل ذلك فى الشهيد الكامل والا فالمرتث شهيد الاخرة وكذا الجنب ونحوه

وفى الفقه الاسلامى وادلته (۲/۱۵۸۸): فالشهداء ثلاثة، شهيد فى حكم الدنيا والآخرة: وهو شهيد المعركة اما حكم الدنيا فلا يغسل ولا يصلى عليه عند الجمهور كما ابنت واما حكم الاخرة فله ثواب خاص وهو الشهيد الكامل الشهادة۔ وشهيد فى حكم الدنيا فقط وهو عند الشافعية من قتل فى قتال الكفار بسببه وقدغل من الغنيمة اوقتل مدبراً او قاتل رياءً اونحوه اى لايغسل ولا يصلى عليه ولا ثواب له فى الاخرة۔ شهيد فى حكم الاخره فقط كالمقتول ظلماً من غير قتال والمبطون اذا مات بالبطن والمطعون... والغريق، والغريب، وطالب العلم ... وحكم هؤلاء الشهداء فى الدنيا اى شهداء الاخرة ان الواحد منهم يغسل ويكفن ويصلى عليه اتفاقاً كغيره من الموتى اما فى الاخرة فله ثواب الاخرة فقط وله اجر الشهداء يوم القيامة۔

المعصية والشهادة: المعصية لاتمنع الاتصاف بالشهادة فيكون الميت شهيدا عاصياً لان الطاعة

Marfat.com

لاتلغی المعصیة الا فی الصغائر قال تعالیٰ ان الحسنات یذهبن السیئات سورة هود (۱۱/۱۱۴)۔

(۴۶۸) دہشتگردوں کی فائرنگ سے چوکی پر موجود پولیس ملازم قتل ہوگیا، کیا وہ شہید ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو پولیس یا حکومتی ملازم کسی حادثہ میں قتل ہوجاتا ہے جیسے عام طور پر دہشت گرد آکر چوکی پر فائر کردیتے ہیں جس کی وجہ سے عام طور پر پولیس والے مرجاتے ہیں تو کیا وہ شہید کے حکم میں داخل ہوں گے یا نہیں، اگر ہوں گے تو کیا حقیقی ہوں گے یا حکمی؟

الجواب بعون الملک الوهاب......یہ حقیقی شہید کے حکم میں ہوں گے۔

لمافی الهندیة(۱/۱۶۸): ومن قتل مدافعا عن نفسه أو ماله أو عن المسلمین أو أهل الذمة بأی آلة قتل بحدید أو حجر أوخشب فهو شهید۔

وفی الدر المختار مع رد المحتار(۲/۲۴۹): (کذا) یکون شهیدا (لوقتله باغ أو حربي أو قاطع طریق ولو) تسببا الخ ... قال العلامة ابن العابدین تحت (قوله أو قاطع طریق) والمکابرون فی المصر لیلا بمنزلة قطاع الطریق کما فی البحر عن شرح المجمع. فمن قتلوه ولو بغیر محدد فهو شهید کما لو قتله القطاع، وکذا من قتله اللصوص لیلا کما سیأتی وذکر فی البحر أنه زاد فی المحیط سببا رابعا وهو من قتل مدافعا ولو عن ذمی فانه شهید بأی آلة قتل وان لم یکن واحداً من الثلاثة أی ممن قتله باغ أو حربي أو قاطع طریق وقال فی النهر: کونه شهیدا وان قتل بغیر محدد مشکل جدّا لوجوب الدیة بقتله۔ فتدبره ممعنا النظر فیه اهـ قلت یمکن حمله علی ما اذا لم یعلم قاتله عینا، کما لو خرج علیه قطاع طریق أو لصوص أونحوهم۔

(۴۶۹) ہندوؤں کے میلوں وغیرہ میں کسی حادثہ کا شکار ہونے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی اپنے کو قتل کردے یعنی زہر کھا کر مرجائے یا پھانسی پر چڑھ جائے یا کافروں کی طرف سے منعقدہ کسی فنکشن میلہ اور ہندو تہوار وغیرہ میں شرکت کرکے ان کی تماشاؤں میں مشغول ہوکر کسی حادثہ کا شکار ہوگیا اور ان کے رسم ورواج کے مطابق کسی تقریب تہوار وغیرہ میں شامل ہوکر مرگیا اس شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اگر جمعیت علماء پہلے سے ان لوگوں کے متعلق یہ فیصلہ دے چکا ہے کہ ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائیگی تاکہ دوسرے لوگ اس سے پرہیز کریں یعنی عبرت حاصل کریں تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر محلے کے امام مسجد نے اس شخص کا جنازہ پڑھادیا تو اس امام کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اگر امام کے علاوہ کسی اور نے اس کا جنازہ پڑھادیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب...... ہندوؤں اور غیر مسلموں کے تہواروں اور میلوں میں شرکت کرنا جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص ان میلوں میں شرکت کرتے ہوئے کسی حادثے کا شکار ہو کر مرجائے، اسی طرح اگر خودکشی کرے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ البتہ ان کی نماز جنازہ میں اگر جید علماء زجراً شرکت نہ کریں تو یہ درست ہوگا۔ جیسا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ لیکن جمعیت علماء کا یہ فیصلہ کہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، درست نہیں۔ اس لئے کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہر نیک وبد پر نماز جنازہ پڑھا کرو، اور نماز جنازہ پڑھانے والے امام پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اس کو جنازہ پڑھانے کا ثواب ملے گا۔

وفی النسائی(۲۱۵/۱):عن جابربن سمرةرضی الله عنه أن رجلا قتل نفسه بمشاقص فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم أما أنا فلا أصلّی علیه۔

وفی کنز العمال(۵۴/۶)(حدیث:۱۴۸۱۵): صلوا خلف کل بروفاجر وصلوا علی کل برّ وفاجر . . . الخ۔

وفی اعلا السنن (۲۷۳/۸): قال النووی: أخذ بظاهره من قال: ''لا یصلی علی قاتل نفسه لعصیانه'' وهو مذهب الاوزاعی وأجاب الجمهور: بأنه صلی الله علیه وسلم لم یصلّ علیه بنفسه زجراً للناس عن مثل فعله وصلت علیه الصحابة وهذا کما ترك صلی الله علیه وسلم فی أوّل الامر الصلاة علی من علیه دین زجراً لهم عن التساهل فی الاستدانة وعن اهمال وفاء ها وأمر أصحابه بالصلاة علیه فقال'' صلّوا علی صاحبکم۔

وفی الدر المختار(۲۱۱/۲):(من قتل نفسه) ولو (عمداً یغسل ویصلی علیه) به یفتی وإن کان اعظم وزرا من قاتل غیره (وتحته فی الشامیة) أقول: قد یقال: لا دلالة فی الحدیث علی ذلك لأنه لیس فیه سوی أنه علیه الصلوة والسلام لم یصلّ علیه، فالظاهر أنه امتنع زجراً لغیره عن مثل هذا الفعل۔ کما امتنع عن الصلوة علی المدیون ولا یلزم من ذلك عدم صلوة أحد علیه من الصحابة رضی الله عنهم إذلا مساواة بین صلاته وصلاة غیره۔

(۴۷۰) جہاد میں اگر کوئی اپنے فعل کی وجہ سے قتل ہوجائے تو اس کے غسل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی جہاد میں اپنے ہی اسلحہ وغیرہ سے مارا جائے تو اسے عام میت کی طرح غسل وغیرہ دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اسے غسل دیا جائے گا۔

Marfat.com

لما فی التاتارخانية(۲/۱۶۲): ومن قتل نفسه خطأ بان ناول رجلا من العدو ليضربه فاخطأ واصاب نفسه ومات فانه يغسل ويكفن ويصلی عليه۔

وفی الهندية (۱/۱۶۳): ومن قتل نفسه خطأ بان ناول رجلا من العدو ليضربه بالسيف فاخطأ واصاب نفسه، ومات غسل وصلی عليه۔

(۴۷۱) میت کے سینے پر انگلی سے کلمہ وغیرہ لکھنے اور قبر میں آیات قرآنیہ رکھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کے چہرے یا سینے پر انگلی سے کلمہ وآیات وغیرہ لکھنا یا کاغذ پر لکھی ہوئی آیتوں کا قبر میں رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ اور اسی طرح جنازہ دفن کرنے کے بعد میت کے گھر پر کوئی پڑوسی یا اس کا رشتہ دار (کڑوی روٹی) کھانا کھلائے جسے کڑوی روٹی کہتے ہیں۔ کیا یہ لوگوں کو کھلانا شرعاً جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... (۱)۔ میت کے چہرے یا سینے پر بغیر سیاہی کے انگلی کے ساتھ کوئی آیت یا کلمہ وغیرہ لکھنا جائز ہے لیکن اسے ضروری نہ سمجھا جائے۔

(۲)۔ کاغذ پر لکھی ہوئی آیات کا میت کے ساتھ قبر میں رکھنا درست نہیں اس میں قرآن کریم کی بے حرمتی ہے۔

(۳)۔ جب کسی گھر میں فوتگی ہو جائے تو میت کے پڑوسیوں کیلئے مستحب ہے کہ وہ اہل میت کے کھانے کا انتظام کریں اور خود اہل میت کے ساتھ بیٹھ کر انہیں کھلائیں، لیکن آجکل جو عام رواج بن گیا ہے کہ کسی شخص کے انتقال پر اس کا پڑوسی یا کوئی رشتہ دار تمام شرکاء جنازہ کیلئے کھانے کا انتظام کرتا ہے اور اسے لازمی سمجھا جاتا ہے۔ اور سب شرکاء انتظام نہ ہونے کی صورت میں اسے برا سمجھتے ہیں اس کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اور جہاں تک کڑوی روٹی کھلانے کا تعلق ہے تو یہ بدعت قبیحہ ہے اس سے اجتناب کیا جائے۔ البتہ میت کے وہ رشتہ دار جو دور سے آئے ہوں یا ایسے رشتہ دار جن کا اہل میت کے پاس رہنا ضروری ہو، ان کا اہل میت کے ہاں کھانا کھانا درست ہے۔

لمافی فتح القدير(۲/۱۴۲): ويستحب لجيران اهل الميت والاقرباء الاباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله ﷺ "اصنعوا لآل جعفر طعاماً فقد جاء هم ما يشغلهم... ولانه بر ومعروف ويلح عليهم فی الاكل لان الحزن يمنعهم من ذلك فيضعفون۔

وفی الشامية (۲/۲۴۶):تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالیٰ علی الدراهم والمحاريب والجدوان وما يفرش، وما ذاك الا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه اهانة فالمنع هنا بالاولیٰ مالم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت۔ نعم نقل بعض المحشين عن فوائد الشرجی أن مما يكتب علی جبهة الميت بغير مداد با لاصبع المسبحة۔ بسم الله الرحمٰن الرحيم۔ وعلی الصدرلا اله الا الله محمد رسول الله وذلك بعد الغسل قبل التكفين۔

Marfat.com

وفی الشامیة(۲/۲۴۰): ویکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحةٌ۔

(۲۷۴) میت کو غسل دیتے وقت ذکر ودعا کرنے کا حکم

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی مُردوں کوغسل دیتا ہے۔ وہ دورانِ غسل کبھی ذکر واذکار اور وضوء کی دعاؤں کاورد کرتا ہے۔ اور کبھی چھوڑ دیتا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ میت کوغسل دیتے وقت غاسل اور اس کے معاونین ذکر واذکار اور دعائیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز اگر میت غسل خانے میں ہو تو کیا حکم ہے؟ اور اگر غسل خانے کے علاوہ دوسری صاف جگہ میں غسل کا بندوبست ہوا ہو تو پھر وہاں کیا حکم ہوگا مذکورہ ذکر واذکار ودعاؤں کا؟ نیز اگر جائز ہو تو پھر غاسل دوسروں کو اس کے پڑھنے کی ترغیب دے سکتا ہے یا نہیں؟ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......شرعاً انسان نجاست کی جگہ میں اور ستر کھلا ہونے کی حالت میں بلند آواز سے ذکر واذکار نہیں پڑھ سکتا ہے مگر دل میں پڑھ سکتا ہے البتہ اگر موضع نجاست نہ ہو، اور کشف عورت بھی نہ ہو تو پھر بلند آواز سے ذکر واذکار پڑھ سکتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں میت کو جس جگہ غسل دیا جارہا ہے اگر وہ موضع نجاست نہیں ہے اور نہ میت کو نجاست لگی ہوئی ہے اور نہ ستر کھلا ہوا ہے تو اس صورت میں غاسل اور اس کے معاونین ذکر واذکار و دعاءِ وضو بلند آواز سے پڑھ سکتے ہیں ہاں اگر وہ موضع نجاست ہے یا کشف عورت پایا جارہا ہے تو اس صورت میں دل میں ذکر واذکار و دعاءِ وضو پڑھیں گے اور اگر میت کو غسل خانہ میں غسل دیا جارہا ہے تو پھر بھی یہی حکم ہے کہ نجاست ہونے اور کشف عورت کی صورت میں دل میں ذکر وغیرہ پڑھیں گے نہ ہونے کی صورت میں بلند آواز سے ذکر وغیرہ پڑھیں گے البتہ قرآن شریف کی تلاوت کرنا میت کے پاس بیٹھ کر غسل دینے سے پہلے مکروہ ہے۔

لمافی مراقی الفلاح(ص۔۵۶۴): وتکرہ قراءۃ القرآن عندہ حتی یغسل تنزیها للقرآن عن نجاسة الحدث بالموت والخبث فانه یزول عن المسلم بالغسل تکریماً له بخلاف الکافر قوله: (عن نجاسة الحدث) ... والحاصل انهم اختلفوا فی نجاسة المیت فقیل نجاسة خبث وقیل حدث ویشهد للثانی مارویناہ من تقبیله ﷺ عثمان بن مظعون وهو میت قبل الغسل اذلو کان نجسا وضع فاہ الشریف علی جسدہ ولا ینافی ذلك ماذکروہ من انه لو حمله انسان قبل الغسل فصلی به لا تصح صلاته وکذا کراهة القراءۃ عندہ قبل الغسل لجواز ان یکون ذلك لعدم خلوہ عن نجاسة غالبا والغالب کالمحقق۔

وفی الهندیة(۱/۵۰): ویستحب له عند الدخول فی الخلاء ان یقول اللهم انی اعوذبك من الخبث والخبائث ... کذا فی التبیین ولا یتکلم ولا یذکر الله تعالیٰ ولا یشمت عاطسا ولا یرد السلام ولا

Marfat.com

يجيب المؤذن فان عطس يحمد الله بقلبه ولا يحرك لسانه... كذا في السراج الوهاج۔

وفي الدر المختار(۱/۱۰۹،۱۰۸): والبداءة بالتسمية قولا وتحصيل بكل ذكر... قبل الاستنجاء وبعده الاحال انكشاف وفي محل نجاسة فيسمى بقلبه۔

وفي الشامية(۲/۱۹۴): وذكر ط ان محل الكراهة اذا كان قريبا منه اما اذا بعد عنه بالقراءة فلا كراهة اهـ... وتكره قراءة القرآن في موضع النجاسة كالمغتسل والمخرج والمسلخ وما اشبه ذلك واما في الحمام فان لم يكن فيه احد مكشوف العورة وكان الحمام طاهرا لا باس بان يرفع صوته بالقرائة وان لم يكن كذلك فان قرأ في نفسه ولا يرفع صوته فلا باس به ولا باس بالتسبيح والتهليل وان رفع صوته... فتحصيل من هذا ان الموضع ان كان معدا للنجاسة كالمخرج والمسلخ كرهت القرائة مطلقا والا فان لم يكن هناك نجاسة ولا احد مكشوف العورة فلا كراهة مطلقا وان كان فانه يكره رفع الصوت فقط ان كانت النجاسة قريبة فتامل۔

(۴۷۳) مسنون کفن اور عورت کے کفن میں تہبند کو شلوار کی طرح سینے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا عورت کے کفن میں ستر کے اہتمام کیلئے شلوار کی صورت میں ہلکی سی سلائی کر کے کفن میں شامل کر سکتے ہیں جبکہ معروف شلوار نہیں بنائے بالکل معمولی سی سلائی کرتے ہیں جو دو تین منٹ میں پوری ہو جاتی ہے کسی بد اعتقادی یا رسم کی وجہ سے بھی نہیں ہے صرف ستر کی بنا پر سلائی کرتے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... مرد کا مسنون کفن تین کپڑے ہوتے ہیں، اور عورت کا مسنون کفن پانچ کپڑے ہوتے ہیں، ضرورت کے وقت اس میں کمی وبیشی ہو سکتی ہے، اور اسی طرح کفن میں سنت یہ بھی ہے کہ کفن کا عدد ''وتر'' طاق ہو، نہ کہ ''شفعاً'' جفت ہو، اور کفن میں یہ بات بھی مستحب اور افضل ہے کہ کفن زیادہ قیمتی نہ ہو، اور نہ اس میں اسراف ہو، بلکہ ضرورت کے مطابق ہو، اور اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ میت کا کفن زندوں کے لباس کی طرح سلا ہوا نہ ہو، کیونکہ اس سے زینت لازم آتی ہے، البتہ اگر ضرورت ہو تو ضرورت کی وجہ سے سلانا جائز ہے۔ صورت مسئولہ میں اگر یہ ''شلوار جیسا سلا ہوا کپڑا'' ان پانچ کپڑوں میں سے ہو، اور تستر کی خاطر ہو، اور ضرورت بھی ہو تو اس کپڑے کو کفن میں شامل کرنا جائز ہے، اور اگر ان پانچ کپڑوں کے علاوہ ہو، اور ضرورت بھی نہ ہو تو یہ جائز نہیں ہے۔ بلکہ اسراف ہوگا۔

لما في الشامية(۲/۲۰۲): (قوله ولا بأس بالزيادة على الثلاثة) كذا في النهر عن غاية البيان ونقله قبله عن المجتبیٰ الكراهة لكن قال في الحلية عن الذخيرة معزيا إلى عصام: إنه إلى خمسة ليس

Marfat.com

بمكروه ولا بأس به اهـ: ثم قال: ووجه بأن ابن عمر رضى الله عنهما كفن ابنه واقدا فى خمسة اثواب قميص وعمامة وثلاث لفائف وأدار العمامة إلى تحت حنكه رواه سعيد بن منصور اهـ

قال فى البحر بعد نقل الكراهة عن المجتبىٰ واستثنىٰ فى روضة الزندوستى ما إذا وصى بأن يكفن فى أربعة أو خمسة فإنه يجوز بخلاف ما اذا اوصى ان يكفن فى ثوبين فإنه يكفن فى ثلاثة ولو أوصى أن يكفن بألف درهم كفن كفنا وسطا اهـ قلت: الظاهر ان الإستثناء الذى فى الروضة منقطع إذ لو كره لم تنفذ وصيته كما لم تنفذ بالأقل تأمل... (قوله لحديث الخ) وفى صحيح مسلم عنه ﷺ ''إذا كفن أحدكم اخاه فليحسن كفنه'' وروى ابو داؤد عنه ﷺ ''لا تغالوا فى الكفن فإنه يسلب سلبا سريعاً'' الخ

وفى الشامية(۲/۱۹۸): (قوله اى يكره تحريما) لمافى القنية من أن التزيين بعد موتها والامتشاط وقطع الشعر لا يجوز نهر. فلو قطع ظفره أو شعره أدرج معه فى الكفن قهستانى عن العتابى... وايضاً (ص۲۰۲) (قوله إزار الخ) هو من القرن إلى القدم والقميص من أصل العنق إلى القدمين بلاد خريص وكمين الى قول والدخريص: الشق الذى يفعل فى قميص الحى ليتسع للمشى(قوله وتكره العمامة الخ) هى بالكسر مايلف على الرأس قاموس قال ط: وهى محل الخلاف واما ما يفعل على الخشبة من العمامة والزينة ببعض حلى فهو من المكروه بلاخلاف لما تقدم انه يكره فيه كل ما كان للزينة اهـ

وفى المحيط البرهانى(۳/٦۴): وقيل معناه يزاد على ما عليه من الثياب ثوب جديد تكرّماً له، وإن كان عليه يبلغ السنة، وينقصون ماشاؤوا، وإن كان ما عليه يبلغ السنة، ويخيطونه ان شاؤ واكمايفعل ذلك لغيره من الموتى، انما لا يزال عنه اثر الشهادة فأما فيما سوى ذلك فهو كغيره من الموتى... وايضاً (ص٦٦) ولنا: حديث ابن عباس رضي الله عنه، أن النبى ﷺ كفن فى حلة وقميص، والحلة اسم الثوبين عند العرب، ازار ورداء، ولأن اشرف لباس الأحياء القميص، فوجب تقديمه، إلا انه لا يجعل قميصه على هيئة قميص الاحياء فلا يجعل له دخريص، لأن ذلك انما يجعل فى حق الحى ليسع أسفله، فيتيسر له المشى، والميت لا يحتاج إلى ذلك، ولا يكف اطرافه، لأنه ذلك يفعل للحى. ولا حاجة للميت إليه، والأخذ بحديث ابن عباس رضي الله عنه اولى من الأخذ بحديث عائشة رضى الله عنها . لان الرجال هم الذين حضروا رسول الله ﷺ

Marfat.com

(۴۷۴) حرم میں جنازہ اندر ہونے کی وجہ اور حرم میں خواتین کا نماز پڑھنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض دینی باتیں جو ہمارے یہاں منع ہوتی ہیں لیکن حرم شریف میں لوگ کر رہے ہوتے ہیں، اور علماء بھی اس کی اجازت دیتے ہیں یا منع نہیں کرتے، ایسی ہی ایک دو باتیں ہیں جو آپ سے معلوم کرنی تھیں۔ براہ کرم اگر آسانی اور سہولت ہو تو کرم نوازی فرمادیں۔

(۱)۔ہمارے یہاں مسجد میں جنازہ رکھ کر نماز جنازہ نہیں پڑھائی جاتی جبکہ حرم میں جنازہ اندر ہی ہوتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

(۲)۔ہمارے یہاں خواتین کو مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے آنے سے روکا جاتا ہے جبکہ حرم میں خواتین نماز مسجد حرام میں ہی پڑھتی ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... (۱)۔مسجد میں جنازہ رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ ابوداؤد (۲/ ۴۵۴) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مسجد میں جنازے پر نماز ادا کی تو اس کیلئے کوئی ثواب نہیں"۔ اور چونکہ اس میں مسجد کی ناپاکی کا بھی خطرہ رہتا ہے اس وجہ سے احناف نے مسجد میں جنازہ رکھ کر نماز جنازہ پڑھنے کو مکروہ کہا ہے۔ البتہ اگر جنازہ اور کچھ نمازی مسجد سے باہر ہوں اور باقی نمازی مسجد میں ہوں تو اس صورت میں جائز ہے اور حرم میں جنازہ اندر ہی ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ باہر رکھنے میں حرج عظیم لازم آئے گا اور اس حرج کو دفع کرنے کیلئے جنازہ کو اندر رکھ کر نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے۔

(۲)۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے ممانعت نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا کہ اپنی عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع نہ کرو لیکن ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ عورتوں کیلئے گھر میں نماز پڑھنا بہتر ہے اور گھر میں بھی بالکل پوشیدہ جگہ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عورتوں کے مسجد میں جانے سے متعلق شدت اختیار کی اور فتنے کے خوف سے عورتوں کو منع کیا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس زمانے کی عورتوں کا حال دیکھ لیتے تو ان کو مسجد میں آنے سے منع فرمادیتے۔ اسی وجہ سے متاخرین نے فتنہ کے خوف سے مطلقاً عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ لکھا ہے البتہ مسجد حرام کے متعلق علماء نے ضرورت کی وجہ سے گنجائش نکالی ہے کہ اگر مسجد حرام یا مسجد نبوی میں عورتیں نماز ادا کریں تو اس میں کراہت نہ ہوگی اور عام طور پر وہاں عورتوں کیلئے نماز پڑھنے کی الگ جگہ متعین ہوتی ہے جہاں عورتیں نماز ادا کرتی ہیں لہٰذا فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

لمافی سنن ابی داؤد (۲/۴۵۴) (کتاب الجنائز): ... عن أبي هريرة (رضى الله عنه) قال قال رسول الله ﷺ من صلى على جنازة فى المسجد فلا شى له۔

وفيه ايضاً (۱/۸۴): باب ماجاء فى خروج النساء الى المسجد) عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ لا تمنعوا نساء كم المساجد وبيوتهن خير لهن۔

وفيه ايضاً (۱/۸۴): عن عبدالله عن النبى ﷺ قال صلوة المرأة فى بيتها افضل من صلاتها فى

Marfat.com

حجرتها، وصلاتها فى مخدعها افضل من صلاتها فى بيتها۔

وفى اعلاء السنن(۴/۲۶۲): ...فيه دلالة على جواز خروج النساء مطلقاً سواء كن شواب أو عجائز للصلاة فى مسجد الحرام أو مسجد النبى ﷺ وعليه عمل اهل الحرمين اليوم. ولكن ينبغى تقييده بوقت الضرورة كما اذا حضرت المسجد للطواف فى الحج والعمرة فلا بأس لها بأن تصلى فيه وحدها أو جماعة أو حضرت المسجد النبى للتسليم والصلوة على النبى ﷺ فلا بأس لصلاتها فى المسجد تحية أو مكتوبة واما ان تاتى المسجد الحرام أو المسجد النبوى لاجل الصلوة فحسب فينا فيه قوله ﷺ ''صلاتك فى بيتك خير من صلاتك فى حجرتك'' الى ان قال : ''ومن صلاتك فى مسجدى'' والله تعالىٰ اعلم۔

وفى الهداية(۱/۸۶): (ويكره لهن حضور الجماعات) يعنى الشواب منهن لمافيه من خوف الفتنة (ولا بأس للعجوز ان تخرج فى الفجر والمغرب والعشاء) وهذا عند ابي حنيفة رحمه الله (وقالا يخرجن فى الصلوات كلها) لانه لا فتنه لقلة الرغبة فلا يكره كما فى العيد وله ان فرط الشبق حامل فتقع الفتنة غير ان الفساق انتشارهم فى الظهر والعصر والجمعة اما فى الفجر والعشاء هم نائمون وفى المغرب بالطعام مشغولون۔

وفى الدر المختار(۲/۲۲۶،۲۲۵،۲۲۴): (وكرهت تحريماً) وقيل (تنزيها فى مسجد جماعة هو) أى الميت (فيه) وحده أو مع القوم۔

(واختلف فى الخارجة) عن المسجد وحده او مع بعض القوم (والمختار الكراهة) مطلقاً خلاصة، بناءً على أن المسجد انما بنى للمكتوبة وتوابعها كنافلة وذكر وتدريس علم وهو الموافق لا طلاق حديث أبي داؤد ''من صلى على ميت فى المسجد فلاصلاة له''۔

وفى الشامية(۲/۲۲۵): (قوله مطلقاً) اى فى جميع الصور المتقدمة كمافى الفتح عن الخلاصة وفى مختارات النوازل سواء كان الميّت فيه او خارجه هو ظاهر الرواية وفى رواية لايكره اذا كان الميت خارج المسجد(قوله بناء على أن المسجد الخ) أما اذا عللنا بخوف تلويث المسجد فلا يكره اذا كان الميت خارج المسجد وحده او مع بعض القوم قال فى شرح المنية: واليه مال فى المبسوط والمحيط'' وعليه العمل وهو المختار اهـ قلت: بل ذكر غاية البيان والعناية انه لا كراهة فيها بالاتفاق۔

Marfat.com

(۴۷۵) سیلاب، زلزلہ وغیرہ میں مرنے والوں کی شہادت کا حکم

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ابھی چند دن پہلے بلوچستان میں ضلع زیارت پر جو خوفناک زلزلہ آیا اور اس میں کئی گاؤں تباہ ہو گئے اور بہت سے افراد مر گئے، زید کہتا ہے کہ یہ لوگ چونکہ زیادہ گنہگار تھے اس لئے ان پر یہ زلزلے آتے ہیں اور یہ ان کی سزا ہے جبکہ عمر کہتا ہے کہ ان لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کا اس امت پر خاص فضل وکرم ہے کہ ان پر ان کے گناہوں کی وجہ سے اگر عام عذاب آ جائے جیسے زلزلہ، سیلاب وغیرہ تو اس سے ان کے گناہ دھل جائیں گے اور اس میں مرنے والوں کی موت شہادت کی موت ہوگی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ سیلاب، زلزلہ یا دوسری ناگہانی آفات سے جو اموات واقع ہوتی ہیں ان کو شہادت کہنا درست ہے، نیز اس میں مرنے والوں کے غسل اور کفن دفن عام اموات کی طرح ہوگا یا کوئی فرق ہے؟ تفصیلی جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب..... شہید کی دو قسمیں ہیں:

شہید کی پہلی قسم یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں شہید ہو، اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ مسلمان جو کفار کے ساتھ لڑائی میں شہید ہو جائے یا اس کو ظلماً قتل کیا جائے اور وہ کچھ دنیاوی نفع بھی حاصل نہ کر سکے، اس شہید کا حکم دنیا میں یہ ہے کہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور اس کو اپنے خون آلود کپڑوں میں دفن کیا جائے گا البتہ اس سے زائد کپڑے، کوٹ، واسکٹ، اور اسلحہ وغیرہ نکال دیا جائے گا اور آخرت میں اس کو شہید کا درجہ ملے گا۔

شہید کی دوسری قسم وہ ہے جو صرف آخرت میں شہید کہلائے گا اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ مسلمان جو دین کی فکر میں مر جائے یا کسی ناگہانی موت مر جائے ایسے شہید کا حکم دنیا میں یہ ہے کہ اس کو غسل اور کفن دیا جائے گا اور آخرت میں اس کو انشاء اللہ شہید کا ثواب ملے گا، لہٰذا صورت مسئولہ میں زلزلہ سیلاب، اور ناگہانی آفات میں مرنے والوں کو عام مردوں کی طرح غسل اور کفن دیا جائے گا اور ان کو شہداء کہنا درست ہے۔ البتہ رہی زید کی بات کہ یہ لوگ گنہگار تھے اس لئے ان پر زلزلے آئے ہیں تو گناہ شہادت کے منافی نہیں اگر کسی آدمی پر گناہ کی حالت میں شہادت کے اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے موت واقع ہو جائے تو اس کو شہید کا ثواب ملے گا البتہ اس پر اپنے ناجائز عمل کا گناہ ہوگا۔

لمافی تکملة فتح الملهم (۴۶۲/۳): قوله والشهيد فی سبيل الله! يعنی من قتل مجاهداً فی سبيل الله تعالٰی، وهذا الأخير هو الشهيد فی احكام الدنيا والاخرة فلا يغسل، ويدفن فی ثيابه بشرط ان لا يكون مرتثا ويلحق به عند الحنفية من قتل ظلماً بجارحة ولم يجب بنفس القتل مال، ومن قتله باغ أو حربی أو قاطع طريق ولو بغير آلة جارحة أو وجد جريحاً ميتاً فی معركتهم كما فی الدر المختار. فهؤلاء كلهم شهداء فی حكم الدنيا والاخرة، وأما الاربعة الاولی فهم شهداء فی أحكام

Marfat.com

الاخرة دون الدنيا، فيغسلون ويكفنون، ولهم في الآخرة أجر شهيد، وقد وردت روايات اخرى الحقت كثيرا من الانواع بهؤلاء الاربعة في احكام الاخرة وكونهم مأجورين أجر الشهداء وعدّهم الحافظ ابن حجر رحمه الله عشرين كمامرّ وعدّهم السيوطي نحو الثلاثين، وهي ''من مات بالبطن أو الغرق أو الهدم، أو بالجنب... الخ۔

وفي الفقه الاسلامي (۱۵۹۰/۲): والخلاصة. إن كل من مات بسبب مرض أو حادث أو دفاع عن النفس أو نقل من قلب المعركة حيّاً او مات في اثناء الغربة أو طلب العلم أو ليلة الجمعة، فهو شهيد الاخرة وحكم هؤلاء الشهداء في الدنيا، أي شهداء الآخرة، أن الواحد منهم يغسل، ويكفن ويصلى عليه اتفاقاً كغيره من الموتى، أما في الاخرة فله ثواب الاخرة فقط، وله أجرا الشهداء يوم القيامة۔

وفي الشامية(۲۵۳/۲): (خاتمة) ذكر الأجهوري قال في العارضة: من غرق في قطع طريق فهو شهيد وعليه إثم معصيته وكل من مات بسبب معصية فليس بشهيد، وان مات في معصية بسبب من اسباب الشهادة فله أجر شهادته وعليه إثم معصيته، وكذالك لو قاتل على فرس مغصوب أو كان قوم في معصية فوقع عليهم البيت فلهم الشهادة وعليهم إثم المعصية۔

(۴۷۶) گرمی کی شدت سے مرجانے والے کی شہادت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شہید اخروی کی بہت سی اقسام احادیث میں ذکر ہیں کیا وہ شخص جو گرمی کی شدت سے مرجائے وہ شہید اخروی ہے یا نہیں؟ آئے دن یہ سننے میں آتا ہے کہ فلاں شہر میں اتنے افراد گرمی کی شدت سے جاں بحق ہوگئے اور فلاں شہر میں اتنے۔ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب سے جلد سرفراز فرمائیے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......تتبع اور تلاش کے بعد تقریباً پچاس ایسے افراد ملے ہیں جن کو مختلف کتب میں شہداء اخروی کہا گیا ہے اور ان میں اکثر وہ شہداء ہیں جن کا ذکر احادیث میں موجود ہے اور ان تمام شہداء کے مجموعے سے دو اصول سمجھ میں آتے ہیں، ایک اصول یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی دینی فکر میں مرجائے تو وہ شہید ہے جیسا کہ وہ طالب علم جو کہ علم شرعی کی طلب میں مرجائے یا وہ شخص جو اللہ کے راستہ میں بستر پر مرجائے یا وہ شخص جو کہ امت کے فساد کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوطی سے تھام لے وغیرہ وغیرہ اور دوسرا اصول یہ ہے کہ جو شخص ناگہانی موت مرجائے تو وہ شہید ہے جیسا کہ پانی میں غرق ہو کر مرگیا یا جس کو درندوں نے مار کر قتل کردیا ہو یا وہ شخص کہ جس نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور اس کی موت واقع ہوگئی ہو وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں وہ شخص جو کہ گرمی کی شدت سے مرجائے وہ بھی ناگہانی موت میں داخل ہے اور ان شاء اللہ شہید اخروی ہے۔

Marfat.com

لمافی فتح الباری(۶/۳۴،۳۳): . . . ويحتمل أن يكون أراد التنبيه على ان الشهادة لا تنحصر فی القتل بل لها أسباب أخر وتلك الاسباب اختلفت الاحاديث فی عددها ففی بعضها خمسة وفی بعضها سبعة والذی وافق شرط البخاری الخمسة فنبه بالترجمة على أن العدد الوارد ليس على معنى التحديد انتهى. . . والذی يظهر انه ﷺ أعلم بالاقل ثم اعلم زيادة على ذالك فذكرها فی وقت آخر ولم يقصد الحصر فی شئ من ذالك وقد اجتمع لنا من الطرق الجيدة اكثر من عشرين خصلة فان مجموع ماقدمته مما اشتملت عليه الاحاديث التی ذكرتها أربع عشرة خصلة وتقدم فی باب من ينكب فی سبيل الله حديث أبی مالك الأشعری مرفوعا من وقصه فرسه أو بعيره أو لدغته هامة أو مات على فراشه على ای حتف شاء الله تعالىٰ فهو شهيد وصحح الدار قطنی من حديث ابن عمر رضی الله عنهما موت الغريب شهادة ولا بن حبان من حديث أبی هريرة رضی الله عنه من مات مرابطا مات شهيداً الحديث وللطبرانی من حديث ابن عباس رضی الله عنهما مرفوعاً المرء يموت على فراشه فی سبيل الله شهيد وقال ذالك ايضاً فی المبطون واللديغ والغريق والشريق والذی يفترسه السبع والخار عن دابته وصاحب الهدم وذات الجنب ولابی داؤد من حديث ام حرام المائد فی البحر الذی يصيبه القئ له أجر شهيد وقد تقدمت احاديث فيمن طلب الشهادة بنية صادقة انه يكتب شهيداً فی باب تمنی الشهادة ويأتی فی كتاب الطب حديث فيمن صبر فی الطاعون انه شهيد وتقدم حديث عقبة بن عامر فيمن صرعته دابته وانه عند الطبرانی وعنده من حديث ابن مسعود باسناد صحيح ان من يتردى من رؤس الجبال وتأكله السباع ويغرق فی البحار لشهيد عند الله ووردت احاديث اخرى فی أمور اخرى لم أعرج عليها لضعفها قال ابن التين هذه كلها ميتات فيها شدة تفضل الله على أمة محمد ﷺ بان جعلها تمحيصا لذنوبهم وزيادة فی أجورهم يبلغهم بها مراتب الشهداء (قلت) والذی يظهر أن المذكورين ليسو فی المرتبة سواء. . . ويتحصل مما ذكر فی هذه الاحاديث ان الشهداء قسمان شهيد الدنيا وشهيد الآخرة وهو من يقتل فی حرب الكفار مقبلاً غير مدبر مخلصاً وشهيد الاخرة وهو من ذكر بمعنى انهم يعطون من جنس أجر الشهداء ولا تجرى عليهم احكامهم فی الدنيا۔

وكمافی تكملة فتح الملهم: (۳/۳۶۳،۳۶۲)

وكمافی الشامية(۲/۲۵۲)

Marfat.com

(۴۷۷) ایکسیڈنٹ میں مرنے والے کی شہادت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک دینی مدرسہ میں حفظ کررہا ہوں اور چند دن پہلے چھٹی کے موقع پر ہم گھر جارہے تھے کہ رات کو ایک جگہ پر ہماری بس دوسری گاڑی سے ٹکرا گئی اور ایکسیڈنٹ ہوا جس کے نتیجہ میں کافی سارے لوگ زخمی ہوئے اور چند حضرات موقع ہی پر مرگئے اور دو تین آدمی چند دن زخم کے حالت میں رہ کر آخر کار زخموں کی تاب نہ لاسکے اور رخصت ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آیا یہ لوگ شہید ہیں یا نہیں؟ نیز ان کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں ایکسیڈنٹ میں فوت ہونے والے افراد صرف آخرت کے اعتبار سے شہید ہیں لہٰذا ان کو غسل دیا جائے گا اسی طرح عام مُردوں کی طرح کفن اور دفن کا انتظام کیا جائے گا۔

لمافی تكملة فتح الملهم(۳/۶۶۲): قوله والشهيد في سبيل الله! يعني من قتل مجاهداً في سبيل الله تعالى، وهذا الأخير هو الشهيد في احكام الدنيا والاخرة فلا يغسل، ويدفن في ثيابه بشرط ان لا يكون مرتثا ويلحق به عند الحنفية من قتل ظلماً بجارحة ولم يجب بنفس القتل مال، ومن قتله باغ أو حربي أو قاطع طريق ولو بغير آلة جارحة أو وجد جريحاً ميتاً في معركتهم كما في الدر المختار. فهؤلاء كلهم شهداء في حكم الدنيا والاخرة، وأما الاربعة الاولى فهم شهداء في أحكام الاخرة دون الدنيا، فيغسلون ويكفنون، ولهم في الآخرة أجر شهيد، وقد وردت روايات اخرى الحقت كثيرا من الانواع بهؤلاء الاربعة في احكام الاخرة وكونهم مأجورين أجر الشهداء وعدّهم الحافظ ابن حجر عشرين كمامرّ وعدّهم السيوطي نحو الثلاثين. وهي ''من مات بالبطن أو الغرق أو الهدم، أو بالجنب... الخ۔

وفي الفقه الاسلامي (۲/۱۵۹۰): والخلاصة، إن كل من مات بسبب مرض أو حادث أو دفاع عن النفس أو نقل من قلب المعركة حيّاً أو مات في اثناء الغربة أو طلب العلم أو ليلة الجمعة، فهو شهيد الاخرة وحكم هؤلاء الشهداء في الدنيا، أي شهداء الاخرة، أن الواحد منهم يغسل، ويكفن ويصلى عليه اتفاقاً كغيره من الموتى، أما في الاخرة فله ثواب الاخرة فقط، وله أجر الشهداء يوم القيامة۔

وفي الشامية(۲/۲۵۳): (خاتمة) ذكر الأجهوري قال في العارضة: من غرق في قطع طريق فهو شهيد وعليه إثم معصيته وكل من مات بسبب معصية فليس بشهيد، وان مات في معصية بسبب من اسباب الشهادة فله أجر شهادته وعليه إثم معصيته، وكذالك لو قاتل على فرس مغصوب أوكان

Marfat.com

قوم فی معصیة فوقع علیهم البیت فلهم الشهادة وعلیهم إثم المعصیة۔

(۴۷۸)جو شخص اپنی یا مسلمانوں کی جان و مال کا دفاع کرتے ہوئے مرجائے وہ شہید ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں دو مسلمان جماعتوں کے درمیان لڑائی ہوئی زمین کے سلسلے میں، جن میں ایک جماعت برحق اور مظلوم تھی اور دوسری جماعت بالکل ظالم تھی مظلوم جماعت سے دو آدمیوں کو پتھروں سے قتل کیا گیا اور دونوں جنگ کے موقع پر ہی وفات پاگئے اور نہ کوئی بات کی اور نہ کچھ کیا اور ان میں ایک کا قاتل بھی معلوم ہوا، اور دوسرے کا قاتل معلوم نہیں ہوا بلکہ جماعت کے ہر فرد پر شبہ قتل کیا جاسکتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ ان ہلاک شدگان میں سے کس کو غسل دیا جائے اور کس کو غسل نہ دیا جائے، تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......جو آدمی اپنی جان، مال، اہل یا مسلمانوں کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے، چاہے کسی بھی آلہ سے ہو، شرعاً شہید ہے۔جس کا حکم یہ ہے کہ ایسے شہید کو بغیر غسل دیئے نماز جنازہ پڑھا کر دفن کیا جائے گا۔لہٰذا صورت مسئولہ میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی غسل نہیں دیا جائے گا۔بلکہ بغیر غسل دیئے نماز جنازہ پڑھا کر دفن کیا جائے۔

لمافی الهندية(۱/۱۶۸): ومن قتل مدافعا عن نفسه أو ماله أو عن المسلمين أو أهل الذمة بای آلة قتل بحديد أو حجر أو خشب فهو شهيد كذا فی محيط السرخسی۔

وفيه ايضاً(۱/۱۶۸): وحكمه ان لا يغسل ويصلى عليه كذا فی محيط السرخسی ويدفن بدمه وثيابه كذا فی الكافی۔

وفی الشامية(۲/۲۴۹): ومفاده أنه لو كانت إحدى الفرقتين ظالمة للأخرى بأن علموا حالهم لايغسل من قتل من الأخرى وإن جهل قاتله عينا لكونه مدافعا عن نفسه وجماعته تأمل۔

(۴۷۹)عدالت کی طرف سے کسی کو ظلماً قتل کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمد اکرم ایک دیندار آدمی ہے پچھلے سال انہوں نے چار مہینے بھی لگائے لیکن اس کا بھائی محمد انور ایک شریر آدمی ہے اور اس نے ایک آدمی کو قتل کیا اور فرار ہوگیا جس کی وجہ سے محمد اکرم کو پولیس نے گرفتار کیا اور جھوٹے گواہوں کی گواہی کی وجہ سے عدالت نے ان کو سزائے موت سنائی جو کہ دو تین دن میں ہونے والی ہے۔حالانکہ وہ اس قتل میں کسی طرح بھی شریک نہیں تھے۔اب پوچھنا یہ ہے کہ عدالت اگر کسی شخص کو ناحق سزا دے جس کی وجہ سے وہ مرجائے تو وہ شہید ہوگا یا نہیں؟ اور اس کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟ برائے مہربانی جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......شہید کی تعریف میں وہ شخص داخل ہے جس کو بغیر گناہ اور ناحق قتل کیا گیا ہو، اور جس کا بدلہ اصلاً

Marfat.com

قصاص ہونہ کہ دیت۔صورت مسئولہ میں اگر گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوجائے کہ یہ گواہ جھوٹے تھے تو قصاص نہ قاضی پر لازم ہوتا ہے اور نہ ورثاء پر، بلکہ اس صورت میں ورثاء پر دیت لازم ہوگی۔اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی کو حاکم یا قاضی ظلماً قتل کروائے تو اس مظلوم مقتول کو شرعاً شہید اخروی قرار دیا جاتا ہے۔لہٰذا صورت مسئولہ میں اس شخص محمد اکرم کو غسل اور کفن دے کر دفن کیا جائے۔

لمافي الهندية(١/١٦٧): وهو في الشرع من قتله أهل الحرب والبغي وقطاع الطريق او وجد في معركة وبه جرح او يخرج الدم من عينه أو اذنه او جوفه... او قتله مسلم ظلماً ولم تجب به دية وكذا ان قتله أهل الذمة او المستأمنون۔

ولو وجبت الدية بصلح او بقتل الاب ابنه لا تسقط الشهادة لأن الواجب القصاص لكنه سقط بالصلح او الشبهة

ومن قتل مدافعاً عن نفسه او ماله او عن المسلمين او أهل الذمة بأي آلة قتل بحديد او حجر او خشب فهو شهيد۔

وفي الشامية(٦/): وفي المعراج عن المجتبى: يشترط عند ابي حنيفة اى في شبه العمد أن يقصد التأديب دون الاتلاف۔

(۴۸۰) میت کو ایصال ثواب کا مسنون طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کی وفات کے بعد ایصال ثواب کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

(۲)۔میت کی وفات کے بعد برائے ایصال ثواب جانور وغیرہ ذبح کرنا کیسا ہے؟

(۳)۔بعض جگہوں میں میت کی وفات کے بعد تیجہ، ساتواں، چالیسواں وغیرہ مناتے ہیں، اس کی کیا حیثیت ہے؟

(۴)۔بعض جگہوں میں نماز جنازہ کے بعد پیسے وغیرہ تقسیم کیے جاتے ہیں اس کی کیا حیثیت ہے؟ واضح رہے کہ یہ پیسے وغیرہ رشتہ دار اپنے مال سے ایصال ثواب کے طور پر تقسیم کرتے ہیں اور اس کو لازم بھی نہیں سمجھتے۔

(۵)۔اور نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب......(۱)۔ہر قسم کی بدنی ومالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچانا جائز اور صحیح ہے بلکہ ایک مستحسن امر ہے جس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کوئی بدنی عبادت یا مالی عبادت کر کے اللہ سے دعا مانگے کہ اے اللہ! میری اس عبادت کا ثواب فلاں کو پہنچا دے۔اس طرح دعا مانگنا زبان سے ضروری نہیں۔اگر دل میں نیت کرے تو بھی کافی ہے۔

لیکن واضح رہے کہ امر مباح یا مندوب کو واجب کا درجہ دے کر اس کو لازم سمجھنا یا اس کو کسی خاص وقت یا خاص مکان کے ساتھ مقید کرنا

Marfat.com

اور اسی کو دین سمجھنا اور نہ کرنے والے پر طعن وتشنیع کرنا، درست نہیں۔ اس میں بدعت کی صورت پیدا ہوتی ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

(۲)۔ برائے ایصال ثواب جانور ذبح کرنا بھی درست ہے جبکہ ذبح کرنے والا اپنے مال سے کرے۔ اور اگر یہ میت کے ترکہ سے ہو جس میں غائب اور یتیم ورثاء کا حق ہوتا ہے تو پھر جائز نہیں۔ البتہ اگر تمام ورثاء بالغ ہوں اور ان میں کوئی غائب نہ ہو، اور وہ خوشی سے ذبح کریں تو پھر درست ہے تاہم کسی مروجہ خاص وقت یا خاص جگہ میں ذبح کرنا بوجہ التزام وغیرہ کے درست نہ ہوگا اس سے احتراز کیا جائے۔

(۳)۔ میت کی وفات کے بعد تیجہ، ساتواں، چالیسواں وغیرہ کرنا بدعت ہے جس کا ترک کرنا لازم ہے البتہ بلاقید کسی دن اور تاریخ کے جب چاہے برائے ایصال ثواب فقراء کو پیسے دینا یا کھانا کھلانا درست ہے۔

(۴)۔ نماز جنازہ کے بعد میت کے رشتہ دار کا اپنے مال سے بطور ایصال ثواب کے پیسے یا چھوارے وغیرہ تقسیم کرنا اور بقول مستفتی اس کو لازم نہ سمجھنا، اگرچہ درست ہے لیکن "نماز جنازہ کے بعد" کی تخصیص سے معلوم ہوتا ہے کہ آگے جا کر یہ بدعت کی صورت اختیار کرسکتا ہے جس کو لازم سمجھا جاسکتا ہے۔ اس لئے یہ تخصیص ختم کرنا چاہیے بلکہ اس کے علاوہ جب چاہے بطور ایصال ثواب کے پیسے وغیرہ دے سکتا ہے۔

(۵)۔ نماز جنازہ خود دعا ہے اور نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ پیدا کرتا ہے اس لئے فقہاء کرام نے نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا ممنوع لکھا ہے۔ لہٰذا نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا بدعت ہے۔ جس کا خیر القرون میں کوئی ثبوت نہیں۔

لمافی صحیح مسلم (۴۱/۲): عن ابی هريرة ان رجلا قال للنبی ﷺ ان ابی مات وترك مالا ولم يوص فهل يكفر عنه أتصدق عنه قال نعم۔

وفی شرح المسلم للنواوی (۱۲،۱۳/۱): فان الصدقة تصل الى الميت وينتفع بها بلا خلاف بين المسلمين وهذا هو الصواب... وذهب جماعة من العلماء الى انه يصل الى الميت ثواب جميع العبادات من الصلاة والصوم والقراء ة و غير ذلك وفی صحيح البخاری فی باب من مات وعليه نذران ابن عمر رضی الله عنهما امر من ماتت امها وعليها صلوة ان تصلی عنها الخ۔

وفی شرح العقائد (ص۱۴۲): وفی دعاء الاحياء للاموات وصدقتهم ای صدقة الاحياء عنهم ای عن الاموات نفع لهم ای للاموات ...ولنا ما ورد فی الاحاديث الصحاح من الدعا للاموات خصوصا فی صلاة الجنازة وقد توارثه السلف فلو لم يكن للاموات نفع فيه لما كان له معنى وقال عليه السلام مامن ميت تصلی عليه امة من المسلمين يبلغون مائة كلهم يشفعون الا شفعوا فيه وعن سعد بن عبادة انه قال يا رسول الله ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الماء فحفر

Marfat.com

بیر وقال ھذا لامر سعد۔

وفی الشامیة(٢/٢٤٣): مطلب فی القراء ة للمیت واھداء ثوابھا له۔ (تنبیه) صرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلاة او صوما او صدقة او غیرھا كذا فی الھدایة. بل فی زکاة التتارخانیة عن المحیط: الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانھا تصل الیھم ولا ینقص من اجره شئ اھ ھو مذھب اھل السنة والجماعة... ولھذا اختاروا فی الدعاء: اللھم اوصل مثل ثواب ما قرأته الی فلان، واما عندنا فالواصل الیه نفس الثواب وفی البحر: من صام اوصلی او تصدق وجعل ثوابه لغیره من الاموات والاحیاء جاز. ویصل ثوابھا الیھم عند اھل السنة والجماعة کذا فی البدائع۔

وفی الشامیة(٢/٢٤١،٢٤٠): ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اھل المیت لانه شرع فی السرور لافی الشرور، وھی بدعة مستقبحة، وروی الامام احمد وابن ماجة باسناد صحیح عن جریر بن عبدالله قال ((کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحة)) اھ۔ وفی البزازیة: ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبرفی المواسم، و اتخاذ الدعوة لقرائة القران وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراء ة سورة الانعام او الاخلاص۔ والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراء ة القران لاجل الاکل یکره... واطال ذلك فی المعراج۔ وقال: وھذه الافعال کلھا للسمعة والریاء فیحترز عنھا لانھم لا یریدون بھا وجه الله تعالیٰ اھ۔

وفی المرقاة شرح المشکوة(٤/١٤٩): ولا یدعوا للمیت بعد صلاة الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلاة الجنازة۔

وفی البزازیة علی ھامش الھندیة(٤/٨٠): لایقوم بالدعاء بعد صلاة الجنائز لانه دعا مرة لان اکثرھا دعاء۔

وفی الدر المختار (٢/١٢٠): ...لان الجھلة یعتقدونھا سنة او واجبة وکل مباح یؤدی الیه فمکروه۔

(۴۸۱) مظاہروں اور ہڑتالوں وغیرہ کے موقع پر مرنے والے پولیس اہلکاروں کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے یہاں بجلی کی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے زمیندار ایکشن

Marfat.com

کمیٹی کی کال پر مظاہرہ ہوا۔شروع میں مظاہرہ پُرامن طریقہ سے جاری رہا۔تھوڑی دیر بعد مظاہرہ والوں نے تشدد کا راستہ اختیار کیا اور فائرنگ شروع ہوئی اور پولیس نے حالات کنٹرول کرنے کیلئے ہوائی فائرنگ کی جس میں چار، پانچ آدمی مر گئے جن میں دو پولیس والے بھی شامل تھے۔اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ لوگ شہید ہیں یا نہیں؟ اور ان کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟ نیز اس طرح مظاہروں ہڑتالوں، انتخابات کے موقع پر یا ڈاکوؤں وغیرہ سے مقابلہ کے دوران جو پولیس والے مرتے ہیں ان کو شہادت نصیب ہوگی یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں اور عندالناس مشکور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......شہادت کی دو قسمیں ہیں دنیوی اور اخروی، شہادتِ اخروی ایسی شہادت کو کہتے ہیں جس میں آخرت میں تو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور انہیں دنیاوی شہید جیسا اعزاز واکرام کیا جاتا ہے لیکن ان پر شہیدوں کے دنیوی احکام جاری نہیں ہوتے ایسی شہادت پانے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، آگ میں جل کر مرنے والا، مکان کے نیچے دب کر مرنے والا اور اتفاقی حادثے میں مرنے والا انہیں میں داخل ہے۔شہادت دنیوی جس میں دنیا میں بھی شہیدوں کے احکام جاری ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اس سے مراد ہر وہ مکلف مسلمان ہے جس کو ظلماً آلہ جارحہ سے قتل کیا گیا ہو، اور وہ قتل موجب قصاص ہو، اور وہ مقتول حدث اکبر سے پاک ہو، اور زخمی ہونے سے لے کر وفات تک زندگی کا کوئی فائدہ مثلاً کھانا پینا دوا کرنا وغیرہ نہ پایا جائے اور جو باغیوں، ڈاکوؤں اور میدان جنگ میں کافروں سے لڑتے ہوئے مارا جائے وہ بھی اسی شہادت دنیوی میں داخل ہے خواہ وہ کسی طرح بھی قتل کریں، اسی طرح وہ شخص بھی اسی شہید کے حکم میں ہے جو کہ اپنی جان مال یا مسلمانوں کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے، ایسے شہید کا حکم یہ ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ ان ہی کپڑوں سمیت نماز پڑھ کر دفن کر دیا جائے، لہٰذا صورت مسئولہ میں جو پولیس والے ڈاکوؤں سے مقابلہ کرتے ہوئے مارے جاتے ہیں وہ تو دنیاوی احکام کے اعتبار سے بھی شہید ہیں۔باقی ہڑتال ومظاہرے وغیرہ اگر جائز حق کیلئے اور ظالم حکومت کو ظلم سے روکنے کیلئے ہوں اور پُرامن مظاہرہ ہو، اس میں کسی کی جان ومال کو نقصان نہ پہنچایا جائے تو چونکہ یہ جائز بلکہ بعض حالات میں ضروری ہوتا ہے اس صورت میں اگر پولیس ان کو روکے تو وہ ظلم کرنے والے ہوں گے اب جو عوام مر جائیں وہ شہید دنیوی ہوں گے اور پولیس والے چونکہ ظالم ہیں اس لئے وہ شہید نہ ہوں گے۔اور اگر ہڑتال والے شر وفساد کریں لوگوں کی جان ومال کو نقصان پہنچایا جائے تو یہ چونکہ جائز نہیں اگرچہ ہڑتال کسی جائز حق کیلئے ہو، اس صورت میں اگر پولیس ان کو روکنے کیلئے لڑائی کرے اور دوران لڑائی پولیس والے مر جائیں تو وہ شہید ہوں گے کیونکہ یہ ظلماً قتل کئے گئے اور مدافع عن نفسہ وعن المسلمین بھی ہیں۔

لمافی تکملة فتح الملهم (۳/۳۲۵،۳۲۴): وهذا هو الطريق المشروع للضغط على الحكومات فى سبيل إقامة شرع الله وتطبيق احكامه واما ما تعلمه الناس من الغرب من الوسائل الضغط على الحكومات كالاضطرابات والمظاهرات وسد الشوارع وسفك الدماء وتخريب العمران ليس من الاسلام فى شئ۔

وفی الهندية (۱/۱۶۷): وهو فى الشرع من قتله اهل الحرب والبغى وقطاع الطريق اووجد فى معركةٍ

Marfat.com

وبه جرح او يخرج الدم من عينه او اذنه اوجوفه او به اثر الحرق او وطئته دابة العدو وهو راكبها او سائقها وكدمته او صدمته بيدها او برجلها او نفروا دابته بضرب او زجر فقتلته او طعنوه فالقوه فى ماء اونار او رموه من سور او اسقطوا عليه حائطاً او رموا ناراً فينا او هبت بها ريح الينا او جعلوها فى طرف خشب راسها عندنا او ارسلوا الينا ماء فاحترق او غرق مسلم، او قتله مسلم ظلماً ولم تجب به دية۔

وفى ... المختار(۲/۲۴۷): باب الشهيد (هو كل مكلف مسلم طاهر)... (قتل ظلماً) بغير حق (بجارحة) اى بما يوجب القصاص (ولم يجب بنفس القتل مال) بل قصاص، وكذا يكون شهيدا لو قتله باغ اوحربي اوقاطع طريق ولوتسببا اوبغير آلة جارحة فان مقتولهم شهيد بأى آلة قتلوه.......

(۴۸۲)شہید دنیوی میں عدم ارتثاث کی قید کا حدیث سے ثبوت

سوال.....کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شہید دنیوی کی تعریف میں جوعدم ارتثاث کی قید لگائی جاتی ہے کہ اس شخص نے زخمی ہونے کے بعد موت تک دنیا کا کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو، آیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے اور جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زخمی ہونے کے بعد ارتثاث پایا گیا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ شہید دنیوی نہ ہوں گے؟ نیز کسی روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ ان کو غسل دیا گیا تھا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شہید دنیوی کی تعریف میں فقہاء کرام جوعدم ارتثاث کی قید لگاتے ہیں یعنی اس نے زخمی ہونے کے بعد موت تک دنیا کا کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو، یہ احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید ہوئے اور انہوں نے دنیا کا کوئی نفع نہیں اٹھایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بغیر غسل کے دفن کرنے کا حکم فرمایا جیسے شہدائے احد(صحیح البخاری ۲/ ۵۸۴)۔اور جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شہادت کے بعد دنیا کا کوئی نفع اٹھایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو غسل دینے کا حکم فرمایا جیسے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (کتاب المغازی للواقدی ۲/ ۵۲۵) اسی طرح خلفائے راشدین کے زمانے میں جو شہداء دنیا کا کوئی نفع حاصل کرتے ان کو غسل دیا جاتا جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔

پس یہ احادیث اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ غسل دینے اور نہ دینے میں ارتثاث اور عدم ارتثاث کی قید ملحوظ ہے۔یعنی شہید مرتث کو غسل دیا جائے گا اور شہید غیر مرتث کو غسل نہیں دیا جائے گا۔لہٰذا جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زخمی ہونے کے بعد ارتثاث پایا گیا ہے وہ شہید دنیوی نہ تھے بلکہ ان کو غسل دیا گیا تھا جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ۔ اور روایات سے ان کو غسل دینا ثابت ہے۔(جیسے مؤطا للإمام مالک رحمہ اللہ (ص ۴۷۸) مطبع نور محمد، الطبقات الکبری

Marfat.com

لابن سعد ۲/۶۷ مکتبہ دار الفکر، کتاب المغازی للواقدی ۲/۵۲۵ مؤسسة الاعلمی)

لما فی صحیح البخاری (۲/۵۸۴): عن ابن شهاب عن عبدالرحمن بن کعب بن مالك ان جابر بن عبدالله اخبره ان رسول الله ﷺ كان يجمع بين الرجلين فى قتلى احد فى ثوب واحد ثم يقول ايهم اكثر اخذا للقرآن فاذا اشيرله الى احد قدمه فى اللحد وقال انا شهيد على هؤلاء يوم القيامة وامر بدفنهم بدمائهم ولم يصل عليهم ولم يغسلوا۔

وفی سنن ابی داؤد(۲/۴۴۷): عن ابن عباس قال امر رسول الله ﷺ بقتلى احد ان ينزع عنهم الحديد والجلود وان يدفنوا بدمائهم وثيابهم۔

وفی المؤطا للامام مالك رحمه الله (ص۴۷۸): مالك عن نافع عن عبدالله بن عمر رضى الله عنهما ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ غسل وكفن وصلى عليه وكان شهيدا يرحمه الله۔

وفی الطبقات الكبرى لابن سعد (۲/۶۷): وبعث الاشعث بن قيس ابنه قيس بن الاشعث صبيحة ضرب علیّ عليه السلام فقال: اى بنيّ انظر كيف اصبح امير المؤمنين۔ فذهب فنظر اليه ثم رجع فقال: رايت عينيه داخلتين فى راسه، فقال الاشعث: عينى دميغ ورب الكعبة، قال ومكث علیّ يوم الجمعة وليلة السبت وتوفى، رحمة الله عليه وبركاته، ليلة الاحد لاحدى عشرة ليلة بقيت من شهر رمضان سنة اربعين، وغسله الحسن والحسين وعبدالله بن جعفر، وكفن فى ثلثه اثواب ليس فيها قميص۔

وفی كتاب المغازى للواقدى (۲/۵۲۷): قالوا: ثم امر رسول الله ﷺ ان يغسل، فغسله الحارث بن اوس بن معاذ، واسيد بن حضير، وسلمة بن سلامة بن وقش يصب الماء، ورسول الله ﷺ حاضر، فغسل بالماء الاولى، والثانية بالماء والسدر، والثالثة بالماء والكافور، ثم كفن فى ثلاثة اثواب صحارية وادرج فيها ادراجا، واتى بسرير كان عند آل سبط، يحمل عليه الموتى، فوضع على السرير۔

(۴۸۳) بیٹھی ہوئی قبر کی مرمت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں کراچی میں میت کو قبر میں دفنانے کیلئے شق کا طریقہ رائج ہے، قبر کو بند کرنے کیلئے ٹائلیں استعمال کی جاتی ہیں۔ اس صورت میں اگر کوئی قبر عرصہ تقریباً ایک سال کے بعد بوجہ بارش کے مکمل طور پر بیٹھ جائے۔ یہاں تک کہ قبر کے اوپر جو ٹائلیں رکھی گئی تھیں وہ بھی قبر کے اندرونی شق میں چلی جائیں، اب اس صورت میں قبر کی مرمت کی کیفیت کیا

Marfat.com

ہوگی؟ آیا جو مٹی قبر کے اندر چلی گئی اور قبر کا گڑھا تقریباً مٹی سے بھر چکا ہے اس مٹی کو نکال کر قبر کی مرمت کی جائے گی یا مزید مٹی ڈال کر اسے قبر کی صورت دے دیجائے؟ جبکہ یہ ساری مٹی میت کے اوپر ہی گری ہوئی ہے۔ شرعاً جو بھی صحیح طریقہ اور کیفیت ہو بیان فرما کر ممنون ومشکور ہوں۔

الجواب بعون الملك الوهاب...... میت کو دفنانے کے بعد دوبارہ اس کو نکالنا حرام ہے۔ لہٰذا مزید مٹی ڈال کر قبر کی مرمت کی جائے۔

لمافی الفتاویٰ الولوالجية(۱/۱۶۸): واذا دفن الميت لغير القبلة ورأسه فی أسفله ونصب اللبن ولم يهل التراب عليه نزع اللبن وسوى، وإن هالوا عليه التراب لم ينبش لان النبش حرام لمكان هذه الأفعال۔ والنبش إنما يكون بعد تمام الدفن وتمام الدفن إنما يكون بعد إهالة التراب عليه۔

وفی كتاب التجنيس والمزيد (۲/۲۷۹): الميت بعد ما دفن مدة طويلة أو قليلة لايسع إخراجه من غير عذر. ويجوز إخراجه بالعذر، والعذر أن يظهر أن الأرض مغصوبة أو أخذها الشفيع بالشفعة۔

وفی الدر المختار (۲/۲۳۸،۲۳۷): (ولايخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمی

وفی الشامية تحته:(قوله الا لحق آدمی) احتراز عن حق الله تعالىٰ كما إذا دفن بلا غسل أ وصلاة أو وضع على غير يمينه أو إلى غير القبلة لاينبش عليه بعد اهالة التراب۔

وفی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح(ص۶۱۵): وأما الثالث إذا غلب الماء على القبر فقيل يجوز تحويله لما، روى أن صالح بن عبيد الله رؤى فی المنام وهو يقول: حولونی عن قبری فقد آذانی الماء ثلاثا. فنظروا فإذا شقه الذی يلی الماء قد اصابه الماء فأفتى ابن عباس رضی الله عنهما بتحويله، وقال الفقيه أبو جعفر يجوز ذلك أيضاً ثم رجع ومنع۔

Marfat.com

نجم الفتاوی جلد ثانی [طبع جدید] میں موجود مدلل و مفصل فتاوی کے نام

نجم الفتاوی کی یہ طبع جدید جہاں اور خصوصیات کی حامل ہے وہاں اس کی زینت وہ تحقیقی اور تفصیلی فتاوی بھی ہیں جو ان چھ جلدوں میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف عنوانات کی ان تحقیقات کو [جو کہ فتاوی کا حسن ہوتی ہیں] متعلقہ ابواب میں درج کر دیا گیا ہے۔ اہل علم، صاحب نظر، فقہ وتفقہ کا ذوق رکھنے والوں اور تحقیق کے شناوروں کیلئے ان فتاوی میں انتہائی قابل قدر مواد موجود ہے۔

ہر جلد کی تفصیلی فہرست میں ان فتاوی کو نمایاں کر دیا گیا ہے نیز "نجم الفتاوی جلد اول" کے آخر میں مکمل چھ جلدوں میں موجود ان تمام محقق فتاوی کی فہرست مع مختصر تعارف کے موجود ہے۔ ہر جلد کے آخر میں صرف اس جلد میں موجود فتاوی کے نام مع صفحات نمبر درج کئے جا رہے ہیں۔ درج ذیل نام اس دوسری جلد میں موجود تفصیلی فتاوی کے ہیں۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

۱	حفر البئر فی وصل الشعر	۲/۸٦
۲	بروز السَّدَفَة بتحقيق مسئلة مسح الرَّقَبَة	۲/۹۴
۳	أريج الترنم فی الجمع بين الوضوء والتيمم	۲/۱۲۱
۴	مذهب النعمان فی رفض الاركان	۲/۲۹۹
۵	محاذاة الخدين فی مسئلة رفع اليدين	۲/۳۲٦
٦	كشف القناع عن مسئلة اتيان المسبوق بالثناء	۲/۳۳۵
۷	الافاضة فی قاعدة الفقهاء "كل صلوة اديت مع الكراهة تجب الاعادة"	۲/۴۳٦
۸	الكلمات الهندية فی الاجابة عن الدعاء بغير العربية	۲/۴۴۲
۹	نافلة النجيب فی الخطبة الأردوية امام الخطيب	۲/۵۹۱
۱۰	بيان الغرائب فی الأراضی المتصلة بالمساجد	۲/٦٦۷
۱۱	تعجيل الفرائض فی انتقال الميت والاسراع بالجنائز	۲/٦۸۵
۱۲	الأوابد فی اداء صلوة الجنازة داخل المساجد	۲/٦۹۹

Marfat.com